تاریخ اہلِ حدیث
ڈاکٹر محمد بہاء الدین
New Delhi
PAKISTAN
NEPAL
Lucknow
Jaipur
Kathmandu
Kānpur
Ahmadābād
Nāgpur
INDIA
مکتبہ اسلامیہ

انّه من سليمان و انّه بسم اللّٰه الرّحمن الرّحيم

تاریخ اہل حدیث

جلد سوم

تالیف

ڈاکٹر محمّد بہاء الدین

مکتبہ ترجمان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

نام کتاب	تاریخ اہل حدیث (جلد سوم)
صفحات	۷۳۶
مؤلف	محمد بہاء الدین
ناشر	مکتبہ ترجمان، اہل حدیث منزل
	۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۔ ٦
طبع	اول
سال طباعت	۲۰۰۹ء
تعداد	
مطبع	

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل ۔ ۴۱۱۶ ۔ اردو بازار

جامع مسجد، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰٦

فہرست

دعوت واستقامت

حواشی

تاثرات

الحمدللہ جلد ہذا کی تکمیل کے ساتھ برصغیر کی جماعت اہل حدیث کی تاریخ اور ورثے پر دو ہزار صفحات پر مشتمل مواد مرتب ہو گیا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ مزید کام جاری ہے اور نہ معلوم قلم کا یہ سفر ابھی کن کن سنگ ہائے میل کو عبور کرے گا۔ تاریخی نوعیت کے اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ بیسویں صدی کے اوائل میں اہل حدیث اکابرین نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب و تسوید کی ضرورت کو محسوس کیا، پھر پوری صدی ہر طالب و شائق تمنا کرتا رہا کہ جماعت اہل حدیث کی تاریخ مرتب ہو جائے۔جیسا کہ اپریل ۱۹۱۳ء میں بنگال و بہار کے ایک سفر کے بعد حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

> میں اس سفر میں یہ بات بھی سوچتا رہا کہ بنگالہ میں اہل حدیث جماعت کی اتنی کثرت کیسے اور کس ذریعہ سے ہوئی، تو مجھے بتلایا گیا کہ جناب مولانا عنایت علیؒ اور مولانا ولایت علیؒ صاحبان کی یہ برکت ہے جس کا مفصل ذکر تاریخ اہل حدیث میں ہو گا جس کی تصنیف اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے جناب مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کے سپرد ہوئی ہے جس کی فکر میں مولوی صاحب موصوف ابھی سے لگ رہے ہیں۔ خدا راست لائے۔ اہل علم کو چاہیے کہ اپنے اپنے معلومات سے مولوی صاحب موصوف کو مدد دیں تا کہ یہ بےنظیر کتاب آئندہ جلسہ کانفرنس تک چھپ کر طیار ہو جائے۔
>
> (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۵۔اپریل ۱۹۱۳ء۔ص۲)

حضرت مولانا ابراہیم میرؒ سیالکوٹی ایک عرصہ تک تاریخ اہل حدیث کی تصنیف میں مصروف رہے لیکن ان خرابیِ صحت اور دیگر تدریسی و تبلیغی مشاغل ان کی تصنیفی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتے رہے۔ ایک دفعہ بیماری سے صحت یاب ہوئے تو انہوں نے اخبار اہل حدیث امرتسر کے قارئین کو مخاطب کر کے لکھا:

> آپ حضرات دعا کریں کہ خدا تعالیٰ نے صحت دی ہے تو نیک اعمال کی توفیق دے اور اس کارِ عظیم یعنی تاریخ اہل حدیث کو اختتام تک پہنچا کر اسے میرے اور دیگروں کے لئے باعث خیر و برکت اور موجب صلاحیت و ہدایت کرے۔ آمین۔

عبدہ محمد ابراہیم سیالکوٹی (ہفت روزہ اہل حدیث ۱۷ مارچ ۱۹۲۲ء۔ص ۴)

اور اس موضوع پر کسی حد تک کام ہوا بھی، جیسا کہ جناب محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، تاریخ اہل حدیث کی اشاعت کے منتظر ایک سائل کو بواسطہ جناب ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

تاریخ اہل حدیث کی بابت استفسار کرنے والے کو بذریعہ اخبار اطلاع دے دیں کہ اس کی پہلی جلد (یعنی حصہ اول) تو صاف خط میں لکھوا کر تیار کر رکھی ہے لیکن اجلاس کانفرنس میں اس لئے پیش نہیں کرتا کہ جب حافظ صاحب غازی پوریؒ اور مولانا رحیم آبادیؒ کا خیال آتا ہے کہ وہ اب نہیں ہیں تو دل بجھ جاتا ہے کہ وہاں اب اس کو کون دیکھے گا، اسی شش و پنج میں توقف ہو رہا ہے۔ اور دوسری جلد شروع ہے۔ مضمون کتابوں کی ورق گردانی کے لحاظ سے کچھ محنت طلب آ گیا تھا۔ دن کو بوجہ اشتغال مدرسہ دارالحدیث فرصت نہیں ملتی تھی، اس لئے تاریخ کا کام رات کو کرتا تھا۔ دماغ پر محنت زیادہ پڑنے کے سبب بیمار ہو گیا۔ اس وقت سے تصنیف کا کام بند ہے۔ کتابیں اسی طرح سرہانے رکھی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ آج کل پھر شروع کر دونگا۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔۲۱ دسمبر ۱۹۲۳ء ص ۱۳)

جناب میر کے علاوہ دیگر کئی بزرگوں نے بھی اس دشت خار میں رہ نوردی کی لیکن اکیسویں صدی کے اوائل میں مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کے ادارۃ البحوث الاسلامیہ کی سالانہ رپورٹ (جولائی ۲۰۰۶ء) پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ نے فرمایا:

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ کی ترتیب ایک اہم علمی منصوبہ ہے اسے جماعت پر قرض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ اس وقت جماعتی تاریخ کی بجائے افراد کی تاریخ کو مدون کرنے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ جامعہ سلفیہ بنارس نے اللہ تعالی کی مدد سے جماعتی مدارس اور علمائے جماعت کی تصانیف کے موضوع پر نقش اول کے طور پر کچھ کام کیا لیکن اسے وسعت کے ساتھ مکمل کرنے کی ضرورت ہے یقین ہے کہ اللہ تعالی کی توفیق سے اس کے ایسے بندے ضرور اٹھ کھڑے ہوں گے جو اس عظیم جماعتی خدمت کے لئے خود کو تیار کریں گے۔

گویا زبان حال سے یہ کہا جا رہا تھا:

کانٹوں زبان سوکھ گئی پیاس سے یارب — کوئی آبلہ پا وادی پرخار میں آئے

اور شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ نے اسی تاریخ اہل حدیث کی جلد اول پر اپنے تاثرات قلمبند فرماتے ہوئے اپریل ۲۰۰۷ء میں لکھا تھا:

ہماری تاریخ کے اوراق تتر بتر ہوگئے۔ کچھ طوطیاں لے اڑیں، کچھ قمریاں اور کچھ زاغ و زغن کے ہاتھ لگا اور بہت کچھ پر نہنگوں نے اپنا نشیمن بنا ڈالا...اور تاریخ اہلحدیث کی ترتیب بہت مشکل کام ہے۔..ڈاکٹر بہاءالدین صاحب اپنی تاریخ کے اوراق کو ترتیب دینے بیٹھ گئے ہیں۔ ان کے حوصلے اور ہمت، جان کاری اور دیدہ ریزی کی داد پوری اہلحدیث برادری پہلے دے چکی ہے جب انہوں نے چار جلدوں میں دو ہزار صفحات میں قادیانیت کے شجر ملعون کو اکھاڑ پھینکنے کی اہلحدیث سرگرمیوں کو صفحات قرطاس پر سجایا تھا..(اب الحمدللہ ٦ جلدیں چھپ چکی ہیں، ساتویں اور آٹھویں جلدیں چھپنے کیلئے انڈیا و پاکستان بھیجی جا چکی ہیں۔جمیل) اب پھر پوری برادری اور سارے حقیقی تاریخ کے متلاشی ان کیلئے دعا گو ہیں اور آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جماعت کا یہ قرض وہ چکا دیں۔ معبود حقیقی سے دعا ہے کہ یہ خواب پورا ہو اور مفصل، مدلل اور صحیح تاریخ اہلحدیث مرتب ہو جائے۔

تاریخ اہل حدیث کی ترتیب بہت مشکل کام ہے۔ جو شئے کئی دہائیوں سے گمشدہ کے کھاتے میں پڑی ہو اسے تلاش کر لینا اس کے بس کی بات ہے جسے اللہ نے بہت بڑے حوصلے اور ہمت سے نوازا ہو۔ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں۔

اور جناب مولانا محمد رمضان یوسف سلفی فیصل آباد سے لکھتے ہیں:

ڈاکٹر محمد بہاءالدین حفظہ اللہ جماعت اہل حدیث کے اس گروہ باصفا سے تعلق رکھتے ہیں کہ جنہوں نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ دینی و جماعتی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کا شمار عصر رواں کے نامور قلم کاروں میں ہوتا ہے اور انہوں نے قلم و قرطاس کے ذریعہ تاریخ کے سینے پر ان مٹ نقوش ثبت کئے ہیں، اب ان کا شمار برصغیر پاک و ہند اور برطانیہ کی جماعت اہلحدیث کے چوٹی کے مصنفین میں ہونے لگا ہے اور اہل علم انہیں تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث کے محقق و مورخ کے طور پر جاننے لگے ہیں۔ ان کی کتابوں میں عقیدے کی پختگی، فکر کی بلندی، تاریخی حالات و واقعات کی صحت و ثقاہت، توحید و سنت کا احیاء اور مسلک اہل حدیث کی حقانیت کے پہلو نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ قلم کی زبان نہایت شستہ و سلیس اور ندرت کا پہلو لئے ہوئے ہے ان

کی تحریر میں علمی شان اور مؤرخانہ بصیرت واضح دکھائی دیتی ہے۔ڈاکٹر صاحب کے رواں اور پر بہار قلم سے جو علمی تاریخی اور تحقیقی کتب معرض وجود میں آئی ہیں ان میں تحریک ختم نبوت نہایت بلند پایہ تاریخی کتاب ہے جس میں انہوں نے فتنہ مرزائیت کے خلاف اہل اسلام کی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔۱۸۹۱ء سے ۱۹۱۲ء تک کے دور کی تاریخ پر مشتمل اس کتاب کی چار ہزار صفحات پر مشتمل ۸ جلدیں تیار ہو چکی ہیں مزید دو جلدیں تیار ہو رہی ہیں۔ یہ قاموسی انداز میں تاریخی نوعیت کا کام ہے جس میں تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دور کے واقعات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی اس ضمن میں انہوں نے مرزا قادیانی اور اس کے قریبی لوگوں کی کتابوں سے اس کے افکار ونظریات عقائد باطلہ اور اس کی پیش گوئیوں کو نقل کر کے اس کی سخت گرفت اور نکیر کی ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں سینکڑوں حوالے دیئے ہیں اور اس کے علاوہ بعض جلدوں میں شخصیات کا عنوان دے کر اس دور کے مجاہدین ختم نبوت کی مساعی کا دل آویز تذکرہ کیا ہے۔اس کتاب میں علمائے اہل حدیث کی ردّ قادیانیت پر نادرو نایاب تحریریں بھی شامل کر دی گئی ہیں جو کہ مرور زمانہ کے سبب ناپید ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف جاری ہونے والے پہلے متفقہ فتوی تکفیر کو اس میں شامل کر دیا گیا ہے اور اس فتوی کے مرتب کرنیوالے جناب محمد حسین بٹالوی ؒ کے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کا تقریباً ایک تہائی حصہ جو کہ ردّ قادیانیت پر تھا، اڈیٹ کر کے تلخیص و اختصار کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح شحنہ ہند میرٹھ کے ضمیمہ سے ردّ قادیانیت پر قیمتی مواد، اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تائید الاسلام اور غایۃ المرام، جناب محمد اسماعیل علی گڑھی کی اعلاء الحق الصریح .اور جناب محمد بشیر سہسوانی کی الحق الصریح فی حیاۃ المسیح ، جناب عبد المجید دہلوی کی بیان للناس ، جناب عبد اللہ شاہجہان پوری کی شفاء للناس ، جناب محمد جعفر تھانیسری کی تائید آسمانی ، شیخ غلام حیدر کی عشرہ کاملہ، جناب ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی سے ردّ قادیانیت کے مضامین، جناب محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی الخبر الصحیح ، اور شہادۃ القرآن ملخصاً، اس کتاب میں شامل کر دی گئی ہیں۔ (اور آنے والی جلدوں میں جناب ابوالحسن سیالکوٹی کی بجلی آسمانی برسر دجال قادیانی، اور منشی الٰہی بخش کی عصائے موسیٰ کو اڈیٹ کر کے نذر قارئین کرنے کا

ارادہ ہے۔ بہاء)اس اعتبار سے یہ کتاب تحریک ختم نبوت پر ایک مستند مدلل اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا کہ زیرنظر موضوع پر ایسی کتاب اس سے پہلے مرتب نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر بہاء الدین نہایت با اخلاق ملنسار اور نیک انسان ہیں، انہوں نے تصنیف وتالیف سے جماعت کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اگست ۲۰۰۵ء میں مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند نے انہیں مورخ عصر کے خطاب سے نوازا، اور فریوائی اکیڈیمی (ہند) نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں ۲۰۰۸ء کیلئے ابو ہریرہؓ ایوارڈ سے نوازا۔ بلاشبہ وہ جماعت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالی انہیں صحت و سلامتی سے رکھے اور ان کا راہوار قلم جماعت کیلئے لؤلو ولالہ بکھیر تا رہے۔ انتھی مختصراً

حضرت مؤلف نے تاریخ اہل حدیث کی جلد اول میں عرض مؤلف میں لکھا تھا کہ وہ علماء وصلحاء کے لئے عمومی طور استعمال کئے جانے والے القاب ترک کر کے جناب کا لفظ استعمال کریں گے۔ اس پر جن بزرگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اس ضمن میں مؤلف محترم نے حضرت مولانا جناب ثناء اللہ امرتسری کی ایک نایاب تحریر سے مجھے واقف کرایا ہے جو حقیقتاً دل چسپ اور ناظرین کے علم میں لائے جانے کے لائق ہے۔ حضرت مولانا امرتسریؒ فرماتے ہیں:

اسلامی اصطلاح میں مولوی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علوم شرعیہ بذریعہ عربی زبان کے جانتا ہو۔ علوم شرعیہ میں بہت بڑا ماہر ہو تو عزت کے طور پر مولانا کہا جاتا ہے مگر پنجاب کے اسلامی جرائد نے مولانا کے لفظ کو اس کثرت سے استعمال کیا کہ جس میں علوم شرعیہ کی کوئی ضرورت نہ رہی اسلئے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے طلباء نے شوکت علی، محمد علی صاحبان کو مولانا کا آنریری خطاب دیا۔ اس کے بعد تحریک خلافت شروع ہوئی تو اس لقب نے وہ عمومیت حاصل کی کہ علی گڈھ گزٹ میں ایک نظم چھپی اس میں ایک شعر یہ تھا

نہ مذہب سے ہوئے واقف نہ دین حق کو پہچانا
پہن کر جبہ و شملہ لگے کہلانے مولانا

خدا بھلا کرے معاصر زمین دار کا جو عین وقت پر سنبھلا اور اس نے محسوس کیا کہ مولانا کا لفظ بہت پامال ہو گیا اس لئے اس نے بروقت آواز اٹھائی کہ احرار کیلئے مولانا کا لفظ نہ بولا جائے گا۔ اسکے اعلان کے الفاظ یہ ہیں:

زعماء اسلام کا امتیازی لقب مولانا کی بجائے آقا

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ جناب نقاش نے کچھ دن ہوئے زمیندار سے سفارش کی تھی کہ از بسکہ وہ تمام رہنما جو تحریک ترک موالات کے دور میں حشرات الارض کی طرح ملک کے ہر حصہ میں پیدا ہو گئے تھے مولانا کہلانے لگے تھے اس لئے تمام احرار ملت کے لئے ان کے ایثار یا علم و فضل کے اعتبار سے کوئی ایسا لقب تجویز کرنا چاہیے جس سے ایک گروہ کے عشق اور دوسرے گروہ کی ہوسنا کی کے درمیان تمیز ہو سکے۔ آج جب حسن اتفاق سے صدر مجلس خلافت آقائے سید محمد داؤد غزنوی تشریف فرمائے لاہور ہوئے تو جناب نقاش کی تجویز آپ کے سامنے پیش ہوئی۔ آپ نے اس خیال سے اتفاق ظاہر فرمایا کہ مولانا کا لقب حقیقت میں اب بہت ہی عامیانہ ہو گیا ہے اور نااہلوں نے اسے ذلیل کر دیا ہے اس لئے احرار اسلام کے لئے آقا کا تعظیمی لفظ موزوں ہوگا جو افغانستان، ایران، ترکستان اور سرحد میں شرفاء معززین اور زعماء قوم کا لقب ہے۔ اس بحث میں فخر احرار چودھری افضل حق نے بھی حصہ لیا اور اس تجویز پر صاد کیا۔ زمین دار کا سر تسلیم اس فیصلہ کے آگے خم ہے اور آئندہ زعماء اسلام کو اسی تعظیمی لقب سے یاد کیا جائے گا۔ (زمین دار۔ لاہور۔ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء)

(مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں):

موصوف (اڈیٹر زمین دار جناب ظفر علی خان) کے کلام کے اتنے حصے میں تو ہم متفق ہیں کہ مولانا کا لفظ ہر کہ و مہ پر بولا جانے سے واقعی پامال ہو گیا بقول:

مئے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است بلکہ خود، مئے، شود از صحبت ناداں بدنام

اس لئے ہم آئندہ کو سختی کے ساتھ اس لفظ کو اصلی اصطلاحی محل پر بولیں گے۔ لیکن آقا کا لفظ بھی سر دست ہم نہ بولیں گے تا وقتیکہ ہمیں بضمانت یہ یقین نہ دلائی جائے کہ آئندہ کو اس کی بھی وہی درگت نہ بنے گی جو مولانا کی بنی...

مولانا کے بعد بیچارہ، علامہ، کی باری ہے۔ دیکھئے اس کی بے عزتی کی انتہاء کب ہوتی ہے۔ دہلی میں تو علامہ کی انتہاء ہو چکی ہے جو لوگ دہلی کے محاورات خاصہ سے واقف ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ وہاں یہ لفظ کہاں تک انتہائی ذلت کو پہنچ چکا ہے۔ اب لاہور کی باری ہے خدا خیر کرے۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲ نومبر ۱۹۲۸ء ص ۶۔ ۷)

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محترم ظفر علی خانؒ ، علامہ سید محمد داؤد غزنویؒ ، محترم افضل حقؒ ، اور علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کا اتفاق تھا کہ مولانا وغیرہ کے القاب بے معنی ہوجانے کے باعث ترک کئے جانے کے قابل ہیں۔ یہ بزرگ ۸۰ سال قبل جن وجوہ سے اس فیصلہ پر پہنچے تھے غالباً حضرت مؤلف کے فیصلہ کے پیچھے بھی وہی وجوہ کارفرما ہیں۔

تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت پر مجموعی طور پر چھ ہزار صفحات پر مشتمل تالیفاتی کام کی انجام دہی پر محسن جماعت کی ہمت، حوصلے اور سعی پیہم کی داد دیئے بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس بسطة فی العلم و الجسم کام کو امت مسلمہ کے لئے نفع بخش اور حضرت مؤلف کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین

ان پروجیکٹوں کے سلسلہ میں یہ بندہ عاجز شروع ہی سے محسن جماعت کے ساتھ قریبی رابطے میں ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ آئندہ دو جلدیں حضرت میاں صاحب شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ ، اور حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے سوانح اور خدمات پر مشتمل ہوں گی۔ اہل علم سے میری درخواست ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی حیات وخدمات کے کسی گوشے پر کسی قسم کی معلومات ودستاویزات ان کے علم میں ہوں تو ان کی جانب رہنمائی کی درخواست ہے۔

اس موقع پر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی جملہ موجودہ قیادت بالخصوص حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی کو مبارک باد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخ اہلحدیث کی اشاعت کا یہ عظیم الشان کام ان کے نصیب میں آیا ہے۔ آپ پہلی اور دوسری جلد شائع کر کے عوام وخواص سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں اب تیسری جلد کی اشاعت کا اعزاز بھی انہیں حاصل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ محسن جماعت مولف محترم ڈاکٹر محمد بہاء الدین حفظه اللّٰه کے سایہ عاطفت کو صحت وتندرستی کے ساتھ جماعت پر تا دیر قائم رکھے اور تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت کا جاں گسل تھکا دینے والا بقیہ کام بھی ان سے لے لے و ما ذالک علی اللّٰه بعزیز

شیر خان جمیل احمد عمری

ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

۷ جنوری ۲۰۰۹ء، ۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

پیش لفظ

تاریخ اہل حدیث کی جلد سوم کے آغاز میں یہ تعارفی سطور لکھتے ہوئے اللہ تعالی کے بے پایاں احسانات کا کماحقہ شکریہ ادا کرنے سے قلم قاصر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے اس ناچیز اور علم وعمل سے تہی دست بندے سے جلد ہذا کی تکمیل کے ساتھ دو ہزار صفحات پر مشتمل علمی اور تحقیقی مواد مرتب کروا کے اس قرض کی ایک قسط ادا کروادی ہے جو برصغیر ہند کی جماعت اہل حدیث کے اصحاب علم وفضل پر ایک مدت سے واجب الادا چلا آرہا ہے۔

ہماری یہ کتاب برصغیر میں اصحاب الحدیث اور عمل بالحدیث کی سرگزشت ہے۔اور اس میں کتابیں بھی ہیں اور کتابوں والے بھی ۔ اس میں تحریریں بولتی سنائی دیتی ہیں اور مردانِ کارمصروف عمل نظر آتے ہیں ۔گزشتہ جلدوں میں جناب ولایت علی صادق پوریؒ کی عمل بالحدیث، شاہ فاخر زائرؒ کا رسالہ نجاتیہ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی تنویر العینین اور تقویۃ الایمان، جناب ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ کا رسالہ اہل حدیث کا مذہب، حافظ عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کی ہدایۃ المعتدی وغیرہ کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ، اور حافظ محمد حسین بٹالویؒ کے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کے ضروری مباحث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔جلد ہذا کا آغاز شیخ محمد حیات سندھیؒ کی ایقاف علی سبب الاختلاف سے کیا گیا ہے، جو شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف سے بھی مقدم ہے اور ایک سندھی عامل بالحدیث کا مدینہ سے بذریعہ محمد حسین بٹالویؒ ہندوستان پہنچنے والا فیض ہے۔ اس کے بعد کم وبیش اسی موضوع پر شاہ ولی اللہؒ کے حجۃ اللہ البالغہ سے چند ارشادات نقل کئے گئے ہیں اور ان کے تحفۃ الموحدین (فارسی مع اردو ترجمہ) سے کتاب کے صفحات کو منور کیا گیا ہے۔ پھر شاہ محمد اسماعیلؒ شہید کی ایضاح الحق الصریح نذر قارئین کی گئی ہے جو فارسی میں ہونے کے باعث عموماً نظروں سے اوجھل رہی ہے حالانکہ کہا جاتا ہے کہ حقیقت بدعت پر اس سے پہلے ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔

دراصل جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی، ہندی مسلمانوں کی علمی زبان فارسی تھی۔لیکن جب انگریزوں کے عمل دخل کے ساتھ رفتہ رفتہ فارسی ہندوستانیوں کی زندگی سے نکل گئی تو فارسی

لٹریچر عوام کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بعض اہل ذوق نے اس کتاب کو اردو لباس میں منظر عام پر لانے کی اپنی سی کوشش کی لیکن (مترجمین کے کامل ادب واحترام کے باوجود) یہ کہنا نادرست نہیں ہے کہ وہ دونوں تراجم، جو ہمارے پاس موجود ہیں، تصنیف کی تفہیم کا حق ادا نہیں کرتے۔ اسلئے فارسی ایضاح کا کوئی باقاعدہ اردو ترجمہ شامل کتاب کرنے کی بجائے سید احمد خان دہلوی کی راہ سنت در رد بدعت کو شامل کر دیا گیا ہے کیونکہ سید احمد خان کا کہنا ہے کہ ان کی راہ سنت دراصل ایضاح الحق ہی سے مستفاد ہے۔ یوں قارئین کو ایک ہی موضوع پر دو اہل حدیث علماء کی دو کتابیں پڑھنے کو مل جائیں گی۔ اور اہلحدیث کے قابل فخر سرمایہ میں سے دو کتابیں ہمارے اس سلسلہ تاریخ کا حصہ بن جائیں گی۔

کتاب ہذا کے پیش لفظ میں طبعی طور پر اگلا مرحلہ سید احمد خان کے بارے میں چند سطور کا تقاضا کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے سید احمد خان اور اس کی راہ سنت (اور کلمہ حق) کو تاریخ اہل حدیث میں کیوں شامل کیا ہے؟ بات یوں ہے کہ سر سید احمد خان کی علمی زندگی کے دو دور ہیں۔ پہلا دور ان کے عامل بالحدیث ہونے کا ہے اور دوسرا پیر نیچر ہونے کا۔ اور چونکہ پیر نیچر ہونے کا دور ان کی موت تک ممتد ہے اس لئے ان کی نیچریت کے بوجھ تلے وہ لٹریچر دب گیا جو ان کے دور اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ نیچریت کے خلاف سب سے زیادہ عملی کام اہلحدیث ہی نے (محمد حسین بٹالویؒ کی سربراہی میں) کیا ہے اس لئے پیر نیچر سید احمد کے اس کام کو بھی اہل حدیث حضرات نے فراموش کر دیا ہے جو اہل حدیث سید احمد کا تھا۔

جس دور میں راہ سنت اور کلمۃ الحق ۱۸۴۹ء۔ ۱۸۵۰ء میں لکھی گئی تھیں۔ اس وقت ہندوستان کا مسلم معاشرہ خانقاہیت اور جامد تقلید کے پنجے میں جکڑا ہوا سسک رہا تھا۔ شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی بالاکوٹ میں رتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ حجاز تشریف لے جا چکے تھے۔ سید نذیر حسین محدثؒ اپنی علمی زندگی کے اوائل میں تھے اور شائد ابھی عملی طور عاملین بالحدیث کے زمرے میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ حافظ محمد لکھویؒ، اور جناب غلام رسول قلعویؒ ابھی دائرہ تقلید سے باہر نہیں آئے تھے، سید صدیق حسن قنوجیؒ تو ابھی ابتدائی کتب کے طالب علم تھے اور سید عبداللہ غزنویؒ ابھی افغانستان میں تھے۔ جناب محی الدین عبدالرحمٰن لکھویؒ، حافظ محمد حسین بٹالویؒ، حافظ عبداللہ غازی پوری، جناب سلامت اللہ جیراج پوریؒ، حافظ محمد ابراہیم آرویؒ، جناب محمد بشیر سہسوانیؒ،، سید عبدالجبار غزنوی، سید امیر حسنؒ سہسوانی، سید امیر احمد سہسوانیؒ

جناب محمد سعیدؒ بنارسی، جناب عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، سید عبدالعزیز صدنیؒ، جناب شمس الحق ڈیانویؒ، جناب فقیر اللہ مدراسیؒ، قاضی عبدالاحد خان پوریؒ، جناب عبدالجبار عمر پوریؒ، حافظ عبد المنان وزیر آبادیؒ، جناب قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، جناب عبدالوہاب صدریؒ، جناب ثناء اللہ امرتسریؒ، حافظ محمد ابراہیم میرؒ، حافظ عبداللہ روپڑیؒ وغیرھم میں سے بعض تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور دوسروں نے ابھی پڑھنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔

اس دور میں جب ہر سو گھمبیر سناٹا تھا، دور دور تک روشنی کی کرن نظر نہیں آتی تھی، کلمہ حق کہنے پر زبان کٹتی تھی۔ جس شخص نے سنت کی شمع جلائی، عمل بالحدیث کا آوازہ بلند کیا، خانقاہیت کے علی الرغم کلمہ حق بلند کیا، اس شخص کا حق ہے کہ (اس کے دور ثانی کی لغزشوں کو خدا کے سپرد کر کے) اسکے دور اول کے اچھے کاموں کی یاد تازہ کی جائے۔ میرے نزدیک راہ سنت اور کلمۃ الحق اہل حدیث کے قابل فخر اثاثے کا حصہ ہیں۔ یہ کتابیں ایک سر کی تصانیف نہیں ہیں بلکہ صرف سید احمد دہلوی کی ہیں جو خطابات سے پہلے ایک جرأت مند، حق گو، عامل بالحدیث تھا۔ اور بروایت جناب ابو یحیی امام خان نوشہرویؒ جس نے آخر عمر میں اپنے غلط عقائد ونظریات سے رجوع بھی کر لیا تھا۔

سر سید احمد خان سے چلیں تو محسن الملک سید مہدی علی خان تک بات پہنچتی ہے۔ اور تعلیمی میدان میں قوم کی خدمات کے لحاظ سے ان کا پایہ سر سید احمد کے برابر نہیں تو زیادہ کم بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سر سید احمد خان کے وقت مرگ علیگڈھ کا تعلیمی ادارہ بحرانی دور سے گزر رہا تھا۔ طلباء کی تعداد کم ہو رہی تھی اور ادارہ مقروض بھی تھا۔ سر سید احمد کی وفات کے بعد محسن الملک نے ادارے کا انتظام سنبھالا اور اپنی محنت، اخلاص، بے نفسی اور ہمت سے انحطاط کو ترقی میں بدل دیا اور اس کالج کے یونیورسٹی بننے کی راہ ہموار ہو گئی۔

محسن الملک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اپنی تحقیق سے اہل سنت اور عامل بالحدیث ہوئے اور تا آدم آخر اس مسلک پر کاربند رہے۔ ان کی وفات پر جناب ثناء اللہ امرتسری نے انہیں اہل حدیث تسلیم کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ ان کا سوانحی شذرہ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں شائع کیا جائے جس پر اس دور کے ایک دوسرے بڑے اہلحدیث عالم جناب ابو القاسم سیف بنارسی نے ان کا سوانحی شذرہ مرتب کر کے ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں چھپوایا۔

محسن الملک نے پیر نیچر سر سید احمد خان کا قریبی دوست ہونے کے باوجود سر سید کی نیچریت اور اس کے مخصوص تفسیری نظریات کی مخالفت کی۔ اور مخالفت درون خانہ اور نجی محفلوں

تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ انہوں نے علی الاعلان، و علی رؤس الاشہاد آوازہ حق بلند کیا۔ یوں ایک اہلحدیث عالم ہی نے ایک سابق اہلحدیث ثمّ پیر نیچر کے نظریات کا رد کیا۔ ہم نے اس جلد میں دونوں بزرگوں کی مراسلت نقل کی ہے جو کئی سال تک جاری رہی اور اس میں محسن الملک نے سر سید احمد کے تفسیری نظریات کا رد کیا ہے۔ (محسن الملک نے اجتہاد و تقلید کے موضوع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جسے کچھ عرصہ قبل جامعہ سلفیہ بنارس والوں نے بھی شائع کیا تھا۔ ممکن ہوا تو کسی مناسب مقام پر ہم بھی اس کی تلخیص نقل کریں گے۔ انشاءاللہ)

پھر ہم نے جناب خرم علی بلہوری کی نصیحۃ المسلمین کو ملخصاً نقل کیا ہے۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے نصف اول کی معروف کتاب ہے اور خانقاہی نظام اور شرک و بدعت کی تردید میں اہم مقام رکھتی ہے۔

نیز ہم نے برصغیر کے بلاد و امصار میں عمل بالحدیث کی نشو و نما کا ذکر کیا ہے۔ کارکنوں کی خدمات، ان کے مصائب و مشکلات، اور معاندین کے سلوک کا ذکر ہوا ہے اور چند عدالتی مقدمات کی کاروائی نقل ہوئی ہے جو دراصل اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اہل حق کی صبر آزما جد و جہد کی داستان ہے۔

انیسویں صدی میں اصحاب الحدیث کے دوسرے مکاتب فکر سے چند مباحثات نقل کئے ہیں اور زیادہ تحریریں جناب بٹالوی مرحوم کی ہیں۔ دراصل انیسویں صدی کے ہندوستان میں جناب بٹالوی ہی اہل حدیث کے بڑے اور مشہور مناظر تھے۔ ان کے مناظرانہ دور کا آغاز ۱۸۶۸ء میں ہوا جب احناف کی طرف سے مرزا غلام احمد قادیانی نے بٹالہ میں ان سے مناظرہ کر کے منہ کی کھائی۔ نیز انہوں نے ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی سے ۱۸۸۴ء کے گردو پیش مناظرہ کیا۔ اور ڈاکٹر مارٹن کلارک سے ۱۸۹۴ء میں مباحثہ کے لئے خط و کتابت کی لیکن ڈاکٹر کلارک طرح دے گئے (اس کا ذکر تحریک ختم نبوت کی جلد ہشتم ہوا ہے)۔ نیز انہوں نے دیگر مکاتب فکر کے بڑوں سے بھی مناظرے کئے ہیں۔ جناب محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کا ایک مناظرہ ہوا (جسکا ذکر ہم جلد دوم میں کر چکے ہیں)، منکرین حدیث کے شیخ الشیوخ چکڑالوی سے ان کا مناظرہ مشہور ہے، پیر نیچر سر احمد خان نے ان کے تحریری مباحثے اخباری صفحات پر مدتوں چلتے رہے۔ لدھیانہ کے حنفی علماء سے ان کا ایک تحریری مباحثہ ہوا جس کے جج اس دور کے رئیس الاحناف جناب عبدالحی لکھنوی قرار پائے۔ لکھنوی مرحوم کے فتاوی میں اس مباحثے کے فریقین کے پرچے اور جج کا فیصلہ درج ہے جسے ہم

نے جلد ہذا میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح بمبئی کے حنفی علماء کی میاں نذیر حسین محدثؒ سے چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں اخبار مشیر قیصر لکھنؤ کے حنفی اڈیٹر سے اخباری صفحات پر بٹالوی مرحوم کا طویل مباحثہ ہوا جسے ہم نے ملخصاً جلد ہذا میں نقل کیا ہے۔ (اس کے علاوہ بٹالوی مرحوم نے بانی قادیانیت مرزا غلام احمد سے ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ میں مباحثہ کیا جس کی روداد ہم تحریک ختم نبوت جلد چہارم میں بیان کر چکے ہیں) نیز انہوں نے مرزا غلام احمد کے حواریاں یمین و یسار حکیم نورالدین بھیروی اور محمد احسن امروہی سے بھی مباحثے کئے۔ لاہور میں احناف کی انجمن نعمانیہ سے تحریری مباحثہ کیا جس کی روداد ہم جلد دوم میں نقل کر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اس دور کی باتیں ہیں جب کہ بیسویں صدی کے آغاز میں شہرت پانے والے اہل حدیث کے نامور مناظرین، مثل جناب ثناءاللہ امرتسریؒ اور جناب حافظ محمد ابراہیمؒ میر سیالکوٹی، وغیرھم ابھی تعلیمی مراحل طے کر رہے تھے۔

دراصل عمل بالحدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے جناب بٹالوی کی خدمات ہمہ پہلو ہیں۔ انہوں نے اہل حدیث کا پہلا علمی و تحقیقی رسالہ، اشاعۃ السنۃ النبویہ جاری کر کے مسلک کی خدمت کی۔ یہ رسالہ پورے ہندوستان میں پڑھا جاتا تھا اور غیر مستطیع اہل ذوق و تحقیق کی خدمت میں دعائے خیر کے عوض پیش کر دیا جاتا تھا۔ انہوں نے لاہور کی چینیاں والی مسجد کو اہل حدیث کی مسجد کی شکل دے کر آج کے پاکستانی پنجاب میں اہل حدیث کا پہلا مرکز قائم کیا۔ یہ ۱۸۶۵ء کی بات ہے جب انہوں نے یہاں درس قرآن و حدیث شروع کر کے عمل بالحدیث کا بیج بویا۔ اور پھر انہی کی زندگی میں اوران کی آبیاری سے یہ بیج ایک بارآور درخت بنا۔

چینیانوالی ہی وہ مسجد ہے جس میں بعدازاں جناب رحیم بخشؒ نے سلسلہ اسلام کی درجن بھر کتابیں تصنیف کر کے توحید و سنت کا پیغام عام کیا۔ اور یہی وہ مسجد ہے جس میں بیٹھ کر ۱۹۱۰ء کے بعد غزنوی علماء نے توحید و سنت کی اشاعت کے عظیم کام میں حصہ لیا۔

اس مرکز کے بانی جناب بٹالویؒ ہیں اور یہ اس دور کی باتیں ہیں جب کسی عامل بالحدیث کے کسی مسجد میں چلے جانے پر وہ مسجد دھوئی جاتی تھی اور جانے والے کی تواضع مار پیٹ سے ہوتی تھی۔ اتنی ہمہ گیر خدمات انجام دینے والے رجل عظیم کو ہماری تاریخ سے کما حقہ آشنائی نہ رکھنے والے احباب دیگر اکابر کے ذکر جمیل کے ذیل و حواشی میں کر دینے پر اکتفا کر جاتے ہیں۔ کوئی مہربانی کرنا چاہے تو انہیں مدرسہ غزنویہ امرتسر کے مدرسین میں شمار کر دیتے ہیں۔ مدرسہ غزنویہ کے مدرسین میں شمار ہونا بھی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے لیکن جناب بٹالویؒ مدرسہ غزنویہ

کے مدرسین میں شامل نہیں تھے۔ وہ سید عبداللہ غزنویؒ کے مرید اور ان سے فیض یافتہ تھے اور ان سے ملنے امرتسر جایا کرتے تھے۔ تاہم سید عبداللہ غزنویؒ بنیادی طور پر ذکر وفکر اور تصوف وسلوک کے آدمی تھے۔ معروف معنوں میں ان کا کوئی مدرسہ نہیں تھا جہاں درس وتدریس کیلئے جناب بٹالویؒ کو تعینات کیا گیا ہو۔ سید عبداللہ غزنویؒ کے بعد ان کے صاحبزادوں نے امرتسر میں مدرسہ بنایا جس میں بٹالوی مرحوم نے کبھی تدریس نہیں کی۔

برصغیر ہند کی عمل بالحدیث کی تحریک میں جناب محمد حسین بٹالوی مرحوم کی خدمات کے پیش نظر جناب ثناء اللہ امرتسری، اپنے اخبار اہل حدیث میں عوام کو آپ کے سوانح کی ترتیب کی ترغیب دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مولانا محمد حسین بٹالوی پنجاب کے علماء میں سے بڑے ممتاز عالم تھے۔ آپ کے ترجمہ (حالات) کی بہت ضرورت ہے۔ خاکسار اڈیٹر (ثناء اللہ) سے بڑی عمر والوں کو زیادہ معلوم ہوں گے۔ کوئی صاحب ان کے قریبیوں میں سے یا صحبت یافتوں میں سے صحیح حالات مسلسل لکھیں۔ مسلسل نہ لکھ سکیں تو واقعات ہی بتا دیں تاکہ ایسے بزرگ کے حالات جمع ہو جائیں۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۹)

اس تحریر کے چند عشروں بعد ایک، واقف حال، جناب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے الایقاف علی سبب الاختلاف کی تقریب طباعت پر لکھا کہ:

> اللہ تعالی کسی صاحب علم وہمت کو توفیق دے تو مولانا بٹالوی کے سوانح حیات ایک مستقل تصنیف کے متقاضی ہیں۔

جناب بھوجیانی مرحوم کی اس خواہش کی تکمیل تو اس عاجز مؤلف سے ممکن نظر نہیں آتی لیکن اللہ تعالی نے توفیق عطا فرمائی تو ارادہ ہے کہ کتاب ہذا کی پانچویں جلد میں اس موضوع پر بقدر استطاعت کچھ گذارشات کی جائیں۔

جلد ہذا کا آخری حصہ حواشی پر مشتمل ہے جس میں سرسید احمد خان کی کلمۃ الحق نقل کی گئی ہے۔ اخراج الوہابین عن المساجد کی تحریک کے دنوں میں جب عدالتوں میں مقدمات چل رہے تھے تو حافظ عبداللہ مرحوم نے قانون المساجد کے عنوان سے ایک دستاویز مرتب فرمائی تھی جسے متعلقہ حلقوں کی رہنمائی کے لئے انگریزی میں بھی ترجمہ کیا گیا تھا۔ حواشی میں اس دستاویز کو بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ نیز شاہ اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان پر اعتراضات کے جوابات سید اقتدار

احمد سہسوانی کی آیات القرآن فی بعض مسائل تقویۃ الایمان اورحکیم محمد حسین قرشی ایمن آبادی کی اثبات التوحید سے حواشی میں نقل کئے گئے ہیں ۔اورمتن میں جلی ہندسوں میں حواشی کے نمبرلکھ دیئے گئے ہیں ۔

جلدسوم کی ترتیب وتسوید میں جن بزرگوں اوردوستوں کا تعاون شامل حال رہا ہے ان میں ڈاکٹرمقتدی حسن ازہری بنارس، جناب اصغرعلی امام مہدی سلفی دہلی، جناب محمدابراہیم خلیل حجرہ شاہ مقیم، جناب محفوظ الرحمٰن مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن، جناب محفوظ الرحمٰن جامعہ سلفیہ بنارس جناب عبدالہادی عمری برمنگھم، جناب محمداشرف جاوید فیصل آباد، ڈاکٹرعبدالوہاب انصاری کاسگنج، ڈاکٹرلائق علی خان کاسگنج ،جناب عبدالرحیم روزی غواڑی بلتستان، جناب محمد رمضان یوسف سلفی فیصل آباد، جناب عبدالوہاب جامعی (کرناٹک) اورعزیزم محمد سہیل بوریوالا، شامل ہیں ۔جزاھم اللّٰہ عنّی و عن جمیع المسلمین احسن الجزاء

اس پروجیکٹ کے لئے برادرعزیز، جناب شیرخان جمیل احمدعمری حفظہ اللہ کےمخلصانہ تعاون کا شکریہ ادا کئے بغیرتعارفی گذارشات کوختم کر دینا میرے لئےممکن نہیں ۔آپ ضروری مواد کی تلاش میں دامے درمے سخنے مدد کیلئے ہروقت کمربستہ رہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انڈیا سے کتب ورسائل اورضروری دستاویزات کا حصول ان کی ذاتی دلچسپی کے بغیرمیرے لئےممکن نہ تھا۔ نیزمواد کی تنقیح وترتیب، احادیث کی تخریج ،اور پروف ریڈنگ میں بھی اس بندہ عاجز سے ان کا بےلوث تعاون، بےمثال ہے۔ یہ فقیر ان کا احسان مند ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالی ان کا دامن دین ودنیا کی سعادتوں سے بھردے۔ آمین

دعائے خیرکا طالب:

محمد بہاء الدین

۱۱۔جنوری ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الایقاف علی سبب الاختلاف

جناب محمد حیات سندھیؒ (ف ۱۱۶۳ھ) کا رسالہ الایقاف جناب محمد حسین بٹالویؒ نے اردو ترجمہ وحواشی کے ساتھ ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد اول کے ضمیمہ نمبر ۴ مجریہ رجب ۱۲۹۸ھ جنوری ۱۸۸۱ء (صفحات ۲۴-۴۳) میں شائع کیا تھا۔ یہ رسالہ تقلید اور عمل بالحدیث کے موضوع پر ہے۔ اس میں آپ نے صراحت کی ہے کہ صحابہ، تابعین، آئمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے درمیان فقہی نوعیت کے اختلافات کیوں کر ابھرے۔ نیز اس رسالے میں صحابہ کے طریق استدلال، اسلوب استنباط اور تخریج مسائل کی بھی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب وسنت ہی کو مدار عمل ٹھہراتے تھے اور اگر انہیں اپنے قول وعمل کے خلاف کوئی حدیث پہنچ جاتی تو اسی وقت اس سے رجوع فرمالیتے تھے۔ اس رسالے سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ محمد حیات تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ براہ راست کتاب وسنت کو بنیاد عمل قرار دیتے تھے۔

اس رسالے کو ۱۹۵۹ء میں جناب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے لاہور سے دوبارہ شائع کیا تھا۔ پھر ہندوستان میں ایک دفعہ جناب عبدالجلیل سامرودی کی سعی سے شائع ہوا۔ چونکہ برصغیر کی تحریک عمل بالحدیث میں اس تحریر کا مقام بہت بلند ہے لہذا ذیل میں اسے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

بسم اللّٰه الرّ حمن الرّحیم۔ سبحان الّذی قسم بحکمته الاحلام فی الانام وجعلهم مختلفین فی الافهام و اصلّی واسلّم علی سید الکرام و آله و صحبه الی یوم القیامة ۔ امّا بعد فهذه ایقاف علی سبب الاختلاف ۔

اعلم انّ اللّٰه تعالی اصطفی من خلقه محمّداً ﷺ و جعل بینهم و

بینه رسولاً وعلّمه کلّ ما یتعلّق بالدّین الّذی بعث به ومن اصحابه الّذین اختارهم اللّه لصحبته و نصرة دینه مغترفین من بحور علومه منهم المقل و المکثر علی قدرالاستعداد و الفهم و الملازمة۔
و النّاس فی ذلک متباینون بوناً عظیماً و لم یحط احد منهم بجمیع معلوماته بل ولا بجمیع مقولاته اذ لا تحیطا الانهار بالبحور و لکنّه ﷺ ما مات حتی بلغ الی مجموع امّته جمیع ما امر بتبلیغه الیهم و کانوا متفرقین الاوطان و مختلفة الامکنة و البلدان وکان عند بعضهم من العلم مالیس عند غیره وکانوا یختلفون تارةً فی المعنی من النّص کما وقع لمن امرهم النّبیّ ﷺ ان لا یصلّوا العصر الّا فی بنی قریظه فمنهم من اخذ بظاهره و منهم من اخذ بتاویله و یختلفون تارةً فی الاستنباط من النّصّ بالقیاس کما وقع لعمرو بن العاص حین تیمم من الجنابة من شدّة البرد متلولا قوله تعالی لا تقتلوا انفسکم ، و تارةً فی غیر ذلک ثمّ انتقل ﷺ و قام مقامه وزیره الاکبر و صدیقه الافخر فکان رضی اللہ عنه یعمل بالکتاب و ما بلغه من السنّة و ان لم یجد فیها شاورالصّحابة فان وجد عندهم نصاً اخذ به و قد فاته بعض الاحادیث و الاقاس علی ما فی الکتاب و السنّة او علی احدهما و اخذ به
ثمّ انتقل الی اللّه تعالی و قام مقامه الفاروق وکان یعمل بالقرآن و الحدیث و ان لم یجد فیها شیئاً شاور الصّحابة فان وجد عندهم نصاً اخذ به و قد فاته بعض الآثار و الا کان غالباً او تارةً بقول الصدیق و الاجتهاد و استخرج آراء النّاس فما رآه صواباً اخذ به و قلما یخطیء فی رأیه ثم انتقل الی اللّه وقام مقامه ذو النورین رضؓ فکان یأخذ بالکتاب و السنّة و قول الشّیخین غالباً او تارةً ثمّ انتقل الی اللّه تعالی و قام مقامه زوج الزهراءؓ فکان یاخذ بالکتاب و الاثر والقیاس الانور

و کان الصحا بةؓ اعلم النّاس با لکتا ب و السنّة و افھمھم بھما و کانوا یعملون بھما و کانوا یرجعو ن عن اقوا لھم و افعالھم اذا بلغھم الحدیث الّذی فاتھم وکانوا یختلفون فی بعض الفروع و لم یقصروا فی اتّباع الحقّ و تفرّقوا فی مشارق الارض و مغاربھا و جنوبھا و شمالھا و ا خذ منھم العلوم اقوا م متفرقون ثمّ لا یزا لو ن یقلون و کثر الاختلاف بسبب اتباعھم الّذین اخذ عنھم العلوم حتی انقرضوا بالکلیة۔

وقام مقامھم فی الفتوی وغیرہ علماء التابعین و زادوا فی الاختلاف لاختلافھم فی العلوم و الفھوم ثمّ قام مقامھم علماء التّا بعین و زادوا فی الاختلاف و ربّما اتفقوھم و من قبلھم فی ما کان مختلفاً فیه قبل فصار الامر الّذی یجتمعو ن علیه مجمعاً علیه بعد ان کان مختلفاً فیه و کان فی کلّ زمن و بلد خلق کثیر من اھل الاجتھاد و الفتوی و الحدیث و نحوھا و کانت لھم مذاھب مختلفة و آراء مبتدرة و وفق اللّٰه تعا لی تلامذة الائمة الاربعة واصحابھم فحفظوا مذا ھبھم و دوّنوھا و نشروھا حتّی لم یبق من اتّباع غیرھم الّا اقل قلیل بحکمة یعلمھا اللّٰه تعا لی و تدا رست مذا ھب غیرھم و بقیت مذ ھبھم معمو لة

و سبب الاختلاف اشیاء کثیرة لا یمکن حصرھا منھا الاختلاف فی العلوم و الفھوم و کون النّصوص قابلة للاحتمالات با عتبارا ت الالفاظ و النظم الترکیب و ایساق و غیر ذا لک ۔ نقل الحافظ ابن القیم عن ابن حز مؒ ما حاصله انّه قد یحفظ الانسان الحد یث فلا یحضرہ ذکرہ فیفتی بخلافه و قد یعرض ھذا فی القرآن الا تری ان عمرؓ نھی ان یزاد فی المھر علی عدد مھر النّبی ﷺ حتّی ذکرته امرأة بقول اللّٰه تعالی و آ تیتم احدیھن قنطاراً ۔ فترک قوله و قال کل وا حدٍ اعلم من عمر و کذلک امر برجم امر أة ولد ت لستة اشھر

فذ کرہ علیؓ بقولہ تعالی و حملہ و فصالہ ثلاثو ن شہراً مع قولہ تعالی: والوا لدا ت یرضعن اولادھن حولین کاملین۔ فرجع عن الامر برجمہا وھم یسطو بعیینہ بن حصن اذ جفاعلیہ حتی ذکر الحار ث بن قیس بقول اللّٰہ تعا لی و اعرض عن الجاھلین ۔ و انکر موتہ ﷺ حتی قریء قولہ تعا لی انک میّت و انّھم میّتو ن ۔ فرجع عن ذلک و قد کان علم الآیۃ و لکن نسیھا لعظم الخطب الوارد علیہ و قد یذکر العالم الدّلیل ولکن یتاول فیہ تاویلاً من خصوص و نسخ وغیرھما ولا شکّ انّ الصحا بۃؓ ما کان کلّ وا حدٍ مّنھم یطلع علی جمیع ما صدر عنہ ﷺ لاشتغالھم بامر معاشھم و اغراضھم فیحضر عندہ بعض دون بعض فلمّا مات ﷺ و ولی ابوبکر کان اذا جاء تھم القضیّۃ ولیس فیھا نصّ، سأل غیرہ ۔ فان وجد نصّاً تبعہ و الّا اجتھد و قد یکون فی تلک القضیّۃ نصّ عند غیر من حاضراً عندہ کان التّیمّم للجنب عند عمار وغیرہ و غا ب عن عمرو ابن مسعود جواز المسح علی الخفین عند علیؓ و حذیفہ و غاب عن عائشہ و ابن عمر و ابی ھریرہ مع انّھم مدنیّون و توریث بنت الابن مع البنت عند ابن مسعود وغاب عن ابی موسی و توقیت الاستیذان کان عند ابی موسی وابی سعید و ابی(بن کعب) و غاب عن الفاروق و کان علم جواز النفر للحائض اذا طافت طوا ف الفرض عند ابن عباس و ام سلیم وغا ب عن زید بن ثا بت وکان علم نسخ حل متعۃ النساء وعلم حرمۃ الحمر الاھلیۃ عند علیؓ وغیرہ وغاب عن ابن عباس وکان علم عدم جواز الصّر ف نسیئۃ عند عمرو ابی سعید وغیرھما و غا ب عن طلحۃ و ابن عباس و مثل ھذا کثیراً و مضی الصّحابۃ وخلفھم التّابعون الآخذون عنھم وکانوا مختلفین فی العلوم والافھام و کلّ کان یفتی علی مبلغ علمہ ولا یکلّف اللّٰہ نفساً الّا وسعھا وکلّ ماجور علی ما ا صاب فیہ اجرین و

ماجور فیما خفی عنه اجراً وا حداً و قد یبلغ الرّجل نصّان ظاهر التّعارض فیمیل الی ا حدهما بنوع من التّرجیحا ت و یمیل غیره الی ما ترکه بنوع آ خر من التّر جیحا ت و مثل هذا کثیر۔
و لهذه الوجوه ترك بعض العلماء ما ترکوا من الاحادیث و الآیات و خالفهم نظراء هم فاخذ هئولاء ما ترك اولئک واخذ اولئک ما ترك هئولا۔ لا للقصد الی خلاف النّصوص و اذا قا مت الحجّة علی من بلغه شیء صحیح من الدّلیل ای من غیر تعارض او نحو ه فلم یبق ترکه الّا للعناد و التّقلید وعلی هذه الطریقة کانت الصحابةؓ۔ انتهی کلامه ملخصاً۔ و نقل ابن القیم ایضاً عن شیخه ابن تیمیة جماع الاعذار فی ترك من ترك من ا لآئمّة حدیثاً ثلاثة اصناف۔ احدها عدم اعتقاده انّه ﷺ قاله۔ و الثّانی عدم اعتقاده انّه اراد تلک المسئلة بذلک القول۔ الثا لث اعتقاد نسخه و هذه تتفرع الی اسباب متعددة منها ان لا یکون الحدیث قد بلغه و قاس وقد یوا فق قیاسه الحدیث المتروك و یخالفه آخر وهذا السّبب هو الغالب علی اکثر ما یوجد من اقوال السّلف مخالفاً لبعض الاحادیث فان الاحاطة بحدیث رسول الله ﷺ لم یکن لاحد واعتبر بالخلفاء الرّاشدین الّذین هم اعلم النّاس برسول اللّه ﷺ خصو صاً الصّدیق الاکبر الّذی قلّ ما فارقه و قد خفی علیه میراث الجدّة و علمه المغیرة بن شعبة و عمران بن حصین و محمد بن مسلمه و خفی علی عمر توریث المرأة من دیّة زوجها حتّی اخبره رجل من اهل البادیة وخفی علیه حدیث اخذ الجزیة عن المجوس حتّی اخبره عبدالر حمن بن عوف و خفی علیه حدیث النهی عن القدوم علی ما فیه الطّاعون حتّی اخبره عبد الرحمن و خفی علیه حدیث الرّ یح حتی اخبره ابوهریرة و کان یفتی باختلاف الدّیة فی الاصا بع و کان عند ابن عباس و ابی موسی علم انّ النّبیّ ﷺ قال هذه و هذه سواء و

عمل به معا وية حين بلغه و كان لا يرى هو (يعنى عمر) و ابنه عبد اللّه التطيب عند الاحرا م ولا يعد رمى الجمرة قبل طوا ف الفرض و قد صحّ جواز ذ لک عنه ﷺ و كان يرى عدم التّوقيت فى المسح على الخفّين و قد صحّ فى التّوقيت احاديث وكان علىؓ و ابن عباس يريان ابعد الاجلين على المتوفّى عنها زوجها و قد صحّ عنه ﷺ ان انقضاء عدّ تها بوضع حملها و كان يرى زيد بن ثا بت و ابن عمر وغيرهما انّ المفوضه اذا مات عنها زوجها لا مهر لها و قد صحّ انه ﷺ جعل لها المهر كاملاً و هذا با ب وا سع و امّا المنقول فيه عن غير الصّحابة فا كثر من ان يّحصى فا ذا خفى على اعلم الامّة و افقهها بعض السّنّة فما الظّن بمن بعد هم فمن اعتقد ان كل حديث بلغ كل فرد من الآئمّة او اماماً معيناً فقد اخطأ خطأً فاحشاً قال ابو عمر و ليس احد بعد رسول اللّه ﷺ الّا و قد خفيت عليه بعض السّنّة و هذا الدّواوين جمعت بعد انقراض الآئمّة ولا يمكن انحصار الاحاديث فيها وليس كلّ من عنده هذه الدّوا وين يحيط بها علماً بل دوا وين المتقدمين صدورهم وهم اعلم ومنها ان يكون الحديث بلغه لكن لم يصح عنده وصحّ عند غيره فيكون حجّة على من بلغه من وجه صحيح لا على من لم يبلغ و لهذا علق كثير من الآ ئمة القول بموجب الحد يث على صحّته فيقول قولى فيها كيت كيت و قد روى فيها حد يث بخلافه فان صحّ فهو قولى و امثلة هذا كثيرة جداً

وذكر ابن القيم من اسباب الاختلاف اشياء منها ان احد المجتهدين يعتقد ضعف احد والآخر ثقته ومنها ان بعضهم يشترط فى خبر الواحد العدل شرطاً يخالفه غيره ومنها عدم معرفته بدلالة الحديث امّا لكون لفظ الحد يث الحد يث غريباً عنده او يكو ن لفظه مشتركاً اومجملاً اومحتملاً فيه الحمل على ظاهرمعناه الحقيقى والمجازى

ومنها عدم تفطنه لدخول فرد معین تحت عام بعد علمه به امّا لعدم احاطة بحقیقة ذلک الفرد ومماثلته لغیره من الافراد الدّا خلة تحت العام و امّا الخطرة علی باله و امّا لاعتقاده و اختصاصه بخصیصة تخرجه من العام و منها اعتقاده العموم فیما لیس بعام او الاطلاق فی المقیّد فیذهل عن التقیید ۔ و منها اعتقاده عدم دلالة اللفظ علی الحکم المتنازع فیه اما لعدم معرفته مدلول اللفظ فی عرف الشّرع فیحمله علی خلاف مدلوله اویکون له فی عرف الشرع معنیان فیحمله علی احد هما و یحمل غیره علی غیر ذلک او لفهمه من الخاص العموم او من العام المخصوص و من المطلق المقید و من المقید المطلق و منها انّ النّصّ عارضه ما یساویه او اقوی منه و للتّعارض انواع قال ابن القیمؒ فمن هداه اللّه تعالی الی الاخذ با لحق حیث کان و مع من کان ورد الباطل مع من کان فهذا اعلم النّاس و اهدا هم سبیلاً و اقومهم قیلاً و اهل هذا المسلک اذا اختلفوا فاختلافهم رحمة وهدی وهو من باب التّعاون علی الدّین کل یخبربماراٰه صواباً عنده فان قوبل بین الآراء المختلفة وعرضت علی کتاب اللّه و سنّة رسول اللّه ﷺ و تجرد النّظر من التّعصب و الحمیّة و استفرغ و سعه وقصد طاعة اللّه و رسوله ﷺ قل ان یخفی علیه الصّوا ب من تلک الاقوال وما هو اقرب الیه و هذا النّوع من الاختلاف لا یوجب معاداة و لا افترا قا فی الکلمة و لا تبدید الشمل ۔ انتهی

قلت اذا کان المعبود ا لآمر بالعبادة وا حد و الرّسول ﷺ وا حداً و الدّین واحداً و هئولاء العلماء کلّهم یریدون اتّباع الدّین و لا یقصرون و کل له فضائل و کمالات و قد قال اللّه فا سئلوا اهل الذّ کر ان کنتم لا تعلمون۔فالتعصب لمعین والجمود علی قوله لماذا ؟نقل الحافظ ابن حجر فی لسا ن المیزا ن عن الطحاوی انّه قال اوکلّ ما قال به

ابوحنیفه اقول به ؟ وهل یقلّد الّا عصبی او غبی فطارت هذه الکلمة بمصر حتی صارت مثلاً ۔ انتهی ۔ و مذهب کلّ امام ما قاله و لم یرجع عنه ولا یمکن عن مجتهد قولان متباینان من غیر رجوع من احدهما۔ اللّهم الا ان یکون متردداً فی ذلک و یحتمل ان یقول المجتهد قولاً ثمّ یرجع الی غیره ثم یرجع عن الآخر الی الاوّل و لم ار لهذا مثالاً فی الاقوال المجتهدین ولم یکن لاحد من تلامذه الامام واصحابه ان یعرف جمیع مذهبه و هذا ظاهر وغالب اختلاف اصحاب ارباب المذاهب سببه ان بعضهم یعرف من المذهب ما لا یعرف غیره و منهم من یعرف القول المرجوع عنه ولا یعرف المرجوع الیه و یفتی بالاوّل و منهم من لا یعرف عن الامام نصاً فیقیس علی مسائل الامام و یخالفه غیره فی ذلک القیاس فتارة یصیب هذا و تارةً هذا و کثیراً ما یختلفون فی فهم معانی قول الامام و دلالتها و هذا باب واسع جداً و لیس کل ما یستنبط رجل من اقوال الامام یکون مذهبه بل تارة یوافق مذهبه و تارةً یخالفه ولا ینبغی ان تنسب الاقوال المستنبطة من اقوال الآئمة للآئمة بانّها اقوالهم او مذاهب لهم قطعاً لانّه یحتمل انها عرضت علیهم قبلوا شیئاً منها و ردوا اشیاء آخر و هذا کما لا ینسب ما استنبط المجتهدون من اقوال النّبی ﷺ الیه علی انّها اقواله و یحتمل کونها شریعة قال ابن تیمیه فی ردّ الروافض تجد احد الطائفتین او الرجلین من النّاس لا یکذّب بما یخبر به من العلم لکن لا یقبل ما تاتی به طائفة اخری من الحقّ سواء کان من باب الصّدق المعروف بالخبر او من الصّدق المعروف بالنّظر فیقبل ما ذکرته طائفة من معقول و منقول و یرد ما ذکرته الطّائفة الاخری ۔ انتهی

قلت هذا کثیر فی اصحاب ارباب المذاهب خصوصاً فی اهل زماننا هذا تراهم لا یعتمدون الا ما وجدوه منقولاً من اهل مذهبهم

سواء کا ن ذلک قول امامهم ام لا ۔

(فا ئدة) الّذی ظهر لهذا القاصر ان معظّم المسائل المذکورة فی اصول الفقه مأخوذ من اقوال الآئمة ذلک ان ینظر مثلاً بعض اتباع الآئمة فی مسائلهم فیجد کثیراً منها راجعة الی اصل واحد فیجعل ذ لک الاصل قاعدة لها و لا مثا لها و قس علی هذا و ربّما یوافق التّاخر المتقدم و ربّما یخالفه وربّمایقلّده فربّمایصیب المتقدم وربمایصیب المتأخّروالانصاف خیر الاوصاف فی باب الاختلاف و الرجوع علی الاتفاق اولی من الافتراق و اللّه اعلم بالصّوا ب و الیه المرجع و المآ ب ۔ و صلّی اللّه تعالی علی سیّد نا محمّد خیر خلقه و آ له و صحبه و بارك و سلّم۔

منزہ ہے وہ (خداوند تعالی) جس نے اپنی حکمت سے لوگوں میں عقلوں کو بانٹا اوران کومختلف سمجھوں والے کر دیا اور درود وسلام سب بزرگوں کے سردار (آنحضرتﷺ) پر ہواور آپ کی آل واصحاب پر قیامت کے دن تک ۔ اما بعد ۔ یہ رسالہ ہے ایقاف علی سبب الاختلاف ۔

تو جان لے بلا شبہ خدا تعالی نے آنحضرت ﷺ کو اپنی مخلوق سے چن لیا اور اپنے بندوں میں اور اپنے میں پیغامبر بنایا اوران سب کو جو کچھ دین کے متعلق تھا،تعلیم فرمایا اور آنحضرتﷺ کے اصحاب، جن کو خدا نے آپ کی صحبت اور آپ کے دین کی مدد کے لئے چن لیا تھا، آپ کے دریائے علوم سے چلو بھرتے تھے اپنی سمجھ وقابلیت وصحبت کے اندازہ کے موافق،کوئی کم کوئی زیادہ۔اس میں وہ آپس میں بڑا فرق رکھتے ۔ان میں سے کسی نے آپ کی سبھی معلومات اور اقوال پر احاطہ نہ کیا کیونکہ نہریں دریاؤں کو گھیر نہیں سکتیں۔ و لیکن ہنوز آنحضرتﷺ فوت نہ ہوئے تھے کہ جملہ امت کو سبھی کچھ،جس کی تبلیغ کے وہ مامور تھے،پہنچ گیا۔ وہ لوگ متفرق وطنوں،مختلف مکانوں اور شہروں میں رہتے تھے۔ان میں ایک کو وہ علم ہوتا جو دوسروں کے پاس نہ ہوتا ۔اور کبھی وہ معنی حدیث میں اختلاف کرتے جیسے ان لوگوں کو ہوا جن کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ ہی میں پڑھیں ۔ پھر کسی نے اس کے ظاہری معنی لئے،کسی نے تاویل کی (بنی قریظہ ایک یہودی قبیلے کا نام ہے جو آنحضرتﷺ کو بہت ستاتے تھے ... جب آنحضرت ﷺ نواح مدینہ میں ان پر دھاوا کرنے کو نکلے تو یہ حکم دیا۔ پھر کسی نے ان میں سے اس حکم کے ظاہری معنی کا لحاظ کیا اور کہا کہ ہم راستہ میں نماز پڑھیں گے اور کسی نے اس حکم کی تاویل کی اور یہ بات کہی کہ اس حکم سے جلد پہنچنا مقصود ہے،نماز میں تاخیر کرنا مقصود نہیں ہے ۔ پس نماز راستہ میں پڑھ لی ۔

جب آنخضرت ﷺ کے پاس آئے تو آنخضرت ﷺ نے کسی فریق کو سرزنش نہ کی۔ دیکھو صحیح بخاری)۔ اور کبھی نص (آیت قرآن یا حدیث) سے استنباط کرنے میں اختلاف کرتے، جیسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اتفاق ہوا جب کہ انہوں نے سخت سردی میں جنابت سے تیمّم کر لیا۔ اور کبھی اور میں اختلاف کرتے۔ پھر آنخضرت ﷺ نے رحلت فرمائی ،تو آپ کے قائم مقام وزیر اکبر اور صدیق الفخر ہوئے ،تو آپ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ پر جو آپ کو معلوم ہوتی، عمل کرتے۔ ان دونوں میں (اپنے نزدیک) کوئی حکم نہ پاتے تو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لیتے۔ پس اگر ان اصحاب شوریٰ کے پاس کوئی حدیث پاتے تو اس کو عمل میں لاتے اور بعض حدیثیں آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتیں۔ اگر ان کے پاس بھی کوئی حدیث نہ پاتے تو (کسی حکم) کتاب وسنت پر قیاس فرماتے۔ (مترجم محمد حسین کہتا ہے اس رسالہ میں جا بجا اکابر صحابہ کے قیاس کرنے کا ذکر ہے اور بہت سی کتب حدیث میں انہی اکابر صحابہ سے قیاس کی نفی و مذمت بھی مروی ہے۔ ان آثار نفی و مذمت کی نظر سے اصحاب ظواہر آثار مثبتہ قیاس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جن مسائل کو ان اکابر نے بصورت قیاس بیان کیا ہے، ان مسائل میں ان کا اعتماد دراصل قیاس پر نہ تھا بلکہ اور دقیق استنباط کتاب وسنت پر تھا جس کو انہوں نے لائق سمجھ مخاطبین نہ دیکھا اس لئے ان مسائل کو سمجھ مخاطبین کے موافق صورت و پیرایہ قیاس میں بیان کیا۔ اس تاویل کی تائید میں وہ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ آنخضرت ﷺ سے ایک عورت نے اپنی ماں کی طرف سے حج کرنے کا پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتو اس کو تو ادا کرے گی یا نہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ۔ پس آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا حق بھی ادا کرو۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم آنخضرت ﷺ نے مخاطب کے سمجھانے کو پیرایہ قیاس میں بیان کیا ہے، نہ یہ کہ درحقیقت آنخضرت ﷺ نے حج کا قرض پر قیاس کیا ہے کیونکہ قیاس بوقت موجود نہ ہونے نص کے ہوتا ہے اور آنخضرت ﷺ کا کلام خود نص ہے جو وحی غیر متلو کہلاتا ہے۔ پس اس کے ہوتے آنخضرت ﷺ کا قیاس کرنا کب متصور تھا)۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا اور آپ کے قائم مقام عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوئے۔ وہ بھی قرآن و حدیث پر عمل کرتے اور اگر قرآن وحدیث میں کوئی امر نہ پاتے تو اور اصحاب سے پوچھتے۔ ان کے پاس کوئی حدیث پاتے تو اس کو لے لیتے۔ اور بعض حدیثیں آپ کو بھی معلوم نہیں ہوئیں۔ اور اگر کوئی حدیث ان کے پاس بھی نہ پاتے تو اکثر یا گاہے قول صدیق اکبر کو ہی عمل میں لاتے۔ ورنہ خود اجتہاد کرتے اور لوگوں کی رائے بھی لیتے پھر جس رائے کو صواب سمجھتے اس پر عمل کرتے اور اپنی رائے میں خطا کم کرتے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو آپ کے قائم مقام عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہوئے۔ وہ بھی کتاب وسنت پر اور غالباً یا نادراً اقوال شیخین (صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ) پر عمل کرتے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا اور آپ کے قائم مقام (علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) شوہر فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ہوئے تو آپ بھی قرآن وحدیث و قیاس پر عمل کرتے۔ سبھی صحابہ کو قرآن وحدیث کا علم وفہم خوب تھا اور وہ سب قرآن وحدیث پر عمل کرتے اور اپنے قول وفعل سے رجوع کر لیتے، جب ان کو

(اپنے قول وفعل کے مخالف) کوئی حدیث پہنچتی جو پہلے نہ پہنچی تھی ۔ اور بعض فروعات میں آپس میں اختلاف بھی رکھتے مگر امر حق کے مان لینے سے قصور نہ کرتے ۔ وہ مشرق ومغرب وجنوب وشمال میں پھیل گئے تھے اور مختلف قوموں نے ان سے علوم حاصل کئے ۔ پھر اصحاب کم ہوتے گئے اور اختلاف بڑھتا گیا۔ ان لوگوں کی جہت سے جنہوں نے ان سے علوم حاصل کئے تھے یہاں تک کہ وہ بالکل تمام ہوئے ۔ اور فتوے وغیرہ میں تابعین ان کے قائم مقام ہوئے اور وہ اختلاف علم وفہم کے سبب اختلاف میں بڑھ گئے ۔ پھر تبع تابعین ان کے قائم مقام ہوئے تو وہ اختلاف میں اور بھی بڑھ گئے اور بعض مسائل جن میں پہلے صحابہ میں اختلاف تھا، تابعین و تبع تابعین کا اتفاق ہو گیا اور وہ امر اختلافی اتفاقی بن گیا ۔ ہر زمانہ اور ہر شہر میں بہت لوگ صاحب فتوی وحدیث واجتہاد ہو گئے اور ان کے مذاہب مختلف اور آراء متفرق ہو گئے ۔ خدا تعالی نے آئمہ اربعہ کے شاگردوں اور ساتھیوں کو توفیق دی تو انہوں نے ان کے مذاہب کو ضبط کیا اور ان کی کتابیں تصنیف کیں اور ان کو پھیلایا یہاں تک کہ خدا کی حکمت سے ،جس کو وہی جانتا ہے،(مترجم محمد حسین کہتا ہے کہ مذاہب اربعہ کی شہرت اور دوسرے مذاہب حقہ کی دراست وندرت کی اصل حکمت کا خدا ہی کو علم ہو گا جیسا کہ مصنف نے کہا ہے مگر اس کا ظاہری سبب دنیاوی شوکت وریاست ہی علماء نے بیان کیا ہے کہ مذہب امام ابوحنیفہ اور مذہب امام مالک کا سبب اشتہار یہ ہوا ہے کہ ان مذاہب کے اکابر واعیان کو قضا وقرب حکام وقت حاصل تھا۔ پس اس قرب ورتبہ کے ذریعہ سے انہوں نے ان مذاہب کو پھیلایا جن کو اپنے اپنے اعتقاد میں برحق اور سنت کے مطابق سمجھا ۔ شاہ ولی اللہ محدث نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۱۵۱ میں کہا ہے و کان اشھر اصحا به ذکراً ابو یو سف فولّی القضاء القضا ة ایام ھارون الرّشید فکان سبباً بظھور مذھبه و القضاء به فی اقطار العراق و خراسان و ما وراء النھر ۔یعنی امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں بڑے مشہور امام ابو یوسفؒ تھے ۔ وہ ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہو گئے ۔ یہ ان کے مذہب کے ظاہر ہونے اور اسکے موافق عراق وخراسان و ماوراء النہر کے اطراف میں قضا نافذ ہونے کا سبب ہوا ۔ اور شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں : ابن حزم در جائے نوشتہ کہ ایں دو مذہب در عالم از راہ ریاست وسلطنت رواج واشتہار گرفتہ اند مذہب ابوحنیفہ و مذہب مالک زیرا کہ قاضی ابو یوسف قضا کل ممالک بدست آوردہ از طرف او قضاۃ میرفتند پس بس بر ہر قاضی شرط مے کرد کہ عمل وحکم بمذہب ابوحنیفہ نماید و در اندلس یحی بن یحی را نزد سلطان آن وقت بحدے کمنت وجاہ حاصل گشت کہ ہیچ قاضی وحاکم بے مشورہ او منصوب نمی شد پس او غیر از یاران و ہمدمان خود را متولی نمی ساخت ۔ انتہی کلام ابن حزم ۔ جناب شاہ صاحب نے اندلس میں مالکی مذہب کے رواج کا یہ بھی سبب بتایا ہے کہ لوگ اندلس سے حج وزیارت مدینہ منورہ کیلئے آتے اور مدینہ میں امام مالک کی فضیلت اور بزرگی و وسعت علم کا حال سن کر اندلس میں جا

سناتے تو اس سے اندلس کے لوگ امام مالکؒ کے معتقد و مقلد ہو جاتے ۔ اور جو مصنف نے تصنیف و تدوین کتب مذاہب اربعہ سے خاص کیا ہے یہ خصوصیات اکثر مذاہب کی نسبت صحیح ہے ۔اس سے مذہب محدثین مستثنیٰ ہے ۔اس مذہب کی تدوین مذہب مجتہدین کی تدوین سے پیشتر ہو چکی تھی جس نے کتب حدیث کو غور سے بھی دیکھا ہوگا اس پر یہ امر مخفی نہ ہوگا۔محمد حسین) اور مذاہب کے اتباع بجز اقل قلیل باقی نہ رہے ۔ وہ مذاہب بے نشان ہو گئے ۔ ان ہی چاروں اماموں کے مذاہب معمول و مروج رہے۔

ان سب مذاہب کے اختلاف کے بہت سبب ہیں جن کا حصر و شمار ممکن نہیں ۔ ازانجملہ علموں اور سمجھوں کا مختلف ہونا اور نصوص (قرآن و حدیث) کے الفاظ و نظم ترکیب کے لحاظ سے کئی معنوں کا محتمل ہونا۔ وغیرہ ذلک۔ حافظ ابن القیمؒ نے امام ابن حزمؒ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی انسان کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر فتویٰ دینے کے وقت اس کا دھیان نہیں ہوتا ۔ پس وہ اس لئے حدیث کے برخلاف فتویٰ دیتا ہے اور یہی امر کبھی قرآن کی نسبت پیش آتا ہے ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے بڑھ کر مہر مقرر کرنے سے منع کیا تو ایک عورت نے آپ کو خدا کا یہ قول کہ تم نے جو عورتوں کو بہت مال مہر میں دیا ہو تو ان سے واپس نہ لو، یاد دلایا جن سے انہوں نے اپنا قول چھوڑ دیا اور (تواضعاً) یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے سبھی لوگ علم میں زیادہ ہیں ۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو، جس نے چھ مہینے کا بچہ جنا تھا، بعلت زنا سنگسار کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے خدا کا یہ قول کہ بچے کا حمل اور دودھ پلانا ڈھائی برس ہوتا ہے معہ اس قول کے : مائیں اپنی اولاد کو دو برس دودھ پلائیں جو پورا دودھ پلانا چاہیں ،۔ یاد دلایا اور یہ جتایا کہ پہلے قول میں چھ مہینے کم سے کم مدت حمل کا ذکر ہے ۔ پس انہوں نے اس حکم رجم سے رجوع فرمایا اور آپؓ نے عیینہ بن حصن پر جب اس نے آپ کی جناب میں گستاخی و سختی کی، حملہ کرنا چاہا یہاں تک کہ حارث بن قیس نے خدا کا قول .جاہلوں سے درگزر کرو؛ یاد دلایا تو آپؓ نے اس سے درگذر کیا اور آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے فوت ہو جانے کو تعجب سمجھ کر اس سے انکار کیا یہاں تک کہ ان کے سامنے قول خداوندی : (اے محمد) تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں . پڑھا گیا ۔ اس پر انہوں نے اس انکار و اصرار سے رجوع فرمایا ۔ یہ آیت تو آپ کو معلوم تھی ولیکن اس بھاری امر (آنحضرت ﷺ کی وفات) کے سبب آپ اس کو بھول گئے تھے ۔ اور کبھی کوئی عالم (مسئلہ کی) دلیل رکھتا ہے مگر اس میں تجویز نسخ یا تخصیص وغیرہ تاویل کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب سے سب کوئی ان باتوں پر مطلع نہ ہوتا جو آنحضرت ﷺ سے صادر ہوئیں کیونکہ وہ اپنی معاش وغیرہ امور میں مشغول رہتے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بعض حاضر ہوتے ،بعض نہ ہوتے ۔ جب آنحضرت ﷺ فوت ہوئے اور

ابوبکرؓ ان کے خلیفہ ہوئے تو جب ان کے پاس کوئی قول خدا اور رسول نہ ہوتا تو آپ اور لوگوں سے پوچھتے پھر اگر ان کے پاس کوئی قول خدا اور رسول پاتے تو اس کی پیروی کرتے ورنہ اجتہاد کرتے اور کبھی خدا و رسول کا قول اس شخص کے پاس ہوتا جو وہاں حاضر نہ ہوتا تھا، مثلاً جنبی کیلئے تیمّم کا حکم عمارؓ وغیرہ کو معلوم تھا اور حضرت عمرؓ وابن مسعودؓ کو نا معلوم، مسح موزہ کا جواز حضرت علیؓ وحذیفہؓ کے پاس تھا اور حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ ابی ہریرہؓ سے، باوجودیکہ یہ مدینہ کے رہنے والے تھے، مخفی تھا۔ پوتے کو بیٹے کے ساتھ چھٹے حصے کا وارث کرنا حضرت ابن مسعودؓ کو معلوم تھا اور حضرت ابوموسی اشعری کو نا معلوم۔ کسی کے گھر جانے کیلئے تین دفعہ اذن چاہنے کی حدیث حضرت ابوموسی وابوسعید خدری وابی بن کعب کو معلوم تھی اور حضرت عمر فاروقؓ سے مخفی۔ حیض والی عورت کو طواف فرض کے بعد طواف رخصت کے سوائے مکہ سے کوچ کرنے کا جواز حضرت ابن عباسؓ وام سلیم کو معلوم تھا اور حضرت زید بن ثابت کو نا معلوم۔ متعہ کا منسوخ ہونا اور گدھے کا حرام ہونا حضرت علی کو معلوم تھا اور حضرت ابن عباسؓ پر پوشیدہ۔ چاندی سونے کی بیع میں نسیہ (قرض) کا عدم جواز عمر فاروقؓ وابوسعیدؓ وغیرہ کو معلوم تھا اور طلحہؓ وابن عباسؓ پر مخفی۔ اور اس کی مثالیں اور بہت ہیں۔ صحابہ گذر گئے تو ان کے نائب تابعی مجتہد ہوئے جو ان سے علم حاصل کئے ہوئے تھے وہ سبھی علموں اور فہموں میں مختلف تھے اور وہ سب بقدر اپنے علم کے فتوی دیتے اور کسی کو خدا نے اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلّف نہیں کیا اور سب اس فتوی میں خدا کی طرف سے ثواب پاتے۔ ٹھیک فتوی دیا تو دو ثواب، ورنہ ایک۔ اور کبھی کسی کو حدیثیں باہم متعارض پہنچتیں تو وہ ایک حدیث کی طرف کسی وجہ ترجیح کی نظر سے مائل ہوتا اور دوسرا اسی حدیث کی طرف جس کو اس نے چھوڑ دیا تھا اور وجہ سے مائل ہوتا۔ اس کی مثالیں بھی بہت ہیں۔

ان وجوہات سے بعض علماء نے بعض آیات وحدیث کو ترک کیا ہے اور ان کے ہمسروں نے ان کا خلاف کیا۔ انہوں نے احادیث کو لے لیا جن کو پہلوں نے ترک کیا تھا اور پہلوں نے ان حدیثوں کو لے لیا جن کو انہوں نے ترک کیا، نہ اس لئے کہ عمداً نصوص (آیات وحدیث) کا خلاف کریں (بلکہ ان وجوہات سے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں) اور کسی کو دلیل صحیح (آیات وحدیث) بلا تعارض وغیرہ موانع عمل کے پہنچ جائے تو اس کو اس دلیل کا ترک کرنا بجز عناد یا تقلید باقی نہ رہا۔ صحابہ اس طریق پر تھے۔ کلام ابن القیم جو اس نے ابن حزم سے نقل کیا تھا تمام ہوا۔ اور ابن القیم نے اپنے استاد ابن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے کہ جملہ عذرات ان آئمہ کے جنہوں نے کسی حدیث کو ترک کیا ہے تین قسم ہیں۔ اول: اس حدیث کو کلام رسول نہ سمجھنا۔ دوسرا: اس حدیث کے وہ معنی نہ سمجھنا جو معنی اس حدیث پر عمل کرنے والے نے سمجھے ہیں۔ تیسرا: اس کو منسوخ سمجھ لینا۔ ان عذرات کی شاخیں کئی قسم ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ اس شخص کو حدیث نہیں پہنچی اور اس نے قیاس کیا اور

اس کا قیاس اس حدیث متروک کے موافق ہوا، اور کسی اور حدیث کے مخالف۔ یہی سبب ہے اکثر ان اقوال علماء سلف کا جو نصوص کے مخالف ہیں، کیونکہ سبھی احادیث رسول پر کسی کو احاطہ حاصل نہ تھا اس باب میں تو خلفاء راشدین، جو رسول اللہ ﷺ کے حالات سے بہت واقف تھے، خصوصاً صدیق اکبر (جو رسول اللہ ﷺ سے کم ہی جدا ہوتے تھے) کے حال سے معلوم کرے۔ صدیق اکبرؓ پر دادے کی میراث مخفی رہی۔ اور ان کو مغیرہ بن شعبہ وعمران بن حصین ومحمد بن مسلمہ نے بتلائی۔ حضرت عمرؓ پر عورت کو خاوند کی دیت سے وارث کرنے کی حدیث مخفی رہی یہاں تک کہ ایک جنگل کے رہنے والے نے ان کو اس کی خبر دی اور آپ پر مجوس سے جزیہ لینے کی حدیث مخفی رہی یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بتائی۔ اور آپ پر وبا کی زمین میں جانے سے ممانعت مخفی رہی اور وہ بھی عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بتائی۔ اور آپ پر آندھی کی حدیث مخفی رہی (یعنی وہ حدیث جس میں یہ بیان ہے کہ آندھی آنے کے وقت کیا کہیں) جو ابو ہریرہؓ نے بتائی اور آپ انگلیوں کے خون بہا میں اختلاف رکھتے تھے۔ اس باب میں ابن عباسؓ، ابی موسیٰ اشعریؓ کے پاس یہ علم تھا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بڑی انگلی اور چھوٹی انگلی خون بہا میں برابر ہیں۔ پس آپؓ نے اس کو قبول کیا۔ اور امیر معاویہؓ نے بھی اس پر عمل کیا جب ان کو ایسا علم ہوا اور آپ کے بیٹے عبداللہ احرام حج کے وقت خوشبو لگانے کو جائز نہ سمجھتے اور طواف فرض سے پہلے رمی جمار کے بھی قائل نہ تھے اور یہ امور آنحضرت ﷺ سے صحیح ہو چکے ہیں۔ اور آپ مسح موزہ میں تعیین مدت کے قائل نہ تھے حالانکہ صحیح حدیث میں تعیین آ چکی ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ و ابن عباسؓ اس عورت حاملہ کی نسبت جس کا خاوند فوت ہو جائے عدت دونوں عدتوں (وضع حمل اور چار مہینے دس دن) سے جو دور ہوتی تجویز کرتے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اور زید بن ثابتؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ کا اعتقاد تھا کہ جس عورت کا بلا زفاف خاوند مر جاوے اور مہر مقرر ہو، اس کو مہر لینا نہیں آتا، حالانکہ آنحضرت ﷺ سے صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو پورا مہر دلایا ہے اور یہ باب (مخفیات صحابہ) فراخ ہے۔ اور جو اس قسم کی باتیں صحابہ کے سوا اور لوگوں سے منقول ہیں وہ شمار سے بڑھ کر ہیں۔ پس جب امت کے زیادہ جاننے والے اور بڑے مجتہدوں پر بعض احادیث مخفی رہیں تو ان کی نسبت کیا خیال کرنا چاہیے جو ان کے بعد ہوئے۔ پس جو شخص یہ سمجھے کہ سبھی حدیثیں اماموں کو یا کسی خاص امام کو پہنچ گئی ہیں تو اس نے سخت خطا کی۔ ابو عمرو ابن عبد البر نے کہا ہے آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوا جس پر آنحضرت ﷺ کی بعض حدیثیں مخفی نہ رہی ہوں اور یہ حدیثوں کے دفتر (کتابیں) گذر جانے آئمہ کے بعد تالیف ہوئی ہیں اور ان میں بھی سب حدیثوں کا منحصر ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہوتا کہ جس کے پاس یہ سب کتابیں موجود ہوں اس کو سبھی کچھ، جو ان

میں ہے، یاد ہوتا ہے۔ اور متقدمین کے دفتر تو ان کے سینے ہی تھے اور وہ خوب جاننے والے تھے۔ ازانجملہ یہ سبب ہے کہ حدیث تو کسی شخص کو پہنچی مگر بسند صحیح نہ پہنچی۔ سند صحیح سے وہ کسی اور کو پہنچی۔ وہ حدیث اسی شخص کے حق میں لائق سند ہے جس کو سند صحیح سے پہنچے، نہ اس کے حق میں جس کو بسند صحیح نہیں پہنچی۔ اسی واسطے بہت سے اماموں نے بعض احادیث کے ماننے کو صحیح ہونے کی شرط پر معلق کیا ہے اور کہا ہے کہ فلاں مسئلہ میں ہمارا یہ قول ہے اور اس کے خلاف میں حدیث مروی ہے (جو ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے) اگر یہ حدیث ثابت ہوجاوے تو یہی ہمارا قول ہے۔ اس کی مثالیں نہایت کثرت سے ہیں۔

اور ابن قیم نے کہا ہے کہ اختلاف کے بہت سے اسباب ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ ایک مجتہد ایک راوی کو ضعیف سمجھتا ہے دوسرا اس کو ثقہ خیال کرتا ہے ازانجملہ یہ کہ ایک مجتہد ایک راوی کو عادل کی حدیث میں شرط لگاتا ہے جو دوسرا نہیں لگاتا۔ ازانجملہ یہ کہ وہ معنی حدیث کو نہیں جانتا، یا تو اس لئے کہ اس حدیث کے الفاظ اس کے نزدیک کم استعمال ہیں یا اس لئے کہ وہ مشترک المعنی یا مجمل ہے۔ یا یہ کہ وہ ظاہری معنی حقیقی اور معنی مجازی دونوں پر محمول ہونے کے متحمل ہے۔ اور ازانجملہ یہ کہ وہ کسی حدیث کو عام جان کر اس میں کسی خاص فرد کے داخل ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔ یا تو اس لئے کہ وہ اس فرد کی حقیقت اور بقیہ افراد سے اس کی مماثلت ومشابہت کا علم نہیں رکھتا یا اس لئے کہ وہ اس میں اپنے دل میں شبہ رکھتا ہے یا اس کو کسی وجہ خصوصیت سے حکم عام سے خارج کرتا ہے اور ازانجملہ یہ کہ وہ اس حدیث کو جو عام نہیں ہے، عام سمجھتا ہے یا اس حدیث کو جو مقید ہے، مطلق خیال کرتا ہے اور اس کی قید سے غافل ہے۔ اور ازانجملہ یہ کہ وہ لفظ حدیث کا حکم متنازعہ فیہ پر دلالت کرنا نہیں مانتا، یا تو اس لئے کہ اس کے عرف شرع میں معنی نہیں جانتا اس لئے خلاف معنی پر محمول کرتا ہے یا یہ کہ عرف شرح میں اس حدیث کے دو معنی ہیں وہ اس حدیث سے ایک معنی لیتا ہے، دوسرا دوسرے معنی۔ یا وہ حدیث خاص کو عام سمجھتا ہے یا عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرتا ہے اور مقید کو مطلق۔ اور ازانجملہ یہ کہ اس حدیث کے معارضہ (مقابلہ) میں اور حدیث اس کے مساوی یا اس سے زیادہ قوی پائی جاتی ہے۔ اور تعارض کے کئی اقسام ہیں۔

ابن القیم نے کہا ہے کہ جس شخص کو خدا ہدایت کرتا ہے وہ حق بات کو لے لیتا ہے جہاں کہیں ہو اور جس کے پاس ہو، اور ناحق کو رد کرتا ہے خواہ وہ کیسے شخص کے ساتھ ہو۔ ایسا شخص تمام مخلوق سے زیادہ عالم ہے اور سب سے زیادہ ہدایت پر ہے اور سب سے زیادہ راست گو۔ ایسے لوگ باہم اختلاف بھی کرتے ہیں تو ان کا اختلاف رحمت ہے اور ہدایت اور یہ اختلاف کرنا ایک دوسرے کو اپنی رائے سے جس کو اپنے نزدیک صواب سمجھتا ہے اطلاع دیتا ہے۔ پس اگر ان سبھی مختلف آراء کا آپس میں مقابلہ کیا جاوے اور ان

سب کو کتاب اللہ وسنت رسول پر پیش کیا جاوے اور اپنی نظر کو جو ان آراء لگاتے ہیں تعصب اور حمیت و پاسداری سے مجرد کریں اور اپنی وسعت اور قصد طاعت خدا اور رسول کو پورا خرچ کریں تو ان اقوال و آراء سے جو صواب اور جو قریب صواب ہے کم مخفی رہے۔ اس قسم کا اختلاف آپس میں عداوت پیدا نہیں کرتا اور نہ کلمۃ الاسلام میں تفرقہ و پراگندگی بہم پہنچاتا ہے۔

میں (محمد حیات) کہتا ہوں کہ جب کہ (سب کا) معبود، عبادت کا حکم دینے والا ایک ہے اور رسول (دین اسلام لانے والا) ایک ہے اور دین (اسلام) ایک، اور یہ سبھی علماء اتباع دین کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس میں اپنی طرف سے قصور نہیں کرتے اور ہر ایک کے لئے فضائل وکمالات حاصل کرتے ہیں اور خدا تعالی نے فرمایا ہے کہ تم اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم کو علم نہیں ہے، پھر ایک شخص کے لئے تعصب کرنا اور اسی قول پر جمے رہنا کس لئے ہے۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: کیا جو کچھ ابوحنیفہ نے کہا ہے، میں اسی کا قائل ہوں؟ (ایسی) تقلید (ایک شخص کی ہر بات میں) تو وہی کرتا ہے جو متعصب یا بے سمجھ ہوتا ہے۔ یہ کلمہ طحاوی کا مصر میں اڑ گیا اور ضرب المثل ہوا۔ اور مذہب مجتہد وہ ہوتا ہے جو اس نے کہا پھر اس سے رجوع نہیں کیا۔ اور ایک مجتہد سے دو قول مختلف کا سرزد ہونا بجز اس کے کہ وہ ایک قول سے رجوع کرے، ممکن نہیں مگر اس صورت میں کہ ان دونوں میں اس کو تردد ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مجتہد نے پہلے ایک قول کہا ہو، پھر اس سے دوسرے قول کی طرف رجوع کیا ہو پھر اس قول سے پہلے قول کی طرف رجوع کیا ہو، اس کی مثال مجھے اقوال مجتہدین سے کوئی معلوم نہیں اور کسی امام کے شاگرد اور رفیق اس کے سبھی مذہب کو نہیں جانتے اور یہ امر ظاہر ہے۔

آئمہ مذاہب کے شاگردوں کے باہمی اختلاف کا غالبًا یہ سبب ہوا ہے کہ بعض شاگردوں نے امام کا مذہب اس قول کو جانا جس کو دوسرے نے نہ مانا اور بعض نے امام کے پہلے قول کو جس سے امام نے رجوع کیا تھا۔ امام کا مذہب سمجھ لیا اور اسی پر فتوی دیا۔ اور دوسرے قول کو (جس کی طرف رجوع کیا تھا) معلوم نہ کیا۔ اور بعضوں نے امام کا کوئی قول نہ پایا بلکہ امام کے اقوال ومسائل پر قیاس کرکے اسی قیاس کو مذہب امام قرار دیا اور دوسرے شاگردوں نے اس قیاس میں خلاف کیا۔ پس کبھی یہ صواب کو پہنچا، کبھی وہ مصیب ہوا۔ اور بسا اوقات قول امام کے معنی سمجھنے میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف کا دروازہ نہایت فراخ ہے اور یہ نہیں ہے کہ جو بات کوئی امام کے قول سے نکال لے وہی امام کا مذہب بن جائے۔ بلکہ کبھی وہ استنباطی بات مذہب امام کے موافق ہوتی ہے اور کبھی مخالف پڑتی ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ جو اقوال و مسائل امام کے اقوال سے نکالے گئے ہیں۔ ان اقوال کو امام کی طرف منسوب کیا جاوے اور ان کو یقیناً

اقوال و مذاہب امام ٹھہرایا جاوے، کیونکہ احتمال ہے کہ اگر ان اقوال کو امام کے سامنے پیش کیا جاتا تو بعض اقوال کو امام قبول کرتا اور بعض اقوال کو رد کر دیتا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ جو مسائل مجتہدوں نے آنحضرت ﷺ کے اقوال سے استنباط کئے ہیں اور ان کو قطعاً آنحضرت ﷺ کے اقوال نہیں مانا جاتا۔ تاہم ان کا شریعت ہونا بھی محتمل ہے۔ ابن تیمیہ ؒ نے کتاب منہاج السنہ میں کہا ہے کہ تو دو جماعتوں مختلف مذاہب یا دو شخصوں میں سے ایک کو ایسا پاوے گا کہ وہ اس علمی بات کو جس کی خود خبر دیتا ہے جھوٹ نہیں سمجھتا۔ لیکن جو دوسری جماعت یا دوسرا شخص حق سنادے خواہ وہ خبر (حدیث واثر) سے معلوم ہوا ہو یا نظر (فکر و قیاس) سے اس کو قبول نہیں کرتا جو اپنا فریق عقلی یا نقلی بات کہے اس کو مانتا ہے اور جو دوسرا فرقہ کہے اس کو رد کرتا ہے۔ کلام ابن تیمیہ تمام ہوا۔ مصنف ایقاف کہتا ہے کہ یہ بات اہل مذاہب کے پیروان خصوصاً ہمارے زمانہ (۱۱۶۳ھ) میں بہت ہے۔ ان کو تم دیکھو گے کہ وہ بجز اس بات کے جو اپنے مذاہب والوں سے منقول پاویں گے خواہ وہ قول امام ہو خواہ نہ ہو اور کسی بات پر اعتماد نہ کریں گے

فائدہ۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مسائل جو اصول فقہ میں مذکور ہیں آئمہ کے اقوال سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ اسی طور پر کہ بعض پیرو آئمہ کے اکثر مسائل امام کو ایک قانون کی طرف رجوع ہوتے دیکھتے ہیں، تو وہ اس قانون کو ان مسائل اور ان کے نظائر و امثال کیلئے اصول قرار دیتے ہیں وعلی ہذا القیاس۔ پھر کبھی پچھلا پیرو، پہلے کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف اور کبھی اس کی تقلید کر لیتا ہے اور کبھی پہلا مصیب ہوتا ہے اور کبھی پچھلا صواب پر پہنچتا ہے اور اختلاف میں انصاف کرنا بہترین اوصاف ہے اور اتفاق کی طرف رجوع کرنا افتراق سے بہتر ہے اور خدا تعالیٰ حق وصواب کو خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کا بازگشت

و صلّی اللّٰہ علی محمّد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

افکار ولی اللہ

اسی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان میں جناب شاہ ولی اللہ نے متعدد تصانیف میں بحث کی ہے۔ یہاں ان کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے ایک عبارت نقل کی جاتی ہے:

و عن شريح انّ عمر بن الخطاب كتب اليه ان جاء ك شيء فى كتاب اللّه فاقض به ، و لا يلفتک عنه الرّجال ، فان جاء ك ما ليس فى كتاب اللّه فانظر سنّة رسول اللّه ﷺ، فاقض بها، فان جاء ك ما ليس فى كتاب اللّه ولم يكن فيه سنّة رسول اللّه ﷺ ، فانظر ما اجتمع عليه النّاس ، فخذه ، فان جاء ك ما ليس فى كتاب اللّه ، و لم يكن فى سنّة رسول اللّه ﷺ و لم يتكلّم فيه ا حد قبلک ، فاختر اىّ الامرين شئت ان شئت ان تجتهدبرأيک ثمّ تقدم ، فتقدم۔ وان شئت تتأ خر ولا ارى التّاخر الّا خيراً لک۔

و عن عبد اللّه بن مسعود قال : اتى علينا زمان لسنا نقضى و لسنا هنا لک ، و انّ اللّه قد قدر من الامر ان قد بلغنا ما ترون ، فمن عرض له قضاء بعد اليوم فليقض فيه بما فى كتا ب اللّه عزّ وجل ، فان جاء ه ما ليس فى كتاب اللّه فليقض بما قضى به رسول اللّه ﷺ ، فان جاء ه ما ليس فى كتاب اللّه ، و لم يقض به رسول اللّه ﷺ فليقض بما قضى به الصّالحون و لا يقل انّى ا خاف و انّى ارى، فانّ الحرام بيّن والحلال بيّن، وبين ذلک امور مشتبهة۔فدع ما يريبک الى ما لا يريبک ۔

و كان ابن عباس اذا سئل عن الامر فان كان فى القرآن ا خبر به ، و ان لم يكن فى القرآن و كان عن رسول اللّه ﷺ اخبر به ، و ان لم

يكن فعن ابى و عمر ، فان لم يكن قال فيه برأيه ۔ عن ابن عباس اما تخافو ن ان تعذبوا ، او يخسف بكم ان تقولوا قال رسول اللّه ﷺ و قال فلا ن ۔

عن قتاده قالَ: حد يث ابن سيرين رجلاً بحديث عن النّبىّ ﷺ فقال الرّجل : قال فلان : كذا و كذا ، فقال ابن سيرين احد ثك عن النّبىّ ﷺ و تقول قال فلان كذا و كذا ۔

عن الاوزاعى قال : كتب عمر بن عبد العزيز انّه لا رأى لاحد فى كتاب اللّه و انّما رأى ا لآئمة فيما لم ينزل فيه كتاب ، و لم تمض فيه سنّة من رسول اللّه ﷺ ، ولا رأى لاحد فى سنّة سنّها رسول اللّه ﷺ ۔

عن الاعمش قال : كان ابرا هيم يقول: يقوم (اى المقتدى عن يسار ا لا مام) عن يساره ، فحدثته عن سميع الزيات عن ابن عباس انّ النّبىّ ﷺ اقامه عن يمينه ، فاخذ به عن الشعبى ، جاء ه رجل يسأله عن شىء فقال : كان ابن مسعود يقول فيه كذا و كذا قال : اخبرنى انت برأيك ، فقال الا تعجبون من هذا اخبرته عن ابن مسعود ، و يسألنى عن رأيى ، و دينيى عندى آثر من ذلك ، و اللّه لان اتغنى باغنية (ا غنية واحدة الاغا نى) احب الىّ من ان اخبرك برأيى ۔ ا خرج هذه الآ ثار كلّها الدارمى۔

و اخرج التّرمذى عن ابى السّائب قال : كنّا عند وكيع ، فقال لرجل ممن ينظر فى الرأ ى: أشعر رسول اللّه ، و يقول ابو حنيفه: هو مثله؟ قال الرجل فانّه قد روى عن ابرا هيم النّخعى انّه قال : الاشعار مثلة ۔ (الاشعار ان يّضرب فى صفحة سنام الهدى من الجانب الايمن بحديدة حتى يتلطخ بالدم ظاهراً۔ و المثلة جدع الانف و الاذن او الذ كر او شىء من الاطرا ف و انّما كر ه الاشعار عند ابى حنيفه اذاكان على و جه يخاف منه هلاك الهدى و الّا فهو سنّة) قال : رأيت وكيعاً غضب غضباً شديداً و قال : اقول لك : قال رسول اللّه ﷺ ، و تقول : قال ابراهيم ، ما احقك بان تحبس ،

ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک هذا ۔

و عن عبد اللّه بن عباس و عطاء و مجاهد و مالک بن انس انّهم کانوا یقولون : ما من احدٍ الّا و هو ماخوذ من کلامه و مردود علیه الّا رسول اللّه ﷺ ۔

و بالجملة فلما مهدوا الفقه علی هذه القواعد ، فلم تکن مسألة من المسائل الّتی تکلّم فیها من قبلهم والّتی وقعت فی زمانهم الّا وجدوا فیها حدیثاً مرفوعاً متصلاً او مرسلاً او موقوفاً صحیحاً او حسناً او صالحاً للاعتبار ، او وجدوا اثراً من آ ثار الشیخین او سائر الخلفاء و قضاة الامصار و فقهاء البلدان ، او استنباطاً من عموم او ایماء او اقتضاء ، فیسر اللّه لهم العمل بالسّنّة علی هذا الوجه

و کان اعظمهم شاناً و اوسعهم روایة و اعرفهم للحدیث مرتبة و اعمقهم فقهاً احمد بن محمد بن حنبل، ثمّ اسحاق بن راهویه، وکان ترتیب الفقه علی هذا الوجه یتوقف علی جمع شیء کثیر من الاحادیث و الآثار حتّی سئل احمد یکفی الرّجل مأة الف حدیث حتی یفتی ؟ قال : لا۔ حتی قیل خمس مأة الف حدیث قال : ارجوا کذا فی غایة المنتهی و مراده الافتاء علی هذا الاصل ۔

ثم انشأ اللّه تعالی قرناً آخر ، فرأوا اصحابهم قد کفوا مؤنة جمع الاحادیث ونمهید الفقه علی اصلهم، فتفرغوا لفنون اخری : کتمییز الحدیث الصحیح المجمع علیه بین کبراء اهل الحدیث کزید بن هارون و یحی بن سعید القطان و احمد و اسحاق و اضرابهم ، و کجمع احادیث الفقه الّتی بنی علیها فقهاء الامصار و علماء البلدان مذاهبهم ، و کالحکم علی کل حدیث بما یستحقه ، کالشاذة و الفاذة من الاحادیث الّتی لم یرووها ، او طرقها الّتی لم یخرجوا من جهتها الاوائل ممّا فیه اتصال او علو سند او روایة فقیه عن فقیه او حافظ عن حافظ ، و نحو ذلک من المطالب العلمیة ، وهؤلاء هم :

البخاری و مسلم، و ابو دا ئود، و عبد بن حمید، و الدارمی، و ابن ماجه ، و ابو یعلی ، و الترمذی ، و النسا ئی ، و الدا رقطنی ، و الحا کم ، و البهیقی ، و الخطیب، و الدیلمی ، و ابن عبد البر و امثا لهم ۔

و کان اوسعهم علماً عندی و انفعهم تصنیفاً و اشهرهم ذکراً رجال اربعة متقار بو ن فی العصر:

اوّلهم: ابو عبداللّٰه البخاری وکان غرضه تجرید الاحادیث الصحاح المستفیضة المتّصلة من غیرها، واستنباط الفقه والسّیرة و التّفسیر منها، فصنّف جامعه الصحیح ، و وفّی بما شرط ، و بلغنا انّ ر جلاً مّن الصّالحین رأی رسول اللّٰه ﷺ فی منامه و هو یقول : مالک اشتغلت بفقه محمد بن ادریس و ترکت کتابی، قال : یا رسول اللّٰه و ما کتا بک ؟ قال : صحیح البخاری۔ و العمری انّه نال من الشّهرة و القبول درجة لا یرا م فوقها ۔

و ثانیهم : مسلم النیسابوری، توخی (قصد) تجرید الصحاح المجمع علیها بین المحدّ ثین المتّصلة المرفوعة ممّا یستنبط منه السنّة ، و اراد تقریبها الی الاذهان و تسهیل الاستنباط منها، فرتب ترتیباً جیداً ، و جمع طرق کل حدیث فی موضع وا حد ؛ لیتضح اختلاف المتون ، و تشعب الاسانید اصرح ما یکون و جمع بین المختلفات فلم یدع لمن له معرفة لسان اعرب عذراً فی الاعرا ض عن السنّة الی غیر ها،

و ثالثهم: ابو دا ؤد السجستانی ، و کان همّته جمع الاحادیث الّتی استدلّ بها الفقهاء و دارت فیهم ، و بنی علیها الاحکام علماء الامصار ، فصنّف سننه ، و جمع فیها الصّحا ح و الحسن و ا للّین و الصا لح للعمل ۔

قال ابو دا ؤد: ما ذکر ت فی کتابی حد یثاً اجمع النّاس علی ترکه ، و ما کان منها ضعیفاً صرح بضعفه ، و ما کان فیه علّة بیّنها بوجه

يعرفه الخائض فى هذا الشان ، و ترجم على كل حدث بما قد استنبط منه عالم ۔ و ذهب اليه ذا هب ، و لذلک صرّح الغزا لى وغيره بان کتا به کاف للمجتهد۔

و را بعهم: ابو عيسى الترمذى ، و كأنه استحسن طريقة الشيخين حيث بيّنا و ما أبهما، و طريقة ابى دا ؤد حيث جمع كل ما ذهب اليه ذاهب ، فجمع كلتا الطريقتين و زاد عليهما بيان مذاهب الصحابة و التابعين و فقهاء الامصار فجمع كتاباً جامعاً واختصر طرق الحديث اختصاراً لطيفاً ، فذكر واحداً ، و أومأ الى ما عداه ، و بيّن امر كلّ حد يث من انّه صحيح او حسن او ضعيف او منكر ، و بيّن وجه الضّعف، ليكون الطالب على بصيرة من امره، فيعرف ما يصلح للاعتبار عمّا دونه ، و ذكر انّه مستفيض او غريب ، و ذكر مذاهب الصّحابة و فقهاء الامصار ، و سمّى من يحتاج الى التّسمية و كنى من يحتاج الى الكنية ۔ و لم يدع خفاء لمن هو من رجال العلم، و لذلک يقال : انّه کا ف للمجتهد مغنٍ للمقلد۔

و كان بازاء هؤلاء فى عصر مالک وسفيان، و بعد هم قوم لا يكرهون المسائل ، و لا يهابون الفتيا و يقولون: على الفقه بناء الدّين ، فلا بدّ من اشاعته ، و يهابون روا ية حد يث رسول اللّه ﷺ و الرفع اليه حتى قال الشعبى : على من دون النّبىّ ا حبّ الينا ، فان كان فيه زيادة او نقصان كان على من دون النّبىّ ﷺ ۔

و قال ابراهيم اقول : قال عبد اللّه ، و قال علقة : ا حبّ الينا،

و كان ابن مسعود اذا حدث عن رسول اللّه ﷺ تربد(اى تغير) وجهه و قال : هكذا او نحو هكذا و نحوه ۔

و قال عمر حين بعث رهطاً من الانصار الى الكوفة : انكم تأتون الكوفة ، فتأتو ن قوماً لهم أزيز (اى صوت بالبكاء) بالقرآن فياتونكم فيقولون : قدم اصحاب محمد ﷺ قدم اصحاب محمد ﷺ ، فياتونكم

فیسألو نکم عن الحد یث فأقلوا الرّوایة عن رسول اللّٰه ﷺ۔

قال ابن عون : کان الشعبی اذا جاء ہ شئی اتقی ، وکا ن ابراھیم یقول و یقول : اخر ج ھذہ الآ ثار الدار می ۔

فو قع تد وین الحدیث الفقہ و المسا ئل من حاجتھم بموقع من وجہ آخر و ذلک انہ لم یکن عند ھم من ا لا حادیث و الآثار ما یقدرون بہ علی استنباط الفقہ علی الاصول الّتی اختارھا اھل الحد یث ، و لم تنشر ح صدورھم للنّظر فی اقوال علماء البلدا ن و جمعھا والبحث عنھا، و اتھموا انفسھم فی ذلک ، وکانوا اعتقدوا فی آ ئمتھم انّھم فی الدرجة العلیا من التحقیق،وکان قلوبھم أمیل شئی الی اصحابھم کما قال علقمة : ھل ا حد منھم اثبت من عبد اللّٰہ ؟ و قال ابو حنیفہ : ابراھیم افقہ من سالم، و لولا فضل الصحبة لقلت : علقمہ افقہ من ابن عمر۔

و کان عند ھم من الفطانة و الحد س و سرعة انتقال الذ ھن من شئی الی شیء ما یقدرون بہ علی تخریج جواب المسائل علی اقوال اصحابھم : و کل میسر لما خلق لہ ؛ و قو لہ تعا لی : کل حز بٍ بما لدیھم فر حون ۔ (الرو م : ۳۲)

فمھدوا الفقہ علی قاعدة التخر یج ، و ذلک ان یحفظ کل ا حد کتاب من ھولسان اصحابہ و اعرفھم باقوال القوم واصحھم نظراً فی الترجیح ، فلیتأمّل فی کلّ مسألة وجہ الحکم، فکلّما سئل عن شیء ، او احتا ج الی شیء رأی فیما یحفظہ من تصریحا ت اصحا بہ ، فان وجد الجوا ب فیھا ، و الا نظر الی عموم کلامھم ، فاجراہ علی ھذہ الصّورة ، او اشارة ضمنیة لکلام ، فاستنبط منھا ۔

و ر بما کان لبعض الکلام ایماء او اقتضاء یفھم المقصود

و ربما کان للمسألة المصرح بھا نظیر یحمل علیھا۔

و ربما نظروا فی علة الحکم المصرح بہ بالتخر یج او بالیسر و

الحذ ف ،فاداروا حكمه على غير المصرح به ۔

و ربما كان له كلامان لو اجتمعا على هيأة القياس الاقترانى او الشرطى انتجا جواب المسألة

و ربما كان فى كلامهم ما هو معلوم بالمثال والقسمة غير معلوم بالحد الجامع المانع ، فيرجعون الى اهل ا للسا ن ، و يتكلّفو ن، فى تحصيل ذا تياته ، و ترتيب حد جامع مانع له ، و ضبط مبهمه و تميز مشكله ۔

و ربما كان كلامهم محتملاً بوجهين، فينظرون فى ترجيح احد المحتملين ، و ربما يكو ن تقريب الدلا ئل خفياً ، فيبينون ذلک۔

و ربما استدلّ بعض المخر جين من فعل آ ئمتهم و سكوتهم و نحو ذلک

فهذا هو التخر يج و يقال له القول المخر ج لفلان كذا ، و يقال على مذهب فلان ، او على اصل فلان ، او على قول فلان جواب المسألة كذا و كذا ۔ و يقال لهؤلاء : المجتهدون فى المذهب ، و عنى هذا الاجتهاد على هذا الاصل من قال من حفظ المبسوط كان مجتهداً ۔ اى و ان لم يكن له علم بروا ية اصلاً ، ولا بحد يث واحد فوقع التخر يج فى كل مذ هب ، و كثر ، فأى مذ هب كان اصحابه مشهورين و سّد اليهم القضاء والافتاء ، و اشتهرت تصانيفهم فى النّاس ، و درسوا درساً ظاهراً انتشر فى اقطار الارض ، و لم يزل ينتشر كل حين ۔ و اى مذهب كان اصحابه خاملين ، و لم يولوا القضاء والافتاء و لم ير غب فيهم الناس اندرس بعد حين ۔ (حجة الله البا لغه ج ۱ ص ۲۷۸۔ ۲۸۳)

(ترجمہ عبارت حجۃ اللہ البالغہ): اور قاضی شریح ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے انہیں تحریر کیا تھا کہ قرآن مجید میں سے جو حکم تم کو معلوم ہو تو اس کے موافق فیصلہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو ایسا کرنے سے باز رکھیں، اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم قرآن مجید میں نہ ملے تو حدیث کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا اور اگر کوئی حدیث نہ ہو تو پھر اتفاقی بات کو دیکھ جس پر اکثر لوگ متفق ہوں اس کو لے۔ اور اگر ایسی بات ہو جس میں کسی نے کچھ نہ کہا ہو، تو پھر خواہ اس کو اپنی رائے سے فیصلہ کر۔ خواہ اس میں ساکت رہ۔ اور سکوت تیرے حق میں مفید اور بہتر ہے۔

اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ پہلے ہم ایسے زمانہ میں تھے کبھی ہم کو فیصلہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہم اس کے لائق تھے، اب تقدیر سے یہ وقت آپہنچا ہے جو تم دیکھتے ہو۔ سو اب جس کو کوئی مقدمہ پیش آوے وہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرے اور جس امر کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو، اس میں حدیث کے موافق فیصلہ کرے۔ اور اگر حدیث بھی نہ ملے تو پہلے صالحین کے فیصلہ کے موافق کرے۔ اور اپنی رائے و قیاس سے کچھ نہ کہے، کیونکہ حرام ظاہر ہے اور حلال بھی ظاہر ہے اور دونوں کے بیچ میں شبہ کی چیزیں ہیں۔ پس جس میں شبہ ہو، اسے چھوڑ دے اور جو بلاشبہ ہو، اسے لے لے۔

اور جب کوئی ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھتا تو اگر آپ وہ مسئلہ قرآن میں پاتے تو بیان فرماتے اور اگر قرآن میں نہ پاتے تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھ سناتے اور اگر حدیث بھی نہ ملتی تو حضرت ابوبکر یا عمر کا قول نقل کرتے۔ اگر یہ بھی نہ پاتے تو پھر اپنی رائے سے بیان فرماتے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ تمہیں اس میں خوف نہیں آتا جو تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا اور (اس کے مخالف) فلاں کا یہ قول ہے۔

قتادہؒ نے کہا کہ ابن سیرینؒ نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی اور دوسرے نے کسی کا قول بیان کیا تو ابن سیرین نے کہا میں تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ فلاں کا یہ قول ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا کہ جو امر کتاب اللہ میں ہو، اس میں کسی کی رائے مقبول نہیں اور آئمہ کی رائے اس میں مقبول ہے جس میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا کوئی حکم نہ ہو۔

اعمشؒ نے کہا کہ ابراہیمؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ مقتدی (جب کہ امام کے پیچھے تنہا ہو) امام کے بائیں طرف کھڑا ہو، اور جب میں نے سمیع کی زیارت کی تو حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس کو اپنی داہنی طرف کھڑا کیا تھا تو پھر انہوں نے اس حدیث کو لے لیا۔

اور شعبی کے پاس کوئی شخص مسئلہ پوچھنے کو آیا تھا تو انہوں نے اس کے جواب میں ابن مسعود کا قول سنایا، اس نے کہا تم اپنی رائے سے بتاؤ، تو وہ حاضرین کو کہنے لگے کیا تم اس شخص سے متعجب نہیں ہوتے کہ میں ابن مسعود کا

قول سنا تا ہوں اور یہ میری رائے پوچھتا ہے، میرا دین میرے اعتقاد میں اس (رائے سے فتوی دینے) سے مقدم ہے بخدا اگر میں دوسرے کے قول پر فتوی دینے سے مستغنی رہوں تو مجھے اس سے پیارا ہے کہ اپنی رائے سے کچھ کہوں۔ یہ تمام آثار دارمی نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ ہم وکیع کے پاس تھے جب اس نے اہل رائے میں سے ایک شخص کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں وہ مثلہ ہے (جیتے کا کان ناک کاٹنا)۔ اس شخص نے جواب دیا، ابراہیم نخعی بھی کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے، تو ان پر وکیع نہایت غصہ سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو ابراہیم کا قول نقل کرتا ہے۔ پس تیری سزا یہی ہے کہ قید کیا جائے یہاں تک کہ اس قول سے باز نہ آوے۔

اور ابن عباس وعطا ومجاہد و مالک بن انس وغیرہ نے فرمایا ہے کہ سوائے آنحضرت ﷺ کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کے قول کو اختیار اور ردّ نہ کرسکیں۔ حاصل یہ کہ جب انہوں نے فقہ کو ایسے قواعد پر بنایا تو ہر مسئلہ میں جو ان سے پہلے یا انکے زمانہ میں کہا گیا ہو، کوئی حدیث مرفوع متصل یا موقوف صحیح یا حسن یا ضعیف لائق عمل یا شیخین وغیرہ خلفاء کا اثر یا کسی مجتہد یا قاضی کا فیصلہ یا عموم وایماء نص کا استنباط (غرض کچھ نہ کچھ) ان کو مل جاتا تھا۔ اس وجہ سے ان کو حدیث پر عمل کرنا آسان ہوگیا۔ ان لوگوں میں عظیم الشان وکثیر الروایۃ اور بڑے محدث وفقیہ احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ تھے۔

اور اس طور پر فقہ بنانا بہت سی جمیعت احادیث وآثار پر موقوف ہے۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ فتوی دینے کیلئے انسان کو ایک لاکھ حدیث کافی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں ہے ...آخر کہا گیا کہ پانچ لاکھ کافی ہے؟ آپ بولے ہاں امید کرتا ہوں۔ ایسا ہی غایۃ المنتھی (کتاب کا نام ہے) میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کی مراد ان اصول وقواعد کے موافق فتوی دینا ہے جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ ان کے بعد خدا تعالی نے اور (محدث) لوگوں کو پیدا کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہم سے پہلے محدثوں نے حدیث کو جمع کر دیا ہے اور قواعد اہلحدیث کے موافق فقہ کی بنا بھی قائم کر دی ہے تو انہوں نے اور علوم حدیث کیلئے فارغ ہو کر اہتمام کیا جیسے حدیث صحیح کو جس پر اکابر اہل حدیث (امثال یزید بن ہارون ویحی بن سعید واحمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ) کا اتفاق ہو غیر سے علیحدہ ومتمیز کرنا، اور ان احکامی وفقہی احادیث کو جن پر مجتہدین وفقہائے بلاد نے اپنے مذہب کی بنا قائم کی ہے اکٹھا کرنا، اور ہر ایک حدیث پر اس کے موافق حکم لگانا، اور شاذ ونادر حدیثوں کو، جن کو پہلوں نے روایت نہیں کیا یا ان کی خاص اسنادوں سے تعرض نہیں کیا، اور ان میں اتصال یا علو اسناد یا فقیہ کی فقیہ سے یا حافظ الحدیث کی حافظ الحدیث سے روایت پائی جاتی ہے یا ایسی ہی اور علمی مطلب ان کو بیان کرنا۔

وہ لوگ یہ آئمہ ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبد بن حمید، دارمی، ابن ماجہ، ابویعلی، ترمذی، نسائی،

دارقطنی، حاکم ،بیہقی ،خطیب بغدادی، دیلمی، ابن عبدالبر، اوران کے امثال واقران ۔ان سب میں ہمارے خیال میں بڑے وسیع العلم اور تصنیف سے خلائق کے نفع رساں اور مشہور چار اشخاص ہیں جو باہم قریب زمانہ تھے:۔

اول امام ابوعبداللہ بخاری ، ان کا مقصود صحیح احادیث کو جو مشہور اور متصل اسانید ہوں ، دیگر اقسام سے چھانٹنا اوران سے فقہ وسیرت وتفسیر کو استنباط کرنا تھا۔ پس انہوں نے اس مدعا کیلئے اپنی کتاب جامع صحیح (مشہور صحیح بخاری) بنائی اور اس میں اپنی وہ شرط پوری کر دکھائی ۔ ہم کو خبر ملی ہے کہ ایک نیک آدمی نے آنحضرت ﷺ کوخواب میں دیکھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تجھے کیا ہوا ہے تو محمد بن ادریس کی فقہ سے مشغول ہے اور میری کتاب کو چھوڑ رہا ہے ۔اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کون سی ہے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری کتاب صحیح بخاری ہے ۔

مجھے اپنی عمر (دینے والے) کی قسم ہے صحیح بخاری نے وہ شہرت وقبولیت پائی ہے جس سے فوقیت نامتصور ہے ۔

دوسرے امام مسلم نیشاپوری ہیں انہوں نے اتفاقی حدیثوں کو (جو متصل ومرفوع ہیں اوران سے احکام استنباط کئے جاتے ہیں) چھانٹنے کا قصد کیا اور احادیث کو قریب الفہم کرنا اوران سے استنباط کرنا اوران سے استنباط مسائل کو آسان کر دینا چاہا۔ پس اپنی کتاب کو عمدہ ترتیب سے مرتب کیا اور ہر حدیث کی سبھی اسناد کو ایک جگہ جمع کیا، تاکہ اس سے متون احادیث کا اختلاف اوران کی سندوں کا تعدد صاف طور پر معلوم ہو، اور مختلف حدیثوں کو باہم موافق کر دیا تاکہ جسکو محاورہ عرب سے واقفیت ہو اس کو حدیث سے دوسری طرف رجوع کرنے کیلئے کوئی عذر باقی نہ رہے ۔

تیسرے امام ابوداؤد سجستانی ہیں ۔ان کا قصد یہ تھا کہ ان احادیث کو جن سے فقہاء نے استدلال کیا ہے اور وہ ان میں دائر وسائر ہیں اوران پر علماء دیار نے احکام کی بناڈالی ہے ، یکجا کر دیں ۔ پس انہوں نے اپنی سنن (ابوداؤد) میں صحیح، حسن، ضعیف (جو عمل کے لائق ہو) جمع کر دیں اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسی حدیث کوئی وارد نہیں کی جس کے متروک العمل ہونے پر سب کا اتفاق ہو اوران احادیث کو جو ضعیف ہیں ضعیف بتا دیا ہے اور جس میں کوئی علت قادح صحت ہے اس کو ایسے طور سے بیان کر دیا ہے کہ جس کو اس فن میں غور کرنے والے پہچانتے ہیں ۔ ہر حدیث کا ترجمۃ الباب وہ مسئلہ مقرر کیا ہے جو کسی نہ کسی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے اور کسی نہ کسی کا وہ مذہب ہے ،۔اسی نظر سے امام غزالی نے فرمایا ہے کہ اس کی کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے ۔

چوتھے امام ابوعیسی ترمذی ہیں ۔انہوں نے شیخین (بخاری ومسلم) کے طریق کو پسند واختیار کیا کہ جو کچھ وارد کیا اس کا حال بیان کر دیا،مبہم نہ چھوڑا اور طریق ابوداؤد کو بھی لے لیا ہے کہ ہر مسئلہ اور ہر حدیث کو جس کا کوئی قائل ومتمسک ہوا ہے جمع کر دیا۔اس طرفہ پر یہ طرہ بڑھا دیا کہ مذہب صحابہ وتابعین اور مجتہدین کو بھی ذکر کر دیا۔ پس کتاب جامع (ترمذی) تصنیف کی اس میں احادیث کی سندوں کو باختصار وارد کیا، ایک اسناد کو پورا بیان کر دیا باقی کو مختصراً واشارۃً ۔ اور ہر حدیث کا حال بیان کر دیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف ہے یا منکر، اور وجہ ضعف کو بھی ساتھ ہی بیان کر دیا تاکہ

طالب حدیث کو بصیرت حاصل ہو اور وہ لائق اعتبار کو غیر لائق سے تمیز کرے۔ اور جس راوی کے نام جاننے کی ضرورت تھی، ان کا نام بتا دیا۔ اور جس کی کنیت جاننے کی حاجت تھی اسکی کنیت بتادی۔ اور کسی طرح کا خفا اہل علم کیلئے باقی نہ رہنے دیا۔ اسی نظر سے اس کتاب کے حق میں کہا گیا ہے کہ وہ مجتہد کیلئے کافی ہے اور مقلد کیلئے تقلید سے مغنی۔

اور ان لوگوں کے مقابلہ میں امام مالک اور سفیان کے زمانہ میں اور ان کے بعد ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو استنباط (اجتہادی) مسائل بتانے میں اور فتوی دینے سے نہ ڈرتے اور یہ خیال کرتے کہ دین کی بنا فقہ (واجتہاد) پر ہے اس کی اشاعت ضرور چاہیے اور آنحضرت ﷺ سے حدیث روایت کرنے سے ڈرتے۔ شعبی کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ورے کسی اور کا قول بیان کرنا مجھے پسند ہے کیونکہ اس میں کمی بیشی بھی ہو جائے تو اسی پر ہوگی، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی بات پر۔ ابراہیم کا قول ہے کہ میں جواب مسائل میں صرف یہ کہدوں کہ عبداللہ نے یوں کہا ہے، تو مجھے بہت پسند ہے۔ اور ابن مسعودؓ جب حدیث آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے تو آپ کا چہرہ (کمی بیشی ہوجانے کے خوف سے) متغیر ہو جاتا۔ اور یہ کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہے یا مثل اس کے اور کچھ۔ حضرت عمرؓ نے جب ایک جماعت انصار کو کوفہ میں بھیجا تو ان کو فرمادیا کہ تم کوفہ پہنچو گے تو لوگ تمہارا آنا سن کر تمہارے پاس آویں گے اور آنحضرت ﷺ کی حدیثیں پوچھیں گے۔ پس آنحضرت ﷺ سے روایت حدیث کم کرنا (یعنی سوچ سمجھ کر کہ جو ٹھیک یاد ہووے، روایت کرنا، جو منہ میں آوے نہ کہہ دینا)۔ ابن عون نے کہا ہے جب شعبی کے پاس کوئی سوال آتا تو وہ ڈر جاتے۔ اس کے جواب میں یوں کہتے کہ ابراہیم کا قول اس میں یہ ہے۔ ان سب آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے۔

پس حدیث اور فقہ کے مسائل کی تصنیف ان کی حاجت کے مطابق اور طور سے ہوئی جس کا بیان یہ ہے کہ ان کے پاس احادیث و آثار تو اس قدر نہ تھے جس سے وہ اہل حدیث کے اصول پر استنباط مسائل فقہ کر سکتے اور علماء کے اقوال میں نظر اور بحث کرنی انہوں نے پسند نہ کی۔ اس امر میں وہ اپنی نسبت بدگمان رہے اور اپنے آپ کو اس امر کے لائق نہ سمجھے اور اپنے آئمہ کے حق میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ بڑے عالی رتبہ تحقیق پر تھے اور ان کے دل ان کی طرف بہت مائل تھے۔ چنانچہ علقمہؒ نے کہا ہے کہ کیا ابن مسعودؓ سے کوئی زیادہ مضبوط ہے؟ ایسا ہی ابوحنیفہؒ نے ابراہیمؒ اور علقمہؒ کے حق میں کہا ہے کہ وہ بڑی سمجھ والے تھے (یہ تمثیل بنا بر تسلیم مشہور ہے اور درحقیقت یہ قول امام ابو حنیفہؒ سے بسند صحیح ثابت نہیں، چنانچہ ہمارے ضمیمہ اخبار سفیر ہند ۱۸۷۷ء میں اس کی پوری تفصیل ہو چکی ہے، اسی نظر سے ہم نے اس قول کا ترجمہ پورا نہیں کیا۔ محمد حسین)۔ ہاں ان میں سمجھ اور تیزی طبع اور سرعت انتقال ذہنی اس قدر تھی کہ وہ اس سے اپنے اماموں کے اقوال سے جواب مسائل نکال لیتے تھے۔ پس انہوں نے اس قاعدہ تخریج (بات سے بات نکالنا) سے فقہ کی پٹڑی جمائی۔ تخریج کی صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے جو اقوال و مذاہب آئمہ سے خوب واقف ہو کر کتاب کو یاد کرے اور ہر مسئلہ میں حکم کی وجہ سوچ رکھے، پس جب کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا تو اگر اس

کتاب میں آئمہ کا صریح قول پایا تو اس کو جواب میں پڑھ سنایا۔ نہیں تو کسی قول کے عموم کو دیکھا اس میں وہ مسئلہ داخل سمجھا، تو اس پر وہ حکم جاری کیا۔ اور اگر اس قول میں کوئی اشارہ پایا تو اس سے مسئلہ نکال لیا۔ اور بعض اقوال میں کچھ اقتضاء وایماء بھی پائی جاتی ہے جس سے مطلب کا سمجھنا ممکن ہوتا ہے اور بعض مسائل کی نظیر مل جاتی ہے جس پر وہ مسئلہ محمول ہوسکتا ہے۔ اور کبھی علماء آئمہ کے کسی صریح حکم سے علت نکالتے ہیں اور اس پر اس کی نظیر کو قیاس کرتے ہیں۔ اور بعض اماموں کے ایسے دو قول پائے جاتے ہیں جن کو بطور قیاس اقترانی یا شرطی کے ملانے سے جواب مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور کبھی مجتہد کے کلام میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو بطور مثال معلوم ہوتی ہیں انکی پوری حقیقت و تعریف مذکور نہیں ہوتی۔ پس اس مجتہد کے پیرو علماء ان باتوں کے جاننے میں محاورہ اہل زبان کی طرف رجوع کر کے اپنی طرف سے بہ تکلف ان کی حدیں و تعریفیں مقرر کرتے ہیں اور ان کی مثالوں کو قواعد کلیہ بنا دیتے ہیں اور کبھی ان کے اقوال دو معنی کے محتمل ہوتے ہیں تو وہ لوگ ایک معنی کو ترجیح دیتے ہیں کبھی ان کے دلائل کا بیان و سیاق خفی ہوتا ہے تو وہ اس کو واضح کر دیتے ہیں اور بعض اوقات تخریج کرنے والے اپنے اماموں کے فعل و سکوت سے کوئی بات نکال لیتے ہیں۔ وعلی ہذا القیاس

تخریج اس فعل کا نام ہے اور اس بات کو جو نکالی جاتی ہے، قول مخرج (نکالی ہوئی بات) کہا جاتا ہے۔ اور اس کو یوں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بات فلاں مجتہد کے مذہب یا قول یا اصول سے نکالی ہوئی ہے اور ان لوگوں کو جو ایسی بات نکالتے ہیں مجتہد فی المذہب کہا ہے

(یہ بھی ایک اصطلاح ہے اور جو ابن کمال پاشا نے مجتہدین کے سات طبقہ ٹھہرائے ہیں اور از انجملہ مجتہد فی المذہب کو دوسرے طبقہ میں اور اہل تخریج کو چوتھے طبقہ میں شمار کیا ہے اور ہر ایک کو جداگانہ منصب دیا ہے وہ خاص اس کی اصطلاح ہے جس میں کوئی آئمہ سلف سے اس کا پیشوا نہیں ہے۔ علامہ ہارون حنفی نے کتاب ناظورۃ الحق میں ابن کمال پاشا کا پورا تعقب کیا ہے اور اس کی کلام کو نقل کر کے صاف فرما دیا ہے: بعید عن الصّحۃ بمراحل فضلاً عن حسنہ فانّہ تحکمات باردۃ و خیالات فارغۃ ۔ الخ ۔ اور محقق حنفی مولوی عبدالحی لکھنوی نے بھی اپنے بعض رسائل میں علامہ ہارون کا توافق کیا ہے اور ابن کمال پاشا کی تقسیم و تجویز کو رد کر دیا ہے۔ محمد حسین)۔ اسی طور پر اجتہاد کرنا اس شخص کے قول میں مراد ہے جس نے کہا ہے کہ جس نے کتاب مبسوط یاد کر لی وہ مجتہد ہے، یعنی اگر چہ اس کو ایک روایت حدیث کا بھی علم نہ ہو۔ اس طور سے تخریج سب مذاہب میں ہوچکی ہے پس جس مذہب کے لوگ مشہور ہوئے اور قضا وفتوی ان کے سپرد ہوئے اور ان کی تصنیفیں لوگوں میں مشہور ہوئیں وہ مذاہب اطراف زمین میں پھیل گئے اور جس مذہب کے لوگ گوشہ نشین وگم نام ہوئے نہ کہیں کے قاضی ہوئے نہ مفتی بنے اور لوگ ان کی طرف راغب نہ ہوئے وہ مذاہب ایک زمانہ کے بعد بے نشان ہوگئے۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ ضمیمہ نمبر ۱۰۔ ص ۶۵۔۷۶)

اس کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کے باب حکایۃ حال النّاس قبل المأۃ الرّابعۃ و بعد ھا کی وہ عبارت ملاحظہ کریں جسے ہم مع ترجمہ تاریخ اہل حدیث جلد اول کے صفحات ۱۲۷ تا ۱۳۴ پر نقل کر چکے ہیں۔ ان عبارات پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمیمہ اشاعۃ السنہ جلد ا میں جناب محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے اس کلام سے جو فوائد و نتائج مستفاد ہیں وہ خواص پر مخفی نہیں تاہم عامہ ناظرین کیلئے ان کا بیان مناسب ہے۔ وہ فوائد بہت ہیں، لیکن اس مقام میں آٹھ قواعد کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱۔ صحابہ کرام، آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں قواعد و مسائل فقہیہ کے پابند نہ تھے، اور نہ آنحضرت ﷺ نے انکو یہ قواعد و مسائل بتائے ہیں۔ (یہ قواعد وغیرہ بعد میں تجویز ہوئے ہیں) اس باب میں ان کیلئے بجز اپنی سمجھ وطمانیت قلب کے اور کوئی دستور العمل نہ تھا۔

۲۔ بعض صحابہ کا بعض احادیث پر عمل کرنے نہ کرنے میں ایسے طور پر اختلاف ہوا ہے کہ اس اختلاف سے ان کو تارک احادیث نبوی و منکر نبی نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ وہ اختلاف ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل کا باعث ہوا ہے۔

۳۔ ایسا ہی اختلاف تابعین میں بعض احادیث کے عمل و ترک میں ہوا ہے۔

۴۔ مجتہدین کا بعض احادیث کے عمل و ترک میں بھی اختلاف اسی قسم سے ہوا ہے۔

۵۔ اہل حدیث و اہل الرائے کا باہمی اختلاف بھی نیک نیتی سے ہوا ہے۔ اہل حدیث نے جو آراء رجال کو چھوڑ کر حدیث و آثار پر فتوے دینے کا التزام کیا ہے یہ ان کا کمال اتباع ہے۔ اہل رائے نے جو حدیث پر فتوے دینے اور اس کے بیان سے توقف کیا ہے اور بجائے اسکے اقوال و اجتہاد و سلف کو پیش کرنا یا ان اقوال سے بات نکال کر پیش کرنا مناسب سمجھا ہے، یہ بھی نیک نیتی اور خدا پرستی سے خالی نہیں ہے اور بعض آثار سلف بھی اس روش کے موید ہیں۔

۶۔ اہل حدیث نے علم و عمل بالحدیث کا پورا پورا سامان بہم پہنچا دیا ہے اور تصنیف و تالیف و تصحیح و تضعیف و جرح و تعدیل و معارضہ و تطبیق کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، اور اہل رائے نے اپنے اصول کے مطابق عمل کرنے کیلئے فقہ و مسائل اجتہادی کو جمع کر دیا ہے۔ لہذا فریقین کو اپنے اپنے اصول پر بے تردد عمل ممکن و میسر ہے۔

۷۔ صرف ایک مذہب کی تقلید محض چار سو برس بعد شروع ہوئی ہے۔ پہلی اور دوسری صدی میں تو اسکا نام ونشان بھی نہ تھا۔ تیسری صدی میں کچھ کچھ میلان مذاہب فقہ کی طرف شروع ہوا، تاہم چوتھی صدی تک خالص تقلید مذہب واحد کا رواج نہیں ہوا۔ چوتھی صدی کے بعد جو ہوا، سو ہوا۔

۸۔ چوتھی صدی کے بعد فریقین کے اکثر لوگ جادہ اعتدال سے خارج ہو گئے۔ نہ اہلحدیث اصول و روش اہل حدیث پر رہے، نہ اہل تقلید مجتہدین کے چال پر رہے۔ فریقین سے علوم کم ہو گئے اور بجائے اس کے نفسانی جھگڑے پھیل گئے۔

ان فوائد سے نتائج بھی بہت نکلتے ہیں، پر ازانجملہ اس مقام میں دو کا بیان ضروری ہے۔

اول یہ کہ جن باتوں کو ہمارے وقت کے اہل حدیث ناجائز اور دین اسلام سے خارج سمجھتے ہیں (جیسے کسی حدیث کو کسی وجہ سے نہ ماننا، یا کسی عالم کے قول واجتہاد پر چلنا) وہ باتیں مطلقاً اور بہر حال ناجائز اور دین سے خارج نہیں بلکہ انہی صورتوں سے جن کا اثر و وجود زمانہ صحابہ میں پایا نہیں گیا اور جن باتوں کو ہمارے وقت کے اکثر مقلدین مذاہب ضروری جانتے ہیں (جیسے ہر مسئلہ میں کسی خاص عالم کی پیروی وتقلید کرنا، یا کسی حدیث پر بلاوساطت مجتہد مذہب عمل نہ کرنا) یہ باتیں ضروری نہیں۔ پہلی صدیوں میں ان باتوں کا نام نشان بھی نہ تھا، پھر ضروری ہونا کہاں؟

دوم (جو نتیجہ اول کی فرع ہے) یہ کہ اس وقت کے اکثر اشخاص فریقین (اہلحدیث واہل تقلید) اپنے اپنے اسلاف کی روش واصول سے ناواقف ہیں اور چوتھی صدی کے ضدی لوگوں کی روش پر ہو گئے ہیں۔ ایک دوسرے کو ان باتوں کے سبب برا جانتے ہیں جن باتوں سے برا جاننا ان کے اصول مذہب کا اقتضاء نہیں ہے۔ بناء علیہ میں فریقین کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اپنے اپنے اسلاف کی روش اختیار کریں۔ میرے اہل حدیث بھائی صرف اردو مترجم کتب حدیث سے چند احادیث کا ترجمہ پڑھ یا سن کر، باوجودیکہ ان کو حدیث کے الفاظ تک پڑھنے نہیں آتے، ہر کسی کو بعض احادیث کے ترک عمل یا خلاف سے مشرک ومنکر حدیث نہ کہہ دیا کریں جب تک کہ اس حدیث کے متعلق امور ذیل کی تحقیق نہ کر لیں۔

ا۔ وہ حدیث جس کا کوئی خلاف کرتا ہے صحیح بھی ہے یا نہیں ۔۲۔ اس حدیث کی صحت مخالف کے نزدیک بھی مسلّم ہے؟ یا اس میں اسکو کوئی محدثانہ جرح وکلام ہے ۔۳۔ اس کے معنی یقیناً وہی ہیں جو ہم سمجھتے ہیں یا اس میں اور معانی کا بھی احتمال ہے ۔۴۔ اس حدیث کا مخالف اس کے مقابلہ میں کسی اور حدیث ارجح یا مساوی سے متمسک ہے یا محض رائے اس کا متمسک ہے ۔

اور یہ سوچ لیں کہ بعض احادیث کا خلاف وترک عمل تو صحابہ وتابعین سے بھی ہوا ہے پھر ان کو مشرک ومنکر رسول نہیں سمجھا گیا، مبادا بعض مقلدین کا بعض احادیث کو ترک کرنا اسی قسم سے ہو اور انہی وجوہات سے ہو جو صحابہ وتابعین کے ترک عمل کے لئے بیان کی گئی ہیں ۔

اور میرے حنفی بھائی جو تالیفات متاخرین علماء (جن میں اقوال آئمہ مذاہب بھی صرف نام کو ہیں چہ جائے کہ ان کے مستندات کتاب وسنت سے بھی ان میں ہوں) پڑھ کر فقیہ بن بیٹھے ہیں، ان کتابوں یا اپنے آئمہ کے برخلاف حدیث پر عمل کرنے والوں کو دین ومذہب سے خارج نہ سمجھیں اور یہ سوچیں کہ اپنی سمجھ کے موافق حدیث پر عمل کرنا وہ کام ہے جو پہلی اور دوسری صدی کے لوگ عموماً اور تیسری اور چوتھی صدی کے اکثر لوگ کرتے چلے آئے ہیں اور اس کا خلاف خیر القرون میں پایا نہیں گیا۔ زمانہ صحابہ وتابعین بلکہ آئمہ مجتہدین میں کسی عامی یا عالم کو حکم نہیں ہوا کہ وہ کسی خاص شخص یا خاص کتاب کا پابند رہے اور کسی حدیث پر بلا مراجعت ووساطت مجتہد عمل نہ کرے ۔ پھر اس کام کے مرتکب دین سے خارج کیونکر ہو سکتے ہیں؟

تحفة الموحدين

☆ اب ہم توحید وسنت کی اشاعت اور ردّ بدعات کی مہم کے دوران لکھی جانے والی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب تحفۃ الموحدین کا فارسی متن اور اردو ترجمہ نذر قارئین کرتے ہیں۔

فصل اول در ردّ بعض مغالطات

دردفع اقوال آنانکہ از کلام اللہ وکلام الرسول بحیلۂ اعراض مے کنند ودعوی مسلمانی مے نمانند۔ بیانش آنکہ بعضے مے گوئند کہ کلام اللہ وحدیث را آں کس بفہمد کہ علوم بسیار وکتب بیشمار خواندہ باشد وعلامہ زماں بود بجواب آنہا خدا تعالی مے فرماید

هو الّذی بعث فی الامّيّين رسولاً منهم يتلوا عليهم آياته و يزكيهم و يعلّمهم الكتا ب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفی ضلالٍ مبين ۔(جمعه)

اوست آنکہ برانگیخت درمیان ناخواندگان رسول از ہماں ناخواندگان کہ مے خواند بر ہماں ناخواندگان آیات خدا پاک مے کند ایشاں راو آموزد ایشاں را کتاب وتدبیرش یعنی رسول ہم ناخواندہ بود واصحاب کرامش نیز ناخواندہ چوں رسول اللہ ﷺ براصحاب آیات الٰہی خواندہ اصحاب آن ... از شرک وفساد پاک شدند۔ اگر ناخواندہ قرآن وحدیث رانمے فہمد و استعداد شمے دارد صحابہ چگونہ از معایب پاک شدند، وائے بر قومے کہ دعوی،صدرہ فہمی وقاموس ،دانی مے کنند ودرفہم قرآن وحدیث خودرا نادان محض مے نمایند وبعضے مے گویند کہ باپایاں متاخرین ہستیم، برکت زبان رسول اللہ ﷺ کجایابم وسلامت قلب صحابہ از کجا آریم کہ معنی قرآن وحدیث را دریابم؟ بجواب آنہا حق تعالی فرماید و آخرين منهم لمّا يلحقوا بهم۔ و هو العزيز الحكيم ۔ (الجمعه:۳) اوہمیں است حال پسنیاں ناخواندگان را

وقتیکہ لاحق شوند باصحاب واوست غالب باحکمت ۔یعنی متاخراں خواندہ باشند یا ناخواندہ وقتیکہ مسلمان شوند وصد پیروی اصحاب نمایند وقرآن وحدیث رابشنوند برائے پاک گردیدن آنہاہمیں قرآن وحدیث کفایت مے کند ونیز مے فرماید و لقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدّکرٍ (القمر :۱۷) وہرآئینہ آسان کردیم ماقرآن رابرائے پندگرفتن ۔پس آیا ہیچ پند گیرندہ است ۔ ایں چگونہ آسانی است کہ ۔کافیہ خواناں وشافیہ داناں درفہم معانیش اظہار عجز نمے نمایند و بدویان عرب بہرودر مے شوند وعلاوہ ازینجا بجائے فرماید افلا یتدبّرون القرآن (محمد) آیا پس فکر نمے کنند قرآن را۔ اگرآساں نیست پس دراں چگونہ عمل کردہ آید ام علی قلوب اقفالھا آیا بردلہا قفل آں دلہا است ۔ یعنی باوجودیکہ بردل قفل ندارند چہ گمراہی است کہ بتابئل ہمت نمے گمارند ونیز احادیث رسول اللہ ﷺ سخنان روزمرہ و سہل وقریب ازفہم بودند کہ ہراعرابی آں راشنیدہ بکاردینی ودنیوی برآں عمل مے نمود سوائے قال ویقول دراحادیث چیزے مشکل تر نیست کہ مردماں آں گراں می دانند وبسوئے آن التفات نمے کنند ۔خصوصاً بایں زمانہ کہ موضوع ازناموضوع ممتازگشت وقوی ازضعیف جدا شد ۔وعلی حسب مدارج درکتب مدون گشت و برہرمطلبے علیحدہ علیحدہ باب وفصل مقررنمودہ شدو تحقیق اینست کہ عجمی را دانستن ترجمہ اول ضروراست بعدہ اگر برتمام لطائف ونکاتش اطلاع نمے تواں یافت ، ازادراک اوامر ونواہی ہم نمے توں گذشت وایں قدر برائے نجات در آخرت کفایت مے کندوبس

(فصل اول ان لوگوں کے اقوال کے رد میں ہے جو کسی نہ کسی حیلہ سے کتاب اللہ اور حدیث رسول خدا سے انکار کرتے اور منہ پھیرتے ہیں ، پھر اس پر مسلمانی کا دعوی کرتے ہیں ۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت سے علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو ۔ ان کے جواب میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ھو الذی بعث فی الامّیین رسولاً مّنھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکّیھم و یعلّمھم الکتاب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مّبین ۔خدا وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا، انہیں ان پڑھوں میں سے، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ،انپڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے۔

یعنی رسول خدا ﷺ بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے ۔مگر جب رسول

خدا نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ اِن کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا، تو صحابہ برائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے۔ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو صدرہ سمجھنے اور قاموس جاننے کا دعوی تو کرتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں، اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں۔ رسول خدا کے زمانہ کی برکت اور صحابہ ؓ کے دل کی سلامتِ قلب کہاں سے لائیں جو قرآن وحدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں۔ اِن کے جواب میں اللہ تعالی فرماتا ہے و آخرین منھم لمّا یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم ۔ یعنی پچھلے ان پڑھوں کا حال ہے، جبکہ وہ اپنے یاروں سے ملیں اور وہ غالب حکمت والہ ہے۔ یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں، یا ان پڑھ ہوں، مگر جب کہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن وحدیث کو سنیں تو انہیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن وحدیث کافی ہوسکتی ہیں۔ اور فرماتا ہے و لقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدّکر۔ اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا، پس کیا کوئی نصیحت لینے والہ ہے ؟ یہ کیونکر آسانی ہوسکتی ہے کہ کافیہ پڑھنے والے والے اور شافیہ جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے افلا یتدبّرون القرآن کہ قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے۔ پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیوں کر کیا جائے۔ ام علی قلوبٍ اقفالھا یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے کہ قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے۔

اسی طرح رسول خدا ﷺ کی حدیثیں روزمرہ کی بول چال اور آسان اور قریب الفہم باتیں تھیں کہ جس جنگلی نے انہیں سنا فوراً دینی اور دنیوی کام میں ان پر عمل کیا۔ قال یقول کے علاوہ حدیث میں اور کوئی چیز بھی زیادہ مشکل نہیں جس کی طرف آدمی مشکل اور گراں جان کر توجہ نہیں کرتے۔ خاص کر اس زمانہ میں تو علم حدیث بہت ہی آسان ہوگیا ہے کہ موضوع حدیث ناموضوع سے ممتاز، اور قوی ضعیف سے جدا ہوگئی اور مراتب کے موافق کتابوں میں جمع کر دی گئی اور ہر مطلب کے واسطے جدا جدا باب اور فصلیں مقرر کی گئی ہیں۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ غیر عربی شخص کو اول ترجمہ کا جاننا ضروری بات ہے۔ پھر اگر اس کے تمام لطائف ونکات پر اطلاع نہ پاسکے تو اس کے احکام ومنہیات کے دریافت کرنے سے بھی نہ گزرے اور اس قدر عالم آخرت میں نجات کے لئے کفایت کرتا ہے اور بس)

فصل دوم در بیان حقیقت معجزہ و کرامت:

باید دانست کہ کرامت اولیائے حق است و منکر آن از ایمان حلاوتے نہ دارد ۔ خرق عادتیکہ از انبیاء ظاہر شود آنرا در عرف شرع معجزہ مے خوانند و اگر از دیگر بزرگاں پدید آید کرامتش مے نامند، و منشاء ہر دو یکے است یعنی قرب بارگاہ الٰہی ۔ اما ظہور معجزہ و کرامت باختیار بندگان نیست بلکہ باختیار و قدرت خدائے عزوجل است ، و بزرگان بذات خود قوت کردن آں نمے دارند اگر قوتش بذات بزرگان باشد آنرا کرامت نمیگویند مثالش آنکہ اگر پہلوانے قوی و زور آور سنگ گراں بار ثقیل بر دارد بر کرامتش دلیل نمی نمے دارند بسبب اینکہ قوت ایں قدر بار برداری بذات او موجود است و اگر ہماں سنگ را طفلے ضعیف و ضعیف کہ قوت تحمل بار گراں نداشت بر دارد بر کرامتش دلیل است بسبب اینکہ آں شخص ضعیف بذات خود طاقت برداشتن نمے داشت را تاوقتیکہ دست بسنگ برد و قصد برداشتن کرد و سنگ از قدرت الٰہی از جاء برداشتہ شد ۔ از ہمیں سبب معلوم شد کہ آن بندہ یکے از مقبولان بارگاہ خدا است کہ او تعالیٰ قوت خود را متوجہ بحال آں بندہ مے کند و بکار ہا اعانت و جانب داری او مے فرماید ۔ پس ہر کار عجیب کہ از دستش بر آید محل تعجب نیست کہ قوت حق شریک حال دارد ، و اگر سرانجام کارے از کار ہائے آساں ہم صورت نہ بندد جائے شکایت نہ کہ عجز بشری در پیش ما افتادہ مولانا در مثنوی میفر ماید

اولیاء را ہست قوت از الٰہ　　　　تیر جستہ باز گردانند زراہ

نفرمودہ کہ اولیاء بذات خود قدرت دارند بلکہ آنہا را قدرتے ہست کہ از خدا یعنی قدرت الٰہی شریک حال و مددگار خود دارند بسبب اینکہ خداوند عالم از آں ہا کمال راضی و خورسند است

لاجرم محبت بزرگان بدل سعادت منزل خود باید داشت و تعظیمات ایشاں بجائے باید آورد و بر وجہ مشروع و نام آن ہا جز بہ نیکی یاد نباید کرد و اگر شرف ملاقات بدست آید شرط خدمت بجان و دل بجا می باید آورد و ہدیہ و تحفہ دریغ نباید داشت و اگر در کتب ایشاں سخنے رفتہ باشد کہ با قرآن و حدیث موافقت نکند دفعۃً مہرہ اعتقاد از بساط بزرگی ایشاں نباید چید ۔ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست ۔ بلکہ کلام شاں را تاویل کردہ موافق از قرآن و حدیث باید کرد یا محمول بر کلمات سکر و افراط حق نماید اگر کلام اصحاب طریقت است و مبنی بر خطا فی الاجتہاد کند اگر گفتہ ارباب شریعت است ۔ چرا کہ در اجتہاد خطا از ہمہ اکابر میرود چونکہ معصوم سوائے انبیاء دیگر

نیست وزنہار چناں نہ کند کہ قرآن وحدیث تاویل کردہ از کلام بزرگاں موافق نمایند ایں چنیں حرکات مسلماں را از ایمان بیرون مے کشد ومقصود اصلی اتباع قرآن وحدیث است۔

(جاننا چاہیے کہ اولیاء کی کرامت برحق ہے اور اس کا منکر ایمانی حلاوت سے محروم۔ جو بات خارق عادت کے خلاف پیغمبروں سے ظاہر ہوتی ہے اسے شرع کے عرف میں معجزہ کہتے ہیں۔ اور پیغمبر کے علاوہ جو اور بزرگوں سے صادر ہوتی ہے اس کا نام کرامت رکھتے ہیں، مگر منشاء دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی جناب الٰہی کا قرب۔ لیکن واضح رہے کہ معجزے اور کرامت کا ظہور بزرگوں کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے اختیار وقدرت میں ہے۔ بزرگ لوگ اپنی ذات میں اس کی قوت نہیں رکھتے کیونکہ اگر بزرگوں کی ذات میں اس کی قوت ہوگی تو اسے کرامت نہ کہیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ جب کوئی قوی اور زورآور پہلوان کسی بھاری پتھر کو اٹھائے گا تو یہ اس کی کرامت پر دلیل نہ ہوگی، کیونکہ اس قدر بوجھ اٹھانے کی طاقت اس کی ذات میں موجود ہے۔ البتہ اگر اسی پتھر کو ایک ضعیف اور کمزور بچہ، جو اس بھاری بوجھ کی برداشت نہیں رکھتا، اٹھالے، تو یہ اس کی کرامت کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہ ضعیف شخص ہر چند کہ اپنی ذات میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا، مگر جب پتھر کے قریب گیا، اور اس کے اٹھانے کا ارادہ کیا، تو خدا تعالیٰ نے اپنی قوت کو اس بندہ ضعیف کے حال کی طرف متوجہ کیا اور قدرت الٰہی سے وہ پتھر جگہ سے اٹھایا گیا۔ اسی وجہ سے معلوم ہوا کہ وہ بندہ، خدا کی جناب میں بڑا مقبول ہے کہ وہ علّام الغیوب اپنی قدرت اس بندہ مسکین کی جانب متوجہ کرتا، اور تمام کاموں میں اس کی مدد اور جانب داری فرماتا ہے۔ پس ایسے شخص سے جو عجیب وغریب کام سرزد ہوتے ہیں، وہ جائے تعجب نہیں ہوتے کیونکہ خدا کی قدرت اپنے شریک حال رکھتا ہے اور اگر آسان اور سہل کاموں میں سے بھی کوئی کام حاصل نہ ہو تو شکایت کی جگہ نہیں وجہ یہ کہ عجز بشری موجود ہے۔ مولانا روم، مثنوی میں فرماتے ہیں:

اولیاء راہست قوت از الٰہ   تیر جستہ باز گرداند زراہ

یعنی اولیاء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ طاقت ہے کہ آتے ہوئے تیر کو راستہ میں پھیر دیتے ہیں۔ یوں نہیں فرمایا کہ اولیاء بذات خود قدرت رکھتے ہیں، بلکہ انہیں خدا کی طرف سے قوت ہے۔ یعنی یہ لوگ خدا کی قدرت اپنی مددگار اور شریک حال رکھتے ہیں۔ بایں سبب کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی اور خوش ہے۔

پس بزرگوں کی محبت اپنی سعادت کے بھرے ہوئے دل میں ضرور رکھنی چاہیے اور ان کی تعظیم شرع کے موافق بجالانی چاہیے اور ان کا نام بجز نیکی کے یاد نہ کرنا چاہیے اور اگر ان کی شرف ملاقات میسر ہو جائے تو جان ودل سے خدمت کی شرط بجالانی چاہیے اور کوئی تحفہ وہدیہ سے دریغ نہ رکھنا چاہیے، اور اگر ان

کی کتابوں میں کوئی ایسی بات جو قرآن وحدیث کے موافق نہ ہو، پائی جائے تو دفعتاً اعتقاد کا مہرہ ان کی بزرگی کے بچھونے سے چن نہ لینا چاہیے یعنی فوراً بد دلی اور بے اعتقادی ظاہر نہ کرے کیونکہ بزرگوں کی خطا پکڑنی عین خطا ہے، بلکہ ان کے کلام کی تاویل کر کے قرآن وحدیث کے موافق کرنا چاہیے۔اور کلمات سکر (بے ہوشی) کو حق تعالی کی افراط محبت پر حمل کرے، اگر یہ اصحاب طریقت کا کلام ہے۔اور خطائی الاجتہاد پر اطلاق کرے، اگر یہ شریعت والوں کا قول ہے۔کیونکہ تمام بڑے لوگوں سے اجتہاد میں خطا ہو سکتی ہے۔وجہ یہ کہ انبیاء کے علاوہ اور کوئی بھی معصوم نہیں۔لیکن ایسا ہرگز ہرگز نہ کریں کہ قرآن وحدیث کی تاویل کر کے بزرگوں کے کلام کے موافق کریں، کیونکہ اس قسم کی باتیں مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیتی ہیں۔ اصلی مقصود تو قرآن وحدیث ہی کی پیروی ہے)۔....

فصل سوم در بیان اشراک فی العقیدہ

وآں اینست کہ صفات پروردگار در پیراں وپیغمبراں یا جن وپری یا ملائکہ یا دیگر مخلوقات ثابت کنند اگر چہ اندک باشد مثلاً تصرف در زمین وآسمان پس ہر کہ بداند کہ انبیاء یا ملائکہ یا دیگر غیر اللہ را اختیار است کہ آب از آسمان بیارند ودانہ از زمین برآرند یا کسے اولاد دہند یا بکشند یا کور وکرّ بکنند یا ضررے دیگر برسانیند یا رزق ومال ودولت دہند پس صاحب ایں عقیدہ مشرک است۔پس ندا کردن غیر اللہ را کہ فلاں حاجت من برآر کفر محض ست کہ مے فرماید ایّاك نعبد و ایّاك نستعین۔خاص ترا عبادت مے کنیم وخاص از تو مدد مے خواہیم۔

من از آدم مدد نے خواہم غیر حق نیست سوئے کس راہم

رسول خدا ﷺ کہ محض برہمونی بسوئے حق آمدہ بود بحق او مے فرماید انک لا تھدی من احببت و لکنّ اللّٰہ یھدی من یّشاء (القصص) تو ہدایت نے کنی ہر کرا دست مے داری ولیکن خدا ہدایت میکند ہر کرا مے خواہد۔ معلوم شد کہ سوائے او تعالی ہدایت ہم بدست کسے دیگر نیست وعلی ھذا القیاس کدام اولیاء وانبیاء وملائکہ را بروز قیامت دخلے وتصرفے نخواہد شد تا کسے را بجنت ببرند وکسے را بدوزخ۔چنانچہ او تعالی مے فرماید یوم لا تملك نفس لِنفسٍ شیئاً ۔و الامر یومئذٍ للّٰہ (الانفطار:١٩) مالک نخواہد شد کسے از کسے در ہیچ چیز وحکم آن روز در دست خدا است۔بروز قیامت مادر وپدر اولاد را نخواہد پرسید واولاد روئے مادر و

پدرنخواہند دید واستاداں از شاگرداں بیگانہ خواہند شد و پیراں از پیش مریداں روانہ و متبوعان از تابعان بیزار خواہند گشت وتابعان بامتبوعان درکارزار۔

اما حال شفاعت را باید کہ مردماں چنانکہ بدنیا اکثر حال شفاعت مے بیند بآخرت نیز ہمیں قسم گمان مے برند۔مثلاً بادشاہ بدزدے اشارہ فرمود کہ دستش ببرند۔ وزیر یا دیگرے از ارکان دولتش شفاعت کرد۔ باللہ، بادشاہ اندیشہ نمود کہ اگر شفاعت شاں قبول نکنم خللے بسلطنت باہم مے رسد۔ ناچار ملک ارادہ خودرا بسبب شفاعت آنہا باز گردانید۔ و باذن بادشاہ رو بشفاعت مے آردہ باعث محبت آل محبوبہ ملک جبر برخود اختیار مے نماید و دزد را اخلاص مے فرماید۔ پس باید اندیشید کہ دریں اقسام ردخواہش لازم مے آید و جبر پیدا می شود بروز آخرت بحضور آں مختارمحض ایں معاملہ چگونہ واقع خواہد شد کہ میگوئند لا رآد بقضائه باز گردانندہ نیست کسے خواہش اوتعالی را۔ یا مردماں معنی شفاعت ہمیں مے فہمند کہ شخصے قصداً انتقامے کند و بسبب مانع دیگر عمل خودرا نمے تواند کرد پیش خدا تعالی ایں معنی ہرگز نیست شان او پاک است ازیں نقصان صریح وہمیں مضمون را در قرآن رو مے فرماید: و اتقوا یوماً لا تجزی نفس عن نفس شیئاً و لا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون بترسد ازاں روز کہ جزا ندادہ خواہد شد شخصے از شخصے از ہیچ چیز وقبول نہ کردہ خواہد شد از کسے شخصے شفاعت وگرفتہ نخواہد شد از شخصے بدلہ و نہ ایشاں مدد کردہ خواہند شد

وبعضے مے گوئند کہ ایں آیت وامثال دیگراں درحق کافراں باوجودیکہ لفظ لا نکرہ است کہ دلالت بہ عموم مے کند برائے دفع شبہ ایشاں خدا تعالی خطابے بمومنین مے فرمایند یا ایّها الّذین آمنوا انفقوا ممّا رزقناکم من قبل ان یّاتی یوم لا بیع فیه ولا خلّة ولا شفاعة اے مومناں نفقہ کنید از ..رزق دادہ ام شما پیش ازانکہ بیاید روزے کہ نہ بیع است دراں روز یعنی فروختن گناہ وخریدن نیکی نخواہد شد و کسے بسبب دوستی نہ بخشندہ خواہد شد و کسے را شفاعت کسے نہ نفع نہ خواہد کرد۔ چرا کہ درقبول شفاعت مذکورہ جبر لازم مے آید و معلوم شد کہ ایں آیت درحق مومناں فرمودہ اند چرا کہ خطاب بآنہا و شفاعت را قسمے است دیگر کہ دراں جبر لازم نمے آید۔مثالش آن کہ دزدے خوش نویس را بحضرت بادشاہ حاضر آوردند پادشاہ دست بریدنش اجازت فرمودہ۔ شخصے دیگر بحضور ملک ظاہر نمود کہ ایں گنہ گار خط خوش مے کشد اگر دستش نہ برند، خوشنویس بایں مملکت باقی ماند۔ ازشنیدن ایں خبر ارادہ بادشاہ خودبخود

مبدل مے شود بغیر آنکہ کسے دیگر بروے جبر کند یا کہ شخصے دیگر یکے از اوصاف مجرم بیان مے کند کہ شاہ از وے غافل بود۔ خدائے عزوجل فرمود کہ ایں قسم شفاعت ہم بروز قیامت واقع نخواہد شد۔ و یعبدون من دون اللّٰہ ما لا یضرّھم ولا ینفعھم و یقولون ھٰؤلاء شفعاء نا عند اللّٰہ۔ قل اتنبّئون اللّٰہ بما لا یعلم فی السّماوات ولا فی الارض۔ سبحانہ و تعالی عمّا یشرکون (یونس:۱۸) وعبادت مے کنند سوائے خدائے آں را کہ نہ ضرر مے دہند ایشاں را و نہ نفع مے رسانند ایشاں را او مے گویند کہ ایشاں شفاعت کنندگان ما اند نزد خدائے پاک و برتر است۔ خدا تعالی ازاں چیز کہ شریک می کنند۔ یعنی عالم الغیب است ہر چیز را کہ در زمین وآسمان است خوب مے داند و بندگان آفریدہء او ہستند، نیز خوبی ہائے ہر بندہ را خوب مے داند، حاجت بیان دیگراں نیست دریں صورت شفاعت اگرچہ جبر لازم نمے آید، اما لاعلمی و نادانی آں عالم الغیب والشھادۃ لازم می آید تعالی شانہ و نیز شفاعت را طورے است دیگر مثالش آں کہ چہار دزداں بہ یک بار بحضرت پادشاہ گرفتار آمدند۔ سی ازاں بہ کار دزدی چالاک واز غضب سلطانی بے باک و یکے ازاں مرد پرہیزگارے کہ اتفاقاً باغوائے شیاطین بایں فعل قبیح گرفتار آمد۔ آب از دیدہ ہمیں ریزد و سراز ندامت عصیاں برنمے دارد۔ بادشاہ معلوم کرد کہ ایں بیچارہ ناگہانے بایں فعل قبیح گرفتار آمدہ۔ و دزدے را شعار خود مقرر نہ نمودہ۔ رحمت بادشاہ بسوئے عفو تقصیرش متوجہ مے شود۔ اما آئین سلطنت تقاضا نمے کند کہ یکے را بہ بخشند و دیگراں را دست ببرند۔ آں گاہ پادشاہ خود سببے مے جوید و بسوئے یکے از حاضرین دولت با خفا اشارہ مے فرماید کہ بحق فلاں روئے شفاعت بیار تا بہ بخشم بمجرد فہم ایں اشارہ یکے از مقربان مجلس جبین شفاعت مے ساید کہ ایں گنہگار را بما علائقے است۔ اگر از تقصیرش درگذرند، احسان بر احسان است۔ بمعائنہ ایں حال ملک از انتقامش درگذشت دریں صورت شفاعت جبر بر بادشاہ نیست بلکہ عین رضا و خواہش او ہمیں بود کہ واقع شد۔ پس در روز قیامت ہمیں صورت متحقق خواہد شد کہ بآں اشارہ مے فرماید من ذا الّذی یشفع عندہ الّا باذنہ کیست کہ شفاعت کند نزد خدا تعالی مگر باجازتش۔ پس بحق کسے اجازتش خواہد شد، سفارش او جلوہ گر خواہد شد ونعوذ باللہ اگر ارادہ الٰہی انتقام کسے متعلق خواہد شد کہ طاقت دارد کہ دم شفاعت بزند خدائے عزوجل را راضی باید نمود کہ شفاعت ہم بدست او و بحقیقت شافع نیز ہموں ذات پاک است بسوئے ہمیں معنی اشارہ مے فرماید قل للّٰہ

الشّفاعة جمیعاً (الزمر) بگوائے محمد! خاص برائے خدا است شفاعت ہمہ۔ یعنی شفاعت ہم بدست کسے دیگر نیست ایں است حال شفاعت کہ بسیارے از نادان حقیقتش نمے فہمند و طاعت غیر را از اطاعت خدا تعالی زیادہ تر میدانند۔ پس ہیچ یکے از را از انبیاء و اولیاء قادر بر نفع وضرر رسانیدن در دین و دنیا ندانند ہمیں معنی ازیں آیہ مقصود است قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الّا ما شاء اللّٰہ و لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر و ما مسّنی السّوء۔ ان انا الّا نذیر وّ بشیر لّقوم یؤمنون۔ (الاعراف) بگوائے محمد! کہ نمے توانم برائے خود نفع وضرر رسانیدن مگر آنچہ خدا خواستہ است و اگر من دانستے علم غیب را ہر آئینہ بسیار جمع کردمے از جنس منفعت ونرسیدے بمن ہیچ سختی نیستم من جز آنکہ بیم کنندہ و مژدہ دہندہ برائے گروہے کہ یقین مے دارند

حاصل آنست کہ پیغمبر خدا ﷺ باوجودیکہ رسول اند طاقت ندارند کہ منفعتے بجان خود برسانند و خود را از ضرر باز دارند و نیز حق تعالی فرمود کہ بگوائے محمد! کہ من علم غیب ہرگز نمے دانم۔ ایں محض خاصہ خدا است۔ اگر من دانستے علم غیب را پس منفعت بسیار جمع کردمے و ہیچ ضرر بمن نرسیدے مثلاً اگر دانستے کہ اسپ من فردا خواہد مردہ بدست کا فرے فروختے و اگر دانستے کہ بروز جنگ احد شکست خواہد شد آں روز جنگ نکردے مارا چندانکہ شمایاں مے دانید کہ پیغمبر ما ہر گہ کہ یادے کنیم مے شنود و ہر چیز آئندہ یا غائب از نظر را مے داند غلط محض است من ازیں قسم نیستم۔ کار من ترسانیدن از عقوبت الٰہی ومژدہ دادن از نعمت ہائے غیر متناہی است۔ فقط آں کساں را کہ سخن ما باور مے دارند کس نمے داند کہ پس پشت ما چیست وشام چہ ظاہر خواہد شد و نیز بآیہ دیگر مے فرماید و لا یحیطون بشیء من علمه الّا بما شاء و احاطہ نمے کنند مردمان ہیچ چیز کہ در علم خدائے است۔ مگر ہماں قدر کہ خدائے خواست۔ معلوم شد کہ ہر چہ در علم پروردگار است غایت از نظر بندہ است و ہیچ چیز ازاں بندہ را معلوم نمی شود مگر ہر قدر کہ خدا خواہد ہماں قدر علم مے دہد پس ایں ہم باختیار خدا ست نہ باختیار بندہ تا ہر چہ بخواہد فہمد۔

(اشراک فی العقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالی کے اوصاف (رزق و روزی دینا، اولاد عطا کرنا، زمین و آسمان میں تصرف کرنا،) پیر و پیغمبر، جن و پری، فرشتوں یا اور مخلوق میں ثابت کریں، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ پس جو شخص اس بات کا اعتقاد کرے کہ انبیاء یا ملائکہ یا کوئی اور، خدا کے سوا آسمان سے پانی برسانے میں، زمین

سے دانہ نکالنے، کسی کو اولاد دینے یا مار ڈالنے یا اندھا بہرہ کرنے یا دوسرے کو ضرر و نقصان پہنچانے یا رزق و دولت دینے کا اختیار ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔ پس اللہ کے سوا کسی اور کو بایں طور پکارنا کہ اے شخص! میری حاجت روا کر، خالص کفر ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے ایاك نعبد و ایاك نستعین یعنی ہم خاص تجھی کو پوجتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں (شعر کا ترجمہ۔ میں آدمی سے مدد نہیں چاہتا۔ خدا کے سوا کسی اور کی طرف میری راہ نہیں ہے)

خدا تعالی، جناب رسول اللہ ﷺ کے باب میں، جو صرف خلق ہی کی ہدایت کے واسطے حق کی طرف سے آئے تھے، ارشاد فرماتا ہے: اے محمد! تم جس کو چاہو راہ پر نہیں لگا سکتے، لیکن خدا جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ خدا کے سوا اور کسی شخص کے ہاتھ میں ہدایت کی باگ نہیں ہے۔ علی ھذا القیاس کسی نبی اور ولی اور فرشتے کو قیامت میں کسی قسم کے تصرف اور دخل کی گنجائش نہ ہوگی تا کہ کسی کو جنت اور کسی کو دوزخ میں لے جائے۔ حق تعالی فرماتا ہے یو مئذٍ لا تملک نفس لِنفسٍ شیئاً وّ الامر یومئذٍ للّٰہ۔ یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کا کسی چیز میں مالک نہ ہوگا۔ اس دن ہر چیز کا حکم خدا ہی کیلئے ہوگا۔ قیامت کا دن ایسا ہولناک ہوگا کہ ماں باپ اولاد کو نہ پوچھیں گے۔ اور اولاد ماں باپ کا منہ نہ دیکھیں گے۔ استاد شاگردوں سے بے گانے ہوں، پیر مریدوں کے سامنے سے چلتے بنیں گے۔ دنیا میں جن کی پیروی کی جاتی ہے وہ اپنے فرمانبرداروں سے بیزار ہوں گے۔ اور فرمانبردار لوگ ان سے جن کی یہ اطاعت کرتے تھے، لڑیں گے۔

آدمی جس طرح دنیا میں اکثر اوقات شفاعت کا حال دیکھتے ہیں اسی طرح آخرت میں شفاعت کا گمان کرتے ہیں۔ مثلاً بادشاہ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا اشارہ کیا۔ وزیر یا ارکان دولت میں سے کسی اور شخص نے اس کی سفارش کی۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہیں کرتا تو میری سلطنت کو خلل عظیم پہنچتا ہے۔ ناچار بادشاہ نے ان کی سفارش کی وجہ سے اپنے قصد اور ارادے کو باز رکھا۔ یا بادشاہ کی بیوی اس کی سفارش کرتی ہے اور بادشاہ اس محبوبہ کی محبت کے سبب سے اپنے پر جبر اختیار کر کے چور کی رہائی کرتا ہے۔ سو خیال کرنا چاہیے کہ ان باتوں میں خواہش کا رد کرنا لازم آتا ہے، اور جبر پیدا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن اس قادر مختار کی جناب میں اس قسم کا معاملہ کس طرح واقع ہونے لگا؟ کیونکہ لا رآد لقضا ئہ۔ اس کی خواہش و ارادہ کوئی پھیر نہیں سکتا۔

یا آدمی شفاعت کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص اپنا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ مگر دوسرے کی

ممانعت کی وجہ سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ سو خدا کے حضور میں یہ بات ہرگز محقق نہیں ہے۔ اس کی شان تو اس قسم کے صریح نقصان سے پاک ہے۔ ارشاد ہے و اتّقوا یو ماً لّا تجز ی نفس عن نفسٍ شیئاً وّ لا یقبل منھا شفاعۃ وّ لا یؤخذ منھا عد ل ولا ھم ینصرون کہ اے لوگو! اس دن سے خوف کرو جس میں کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی کفایت نہ کریگا اور نہ اس کی سفارش قبول ہوگی، نہ کسی سے بدلہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد دیے جائیں گے۔

مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیتیں کافروں کے حق میں اتری ہیں حالانکہ یہاں لفظ لا نکرہ آیا ہے۔ جو عموم و شمول پر دلالت کیا کرتا ہے۔ پس اس شبہ کے دفعیہ میں خدا نے مومنوں کو خطاب کیا کہ اے ایمان والو! جو چیز ہم نے تم کو دی ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ بیع ہے (یعنی نہ تو گناہ بیچ کر نیکی خریدی جائے گی) اور نہ کوئی شخص کسی کی دوستی کی وجہ سے بخشا جائے گا اور نہ کسی کو کسی کی سفارش نفع دے گی کیونکہ اس قسم کی شفاعت کے قبول کرنے میں جبر لازم آتا ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل فرمائی ہے۔ کس لئے کہ خطاب انہی سے ہوا ہے۔

شفاعت کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس میں جبر لازم نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک خوش نویس چور کو بادشاہ کے دربار میں لوگوں نے حاضر کیا۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ مگر ایک اور شخص نے بادشاہ کے حضور میں عرض کی کہ یہ گنہ گار خط خوب لکھتا ہے، اگر اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے تو اس شہر میں خوش نویس کا وجود باقی رہے گا۔ اس خبر کے سننے سے بادشاہ کا ارادہ خود بخود بدون اس کے کہ کوئی اس پر جبر کرے، بدل جاتا ہے اور کسی قسم کا جبر لازم نہیں آتا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک شخص مجرم کے وصفوں میں سے ایک ایسا وصف بیان کرتا ہے جس سے بادشاہ غافل تھا۔ خدا تعالی نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہماری جناب میں اس قسم کی بھی سفارش واقع نہ ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:۔ اور خدا کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں جو انہیں نہ ضرر دیتے ہیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالی کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ اے محمد ﷺ تم کہدو۔ کیا آگاہ کرتے ہو خدا کو اس چیز سے جسے وہ آسمان و زمین میں نہیں جانتا۔ خدا پاک اور بزرگ ہے اس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں۔ و یعبدون من دون اللّٰہ ما لا یضرّھم و لا ینفعھم ۔ و یقولون ھولاء شفعاء نا عند اللّٰہ ۔ قل اتنبّئون اللّٰہ بما لا یعلم فی السّماوا ت و لا فی الا رض۔ سبحا نہ و تعا لی عمّا یشرکو ن ۔ یعنی جو چیز زمین اور آسمان میں ہے، خدا اسے خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ اور بندے اس

کے مخلوق ہیں ۔ نیز وہ ہر بندہ کی بھلائی برائی خود ہی خوب جانتا ہے ۔اس کے سامنے دوسروں کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں ۔ پس اس قسم کی شفاعت میں ہر چند کہ جبر لازم نہیں آتا لیکن اس عالم الغیب و الشّھادۃ کی لاعلمی لازم آتی ہے۔ (اس کی شان اس سے برتر ہے)

شفاعت کا ایک اور طریقہ بھی ہے ،جس کی مثال یہ ہے کہ چار چور ایک ہی وقت میں بادشاہ کے سامنے گرفتار ہوکر آئے ۔تین تو ان میں سے چوری اور عیاری کے فن میں نہایت ہشیار اور سلطانی غضب سے بے باک تھے اور ایک ان میں پرہیزگار آدمی تھا جو اتفاقاً شیطان کے مکروفریب میں آکر اس برے فعل میں مبتلا ہوگیا تھا۔اب بادشاہ کے حضور میں آنکھوں سے آنسو بہاتا اور گناہ کی شرمندگی سے سر اوپر نہیں اٹھاتا ہے جس سے بادشاہ نے معلوم کرلیا کہ یہ بے چارہ اس برے فعل میں ناگہاں گرفتار ہوگیا ہے، اس نے چوری کا پیشہ مقرر نہیں کیا۔اس وقت بادشاہ کی مہربانی گو اس کی عفوتقصیر کی طرف متوجہ ہوتی ہے مگر سلطنت کا قانون اس بات کو نہیں چاہتا کہ ایک کو بخش دیں اور دوسروں کے ہاتھ کاٹیں ۔اس وقت بادشاہ خود کوئی سبب ڈھونڈتا ہے اور حاضرین دربار میں سے ایک شخص کو خفیہ اشارہ کرتا ہے کہ تو فلاں شخص کی سفارش کر، تاکہ میں اسے بخش دوں ۔ اس اشارہ کے سمجھتے ہی مقربانِ مجلس میں سے وہ شخص شفاعت کی پیشانی زمین پر گھستا ہے کہ اس مجرم کا ہم سے تعلق ہے اگر آپ اس کی تقصیر کو معاف فرمائیں گے تو احسان پر احسان ہوگا ۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ بدلہ لینے سے درگذر کرتا ہے ۔پس اس قسم کی شفاعت سے کوئی جبر لازم نہیں آتا بلکہ اس کی رضا اور خواہش اس میں تھی جو واقع ہوا۔سو قیامت کے دن شفاعت کی یہ ہی صورت متحقق ہوگی جس کی طرف اللہ نے یوں اشارہ فرمایا ہے من ذا الّذی یشفع عندہ الّا باذنہ کہ کون شخص ہے جو اللہ کے پاس سفارش کرے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔پس جس شخص کے حق میں اجازت ہوگی اس کی سفارش جلوہ گر ہوگی اور اگر عیاذاً باللّٰہ ارادہء الٰہی کسی کے بدلہ لینے پر متعلق ہوگا تو کس کو طاقت ہوگی جو اس کے حضور میں شفاعت کا دم مارے ۔پس خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہیے جس کے ہاتھ میں شفاعت کی باگ ہے اور درحقیقت سفارش کرنے والی بھی وہی پاک اور بے پرواہ ذات ہے چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: قل للّٰہ الشّفاعۃ جمیعاً ۔اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ خاص خدا ہی کے واسطے تمام سفارش ہے ۔ یعنی شفاعت بھی کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے ۔

یہ شفاعت کا حال ہے جس کی حقیقت اور کنہ سے اکثر نادان لوگ ناواقف ہیں ۔پس مسلمان کو چاہیے کہ پیغمبروں اور ولیوں میں سے کسی کو بھی دین و دنیا کے نفع وضرر پہچانے پر قادر نہ جانے ۔ چنانچہ یہی معنی اس آیت سے مقصود ہیں قل لا املک لنفسی نفعاً و لا ضراً الّا ما شاء اللّٰہ و لو کنت

اعلم الغیب لاستکثر ت من الخیر و ما مسّنی السوء ان ا نا ا لّا نذ یر وّ بشیر لقومٍ یومنون کہ اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے نفع وضرر پہچانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر جو خدا نے چاہا، اور اگر میں علم غیب جانتا تو منفعت کی جنس سے بہت کچھ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی سختی نہ پہنچتی۔ میرا کام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ میں ڈرانے والہ، اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں انہیں خوشی سنانے والا ہوں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ باوجودیکہ خدا کے رسول ہیں مگر تب بھی اپنی جان کو نفع پہچانے اور ضرر سے باز رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نیز حق تعالی فرماتا ہے کہ اے محمد! تم کہہ دو میں ہرگز علم غیب نہیں جانتا۔ یہ تو محض خدا کا خاصہ ہے۔ اگر میں علم غیب جانتا تو بہت بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی بھی نقصان نہ پہنچتا۔ مثلاً... اگر مجھے علم ہوتا کہ جنگ احد میں شکست ہوگی، تو اس روز جنگ نہ کرتا۔ تم جو ہمارے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ جس وقت ہم اپنے پیغمبر کو یاد کرتے ہیں، وہ سن لیتا ہے اور ہر آنے والی چیز کو یا جو نظر سے غائب ہے اسے خوب جانتا ہے، محض غلط ہے۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ میرا کام تو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور غیر متناہی نعمتوں کی خوشخبری سنانا ہے اور یہ بھی صرف انہی لوگوں کو جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ ہماری پیٹھ پیچھے کیا ہے اور شام کو کیا ظاہر ہوگا۔ نیز دوسری آیت میں فرماتے ہیں ولا یحیطون بشیء من علمه الّا بما شاء کہ آدمی، خدا کے علم میں سے کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر اسی قدر کہ خدا نے چاہا۔ معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کے علم میں ہے وہ بندہ کی نظر سے غائب ہے اور اس میں سے بندہ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکتا، ہاں جس قدر خدا چاہتا ہے، اتنا علم دے دیتا ہے۔ پس یہ بھی خدا کے اختیار میں ہے نہ بندہ کے اختیار میں)۔

فصل چہارم در بیان اشراک فی العبادات

باید فہمید کہ تعظیماتے کہ برائے حق تعالی مقرر کردہ اند آں را عبادت مے گویند اگر آں تعظیم را شارع مقرر فرمود۔ اگر جماعت دیگر مقرر کردہ باشد ملحق بعبادت مے نامند۔ پس تعظیمے کہ خدا تعالی را بجاے آرند بہ مخلوق نباید کرد کہ مے فرماید و لا تجعلوا للّٰه انداداً وّ انتم تعلمون (البقرہ)۔ پس مگر دانید برائے خدا تعالی ہمسران در عمل باوجودیکہ شما مے دانید کہ کسے ہمسر خدائے تعالی نیست۔ یعنی شمایاں در عقیدہ خود کسے را ہمرتبہ خدا نمے دانید۔ لیکن در تعظیمات برابر مے کنید از وقت آدم تا ایں دم بایں طور کافرے پیدا نشدہ کہ دو خدا گفتہ باشد یا

کسے مخلوق را در مرتبہ برابر خدائے تعالی دانستہ باشد در علم خود لیکن ہمیں قدرے دانند کہ بزرگان را بسبب قرب در کارخانہ الٰہی دخلے است و و بسبب کثرت ریاضت اند کہ از صفات باری تعالی در ایناں پیدا گشتہ مثلاً پروردگار اگر بیشمار پیدا مے تواند کرد ایں بزرگان اگر خواہند یک دو شخص را پسر بخشندہ و اگر پروردگار تمام عالم زمین را مقہور و معذب تواند کرد، ایں بزرگان کسے را بخدمت شان بے ادبی کند البتہ چیزے ضرر رسانیدن مے توانند چوں باعتقاد مرد ماں ایں ظن فاسد مستقر شدہ است ہمیں ہمیں سبب تعظیمات بزرگان خارج از حد بجامے آرند و از تحصیل رضائے ایشاں بسیار سعی مے نمائندہ و ہمیں صورت شرک باللہ کہ آنرا مردود کردہ اند انّ اللّٰہ لا یغفر ان یّشرك به و یغفر ما دون ذلک لمن یّشاء (النساء) بے شک خدا تعالی نمے بخشند آں را کہ شریک کند بخدا و مے بخشند کمتر ازیں ہر کس را کہ مے خواہد۔ کہ بہ تعظیم خدا دیگر ے را شریک کند باید کہ دست افسوس برسر زند و امید نجات آخرت از دل رہا سازد۔ تعظیماتے کہ در شرع برائے خداست یعنی عباداتے ہر چند کہ بسیار است اما دو چار ازاں بیان مے کنم تا دیگراں را بروے قیاس نمایند۔

ازانجملہ است ارکان صلوۃ کہ برائے دیگراں نباید کرد کسے کہ غیر اللہ را سجدہ کند کافر گردد، کہ فرماید و اسجدوا للّٰه الّذی خلقهنّ ان کنتم ایّاه تعبدون (حم سجدہ) وسجدہ کنید برائے خدا کہ پیدا کردہ است آنہا را اگر ہستید شما کہ ہموں خدا را عبادت مے کنید و ارکعوا مع الرّاکعین (بقرہ) ورکوع کنید با رکوع کنندگان۔ ہر کہ پیش غیر خدا رکوع کرد یعنی بصفت رکوع قد را تعظیماً خم کرد بشرک افتاد و قوموا للّٰه قانتین، (بقرہ) وایستادہ شوید برائے خدا فرمانبردار۔ یعنی دست بستہ و با ادب بر پا استادن پیش غیر خدا شرک است و حیث ما کنتم تولوا و جوهکم شطره (البقرہ) و ہر جا کہ باشید شما پس بگردانید روئے خود را بطرف خانہ کعبہ۔ پس وقت عبادت روئے گردانیدن و متوجہ شدن بسوئے قبر بزرگان تعظیماً سوائے بیت اللہ شرک است

وہم چنیں است دعا کردن از غیر اللہ کہ مے فرماید و من اضلّ ممّن یدعوا من دون اللّٰه من لّا یستجیب له الی یوم القیامة و هم عن دعائهم غافلون (احقاف:۵) کدام گمراہ تر است ازاں کسانیکہ ندا مے کند سوائے خدا آں شخص را کہ قبول نخواہد کرد اورا و آنہا کہ از ندا کردنش غافل اند۔ یعنی ازیں قوم زیادہ تر گمراہے نیست کہ مردگان یا دیگر غیر

اللہ را ندا مے کنند و ایشاں ہرگز جواب ایں گمراہاں نمے دہند مے دانند کہ ایشاں مے شنوند بلکہ ایشان بے خبر انند از ندا کردن وفریاد برآوردن ایں گمراہاں۔

مردمانیکہ مے گویند یارسول اللہ، و یاعلی و یاغوث الاعظم و یاحسین و یافاطمہ واے خواجہ و یا پیر احوال خود را ازیں آیہ کریمہ ملاحظہ فرمانید انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصّمّ الدّعا (النمل) بیشک تو شنوانمے کنی مردہ را وشنوانمے کنی کرّ را۔ یعنی در باب شنیدن مردہ و کرّ برابراست و ما انت بمسمعٍ من فی القبور (فاطر)۔ نیستی تو اے محمد! ﷺ شنوا کنندہ آن شخص را کہ در قبر است۔ وقرآن شریف را اگر برائے خدا خوانند عبادت است و اگر برائے رضا مندی وتقرب غیر اللہ بخوانند شرک است۔ روزہ کہ از اعظم عبادت است اگر برائے غیر اللہ گیرند خواہ تمام روزہ خواہ نیم روزہ کافر مطلق خواہند شد۔ ارکان حج کہ از اعظم عبادت است اگر بجائے دیگر ادا نماید کفر است صریح باید کہ گرد قبرے یا خانہ سوائے خانہ کعبہ نگردند کہ مے فرماید و لیطوّفوا بالبیت العتیق (الحج) باید کہ طواف کنند باین خانہ قدیم و درمیان در مکان سوائے صفا ومروہ نباید و جانورے را سوائے خدا تعالی برائے دیگر ذبح نباید کرد است سر تراشیدن وصورت زائراں نمودن و دیگر ارکان حج نیز برین قیاس باید کرد۔ وبہترین طاعات زکوۃ است وانفاق فی سبیل اللہ نقد وجنس و باطعام اگر بنام مردگان و نیاز بزرگان یا جن و پری و ملائکہ یا دیگر غیر اللہ باشد شرک است وخوردن آں طعام ناجائز قال اللہ تعالی حرّمت علیکم المیتۃ و الدّم و لحم الخنزیر و ما اھلّ لغیر اللّٰہ بہ (المائدہ) حرام کردہ شد برشمایاں مردہ و خون وگوشت خوک و ہرچیز کہ آواز کردہ شد برائے غیر خدا بہ آں چیز۔ مثالش آنکہ درحضور بادشاہ رعیتے نذر پیش غلام بادشاہ برو آنکہ بادشاہ خود موجود است۔ پس لابدآں رعیت بمعرض عتاب سلطانی ہمی افتد نذرش را نیز برخاک ذلت مے اندازد واگر آں غلام قبول کردہ باشد آن ہم محل غضب مے درآید واگر انکار کردہ باشد نقصان باونمے رسید۔ پس آں نذر را کہ برخاک مذلت افتادہ است شخصے دیگر قصد گرفتن نماید۔ لابد بمقام غضب سلطانی درآید۔ پس ظاہر شد کہ باوجود حاضر بودن آں ملک حقیقی اگر نقدے یا طعامے نذر غیر اللہ بنماید ....گرفتن وخوردن آں ناجائز بود۔ دریں جزو زمان اکثر مردماں قرآن برائے تقرب مردگان میخوانند و طعام نذر بزرگان مے دہند و نقد بنام غیر اللہ مے دہند چنانکہ ایں جملہ عبادت موحداں محض برائے خدا مے کنند۔

چوں مرد ماں سوال مے کنند کہ چرا مرتکب ایں امر شرک عظیم مے شود۔ عوام الناس جواب ہائے بیہودہ وکلمات جہالت برزبان مے آرند ومیگویند بل نتّبع ما الفینا علیه آباء نا (البقرہ) کلام شما قبول نکنیم بلکہ عمل مے کنیم وپیروی مے نمایم آں چیزے راکہ جمع یافتہ ایم براں پدرانِ خود را۔ یعنی از گفتہ شما رسوم جدو پدر نمے گزاریم۔ مرد مانیکہ سابق مرتکب ایں امور شدہ اند ہیچ مصلحتے فہمیدہ باشند۔ بجواب ایشاں خدائے عزوجل مے فرماید او لو کان آباء هم لا یعقلون شیئاً ولا یهتدون (بقرہ) بگو اگر آبائے شما باشند کہ فہم نمے کردند چیزے را و ہدایت نیافتہ باشند۔ بسوئے توحید چہ جائے تعجب است، یعنی فقط رواج آباء شما برائے محمود بودن آں عمل دلیل نیست۔ تعجب نہ کند در گمراہی پدراں خود اگر چہ بظاہر دلق در برداشتہ باشند وبعضے مرد ماں کہ روز چند کتاب بینی کردہ اند حیلھا شرعی اظہار مے نمایند کہ ما قرآن برائے بزرگان نمے خوانیم وطعام بنام غیر اللہ نمے دہیم و جانور برائے بزرگان ذبح نمے کنیم بلکہ ایں امور حسنہ محض برائے خدا مے کنیم۔ وثوابش بہ بزرگان بخشیم۔ تامل نیک باید نمود کہ ایشاں حیلہ گراں اند۔ اگر برائے خدا تعالی مے کنند، چرا تخصیص ماہ مے نمایند مثل محرم، ربیع الثانی و جمادی الاول وشعبان وغیرہ۔

وچرا تخصیص طعام ہائے مرغوب بزرگان مے نمایند مثل پلاؤ مالیدہ وغیرہ۔ حصہ باموال خود چرا مقرر مے کنند کہ او را قبل از ایام مقررہ اندک ہم للہ صرف نمے کنند و جانورے ذبح مے کنند چرا بروے نشان مے بندند وپیش قبورے برند ایں ہمہ شرک خالص است کہ شیطان بحیلہ و فریب بخشیدن ثواب بہ دل آں ہا انداختہ است بسبب اینکہ آں ملعون بحضور پروردگار وعدہ کردہ است و قال لاتّخذنّ من عبادك نصيباً مفروضاً ۔ و لاضلّنّهم و لامنّينّهم و لآمرنّهم فليبتّكنّ آذان الانعام ولآمرنّهم فليغيّرنّ خلق اللّه۔ و من يّتّخذ الشّيطان وليّاً من دون اللّه فقد خسر خسرا ناً مّبيناً ۔(نساء: ۱۱۸۔۱۱۹) گفت شیطان از خدائے عزوجل کہ بے شک خواہم گرفت از بندگان تو حصہ مقرر کردہ شدہ و بیشک گمراہ خواہم کرد آنہا او بہ تحقیق آرزوئے باطل بہ دل آنہا خواہم انداخت و بے شک حکم خواہم کرد ایشاں را۔ پس بشگافند گوش ہائے چہار پایاں را و ہر آئینہ حکم خواہم کرد، پس باید کہ متغیر کنند خلق خدائے باد ہر کسے کہ بگیرد شیطان را دوست سوائے خدا۔ پس بے شک در نقصانے افتادہ نقصانے ظاہر۔ یعنی شیطان وعدہ کردہ است کہ از بندگان تو حصہ مقرر خواہم کرد بایں طور کہ ہر

سال در دوصد روپیہ ایں قدر نیاز غیر اللہ بدہند یا ہر سال این قدر غلہ بنام فلاں بزرگ جدا نمایند وآرزوئے باطل بدلہا اینہا انداختہ است مثلاً ایں مضمون کہ ہر شخص نیاز ایں بزرگان ادا خواہد کرد ضرور ایں بزرگان شفاعت کردہ بجنت خواہند برد و حکم مے کند تا خلقت خدائے را متغیر میکند بایں طور کہ خود را خواجہ سرا کنند یا ریش ہائے خود را بتراشند، یا بطور دیگر خود را منقلب کنند۔ نعوذ باللّٰہ منہا۔ ایں ہمہ مکر شیطان است کی بتقریب ثواب بخشیدن بخاطر مردماں شرک ... وعدہ ہائے خود را ایفاء مے نماید و اگر از مردماں ثواب ختم قرآن طلب نمایند بخشیدنش تامل نمے کنند و اگر یک روپیہ بخواہند ہزار حیلہ درمیان آرند۔ پس ثواب آخرت در دل اینہا قدر و وقار ندارد کہ بے تکلف بہ دیگراں مے بخشند۔ بحدیث مذکور است کہ بروز قیامت شخصے را نیکی و بدی بہ میزان عدالت برابر خواہد شد، حکم خواہند کرد کہ یک عمل خیر بیار تا نیکی تو زیادہ شود و مستحق جنت شوی۔ پیش ہر یک عزیز دست التجا دراز خواہد کرد، مادر و پدر و زن و فرزند بہ بخشیدن یک عمل خیر اعراض خواہند نمود۔ امروز چہ بے باکی است کی بخشیدن ہزار ہا عمل خیر دریغ نمے کنند مگر قدر اعمال و خوف آخرت نمے دارند و اعمال را بس خفیف و سبک مے انگارند

حقیقت ثواب بخشیدن باید فہمید کہ نزد بعضے علماء ثواب از بخشیدن دیگر بدیگر نمے رسد بدلیل قولہ تعالی لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت خاص برائے اوست ہر چہ کسب کردہ است و براست ہر چہ کسب کرد۔ و نیز بسیارے از آیات و احادیث برہمیں معنی دلالت میدارد و نیز مخالف قیاس است کہ ہنوز قبولیت و عدم قبولیت عمل بجناب پروردگار ظاہر نشدہ و جزاء در دست ایں شخص موجود نیست بدیگراں چہ مے بخشد و نزد بعضے علماء مثل ابوحنیفہ ثواب اعمال بدنی مثل نماز روزہ وغیرہ بدیگراں نمے رسد۔ و ثواب مالی مثل طعام خورانیدن و چاہ کندیدن و پل بستن للہ از بخشیدن مردمان بدیگراں مے رسد۔ قیاس بر اینکہ جملہ علماء متفق اند کہ ادائے دین دیگراں بعذاب آخرت برائے مردگان رہائی مے شود و نقل است کہ از پیغمبر ﷺ یارے پرسید کہ مادرم مردہ است، مے خواہم کہ چیزے بکنم کہ بکارش آید۔ حضرت ﷺ بکندیدن چاہے اشارت فرمود۔

ازانجملہ اہل علم متفق اند بر اینکہ بخشیدن اعمال بدیگراں بسیار و متواتر اصحاب منقول نیست باوجودیکہ از مادراں و پدراں و بزرگان محبت بسیارے داشتند و حقوق آنہا خوب مے شناختند چندانکہ مایاں شناسیم ثابت نیست کہ اکثر ایں عمل بفعل آوردہ باشند چنانکہ بایں جزو

زمان بکثرت مے کنند وعلماء جملہ متفق اند برانیکہ در بخشیدن اعمال بمردگان اگر ہست نفع قلیل است۔ اگر شخصے بر زندگانیء خود یک پول بدہد بہتر ازاں است کہ بعد از وے لک پول بدہند۔ اگر شخصے تمام عمر خود را بہ تحصیل دنیا برباد دادہ باشد و یک عمل خیر کردہ و خدائے او از راضی نشدہ ممکن نیست کہ بعد از مردنش اعمال خیر پس وے روانہ کنند و اورا از عذاب آخرت خلاص نمایند بلبل شیرازی بہمین نغمہ مے سراید

برگ عیش بگور خویش فریس　　　کس نیارو زکس تو پیش فریس

علاوہ ازیں ایں است کہ بخشیدن ثواب اعمال اگر چہ درست است لیکن مورث، شرک است۔ بسبب ایں کہ عوام الناس فرق نمے کنند دریں کہ ثواب عبادات بہ بزرگاں مے بخشیم یا خود عبادت برائے تقرب بزرگان ورضا ایشاں مے کنیم۔ آخر عبادات بنام غیر اللہ مے کنند و شرک مے شوند پس دریں زمان کہ کثرت اعمال شرک است خواص را باید کہ ازیں چنیں اعمال تغافل وچشم پوشی نمایند، تا در شرک بستہ شود و ثابت است کہ بخشیدن ضرور نیست و اگر گماں فائدہ است نیز بسیار قلیل چہ ضرور است کہ بارتکاب مثال ایں امور در شرک بکشایند و بگماں فائدہ قلیل ہزار ہا مومن را راہ جہنم بہ نمائندہ۔

از دیدن قبور موت خود بیاد مے آید و دنیا سراب مے نماید۔ باین ہمہ جناب رسالت مآب ﷺ اولاً ہمہ کساں را منع فرمود کہ کسے.. قبر نہ بیند و پیشش نزد و بجہت ایں کہ مردماں تعظیمات قبور از حد زیادہ بجا مے آوردند چوں ایام جاہلیت رفت و مردماں موحداں شدند و تعظیمات قبور موقوف کردند، مردماں را دیدن قبور اجازت مثلاً زنان را ہنوز منع است کہ زنان ناقص العقل مے شوند ضرور بالضرور خلاف شرع یا نوحہ خواہند کرد بحق زن نوحہ کنندہ در دوزخ وعید عذاب آخرت وارد شدہ است۔ و اگر شخصے را منظور باشد کہ فائدہ از ما بانبیاء و اولیاء و پیراں و مجتہداں یا مادر و پدر برسد، طریقش ازیں بہتر نیست کہ محض خالصاً للہ اعمال خیر و عبادات ادا نماید، بدل و جان مطیع فرمان الٰہی گردد و ثواب عبادات بکسے نہ بخشد بلکہ خود ہم نخواہد بدل این قدر داد کہ ما برائے رضامندی و خوشنودی مالک خود ایں کار کردہ ایم۔ و مزدور کار نداریم بلکہ رحمت و عنائتش برائے بخشائش مایاں کفایت مے کند چنانچہ خواجہ حافظ مے فرماید

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن　　　کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

خدائے تعالیٰ ایں مومن را اجر بسیار خواہد داد و نیز بذوی الحقوق ثواب خواہد رسانید کہ با حادیث

صحیحہ آمدہ است کہ ثواب اعمال اولاد بہ آباء واجداد بغیر از بخشیدن مے رسد و ثواب عامل نیز کم نمے شود و بہمیں طور ثواب اعمال شاگرداں باستاداں علم ظاہری یعنی علماء و مجتہدین واستادان علم باطنی یعنی پیران طریقت برسد مناسب است کہ آدم مطیع پروردگار شود و چون خدائے تعالی ازیں بندہ راضی خواہد شد ومقبول بارگاہ خواہد کرد از احوال ذوالحقوق ایں بندہ کہ دلش برائے بخشائش وے متعلق است، غفلت کلی نخواہد کرد۔

(فصل چہارم: سمجھنا چاہیے کہ جو بزرگی اور تعظیم حق تعالی کے واسطے مقرر کی ہے اسے عبادت کہتے ہیں اگر یہ تعظیم شرع نے مقرر کی ہے، اور اگر کسی اور جماعت نے مقرر کی ہے تو اس کا ملحق بعبادت نام رکھتے ہیں۔ پس جو تعظیم کہ خاص خدا تعالی کے واسطے بجالانی ہیں وہ مخلوق کو کرنی نہ چاہیے کیونکہ فرماتے ہیں ولا تجعلوا للّٰہ انداداً وّ انتم تعلمو ن ۔یعنی خدا تعالی کیلئے کسی کام میں ہمسر نہ بناؤ باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ خدا کا کوئی ہمسر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! تم اگر چہ اپنے عقیدہ میں خدا کے مرتبہ کے برابر کسی اور کو نہیں جانتے ہو لیکن تعظیم و بزرگی اس کے برابر اوروں کی بھی کرتے ہو۔ آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کوئی کافر ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے دو خدا کہے ہوں یا اپنے علم واعتقاد میں کسی مخلوق کو خدا کے برابر مرتبہ میں جانا ہو، مگر اس قدر جانتے تھے کہ بزرگوں کی تقریب کی وجہ سے خدا کے کارخانہ میں کچھ دخل ہے اور کثرت ریاضت کی وجہ سے خدا کی صفات میں سے کچھ کچھ ان میں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ مثلاً خدا تعالی اگر بیشمار آدمی پیدا کرسکتا ہے تو یہ بزرگ اگر چاہیں تو ایک دو آدمیوں کو فرزند بخش سکتے ہیں اور اگر خدا تعالی سارے جہان کو عذاب وقہر میں مبتلا کرسکتا ہے، تو یہ بزرگ اس شخص کو جو ان کی خدمت میں بے ادبی کرے بالضرور کوئی نہ کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ چونکہ آدمیوں کے اعتقاد میں یہ فاسد خیال خوب مستحکم اور مضبوط ہو گیا ہے اسی وجہ سے وہ بزرگوں کی بزرگیاں حد سے زیادہ بجالاتے ہیں اور ان کی رضا مندی حاصل کرنے میں بے حد کوشش کیا کرتے ہیں، بس اسی کو شرک باللہ کہتے ہیں جس کو قرآن نے انّ اللّٰہ لا یغفر ان یّشرك به و یغفر ما دون ذلک (جو شخص خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے خدا اس کی بخشش نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے)، پس جو شخص خدا کی بزرگی میں اوروں کو شریک کرے، اسے افسوس کے ہاتھ سے سر پیٹنا اور اخروی نجات کی امید دل سے نکال دینی چاہیے۔ شرع میں جو بزرگیاں کہ خدا کیلئے ہیں یعنی عبادات، ہر چند کہ بے شمار ہیں، مگر میں ان میں سے دو چار بیان کرتا ہوں تاکہ دیگر کو ان پر قیاس کرلیں۔

منجملہ ان کے نماز کے ارکان ہیں جو دوسروں کیلئے کرنے نہ چاہئیں۔ مثلاً جو شخص خدا کے علاوہ دوسرے کو سجدہ کرے گا، کافر ہوگا، کیونکہ فرماتے ہیں و اسجدوا للّٰہ الّذی خلقھنّ ان کنتم ایّاہ

تعبدو ن ۔(یعنی خدا ہی کو سجدہ کرو جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اگر تم خدا ہی کی عبادت کرتے ہو)۔اور فرمایا و ارکعوا مع الرا کعین (یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو)۔ بس جس نے غیر خدا کے سامنے رکوع کیا، یعنی رکوع کی طرح تعظیم کی غرض سے قد کو خم کیا وہ ضرور شرک کے گڑھے میں پڑا۔اور فرمایا: و قو موا للّٰہ قانتین (اور کھڑے رہو خدا کے فرمانبردار)۔ پس کسی کے سامنے ہاتھ باندھ کر پاؤں کے بل باادب کھڑا ہونا شرک ہے۔اور فرمایا و حیث ما کنتم فو لّوا و جو ھکم شطرہ (جہاں کہیں تم ہوتو اپنے مونہوں کو خانہ کعبہ کی طرف پھرو)۔ پس عبادت کے واسطے بیت اللہ کے علاوہ بزرگوں کی قبر کی طرف تعظیماً متوجہ ہونا شرک ہے۔

اسی طرح غیر خدا سے دعا مانگنا بھی شرک ہے جیسا کہ ارشاد ہوا و من اضلّ ممّن یدعوا من دون اللّٰہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیا مۃ و ھم عن دعا ئھم غا فلو ن (احقاف)(یعنی کون گمراہ زیادہ ہے اس شخص سے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسے شخص سے دعا مانگتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرے گا۔طرہ یہ کہ وہ ان کی دعا سے محض بے خبر ہیں)۔مطلب یہ ہے کہ اس قوم سے زیادہ تر گمراہ کوئی قوم نہیں ہے جو اموات یا کسی اور کو خدا کے سوا ندا کرتے ہیں، وہ ان گمراہوں کو ہرگز جواب نہیں دیتے ۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ سن رہے ہیں حالانکہ وہ ان گمراہوں کی دعا مانگنے اور فریاد مچانے سے محض بے خبر ہیں۔

جو آدمی کہ یا رسول اللہ اور یا علی اور یا غوث الاعظم اور یا حسین اور یا فاطمہ اور اے خواجہ اور اے پیر، کہا کرتے ہیں وہ اپنے احوال کا اس آیت کریمہ کے ساتھ مواز نہ کر سکتے ہیں انک لا تسمع المو تی و لا تسمع الصّمّ الدّ عا ۔(یعنی اے محمد! تم مردے کو سنا سکتے ہو نہ بہرے کو)۔یعنی سننے کے حق میں مردہ اور بہرہ برابر ہیں۔ و ما انت بمسمع من فی القبور ۔(اور نہ تم ان لوگوں کو سنا سکتے ہو جو قبروں میں ہیں)۔

اسی طرح قرآن محض خدا کے واسطے پڑھنا عبادت ہے اور غیر خدا کی رضا مندی اور تقرب کے واسطے پڑھنا شرک ہے

روزہ جو بڑی عبادتوں میں سے ہے، اگر غیر خدا کے واسطے رکھیں خواہ سارا روزہ یا آدھا، کافر مطلق ہوں گے۔

اسی طرح حج کہ وہ بھی بڑی عبادتوں سے ہے، اگر کسی اور کے واسطے ادا کرے گا، صریح کفر میں مبتلا ہوگا۔ خانہ کعبہ کے علاوہ کسی قبر یا گھر کے گرد گھومنا نہ چاہیے کیونکہ خدا تعالی فرماتا ہے و لیطوّ فوا بالبیت العتیق یعنی اسی قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے ۔ اور صفا و مروہ کے سوا کسی دو مکانوں میں دوڑنا

نہ چاہیے۔ اور جانور خدا تعالی کے علاوہ کسی اور کیلئے ذبح نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح سر منڈانا اور زیارت کرنے والوں جیسی صورت بنانا نہ چاہیے۔ اور دوسرے ارکان حج کو اسی پر قیاس کر سکتے ہیں۔

اور تمام بندگیوں میں بہتر بندگی زکوۃ اور خدا کی راہ میں مال صرف کرنا ہے پس اگر کوئی نقد و جنس یا کھانا اموات کے نام پر یا بزرگوں کی نیاز یا جن و پری اور فرشتے یا خدا کے رسول کسی اور کے واسطے ہونا شرک ہے اور اس کا کھانا ناجائز۔ اللہ تعالی فرماتا ہے حرّمت علیکم المیتۃ و الدّم و لحم الخنزیر و ما اھلّ لغیر اللّٰہ بہ ۔یعنی تم پر مردہ اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر غیر خدا کا نام پکارا جائے، حرام ہے۔ مثال اس کی یوں سمجھئے کہ کوئی رعیت بادشاہ کے سامنے اس کے غلام کے پاس نذر لے جائے، باوجودیکہ بادشاہ خود موجود ہے۔ پس ایسے وقت بالضرور وہ شخص غضب سلطانی کے محل میں پڑے گا اور بادشاہ اس کی اس نذر کو خاک ذلت پر ڈالے گا۔ پھر اگر یہ نذر غلام نے قبول کر لی ہے تو وہ بھی محل غضب بادشاہی ہوگا۔ البتہ اگر غلام نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا ہے تو اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پھر اس نذر کو جو ذلت کی خاک پر پڑی ہوئی ہے، اگر کوئی اور لینے کا ارادہ کرے گا، تو وہ بھی ضرور غضب شاہی میں گرفتار ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ باوجود ہونے اس حقیقی بادشاہ کے اگر کوئی نقد یا کھانا غیر خدا کی نذر کرے، اس کا لینا اور کھانا بالکل ناجائز ہے۔ اس اخیر زمانہ میں اموات (مردوں) کے تقرب کیلئے قرآن پڑھتے اور کھانا بزرگوں کی نذر دیتے ہیں اور نقدی غیر خدا کے نام پر صرف کرتے ہیں، جیسا کہ موحد لوگ یہ سب عبادتیں محض خدا کے واسطے کرتے ہیں۔ جب آدمی ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس شرک عظیم کے کیوں مرتکب ہوتے ہو تو عوام الناس تو بیہودہ جواب دیتے ہیں اور جہالت بھرے کلمے زبان پر لا کر کہتے ہیں بل نتّبع ما الفینا علیہ آ باء نا، ہم تمہارا کہنا نہ مانیں گے بلکہ جس چیز پر ہم نے اپنے باپ دادا کو جمع پایا ہے اسی پر عمل کریں گے اور اسی کی پیروی پر جان دیں گے یعنی تمہارے کہنے سے ہم اپنے باپ دادا کی رسمیں نہ چھوڑیں گے۔ آخر پہلے لوگ جو اس کام کو کر گئے ہیں انہوں نے بھی تو اس کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت سمجھی ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں خدا تعالی فرماتا ہے او لو کا ن آ با ء ھم لا یعقلو ن شیئاً ولا یھتدون ۔ صرف تمہارے باپ دادا کی رسم و رواج اس کام کے پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی گمراہی پر تعجب نہ کرو، اگرچہ بظاہر گدڑی پوش ہی ہوں۔ اور بعض آدمی چند دن کتابوں کا مطالعہ کر کے شرعی حیلہ ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ ہم قرآن بزرگوں کیلئے نہیں پڑھتے، غیر خدا کے نام پر کھانا نہیں دیتے، بزرگوں کے واسطے جانور ذبح نہیں کرتے بلکہ یہ سب نیک کام محض خدا کے واسطے کرتے ہیں اور اس کا ثواب لوگوں کو بخشتے ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ یہ لوگ حیلہ گر نہیں تو اور کون ہیں۔ بھلا اگر خدا کے واسطے

کرتے کبھی مہینہ کی تخصیص جیسے محرم، میراں جی، شب برات وغیرہ کی کیوں کرتے ہیں ۔ اور جو کھانے ان بزرگوں کو مرغوب ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ، مالیدہ وغیرہ کو کیوں خاص کرتے ہیں ۔ اور اپنے اموال میں حصہ کیوں مقرر کرتے ہیں ۔ اور ایام مقررہ سے پہلے کچھ بھی صرف نہیں کرتے ہیں۔ اور جس جانور کو ذبح کرتے ہیں اس پر کیوں نشان لگاتے ہیں اور قبروں کے سامنے لے جاتے ہیں ۔ یہ سب صورتیں خالص شرک کی ہیں کہ شیطان نے حیلہ اور فریب سے ان کے دلوں میں ثواب کا بخشنا اور اس کا عطا کرنا ڈال دیا ہے کیونکہ وہ ملعون خدا کے سامنے وعدہ کر چکا ہے قال لا تّخذنّ من عبادك . الخ ..خدا تعالی کے حضور میں . شیطان بولا کہ بلا شبہ میں تیرے بندوں سے ایک مقررہ معین حصہ لوں گا اور بے شک میں انہیں گمراہ کروں گا ۔ اوران کے دلوں میں جھوٹی آرزو میں ڈالونگا۔ اور میں انہیں جانوروں کے کان پھاڑنے کا حکم کروں گا۔ میں انہیں حکم کروں کہ وہ خدا کی پیدائش کو بدل ڈالیں گے ۔ خدا تعالی فرماتا ہے ۔ اور جو شخص خدا کے سوا شیطان کو دوست رکھے گا بلا شبہ صریح و ظاہر نقصان میں پڑے گا۔

یعنی شیطان نے وعدہ کیا ہے کہ میں تیرے بندوں سے بایں طور حصہ مقرر کرونگا کہ ہر برس وہ سو روپئوں میں سے اس قدر خدا کے غیر کی نیاز چڑھائیں، یا ہر برس اتنا غلہ فلاں بزرگ کے نام پر علیحدہ کریں اوران کے دلوں میں باطل آرزوئیں ڈالی ہیں ۔ مثلاً یہ مضمون سمجھایا ہے کہ جو شخص ان بزرگوں کی نیاز ادا کرے گا تو یہ بزرگ اس کی ضرور شفاعت کر کے جنت میں داخل کریں گے۔ نیز شیطان یہ حکم کرتا ہے کہ لوگ خدا کی پیدائش کو اسی طرح بدل ڈالتے ہیں کہ اپنے آپ کو خواجہ سرا بنالیں، یا داڑھی کو منڈوا ڈالتے، یا کسی اور طرح اپنی شکل پلٹ لیتے ہیں نعوذ باللہ منھا ۔ پس یہ سب شیطان کے داؤ ہیں کہ اوروں کو ثواب عطا کرنے کے بہانے سے آدمیوں کے دلوں میں شرک ڈالتا اور اپنے وعدوں کے پورا کرنے میں کوشش کرتا رہے ۔ دیکھئے اگر لوگوں سے قرآن مجید کے ختم کا ثواب طلب کرتے ہیں تو وہ اس کے دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کرتے ۔ ایک روپیہ مانگنے پر ہزاروں حیلے پیدا کرتے ہیں ۔ پس ان لوگوں کے دلوں میں آخرت کا ثواب کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ بے تکلف اوروں کو بخش دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کی نیکی اور بدی میزان عدالت میں برابر اتریں گی، حکم ہوگا کہ ایک بھلائی اور لے آ کہ تیری نیکی زیادہ ہو جائے اور جنت کا مستحق ہو۔ پس یہ شخص ہر ایک عزیز کے آگے التجا کا ہاتھ لے جائے گا۔ مگر ماں باپ اور بیوی ، بچے ایک بھلائی تک دینے سے انکار کر دیں گے ۔ غرض کہ ایک نیکی ڈھونڈے نہ ملے گی ۔ آج کیا شوخ چشمی اور بے خوفی ہے کہ ہزاروں نیکیوں کے بخشنے میں بھی دریغ نہیں کرتے ۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ لوگ اعمال کی قدر اور آخرت کا خوف نہیں رکھتے ۔ بلکہ اعمال کو نہایت ضعیف اور ہلکا جانتے ہیں ۔

اب ثواب کے بخشنے کی حقیقت سمجھنی چاہیے ۔بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک شخص کا ثواب بخشا دوسرے شخص کونہیں پہنچتا اوراس پر دلیل خدا تعالی کا قول لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت ہے۔ یعنی ہرایک کے لئے اسی چیز کا نفع ہے جو اس نے کمایا اور خاص اسی پر ضرر ہے جو ان سے حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اور بہت سی آیات و احادیث اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور یہ قیاس کے بھی مخالف ہے کہ جب ابھی تک جناب الٰہی میں عمل کا قبول ہونا اور نہ ہونا ظاہر نہیں ہوا ،اور جزا اس شخص کے ہاتھ میں نہیں ہے تو دوسروں کو کیا بخش سکتا ہے ۔اور بعض علماء جیسے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدنی اعمال کا ثواب جیسے نماز روزہ وغیرہ دوسروں کونہیں پہنچتا ،ہاں عبادت مالی کا ثواب جیسے کہ کھانا کھلانا ، کنواں کھودنا ، پل بنوانا ، جو محض خدا کے واسطے ہو، آدمیوں کے بخشنے سے دوسروں کو بھی ثواب بایں قیاس پہنچتا ہے کہ تمام علماء متفق ہیں کہ قرضداروں کے قرض ادا کرنے سے اموات (مردوں) کے عذاب آخرت سے رہائی ہوتی ہے اور منقول ہے کہ پیغمبر ﷺ سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ میری ماں مرگئی ہے، میں اس کے لئے کوئی ایسی چیز کرنا چاہتا ہوں جو اس کے کام آئے ۔حضرت ﷺ نے کنواں کھودنے کا ارشاد فرمایا۔

لیکن تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے کاموں کا اوروں کو ثواب بخشنا بہت سے متواتر صحابیوں سے منقول نہیں ہے باوجودیکہ وہ حضرات ماں ، باپوں اور بزرگوں سے اس درجہ محبت کرتے اور ان کے حقوق اس قدر پہچانتے تھے جس قدر کہ ہم نہیں پہچانتے ،مگر اس فعل کا عمل میں لانا اکثر حضرات سے ثابت نہیں ہوا جیسا کہ اس زمانہ کے لوگ اس فعل کو بکثرت کیا کرتے ہیں ۔ نیز سارے علماء کا اتفاق ہے کہ مردوں کو اعمال کا ثواب بخشنے میں اگر نفع ہے،تو بھی بہت ہی تھوڑا ہے ۔اگر کوئی آدمی زندگی میں ایک پیسہ خرچ کرے تو اس کے پیچھے لاکھ پیسوں کے خرچ کرنے سے بہتر ہے ۔اسی طرح اگر کسی آدمی نے اپنی ساری عمر کو دنیا کے حاصل کرنے میں ضائع اور برباد کرڈالا اور کوئی بھی بھلا کام نہ کیا ،جس کی وجہ سے خدا اس سے ناراض ہے تو ممکن نہیں کہ اس کے مرنے کے پیچھے اور لوگ اعمال خیر بجالائیں اور وہ اس کو آخرت کے عذاب سے چھڑالیں ۔بلبل شیراز یوں نغمہ سرا ہوتا ہے ۔(فارسی شعر کا اردو ترجمہ): سامان عیش اپنی قبر میں آپ بھیج کیونکہ کوئی کسی کے کام نہیں آتا ، تو آپ مرنے سے پہلے بھیج ۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اگر چہ اعمال کا ثواب بخشنا درست ہے لیکن شرک کا موجب بھی ہے کیونکہ عوام الناس تمیز نہیں کرتے ۔ہم ان عبادتوں کا ثواب بزرگوں کو بخشتے ہیں یا خود بزرگوں کی قربت اور رضامندی کے واسطے عبادت کرتے ہیں، یوں ہی انجام کار غیر خدا کے نام کی عبادت کرنے لگتے ہیں اور مشرک بن جاتے ہیں ۔ چونکہ اس زمانہ میں اعمال شرک کی کثرت ہے، لہذا خاص لوگوں کو مناسب ہے کہ

اس قسم کے کاموں سے غفلت اور چشم پوشی کریں تا کہ شرک کا دروازہ بند ہو جائے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اپنے اعمال غیر کو بخشنے کی ضرورت نہیں اگر اس میں فائدہ خیال کیا جا سکتا ہے تو بہت ہی تھوڑا سا۔ پس ان جیسے کاموں سے شرک کا دروازہ کھولنا کیا ضرور ہے؟ اور تھوڑے سے فائدے کے خیال پر ہزاروں مسلمانوں کو دوزخ کا رستہ دکھانے سے کیا فائدہ ہے۔ قبروں کے دیکھنے سے ہر چند کہ اپنی موت یاد آتی ہے اور دنیا سرائے معلوم ہوتی ہے مگر پھر بھی جناب رسالت مآب ﷺ نے پہلے پہل سب کو منع فرمایا کہ کوئی شخص قبر کی زیارت نہ کرے۔ اور اس کے سامنے جا کر کھڑا نہ ہو، صرف اس واسطے کہ اس زمانہ کے آدمی قبروں کی تعظیمیں حد سے زیادہ بجا لاتے تھے، لیکن جب جاہلیت کا زمانہ گذر گیا اور موحد آدمی پیدا ہوئے اور قبروں کی تعظیمیں موقوف کر دیں تب بھی صرف مردوں ہی کو قبور کی زیارت کی اجازت ہوئی، لیکن عورتوں کو وہی ممانعت باقی رہی۔ وجہ یہ کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ وہ قبروں پر جا کر بالضرور کوئی خلاف شرع تعظیم یا نوحہ کریں گی۔ اور نوحہ کرنے والی عورت کے حق میں وعید عذاب آخرت وارد ہوئی ہے۔

اگر کسی شخص کو منظور ہو کہ ہم سے انبیاء اور اولیاء یا پیروں یا مجتہدوں یا ماں باپ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچے تو اسے اس طریقہ سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ محض خالص خدا کے واسطے پہلے کام اور عبادت بجا لائے اور دل سے فرمان الٰہی کا مطیع ہو کر عبادتوں کا ثواب کسی کو نہ بخشے بلکہ خود بھی ان کا ثواب نہ چاہے، ہاں دل میں صرف اس قدر خیال کرے کہ ہم نے محض اپنے مالک کی رضا مندی اور خوشنودی کے واسطے یہ کام کیا ہے۔ اس کی مزدوری ہمیں درکار نہیں، بلکہ اس کی رحمت وعنایت ہماری بخشش کے واسطے کافی ہے جیسا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں (فارسی شعر کا اردو ترجمہ): تو گداؤں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی نہ کر، کیونکہ سردار بندہ پروری کا طریقہ آپ جانتا ہے۔

اس طریق پر خدا تعالیٰ اس مسلمان کو بہت سا اجر دے گا اور اس کے حقداروں کو بھی ثواب پہنچائے گا کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اولاد کے اعمال کا ثواب باپ دادا کو بدوں بخشے پہنچتا ہے، اور کرنے والے کا ثواب بھی کم نہیں ہوتا۔ اسی طرح شاگردوں کے اعمال کا ثواب علم ظاہری کے استادوں یعنی عالموں اور مجتہدوں اور علم باطنی کے مرشدوں یعنی پیران طریقت کو پہنچتا ہے۔ پس مناسب ہے کہ آدمی اپنے پروردگار کا فرمانبردار ہو کیونکہ جب اللہ اس بندہ سے راضی ہو گا اور اپنی بارگاہ کا مقبول بنائے گا تو اس بندہ کے حقداروں کے احوال سے کہ اس کا دل ان کی بخشائش کے ساتھ متعلق ہے، بالکل غفلت نہ کریگا)۔

فصل پنجم در بیان ملحق بہ عبادات:

باید دانست کہ سوائے شارعؑ اقوام دیگر تعظیماتے کہ برائے خدا مقرر نمودہ اند اگر شخصے آن را تعظیماً پیش غیر اللہ ادا نماید مشرک مے شود۔ چرا کہ ایں ہمہ ملحق بہ عبادت اند۔ مثلاً شخصے پیش بزرگے یا قبرے بیک پا استادہ شود، یا سرخود را زیرکندہ پائے خود را بالا کشد بشرک جلی گرفتار خواہد شد، یا تعظیمے جدید اختراع نماید کہ سوائے خدائے لائق قدر بزرگان نیست البتہ مشرک خواہد شد چنانکہ مرد ماں بسوئے قبور قدمے چندے روند و باز ایستادہ مے شوند و کج شدہ باز پس مے آیند و بہ طرف آن قبر پشت نمے کنند بلکہ بہ طرف پشت گامے نہند و باز آیند و امثال ایں ہم بریں قیاس باید کرد بعضے مرد ماں مے گوئند کہ ما یاں بزرگاں را شریک خدا نمے دانیم و حل مشکلات از ایناں نمے خواہیم بلکہ ایشان مقربان بارگاہ الٰہی ہستند، ما را ہم قریب از خدا خواہند کرد باعث ہمیں است کہ تعظیمات ایشاں زیادہ از حد بجائے آریم بجواب ایشاں حق سبحانہ و تعالیٰ مے فرماید و الّذین اتّخذوا من دونه اولياء ما نعبد هم الّا ليقرّ بونا الى اللّٰه زلفى ۔ انّ اللّٰه يحكم بينهم فيما هم فيه يختلفون ۔ انّ اللّٰه لا يهدى من هو كاذب كفّار ۔ آنانکہ دوست گرفتہ اند بجز خدا گفتند کہ عبادت نمے کنیم ایشاں را مگر برائے اینکہ کنند ما یاں را بسوئے خدا در مرتبہ قرب۔ ہر آئینہ خدا حکم مے کند میان ایشاں آنچہ کہ اختلاف دارند، ہر آئینہ خدا راہ نمی نماید کسے را کہ دروغ گوئے کافر است۔

یعنی درمیان موحداں و مشرکاں اختلاف است۔ موحداں مے گویند کہ ایں اعمال شرک است۔ از خدا دور مے افگند و مشرکاں مے گویند کہ ایں تعظیمات بزرگان موجب قرب خدا است۔ خدا تعالیٰ فرمود کہ ما حکم مے کنیم درمیان اختلاف شمایاں و قول فیصل مے گویم، مشرکاں کاذب اند در قول خود مے گویند کہ ما تعظیم و عبادت بزرگان نمے کنیم مگر برائے اینکہ ما را از خدا قریب مے کنند بلکہ عبادت بزرگاں برائے دفع بلائے نمایند و بزرگاں را قادر بر رفع حوائج میدانند و غیر اللہ دوست داشتن و عبادتش کردن آدم را کافر مے کند، چگونہ موجب قرب الٰہی خواہد شد و ہدایت بدست خدا است و او تعالیٰ ہدایت نخواہد کرد ایں مشرکان دروغ گو را کہ مے گوئند قریب کردن از خدائے تعالیٰ باختیار بزرگان است انك لا تهدى من احببت و

لکنّ اللّٰہ یھدی من یّشاء فراموش مے کنند

(جاننا چاہیے کہ شارعؑ کے علاوہ اور لوگوں نے جو تعظیمیں خدا کے واسطے مقرر کی ہیں، اگر کوئی شخص انہیں غیر خدا کے سامنے تعظیماً بجا لائے گا، مشرک ہوگا کیونکہ یہ عبادات کے مشابہ ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بزرگ یا قبر کے آگے ایک پاؤں کے بل کھڑا ہوگا، یا سر نیچے اور پاؤں اوپر کریگا، شرک جلی میں گرفتار ہوگا، یا کوئی ایسی نئی تعظیم پیدا کرے گا جو خدا کے علاوہ بزرگوں کی قدر کے لائق نہ ہو تو بھی مشرک ہوگا جیسا کہ بعض آدمی قبروں کی طرف چند قدم چلتے پھر ٹھہرتے اور ٹیڑھے ہوکر واپس آتے ہیں، اور اس قبر کی طرف پیٹھ نہیں کرتے بلکہ پچھلے قدم ہٹ آتے ہیں۔ اسی طرح ان جیسے اور کاموں کو اس پر قیاس کرنا چاہیے۔ بعض آدمی کہنے لگتے ہیں کہ ہم بزرگوں کو خدا کا شریک نہیں جانتے۔ اور نہ ان سے مشکل کشائی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ چونکہ دربار الٰہی کے مقرب ہیں، تو ہم کو بھی خدا کے قریب کر دیں گے۔ اسی وجہ سے ہم ان کی تعظیم حد سے زیادہ بجا لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے و الّذین اتّخذوا من دونه اولیاء ما نعبدھم الّا لیقرّ بونا الی اللّٰہ زلفی ۔ انّ اللّٰہ یحکم بینھم فیما ھم فیه یختلفون ۔ انّ اللّٰہ لا یھدی من ھو کا ذب کفّار ۔ جو لوگ خدا کے علاوہ اور لوگوں کو دوست رکھتے ہیں، کہتے ہیں ہم ان کو صرف اس واسطے پوجتے ہیں کہ یہ ہم کو مرتبہ قرب میں خدا کی طرف نزدیک کر دیں گے۔ خدا تعالیٰ ان میں حکم کرتا ہے، جس چیز میں کہ یہ اختلاف کرتے ہیں۔ البتہ خدا رستہ پر نہیں لگاتا اس شخص کو جو جھوٹا اور کافر ہے۔

یعنی موحدوں اور مشرکوں میں اختلاف ہے۔ موحد کہتے ہیں کہ یہ اعمال شرکیہ ہیں، خدا سے دوری پیدا کرتے ہیں۔ مشرک کہتے ہیں کہ یہ بزرگوں کی تعظیمیں خدا کی تقریب کا موجب ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم تمہارے اختلاف میں صاف حکم اور قول فیصل بیان کرتے ہیں کہ مشرک اپنے قول میں جھوٹے ہیں۔ اگرچہ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی تعظیم و عبادت صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں گے، مگر درحقیقت بلا کے دفعیہ کے واسطے بزرگوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور حاجتوں کے پورا کرنے پر انہیں قادر جانتے ہیں۔ حالانکہ غیر خدا کو دوست رکھنا اور اس کی عبادت کرنا آدمی کو کافر بنا دیتا ہے یہ کیونکر قرب الٰہی کا موجب ہوگا حالانکہ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے اور حق تعالیٰ ان جھوٹے مشرکوں جو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے نزدیک کرنا بزرگوں کے اختیار میں ہے، راہ پر نہیں لگاتا۔ یہ کم بخت یہ آیت انک لا تھدی من احببت..الخ بھول گئے ہیں)۔

فصل ششم در بیان اشراک فی العادت:

باید دانست کہ موحدان را عادت دیگر مے باشد و مشرکاں را دیگر۔ موحداں در نشستن و برخواستن و بر پہلو گردانیدن نام خدا بیاد مے آرند، یعنی یا اللہ، و یارب، و یا کریم، و امثال ایں الفاظ مے گویند۔ چنانکہ حکم است فاذکروااللّٰه قیاماً و قعوداً و علی جنوبکم (النساء) یاد آرید نام خدا در نشستن و برخواستن و بر پہلو ہائے خود۔

بعضے مردمان عکس ایں آیہ، یا پیر، یا خواجہ، یا علی میگویند۔ مومن را ازیں حذر واجب است وقول خود را موکد بضم کردن از عادی ضروری انسان است لائق سوگند۔ ہموں ذات پاک است کہ سوگند دلالت بر اعلی مرتبہ تعظیم و محبت و حاضر و ناظر بودن خدا مے کند۔ ایں معنی لائق بزرگان نیست۔

واطفال خود را بنامے مشہور نباید کرد کہ وردشرک لازم آید مثل عبدالرسول و بندہ علی و غلام غوث بروز قیامت رو بروئے آن شہنشاہ چوں ندا کردہ خواہید شد کہ بیارید بندہ علی صاحب ایں اسم چہ شرمساری ہا خواہد کشید و عزیزاں را وقت رخصت نباید گفت کہ بفلاں بزرگ سپردم بلکہ مثل ایں کلمہ برزبان آرند، کہ خدا یار تو باد، و بخدائے عزوجل بسپردم کہ حافظ و ناصر از اسمائے الٰہی است۔ وقتیکہ آب سرد بیا شامندہ یا غذائے لطیف خورند یا باوخوش وزود و یا بوئے حوش از گل وریحان بدماغ آید شکر خالق آن نعمت بجا باید آورد و باو دیگراں نماید کرد بے انصافی محض است کہ منعم حقیقی را کہ آں نعمت ہائے پیدا کردہ و بخشیدہ اوست فراموش کنیم و نام غیراللہ برزبان آریم

اے چہ نیکی ہا کہ با من کردۂ	با ہزاراں ناز ہا پروردۂ
آں لعین از نعمت محروم باد	کاں بیارد نام غیرت را بیاد

(جاننا چاہیے کہ موحدوں کی اور عادت اور مشرکوں کی اور عادت ہوا کرتی ہے۔ موحد اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے خدا کا نام لیا کرتے ہیں۔ یعنی یا خدا، یارب، یا کریم اور ان جیسے الفاظ کہتے ہیں جیسا کہ خدا نے حکم فرمایا ہے فاذکروا اللّٰه قیا ماً و قعوداً وعلی جنو بکم خدا تعالی کو اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں کے بل یاد کیا کرو۔

مگر بعض آدمی اس کے برعکس یا خواجہ، یا علی کہتے ہیں ۔ مومن کو ان باتوں سے پرہیز کرنا واجب ہے اور چونکہ انسان کی ضروری عادت ہے کہ وہ اپنے قول کو قسم کے ساتھ مؤکد کیا کرتا ہے تو قسم کے لائق وہی ذات پاک ہے، کیونکہ قسم کھانا خدا کے اعلیٰ مرتبہ اور تعظیم ومحبت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے پر دلالت کرتا ہے، یہ معنی بزرگوں کے لائق نہیں

اور اپنے بچوں کے نام ایسے نام سے مشہور نہ کرنا چاہیے جس سے شرک لازم آتا ہے، جیسے عبدالرسول، بندہ علی وغلام غوث وغیرہ ۔ قیامت کے دن جب اس شہنشاہ کے سامنے ندا کی جائے گی کہ بندہ علی کو حاضر کرو، تو اس وقت اس نام والے کو کیسی شرمندگی حاصل ہوگی ۔ اسی طرح اپنے عزیزوں کو رخصت کرنے کے وقت یوں نہ کہنا چاہیے کہ تمہیں فلاں بزرگ کو سونپا۔ بلکہ یہ کلمہ زبان پر لائے کہ خدا تیرا مددگار ہے اور تجھے خدا کو سونپا۔ وجہ یہ کہ حافظ و ناصر خدا کے ناموں میں سے دو نام ہیں۔علی ہذا القیاس ۔ جب ٹھنڈا پانی پئیں یا لطیف غذا کھائیں یا عمدہ ہوا چلے، یا گل وریحان کی خوشبو سے دماغ معطر ہو، تو ان نعمتوں کے پیدا کرنے والے کا شکر بجالانا چاہیے، نہ اس وقت اوروں کو یاد کرنا چاہیے ۔ بڑی بے انصافی کی بات ہے کہ حقیقی منعم کو جس نے یہ نعمتیں پیدا کر کے بخشی ہیں بھولتے اور اس کے غیر کا نام زبان پر لاتے ہیں ۔ اے وہ پاک ذات کہ کس قدر نیکیاں میرے ساتھ تونے کی ہیں ۔ ہزاروں ناز سے پالا ہے ۔ وہ مردود تیری نعمت سے محروم رہے جو غیر کا نام یاد کرتا ہے)۔

فصل ہفتم در بیان بت پرستی

باید فہمید کہ اگرچہ در لغت بت پرستی،صورت پرستی را گویند، اما در شرع معنی دیگر دارد یعنی تراشیدہء دست خود را پرستیدن، موقوف بر تصویر نیست، ندیدہ کہ نصاری تصویر حضرت عیسیٰؑ را از دست خود مے تراشند و پرستش مے کنند۔ پس اگر تصویر بزرگان بسازند و تعظیماتش بجا آرند ویا نقل تربت حضرت حسینؑ یا نشانی ...و نام بزرگاں منسوب کند، از اقسام بت پرستی باشد و نشان قدم بر سنگے منقش کردن و آن نقش قدم جناب رسالتمآب ﷺ قرار دادہ تعظیماتش بجا آوردن، برہمیں قیاس باید کرد۔ و از ہمیں اقسام باشد پرستش قبرہاء و آنحضرت ﷺ بر کسانے کہ چراغ بر قبور برند، لعنت فرمودہ است، و بناء مکانات بر قبور ساختن و خشت پختہ بستن و از...بیض سفید کردن و از کچ محکم ساختنش را منع فرمود۔ و موجبش ہمیں است کہ تزئین قبور باعث شرک مے

شود و اسراف مال است، آنچہ حضرت ﷺ، حضرت علیؓ کرم اللہ وجھہ را در باب قبور ارشاد فرمودہ اند با حادیث صحیحہ وارد است و بہمہ کس معلوم و مسلّم، احتیاج تصرتحش نیست۔ تعظیمات درختاں و مکانات سوائے مسجد بجا آوردن را نیز برہمیں قیاس نمائی۔ نشنیدہ ٔکہ بزیر درخت بیعت الرضوان شدہ بود عمرؓ را از بیخ برکند یدکہ مبادا تعظیماتش بجا آرند و بدریائے شرک مستغرق شوند واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

(جاننا چاہیے کہ اگر چہ بت پرستی لغت میں صورت پرستی کو کہتے ہیں لیکن شرع میں اس کے اور معنی ہیں۔ یعنی اپنے ہاتھ کی تراشی ہوئی چیز کو پوجنا۔ پس بت پرستی تصویر ہی پر موقوف نہیں ہے، دیکھئے نصاری، حضرت عیسیٰؑ کی تصویر ہاتھ سے گھڑ کر پرستش کرتے ہیں۔ پس اگر بزرگوں کی تصویریں بنا کر ان کی تعظیم بجالائیں یا حضرت امام حسین کی تربت کی نقل یا کوئی نشان بنا کر بزرگوں کی طرف منسوب کریں، یہ سب بت پرستی کی قسمیں ہیں۔ اور کسی پتھر پر قدم کا نشان منقش کرنا اور اسے جناب رسالت مآب ﷺ کا نقش قدم قرار دے کر اس کی تعظیم بجالانے کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اور انہیں قسموں میں قبروں کی پرستش بھی داخل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر مکان بنانے اور انہیں اینٹ سے پختہ کرنے اور چونے سے سفید کرنے اور گچ سے مضبوط کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبور کی زینت شرک کا باعث اور اسراف مال کی وجہ ہوتی ہے۔ حضرت ﷺ نے جو کچھ حضرت علیؓ سے فرمایا تھا وہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے اور سب لوگوں کو معلوم و مسلّم، اس کی تصریح کی چنداں ضرورت نہیں۔ نیز مسجد کے علاوہ درختوں اور مکانوں کی تعظیم بجالانے کو اسی پر قیاس کیجئے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ جب بیعت رضوان کا درخت زیارت گاہ ہوگیا، تو حضرت عمرؓ نے بایں وجہ اسے جڑ سے اکھاڑ ڈالا کہ مبادا لوگ اس کی تعظیم بجالائیں اور شرک کے دریا میں ڈوب جائیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب)۔ (دیکھئے حاشیہ نمبر ۱)

سید احمد شہید بریلویؒ

سید احمد رائے بریلی کے رہنے والے تھے اور ان کا خاندان صوفیاء کا خاندان تھا جس کے مورث اعلی شاہ علم اللہ کی خانقاہ تکیہ شاہ علم کے نام سے مشہور تھی ۔ان کے نانا شاہ ابوسعید، شاہ ولی اللہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ سید احمد بچپن میں یتیم ہو گئے تھے ۔رسمی علوم حاصل کئے بغیر تلاش روزگار میں لکھنو چلے گئے لیکن وہاں شیعیت، بدعات وغیرہ کا زور ہونے کے باعث وہاں کی فضا سے بددل ہوکر دہلی چلے گئے اور شاہ عبدالعزیز کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے اور سلوک و تصوف میں بلند مرتبہ ہو گئے ۔ پھر تلاش معاش میں نواب امیر علی خان کی فوج میں بھرتی ہو گئے لیکن جب نواب امیر علی خان کی پالیسیوں سے اختلاف ہوا تو فوج کی ملازمت چھوڑ کر ۱۸۱۶ء میں واپس دہلی چلے گئے جہاں شاہ اسماعیل اور مولوی عبدالحی بڈھانوی نے آپ سے بیعت کر لی۔(شاہ اسماعیل آپ سے ۸ سال اور مولوی عبدالحی ۱۰ سال بڑے تھے)۔

۱۸۱۸ء (۱۲۳۱ھ) میں آپ نے ۲۵ ساتھیوں کے ساتھ پہلا تبلیغی دورہ کیا۔ ہمراہیوں میں شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کے علاوہ شاہ ولی اللہ کے بھتیجے مولوی محمد یوسف، مولوی وجیہ الدین سہارنپوری، مولوی وحید الدین پھلتی، انکے بھائی حافظ قطب الدین پھلتی، حکیم مغیث الدین سہارنپوری، شاہ ابوسعید شامل تھے ۔آپ کا تبلیغی قافلہ غازی الدین نگر، مرادنگر، میرٹھ (دس روز قیام رہا)، بڑھانہ، پھلت (۱۷ روز رہے)، مظفرنگر، دیوبند (اس علاقے میں ایک ہفتہ سے زائد قیام رہا)، سہارن پور، گڈھ مکیٹسر، رام پور، بریلی، شاہ جہان پور گیا۔اس دورے پر چار ماہ صرف ہوئے اور قافلے کی تعداد ۲۵ سے بڑھ کر ۵۰ ہوگئی۔ پھر رائے بریلی میں چند ماہ قیام کیا جہاں مزید لوگ قافلے میں شامل ہوئے اور تعداد ۱۷۰ تک پہنچ گئی ۔ وہاں سے الہ آباد کا رخ کیا اور راستے میں جگہ جگہ قیام کرتے ہوئے (چار دن کا سفر ایک ماہ میں طے کر کے) الہ آباد پہنچے ۔ پھر وہاں سے کانپور، بنارس، سلطان پور ہوتے ہوئے پھر وطن آ گئے اور رائے بریلی میں دو ہفتے قیام کر کے لکھنو تشریف لے گئے ۔لکھنو میں تقریباً تین ماہ قیام رہا۔ اس دورے میں آپ نے سماجی اصلاح اور رد شرک اور بدعات کی تردید کا خوب کام کیا۔ جہاں گئے وہاں عموماً اپنے بعد کے لئے کسی کو نائب مقرر کر جاتے

پھر شاہ عبدالعزیز کے پاس چند روز قیام کیا اور شعبان ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) رائے بریلی

کے قصد سے روانہ ہوئے ۔مئی جون کا موسم تھا۔ رام پور میں نواب احمد علی والی رام پور نے بھی بیعت کی ۔ رائے بریلی میں چار ماہ قیام رہا۔ جناب عبدالحی بڈھانوی کے مسلسل وعظوں سے بدعات اور بداعمالیوں کی بہت اصلاح ہوئی ۔

لکھنو میں اکبری درواز کے قریب میر مسکین کی حویلی میں فرمایا لیکن چونکہ یہ جگہ پونے دوسو اہل قافلہ کے لئے تنگ ثابت ہوئی اس لئے دریائے گومتی کے کنارے ٹیلے والی مسجد کے قریب شیخ امام بخش سوداگر کی حویلی میں منتقل ہوگئے ۔ مرزا حسن علی بیگ محدث نے بھی ملاقات کی شہر کے تقریباً تمام علما مشائخ آپ سے بیعت ہوئے ..مساجد میں تقاریر ہوتی رہیں لیکن بعض لوگوں نے لکھنو میں شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کی اور آپ وہاں سے چلے آئے ۔

سید احمد بریلوی نے گمراہ صوفیا پر سخت تنقید کی اور تصوف کو شریعت کے سانچے میں ڈھال کر اور جادہ عمل کی شکل میں پیش کیا ۔شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی نے (سید احمد بریلوی کے ملفوظات پر مبنی) صراط مستقیم نام کی کتاب لکھی جس میں اس دور کے روحانی امراض اور ان کے اصلاحی پروگرام کی تفصیلات ہیں ۔اس میں اعلان کیا گیا کہ:

تمام رسوم ہند وسند و فارس و روم مرکہ خلاف محمد عربی باشد یا زیادتی از طریقہ صحابہ شود ترک می نماید و انکار وکراہت براں اظہار کند (صراط مستقیم کتب خانہ اشرفیہ دیوبند صفحہ ۱۲) ۔

اس کتاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ابتدائی دور کے ہندوستانی مسلمانوں کی جن خرابیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اس طرح ہیں :

۱۔شرع کی مخالفت اور کلام ملحدانہ اور اشغال قبیحہ شرک آمیز کی اشاعت ۔ ۲۔ خدا اور رسول کے متعلق کلمات بے ادبانہ کا صدور ۔۳۔مسئلہ تقدیر میں غیر ضروری قیل وقال اور بحث و جدال کا اظہار

سید احمد اور ان کے احباب نے اس معاملہ میں توازن اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور واضح کیا کہ خدا کی ہستی اور اس کی قدرت ایسے مسائل ہیں کہ ان میں منطق اور دلائل کی مدد سے انسان کسی یقینی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا اور ان مسائل پر ایمان بالغیب ہی عقل وسمجھ کا راستہ ہے ۔انہوں نے اس کی بجائے آیات الٰہی خدا کی مخلوق اور کائنات کے ٹھوس حقائق پر غور وخوض اور تلاش وتحقیق کرنے کا مشورہ دیا۔ان حضرات نے مرشد کی تعظیم میں مبالغہ، قبروں پر سجدہ کرنے، اور مرادیں مانگنے، اور فضول خرچی ونذر ونیاز سے روکا ۔شادی بیاہ اور ختنہ کے موقع پر دھوم دھام اور فضول

رسموں کی ملامت کی۔ انہوں نے خانقاہیت اور گوشہ گیری کے بجائے مجاہدہ اور اجتماعی صلاح و فلاح کیلئے احباب کو تیار کیا۔ اودھ کے علاقوں میں انکی اس قدر مقبولیت بڑھ گئی کہ جہاں جاتے سینکڑوں لوگ ان کے ہمراہ ہوتے۔ اودھ کے امراء اور سجادہ نشینوں نے ان کی پذیرائی کی۔ صاحب مخزن احمدی نے لکھا ہے کہ غازی الدین حیدر کے نائب السلطت آغا میر نے ان کو لکھنو مدعو کیا اور یہ التماس کیا :

> آپ کے وعظ و تزکیہ کی شہرت زمانے بھر میں پھیل چکی ہے۔ اگر لکھنو کو عموماً اور مجھ مشتاق و طلبگار کو خصوصاً تشریف آوری سے نوازیں تو یہ امر رشتہ برداری و مروت و عالی حوصلگی سے خالی نہ ہوگا۔

معتمد الدولہ کے اس خط سے سید احمد کی اودھ میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مورخین رقم طراز ہیں کہ نواب اودھ کی فوج میں بلند عہدوں پر فائز افراد بھی ان کے حلقہ عقیدت میں شامل تھے۔ مثلاً فقیر محمد خان رسالدار، عبدالباقی خان قندھاری۔ سید صاحب نے لکھنو میں ڈھائی ماہ قیام کیا اسوقت کا لکھنو اپنی رنگین مزاجی تو ہم پرستی اور لہو ولعب کے نقطہ عروج کا ہے مگر سید صاحب کی کاوش نے بہت سے لوگوں کے اندر معاشرہ کی عام روش سے کٹ کر اپنی عملی زندگی کی اصلاح کا جذبہ پیدا کر دیا۔ (لکھنو کے شعروادب کا معاشرتی وثقافتی پس منظر۔ص ۱۲۳)

سید احمدؒ کے دوسرے تبلیغی دورے کا آغاز شوال ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۱ء) تکیہ شاہ علم اللہ سے ہوا۔ ساتھیوں کی تعداد چار سو تھی۔ اس دور میں کچھ علماء نے فریضہ حج کی معافی کا فتوی دے رکھا تھا کہ پرتگیزوں کی بحری قزاقیوں کے باعث سفر مخدوش ہے۔ اس دورے کا مقصد اس غلط عقیدے کی اصلاح بھی تھا۔ (آپ ڈلمئو اور الہ ہوتے ہوئے ایک ماہ ۲۶ روز میں بنارس پہنچے۔ ۱۰ محرم ۱۲۳۶ھ کو بنارس سے دریا کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ زمانیہ ضلع غازی پور، غازی پور، بارہ، بکسر، بلیا، چھپرا ہوتے ہوئے دانا پور پہنچے جہاں ایک ہفتہ قیام کیا۔ دانا پور سے دریائی سفر کر کے پٹنہ پہنچے۔ اس شہر میں دو ہفتہ قیام رہا۔ بہت لوگ مستفید ہوئے۔ پھر باڑھ، مونگیر، بھاگل پور قیام کرتے ہوئے مرشد آباد پہنچے۔ پھر ہگلی میں لنگر انداز ہوئے، جہاں ایک ہفتہ قیام رہا۔ پھر کلکتہ پہنچے جہاں دو ماہ قیام رہا۔ یہاں بنگال کے دور دراز کے آدمیوں نے حاضر ہوکر فیض حاصل کیا۔

ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ میں کلکتہ سے حج کیلئے روانہ ہوئے۔ ۲۸ شعبان ۱۲۳۷ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ اور پھر مکہ سے ہوکر ۱۵ شوال ۱۲۳۸ھ کو مکہ سے واپس روانہ ہوئے اور ۱۲۳۹ھ

کے شروع میں بمبئی پہنچے ۔ بمبئی میں ۱۸ روز قیام رہا۔ کثیر تعداد میں لوگوں نے بیعت کی۔ پھر بحری راستہ سے کلکتہ آئے جہاں ایک ماہ قیام کر کے رائے بریلی کو چل پڑے ۔ اور دو سال دس ماہ بعد ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ ۔ ۲۹ ۔ اپریل ۱۸۲۴ء کو وطن پہنچے۔

جناب علی میاں ندوی نے لکھا ہے:

بعض ایسے اسلامی احکام جو اس وقت معاشرت و رواج کے زور سے قطعاً منسوخ ہو گئے تھے اور جن کے دوبارہ رائج ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں تھی آپ (سید احمد) کی ہمت اور کوشش سے دوبارہ رائج اور مقبول ہوئے ۔ بیوہ کا نکاح ثانی شرفاء وقت کی شریعت میں کفر و ارتداد سے بڑھ کر تھا۔ جس کی سزا اکثر قتل اور ادنی سزا مقاطعہ واخراج تھی ۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تلواریں کھنچ گئی ہیں کشت وخون کی نوبت آ گئی ہے۔ بارہا گھر چھوڑ کر جان بچانی پڑی ہے اور اس جرم کا مرتکب کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا ہے ۔ سید صاحب نے اس پر مسلسل وعظ فرمائے اور پھر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اس کا دروازہ کھول دیا اور پھر آپ کے متبعین نے آپ کی پیروی کی اور نکاح بیوگان کی رسم جاری ہوگئی ۔

اسی طرح حج علماء کی تاویلوں سے اس فقہی عذر کی بنا پر کہ راستے میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی اور من استطاع الیہ سبیلاً کے منافی ہے، اس لئے فرض نہیں ہے ۔ اور اس حالت میں حج کرنا فرمان خداوندی لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ کی مخالفت ہے ۔ کچھ وقت کیلئے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہو گیا تھا اور ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا تھا .مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل نے اس کی فرضیت کا فتوی دیا اور منکرین کے دلائل رد کئے جس کی وجہ سے علماء میں کافی ہنگامہ پیدا ہوا ۔ لوگوں نے شاہ عبد العزیز سے دریافت کیا۔ شاہ صاحب نے شیخین سے اتفاق کیا اور ان کی بے حد مدح فرمائی ۔ ۱۲۳۶ھ میں آپ نے سینکڑوں آدمیوں کے قافلے کے ساتھ بڑے اعلان اور شان وشوکت کے ساتھ حج کیا آپ کا یہ سفر، حج کی بہت بڑی تبلیغ اور اس کی فرضیت کا اعلان تھا۔ آپ جدھر جاتے تھے سینکڑوں آدمی آپ کے ہمراہ ہو جاتے تھے ۔ اس سے لوگوں میں حج کا عام شوق پیدا ہو گیا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھل گیا۔ (سیرت سید احمد شہید ۔ حصہ دوم ص ۵۴۰ ۔ ۵۴۱)

سید احمد اور ان کے جانشینوں کا سب سے اہل اور نتیجہ خیز کام بنگال میں احیائے اسلام اور اس وسیع مملکت کا برصغیر کے اصل اسلامی مرکزوں سے دوبارہ رشتہ جوڑنا تھا۔...آمد و رفت کی شدید مشکلات، ہندو زمین داروں کا اثر م چیتنیہ کی وسیع ویشنو تحریک کی کامیابی اور نئے ہندوانہ بنگالی ادب کی وجہ سے یہ علاقہ شمالی ہندوستان کے اسلامی مرکزوں سے الگ تھلگ ہو گیا اور مسلمانوں پر ہندوانہ اثرات غالب آنے شروع ہوئے۔

انیسویں صدی میں اسلامی بنگال کی روحانی علیحدگی کا خاتمہ ہوا اور ہندوانہ اثرات کا جادو ٹوٹا۔ اس کا ایک سبب کلکتہ کا انگریزی دارالحکومت اور شمالی ہندوستان کی سمندری بندرگاہ ہو جانا تھا، لیکن اصل وجہ نئی اسلامی تحریکیں تھیں، جن میں سے سب سے بارآور کوششیں سید احمد کے معتقدین کی تھیں۔ ان میں سے پہلی (فرائضی) تحریک خالص مقامی نوعیت کی تھی۔ اس کا آغاز حاجی شریعت اللہ نے کیا۔ وہ بنگال کے ضلع فرید پور میں ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد (۱۸۰۲ء کے قریب) مکہ معظّمہ چلے گئے اور کوئی بیس سال بعد واپس آئے۔ ان کے قیام حجاز کے دوران میں وہابی ایک زمانے میں حرمین پر قابض ہو گئے اور حاجی صاحب کو نجد کی اس اصلاحی تحریک سے باخبر ہونے کا موقع ملا۔ واپسی پر آپ نے دینی اصلاح اور ارشاد و ہدائت کا بیڑہ اٹھایا۔ ہندوانہ رسموں کی مخالفت کی۔ فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے توبہ پر زور دیا جس کی وجہ سے ان کی تحریک کو فرائضی تحریک (اور ان کے پیروؤں کو توبار بھی) کہتے ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حاجی محمد محسن (عرف دودھو میاں) نے تحریک کو زیادہ منظّم کیا۔ وہ ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حج کو گئے اور والد کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ مشرقی بنگال کے مختلف حلقے بنائے۔ ان میں اپنے خلفاء نامزد کئے اور ہندو زمین دار جو مشرکانہ ٹیکس مسلمان مزارعوں سے وصول کرتے تھے (مثلاً درگا پوجا کے موقع پر) ان کے خلاف مسلمانوں کو منظّم کیا۔ ہندو زمینداروں نے بھی ان کے خلاف جھوٹے سچے مقدمات دائر کئے اور انہیں کئی دفعہ جیل جانا پڑا۔ ان کی وفات ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔

حاجی محمد محسن کی مساعی سے تحریک کا دائرہ وسیع ہو گیا، لیکن ان کے زمانے میں کئی الجھنیں بھی پڑیں اور فرائضی جماعت سے عام مسلمانوں کے اختلافات بڑھ گئے، زیادہ اختلاف جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے متعلق تھا۔ فرائضی کہتے تھے کہ ہندوستان دارالحرب ہو گیا ہے اس لئے یہاں نماز جمعہ جائز نہیں۔ عام مسلمان جمعہ اور عیدین پڑھتے تھے۔ اس اختلاف نے بسا اوقات ہنگاموں اور فسادات کی صورت اختیار کر لی۔ فرائضیوں نے عام مسجدوں کو چھوڑ کر اپنے جماعت گھر

قائم کئے اور دونوں جماعتوں میں کثرت سے تلخ مباحثے ہوئے۔

فرائضی تحریک نے فرید پور ڈھا کہ باریسال کی مذہبی زندگی میں ایک نئی حرکت پیدا کر دی۔لیکن اس تحریک کا ایک خاص مقامی رنگ تھا۔اس نقص کی تلافی سید صاحب کی تحریک نے کی اور صرف چند اضلاع نہیں بلکہ تمام اسلامی بنگال کو متاثر کیا، بنگالے کی طرف سید صاحب کی خاص نگہ التفات تھی۔ان کے ایک مرید، ضلع نواکھالی کے مولوی امام الدین تھے، وہ شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔قیام لکھنو کے دوران میں سید صاحب سے بیعت کی اور پھر واقعہ بالاکوٹ تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔سید احمد کے بنگالے سے تعلقات ۱۸۲۴ء میں زیادہ استوار ہوگئے۔جب وہ تین چار مہینے کلکتے میں مقیم رہے اور مشرقی بنگال کے اہل درد مسلمان ان سے آکر ملے۔انہوں نے اپنی مذہبی اور معاشرتی زبوں حالی بیان کر کے سید احمد سے درخواست کی کہ وہ اس علاقے میں تشریف لے جائیں۔لیکن انہوں نے جواب دیا کہ یہ ملک بہت وسیع ہے۔اگر برس دو برس ہمارا رہنا ہوتا تو ہم تمہارے ملک کا دورہ کرتے۔اب جہاز کھلنے کا زمانہ قریب آیا۔اب زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوسکتا۔ لیکن آپ نے اپنے دو منتخب بنگالی خلفاء مولوی امام الدین اور صوفی نور محمد کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ بنگالی مسلمانوں کی دینی تعلیم کا انتظام کریں (سیرت سید احمد شہید۔علی میاں۔ص ۲۹۳)۔

حج کے بعد سید احمد جہاد میں مشغول رہے۔اس دوران میں بھی بنگال کی طرف ان کی توجہ رہی اور انہوں نے مولوی عنائت علی عظیم آبادی کو چند آدمیوں کے ساتھ کارزار جہاد سے بنگال کی طرف روانہ کیا۔چنانچہ انہوں نے کئی سال نہائت محنت اور جانفشانی سے ارشاد و ہدائت اور تنظیم مساجد کا سلسلہ جاری رکھا۔مولوی عنائت علی کا دائرہ عمل مرکزی بنگال کے اضلاع مالدہ، راجشاہی، جسور وغیرہ تھے۔مشرقی بنگال میں سید صاحب کے جن مریدوں نے معرکے کا کام کیا۔وہ نواکھالی کے مولوی امام الدین اور چٹاگانگ کے صوفی نور محمد تھے۔صوفی صاحب ۱۸۲۴ء میں سید صاحب کے قیام کلکتہ کے دوران میں ان کے مرید ہوئے۔جہاد میں شریک ہوئے۔پھر واپس آکر چٹاگانگ میں ارشاد و ہدائت میں مشغول ہوئے۔۱۸۵۸ء میں وفات پائی۔..

حاجی شریعت اللہ حاجی محمد محسن مولوی کرامت علی جون پوری صوفی نور محمد چاٹگامی کے علاوہ اور متعدد اہل ہمت ہوں گے جنہوں نے اس احیائی اور اصلاحی تحریک میں حصہ لیا۔اور بنگال کا نقشہ بدل دیا۔ (موج کوثر۔ص ۵۷۔۶۱)۔

سید احمد بریلوی بقول مسعود عالم ندوی اپنے آپ کو حنفی مع الترجیح بالحدیث الصحیح کہا

کرتے تھے اور تحریک کا عام رجحان شاہ اسماعیل کی وجہ سے کھلی سلفیت اور صریح اہل حدیثیت کا تھا ۔ ولائت علی، عنائت علی ،اساطین ستھانہ، نواب اولاد حسن قنوجی ،مولوی محمد علی رامپوری، مولوی حیدر علی رامپوری، مولوی عبدالحق نیوتنوی بنارسی، سب اہل حدیث تھے اور سید احمد شہید کے دونوں فاضل خواہرزادے مولانا سید عرفان اور مولانا سید مصطفیٰ بھی صریح قسم کے اہل حدیث تھے۔ اس کے بعد اس خاندان میں مولانا سید محمد طلحہ ٹونکی اور مولانا سید ابوالخیر برق حسنی بھی خالص اہل حدیث تھے ۔ مگر حکیم عبدلحی لکھنوی کی تربیت صوفیا اور مقلدین کے ذریعہ ہوئی اور فرنگی محل کے اثرات انہوں نے قبول کئے ۔ انہوں نے قاری عبدالرحمٰن پانی پتی جو سید نذیر حسین کو خارجی ،رافضی اور اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اپنا امام وممدوح بنایا۔ پھر اس خاندان کی منہج سلف سے دوری میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی ۔ (ماہنامہ التوعیہ۔ دہلی۔ اگست ۱۹۸۹ء)

شاہ محمد اسماعیل شہید

جناب غلام رسول مہر کی تحقیق کے مطابق شاہ اسماعیل ۱۲ ربیع الاول ۱۱۹۳ھ (۲۹۔ اپریل ۱۷۷۹ء) کو اپنی ننھیال پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد شاہ عبدالغنی ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ (۱۲۔ اپریل ۱۷۸۹ء) کو فوت ہو گئے تو شاہ عبدالقادر نے آپ کو اپنے دامن تربیت میں لے لیا اور بقول سرسید ، بجائے فرزندوں کے پرورش کیا ۔ شاہ عبدالقادر کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا عقد شاہ رفیع الدین کے فرزند عبدالرحمٰن عرف مصطفیٰ سے ہوا تھا۔ ان کے ہاں بھی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام کلثوم تھا۔ شاہ عبدالقادر نے کلثوم کا نکاح شاہ اسماعیل سے کیا۔ اس طرح شاہ اسماعیل ،شاہ عبدالقادر کے حقیقی بھتیجے ،اوران کی نواسی کے خاوند تھے۔

آپ نے شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز سے پڑھا۔ فہیم وذکی تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں رسمی تعلیم سے فارغ ہو گئے ۔ معقول کی بیشتر کتابوں پر حاشئے لکھے۔ ایک رسالہ منطق میں لکھا۔ اس میں شکل اول کے بعید الطبائع اور شکل رابع کے ابدہ البدیہات ہونے کا دعوی کیا۔ سرسید احمد کے بقول اس کے دلائل کی قوت ارسطو کو بھی معرض حیرت میں ڈال دیتی ..سہ شنبہ اور جمعہ کو شاہی مسجد میں وعظ فرماتے اور نماز جمعہ کے لئے ایسی کثرت ہونے لگی جیسے عید گاہ میں نماز عیدین کے لئے ہوا کرتی تھی ... (تقاریر کے اثر سے) مسلمانوں کا آئینہ باطن مصفا اور مجلی ہو گیا اور وہ

راہ حق میں اس طرح سرگرم ہوئے کہ ہر شخص بے اختیار چاہنے لگا کہ اس کا سر فی سبیل اللہ فدا ہو اور اس کی جان دین محمدی کے کام آئے۔ (آثار الصنادید بحوالہ تاریخ و سیاست، و حیات ولی ص ۴۵۸۔ منقول از جماعت مجاہدین۔ ص ۱۱۹)۔

شاہ اسماعیل، بلی ماراں کی مسجد میں بھی وعظ کہتے تھے، چونکہ مولوی فضل حق کو ان سے تعصب تھا، اور وہ سر رشتہ دار محکمہ فوجداری میں تھے، اس واسطے انہوں نے کوتوال کو وعظ سے روکنے کے واسطے بھیجا۔ کوتوال شاہ صاحب کے وعظ سے ایسا متاثر تھا کہ روتا ہوا شاہ صاحب کے سامنے آیا اور کہا کہ میری کیا طاقت جو وعظ سے منع کروں لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ یہ حکم دیتے ہیں، میں مجبور ہوں۔ یہاں سے نکل کر آپ بیان فرمائیں تو مناسب ہے۔ (دہلی اور اس کے اطراف۔ ص ۳۷)

تصانیف میں منصب امامت؛ عبقات؛ تقویت الایمان؛ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین؛ اصول فقہ؛ منطق میں ایک رسالہ؛ صراط مستقیم کا کچھ حصہ؛ اور یک روزی شامل ہیں۔ نیز سید صاحب کے مکاتب کا بڑا حصہ بھی انہیں کا لکھوایا ہوا ہے۔ کچھ منظومات بھی ان سے منسوب ہیں۔ آپ ایک نغز گو شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ مثلاً مثنوی سلک نور، اردو (اس میں حمد و نعت کے بعد تقویۃ الایمان ہی کی توحید کی تشریح فرمائی ہے۔ کہتے ہیں

نبی البرایا رسول کریم نبوت کے دریا کا در یتیم

حبیب خدا سید المرسلین شفیع الوریٰ ہادی راہ دین

محمد ہے نام اس کا احمد لقب بیاں ہو سکے منقبت اس کی کب)

رسالہ بے نمازاں؛ مثنوی سلک نور فارسی (۳۰ اشعار کی اس مثنوی میں توحید و سنت کی تبلیغ و ترغیب ہے۔ قادر الکلامی کا مظہر)؛ قصیدہ نعتیہ فارسی (رسول اکرم ﷺ کی مدح میں عمدہ اشعار کا قصیدہ قدرے مشکل بحر میں ہے ہزار حمد برب حکیم صاحب جود ظہور کرد کمالش ز جزر ہر موجود)؛ قصیدہ در مدح سید احمد۔

نیز آپ کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ہے جسے یہاں نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ (اس وقت ایضاح الحق کے دو نسخے زیر نظر ہیں۔ پہلا نسخہ ۱۳۰۱ھ کا مطبوعہ ہے اور فارسی سے اردو ترجمہ جناب عبدالکریم نے کیا ہے، دوسرا نسخہ محررہ ۱۳۵۶ھ امداد الفتاح فی توضیح الایضاح کے نام سے کتبخانہ اشرفیہ دہلی نے شائع کیا تھا اور مترجم جناب عبداللطیف سونی پتی ہیں)

(یاد رہے کہ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ حقیقت بدعت میں ایسی کوئی کتاب کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ تاہم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایضاح الحق شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف نہیں ہے، جیسا کہ

محمد حسین بٹالوی نے اپنے ایک مخالف کے خطاب میں کہتے ہیں: جن امور کو ایضاح الحق میں بدعت کہا گیا ہے وہ اکثر صراط مستقیم میں تسلیم کئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے تمہارے گروہ (احناف) کے ایک نامی فاضل مولوی کرامت علی جونپوری نے رسالہ اطمینان القلوب میں صاف کہدیا ہے کہ ایضاح الحق مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تالیف نہیں کسی اور لامذہب اور وہابی اسماعیل کی تالیف ہے ....(ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۷۔ ص ۹۷)۔ اور جواب میں بٹالوی مرحوم لکھتے ہیں:

جن امور کو ایضاح الحق میں بدعت کہا ہے ان امور کی صراط مستقیم میں بھی تعلیم نہیں ہوئی۔ یہ جناب کی خوش فہمی ہے کہ آپ نے تعلیمات صراط مستقیم کو تحقیقات ایضاح الحق کے مخالف سمجھ لیا ہے۔ صراط مستقیم کی تعلیمات کو ایضاح الحق میں حکم بدعت حقیقہ یا حکمیہ سے مستثنیٰ کیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ بعض اخص خواص ان امور کو (جن کو ایضاح الحق میں بدعت کہا گیا ہے) بطور معالجہ کے کرتے ہیں اور دین نہیں سمجھتے اور نہ امور دینیہ کی طرح اس کا التزام رکھتے ہیں، ان کے حق میں وہ امور بدعت نہیں ہیں۔ ..اور مولوی کرامت علی جونپوری کا ان تعلیمات صراط مستقیم کو تحقیقات ایضاح الحق کے مخالف سمجھنا اور بناء علیہ ایضاح الحق کو کسی اسماعیل وہابی کی تصنیف قرار دینا بھی اسی نافہمی پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بناء اس دلی عداوت پر بھی ہے جو مولوی کرامت علی کو گروہ اہل حدیث سے تھی اس کا ثبوت ان کی اس تقریر میں موجود ہے جو مجلس مذاکرہ علمیہ کلکتہ واقع ۲۸ شعبان ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۸۷۰ء میں ان کی زبان سے سرزد ہوئی ہے اور وہ رسالہ ششمی ماہانہ سال ہشتم مجلس مذکور میں مندرج ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ آپ اس تقریر میں گورنمنٹ انگلشیہ کی بغاوت سے اپنے گروہ حنفیہ کو بری کرتے ہیں اور ..فرماتے ہیں: اور کم بخت وہابیوں کا حال یہ ہے کہ ان کو اصلاً اپنے دین وایمان کا پاس ولحاظ بھی نہیں ہے۔ صرف بطمع نفسانی انہوں نے یہ سارا مکر پھیلا رکھا ہے۔ اور دین کے پردہ میں دنیا حاصل کیا چاہتے ہیں، پھر ان کو کفر اسلام سے کیا مطلب؟ اگر آج یہاں کوئی بادشاہ اسلام ہوتا تو اس سے بھی بے تکلف یہ قوم لڑنے اور جہاد کرنے پر مستعد ہو جاتی فلا رحم اللّٰہ علی اصولھم و فروعھم۔ ان الفاظ میں جناب کرامت علی نے کوئی دقیقہ اہلحدیث سے عداوت کا فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے ان کے اصول وفروع کو رحمت الٰہی سے محروم کر دیا۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ ج ۷ ص ۱۱۴)۔ اور ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین کھورہ ضلع ساگر نے لکھا ہے:

ہم نے ثقات سے سنا ہے کہ ان (مولوی کرامت علی) کو حدیث اور عاملان حدیث سے اس قدر دشمنی تھی کہ آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے والوں کو مسجد سے نکلوا دیتے تھے (اشاعۃ السنہ۔ جلد ۷۔ ص ۱۵۲)

ایضاح الحقّ الصّریح
فی احکام المیّت والضّریح

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔الحمد للّٰہ الّذی یحی و یمیت و ھو علی کلّ شیءٍ قدیر۔ والصّلوۃ و السّلام علی اکر م الخلق محمدن البشیر النّذیر الّذ ی بعثہ اللّٰہ الی النّاس کا فّۃً و سمّاہ بالسّرا ج المنیر وعلی آلہ واصحابہ الّذین فازو بنصرۃ الدّین و خبۃ المشرکین بلسان المناظرۃ و سیف التدمیر۔

اما بعد : مخفی نما ند کہ دریں جز و زمان شورش اہل بدعت وطغیان بحدّ ے رسیدہ کہ در اکثر عبادات و عادات ومعاشرت ومعاملات سنت سنیّہ جناب افضل البریّا ت علیہ افضل الصلوۃ والتسلیمات بانواع بدعات ومنکرات مخلوط گر دیدہ ہر چند ایں خلط قبیح در اکثر عبادات و عادات راہ یافتہ ۔ اما در رسوم متعلقہ باموات انواع شرک و بدعات بوجہے متراکم گر دیدہ کہ از سنتِ سنیّہ بجز نامے باقی نماندہ بنا بریں فضائل مآب، کمالات اکتساب ،سلالہ خاندانِ ارباب معقول ومنقول، نقادہ دودمانِ افاضل فحول، مشفقی مکرمی مولوی تفضّل علی صاحب را خواہش تمیز فیما بین السنۃ و البدعۃ در رسوم مذکور بہم رسید، بناءعلیہ از بندہ ضعیف الراجی رحمۃ اللہ الجلیل احقر العباد محمد اسماعیل عفی عنہ استفسار ایں معنی فرمودہ۔

پس بندہ ضعیف اجوبہ مسائل مستفسرہ را درضمن چند اوراق مفصل و مدلل گردانیدہ ، آن را بایضاح الحق الصریح فی احکام المیت و الضریح مسمے نمودہ وآن را بر یک مقدمہ و دو باب و یک خاتمہ مرتب ساخت۔ و ما توفیقی الاّ باللّٰہ ھو حسبی و نعم الوکیل

مقدمہ۔ در بیان حقیقت بدعت وحکم آں، وآن بر دو فصل ست:
فصل اول در بیان حقیقتِ بدعت

باید دانست کہ لفظ بدعت کہ در حدیث شریف مستعمل گردیدہ ،معنی آن ہم از حدیث شریف تحقیق باید کرد زیرا کہ مثل مشہور است تصنیف را مصنف نیکو کند بیان ۔ پس میگوئیم کہ امام احمدؒ و ابو داؤدؒ و

ترمذیؒ وابن ماجہؒ ازعرباضؓ بن ساریہ نقل کردہ اند:

قال صلّی بنا رسول اللّٰہ ﷺ ذا ت یوم، ثم اقبل علینا بوجھه فوعظنا موعظةً بلیغةً ذرفت منھا العیون وجلت منھا القلوب فقال ر جل یا رسول اللّٰہ کان ھذه موعظة مودعٍ فاوصینا فقال اوصیکم بتقوی اللّٰہ و السّمع و الطّاعة وان کان عبداً حبشیاً فانّه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الرّا شدین المھدیّین تمسّکوا بھا وعضّوا علیھا بالنوا جذ وایّا کم و محد ثا ت ا لامور فانّ کلّ محد ثهٍ بدعٰ و کلّ بدعة ضلا لة ۔

بخاری و مسلم ازحضرت عائشہ نقل کردہ اند:

قالت قال رسول اللہ ﷺ من ا حدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو ردّ ۔

و نیز بخاری و مسلم از انسؓ بن ما لک نقل کردہ اند

قال جاء ثلاثة رھطٍ الی بیو ت ازوا ج النّبیّ ﷺ یسئلون عن عبادة النّبیّ ﷺ فلما ا خبروا کانھم تقالوھا فقا لوا و این نحن من النّبیّ ﷺ قد غفر له ما تقدم من ذنبه و ما تأخّر فقال احدھم امّا انا فانی اصلّی ا للّیل ابداً و قال الآ خر انا ا صوم الد ھر ابداً ولا افطر وقال ا لآخر انا اعتزل النّساء فلا ا تزوج ابداً فجاء النّبیّ ﷺ الیھم فقال انتم الّذین قلتم کذا وکذا اما واللّٰہ انّی لاخشاکم للّٰہ و اتقاکم له لکنّی اصوم و افطر واصلّی و ارقد و اتزوج النّسا ء فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی ۔ بخاری نمبر ۵۰۶۳

ہر چندا حادیث مرویہ دریں باب کثیر اند اما بریں احادیث ثلا ثہ درایں مقام اکتفا کردہ شد تا احادیث دیگر را برآں قیاس تواں کرد۔ پس باید دانست کہ از احادیث ثلا ثہ مرقو مہ چناں مستفاد گردیدہ کہ بدعت بردو وجہ می باشد

اول آنکہ خود آں چیز فی نفسہ محدث باشد وآں مفاد حدیث اول است ۔

دوم ۔ آنکہ درامر ماثور چیزے ازکمی وبیشی ماہیات جدیدہ احداث کردہ باشد

بالجملہ امر ماثورہ را بروجہی ادا نمایند کہ براں وجہ ماثور نیست وآن مفاد حدیثین آخرین است ۔

پس اول را بدعت اصلیہ میگویم وثانی را بدعت وصفیہ ۔ پس مفہوم ایں ہر دوقسم را در بحث ایضاح باید کرد

بحث اول در تحقیق مفہوم بدعت اصلیہ،

باید دانست کہ تحقیق بدعت اصلیہ موقوف است بر تحقیق مفہوم دوکلمہ از حدیث مسطور اول، مفہوم کلمہ محدثات و ثانی مفہوم کلمہ امور۔ اما تحقیق مفہوم کلمہ اولی پس باید دانست کہ لفظ احداث مستعمل میشود بر استخراج چیزے جدید ومتبادر ازاں درعرف آنست کہ خود آن چیز در زمان سابق موجود نہ باشد و نہ نظیر آں، مثلاً دوختن قبائے نو وپختن نان تازہ وساختن شمشیر جدید را اہل عرف احداث لباس جدید وطعام جدید وسلاح جدید نمی گویند پس گویا کہ وجود نظیر شئے در زمان سابق در حکم وجود نفس آن شئے است۔ پس اگر چہ نفس شیء جدید در زمان سابق حقیقۃً موجود نہ بود اما حکماً موجود بود نظیر خود، پس محدث ہمان چیز است کہ در زمان سابق نہ حقیقۃً موجود باشد ونہ حکماً، زیرا کہ آن چہ در زمان سابق خود موجود باشد آں را ازقبیل سنت حقیقیہ باید شمرد وآنچہ نظیر او درآن زمان موجود باشد آنرا ازقبیل سنت حکمیہ، ودلیل برآں آنست کہ قیاس در احکام مشروع ست بحکم کریمہ فاعتبروا یا اولی الابصار،

واحداث ممنوع بحکم احادیث مذکورہ۔ پس احداث غیر قیاس باشد ومراد از زمان سابق از ما نحن فیہ زمان برکت نشان جناب سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام وزمان خلفاء راشدین وصحابہ معظمین و تابعین رضوان اللہ علہم اجمعین ست۔ پس محدث ہماں چیز ست کہ درآن ازمنہ متبرکہ نہ خودش بوجود آمدہ باشد ونہ نظیر آن، زیرا کہ آنچہ خودش یا نظیر او در زمان آنجناب خود موجود باشد آن را ازقبیل سنت حکمیہ ودلیل بران آن ست کہ قیاس دراحکام مشروع ست بحکم فاعتبروا یا اولی الابصار۔

واحداث ممنوع بحکم احادیث مذکورہ، پس غیر قیاس شدہ ومراد او در زمان سابق ازما نحن فیہ زمان برکت نشان جناب سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام وزمان خلفاء راشدین وصحابہ معظمین وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین ست۔ پس محدث ہمان چیز است کہ درآن ازمنہ متبرکہ نہ خودش بوجود آمدہ باشد ونہ نظیر آں، زیرا کہ آنچہ خودش یا نظیر او در زمان آنجناب بوجود آمدہ باشد آن را سنت اصلیہ باید شمرد وآنچہ خودش یا نظیر او در زمان ثلاثہ بوجود آمدہ باشد ملحق بالسنہ ودلیل بریں آنست کہ ماممنوع ایم از اتباع محدثات بحکم ایاکم و محدثات الامور درحدیث مرقومۃ الصدر واقع گردیدہ۔ ماموریم باتباع امور مسطورہ بحکم علیکم بسنّتی و سنّۃ الخلفاء الرّاشدین المھد یین کہ در ہماں حدیث واقع گردیدہ وبحکم آنچہ ترمذی ازعبداللہ بن عمر روایت کردہ:

قال قال رسول اللہ ﷺ لیأتینّ علی امّتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو

النّعل بالنّعل حتّی ان کان منهم من اتی امّه علانیةً لکان فی امّتی من یّصنع ذلک و انّ بنی اسرا ئیل تفرّقوا علی ثنتین و سبعین فرقة و ستفترق امّتی علی ثلاث و سبعین ملّة کلّهم فی النّار الّا ملّة وا حدة، قالوا من هی یا رسول اللّه، قال ما انا علیه و اصحابی

و نیز محدثات الامور شرّ ست بحکم شرّ الامور محدثاتها کہ در حدیث مرقوم الصدر واقع گردیدہ و قرون ثلاثہ خیر اند بحکم آنچہ بخاری و مسلم از عمران بن حصین روایت کردہ اند:

قال قال رسول الله ﷺ خیر امّتی قرنی ثمّ الّذین یلونهم ثمّ الّذین یلونهم ثمّ ان بعدهم قوماً یشهدون ولا یستشهدون و یخونو ن ولا یؤ تمنون و ینذرون ولا یوفون و یظهر فیهم السّمن۔

پس محدثات غیر سنت اصلیہ و غیر ملحق بالسنہ باشد و مراد بوجود آن شیء یا نظیر او در زمان آنجناب آن است کہ آنجناب بآن عمل کردہ باشند یا امر فرمودہ باشند و یا کسے دیگر درآں زمان عمل کردہ باشند و آنجناب با وجود اطلاع برآن انکار نفرمودہ باشند و دلیل برآن آنست کہ ہمہ اہل اسلام اجماع دارند برینکہ ہر سہ اقسام مذکور در سنت مندرج سے و مراد از وجود آں چیز یا نظیر او در قرون ثلاثہ آنست کہ در قرنے از قرون مذکورہ بلا نکیر تعامل بآں جاری شدہ باشد و بے رد و قدح رواج یافتہ باشد نہ آنکہ کسی او را بطریق ندرت بعمل آوردہ باشد یا رد و انکار بر فاعلین آں اگر چہ جم غفیر باشند متوجہ شدہ باشد کہ امثال ایں امور اصلاً از محدثات خارج نیست و دلیل بریں آنست کہ مراد از کلمہ نادر حدیث ما انا علیہ واصحابی اخلاق و سیرت صحابہ بحکم آنچہ رزین از ابن مسعود روایت کردہ ست:

انّه قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فانّ الحیّ لا یؤمن علیه الفتنة و اولئک اصحاب محمد ﷺ کانوا افضل هذه الامّة و ابرّها قلوباً و اعمقها علماً و اقلّها تکلفاً اختارهم اللّه تعالی لصحبة نبیّه و لاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم و ابتغوهم علی اثرهم و تمسّکو بها ما استطعتم من اخلاقهم و سیرهم فا نهم کا نوا علی الهد ی المستقیم

و متبادر از لفظ سیرت کہ مضاف بقومی باشد ہمیں ست کہ آن سیرت در ایشاں مروج باشد نہ آنکہ کسی از ایشاں بطریق ندرت برآن سیرت باشد یا آنکہ طعن و ملامتِ ایشاں بر صاحب آن سیرت متوجہ باشد، مثلاً خوردنِ گوشتِ خام اہل عرف سیرت اہل ہند نمی گویند ہر چند بعضے از ایشاں بطریق ندرت خوردہ

باشند بخلاف اہل حبش کہ خوردن گوشت مذکور درایشاں مروج است، لہذا عادت مذکورہ درعرف از سیرت ایشاں شمردہ میشود، ونیز بحکم آنکہ لفظ اصحابی جمع مکسّر ست ومضاف بہ یائے متکلم کہ آن معرفہ است وجمع مکسّر مضاف بسوئے معرفہ مفید استغراق است بحکم آنچہ بخاری ومسلم از ابن مسعود درحدیث تعلیم تشہّد نقل کردہ اند کہ پیغمبر خدا ﷺ فرمود:

فانّہ اذا قال ای کلمۃ: عباد اللّٰہ الصّالحین، اصاب کلّ عبد صالح فی السّماء والارض۔

پس ازیں حدیث مستفاد گردیدہ کہ کلمہ عباد اللہ مفید استغراق است۔ پس کلمہ اصحابی ہم مفید استغراق باشد واستغراق حقیقی در مانحن فیہ بایں صورت متحقق خواہد شد کہ جمیع صحابہ برآن سیرت باشند و استغراق عرفی بایں وجہ خواہد شد کہ اکثر از ایشاں برآن باشند باقی ساکت از انکار و رد وہمیں معنی را رواج میگوئند ونیز از کلمہ خیر امتی قرنی کہ درحدیث سابق واقع گردیدہ ہمیں معنی مستفاد میگردد وچہ از نسبت خیریت بسوئے قرنی از قرون درعرف ہمیں معنی متبادر میشود کہ رسوم مروجہ آن قرن خیر باشند نہ آنکہ ہر فعل ہر فردے از افراد آن قرن خیر باشد۔ مثلاً اگر کسے بگوید کہ اہل شاہ جہان آباد در زمان محمد شاہ بادشاہ مسرف بودند اہل عرف ازاں ہمیں معنی خواہند فہمید کہ رسوم مروجہ ایشاں درشادی و ماتم و مآکل وملابس ومساکن مشتمل براسراف بود گو کہ بعضے از ایشاں بطریق ندرت از رسوم مذکورہ مجتنب باشند یا جم غفیر از دہاقین کہ سکونت در بلدہ مذکورہ اختیار باشد از رسوم مذکور مجتنب باشند وبنا برآں اجتناب طعن وملامت درآن زمان با یشاں متوجہ شدہ باشد چنانچہ کلمہ یظہر الکذب کہ درروایت نسائی درحدیث مذکور واقع گردیدہ برآں معنی دلالت صریحہ میدارد اگرچہ ثم یوجد الکذب درمقام ثم یظہر الکذب فرمودہ اند۔ پس ازیں کلمہ صریح مستفاد مے شود کہ امتیاز قرون ثلاثہ از سائر قرون بعدم ظہور کذب است دراں نہ بعدم تحقق آن ونیز بحکم فتوی رئیس العلماء شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کہ استمداد رابمعنی طلب دعا از اموات از جنس بدعات شمردہ اند باوجود آنچہ صاحب استیعاب روایت کردہ کہ درزمان حضرت عمر اعرابی طلب دعا استسقاء از مزار مبارک جناب رسالت مآب ﷺ نمودہ۔ پس باوجود تحقق ایں امر مذکور دراں قرن بنا برآنکہ مروج دران قرن نگردیدہ از بدعات شمردہ اند۔ بالجملہ خلاصہ مفہوم محدث این ست کہ ہر چیزے کہ درزمان برکت نشان جناب رسالت مآب ﷺ نہ خود آن چیز بوجود آمدہ باشد ونہ نظیر آن و درقرون ثلاثہ نہ خود آن چیز بلانکیر مروج گشتہ ونہ نظیر آن پس ہماں چیز محدث است وایں معنی در ذہن محفوظ بایدداشت ہرجا کہ دریں اوراق لفظ محدث مستعمل خواہد گردید ہمیں معنی مراد خواہد بود۔

اما تحقق مفہوم کلمہ ثانیہ یعنی لفظ امور، پس باید دانست کہ مراد از اموراین مقام امر دین است چنانچہ کلمہ امرنا درحدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو ردّ براں دلالت میدارد۔ زیرا کہ امرے کہ مزید اختصاص بانبیاء علیھم السلام میدارد امر دین است و نیز آنچہ مسلم از رافع بن خدیج نقل کردہ کہ پیغمبر ﷺ فرمودہ اند:

انّما انا بشر اذا امرتکم بشیءٍ من امر دینکم فخذوہ به و اذا امرتکم بشیءٍ من رأئی فانّما انا بشر

دلالت میدارد براں کہ اتباع سیرت سلف درغیر امر دین واجب نیست پس احداث دراں ممنوع نباشد وحالانکہ محدثات الامور راشرّ فرمود اند، پس لا بد مراد از لفظ امور دریں مقام امر دین باشد و مراد از امر دین چیز یست کہ احکام شارع بداں متعلق میتواند شد بحکم اذا امرتکم بشیءٍ من امر دینکم فخذوہ به وامر دین بمعنی مذکور باستقرار منحصر است درعقاید حقہ و اخلاق جمیلہ و مقامات و حالات و واردات قلبیہ و اقوال لسانیہ وافعال جسمانیہ خواہ از جنس عبادات باشد خواہ از جنس عادات خواہ از جنس معاملات چہ امر شارع متوجہ میشود باصلاح انسان ظاہراً و باطناً

پس اصلاح ظاہر او حاصل میشود باصلاح عبادات و عادات و معاملات کہ مرجع آں ہمہ افعال و اقوال اختیاریہ است و اصلاح باطن او حاصل میگردد بتکمیل عقل و تحصیل عقاید حقہ و تخلیہ قلب از اخلاق رزیلہ و تحلیہ آن با خلاق حمیدہ و تنویر آن بانوار مقامات عالیہ و واردات غیبیہ و حالات قدسیہ و مراد از احکام شارع دریں مقام احکام سمعیہ ست یعنی احکامے کہ بدون اعلام شارع اطلاع براں متصور نیست و عقل محض را دراں مدخل نہ و دلیل بریں آنست کہ درشق ثانی حدیث مسطور فرمودندہ اند و اذا امرتکم بشیءٍ من رائی پس معلوم شد کہ مراد درشق اول کہ مقابل اوست ہمیں است کہ رائے را دراں داخل نباشد و احکام سمعیہ بمعنی مسطور دو قسم است۔ اول آنکہ چیزے را از امور مذکورہ طلب نمایند و بتحصیل آں ترغیب کنند و یا باجتناب ازاں امر فرمایند و تنفیر ازاں بعمل آرند بایں وجہ کہ فلاں عقیدہ از ضروریات اصل دین ست یا مکملات آن یا از مضرات اصل دین است یا منقصات آن مثلاً عقیدہ توحید از ضروریات اصل دین ست بحکم آیات متواترہ وعقیدہ اثبات قدر از مکملات دین ست بحکم احادیث متواترہ وعقیدہ شرک و انکار قدر از مضرات اصل دین ست ومنقصات آن بحکم آیات و احادیث مذکورہ یا بایں وجہ کہ فلاں خلق محمود است شرعاً یا مذموم یعنی صاحب آن خلق محل نزول رحمت حق ست یا مورد لعن او تعالی مثلاً رحیم القلب محل نزول رحمت الٰہیہ است بحکم حدیث الرّا حمون یر حمھم اللّٰه .. الخ کہ درمشکوۃ است۔ وقاسی القلب مورد لعن بحکم حدیث انّ ابعد

النّاس من اللّه القلب القاسی کہ در مشکوۃ واقع است۔ یا بایں وجہ کہ فلاں مقام موجب حصول قرب حضرت حق است یا مورثِ بعد از آنحضرت یعنی موجب ازیادِ وجاہت عند اللہ است یا مورث عدم مبالات آنجناب بہ نسبتِ صاحب آں مقام، مثلاً متوکل صاحب وجاہت ست عند اللہ بحکم کریمہ و من یتوکّل علی اللّه فهو حسبه۔ وبحکم حدیث: یدخل الجنّة من امّتی سبعون الفاً بغیر حسا ب منهم الّذ ین لا یسترقون ولا یتطیّرو ن و هم علی ر بّهم یتوکّلون کہ در مشکوۃ واقع است و حریص بر تتبع اسباب موہومہ محقر ومہان بحکم حدیث من اتّبع قلبه الشّعب کلّها لم یبال اللّه بایّ وادٍ اهلکه کہ در مشکوہ واقع است یا بایں وجہ کہ فلان وارد جالب رضائے حضرت حق است یا باعث سخط اوتعالی مثلاً تفردیکہ عبارت از انقطاع علائق ماسوی اللہ است در باب مودت ومحبت جالب رضائے حق است بحکم کریمہ:

لا تجد قوماً یؤمنو ن باللّه و الیوم الآخر یوادون من حاد اللّه و رسوله و لو کانوا آ باء هم او ابناء هم او اخوا نهم او عشیرتهم۔ اولئک کتب فی قلوبهم ا لایمان و ایّدهم بروح مّنه و یدخلهم جنّات تجری من تحتها الانهار خالدین فیها رضی اللّه عنهم و رضوا عنه

وموالات اعداء حضرت حق باعث سخط اوتعالی بحکم کریمہ:

و تری کثیر مّنهم یتولون الّذ ین کفروا لبئس ما قدّ مت لهم انفسهم ان سخط اللّه علیهم

یا بایں وجہ کہ فلاں حال متتبع حصول توجہ خاص است از جناب اوتعالی یا مستلزم انقطاع آن مثلاً حال توبہ متتبع حصول توجہ خاص است از جناب اوتعالی بحکم حدیث:

اللّه اشدّ فرحاً بتوبة عبده حین یتوب الیه من احدکم کان راحلته بارضٍ فلاتٍ فانفلتت منه وعلیها طعامه و شرا به فائیس منها فا تی شجرة فاضطجع فی ظلّها و ا ئِیس من راحلته فبینما هو کذلک اذ هو بها قائمة عنده فاخذ بخطامها ثمّ قال من شدّة الفرح اللهم انت عبدی و انا ربّک، اخطأمن شدّة الفرح

کہ در مشکوہ واقع شدہ است و مداہنت فی الدین کہ ملقب بصلح کل است مستلزم انقطاع توجہ حضرت حق بحکم حدیث:

قال رسول اللّه ﷺ اوحی اللّه الی جبریل ان اقلب بلد کذا و کذا باھلھا فقال یا رب انّ فیھم عبدك فلانا لم یعصیک طرفة عینٍ قال فقال اقلب علیه و علیھم فان وجھه لم یتغیر فی ساعة

کہ در مشکوۃ واقع است ، یا بایں وجہ کہ فلاں عبادت سبب علو درجات جنت است یا فلاں معصیت علت سقوط در درکات نار۔ مثلاً جہاد سبب علو درجات جنت است بحکم کریمہ

و فضل اللّه المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیما درجات منه

وقتل مومن علت سقوط در درکات نار بحکم کریمہ:

و من یّقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا ۔

یا بایں وجہ کہ فلاں عادت عند اللہ مستحسن است وفلان مستہجن مثلا مراعات عدد وتر در استعمال خوشبو وامثال آن مستحسن است بحکم حدیث :

و من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج

کہ در مشکوۃ واقع است وخوردن بدست چپ مستہجن بحکم حدیث :

لا یأکل احدکم بشماله فانّ الشّیطان یأکل بشماله

یا بایں وجہ کہ فلاں معاملہ نافع ست در معاد یا مضر مثلاً معاملہ تجارت بصدق وامانت نافع است در معاد بحکم حدیث :

التاجر الصّادق الامین مع النّبیّین و الصّدّیقین و الشّھداء و الصّالحین

ومعاملہ ربوا مضر در معاد بحکم کریمہ :

الّذین یأکلون الرّبوا لا یقومون الّا کما یقوم الّذی یتخبّطه الشّیطان من المسّ

ودیگر عبارات شارع را کہ در باب ترغیبات وترھیبات اخرویہ مستعمل مے گردد بر عبارات مسطورہ قیاس باید کرد ومستفادِ ہمہ عبارات مستعملہ دریں باب بہمیں مضمون راجع میگردد کہ فلاں امر از امور مذکورہ در معاد نافع است یا ضار۔ پس مجرد تحقیق اینکہ فلاں مسئلہ در نفس الامر حق است یا مذموم یا اینکہ فلاں مقام یا وارد یا حال مورث کمال نفسانی است یا نقصان آن، یا اینکہ فلاں عبادت یا عادت یا معاملہ مشتمل بر مصالح دنیویہ است یا بر مضار آن وامثال آن از تحقیقات وتدقیقات کہ بغرضے از اغراض اخرویہ تعلق نمیدارد از مانحن فیہ یعنی مباحث احکام مذکورہ خارج است واحکام مذکورہ را احکام تکلیفی مے نامند۔

قسم ثانی آنکہ چیزیرا رکن عبادتے از عبادات یا معاملت از معاملات قرار دہند یا از شروط لوازم

اوشمارند یا از ہیئت مکملہ اوتعین فرمائند وایں قسم را احکام وضعی مے نامند کہ تفصیل آن انشاء اللہ تعالی عنقریب در بحث ثانی مذکور خواہد شد۔

پس مراد از امر دین دریں مقام ہمیں حکم سمعی است اعم از اینکہ حکم تکلیفی باشد یا حکم وصفی۔ پس خلاصہ مفہوم بدعت اصلیہ چنیں باشد کہ ہر عقیدہ ومقامے وحالے ووارد ے وعبادتے وعادتے ومعاملہ کہ محدث باشد بمعنی مذکور وصاحبش آن را نافع در معاد فہمیدہ در تحصیل آن سعی نمائد یا مضر در آن دانستہ ازاں اجتناب ورزد یا از ارکان وشروط ولوازم عبادتی یا معاملہ قرار دادہ بعمل آرد یا از منافات آں شمردہ ازاں اجتناب ورزد۔ پس آن را بدعت اصلیہ میگویم پس از کلمہ محدثات الامور کہ در حدیث اول از احادیث ثلاثہ مرقومۃ الصدر واقع گردید مراد ہمیں معنی است۔

بحث دوم در تحقیق مفہوم بدعت وصفیہ

مخفی نماند کہ مدار ایں بحث بر حدیث ثانی است از احادیث ثلاثہ مرقومۃ یعنی حدیث من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو ردّ۔ باید دانست کہ تحقیق مفہوم بدعت وصفیہ موقوف است بر تحقیق مفہوم سہ کلمہ از حدیث مسطورہ۔ اول مفہوم کلمہ احداث وثانی مفہوم کلمہ امر نا، وثالث کلمہ ما موصولہ۔

اما تحقیق مفہوم کلمتین اولین پس در بحث اول مذکور کردہ شد۔ واما تحقیق مفہوم کلمہ ثالثہ۔ پس باید دانست کہ مدلول ما موصولہ چیزیست وآن بر ہر مفہوم صادق می آید۔ اما در موارد استعمال اکثر مخصص مے باشد بدو وجہ۔ اول از جہت صلہ خود وثانی از جہۃ نظر سیاق وسباق آں واز جہت تامل در حال متکلم وسامع واز جہت رعایت مواقع و موارد کلام مثلاً اگر کسے بگوید کہ جاہل را نمے باید کہ در کاروبار علماء چیزیرا کہ متداول در ایشاں نباشد احداث نماید۔ پس چنانکہ تخصیص چیز محدث مذکور بعدم تداول درمیان علماء منطوق کلام مذکور است ہمچنیں متبادر در عرف از کلام مذکور ہمیں ست کہ جاہل را از احداث ہماں چیز منع کردہ اند کہ از جنس مقدمات علمیہ باشد کہ علماء بجہت علم خود بآن اہتمام میکنند وارباب دانش از جہت دانش خود بآں اشتغال مے نمائند مثل تصنیف کتاب جدید یا اختراع طرز جدید از انواع تقریر وتحریر ومطالعہ ومناظرہ یا استخراج مسائل جدید، نہ از اختراع لباس جدید وطعام جدید ومسکن جدید وامثال آں از امور یکہ تعلق بمقدمات علمیہ نمیدارد گو کہ علماء ہم بنابر قضاء حوائج بشریت بآں اشتغال داشتہ باشند ہم چنیں از حدیث مسطورہ در تفاہم عرف ہمیں معنی متبادر میگردد کہ ہر کہ احداث کند در امر اینہا چیزے را کہ انبیاء علیہم السلام بنابر منصب نبوت بتعلیم آن چیز اہتمام نمائند۔ پس آن چیز ردّ است۔ پس دریں مقام تفحص باید کرد کہ انبیاء علیہم السلام

به بیان کدام چیز در باب امور دین اہتمام میفر مایند

پس میگویم چنانچہ ترغیب بنفس امور نافعہ در معاد وتنفیر از نفس امور ضارہ دراں از خواص منصب نبوت است۔ چنانکہ در بحث اول مذکور گردید وآنرا دین میگویند وآن مشترک است در جمیع ادیان سماویہ بحکم کریمہ:

شرع لکم من الدّین ما وصّی به نوحاً و الّذی اوحینا الیک و ما وصّینا به ابراهیم و موسی و عیسی

ہم چنین تحدید حدود امور مذکورہ وتشخیص صور خاصہ آنکہ در منفعت ومضرت اخرویہ دخل داشتہ باشد نیز از خواص منصب رسالت است وآنرا شریعت ومنہاج مینامند وآن مختلف میباشد باختلاف رسل بحکم کریمہ

لکلٍ جعلنا منکم شرعةً و منهاجاً

مثلاً ترغیب بنفس نماز ونکاح وتنفیر از شرک وزنا از باب تعلیم اصول دین است وتحدید نماز بتعیین اوقات واعداد رکعات وشروط وامثال آن وتحدید نکاح بتعیین ایجاب وقبول وحضور شہود ولزوم مہر وامثال آں وتحدید شرک بطیرہ وحلف باسم غیر اللہ وتحدید زنا بتعیین محلے کہ از ملک وشبہ آں خالی باشد وتعیین حد آن از جلد ورجم وامثال ذلک۔ اینہمہ از باب تشریع است پس چنانکہ تحقیق بحث اول موقوف بر تفصیل امور دین بود ہم چنیں تحقیق ایں بحث موقوف بر تفصیل ابواب تشریع است۔ پس میگویم کہ تعیین صور خاصہ وتحدید حدود معینہ برائے اصول دین از جہت شارع بدو طریق متحقق میگردد۔ اول بطریق لزوم یعنی بایں وجہ تعیین فرماید کہ اصل مذکور بدون ایں صورت خاصہ اصلاً درنظر شارع معتبر نیست یا کالعدم است۔ وثانی بطریق تکمیل یعنی بایں وجہ تعیین فرماید کہ ہرگاہ اصل مذکور دریں صورت خاصہ متحقق گردد درنظر شارع نہایت مستحسن وممدوح باشد۔ پس صورت معینہ دراستحسان شرعی دخل دارد یا نہ دراصل تحقق آن اصل مذکور وہر واحد از قسمین بوجوہ متعددہ مے باشد کہ چندے ازاں بطریق تمثیل دریں مقام ذکر کردہ میشود۔ مثلاً ازانجملہ تعیین اجرائے امریست از امور دین یا بطریق لزوم مثلاً تعیین قیام وقرأۃ ورکوع وسجود وامثال آں بہ نسبت نماز وتعیین ایجاب وقبول بنسبت نکاح یا بطریق تکمیل مثلاً تعیین قومہ وجلسہ وتسبیحات بہ نسبت نماز وتعیین قدرے زائد از اصل در باب ادائے قرض حسنہ بر تقدیریکہ شرط نکردہ باشند

وازاں جملہ است تعیین اوقات یا بطریق لزوم مثلاً اوقات خمسہ برائے ادائے صلوۃ وماہ رمضان برائے صیام وذی الحجہ برائے حج وحولان حول برائے زکوۃ وغیرہ، ووقت اذان جمعہ برائے معاملات واول شوال ودہم ذی الحجہ برائے تعبد، یا بطریق تکمیل مثل تعیین لیالی رمضان ولیلۃ نصف شعبان برائے قیام ووقت نصف آخر از شب برائے تہجد ووقت ارتفاع شمس برائے اشراق وایام بیض وستہ شوال وروز عرفہ و

عاشورہ و پانز دہم شعبان برائے صیام و ماہ رمضان برائے عمرہ و روز ہفتم از ولادت مولود برائے عقیقہ و پنجشنبہ و دوشنبہ برائے سفر و امثال آں از مواضعے کہ توقیت اوقات در آں از جہت شارع واقع گردیدہ کہ عدد احصائے آن ممکن نیست۔

وازانجملہ است تعیین امکنہ یا بطریق لزوم مثل تعیین مکان طاہر غیر مقابر و حمامات برائے نماز و امصار برائے نماز جمعہ و اعیاد و مساجد برائے اعتکاف و مواقیت احرام و حرم کعبہ و عرفات و منا و مزدلفہ و صفا و مروہ برائے حج و عمرہ و غیر مساجد برائے معاملات یا بطریق تکمیل مثیل تعیین مساجد برائے نماز فرض و عقد نکاح و بیوت برائے نفل و تلاوت قرآن و مواضع مخصوصہ از حرمین برائے دعا و مسجد جامع برائے نماز جمعہ و صحرا برائے نماز عید و استسقاء و دفن اموات و مقابر برائے تذکیر آخرت و استغفار برائے اہل آں و مساجد ثلاثہ برائے سفر بسوئے آن بجہت تحصیل منفعت اخرویہ و امثال آں از توقیقات زمانیہ است

وازانجملہ است تعیین اعداد یا بطریق لزوم مثل اعداد رکعات در فرائض و اعداد صیام در فرائض و کفارات و اعداد مساکین در باب کفارات و اعداد اشواط و جمار در باب حج و اعداد شہود و ضربات جلدہ در باب معاملات و حدود و تعیین سہ حیض یا مدت سہ ماہ یا چہار ماہ و دہ روز یا مدت حمل برائے عدت یا چہار ماہ برائے ایلاء و یا سہ روز برائے خیار و امثال آں یا بطریق تکمیل مثل تعیین اعداد رکعات در نوافل و تسبیحات و ارکان نماز و بعد از فراغ آں و در صلوۃ التسبیح و ہم چنیں تعیین ستہ شوال و ثلاثہ در ہر ماہ در باب صوم و رعایت عدد وتر در جمیع عادات و امثال ایں توقیت عددی را ہم بر توقیت زمانیہ و مکانیہ در کثرت و عدم احصاء قیاس باید کرد

وازانجملہ است تعیین بعضے جوارح فاعل بعضے افاعیل و بعضے دیگر برائے بعضے دیگر خواہ بطریق لزوم و خواہ بطریق تکمیل مثل تعیین قلب برائے نیت در عبادات و کنایات طلاق و امثال ذلک و برائے رضا در باب معاملات و تعیین لسان در باب قرأۃ و انعقاد عقد و معاملات و تعیین اعضاء ہفت گانہ در باب سجود و امثال آں۔

وازانجملہ است تعیین ہیئات بوجہین مذکورین مثل استقبال قبلہ و ستر عورت و استواء قامت و دست بستن در قیام و سائر ہیئات مشروعہ و از تعدیل ارکان و امثال آں در باب صلوۃ و ہیئات احرام و رمل و سعی بین المیلین و تلبیہ و رمی جمار و امثال آں در باب حج و تقدیم جانب یمین بر یسار در جمیع عبادات و عادات و امثال از اوضاع مسنونہ در سائر عبادات

وازانجملہ است تعیین مقدمات متقدمہ خواہ بطریق لزوم باشد کہ آنرا شروط میگویند خواہد بطریق

تکمیل کہ آن تمہیدات می نامند مثل غسل یا وضو یا تیمّم برائے نماز عموماً و برائے نماز جمعہ وعیدین خصوصاً و برائے نماز جنازہ وحمل میت ومسّ مصحف وقرأة قرآن وعقد احرام بلکہ برائے سائر عبادات ومثل تقدیم اذان واقامت وسنن رواتب واذکار مسنونہ قبل تکبیر تحریمہ در باب نماز وتقدیم تنظیف وتطہیر وتعطیر وتجدید لباس وخطبہ درنماز جمعہ و تقدیم سحور در باب صیام وتقدیم خِطبہ واذن ولی یا سید وحضور شہود در باب نکاح و تقدیم سوم واجازت ولی یا سید یا مالک یا موکل مشتری در باب معاملات وتقدیم بسملہ در سائر عبادات و عادات وتقدیم استخارہ وخطبہ بر سائر امور عظام وامثال آں از اموریکہ برائے توطیہ امور دیگر مشروع است

وازانجملہ است تعین لوازم متاخرہ بوجہین مذکورین مثل تعین اذکار مسنونہ بعد از سلام وسنن رواتب متاخرہ و ملازمت جلوس تا طلوع آفتاب در باب صلوٰۃ وطواف وداع والتزام مقام ملتزم و تشبث باستار کعبہ وتقبیل آستانہ آن وشرب ماء زمزم ورجعت قہقری وزیارت مسجد نبوی ومسجد قبا در باب حج ولزوم مہر ودعائے برکت ودعوت ولیمہ وتعجیل قدرے از مہر در باب نکاح ولزوم عدت در باب طلاق ولزوم قبض در ہبہ وبیع الصرف وامثال آں از لوازم عبادات ومعاملات کہ بجہت تعیین شارع ثابت گردیدہ

وازانجملہ است تعین مصارف اموال ومحال افعال مثل تعین مصارف زکوۃ ونذور وکفارات و صدقہ عیدالفطر ودر باب صدقات وتعیین مومنات غیر محرمات در باب نکاح وتعیین اموال غیر محرمہ لنفسہاء در باب بیع وتعین اولی الامر در باب اطاعت

وازانجملہ است تعیین مقادیر مثل تعیین قلتین وعوراۃ واجب الستر بہ نسبت ذکور واناث ومقدار زکوۃ ونصاب آن ومقدار صدقہ عیدالفطر وفدیہ وتعیین مساوات در اموال ربویہ در صورت تبادل وامثال آن

وازانجملہ است تعیین الفاظ خاصہ در مواضع مخصوصہ مثل تعیین اذان واقامۃ برائے فرائض و استعاذہ وبسملہ در باب قرأت وتعیین قرأۃ قرآن در قیام (وتعیین سورۃ فاتحہ خصوصاً در جمیع رکعات وصورے دیگر عموماً در رکعتین اولین از فرائض) (قوسین والی عبارت نسخہ نمبر۲ میں نہیں ہے۔ بہا) وتعیین تسبیحات در رکوع وسجود وتشہد در قعدہ اول و درود ودعا در قعدہ اخیرہ وتعیین اذکار مخصوصہ قبل نماز و بعد آں وتعیین تلبیہ در احرام وتکبیرات در ایام تشریق وتعیین صریح وکنایہ در باب طلاق وتعیین الفاظ ایجاب وقبول در باب نکاح و سائر معاملات وتعیین اسماء الٰہی وصفات اوتعالی در باب حلف وتعیین ادعیہ مخصوصہ در صباح ومساء ونوم و یقظہ ودر اوقات نعمت ونقمت ودر اوقات حصول افراح وعروض احزان وہجوم مصائب وامثال آں۔ بالجملہ در ہر سانحہ از سوانح رنج وراحت ذکرے خاص یا دعائے مخصوص تعیین فرمودہ اند

وازانجملہ است تعیین صفت اذکار وادعیہ مثل تعیین جہر در اذان واقامت وقرأت صلوۃ جہریہ و

تلبیہ وتکبیرات ارکان صلوۃ وعیدین وتعیین سرّ درغیر مواضع مذکورہ لا سیما در دعاء

وازانجملہ است تعیین اجناس برائے اموال در باب زکوۃ و ربوا واجناس اربعہ از بہائم مع تعیین عمر مخصوص وسلامت از عیوب در باب اضحیہ

وازانجملہ است تعیین در باب لباس والوان مثل تعیین لباس حریر وزیور زر وسیم ورنگ سرخ وزرد برائے نسواں۔

وازانجملہ است تعیین باب تشہیر واعلان مثل تعیین فرائض عبادات وصلوۃ جنازہ ومقاتلہ کفار و اقامت حدود ونکاح باعلان ونوافل وعبادات وزیارت قبور بسر وکتمان

وازانجملہ است تخصیص بعضے افعال باجتماع وبعضے بانفراد مثل صلوۃ جمعہ وعیدین وصلوۃ خمسہ و تراویح وصلوۃ خسوف وکسوف واستسقاء وصلوۃ جنازہ وحج وجہاد ونکاح مشروع است باجتماع ونوافل وغیر نوافل مذکورہ وزیارت قبور مشروع است بانفراد

وازانجملہ است تعیین طرق جبر نقصان مثل تعیین قضاء فدیہ ومثل ہالک یا قیمت آن درصورت تلف مخصوب یا اتلاف ودیعت مثل دیت نفس یا اعضاء درصورت جنایت خطا وامثال آں

وازانجملہ است تعیین آثار وثمرات درابواب عبادات یا معاملات یا جنایات مثل فراغ ذمہ در دنیا واستحقاق اجر خاص درعقبی درابواب عبادات وحلت تمتع و ثبوت نسب درابواب نکاح ولزوم عدت در باب طلاق ومثل ثبوت ملکیت در باب بیع ولزوم حدود وتعزیرات وکفارات در باب جنایات بالجملہ این وجوہ مذکور وامثال آن ازتحدیدات شرعیہ ازابواب تشریع است کہ درکریمہ

تلک حدود اللّٰہ فلا تعتدوھا و من یّتعدّ حدود اللّٰہ فاولئک ھم الظّالمون

ودرحدیث ۔ انّ اللّٰہ حدّ حدودہ فلا تضیّعوھا بآں اشارہ رفتہ ودریں مقام بابے است نہایت طویل الاذیال ودقیق المآخذ کہ جولان گاہ علمائے ربانین است وآن باب حفظ مراتب امور دینیہ ورعایت مدارج احکام شرعیہ است بیانش آنکہ چنانچہ ہرگاہے کہ عالم ربانی درامرے ازامور شرعیہ کہ مرکب از امور کثیرہ باشد تامل نمائد ودلائل شرعیہ متعلقہ آں امررا درذہن خود جمع کند لابد بروواضح میگردد کہ ہرچند جمیع امور مذکورہ درنظر شارع مستحسن ومرغوب است اما اہتمام اوبعضے ازاں ازید است بہ نسبت بعضے دیگر مثلاً ہرچند نماز بجمیع ارکان وہیئات وشروط خود مطلوب است اما اہتمامیکہ بارکان وشروط آن متعلق است بغیر آن نیست و اہتمامیکہ بطہارت متعلق است باستقبال قبلہ نیست لہذا استقبال قبلہ دربعضے اوقات ساقط میگردد وبخلاف طہارت واہتمامیکہ بقراءۃ فاتحہ متعلق است بسورہء دیگر نہ ولہذا دررکعتین اخریین قرأۃ سورہ

ساقط میگردد و ہم چنین ہر گاہے کہ عالم ربانی کہ وسیع العلم ونظیف الذہن باشد در مجموع سیرت رسول اللہ ﷺ تامل میفر مائد لابد براو واضح میگردد کہ ہر چند آنچہ سیرت مذکور برآں مشتمل است ہمہ از قبیل سنت نبویہ است مگر آنکہ ہر فعل را ازاں موقعی است در باب تعلق اہتمام آن جناب باولہ دیگر براز .... نہ وایں معنی بملاحظہ قرائن حالیہ و مقالیہ آں جناب لائح میگردد یعنی امتیاز درمیان مہتم بالشان وغیر مہتم بالشان و درمیان اہم ومہم ذہن نشین اومیشود وآنچہ قابل تعلیم وترویج است ازآنچہ بایں مرتبہ نیست متمیز میگردد مثلاً اہتمامیکہ بہ ترمیم وتعمیر مساجد وفراہم کردن اسباب آبادی آں متعلق است بمقابر نیست وآنچہ در باب اجتماع مسلمین درمساجد از قسم تاکید برآن وتہدید برترک آن واظہار رضامندی بوقوع آں و ناخوشی بفقدآں و بیان منافع تحقق آن ومضار عدم آں وامثال آن ازآنچہ بترغیب وترہیب تعلق دارد سعی واہتمام باید کرد وبزیارات قبور نباید کرد و آنچہ در باب ایصال منفعت بسوئے میت از قسم ترغیب وترہیب وتاکید وتشہیر و ترویج والتزام درمقدمہ نماز جنازہ باید کرد بدیگر ادعیہ نباید کرد وآنچہ بمطلق دعا باید کرد وبتصدیق عن لمیت نباید کرد وآنچہ بتصدق مذکور باید کرد ایصال ثواب عبادات از نماز وروزہ وتلاوت وذکر نباید کرد وآنچہ در باب اقامت جہاد از قسم سعی جسمانی ونفسانی یعنی ترغیب وتالیف وتدبیر وصرف اوقات عزیزہ در تمہیدات آن وامثال آن از مساعی بلیغہ باید کرد در باب تعلیم علوم غیر ضروریہ والتزام خلوات وضبط اوقات بانواع عبادات وریاضات و اذکار ومراقبات نباید کرد وآنچہ در باب مزاولت اسلحہ وسائر آلات حرب سعی وکوشش باید کرد در باب جمع کتب وبناء مدارس وخانقاہات نباید کرد وآنچہ در باب دعوت عوام الناس بسوئے ظاہر کتاب وسنت سعی باید کرد در باب دعوت دانشمندانِ فنون بسوئے مسائل غریبہ وقیاسیہ ومباحث عمیقہ کلامیہ و اشارات دقیقہ صوفیہ نباید کرد۔

بالجملہ ہر کسیکہ بسیرت نبویہ وسنت قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر مہارت داشتہ باشد ایں معنی مراد پوشیدہ نخواہد ماند۔ حاصل کلام آنکہ مباحث تشریعی باوجود کثرت شعب وتعین وجوہ بہمیں دو باب راجع میشود باب تحدیدات و باب حفظ مراتب امور ملت۔ پس از کلمہ ما موصولہ کہ در حدیث مذکور واقع گردیدہ ہمیں معنی مراد است پس معنی حدیث مذکور بریں تقدیر چنیں باشد کہ ہر کہ احدث کند در امر دین چیزے را از قسم تجدیدات یا بتغیر موقع امرے از امور دین پس آں چیز رواست پس خلاصہ مفہوم بدعت وصفیہ چنیں باشد کہ ہر تحدید کہ در امرے از امور دین محدث باشد یا ہر تغیر موقعے کہ براں امرے از امور دین محدث باشد و صاحبش آں خصوصیت را مدار اعتبار آں امر دین درنظر شارع دانستہ یا متعلق استحسان شرعی شمردہ بعمل آرد یا آں خصوصیت را مبطل اصل عمل قرار دادہ یا سبب سقوط آں اصل از مرتبہ از مراتب قبول فہمیدہ از آن

اجتناب درزد پس ہماں را بدعت وصفیہ میگوید۔ مخفی نماند کہ از ملاحظہ تعریف ہر دو قسم بدعت چناں ظاہر میگردد کہ اصلِ مدار مطلق بدعت بر عقیدہ است یعنی ہر چیزے را کہ عنداللہ نافع نیست نافع پندارند یا آں چیز را کہ مضر نیست مضر پندارند وایں را بدعت حقیقیہ باید فہمید و دریں مقام قسمے دیگر است از بدعت کہ آنرا بدعت حکمیہ میگوئم بیانش آنکہ چیزے از محدثات باشد وصاحب او ہر چند اعتقاد منفعت ومضرت او نداشتہ باشد اما باو ہماں معاملہ کند کہ با امور نافعہ یا ضارۃ وشرعیہ باید کرد مثلاً چنانکہ در محافظت خصوصیت روز اضحیٰ در باب اضحیہ باوجود امکان آن در یومین لاحقین بنا بر ادراک فضیلت سعی باید کرد کہ باوجود گرانی قیمت بسبب وفور رغبت وتعسر حصول بسبب قلت وقلت فرصت بسبب اشتغال باد ائی صلوۃ عید وآداب آن وکثرۃ اشتغال بسبب ملاقات اقرباء واحباء وقلت منفعت گوشت اضحیہ بہ نسبت محتاجین بسبب وفور آں دراں روز بالجملہ عوائق وموانع خصوصیت روز مذکور را از دست نیابد داد ہم چنیں تخصیص روز وفات در باب تصدق عن المیت کہ باوجود تحقیق تنگ دستی درآں ایام یا ہجوم امراض یا سنوح سفر یا عروض موسم برشگال یا امثال آن از موانع وعوائق خصوصیت روز مذکور را از دست ندہند بلکہ معاملہ مداہنت بعمل آرند وباز دیا د مرض بسبب اشتغال درسرانجام دادن آن التفات نمانید وتاخیر سفر روا دارند ورنج فراہم کردن سامان برشگال کہ محافظت طعام مذکور بان تواند شد برخود گوارا کنند وتلطف ثیاب در گل ولار دارند وتخلل اوقات تعلم وتعلیم احکام دین وفقدان اطمینان در عبادات وفوت جماعات قبول کنند وبفوت خصوصیۃ مذکورہ راضی نہ شوند اگر چہ فضیلت یوم مذکور بر سائر ایام اعتقاد نداشتہ باشند چنانکہ زن بیوہ باوجود کثرت شبق وشدت افلاس بسبب موت زوج کہ متکفل حوائج بشریہ او بود باوجود عروض وحشت وحدت بمفارقت مونس خود از زنا اجتناب مے نماید وایں اجتناب در مدائح او شمردہ میشود ودر مقام اثبات عفت او ذکر کردہ میشود ہم چنیں باوجود امور مذکورہ از نکاح ثانی احتراز نماید یا ایں احتراز را از مدائح او شمردہ شود یا در مقام اثبات کمال عفت او ذکر کردہ شود اگر چہ بقبح نکاح ثانی اعتقاد نداشتہ باشد وچنانکہ در مقدمہ عقد نکاح حضور شہود واذن ولی را از شرائط صحت او میشمارند چنانکہ عقد مذکور را برآں موقوف میدارند اگر چہ در تاخیر آں انواع مضرات محتمل الوقوع باشد ہم چناں عقد مذکور را بر استطاعت جہیز یا ولیمہ موقوف دارند کہ وجود احتمال فقدان کفو یا فوت اولیاء یا غیبوبت ایشان درسفر بران اقدام نمایند یا برائے سرانجام کردن جہیز یا ولیمہ معاملہ مداہنت باوجود اشتمال آن بر مضرات معاش ومعاد مثل لحوق افلاس ولزوم ربوا بعمل آرند یا قباحت سوال حالی یا قالی را برخود گوارا کنند واز رسم مذکور دست بردارنشوند گوکہ بوجوب آں اعتقاد نداشتہ باشند۔

بالجملہ ایں قسم بدعات را بدعت حکمیہ وعملیہ میگوئم پس مفہوم مطلق بدعت چنیں باشد کہ ہر امرے

از امور مذکورہ در بحث اول یا ثانی کہ محدث باشد وصاحبش آنرا از امور دین قرار دادہ بعمل آرد یا با و معاملہ امور دینیہ نماید پس ہماں چیز بدعت است و چوں مفہوم بدعت منقح گردید پس باید دانست کہ دریں مقام چند فوائد نافع است کہ آنرا درضمن چند مسائل ذکر باید کرد

فائدہ اولی۔ دربیان آنچہ در **بدعت حقیقیہ** داخل است وآن مشتمل بر چند مسائل است:

مسئلہ اولی باید دانست کہ مسئلہ وحدۃ وجود وشہود ومبحث تنزلات خمسہ وصادر اول وتجدد امثال وکمون و بروز وامثال آن از مباحث تصوف وہم چنیں مسئلہ تجرد واجب و بساطت او تعالی بحسب ذہن یعنی (تنزیہ او تعالی) (یہ الفاظ نسخہ نمبر۲ میں نہیں ہیں۔ بہاء) از زمان ومکان وجہت وماہیت وترکیب عقلی و مبحث عینیہ وزیادۃ صفات وتاویل متشابہات واثبات رویت بلا جہت ومحاذات و واثبات جوہر فرد وابطال ہیولی وصورت ونفوس وعقول یا بالعکس وکلام درمسئلہ تقدیر وکلام وقول بصدور عالم برسبیل ایجاب واثبات قدم عالم و امثال آں از مباحث فن کلام والہیات وفلاسفہ ہم ازقبیل بدعات حقیقیہ است۔ اگر صاحب آن اعتقادات مذکورہ را ازجنس عقاید دینیہ میشمارد والا دریں جزو زمان در بدعات حکمیہ البتہ مندرج است چہ سعی درادراک حقیقت آن واہتمام بتنقیح آن ومعدودشدن صاحب آں درزمرہ علماء دین وحکماء ربانیین و تمدح بآں در مقام ذکر کمالات دینیہ درعرف عوام بلکہ درکلام خواص ہم دائر وسائر است

مسئلہ ثانیہ۔ سعی کردن درتحصیل مقام فنائے علمی وانسلاخ واضمحلال وانکشاف مغیبات مثال و واردات وجد وحال وغیبت واستغراق وسکر وشطح وعقد ہمہ درباب تاثیرات کونیہ ونفسانیہ واشراف خواطر و القائی گرمی درقلوب حضار وعلم دعوات اسماء یا تبرک جلالی و جمالی ہمہ ازقبیل بدعات حقیقیہ است چہ ہرکہ بایں امور اشتغال مینماید آنرا ازجنس امورے کہ مورث قرب الی اللہ باشد میشمارد بلکہ اکثر ہمیں امور را حقیقت احسان کہ درشرح مطلوب ست میدانند

مسئلہ ثالثہ۔ تعیین اوراد و اذکار وریاضات وخلوات واربعینات ونوافل عبادات وتعیین اوضاع اذکار از جہر واخفاء و ضربات واعداد ومراقبات برزخیہ والتزام طاعات شاقہ ہمہ ازقبیل بدعات حقیقیہ است بہ نسبت اکثر طلاب کہ آنرا اصل کمال شرعی یا ازمکملات آں میدانند اما بہ نسبت خواص کہ آن را محض ازقبیل وسائل دانستہ درتعلیم وترویج آن سعی می کنند پس ازقبیل بدعات حکمیہ باشد آرے اخص الخواص کہ محض بنا بر ہدایت چندے از اغبیاء کہ نفوس ایشان درمرتبہ قصوی ازغباوت یا عصیان واقع شدہ اند اگر تعلیم امور مذکورہ کردہ باشند وایشاں رابنمایش ایں باغ سبز بسوئے دام اطاعت حق کشیدہ باشند وصرف بنا بر اصلاح استعداد ناقصہ ایشان بقدر حاجت وضرورت بطور وسائل بے التزام وترویج واہتمام بکار بردہ باشند و

وقت حصول مقصود آنرا ترک دادہ باشند۔ پس ہر چند تعلیم امور مذکورہ کہ از ایشاں در بعضے احیان بہ نسبت بعضے اذہان بحسب اتفاق و رعائت مصلحت وقت بوجود آمد بہ نسبت ایشاں از قبیل بدعات نباشد۔ اما کلام دریں مقام در اکثر اہل زمان ست کہ آنرا مثل شریعت مستمرہ و طریقہ مسلوکہ مے شناسند (تیسرے مسئلے کی فارسی عبارت جناب بٹالوی نے اشاعۃ السنہ جلد ۲۰ کے صفحہ ۳۵۰ میں ایضاح الحق کے صفحہ ۲۵ سے نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر دونوں نسخوں کے علاوہ بھی کوئی نسخہ طبع شدہ موجود تھا اور وہ شائد بلا ترجمہ تھا۔ کیونکہ نسخہ نمبر ایک ۱۳۰۱ھ والے میں یہ عبارت صفحہ ۳۸ پر ہے۔ اور نسخہ نمبر ۲ یعنی نسخہ اشرفیہ میں یہ عبارت ص ۴۶ پر ہے۔ بہاء)

مسئلہ رابعہ۔ تعیین اعداد و اشخاص و اوقات و اجناس در باب ختم و توشہ و عقد محافل سماع صوفیہ و محافل کتاب خوانی و مرثیہ و ماتم و ساختن تعزیہ وسدّہ و علم و عقد ذکر شہادت حضرت امام در ایام عاشورا و تعیین چہلم و سیوم و اعراس و تداعی بر اجتماع در باب زیارت قبور و تعیین اوقات برائے آن و مرقبہ براں و قرأۃ قرآن بر سبیل اجتماع بران و تعین اوقات تصدق عن المیت و التزام قرأۃ فاتحہ و اخلاص و تعظیم آن و تعیین جنس آن و مصرف آن و استمداد از اہل قبور و تقبیل قبور و طواف آن و آستانہ بوسی و قیام رو بروئے آن بجہت تعظیم و انداختن چادر و گل و غلاف برآں و غسل دادن قبور و روشنی نمودن و اجتماع کردن بہ نیت تقرب برآن و تعیین نماز ہول برائے اموات و اذان بر قبور بعد فراغ از دفن و امثال از امور بے شمار ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است بہ نسبت اہل زمان کہ این ہمہ امور را تعبداً بعمل مے آرند مگر بہ نسبت بعض اخص الخواص کہ نزد ایشاں این امور مذکور محض لغو باشند و فقط بنا بر موافقت اہل زمان بعمل مے آرند کہ امور مذکورہ بہ نسبت ایشاں از قبیل بدعات حکمیہ باشد اگر از شبہات شرعیہ و منکرات دینیہ نباشد

مسئلہ خامسہ۔ استحسانات اکثر متاخرین از فقہاء و صوفیہ کہ محض بنا بر ظن حصول بعضے منافع دینیہ و مصالح شرعیہ بدون تمسک بدلیلے از دلائل شرعیہ عبادات یا معاملات اختراع مے نمایند یا تحدید اصلی از اصول دینیہ بحدود خاصہ احداث می کنند تا ترویج امری کہ خامل (دیدنی است۔ یہ لفظ ۱۳۰۱ھ والے یعنی نسخہ نمبر ایک میں نہیں ہے۔ بہاء) در قرون سابقہ بود و بروئے کار می آرند یا احتمال امرے کہ در آن از منہ مروج بود بعمل مے آرند مثل نماز معکوس و وجوب تقلید شخصے معین از آئمہ مجتہدین و ہبہ ثواب عبادات احبا برائے اموات بخلاف نیابت در عبادات مالیہ کہ آن ثابت الاصل است و مثل تحدید ذکر کلمہ تہلیل باوضاع مخصوصہ از اعداد و ضربات و جلسات و تحدید ماء کثیر بعشر فی العشر و ترویج انزوا بنا بر اشتغال بعبادت و مطالعہ کتب و ترویج مسائل قیاسیہ و کشفیہ و استغراق بجمیع ہمت خود در آں و احتمال ظاہر کتاب و سنت مگر بطریق تبرک و تیمن و احتمال امر معروف و نہی عن المنکر و عدم مبالات و باقامتہ جہاد لسانی و سنانی و امثال ایں امور محدثہ

شان را اختراع میکنند باز آنرا ددا حکام شرعیه وعبادات دینیه ومناقب ایمانیه مندرج میسازند همه از قبیل بدعات حقیقیه است وآنچه در مقام عذران میگویند که هر چند این امر محدث است اما مشتملبر مصلحتے از مصالح دینیه است یا اصل آن درشرع ثابت ست اگر چه خصوصیت مذکوره محدث باشد پس مجرد ایں عذرامور مذکور راازحد بدعات خارج نمی گرداند۔ آری تحقیق آنکه ایں بدعت حسنه است یا قبیحه پس عنقریب انشاء اللہ تعالی درفصل ثانی مذکورخواهد شدواکثر قدماء که قیاس را تقبیح کرده اند از لفظ قیاس همیں معنے مذکورمراد داشته اند نه قیاس شرعی که حمل النّظیر علی النّظیراست

فائده ثانیه: دربیان آنچه در **بدعت حکمیه** مندرج است وآن مشتمل است بر چند مسائل

مسئله اولی استغراق همه درتحصیل تبحرعلوم الهیه به تتبع مسائل غریبه علوم غریبه که درفهم کتاب و سنت که مبنائے آن برمحاورات عرفیه ست نه بر لطائف شعریه چنداں دخل نمے دارد ومثل تدقیق زائد در دقائق منطقیه والهیات وطبیعات فلسفیه وتعمق زائد درقواعد اصولیه وکلامیه واسفارفقهیه ومهارت ابواب دانشمندی ازفن مناظره وجدل وباب توجیه زطرق درآمد مرکلام غیر برسبیل ابطال ویا توجیه وطرق سد ابواب درآمد مخالف از باب تقیید وتحدید وتوجیه وتاویل وامثال آں ازامورے که محبیان دانشمند بعمل مے آرند ودرمیان امثال خود بآں تفاخری می نمایند ودرتحصیل احاطه نوادراشعار وقواعدعروض ودرضبط مسائل فرضیه فقهیه متوهم الوقوع ودر اشتغال بریاضیات وفن تواریخ وفن تکثیرونقوش وامثال آن ازفنون نادره همه از قبیل بدعات حکمیه است به نسبت عقلاء اهل زمان که حصول امور مذکوره را ازجنس قربات اللہ ومحامد شرعیه نمیداند اما عمرگراں مایه را درتحصیل امور مذکوره بوجهی اضاعت مینمایند که طالب حق اوقات عزیزه خود را در تفتیش اصول دین وتحقیق احکام شرع متین صرف مینماید وبآں اضاعت عمرانواع مفاخرات ومباهات مه نمایند وازجنس مدائح ومناقب میشمارند چنانچه تمدح بایں سفاهت واسراف عمردرمیان ایشاں جاریست و مثال ایں سفیهائے مسرفین عمررا بسبب حصول ایں امور مذکوره بنظرتوقیر واجلال مے بینداگر چه ذره ازطلب راه دین نداشته باشند وتخمی از خشیت که شعارعلماء است در دل نکاشته وجوئے ازعلم وعمل ازخرمن سنت نه برداشته وقاعدین این فنون را بنظرحقیر واهانت مے بینند اگر چه بشعارطلب حق معلم باشند وبه تفتیش سنت وابسته بلباس تقوی لابس سبحان اللہ ایں حال عقلاء زمانه است که خودرا درزمره علماء مےشمارند ووائے برحال سفهاء یعنی جهال طلبه علم که جهل مذکوررا عین علم میدانند واسراف وسفاهت را عین قربت وعبادت وهمیں سفهائے مسرفین را علماء متدین می شمارند پس ایں امور مذکوره به نسبت ایشاں ازاقبح بدعات حقیقیه است و افحش منکرات شرعیه وآنچه درباب طلب علم وافاده علماء درسنت واردگشته همین قدراست که چنانکه سپاهیان

اطاعت شعار و خدمت گاران کارگزار کہ ملازمان سلاطین کبار و متعلقان سرکار امرائے عالی مقدار میباشند شب و روز در تفتیش احکام مندرجہ پروانجات کہ در باب نظم و نسق کار و بار ایشاں گردیدہ مشغول میمانند و بجرد اطلاع بر احکام مذکورہ در سرانجام دادن مہمات مطلوبہ سرگرم میگردند لیکن از بسکہ تحریر پروانجات بنواحِ ہندوستان در زبان فارسی مروج است و بر بعضے اصطلاحات آئین احکام مشتمل میباشد و بعضے از ایشاں بزبان فارسی مہارت مے دارند و بعضے نہ ہم چنیں بعضے بر اصطلاحات مندرجہ بسبب ملاقات با حضار دربار اطلاع مے دارند و بعضے نہ بنا برآن چنانکہ بر ذمہء ناواقفان مذکورین سرانجام کردن احکام مذکورہ لازم است ہمچنین تفتیش آن از واقفان نیز لازم چنانکہ بر ذمہ واقفان امتثال احکام مذکور لازم است ہم چنیں اعلام ناواقفان نیز و ہر گاہ کہ ناواقفاں برآں احکام مطلع گردیدند ایشاں ہم مثل جماعت اول واقف گردیدند گو بصفت خط و کتابت مہارت نداشتہ باشند پس اعلام ناواقفاں دیگر بر ذمہ ایشاں ہم لازم گردید و ہمہ ہا در مقدمہ اطاعت اصل حاکم و امتثال احکام او متساوی اند کسے از ایشاں بہ سبب واقفیت مذکورہ اصل حاکم نشدہ دیگرے بسبب شنیدن احکام خود از زبان آن شخص اول از زمرہ نوکراں او نگردیدہ بلکہ ہمہ بارا باید کہ در سرانجام کردن مہمات مذکورہ کوشش نمایند و از گفتگوئے فضول کہ در امتثال احکام مذکورہ چنداں دخل نمیدارد اجتناب ورزند ہم چنیں بندگان حق جل و علا را باید کہ دائماً در تفتیش احکام مندرجہ قرآن مجید مستغرق الہمت باشند لیکن از بسکہ قرآن مجید در زبان عربی است و مشتمل بر اصطلاحات شرعیہ پس آنانکہ بلسان مذکور مہارت نمیدارند و بر اصطلاحات مسطورہ مطلع نشدہ اند لابد بر ذمہ ایشاں استفسار این معنی از ماہران لسان عربی و واقفان سیرۃ نبوی لازم آمد و اعلام ناواقفاں بر ذمہ واقفان واجب گردید و بعد اطلاع بر احکام شرعیہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بر ذمہ ہمہ کس واجب شد و احتراز از تدقیقات زائدہ شعار عبودیہ شمردہ شد و تقلید محض بہ نسبت انبیاء علیہم السلام ہمہ کس را لازم آمد بالجملہ تقلید نبی امی فخر ماست تاج لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ برسر داریم و خلعت نحن امّۃ امّیّۃ لا نکتب ولا یحسب در بر از ہمہ فنون دانشمندی و صنائع فضیلت نمائے بیزاریم و از مائدہ سنت ہائے نبویہ ذلہ بردار و الحمد للّٰہ علی ذلک حمداً کثیراً

مسئلہ ثانیہ: اہتمام بلیغ بحافظت اوضاع محدثہ در باب زی و لباس و در باب رفتار و گفتار و در باب تعیین اوقات خلوۃ و جلوۃ و ہیئات نشست و برخاست و تحیۃ و ملاقات و تشخیص افعال و اقوال مخصوصہ در باب تعظیم و اکرام و خطاب و کلام و تخصیص بعضے ایام بعقد محافل ہم مشربان و مجالس یاران و موانس و عقیدت منداں حقیقی و اخلاص کیشان تحقیقی و امثال آں کہ در ارباب مناصب شرعیہ مثل علماء و قضاۃ و اولاد و تلامذہ ایشاں یا در مقلدان کبرائے صوفیہ مثل سجادہ نشینان مشائخ کرام و مریدان ایشان یا در مدعیان مقام

ترک و تجرید مثل خانقاہ نشینان و سرگروہان آزادان قلندریہ و مداریہ وجلالیہ واتباع ایشان کہ محض بنا بر حفظ شعار منصب خود واسلاف خود و رعایت امتیاز خود وکبراء خود از سائر مسلمین مروج گردیدہ مثل اجتناب از نکاح باوجود استطاعت محض بنا بر حفظ عنوان درویشی یا احتراز از مکاسب معاشیہ با وجود فراغت اوقات از ضروریات معادیہ ومعاشیہ و باوجود عروض افلاس وسنوح حاجات بحدی کہ باعث تحمل مذلات سوال حالے و قالے گردند پس باوجود ایں ہمہ محض بنا بر حفظ عنوان خاندان مکاسب را از جنس بواعث لحوق آرد و موجبات عود شناعت شمردہ ازاں اجتناب مے ورزند اگر چہ آنرا از ممنوعات شرعیہ نمے دانند ومثل احداث تعظیمات قولیہ وفعلیہ در مقام سلام علیک ومصافحہ عند الملاقات ومثل اعتنائے شدید بتر ویج القاب مشعرہ بر مناصب شرعیہ رفعیہ مثل مولوی فلانے وشاہ فلانے وامثال آں از امور بیشمار کہ تعداد آں دریں چند اوراق خیلے متعذر مینماید ہمہ از جنس بدعات حکمیہ است بہ نسبت عقلاء ایشاں کہ امور مذکورہ را باوجودے کہ از جنس لغو ولا طائل دانستہ اند محض بناء حفظ عنوان خاندان بعمل مے آرند واما بہ نسبت سفہاء ایشان کہ امثال ایں مقامات را عین کمالات دانستہ اہتمام بمحافظت ایں اشیائے محدثہ بیش از بیش بر روئے کار مے آرند پس امور مذکورہ بہ نسبت ایشاں از قبیل بدعات حقیقیہ است کہ از عنوانات مناصب شرعیہ شمردہ میشود واما آنچہ از عنوانات امور معاشیہ شمردہ میشود مثل وردی سپاہیان وامثال ایشاں پس از ما نحن فیہ خارج است۔

مسئلہ ثالثہ ۔ التزام بعضے مباحات شرعیہ محض بنا بر تقلید آباء واجداد و بنا بر موافقہ اقران و اخوان بدون ظن حصول منفعتے از منافع اخرویہ و یا غرضے از اغراض دنیویہ ہمہ از قبیل بدعات حکمیہ است بہ نسبت اکثر اہل زمان ۔ اما بہ نسبت بعضے از ایشاں پس از قبیل شرک و بہ نسبت بعضے از ایشاں پس از قبیل بدعت حقیقیہ و بہ نسبت بعضے از قبیل امور معاشیہ و بہ نسبت بعضے از امور لہو یہ۔ تفصیل این اجمال آنکہ چنانکہ ہر چند شارع جل جلالہ بعضے احکام شرعیہ را بنا بر رعایت بعضے مصالح معاشیہ یا معادیہ مقرر فرمودہ است مثل تعیین صلوۃ برائے توجہ الی اللہ ورخص مسافر برائے دفع مشقت و عدۃ برائے استبراء رحم وامثال آن اما عباد را باید کہ قطع نظر از مصالح کردہ در محافظہ نفس صورۃ احکام شرعیہ سعی بلیغ نمایند و بنا بر ظن حصول مصلحت مرعیہ در غیر سور معینہ یا کمل وجہ ہرگز در اقامت صورۃ مذکورہ مداہنت نہ نمایند وتبدیل وتغیر را درآں راہ ندہند مثلاً در محافظۃ صورۃ نماز اگر چہ عاطل از معنی حضور باشد سعی بلیغ باید کرد ومراقبہ معیتِ ذاتیہ را اگر چہ سراسر پر از معنی حذر باشد در عوض او استعمال نباید کرد و در سفر بے مشقت اعراض از رخص شرعیہ (نسخہ اشرفیہ میں اغراض از رقص شرعیہ، ہے۔ بہاء) نباید کرد و در صنائع شاقہ مثل حداوۃ وامثال آں کہ بمراتب اشق از سفر باشد رخصتے مذکور را استعمال نباید نمود و بر تقدیر یقین بخلو رحم از علوق عدت نباید گذاشت ۔ بالجملہ صور احکام شرعیہ

در باب اطاعت شارع قطع نظر از مصالح مرعیہ خود مقصود لذاتہا گردیدہ ہم چنیں بعضے از عقلاء تجربہ کار بعضے از اشیاء مباحہ را بنا بر بعضے مصالح معاشیہ ترویج مے نمایند پس کسانیکہ طالب مصالح مذکورہ می باشند صورۃ مروجہ را اقرب طرق حصول مصالح مذکورہ دانستہ بعمل مے آرند آخر شدہ شدہ در عوام الناس دائر و سائر مے گردد و مصلحت مذکورہ در اکثر ناس رو باختفا می آرد و صورۃ مروجہ مسلّم خواص و عوام میشود و اکثر اشخاص در محافظت نفس آنصورۃ مروجہ قطع نظر بر اشتمال او بر مصلحت مذکورہ جد و جہد بلیغ مینمایند چنانچہ اگر مصلحت مذکورہ از صورۃ مسطورہ مفقود گردد بلکہ در التزام آں لحوق انواع مضرات بنظر آید ہرگز آنرا از دست ندہند و ہم چنیں اگر برائے حصول مصلحت مذکورہ طریقے دیگر غیر صورت مروجہ میسر الحصول باشد ہرگز تبدیل آں روا ندارند و تارک صورۃ مذکورہ درمیان ایشاں آن قدر مطعون و ملام گردد کہ تارک اصل مصلحت آن مطعون و ملام نگردد ۔ پس دریں ہنگام آں صورت مروجہ را رسم میگویند مثلاً عقلاء سلف بنا بر ایصال ثواب صدقات بسوئے اموات اطعام طعام مقرر کردہ بودند و از بسکہ محتاجین اقرباء در باب مصارف مطلق صدقات مقدم اند بر غیر اقرباء بنا بر آن محتاجین اقرباء را تقدم میکردند و ایں امر شدہ شدہ دریں زمان بحدی رسیدہ کہ در باب تقسیم طعام سیوم و چہلم و اعراس در بیان اقرباء معنی تصدق عن المیت و قضاء حاجت محتاجین اصلاً ملحوظ نیست حتی کہ اگر لفظ تصدق عن المیت و قضاء حاجت محتاجین بر زبان رانند اغلب کہ اکثر اقرباء اہل عزت طعام مذکورہ را قبول نمایند بلکہ آنرا بمشابہ سبّ و شتم درحق خود تصور کنند و تقسیم طعام بحدی مسلّم خاص و عام گردیدہ کہ اگر شخصے انواع صدقات برائے اموات خود نماید اما تقسیم طعام بطریق مروج بعمل نیارد بحدی مطعون و ملام گردد و اگر گاہے تصدق برائے ایشاں بعمل نیارد لیکن تقسیم مذکور بطریق مروج نماید ہرگز نوعے از طعن و ملامت بسوئے او عائد نگردد پس تقسیم طعام مذکور دریں زمان از قسم رسوم است نہ از قسم عبادات پس کسیکہ آنرا از قسم رسوم دانستہ بعمل مے آرد درحق او از قسم بدعات حکمیہ است و کسیکہ آنرا موجب ثواب اموات دانستہ بعمل مے آرد درحق او از قسم بدعات حقیقیہ است و کسیکہ آنرا باعث توجہ ارواح اموات و جالب رضائے ایشاں دانستہ بعمل مے آرد و باز توجہ ارواح ایشانرا سبب قضائے حوائج خود و علت حصول مقاصد خود میداند ہم چنیں ترک رسوم مذکورہ را مورث طرد و لعن ایشاں فہمیدہ و آنرا موجب نکبت و وبال و علت برہمی مقاصد خود و پریشانی مطالب خود دانستہ ازاں اجتناب ورزد درحق او از قسم شرک است و کسیکہ بنا بر حاصل کردن معرفت و روشناسی در سرکار امیرے از امراء بطریق اہدائے طعام مذکورہ بتقریب سیوم و چہلم بعمل مے آرد درحق او از قسم امور معاشیہ است و کسیکہ محض بنا بر اجتماع احباب بحسب اتفاق در بعض اوقات تقریبات مذکورہ را بروئے کار مے آرد درحق او از قسم لہو است پس اگر مبلغ خطیر در آں صرف کند در حد اسراف داخل خواہد گردید بالجملہ معنی رسم ہمیں

است کہ امرے محدث از مباحات شرعیہ درمیان اکثر طوائف انام عوام بطریق التزام مروج بحدے شدہ باشد کہ تارک آن امر درمیان اکثر ایشاں مطعون و ملام گردد وتعامل در آں امر درمیان اکثر ناس بنا بر مجرد تقلید اسلاف یا موافقت اقران و اخوان قطع نظر از حصول منفعت ولحوق مضرت جاری شدہ باشد پس ہمیں امر را رسم میگوئیم

پس باید دانست کہ ہمہ رسوم شادی و ماتم و ولادت وختنہ ورسومے کہ از عنوانات شرافت درعوام الناس شمردہ میشود مثل مغالات در باب مہر یعنی کثرت مقدار ومثل اجتناب از حرف وصنائع در باب مکاسب باوجود احتیاج بسوئے آن ومثل احتراز زن بیوہ از نکاح ثانی ومثل استنکاف از اشتغال بحوائج خود از بیع و شراء و برداشتن اسباب خود بردوش وہم چنیں است استنکاف پیرزادہ ہا ومولوی زادہ ہا از زی ولباس سپاہیاں ازحمل سلاح وامثال آں ہمہ از قبیل بدعات حکمیہ است بہ نسبت اکثر ناس۔

مسئلہ رابعہ۔ اتباع انبیاء علیھم السلام دراحکام مختصہ بنفوس شریفہ ایشاں یا درزلات صادرہ از مقتضائے بشریت ایشاں یا دراحکام مختصہ ببعضے از افراد امتیاں ایشان بنص ایشاں مثل عدم انتقاض وضو بنوم وحلت مافوق الاربع در باب نکاح کہ مخصوص آنجناب است ومثل استغفار برائے مشرک ونماز برجنازہ منافق کہ بطریق زلت واقع گردیدہ ومثل امتناع از نکاح ثانی کہ مختص بازواج مطہرات واجتناب از اخذ صدقات واجبہ از زکوۃ وصدقہ عیدالفطر ونذر وکفارات کہ مختص بہ بنی ہاشم است وکفایت شھادت شاہد واحد درمقام شہادت شاہدین کہ مختص بذی الشہادتین است۔ وحکم قطعی بدخول جنت کہ مختص ببعضے صحابہ واہل بیت است وامثال ایں امور از اقبح بدعات حقیقیہ است اگر اعتقاد بعموم احکام مذکور داشتہ باشد واتباع زلات باعث حصول ثواب دانستہ باشد واز بدعات حکمیہ است اگر فقط عمل بآن کردہ باشد بشرطیکہ آن عمل از ممنوعات شرعیہ نباشد مثل نکاح مافوق الاربعہ ومثل جمیع زلات

مسئلہ خامسہ: اقتدائے صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیھم اجمعین درامور یکہ از بعضے ایشاں بطریق ندرۃ صادرشدہ وبحد رواج وتعامل بلانکیر نرسیدہ ودلیل از کتاب وسنت وقیاس صحیح منقول از مجتہدین برآں قائم نگردیدہ مثل استمداد از اہل قبور کہ از اعرابی در زمان امیرالمومنین حضرت عمر منقول است ومثل زیارت قبور درحق نساء منقول ازحضرت عائشہ وحکم حلت متعہ وجواز مسح رجلین در وضو منقول از ابن عباس ونواختن عود از عبداللہ بن جعفر وحکم بحلت مطلقہ ثلاثہ بمجرد نکاح ثانی خالی از وطی منقول از سعید بن المسیب وہم چنیں درامور یکہ ہرچند درآں ازمنہ ظاہر شد لیکن انکار اہل حق درہماں ازمنہ براں متوجہ گردیدہ مثل جلوس امراء برتخت حکومت وقیام ملازمان روبروئے آن منقول از معاویہ بن ابی سفیان وجلوس برمنبر در

خطبہ منقول از ایشاں وسائر بنی امیہ و برداشتن دست برائے دعا درخطبہ منقول از بعضے رؤسائے بنی امیہ و بنائے منبر در عیدگاہ وتقدیم خطبہ برصلوۃ منقول از ایشاں وامثال آن از امورے کہ درآں وقت ظاہر شدہ اما انکار اہل حق برآں متوجہ گردیدہ ہمہ ازقبیل بدعات حقیقیہ است اگر فاعلش آنرا ازقبیل ملحق بالسنہ شمردہ اقتداء ایشاں مینماید والا ازقبیل بدعات حکمیہ است اگر از ممنوعات شرعیہ نباشد۔

مسئلہ سادسہ: باید دانست کہ ہرچند درشرع شریف بسیارے را از افعال واقوال واخلاق از شعب کفر ونفاق شمردہ اند اما از اطلاق لفظ کافر ومنافق بر شخصے خاص ہمیں متبادر میشود کہ عقیدہ کفر ونفاق میدارد ہم چنیں باید فہمید کہ ہرچند ہزاراں ہزار امور ازقسم بدعت ست کہ پارہ ازاں بطریق نمونہ دریں مقام ذکر کردہ شد اما از اطلاق لفظ مبتدع یا صاحب بدعت بر شخصے خاص ہمیں معنی فہمیدہ میشود کہ شخص مذکور عقیدہ بدعت میدارد۔پس بنا بر ارتکاب اقسام باقیہ از بدعت حقیقیہ وجمع اقسام بدعت حکمیہ مرتکب آنرا مبتدع و صاحب بدعت نتواں گفت۔پس چنانکہ از معدود کردن بعضے افعال واقوال واخلاق ازشعب کفر ونفاق مقصود ہمیں ست کہ سامعین ازآں اجتناب نمایند نہ آنکہ آنچہ درقرآن مجید ازاحکام کفار ومنافقین ازقسم قتل ونہب سبی وترقیق ووضع جزیہ کہ درحق کفار وارد شدہ وحرمت صلوۃ جنازہ وممنوعیت زیارت قبور ایشاں ونہی از استغفار برائے اموات ایشاں کہ درحق منافقین وارد شدہ برصاحب افعال واقوال واخلاق مذکورہ مطلقاً اجراء باید کرد ہم چنیں از تعداد اقسام بدعت دریں مقام مقصود ہمیں است کہ سامعین ازجمیع اقسام مذکورہ اجتناب نمایند وراہ سنت خالصہ اختیار کنند نہ آنکہ آنچہ درحدیث شریف ازاحکام مبتدعین واہل بدعت ازقسم حبط اعمال ایشاں وحرمت توقیر ایشاں واجتناب ازعیادت ایشاں واحتراز از مجالست ومخالطت ایشاں وممنوعیت ابتداء و مفاتحہ درکلام وسلام بایشاں بر مرتکب قسمے از اقسام مذکورہ مطلقاً اجراء نمایند حاشا کہ کسے از منصفان حق طلب ایں راہ افراط وغلو پیماید۔نعوذ باللّٰہ من ذلک

فائدہ ثالثہ۔دربیان آنچہ دربادی نظر **مشتبہ ببدعت** میشود وفی الحقیقت درآن داخل نیست و آن مشتمل است بر چند مسائل:

مسئلہ اولی۔جمع قرآن وترتیب سور ونماز تراویح بر ہیئت مخصوصہ واذان اول برائے نماز جمعہ واعراب قرآن مجید ومناظرہ اہل بدعت بدلائل نقلیہ وتصنیف کتب حدیث وہم چنیں تعیین قواعد نحو وتنقید رواۃ حدیث واشتغال باستنباط احکام فقہیہ بقدر حاجت ہمہ ازقبیل ملحق بالسنّت است کہ درقرون مشھود لھا بالخیر مروج گردیدہ و بآں تعامل بلانکیر درآن قرون جاری شدہ۔چنانچہ برمہرہ فن تاریخ پوشیدہ نیست آرے ہرشیء را از اشیاء ممدوحہ وشرعیہ مرتبہ است ازمراتب مہمیت واہمیت وشرافت واشرفیت وحسن

واحسنیت کہ ازتغیر آن مرتبہ بدعت لازم می آید قد جعل اللّٰہ لکلّ شیء قدراً۔ مثلاً ترتیبے کہ درآیات قرآن فیما بینھا و درتعوذ وبسملہ وسورۃ فاتحہ وسائرسور قرآنی درنماز واقع است بمراتب اہم است از ترتیب اسورہ فیما بینھا کہ اول ازقسم سنت حقیقیہ است وثانی ازقسم ملحق بالسنہ مثلاً ہرکسے کہ درقرأۃ صلوۃ تقدے سورۃ برفاتحہ یادرمطلق قرأۃ تقدیم سورۃ بربسملہ یا تقدیم بسملہ برتعوذ یا قرأۃ سورہ واحدہ بتقدیم و تاخیرآیات بعمل آرد زجرے شرعی بحدے باو متوجہ خواہد گردید یا حرمان از ادراک فضیلت قرأۃ قرآن بوجہی لاحق حال او خواہد شد کہ بعدم رعایت ترتیب سور درقرأت قرآن عشرعشیرآن نخواہد شد پس کسے کہ ترتیب سور رامثل ترتیب اول دانستہ سعی بلیغ دررعایت آن یاانکارشدید برعدم رعایت آں نماید البتہ ترتیب مذکور بہ نسبت او ازقبیل بدعت خواہد گردید واگر درزمانے از ازمنہ رعایت ترتیب سور بروجہ مذکور مروج گردد البتہ انکارکردن برایشاں دران باب از جملہ احیاء سنت واخمال بدعت شمردہ خواہد شد وبذمہ اہل حق لازم خواہد گردید کہ درمجامع عامہ رعایت ترتیب مذکور رافرو گذارند تا افراط اہل زمان فرونشیند ہم چنیں نماز تراویح را بہیئت مخصوصہ مساوی بہ تہجد نباید شمرد چنانچہ قول بانی تراویح یعنی امیر المؤمنین فاروق اعظم فالّتی تناموں عنھا افضل من الّتی تقوموں بھا برآں دلالت صریح میدارد۔

مسئلہ ثانیہ۔ احکام مستنبطہ مجتہدین سابقین خواہ بایں وجہ باشد کہ فلاں امرواجب ست یامندوب یامباح یامکروہ یاحرام یابایں وجہ باشد کہ فلاں امررکن فلان امرست، یاشرط او یابہیئت مکملہ او یاسبب او، یالازم او، یااثراو، یاثمرہ او، یامنافی او، یاعوض او، وامثال آن۔ ومراد از امراعم است ازانکہ از جنس عقاید عقلیہ باشد یاامور قلبیہ یاافعال جوارح ازعبادات یاعادات یاازمعاملات ہمہ ازقبیل سنت حکمیہ است ہرگز درقسمے ازاقسام بدعت داخل نیست چہ جائے کہ ازبدعات باشد۔ امابہ سہ شروط۔

شرط اول۔ آنکہ قیاسے کہ استنباط احکام مذکورہ باں کردہ باشند فی نفسہ صحیح باشد وشرائط صحت قیاس درکتب اصول مفصلاً مذکوراست پس قیاسے کہ فی نفسہ صحیح نباشد ہرگز مقبول نیست اگرچہ ازمجتہدین سابقین منقول باشد مثل قیاس عبادات بدنیہ برعبادات مالیہ درباب نیابت احیاء ازاموات کہ صریح الفسادات است، چہ حلتہ دخول عبادت بدنیہ درامور دینیہ انعاب نفس امارہ است درطاعت حق جل ذکرہ و اظہار تذلل عبودیت واکتساب کیفیات آن افعال درجذر مزاج روحانی مثل اکتساب کیفیات اغذیہ وادویہ در جذرمزاج جسمانی ومثل اکتساب ملکات نفسانیہ بمزاولتہ وافاعیل جسمانیہ ونیابت دریں امور متعذراست والا لازم آید کہ درباب تادیب حیوان وصبیان ونسوان وتہذیب اخلاق ایشاں ودرباب اکرام وتوقیرکبراء و درباب اکل وشرب وجماع وتداوی ودرباب تعلّم علوم وصنائع وحرف وورزش جسمانی وریاضت نفسانی و

مراقبات واشغال نیابت جاری باشد وثمرات اشیاء مذکورہ از نائب بہ منیب انتقال کند

و ھو محال بحسب العادت الالھیۃ و ان کان ممکناً بحسب قدرتہ تعالیٰ

وعلت دخول عبادت مالیہ درامور دینیہ رفع حاجت مفالیس وذوی الحاجات است ونظم سیاست مدنیہ وحفظ ضعفاء اہل ملت از ہلاک وتلف و نیابت درامثال این امور عرفاً وشرعاً جاریست مثل قضائے دیون وایفائے حقوق اہل وعیال وجیران ونوکران ومثل سیاست مدنیہ بفیصل خصومات وتعزیر دزدان وقطاع الطریق ومثل سیاست ملت تعلیم علوم وامثال آن کہ نیابت درآن جاریست وسرانجام دادن مہمات مذکورہ کہ از نائب صادر شدہ منسوب بمنیب میگردد وثمرات آن مثل فراغ ذمہ از دیون وحقوق نیک نامی بسرانجام دادن مہمات وترقی منصب او بروئے سلاطین بمنیب عائد میگردد پس قیاس احدھما علی الآخر در باب نیابت قیاس بلاعلۃ (بلا، کالفظ نسخہ اشرفیہ یعنی نسخہ دوم میں نہیں ہے۔اوراس لئے ترجمہ میں بھی، بلا، کا ترجمہ نہیں ہوا۔بہاء) جامعہ است بالجملہ حکمے کہ بقیاس فاسد مستنبط باشد از قبیل بدعات است اگرچہ صاحب آن معذور باشد نہ از قبیل سنت حکمیہ زیرا کہ آنچہ قائس نظیر حکم خود فہمید و برآن قیاس کردہ است فی الحقیقت نظیر او نیست پس درنفس الامر محدث باشد ووقتیکہ حکم مذکور را از احکام شرعیہ شمردہ شد پس محدث درامر دین باشد و ہمیں است معنی بدعت۔

شرط ثانی ۔آنکہ قائس از مجتہدین باشد نہ از مقلدین ووجہش آنکہ ہرچند وجود نظیر شئے در نص درحکم وجود نفس آن شئے است اما ادراک آنکہ فلاں چیز نظیر فلاں چیز است پس موقوف است بر فطانۃ بالغہ زیرا کہ مراد از نظیر در ما نحن فیہ مشارک اوست درعلت حکم نہ مشابہ او دراوصاف باقیہ وملکہ تمیز علۃ از سائر اوصاف عمدہ ارکان اجتہاد است چہ بسا می باشد کہ شخصے چیزے را نظیر چیز دیگر بسبب کمال مشابہت قرار دادہ حکم اصل را برفرع جاری مینماید حالانکہ فی الحقیقۃ چیز مذکور نظیر او نیست بنا برعدم مشارکت درعلت حکم پس اجراء حکم برآں چیز فی الحقیقت از قبیل محدثات است اگر شخص مذکور آنرا از قبیل سنت حکمیہ میشمارد، مثلاً بادشاہے باتباع خود امر فرمودہ کہ زیدرا اعزاز واکرام کنند وزید درنفس الامر باعتبار صورت وسیرت وحرفت موصوف است باوصاف کثیرہ کہ از آں جملہ علم است و مدار حکم اعزاز واکرام است وعمرو با او درصورت و سیرت وحرفت وصنعت وسن ونسب مشابہت تمام میدارد اما جاہل است وبکر با او درجمیع امور مذکورہ مخالفت میدارد اما عالم است پس بکر باوجود ایں قدر مخالفت نظیر زید است پس حکم بادشاہی کہ باکرام زید صادر گردید مشتمل است براکرام بکر نیز حکماً وعمرو باوجود مشابہت تامہ نظیر زید نیست پس اکرام او مندرج حکم بادشاہی نیست بلکہ مخالف اوست پس کسے کہ حکم چیزے برنظیر آن چیز اجراء کند لابد ملکہ ادراک مدار اصل حکم داشتہ

باشد والا یمکن کہ در ورطہ مخالفت حکم سلطانی گرفتار گردد وہمیں ملکہ ادراک مدار اصل حکم را ملکہ اجتہاد میگویند پس مسائل مستنبطہ غیر مجتہدین کہ بقیاس خود برآوردہ اند متردداست درآنکہ از قبیل سنت حکمیہ باشد یا از جنس بدعات حقیقیہ چہ حکم مستنبط را البتہ از احکام دین می شمارند و ہرگاہ کہ چیزے مترددباشد درمیان سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ باعتبار ضعف روایت جانب بدعت او را ترجیح میدہند واحتراز از و لازم مے شمارند چنانچہ شیخ ابن الہمام در فتح القدیر وصاحب مجالس الابرار بآن تصریح فرمودہ اند پس وقتے کہ چیزے مترددباشد درمیان سنت حکمیہ و بدعت حقیقیہ جانب بدعت او البتہ راجح خواہد گردید واز جنس بدعات حقیقیہ البتہ شمردہ خواہد شد، بالجملہ مسائل مستنبطہ مجتہدین سابقین کہ مسلم الاجتہاد اند بقیاسات صحیحہ بے شک از قبیل سنت حکمیہ است واما تخریجات متاخرین فقہاء مثل تحدید مائے کثیر بعشر فی العشر بنا بر قیاس بر زمین متعلقہ چاہ ومثل حکم باستحباب تکلم بالفاظ دالہ بر نیت در باب عبادت بنا بر قیاس بر تکلم الفاظ عقود در باب معاملات ومثل حکم بوجوب تقلید مجتہدی معین از مجتہدین سابقین وحکم بالتزام بیعت شیخ معین از شیوخ طریقت بنا بر قیاس بر اطاعت امام وقت والتزام بیعت او ومثل حکم بجواز تقبیل قبر بنا بر قیاس بر تقبیل میت کہ از آنجناب ﷺ منقول است بہ نسبت عثمان بن مظعون واز جناب صدیق اکبرؓ بہ نسبت آنجناب ﷺ منقول است ومثل حکم بجواز ہبہ ثواب عبادت برائے اموات بنا بر قیاس بر ہبہ اعیان برائے احیاء بخلاف مسئلہ نیابت عن المیت کہ آن در عبادات مالیہ مسلم است ودر عبادات بدنیہ مختلف فیہ ومثل حکم بہ منسوخیۃ احادیث واقعہ دالہ برحرمت مزامیر بنا بر قیاس بر منسوخیۃ حرمت استعمال ظروف خمر وامثال آں از تخریجات غیر محصورہ کہ منقول از متاخرین فقہاء وصوفیہ است وکتب فقہ وسلوک بآن مملو ومشحونست واکثر اتباع ایشاں ہمیں تخریجات محدثہ را احکام شریعت واسرار طریقت مے نگارند ہمہ از قبیل بدعات است ودلائل ایشان ہمہ از قبیل لطائف شعریہ و نکات مخیلہ است کہ ہرگز احکام مذکورہ را از حد بدعت خارج نمی گردانند ودر دائرہ شریعت ایمانیہ وطریقہ احسانیہ داخل نمی کند۔

شرط ثالث ۔ آنکہ مرتبہ سنت حکمیہ را کہ بمراتب فروتر از سنت حقیقیہ وملحق بالسنہ است محفوظ دارد بیانش آنکہ ہر چند مسائل اجتہادیہ کہ مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد آن را بقیاسات صحیحہ استنباط کردہ باشند از قبیل سنت حکمیہ است اما فکر بشری را دران دخل عظیم است واحتمال خطا درآن گنائش دارد بخلاف سنت حقیقیہ وملحق بالسنۃ کہ حفاظت ربانیہ وکفالت رحمانیہ بآں متعلق گردیدہ پس لابد آں ہمہ سراسر شعشعہ است از شعشعات باب غیور کہ ظلمات ضلال بآں مضمحل است وخفاش وہم خطاء ازان دور دور۔ پس لابد رعایت اختلاف مرتبتین پیش نظر باید داشت وایں رعایت اختلاف مراتب را در ضمن تمثیلے ایضاح مینمائیم۔ پس میگوئیم چنانکہ سلاطین عدالت شعار بنا بر نظم ونسق کارخانہ سلطنت وسیاست رعایا دو قسم سررشتہ کاروبار برروئے

کارے آرند:

قسم اول آنست کہ مرکز دائرہ سلطنت ہمانست و مدار اصل سیاست بر آں و آں سر رشتہ حکومت است مثل تعین آئین سیاست و امرائے جنود و حکام بلدان و نائبان ایشان و تقسیم جنود بعساکر و عساکر بجماعات و تعیین امیرے کبیر بر سر ہر عسکر و امیرے صغیر بر سر ہر جماعت و تقسیم اقالیم باضلاع و اضلاع ببلدان و قرے و بلدان بمحلات و تعیین امیرے کبیر بر ہر ضلع و امیرے صغیر بر ہر بلدہ و گذربانی بر ہر محلّہ بارسال فرامین و پروانجات مشتملہ بر قوانین آئین و احکام سیاست بسوئے امراء اجناد و امصار مشتملہ بر مامور کردن ایشان براجرائے آن احکام بطریق جبر و حکومت و ارسال اشتہارات بنام سپاہیان اجناد و رعایائے امصار مشتملہ براحکام سیاست و مامور ساختن ایشاں بامتثال احکام مندرجہ اشتہارات و اطاعت حکام خود در مقدماتیکہ بریاست و سیاست تعلق میدارد و امثال ایں امور کہ برمہرہ فن ریاست و سیاست پوشیدہ نیست۔

قسم ثانی آنست کہ بنا بر تتیم قسم اول و تکمیل آن و تمہید مقدمات آن تعیین فرمودہ اند مثل تعیین چوبداراں و ہرکارہ ہا برائے رسانیدن فرامین و اشتہارات بسوئے امراء و رعایا و مثل تعیین عقلائے اہل کیاست و فطانت در اجناد و اضلاع کہ از قوالب قوانین و آئین و اشارات فرامین و فحادی اشتہارات باصول مقاصد پے برند و حکام نظائر استنباط نمایند و مہم را از اہم و فتیح را از اقبح تمیز دہند و امراء را بطریق مشورہ و رعایا را بطریق تربیت برآن آگاہ سازند و مثل تعیین مدبرین و ارباب سلیقہ و مہارت کہ نظر بمصالح زمان و مکان و اشخاص کردہ طریقے انسب برائے اجرائے احکام سلطانیہ تعیین کنند و امراء را بطریق مشورہ بران آگاہ سازند یا طریقے اسہل برائے امتثال احکام سلطانیہ تعیین کنند و رعایا را بطریق شفقت بران ترغیب کنند و مثل تعیین منشیان ارباب بلاغت و ماہران زبان آئین و اصطلاحات فرامین و لسان مستعمل در حضور سلطانی و محاورات دائرہ و سائرہ در ملازمان بادشاہے کہ بخواندن آئین و فرامین و نوشتن عرائض بحضور سلطانی خدمت امراء و معونت رعایا نمایند و مثل تعیین محافظان دفتر و تاریخ نویسان کہ تواریخ ورود فرامین سلطانی و وقائع امرائے اجناد و اضلاع و احکام مستنبطہ عقلاء و مصالح نافعہ مدبّرین و نکات مہمیہ منشیان را مرتب کردہ در دفاتر و کتب محرر نمایند تا درحق امراء و عقلاء و مدبرین و منشیان متاخرین نافع باشد۔

پس ہر چند ایں ہر دو قسم در کارخانہ سلطنت مندرج است اما قسم اول را بہ نسبت قسم ثانی مرتبتے ہست کہ بر ہیچ یکے از عقلاء پوشیدہ نیست مثلاً ہر کس را از احاد سپاہیان و رعایا احکام مندرجہ فرامین را تحقیق باید کرد و در جمیع جنود اضلاع و اقالیم تشہیر باید نمود و در ہر جماعت و گذر اشتہارات بر سر چوبے بلند تعلیق باید کرد و در ہر کوچہ و بازار بزبان منادیاں بآواز بلند اعلان باید کرد و در محفل و مجلس ذکر آن باید ساخت و ہر

کاتب وامّی را تفتیش آں باید نمود اگر خود زبان دان است فبھا والا زبان دانی دیگر ہر کہ بدست آید بے تعیین احدے تحقیق باید کرد و ہرگز بر تحصیل زبان دانی موقوف نباید داشت و ہر کس و ناکس را از سپاہیان واحاد رعایا تمیز امیر عسکر خود از سائر امرائے عساکر و رئیس جماعت خود از سائر رؤساء جماعات و ناظم ضلع از سائر ناظمان اضلاع وفوجدار بلدہ خود از سائر فوجداران بلاد و گذربانان محلّہ خود از سائر گذربانان محلات لازم آمد والتزام اطاعت حاکم خود بالتعیین در جمیع احکام متعلقہ حکومت نہ آنکہ در بعضے احکام مذکورہ اطاعت حاکمی نمایند و در بعضے دیگر اطاعت حاکمے دیگر و اظہار انتساب خود (بحاکم خود۔ یہ الفاظ نسخہ اشرفیہ میں نہیں۔ بہاء) بخصوصیۃ در مقام حاجت خواہ باقرار لسان باشد کہ از جماعت فلانیم نہ از جماعت فلانے یا از گذرِ فلانیم نہ از گذرِ فلانے خواہ بکتابت قلم در کواغذِ معاملات خواہ باظہار شعار آن جماعت مخصوصہ در لباس بحیثیتے کہ از سائر جماعات امتیاز حاصل شود ہمہ از ارکان انسلاک خود در سلک ملازمان بادشاہے و رعایائے سلطانیہ وہم چنیں تعیین عساکر بتعداد اشخاص وتعیین اضلاع ومحلات بتحدید حدود کہ ایں قدر اشخاص از منتسبان فلاں امیراند و ایں قدر از منتسبان فلاں واز ایں مقام تابفلاں مقام از متعلقات فلان است واز یں مقام تابفلاں مقام از متعلقات فلاں ہمہ از ارکان نظم ونسق سلطنت است بخلاف قسم ثانی کہ ہر کس را از عوام سپاہیان واحاد رعایا تحقیق کردن احکام مستنبطہ عقلاء و مصالح معینہ مدبرین ولطائف ومحاورات منشیان دفاتر ووقائع نگاراں ضرور نیست وتشہیر امور مسطورہ در جماعات جنود ومجامع امصار ومعلق ساختن دفاتر مذکورہ در ہر گذر بطریق اشتہار ومنادی کردن آن در کوچہ و بازار وتذکرہ آن در محفل ومجلس وافتادن بر واقف و ناواقف در پئے تفتیش آن تابع است از محافظت آئین سلطنت بلکہ اگر باوجود عقل وفطانت تعمداً ایں امر از و صادر گردد اغلب کہ جرمے باو عائد گردد ونوعے از بغی باو منسوب شود والا بکمال حماقت وسفاہت متہم خواہد گردید وہم چنیں تعیین شخصے معین از طرف خود بدون تعیین حکام از چوبداراں و ہرکارہا کہ اگر فرمان سلطانی بمعرفت او رسد قبول باید کرد واگر بمعرفت غیر او از ہرکارہائے معتبرین برسد قبول نباید کرد یا تعیین شخصے از عقلاء فاہمین و ماہرین ومدبرین کہ احکام مستنبطہ او یا مصالح نافع مستخرجہ او باید شنید واحکام و مصالح دیگرے اگر چہ از جنس عقلاء ومدبرین باشد نباید شنید واگر احیاناً از بعضے عقلاء ومدبرین عندالحاجت حکمے از احکام مستنبطہ او ومصلحتے از مصالح مستخرجہ او استفسار نمودہ آنرا بعمل آورد۔ پس بار دیگر از کسے دیگر استفسار نماید و بر آن عمل نکند بلکہ دائماً خود را از منتسبان ہماں شخص اول شمارد و در ہر محفل ومجلس اظہار انتساب خود باو ونفی انتساب بغیر او لازم نماید و ہرگاہ کہ نام ونسب خود را در کواغذ معاملات بنویسند ایں نسبت را ہم دراں مندرج سازد مثلاً بایں وضع بنویسد منکہ فلاں ابن فلاں ملازم حضور والا منسلک در رسالہ فلاں ام و در برابر آن این ہم بنویسد تربیت

یا فتہ فلاں کہ در مقدمات خود بر مشورہ و مصلحت فلانے عمل مے نمایم و امثال ایں امور ہمہ مبنے بر بلاہت و نادانی است بالجملہ التزام اتباع شخصے معین از عقلاء و مدبرین در باب اخذ احکام استنباطیہ و مصالح نافع از ارکان انسلاک کسے در سلک متعلقان بادشاہے نیست ہمیں قدر ضروری است کہ ہرگاہ بسوئے چیزے از احکام و مصالح مذکورہ حاجتے پیش آید از عاقلے و مدبرے کہ بدست آید تفتیش آن نماید اما از اول ہمت بستن برآنکہ اگر حاجتے بسوئے امور مذکورہ مرا پیش خواہد آمد از فلانی بالخصوص یا از کسے از ایشاں بالعموم خواہد پرسید پس اصلاً از ضروریات انسلاک مذکورہ نیست و اما تحصیل انتسابِ خود بشخصے معین از ایشان و اظہار اختصاص قولاً وفعلاً و اہتمام بامتیاز خود از منتسبانِ دیگراں پس سفاہت در سفاہت است و اگر ایں دعوی با او منضم گردد کہ رعایت اختصاص مذکور از احکام مندرجہ آئین سلطانی و فرامین بادشاہے ست دریں صورت اظہار اختصاص مذکور از اقبح جرائم شمردہ خواہد شد و اگر ہوشیار منصف دریں مقام تامل عمیق فرماید البتہ براو واضح خواہد گردید کہ اوامر عقلاء و مدبرین در حق احاد الناس اصلاً واجب الاطاعت نیست بلکہ طریق آن اینست کہ ایشاں امراء را برآں آگاہ سازند و آن امراء اگر مناسب وقت دانند آں را در عوام الناس بوجہے از وجوہ اجراء کنند پس بایں طریق احکام مذکورہ بہ نسبت عوام الناس در ایام امارت آن امیر واجب الاطاعت میگردد و چون ایں تمثیل ممہد شد پس باید دانست کہ حضرتِ مالک علی الاطلاق و ملک بالاستحقاق جلت قدرتہ بنا بر نظم ونسق ملت حق دو کارخانہ عظیم قائم فرمودہ اول آنست کہ مدار شیوع ملت برآنست وآن کارخانہ است کہ ایشاں ملکیہ تعلق دارد یعنی تکلیف بندگان خود بسوئے اطاعت خود بطریق جبر و الزام کہ چار و ناچار آنرا قبول باید کرد وطوعا وکرہاً ربقہ اطاعت در گردن خود باید انداخت و مرکز ایں کارخانہ منصب رسالت است وفروع آن مناصب اولی الامر است از خلفاء راشدین و آئمہ عادلین و امرائے جنود مجاہدین و قضاۃ امصار مسلمین و نواب ایشان از مصدقین و محتسبین۔ پس فرمان عالی شان یعنی قرآن واضح البیان و پروانجات علیہ و اشتہارات جلیلہ از احادیث قدسیہ اولاً بسوئے رسول مقبول خود وحی فرمود و قوانین وآئین بنا بر ایضاح مضامین فرامین کہ مسمی بسنت نبویہ است در دل ہدایت منزل او الہام نمود و ثانیاً بمساعی نائبین مذکورین در ہما اقطار و اکناف عالم شائع و ذائع گردانید و ہمہ بندگان خود را باطاعت او ونائبان او جبراً مکلّف گردانید یعنی ہر کہ گردن خود را در اطاعت بنہد در دنیا مامون و در عقبی از اہل نجات معدود است و ہر کہ گردن کشی نماید در دنیا مباح الدم و در عقبی مطرود و ہمہ اعمال او باطل و مساعی او مردود و بناء علیہ جہاد کفار و قتال بغاۃ و قتل مرتدین و اقامت حدود و تعزیرات بر فساق و امثال آن از احکام سیاست از عمدہ ارکان دین شمردہ شد۔ و کارخانہ ثانی بمشابہ متممات اول و مکملات اوست۔ وآں کارخانہ است کہ بشان ربوبیت تعلق دارد یعنی مہیا کردن

اموریکہ بندگان رادر باب امتثال احکام الٰہیہ واتباع سنت نبویہ بآں احتیاج پیش مے آید و مرکز ایں کارخانہ منصب حکومت است وفروع آں مناصب علماء واولیاء است از قرّاء ومحدثین کہ احکام الٰہیہ واحادیث نبویہ بجمیع امت میرسانند ومجتہدین شریعت کہ احکام قیاسیہ استنباط مے نمایند وشیوخ طریقت کہ بنا بر نظر بمصالح وقت تدبیرے برائے اجراء سنت استخراج مے فرمایند وآئمہ لغت وتفسیر وعربیت کہ نکات محاورات وقوانین زبان دانی ایضاح مے نمایند وواضعین کتب فقہ وجامعین فتاوی ومصنفین رسائل سلوک ومؤلفین کتب عربیہ کہ احکام مجتہدین وتخریجات مقلدین وکلمات مشائخ واقوال علماء عربیہ را مرتب کردہ در دفاتر مبسوطہ محرر مے نمایند۔ پس اول را کمال خلافت وامامت میگویند وثانی را کمال علم وولایت۔ وہرچند منشائے ایں ہردو کمال توجہ عنایت الٰہیہ است بہ تربیت بندگان خود ومہبط اصلی آن ہردو قلوب انبیاء است علیہم الصلاۃ والسلام واما اول نوریست قوی الاشراق کہ از آفتاب سلطنت الٰہیہ بر مرآت رسالت پرتو انداختہ واز اں بطریق انعکاس تمام عالم را فرا گرفتہ وشب کفر وفساد را ابتلاء شئے ....گردانیدہ وروز اسلام ونظام دارین را جلوہ گر نمودہ۔ وثانی آب زلال است کہ از ابر ربوبیت باریدہ واز فوارہ حکمت انبیاء جوش زدہ واز اں بحیاض قلوب خواص مجتمع شدہ وبکام تشنگان آب طلب بحسب مدارج ایشاں رسیدہ۔ پس لابد مرتبہ اول را بر ثانی ملحوظ باید داشت واہتمام کہ باول باید کردہ بہ ثانی نباید گماشت مثلاً ہر فردے را از افراد انسان خواہ عالم باشد خواہ جاہل خواہ عاقل باشد خواہ سفیہہ خواہ کاتب باشد خواہ امّی تفتیش مضامین ظاہر کتاب وسنت وتحقیق آن خواہ بفکر خود خواہ باستفسار آن از دیگرے لازم آمد والتزام اطاعت انبیاء واولی الامر بالتعیین از اول امر بر جمیع امت واجب شدہ ومجاہرۃ بانتسابت خود بایشاں ضرور افتاد واحتراز از تشبیہ بکفار واختلاط مبتدعین ومشارکت بغاۃ از ارکان دین شمردہ شد واشاعت ظاہر کتاب وسنت بسیف وسنان ومناظرہ وبیان وتشہیر آن در جمیع قری وبلدان از ارکان دین معدود شد وتعیین وعاظ کہ در جمیع مجامع ومساجد بر سر منابر بآواز بلند بسوئے او دعوۃ نمایند وتعیین محتسبین کہ در ہر کوچہ وبازار بجر وقہر بسوئے آن کشند از افضل عبادات معدود کردہ شد بخلاف

قسم ثانی کہ ہر کس را تحقیق احکام قیاسیہ واشغال صوفیہ وقوانین عربیہ ضرور نیست وارادۃ وتقلید شخصی معین از مجتہدین ومشائخ در ارکان دین نہ (یہ، نہ ، کا لفظ نسخہ نمبر ایک یعنی ۱۳۰۱ھ میں نہیں ہے، نسخہ نمبر ۲ یعنی اشرفیہ میں ہے، اور مولانا بٹالوی نے بھی فارسی نسخہ کے ص ۴۵، ۴۶ وغیرہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں بھی ، نہ ، کا لفظ موجود ہے۔ بہاء) بلکہ ہمیں قدر کافیست کہ وقتے کہ حاجتے پیش آید از کسی از ایشاں استفسار کردہ شود نہ آنکہ ارادہ (و، نسخہ نمبر ۲ یعنی اشرفیہ میں ہے۔ بہاء) تقلید ہم (نسخہ نمبر ۲ میں ، اہم ، کا لفظ ہے۔ بہاء) مثل ایمان بالانبیاء از

ارکان دین شمردہ شود، ولقب حنفی و قادری بمشابہ لقب مسلمان و سنی اظہار کردہ شود وامتیاز از شافعیان و چشتیان مثل امتیاز از کفار وروافض از لوازم تدین شمردہ شود، وانتقال را از مذہبی بمذہبے یا طریقہ بطریقہ بمثل ارتداد وابتداع وبغی موجب قتل وھتک معدود کردہ شود یا دعوی اجتہاد وولایت رامثل دعوی نبوت یا دعوی امامت بطریق بغی برامام حق باعث قتال واہانت قرار دادہ شود، امانمی بینی کہ باطاعت قاضی جبر کردن میرسدنہ براطاعت مجتہد کہ ردحکم قاضی واحد قاضی دیگر راہم نمیرسد چہ جائے احاد رعایا را بخلاف حکم مجتہد کہ برہرکسی قبول آن واجب نیست، لاسیما وقتیکہ آنکس خود مجتہد باشد کہ اورا تقلید مجتہد اول اصلاً جائز نیست و بغی برامام حق اگرچہ آن باغی لیاقت امامت داشتہ باشد اصلاً جائز نیست بخلاف دعوی اجتہاد کہ وقتیکہ ملکہ اجتہاد حاصل شود لابد دعوی اجتہاد باید کرد وتقلید را از گردن خود دور باید انداخت۔ بالجملہ غرض ازایں کلام آنکہ اشتغال بہ تفتیش ظاہر کتاب وسنت وتعلم وتعلیم آن خواہ بخواندن باشد خواہ باستماع مضامین آن وسعی در اشاعت آن ازجنس اکل وشرب ولباس است کہ مدار زندگانی برآنست واشتغال باحکام فقہیہ معتبرہ واشغال صوفیہ نافعہ ازقبیل مداوۃ ومعالجہ است کہ عندالضرورت بقدر حاجت بعمل آرند وبعد از آن بکار اصلی خود مشغول باشند وعنوان وشعار خود محمدیہ خالصہ وتسنن قدیم باید داشت نہ تمذہب بمذہب خاص وانسلاک در طریقہ مخصوصہ بلکہ مذاہب وطرق رامثل دکاکین عطارین باید شمرد وخود را ازمنسلکان جند محمدی پس چنانکہ سپاہیان راعنوان سپہ گری شعار است واعلاء کلمہء سلطانی کاروبار ووقتی کہ بردوائے محتاج میشوند از ہر دوکانے کہ بدست آید میگیرند وبقدر حاجت بعمل مے آرند وباقی را برائے وقت ضرورت نگاہ میدارند وکاروبار خود مشغول میباشند ہم چنیں محمدیت خالصہ راشعار خود باید کرد واقامت ظاہر سنت را کاروبار خود باید داشت و احکام فقہیہ صحیحہ رااشغال صوفیہ معتبرہ را کہ خالی ازشوب فساد وبدعت باشد بقدر حاجت استعمال باید کرد و زاید از حاجت بآن توغل نباید کرد۔

حاصل کلام آنکہ احکام فقہیہ کہ مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد آنرا بقیاسات صحیحہ استنباط نمودہ اند بیشک ازقبیل سنت ست اما ازجنس سنت حکمیہ کہ درجنب سنت حقیقیہ بجوئے نمے آرند وپس افراط وغلو در آن ازقبیل بدعت ست۔

مسئلہ ثالثہ: مسائل اجماعیہ امت محمدیہ علی صاحبھا افضل الصلوۃ والتسلیمات در ہر قرن کہ بوجود آید ہمہ ازقبیل مطلق سنت است چہ مستندِ آن مسائل درنفس الامر یاسنۃ حقیقیہ است یا ملحق بالسنہ یاسنۃ حکمیہ۔ وآنہم ازقبیل مطلق سنت است ولیکن درایں مقام نکتہ است بس باریک کہ ایضاح آن دریں جزو زمان پرضرورت است وآن ادراک امتیاز است دریں مقام اجماع ورواج بیانش آنکہ دربعضے احیان بعضے

از محدثات از قسم علوم و ارادات یا افعال و اقوال بنا بر مصلحت وقت در اہل زمان بطریق عادت رائج میگردد و اختلاف ایشاں آنرا از اختلاف خود بطریق رسم تلقے مے نمایند و ہم چنیں بر آن مدت طویلہ میگذرد و بعد مرور دہور شدہ شدہ آن امر در رسوم مسلّمہ خواص و عوام مندرج میگردد و بر تارک آن طعن اخوان و ملامت اقران متوجہ میگردد پس جمہور انام بنا بر خوف لحوق طعن و ملامت در محافظت آں جد و جہد مے نمایند و بعد انقضائے مدت مدیدہ چون در تفتیش اصل آن از شرع کلام واقع میگردد غیر از رواج مذکورہ ہیچ اصلی بدست نمے آید و چون منشاء آن رواج تفتیش کردہ میشود غیر از استحسان بعضے از اختلاف ہیچ واضح نمے گردد و حالانکہ حکم شرعی آن امر بحسب اختلاف زمان مختلف گردیدہ چہ در زمان اختلاف بمرتبہ التزام در رواج نرسیدہ بود و در زمان اخلاف بہ سبب التزام و اشہار بحد بدعت حقیقیہ یا حکمیہ رسید و ہمین معنی را رواج میگوئیم و در بعضے احیان امرے جدید پیش مے آید و اہل زمان در پے تفتیش اصل آن از دلائل دینیہ و تحقیق حکم آن از معالم شرعیہ بنظر استقلال مے افتد و بعد از تامل و تفکر در اصول دینیہ دلیلے صحیح از دلائل شرعیہ کہ بر حکم شرعی آن امر دلالت داشتہ باشد بر جمیع اہل زمان واضح میگردد و بنا بر وضوح آن دلیل بر ثبوت حکمے از احکام شرعیہ بر آن امر ہمہ مجتہدان آن زمان اتفاق مینما یدایں اتفاق را اجماع میگویم چون ایں مقدمہ ممہد شد پس باید دانست کہ مجرد رواج چیزے کہ در مابعد قرون ثلاثہ متحقق شدہ باشد آن چیز را از بدعت خارج نمے گرداند بخلاف اجماع کہ انعقاد اجماع در ہر قرن کہ واقع شود مسئلہ اجماعیہ را در دائرہ سنت داخل می گرداند و دلیل بر آں آن است کہ مستند در باب اجماع ہمیں کریمہ است: و من یّشاقق الرّسول من بعد ما تبیّن له الهدی و یتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی و نصله جهنّم و ساء ت مصیراً۔

پس در کریمہ مذکورہ لفظ سبیل را بسوئے مومنین اضافت فرمودہ اند و لفظ مومنین مشتق است و قاعدہ مقررہ است کہ نسبت چیزے بسوئے مشتق دلالت میکند بر سببیّت ماخذ آن مثلاً حکم بادشاہ و حکم قاضی ہمون حکم را میگویند کہ از جہت سلطنت و حکومت صادر شدہ باشد نہ از جہت مشورہ و راہ سلاطین و راہ امراء و راہ سپاہیان و راہ علماء و راہ مشائخ و اطباء ہموں امور را میگویند کہ اشخاص مذکور آن امور را از جہت سلطنت و امارۃ و سپہ گری و علم مشیخت و طبابت اخذ کردہ باشند نہ مثل اکل و شرب و جماع و خواب و بول و براز و امثال آن از حاجت بشریہ کہ آں را راہ اشخاص مذکورین نمے گویند چنانچہ آیہ کریمہ: ادعوا الی اللّه علی بصیرةٍ انا و من اتّبعنی بر آن دلالت میدارد چہ مراد از سبیل پیغمبر ﷺ دریں مقام امور تبلیغیہ است چنانچہ لفظ ادعوا الی اللّه علی بصیرة بر آن دلالت میدارد و چون ایں مقدمہ ممہد شد پس باید دانست کہ مراد از راہ مؤمنین در کریمہ مذکورہ اموریست کہ مومنین آنرا از جہت ایمان اخذ کردہ باشند نہ از جہت رسم و

عادۃ وآن مسائل اجماعیہ است نہ رسوم مروجہ چنانچہ حدیث :ما رأہ المسلمو ن حسناً فھو عند اللّٰہ حسن بر آن دلالت میدارد و چہ ما رأہ المسلمو ن فرمودہ اند نہ ما تعامل بہ المسلمون پس معنی حدیث چنیں باشد کہ چیزے را کہ مسلمین از جہت اسلام یعنی از جہت انقیاد پیغمبر واتباع اوامر نہ از جہت رسم و عادت نیک دانند پس آن چیز نزد خدا نیک است واما اینکہ ہر رسم مسلمین کہ در قرنے از قرون متاخرہ رواج پذیرشدہ باشد درسنت مندرج گردد پس باطل محض است چنانچہ حدیث انّ الدّین بدء غریباً و سیعود کما بدأ فطو بی للغر باء و ھم الّذین یصلحو ن ما افسد النّاس من بعدی من سنّتی کہ ترمذی از طریق عمرو بن عوف نقل کردہ بریں معنی دلالت میدارد ومفاد حدیث مذکور ہمیں است کہ رسوم مروجہء قرون متاخرہ مستلزم فساد سنت است وابطال آن منجر باصلاح او۔ حاصل کلام آنکہ مسائل اجماعیہ ہر قرن از قبیل سنت است ورسوم مروجہ قرون متاخرہ از جنس بدعت۔

مسئلہ رابعہ: اشتغال بعلوم الہیہ علوم عربیہ بقدر ضرورت کہ درفہم معنی ظاہر کتاب وسنت بکار آید وباشغال صوفیہ بقدر حاجت مثل تحریک لطائف ستہ بذکر خفی ومثل یاد داشت مسمی بپاس انفاس ودوام ملاحظہ بسوئے قلب کہ در تحصیل حقیقت احسان کہ مفاد ظاہر کتاب وسنت است منفعت بخشد ومزاولۃ آلات حرب مثل توپ وبندوق وتپنچہ بقدر کفایت کہ در قتال کفار بکار آید از جنس بدعت نیست زیرا کہ ہر چند امور مذکورہ از قسم مخترعات ومحدثات است اما از امور دین نیست اگر کسے اورا از قبیل امور دین شمردہ بعمل خواہد آورد البتہ بہ نسبت او از قبیل بدعات خواہد گردید ومعنی شمردن آن از امر دین آنست کہ نفس وجود ایں امور را قطع نظر از وسیلہ بودن آنہا ہم از محامد دینیہ قرار دہد تفصیل این اجمال آنکہ وسائل امور دینیہ بر دوقسم ست، قسمے آنست کہ خود ہم از جنس ممدوحات شرعیہ باشد مثل تحصیل صفۃ طہارت بوضوء وغسل اگرچہ از وسائل صلوۃ ست اما خود ہم از محامد شرعیہ است بقولہ تعالی :انّ اللّٰہ یحبّ التّوّا بین و یحبّ المتطھّرین ۔ وقولہ علیہ السّلام ۔ الطّھور شطر الایما ن

وتلاوۃ قرآن مجید اگرچہ از وسائل تدبر است اما خود ہم عبادت عظمی ست واشتغال بحدیث و سیرۃ نبویہ اگرچہ از وسائل عمل واتباع سنت است اما خود ہم از مشاغل محمودہ ست واعتکاف اگرچہ وسائل ادراک جماعت واسباب تعمیر اوقات بذکر الہی است اما خود ہم از جنس طاعت است وامثال آن از امور غیر محصورہ وعلامات ایں قسم آن است کہ حصول این قسم وسائل بر تقدیر خلو از مقاصد باطل محض بحسب نظر شارع نیست یعنی اگرچہ صاحب آن تحصیل نفس وسائل را قصد کردہ وحصول مقاصد را ملحوظ نداشتہ باشد منفعتے از منافع دینیہ اگرچہ اقل قلیل باشد حاصل کردہ باشد مثلاً تجدید وضو وغسل برائے تحصیل نفس ادامت بر طہارت

اگر چہ دران وقت نیت صلوۃ نباشد نیز از امور محمودہ شرعیہ است وموجب حصول اجر اخروی

وقسم ثانی آنست کہ خود آن وسائل اصلاً از جنس عبادات نیست اگر چہ بنا بر نیت توسل بعبادۃ از قسم طاعات بالعرض گردیدہ مثل سفر برائے حج ورفتن در بازار بنا بر نیت دخول مسجد وکشیدن دلو از چاہ بنا بر نیت وضو ونوشتن عرائض بسوئے حکام بنا بر سفارش ذوی الحاجات وسائر حرف وصنائع بنا بر صرف آنہا در اعانت دین یا خدمت محتاجین پس نفس سیاحت بلدان وسیر بازار وکشیدن آب چاہ وتحصیل مہارت در نوشت وخواند عرائض وسائر صنائع مثل حدادت وصباغت وخیاطت وامثال آن اصلاً از جنس طاعات نیست بلکہ از قبیل لہواست یا از قبیل امور معاشیہ کہ شدت جد وانہماک در آن موجب قسوۃ قلب ست ومورث غفلت روح وباعث نکرت از عالم قدس پس امور مذکورۃ الصدر از قسم ثانی ست نہ از قسم اول پس ہر کہ آن را از قبیل اول قرار دہد آن امور بہ نسبت او از قبیل بدعت حقیقیہ اصلیہ میگردد ونیز باید دانست کہ وسائل بر دو قسم است۔ قسمے آن است کہ استعانت بآں بنا بر تکمیل مقاصد ست یعنی مقاصد مذکورہ بہ نسبت حصول خود بآن وسائل حسنی وکمال در نظر شارع پیدا می کند کہ بدون وساطت آن وسیلہ حسن او مفقود میگردد ومثل غسل وتجدید لباس وتعطر برائے نماز جمعہ وعیدین وصعود بر میذنہ واذان وقامت وتعیین مسجد برائے جماعت وانسلاک در جماعت وتسویہ صفوف برائے نماز ووضو برائے اذکار ونظر در مصحف وتحسین صوت برائے تلاوت وتلاوت برائے تدبر واقامت امام واطاعت او برائے جہاد وامثال آن از امور غیر محصورہ کہ برائے تکمیل اصول عبادات مقصود ست کہ فقدان آن وسائل باعث نقصان حسن مقاصد در نظر شارع میگردد

وقسم ثانی آنست کہ استعمال آن بنا بر احتیاج فاعل وعجز او از ادراک مقصد ونقصان او از مرتبہ لیاقت ادراک مقصد واقع میگردد وحصول مقصد بدون وساطت وسائل ہیچ گونہ منقضے در حسن مقصد وکمال او نمیرساند وبوجہ من الوجوہ باعث سقوط مرتبہ فاعل آن بہ نسبت شخصے کہ آن مقصد را بواسطہ وسائل حاصل کردہ باشد ہرگز نمی گردد ومثل کشیدن آب چاہ برائے وضو پس شخصے کہ برلب دریا نشستہ وضو بجا آوردہ است ہرگز طہارت او بوجہ من الوجوہ انقص از طہارت شخصے کہ آب از چاہ کشیدہ وضو بجا آوردہ است نخواہد شد واز ہمیں باب است استعمال عینک درحق ضعیف البصر وتفحص مصحف معرب بہ نسبت امی وتعلیم تہجی درحق اطفال واستعمال آلات دور دست درحرب مثل تیر تفنگ ومنجنیق وتوپ وبندوق وامثال آن بہ نسبت عدو بعید وعلامت این قسم آنست کہ وقتیکہ مقصد بوجہ من الوجوہ حاصل شدہ باز استعمال وسائل لغو ولاطائل شمردہ میشود یا طریقے دیگر از طرق حصول مقصد پیش آمد باز توقف در اخذ مقصد وانتظار حصول وسائل یا تکمیل آن از سفاہت معدود میشود وذکر استعانت بوسائل در مقام تمدح بحصول مقاصد یا اثبات افضلیت بعضے بر بعض

بنا بر استعانت بوسائل در سلک جماعت منسلک کردہ میشود ومثلاً تہجی کلمات قرآن مجید بعد از ان کہ مہارت در قرأة حاصل شدہ خواہ بہ تہجی خواہ بغیر تہجی لغو محض ست و وقتیکہ مسلمے درصف جہاد شمشیر ہندی در کمر میدارد و کافرے بوجہی قریب او شدہ کہ زیر شمشیر او را توان گرفت پس دریں صورت توقف کردن در کشتن او بنا بر انتظار بدست آمدن تیر وتفنگ یا بنا بر انتظار بدست آمدن شمشیر اصفہانی سفاہت محض است و ہم چنیں مثلاً زید وعمرو ہر دو تلاوۃ قرآن در مصحف مجید نمودند اما عمرو بہ سبب ضعف بصر استعمال عینک میکند پس ذکر استعمال عینک در مقام ذکر مدائح تلاوت قرآنی کہ سبحان اللہ عمرو بچہ ادب تلاوت قرآن میکند کہ تجدید وضو کردہ در مسجد بخشوع وخضوع نشستہ ومصحفے کشادہ وعینک بر بینے نہادہ ومیخواند یا بیان اینکہ ہر چند زید و عمرو در مہارت تلاوۃ قرآن وتجوید حروف و خشوع وخضوع وتدبر وحسن صوت مساوی اند اما عمرو در باب تلاوت افضل است زیرا کہ استعمال عینک می نماید یا در مصحف معرب میخواند محض حماقت ست چوں ایں مقدمہ ممہد شد پس باید دانست کہ امور مذکورہ یعنی علوم الٰہیہ واشغال صوفیہ وآلات مخترعہ از قسم ثانی اند کہ بنا بر عجز اہل زمان از ادراک مقاصد باستعمال وسائل مذکورہ احتیاج افتادہ نہ از قسم اول از مکملات علم قرآنی ومتمات مقامات احسانی ومستحبات جہاد باشد پس ہر کہ آن را از قسم اول شمارد و در حین مناقب علماء محسنین ومجاہدین آن را مذکور کند وافضلیت بعضے ایشاں بر بعض دیگر بآن اثبات نماید و در باب تحقیق احق بالامامت مثلاً علوم مذکورہ را دخل دہد ایں ہمہ امور بہ نسبت او از قسم بدعت حقیقیہ وصفیہ خواہد گردید و نیز باید دانست کہ مزاولت آلات حرب اہم است از سائر وسائل والیق است بترویج واعلان چہ آن وسائل جہاد است و بنائے جہاد بر ترویج واعلان ست بعد ازاں علوم الٰہیہ است واما اشغال صوفیہ پس الیق ست باخفا وکتمان کہ دست بکار ودل بایار وخلوۃ در انجمن در باب امثال ایں امور قولے ست ماثور پس بنائے خانقاہات برائے آن وتداعی بر اجتماع آن محمود نیست واز حفظ مراتب امور دین بعید بلکہ اصول مقاصد احسانیہ را در اثناء تذکیر کتاب وسنت القاء باید کرد واشغال طرق بطالبین آن بدون نظر استقلالی و بدون التزام وضع خاص و بدون تمیز طریقہ از طرق از غیر آن و بدون دعوت بسوئے آن تعلیم باید کرد تا در ضمن اشتغال بامور معاشیہ ومعادیہ خود بآں مزاولت نمایند پس کسے کہ محافظت مراتب مذکور نماید امور مذکورہ بہ نسبت او در قسم از اقسام بدعت وصفیہ مندرج خواہد گردید و نیز باید دانست کہ اعتقاد اینکہ فلاں چیز از اصول مقاصد یا از متممات آن یا از وسائل ضروریہ آنست ہر چند امر مبطن است و مدار بودن شیئے از قسم بدعت تا سنت بر ہماں است اما بعضے معاملات ظاہرہ ہم...اعتقاد دریں باب مے باشد مثلاً تعداد علوم الٰہیہ در سلک علوم شرعیہ و تمدح بآن وابتہاج صاحب آن بانسلاک در سلک علماء ممدوحین در کتاب وسنت یا بشارت دادن دیگرے او را بایں انسلاک وتوقیر بآن در مقام توقیر علماء

وتحقیر فاقد آن اگر چہ اطلاع بر احکام دین بطریق مجرد استماع از علماء یا بطریق خواندن ترجمہ قرآن و حدیث داشتہ باشد مثلاً شخصے زید در علوم الہیہ مہارۃ تامہ میدارد و چنداں بر احکام دین اطلاع نمیدارد وعمرو بر احکام دین بطریق مذکورہ اطلاع میدارد و از علوم الہیہ آشنائی نمیدارد پس زید را از قسم علماء شمردن و عمرو را از قسم جہال در باب توقیر و اجلال یا در باب اعتبار کلام در مقدمہ افتاء و امر بالمعروف یا در مقدمہ تقدیم در باب امامت صلوۃ یا باینکہ اگر زید در مناظرہ در احکام دین زبان درازی کند از قسم تادیب شمردہ شود اگر بالعکس شود از سوء آداب معدود کردہ شود پس امثال این معاملات امور مذکورہ را از جنس بدعات حکمیہ میگردانند وبہمیں قیاس باید بلکہ از یداز اں بمرتبہ کثیرہ در باب اشغال صوفیہ۔

مسئلہ خامسہ ۔ اشتغال بعلم طب وحساب و ہندسہ وقدرے از مسائل علم ہیئت مجردہ ومنطق مجرد از خلط امور عامہ وقدرے از زبان فارسی از قسم نظم ونثر وتاریخ کہ در امور معاشیہ بکار آید وہم چنیں تحصیل حرف وصنائع واختراع اطعمہ جدیدہ والبسہ جدیدہ وآئینہ جدیدہ واسلحہ جدیدہ وامثال آن از امور معاشیہ باعتبار اصل خود از جنس بدعت نیست چہ ہر چند بعضے ازاں از قسم محدثات باشند اما نہ کسے او را از امور دین میشمارد ونہ باو معاملہ امور دینیہ میکند مثلاً طبیب وسیاق دان را کسے از علماء نے شمارد و باو معاملہ علماء نمی نماید آرے بعضے از سفہائے زمان اہل منطق وہیئت را در تعداد علماء معدود میکنند و در ضمن علموم ممدوحہ شرعیہ این ہر دو علم را میشمارند پس بہ نسبت ایشاں اشتغال این ہر دو علم از قسم بدعت حقیقیہ خواہد شد اما ایں قسم اشخاص کہ در حماقت بایں مرتبہ قصوی رسیدہ باشند کمتر یافتہ میشوند بناءً علیہ ببدعت این امور مطلقاً حکم کردہ نے شود آرے انہماک در امثال ایں امور بلکہ سائر امور دنیویہ واستغراق ہمت در آن مورث قساوۃ قلب وموجب بعد عن اللہ و باعث نسیان تذکر جلال حضرت حق وسبب تکدر روح است کہ حدیث: الدّنیا ملعونۃ وملعون مافیہا الّا ذکر اللّٰہ تعالی و ما والاہ و عالماً و متعلماً بر آن دلالت میدارد ہر چنداں کلام از مبحث مانحن فیہ یعنی تحقیق معنی بدعت وسنت خارج است اما کلام چوں بایں رسید لابد ذکر نکتہ کثیر النفع دریں مقام لازم آمد بیانش آنکہ تحصیل مہارت در فن شعر مثلاً بچند وجہ میباشد بعضے اشخاص بنا بر نیت نیک مہارت آن فن حاصل میکنند مثل تحصیل ملکہ تالیف مناجات رب العالمین ونعت سید المرسلین ومناقب عباد مقبولین وہجو کفار متمردین ونظم احکام دین وامثال آن از امور نافعہ در اسلام وباین وجہ عبادت بالعرض میشود وبعضے بنا بر تحصیل معاش بآن اشتغال مے ورزند مثل منشیان امراء ومعلمان صبیان پس نسبت ایشاں از امور مباحہ است وبعضے بنا بر تحصیل تعلّی وترفع واستکبار وتحقیر سادہ لوحان بایں اشتغال می کنند وبایں وجہ بہ نسبت ایشان از اقبح معاصی شمردہ میشود وبعضے بنا بر قضا شہوت لسانی بذکر محاسن نساء وامارد وبیان خط وخال وغنج وذلال و

ناز و انداز و شراب و کباب و چنگ و رباب و بیان اوضاع اغلام و جماع و رقص و سماع و امثال آن از امور مہیجہء شہوت بآن اشتغال مینماید و بایں وجہ بہ نسبت ایشاں از قبیل زنائے لسانی شمردہ میشود و بعضے بنا بر التذاذ بنفس ادراک مضامین نفیسہ مخیلہ و معانی عمیقہ مولفہ و اشارات دقیقہ و کنایات خفیہ و متانت عبارات و سلاست محاورات و جزالت تراکیب و لطافت تشبیہات و رشاقت استعارات و عذوبت الفاظ و خوبی استخوان بندی و رعایت صنائع لفظیہ و معنویہ و امثال آن از امور یکہ تعلق ببلاغت و فصاحت دارد بآن اشتغال مینماید و مدار التذاذ ایشاں ہمیں امور مذکورہ است نہ مضمون خاص از مضامین بلکہ ہر مضمون کہ لیاقت جریان امور مذکورہ داشتہ باشد ہماں مضمون جولانگاہِ افکار ایشان است خواہ از باب مناجات و نعت و منقبت باشد خواہ از باب ہجو و مدح و خواہ از باب مضامین شوقیہ باشد خواہ بہاریہ و خواہ سیر انبیاء باشد خواہ قصص اولیاء خواہ حکایت صالحین باشد خواہ افسانہائے سلاطین الغرض ایشاں را از تلفیق کلام خود غیر از لذت خیالیہ چیزے دیگر غرض نمے باشد حال ایشاں در حرکت خیالیہ مثل حال مفرجان بساتین است کہ ایشان را بجائے رسیدن منظور نمی باشد بلکہ مقصود اصلی نفس حرکت میباشد در ضمن ملاحظہ الوان مختلفہ و اشکال رنگارنگ بہر سمتی کہ متحقق شود شود و بہر بوستانی کہ گذر افتد چنانچہ کریمہ: والشّعراء یتّبعهم الغاوون . الم تر انّهم فی کلّ وادٍ یهیمون وانّهم یقولون ما لا یفعلون کاشف حال ایشان است و بایں وجہ بہ نسبت ایشاں از قبیل لہواست و از مکروہات شرعیہ بلکہ از اضر اشیاء است در باب تحصیل حقیقتِ احسان و ترک آن از شعار ایمان است و متممات احسان کہ کریمہ: قد افلح المؤمنون الّذین فی صلوتهم خاشعون والّذین هم عن اللّغو معرضون وحدیث من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه برآن دلالت میدارد و مزاولت حساب و ہیئت و ہندسہ و منطق را بر مزاولت شعر قیاس باید کرد کہ اکثر بنا بر اغراض مختلفہ واقع میگردد پس حکم ایں مزاولت مثل حکم آن اغراض است در حسن و قبح و علامت این مزاولت اکتفا است بر قدر حاجت نہ افراط و تعمق دران و در بعضے احیان بنا بر مجرد میلان بسوئے لذت فکریہ کہ از استحصال مجہولات عددیہ بطریق متعینہ و حساب خطائین و عکس و تبدیل و جبر و مقابلہ و از استحصال سوالات مشکلہ حسابیہ و از تخیل حیثیات اشکال ہندسہ و ہیئت و از انساق براہین قاطعہ آں و از ایصال بدیہات جلیہ بسوئے نظریات عمیقہ بطریقے کہ احتمال خطا و غلط را در آن گنجائش نباشد و از استعلام امور یکہ ادراک آن از عرف و عادات بعید تر مینماید مثل محدود الجہات و مقادیر کواکب و اوضاع آن بہ نسبت سفلیات و ارتفاع عمارات عالیہ و خیال شامخہ و عروض انہار و اعماق ابحار و امثال آن و از استعمال آلات اسطرلاب و اکتناہ مفہومات فائزہ و تحدید تصورات نظریہ و تمیز اجزائے عقلیہ و تفتیش اجزائے عقود و تنقیح حقیقت اذعان و متعلق آن و تحقیق لوازم قضایا و طریق

تالیف اقسیہ وتحلیل وترکیب وتصویر مباحث صناعات خمسہ وحصول ملکہ تقیید وتوجیہ ودفع ومنع و حل ونقض و قلب ومعارضہ وامثال آن از اموریکہ جولان گاہ افکار اذکیہ تواند شد حاصل میشود ومزاولت امور مذکورہ متحقق میگردد وانہماک قوت عقلیہ در مفہومات واستغراق قوت فکریہ در تعمقات بمراتب اقوے است از انہماک قوۃ حاسہ در ملاذ جسمانیہ وقوت مخیلہ در مضامین شعریہ والحان موسیقیہ و ملاہی شطرنج وامثال آں چہ میادین ایں معقولات نہایت اوسع است از بساتین مخیلات وحشوش محسوسات ولذت عقلیہ بغایت الطف است از لذات خیالیہ وحسیہ و اسپ باد پائے قوۃ متفکرہ بمدارج اسراع است از استر قوۃ مخیلہ و خر قوت حاسہ و تکاپوئے نظر بمراتب الذ است از دوادوش خیال وخر فشار حواس پس انہماک دران بمراتب اقوی باشد بہ نسبت انہماک درآخرین وادخل باشد در جذر قلوب وابعد باشد از شریعت ایمان کہ طریقہ سلوک اسلاف امین است واقصی باشد در روش ہیمان کہ بدعت مخترعہ اخلاف متفلسفین است واضر باشد در تحصیل حقیقت احسان کہ افناء ارادہء قلبیہ وقطع علائق ما سوی اللہ از جذر قلب واعراض از التذاذ بغیر اللہ خلاصہ او است و اغلظ حجب باشد در باب تحصیل اطمینان بمعارف انبیاء اعم کہ طموع بصر بصیرت بسوئے فیض نازل از حظیرۃ القدس کہ بقوالب شریعت و ہیاکل سنت بروز نمودہ از شرائط اوست۔ سبحان اللہ سخن از کجا تا کجا رسید۔ غرض آنکہ مومن پاک مبرا از بدعت وشرک را باید کہ ملت حنیفیہ بیضا را از الواث امور مذکورۃ حتی الامکان پاک دارد ولذت آن را در دل خود جائے ندہد و بر قدر حاجت ازاں اکتفا نمودہ اوقات عزیزہ خود را در تعمقات زائدہ ضائع نہ گرداند کہ ھلک المتعمقون حدیث نبی امی ﷺ است وتلبس امور مذکورہ را بنا بر ضرورت قضا حاجت شمارد الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا و ما کنّا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللّٰہ

فصل ثانی در بیان حکم بدعت

باید دانست کہ تحقیق حکم بدعت موقوف است بر تمہید چند مقدمات:

مقدمہ اولی باید دانست کہ خلاصہ مفہوم بدعت از تمہید کلام فصل اول چنان مستفاد گردید کہ ہر عقیدہ ومقامے وواردے وحالے وقولے وفعلے کہ از جنس عبادات باشد یا عادات یا معاملات وہم چنیں تقیید وتعیین امور مذکورہ بقیود وحدود معینہ وہم چنیں تشخیص موقع آن امور از تشہیر واعلان یا سرّ وکتمان یا اہتمام عدم اہتمام یا التزام وعدم التزام کہ نہ ثابت بکتاب باشد ونہ بہ سنت ونہ باشتہار ورواج در قرون ثلاثہ ونہ باجماع اہل حق ونہ بقیاس صحیح منقول از مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد و صاحبش آنرا از امر دین شمارد ویا باو معاملہ امور دینیہ کند پس ہماں امر را بدعت میگویم ودر اکثر مواضع کتاب وسنت لفظ بدعت برہمیں معنی مستعمل می شود

مثل آیت کریمہ قل ما کنت بدعا من الرسل چہ پر ظاہر است کہ خود آنجناب در زمان سابق موجود نبود و نہ شریعت آنجناب بخصوصہا بلکہ نظیر آن جناب در وصف رسالت و نظائر شریعت آنجناب از شرائع متقدمہ در زمان سابق متحقق بودند بناء علیہ از ذات آنجناب و شریعت آنجناب بدعت نفی کردہ شد پس معلوم شد کہ در باب نفی بدعیت شئے وجود نظیر آن شئے ہم در زمان سابق کفایت میکند و در احادیث متواترہ بدعت را مقابل سنت ذکر فرمودہ آن را نکوہش کردہ اند و از اتباع آن نہی بلیغ نمودہ و در حدیث علیکم بسنّتی و سنّۃ الخلفاء الرّاشدین المہدیّین وحدیث ما انا علیہ و اصحابی ۔ سنت خلفاء راشدین و سیرت صحابہ مکرمین را در باب وجوب اتباع در اوقات ظہور بدعات مقارن خود مذکور ساختہ و در حدیثے کہ ترمذی از طریق ابی سعید خدریؓ روایت کردہ :

قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من اکل طیباً وعمل فی السّنّۃ و امن النّاس بوائقہ دخل الجنّۃ ۔ فقال رجل یا رسول اللّٰہ انّ ھذا الیوم لکثیر فی الناس قال وسیکون فی قرون بعدی

و در حدیثے کہ مسلم از طریق عائشہ روایت کردہ :

انّھا قالت سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول لا یذھب اللّیل والنھار حتّی یعبد اللات و العزّی فقلت یا رسول اللّٰہ ان کنت لاظنّ حین انزل اللّٰہ ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحقّ لیظھرہ علی الدّین کلّہ ولو کرہ المشرکون انّ ذلک تامّاً ۔ قال انّہ سیکون من ذلک ما شاء اللّٰہ

شیوع سنت در رواج دین در چند قرون متاخرہ اخبار فرمودہ و آن چند قرون را در حدیث

خیر القرون قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم

و امثال آن از احادیث کثیرہ بقرون ثلاثہ تفسیر فرمودہ و در آیت کریمہ:

و من یّشاقق الرّسول من بعد ما تبیّن لہ الھدی و یتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّہ ما تولّی و نصلہ جھنم و ساءت مصیراً

اجماع را در باب وجوب اتباع سنت ملحق گردانید و پس معلوم شد کہ مراد از بدعت در احادیث متواترہ و استعمال لفظ بدعت بر ہمیں معنی واقع گردیدہ پس لا بد لفظ بدعت بہ نسبت معنی مذکورہ حقیقیہ شرعیہ باشد و حمل او برہمیں معنے در صورت عدم قرائن خارجیہ واجب و استعمال او بر غیر این معنی از قبیل استعمالات مجازیہ است کہ احتیاج بقرائن خارجیہ میدارد چنانچہ کلام حضرت امیر المومنین فاروق اعظمؓ کہ در حق تراویح فرمو

دہ نعمۃ البدعۃ ھذہ واقع گردیدہ چہ مراد از لفظ بدعت درکلام ایشان ہمیں قدر است کہ خود تراویح باین ہیئت خاصہ و بایں التزام در جمیع لیالی رمضان در زمان برکت نشان آنجناب ﷺ موجود نبود و ایں معنی اعم است از معنی اول پس اطلاق لفظ بدعت بر آن از قبیل اطلاق لفظ نفاق است بر مطلق تغیر حال کہ در قول حظلہ ؓ نافق حنظلہ واقع شدہ و قرینہ تجوز دریں مقام امتناع حقیقت است بنظر صدور نفس این عبارت از زبان خلیفہ راشد چہ ایں عبارت دال است بر تر ویج و تحسین تراویح و تحسین خلیفہ راشد چیزے را مستلزم انسلاک آنچیز است در سلک سنت او و سنت خلیفہ راشد ملحق بہ سنت نبویہ است پس مضاد بدعت باشد و چوں ایں مقدمہ ممہد شد پس باید دانست کہ مراد از لفظ بدعت دراین مقام یعنی در مقام تحقیق حکم آن معنی حقیقی شرعی است

مقدمہ ثانیہ: باید دانست کہ حکم شارع کہ بسوئے بندگان او متوجہ میگردد بسہ وجہ متحقق میشود یعنی یا بطلب چیزے متحقق میشود مثل صلوۃ وصوم یا بہ ترک چیزے مثل زنا وسرقہ و یا باباحت چیزے یعنی بیان اینکہ ایشاں درآن مختار اند اگر خواہند بعمل آرند و اگر خواہند بعمل نیارند نزد شارع نہ صدور آن امر مطلوب ست و نہ ترک آن مثل اکثر مباحات از اکل و شرب و لباس و ہر چند مراتب حسن امور مطلوبہ باعتبار مراتب علت مختلف میباشد مثل خوردن بدست راست و افشردن بینی بدست چپ و سائر آداب اکل و شرب و لباس و جماع و غائط و امثال آن از محاسن عادات مرتبہ از حسن میدارد کہ طلب شارع بحسب ہماں مرتبہ باو متعلق گردیدہ و محامد اخلاق و واردات و احوال و مقامات مرتبہ دیگر میدارد از حسن و تعلق طلب شارع و مسائل عبادات و معاملات خصوصاً احکام صلوۃ مرتبہ دیگر میدارد و مباحث اعتقادات خصوصاً توحید و ایمان بالرسالۃ مرتبتے دیگر و مراتب قبح امور ممنوعہ را ہم برہمیں معنی قیاس باید کرد مثل خوردن بدست چپ و افشردن بینے بدست راست و امثال آن از مساوی عادات مرتبہ از قبح می دارد کہ نہی شارع بحب ہماں مرتبہ باو متعلق گردیدہ و اخلاق رذیلہ و واردات ردیہ و احوال و مقامات مردودہ مرتبہ دیگر میدارد از قبح و تعلق نہی شارع و ارتکاب معاصی صغائر و کبائر خصوصاً تلوث بدعات حقیقیہ مرتبہ دیگر و اتصاف بعقاید باطلہ خصوصاً باشراک و انکار رسالت مرتبہ دیگر و ہم چنیں اگر در یک مرتبہ از مراتب مذکورہ تامل کردہ شود در ہماں مراتب کثیرہ واضح میگردد و باز اگر در یک مرتبہ ازیں مراتب نظر کردہ شود در آنہم مراتب دیگر نمایاں گردد و ہم چنیں میرود۔ الغرض اسپ خوشخرام فکر از تکاپوئے خود باز میماند و ایں میدان وسیع گاہے با تمام نمیرسد ولہذا آنچہ حضرت علام الغیوب جلت قدرہ از درجات جنت و درکات نار کہ محازی آنمراتب ایجاد فرمودہ است عقل بشری از ادراک تفاصیل آن عاجز است ولیکن چنانچہ ایں قدر بالاجمال متیقن است کہ در جمیع مدارج جنت راحت

است و در جمیع درکات نارِ الم، و درجہ انبیاء در حصول معنی راحت اعلی است از درجہ سائر سابقین و درجہ سابقین از درجہ ابرار گو کہ در افراد ہر صنفے از اصناف مذکورہ اختلاف فاحش بحسب اختلاف وجوہ تفاصیل واقع باشد و برہمیں قیاس باید کرد درکات نار مثلاً درکہء کفار باعتبار حصول معنی الم اشد است از درکہء مبتدعین و درکہ مبتدعین از درکہ فساق و فجار و ہم چنیں ایں قدر بالاجمال متعقل است کہ در جمیع مطلوبات شرعیہ حسنے است خواہ قلیل خواہ کثیر و در جمیع ممنوعات شرعیہ قبحے است خواہ قوی خواہ ضعیف و ایں قدر ہم بالاجمال معلوم است کہ مقتضائے بعضے مراتب طلب شرعی ندب است و مقتضائے بعضے وجوب و مقتضائے بعضے دخول دراصل ایمان و ہم چنیں مقتضائے بعضے مراتب ممنوعہ شرعیہ کراہت است و مقتضائے بعضے حرمت و مقتضائے بعضے انجراء بکفر۔ بعدازاں باید دانست کہ تفتیش امر شرعی در مقدمہ امرے از امور معاشیہ یا معادیہ بدو وجہ مے باشد اول تفتیش اجمالی یعنی تفتیش اینکہ فلان امر شرعاً حسن است یا قبیح یعنی از جنس مطلوبات شرعیہ است یا ممنوعات و ثانی تفتیش تفصیلی یعنی در کدام مرتبہ از حسن یا قبح واقع است و کدام مرتبہ طلب یا منع از جانب شارع باو متعلق گردیدہ و چنانچہ گرسنہ را بمجرد اطلاع بر اینکہ در فلاں مقام طعامے است شرارہء طلب از دل او بوجہے ہوش میزند کہ چار و ناچار کشان کشان گو کہ اطلاع بر خصوصیت آن طعام نداشتہ باشد برآن مقام مے آرد و عاشق صادق را بمجرد اطلاع بر اینکہ فلان امر باعث رنج و ملال معشوق اوست ...ونفرتے بہ نسبت آن امر در دل او پیدا میگردد کہ حدود قرب و جوار او فرار میکند مثل جبان و بزدل از قرب و جوار میدان جنگ گو کہ بر مرتبہ آن ملال اطلاعات نداشتہ باشد ہم چنیں طالب حق را بمجرد اطلاع اینکہ فلان چیز شرعاً حسن است و در مطلوبات شرعیہ داخل حرارت طلب آن از دل او بوجہی مے جوشد کہ کشاں کشان بر تحصیل و ترویج و تشہیر و تعلیم او مے آرد کہ حدیث: واللّٰہ لا یؤمن احدکم حتّی یکون ھواہ تبعاً لّما جئت بہ برآن دلالت میدارد و ہم چنیں مومن صادق را بمجرد اطلاع بر اینکہ فلاں چیز شرعاً قبیح است و در ممنوعات شرعیہ داخل نفرتے و انجامی بہ نسبت آن چیز در دل او حادث میگردد کہ دور از قرب و جوار آن مے گریزد مثل گریختن ارباب ننگ و ناموس از مظان لحوق عار و مذلت کہ در حدیث: الحلال بیّن والحرام بیّن ومابینھما مشتبھات فمن اتّقی المشتبھات استبرأ لدینہ وعرضہ برآن دلالت میدارد الغرض تحقیق حکم اجمالی در باب ترغیب و ترہیب مؤمناں پاک و طالبان چست و چالاک و موحدان مبرا از شرک کفایت میکند و اما تفتیش تفصیلے پس اصل منصب مجتہدین است و مقلدین را در پئے آن افتادن غیر از برپا کردن شور و شغب و قیل و قال و مناظرہ و جدال منفعت نمے بخشد چوں ایں مقدمہ ممہد شد پس باید دانست کہ مقصود دریں مقام ہمیں ست کہ مطلق بدعت شرعاً حسن است یا قبیح نہ

آنکہ کدام بدعت در کدام مرتبہ حسن واقع است وکدام بدعت در کدام مرتبہ قبح

مقدمہ ثالثہ: باید دانست کہ وقتیکہ اشیاء متعددہ دریک حکم عام مندرج باشند مثل اندراج مسلم وکافر در مفہوم انسان واندراج گوشت گوسفند وخنزیر در مفہوم مطعوم واندراج خمر وماء در مفہوم مشروب و اندراج نقد وجنس در مفہوم مال واندراج زنا وجماع زوجہ یا کنیزک در مفہوم وطے پس حکم شرعی بدو طریق بآں متعلق میگردد۔

اول آن کہ ہریک ازاں اشیائے مخصوصہ حکمے علیحدہ متعلق گردد و بمطلق بالنظر الی ذاتہ ہیچ حکمے از احکام شرعیہ متعلق نباشد مثلاً گوشت گوسفند حلال ست وگوشت خنزیر حرام و مطلق گوشت را نہ حلال توان گفت ونہ حرام پس بریں تقدیر در باب ترغیب وترہیب نہ از مطلق گوشت تنفیر باید کرد ونہ بسوئے او ترغیب در باب تحصیل حقیقت تقوی واحتیاط کہ از افضل محامد شرعیہ است احتراز از مطلق گوشت بنا برآنکہ گوشت خنزیر حرام از جملہ افراد اوست ہرگز داخل نیست بلکہ از جنس وسواس است کہ آن در ممنوعات شرعیہ است و در باب فتوی ہرگز مفتی رانمے رسد کہ بر مطلق مذکورہ حکمے جاری نماید بلکہ مسائل را آگاہ سازد کہ سوال او ناقص است قابل جواب نیست زیرا کہ مطلق دریں صورت منقسم است بسوئے اقسام مختلفہ وہر قسم را حکمے است علیحدہ تو در کدام قسم سوال مینمائی مثلاً شخصے سوال کرد کہ خوردن گوشت حرام است یا حلال۔ پس مفتی رانمے رسد کہ بر سوال اجمالی اکتفا کردہ بحلّت یا بحرمت آن فتوی دہد بلکہ بگوید کہ گوشت منقسم است بگوشت گوسفند وگوشت خنزیر اول حلال است وثانی حرام تو از کدام قسم گوشت سوال مینمائی تا برطبق آن جواب دادہ شود ودر باب بیان احکام عقد قضیہ کلیہ یا مطلقہ دریں مقام مناسب نیست مثلاً در مقام بیان مطعومات محرمہ گفتن ایں کلام کہ ہر گوشت حرام است یا ہمیں قدر کہ گوشت حرام است ہرگز مناسب نیست گو کہ نظر بسوئے تخصیصات عمومات وتقییدات مطلقات کلام مذکور بحسب اصل لغت صحیح باشد چہ ممکن است کہ از مدلول ہر گوشت گوشت حیوانات مخصوصہ واز مطلق گوشت گوشت حیوانات محرمہ مراد باشد لیکن تکلم بمثل ایں کلام قبیح است در خواص و عوام وساقط است از درجہ بلاغت یعنی مقتضائے مقام وبعید است از محاورات کلام بالجملہ ارادہ کردن مفتی مذکور از کلام مسطور خلاف ظاہر وغیر متبادر است وطریق ثانی آنکہ بمطلق بالنظر الی ذاتہ حکمے از احکام شرعیہ متعلق گردد وہماں حکم بر جمیع افراد باعتبار آن مطلق جاری باشد پس مطلق بنظر ذات خود در جمیع خصوصیات ہماں حکم را اقتضا مے نماید اگرچہ در بعضے افراد بحسب عوارض خارجیہ حکم مطلق مختفی گردد مثل آنکہ مطلق گوشت خنزیر حرام است اگرچہ در وقت مخمصہ مباح گردد ومطلق شرب خمر حرام است اگرچہ در صورت اکراہ واجب میگردد ومطلق سرقہ حرام است اگرچہ عند الاضطرار جائز میگردد ومطلق تکلم بکلمات کفر قبیح است اگرچہ

عندالاکراہ معفو میشود و مطلق نماز حسن است اگر چہ در وقت طلوع آفتاب ممنوع میگردد و مطلق تلاوت قرآن عبادت است اگر چہ درصورت جنابت محرم میگردد و مطلق دوام ذکر افضل قربات است اگر چہ درعین حالت قضائے حاجت ممنوع میگردد و پس برایں تقدیر در باب ترغیب وترہیب بسوئے مطلق دوام ذکر ترغیب کردن واز مطلق شرب خمر تنفیر نمودن از ارکان اشاعت دین واعلائے کلمۃ اللہ است و تفصیل طرق موانع خارجیہ از ضروریات وعظ وتذکیر نیست بلکہ ممکن کہ از مضرات آن باشد، مثلاً درمقام بیان معنی آیت:

و الّذین یذکرون اللّه قیاماً و قعوداً وعلی جنوبهم ۔ وحدیث: لا یزا ل لسا نک رطباً من ذکر اللّه

درفضائل دوام ذکر ومنافع آں مذکور باید کرد و بیان مسئلہ احتراز از ذکر مقام خلا ضروری نیست یا درمقام بیان معنی آیت کریمہ:

انّما الخمر و المیسر و الانصاب والازلام رجس مّن عمل الشّیطان فاجتنبوه لعلّکم تفلحو ن ۔

وحدیث اشهد با للّه و اللّه انّ شارب الخمر کعابد الوثن

قبائح شرب خمر ومضار آں مذکور باید کرد نہ مسئلہ وجوب آں درصورت اکراہ یا در بیان معنی آیت کریمہ:

یا ایّها الّذین آمنوا لا تأکلوا اموا لکم بینکم بالباطل ا لّا ان تکون تجارة عن ترا ضٍ منکم،

وحدیث: الا انّ دماء کم و اموا لکم واعرا ضکم حرا م کحرمة یومکم هذافی بلدکم هذا

تقبیح مطلق مال مردم خوری وحرمت تصرف در ملک غیر بلا اذن باید کرد نہ مسئلہ جواز آن در صورت اضطرارے بلکہ دراکثر احیان بیان ایں معنی در باب ترغیب وترہیب مضر میگردد وچہ در نظر عوام حسن و قبح آن سہل میشود آری در وقت پیش آمدن صورت مذکورہ و تفتیش سائلین جواب برطبق سوال بیان کردہ شود چنانچہ ترغیبات وترہیبات درکلام شارع برہمیں نہج واقع گردیدہ ودر باب تحصیل حقیقت تقوی واحتیاط اجتناب از مطلق استعمال منکرات وتصرف فی ملک الغیر بلا اذن (نسخہ نمبر ۲ میں یہاں، نہ، کا لفظ بھی ہے) پیش نظر ہمت خود باید داشت وما دامیکہ یقین کلی بحلت آن بحسب عوارض خارجیہ حاصل نشود ہرگز باآں آلودہ نباید شد۔

وما دامیکہ وہمے ضعیف ہم در جانب عدم ثبوت حلت آن باقیست نظر برحرمت اصلیہ آن کردہ ازاں اجتناب ورزد چنانچہ حدیث:فمن اتّقی المشتبها ت استبرأ لد ینه وعرضه برآن

دلالت میدارد و در فتوی مفتی را میرسد کہ حکم حلت یا حرمت بر مطلق جاری کردہ آید و بدون تفتیش سائل مواقع خارجیہ را تفصیل نکند و بہ تقسیم مطلق بسوئے حلال وحرام لب نکشاید بلکہ حکم مطلق را اصل قرار دہد و صور خارجیہ را کہ در آن حکم مطلق بسبب عوارض خارجیہ مخفی گردیدہ در سلک شواذ منسلک گردانند مثلاً اگر کسے سوال کند کہ شرب خمر حلال است یا حرام پس بر ہمیں قدر سوال اجمالی اکتفا کردہ بگوید کہ حرام است واگر کسے از مسئلہ اکراہ بخصوصہا سوال کند بر آن تقدیر مسئلہ اکراہ و حال مکرہ علیہ را تحقیق کردہ بر طبق آن جواب دہد و تکلم بایں کلام کہ خمر وخنزیر ہم مثل مطعومات منقسم است بحلال وحرام اگر چہ ایں کلام بحسب تدقیق نظر وجہی از صحت داشتہ باشد چہ حلال است درصورت اکراہ وحرام است در غیر آن اما کلام مذکور از قسم الغاز ... فقہیہ است کہ برائے سنجیدن اذہان صبیان آن را مذکور مے سازند نہ از قبیل احکام افتاء وقضا کہ بنا بر نظم وسیاست ملت حنیفیہ آن را قرار دادہ اند بلکہ در باب بیان احکام شرعیہ ممکن کہ مثل ایں کلام از قبیل استہزا بآیات اللہ باشد و القائے مداہنت در قلوب عوام بلکہ این کلام باطل محض است باعتبار محاورہ عرفیہ اگر چہ صحیح باشد باعتبار حقیقت لغویہ بلکہ کلام مفید در حق عوام و منطبق بر محاورات کلام ہمیں است کہ ہر خمر حرام است ونجس ومبعد عن اللہ و اصل آن قبیح است دریں وآں چہ درصورت اکراہ حکم باباحت کردہ میشود جاری است مجرائے شواذ پس احق درین مقام عقد قضیہ کلیہ یا مطلقہ است نہ بیان تقسیم یعنی ہر خمر حرام است نہ اینکہ بعضے از اں حلال است و بعضے حرام چنانکہ کلام شارع بلکہ جمیع مصنفان کتب فقہ و جامعان فتوی بر ہمیں سوال جاری ست و در باب مناظرہ در تحقیق حکم صورت خاصہ کسے کہ دعوی جریان حکم مطلق درصورت خاصہ مجوث فیھا مے نماید ہمانست متمسک باصل کہ در اثبات دعوی خود حاجت بدلیلے نمیدارد و دلیل او ہماں حکم مطلق است وبس بخلاف کسے کہ دعوی تخصیص آن صورت خاصہ میکند کہ دعوی او خلاف ظاہر است محتاج بدلیل خارج مثلاً کسے کہ بگوید کہ شرب خمر زید را حرام است ہیچ حاجت باقامت دلیل نمی دارد بخلاف کسے کہ بگوید ہر چند مطلق شرب خمر حرام است اما زید را حلال است کہ محتاج است بدلیل خارج از اثبات اضطرار واکراہ یا جنون بحد یکہ مجوز شرب خمر میتواند شد چوں ایں مقدمہ ممہد شد پس بایدانست کہ مقصود دریں مقام آن ست کہ آیا بدعت از قسم اول ست کہ در ہر بدعت خاصہ تامل باید کرد کہ آیا حسن است یا قبیح و برائے اثبات حسن یا قبح آن در دلائل خارجیہ تامل باید کرد و بر مطلق بدعت ہیچ حکم جاری نباید کرد و یا از قسم ثانی کہ مطلق بدعت را نوعے از حسن یا قبح ثابت باشد کہ در جمیع بدعات خاصہ قطع نظر از دلائل خارجیہ متحقق باشد الغرض مقصود تفتیش حکم مطلق است نہ تحقیق عوارض طاریہ کہ بہ سبب عروض آن عوارض در بعضے صور حکم مطلق مختفی میگردد پس وقتیکہ چیزے را از امور متداول درمیان اہل زمان ثابت کردہ شود کہ فلاں چیز بدعت است پس حکم مطلق بدعت از حسن یا قبح بر آن

جاری خواہد گردید اما کسے کہ دعوائے استثنائی آن صورت خاصہ کند پس باید کہ دلیلے بر آن قائم گرداند چوں این مقدمات ثلاثہ ممہد شد پس میگویم کہ دریں مقام سہ احتمالات تصور توان کرد۔

اول آنکہ مطلق بدعت باعتبار اصل خود حسن باشد مثل عبادات شرعیہ از صلوۃ وصوم وذکر وتلاوت قرآن گو کہ در بعضے احیان بسبب عوارض مثل لزوم تشبہ بکفار یا استلزام مفسدہ در اصل ملت بقبح عارض متصف گردد وایں احتمال باطل است بالاتفاق ہیچ یکے از عقلاء وسفہاء بآں نرفتہ چہ جمیع ملیین بدعات را از عیوب مے شمارند نہ از کمالات آرے اختراع امور جدیدہ را در امور معاشیہ از مثل تیر وکمان ہنر شمردہ میشود نہ امور دینیہ بلکہ اتباع آئمہ ملت والتزام تقلید ایشاں وترویج سنت ایشاں از اصل ارکان ملت معدود کردہ میشود

واحتمال ثانی آنکہ مطلق بدعت نہ حسن باشد نہ قبیح مثل مطلق اکل وشرب وجماع وتکلم واکتساب اموال واشتغال بصنائع پس منقسم باشد بسوئے حسن وقبیح ودر باب اثبات حسنِ بدعت مخصوصہ یا قبح آں وعوارض طاریہ ودلائل خارجیہ تامل باید کرد تا احدھما منکشف گردد وبمجرد ملاحظہ آن کہ در سلک بدعات منسلک است ہیچ حکم نتوان کرد وہمین است زبان زد عوام درین جزو زمان

واحتمال ثالث آنکہ مطلق بدعت بمعنی حقیقی شرعی خواہ حکمیہ شد خواہ حقیقیہ اعم ازاں کہ اصلیہ باشد یا وصفیہ واعم از آنکہ بدعیت اورا بجہت تحدیدات وتوقیقات مبتدعہ لازم آمدہ باشد یا از جہت تغیر موقع آن کہ در سنت ثابت ست ایں ہمہ اقسام باعتبار اصل خود قبیح ست اعم از آنکہ مکروہ باشد یا حرام یا منجر بکفر مثل سائر امور قبیحۃ الاصل از کذب وفحش وظلم وغیبت وحسد پس در باب اثبات قبح آن دلیلے دیگر نمے باید ہمیں وجہ کافیست کہ بدعت ست چنانچہ در باب اثبات قبح کلام کہ مشتمل بر کذب یا فحش باشد احتیاج بدلیل دیگر نیست ہمیں قدر کافی ست کہ مشتمل بر کذب یا فحش ست پس بمجرد ثبوت اینکہ فلان چیز بدعت است حکم بقبح آن توان کرد ودر باب تحصیل حقیقت تقوی ازاں اجتناب باید ورزید ودر باب ترغیب وترہیب جمہور انام ازاں تنفیر باید کرد ودر محافل ومجالس تذکیر بآواز بلند تقبیح آن باید شود خصوصاً در اوقاتیکہ رواج پذیر شدہ باشد کہ در آن اوقات بابلغ وجوہ ازاں تنفیر وتحذیر باید کردہ در اخمال وابطال آن سعی کردن از جملہ (نسخہ نمبر ۲ یعنی اشرفیہ میں، جملہ، کا لفظ نہیں ہے۔ بہاء) اعلاء کلمۃ اللہ باید شمرد بمثابہ آن کہ در زمانے کہ کذب وفحش درمیان مردماں رائج گردد پس آنچہ معاملات اہانت وتحذیر در آن زمان با کذب وفحش باید کرد ہماں معاملہ با ہر بدعت کہ در زمانے رائج گردد باید نمود وچنانکہ از مطلق کذب وفحش دائماً تنفیر باید کرد ہم چنیں از مطلق بدعت دائما تحذیر باید کرد بل اشد ازاں بمراتب وکسیکہ بدعت مخصوصہ را از دائرہ قبح بیرون کشد ودر صدد اثبات حسن آن شود اقامت دلیلے قاطع از دلائل شرعیہ واجب بر ذمہ اوست نہ بر ذمہ مانع آں مثل کسے کہ

کذب خاص را یا فحشے خاص را تحسین کند پس اقامت دلیل قاطع عہدہ ء ہمانست نہ عہدہ کسے کہ ازاں احتراز مینماید و تقبیح آن میکند بلکہ احتمال بدعت ہم در باب اجتناب ازان کفایت میکند چنانچہ شیخ ابن الہمام در فتح القدیر وصاحب مجالس الابرار بآن تصریح فرمودہ اند چنانچہ احتمال کذب ہم در باب روایت حدیث ملحق باصل کذب است چنانچہ من روی عنی حدیثاً و ہو یری انّہ کذب فہو احد الکاذبین برآن دلالت دارد وہمین است مذہب حق۔ بالجملہ مطلق بدعت براحتمال اول مثل ذکر اللہ باشد و براحتمال ثانی مطلق تکلم و براحتمال ثالث مثل تکلم بکذب وفحش وثالث مذہب است موید بکتاب وسنت واجماع وقیاس و احتمال ثانی کہ زبان زد عوام است باطل است مثل احتمال اول وآنچہ درین باب تمسک مینمایند ہمہ ناشے از سوئے فہم ایشان۔ پس دلائل این مضمون در دو بحث بیان باید کرد۔ بحث اول در ذکر دلائل مذہب حق۔ بحث ثانی در ابطال ظنون عوام

بحث اول در ذکر دلائل مذہب حق وآں مشتمل بر دو قسم:

قسم اول در ذکر آیات واحادیث دالہ بر مذہب حق وآں مشتمل است بر سہ نوع:

نوع اول، در ذکر نصوص دالہ بر قبح مطلق بدعت حقیقیہ وآن مشتمل است بر چند مسائل:

مسئلہ اولی۔ باید دانست کہ احداث بدعت حقیقیہ خواہ اصلیہ باشد خواہ وصفیہ اعم ازاں کہ بدعیت آں از جہت تحدیدات وتوقیقات محدثہ لازم آمدہ باشد یا از جہت تغیر موقع آن در باب اہتمام وعدم اہتمام وہم چنیں برآن وجہ قربت دلالت میکند برانیکہ بدعت مذکورہ را صاحب آن در امور دینیہ مندرج میگر داند و در معاد اورا نافع میداند در دنیا او را اسباب رضائے حق یا مورث یمن و برکت میشمار دوایں اعتقاد بدو طریق حادث میشود۔

اول آنکہ ایں امر را من اللہ داند یعنی چنان اعتقاد کند کہ حق جل وعلا خود این را در امور دینیہ داخل گر دانیدہ ومنفعت معادیہ در و بخشیدہ و جالب رضائے خود مقرر فرمودہ۔ (ومحل نزول برکات خود قرار دادہ۔ یہ فقرہ نسخہ اشرفیہ میں نہیں ہے۔ بہاء) واین عقیدہ بچند وجہ بہم میرسد۔اول آنکہ ادعاء محض بلا دلیل بر روئے کار آرد و بمجرد سینہ زوری در پے اثبات آن شود کہ من ہمیں میدانم یا ہمیں میگویم یا نزد من ہم چنین

است یا در ذہن من ہم چنیں منقش شدہ است ہرگز ازان باز نخواہم آمد اگر چہ دلیلے بران قائم نشود واین افتراء علی اللہ است و افتراء کذب در مقدمات دینیہ وآن از اقبح قبائح است واشنع شنائع و صاحب آن از درگاہ حضرت حق مردود است واز بارگاہ اوتعالی مطرود چنانچہ حق جل و علا در سورہ بقرہ میفرئند:

یا ایّها النّاس کلوا ممّا فی الارض حلا لاً طیباً ولا تتّبعوا خطوات الشّیطان انّه لکم عدوّ مّبین ۔ انّما یأ مرکم با لسّوء و الفحشاء و ان تقو لوا علی اللّه ما لا تعلمو ن

ودرسورۃ انعام میفرماید:

و حرث حجر لا یطعمها الّا من نشاء بزعمهم و انعام حرّمت ظهورها و انعام لا یذکرون اسم اللّه علیها افتراء علیه سیجز یهم بما کا نوا یفترون و قالوا ما فی بطو ن هذه الانعام خالصة لذکورنا و محرّم علی ازوا جنا وان یّکن میتة فهم فیه شرکاء سیجزیهم و صفهم انّه حکیم علیم ۔ قد خسر الّذین قتلوا اولادهم سفهاً بغیر علم وحرّموا ما رزقهم اللّه افتراء علی اللّه قد ضلّوا و ما کا نوا مهتد ین

ودرسورہ اعراف میفرمائید:

و اذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا علیها آباء نا و اللّه امرنا بها ۔ قل انّ اللّه لا یا مر با لفحشاء ۔ ا تقولون علی اللّه ما لا تعلمو ن ۔

ودرہمان سورہ میفرمائد:

قل انّما حرّم ربّی الفوا حش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحقّ و ان تشر کوا با للّه ما لم ینزّ ل به سلطاناً ۔ وان تقولوا علی اللّه ما لا تعلمون ۔

ودرسورہ نحل میفرماید:

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام لتفتروا علی اللّه الکذب انّ الّذین یفترون علی اللّه الکذ ب لا یفلحو ن۔

ودرسورہ قصص میفرماید:

قل فأ توا بکتاب مّن عند اللّه هو اهدی منهما اتّبعه ان کنتم صادقین ۔ فان لّم یستجیبوا لک فاعلم انّما یتّبعون اهواء هم ومن ا ضلّ ممّن اتّبع

هوا ہ بغیر ھدی مّن اللّٰہ ۔ انّ اللّٰہ لا یھدی القوم الظّا لمین ۔

ودرسورہ زمر میفر مائد:

تری الّذین کذ بوا علی اللّٰہ و جوھھم مسودۃ الیس فی جھنم مثوی للمشر کین

ودرسورہ صف میفر ماید:

و من ا ظلم ممّن افتری علی اللّٰہ الکذب و ھو یدعی الی الاسلام و اللّٰہ لا یھدی القوم الظّا لمین

و ا خر ج مسلم عن ابن مسعود قال قال رسو ل اللّٰہ ﷺ ما من نّبیّ بعثہ اللّٰہ فی امۃ قبلی الّا کان لہ من امّتہ حوا ریّو ن و اصحاب یأخذون بسنّتہ و یقتدو ن با مرہ ثمّ انھا تخلف من بعدھم خلوف یقولو ن ما لا یفعلو ن ۔ و یفعلون ما لا یؤ مر ون۔ فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن و من جا ھد ھم بلسانہ فھو مؤمن و من جا ھد ھم بقلبہ فھو مومن و لیس وراء ذلک من ا لا یما ن حبۃ خر دل۔ (صحیح مسلم ۔ حد یث نمبر ۵۰)

و اخر ج البخاری عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ کلّ امتی ید خلون الجنۃ ا لّا من ابی ۔ قیل و من ابی؟ قال من ا طاعنی د خل الجنۃ ومن عصا نی فقد ابی ۔

و اخرج محی السنّۃ فی شر ح السنۃ عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا یؤمن ا حد کم حتی یکو ن ھوا ہ تبعاً لما جئتہ

ودیگر آیات وا حادیث کثیرہ برہمیں معنی دلالت میدار دیعنی بر تقبیح حال کسے کہ بنا بر مجرد اتباع ہوائے قلبے بدون استشہاد بدلیلے درا حکام الٰہیہ دخل دہد و با دعائے محض وتحکم بحت بتعلق رضائے الٰہی یا سخط اوتعالی بچیزے حکم نماید و مدار تشنیع درین باب ہمین است کہ بدون تمسک بدلیل دریں وادی پر ہول بسعی چرب لسانی درکارخانہ ربانی قدم نہد گو کہ بر بطلان آن ہم دلیلے قائم نشدہ باشد ولہذا درمقام تشنیع ہمیں کلمہ فرمودہ اند: اتقو لو ن علی اللّٰہ ما لا تعلمون ، نہ ایں کلمہ کہ :اتقولو ن علی اللّٰہ خلاف ما انزل علیکم ۔

و ہم چنیں درحدیث شریف واقع گردیدہ:

و یفعلون ما لا یؤمرون، نہ این کلمہ و یفعلون ما ینہون عنہ۔

وجہ ثانی از وجوہ بہم رسیدن عقیدہ مذکورہ اتباع تخمین عقلی ست یعنی حسن و قبح بعضے اشیاء یا منافع و مضار آن در بعضے احیان بنا بر تجربہ یا بنا بر نظر بقرائن یا امثال آں بر عقل واضح میگردد پس عقل بنا بر وضوح مورد مذکور آن شئے را در سلک مرضیات حضرت حق یا مسخوطات او تعالی بحسب تخمین خود منسلک میگرداند کہ فلاں چیز چنیں و چناں منفعت مے بخشد پس باید کہ متعلق رضائے حق و مقبول عند اللہ و محل نزول برکات او باشد و یا چنیں و چنان مضرت مے رساند۔ پس باید کہ متعلق سخط او تعالی و مردود عند اللہ و مورد لعن او باشد پس صاحب آن بدون مراجعت بکتاب الٰہی بل بنا بر مجرد اعتماد بر تخمین عقلی بمقتضائے آں حکم نماید و ہمیں حکم مذکور را خرص و اتباع الرائے و اتباع الظن میگویند و آن در امور معاشیہ نہایت کار آمدنی است و در امور دینیہ نہایت مردود چنانچہ حق جل وعلا در سورۃ انعام میفرماید:

قل ھل عندکم من علمٍ فتخرجوہ لنا ان تتّبعون ا لّا الظّن و ان انتم الّا تخرصون۔

و در سورۃ زخرف میفرمائید:

و قالوا لو شاء الرّحمن ما عبدناھم۔ ما لھم بذلک من علمٍ ان ھم الّا یخرصون۔ ام اتیناھم کتاباً من قبلہ و ھم بہ مستمسکون۔

و در سورۃ ذاریات میفرماید:

قتل الخراصون الّذین ھم فی غمرۃٍ ساھون

و اخرج التّرمذی و ابن ماجہ عن ابی ثعلبہ قال قال رسول اللّہ ﷺ بل أتمروا با لمعروف و تناھوا عن المنکر حتی اذا رأیت ھوی متبعاً وشحاًمطاعاً و دینا موثرۃ و اعجاب کلّ ذی رأی برأیہ و رأیت امراً لا بد لک منہ فعلیک .. نفسک و دع امر العوام

و اخرج التّرمذی و ابو داؤد عن جندب قال قال رسول اللّہ ﷺ من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطا

و اخرج الترمذی عن ابن عباس قال قال رسول اللّہ ﷺ من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوّأ مقعدہ من النّار

وازاعظم وجوہ تخمین مذکور کہ مورث استحسان عقلی میشود اتباع رواج قدیم ست یعنی ہرگاہ کہ می

بیند چیزیرا کہ از مدت مدیدہ درمیان عوام وخواص مروج گردیدہ وبر شیوع (نسخہ نمبر۲ یعنی اشرفیہ میں، شیوخ، کا لفظ ہے۔ بہاء) آن قرون متوالے منقضی شدہ پس ہر چند دلیلے از دلائل منزلہ سماویہ بر آن نمی یابد اما استمرار شیوع (نسخہ نمبر۲ یعنی اشرفیہ میں، شیوخ، کالفظ ہے) آن عمل بایں ازمنہ طویلہ درمیان عقلاء وفاہمین بدون اصل اصیل درعقل او مستبعد مینماید بنابراں حکم مینماید کہ فلاں عمل از مرضیات حضرت حق ست وموجب برکات اوتعالی۔ والا بقائے او بریں مرورِ دہور صورت نمے بست وقدمائے عقلائے اورا قبول نمی کردند بلکہ حق جل و علا بمقتضائے حکمت خوداورا برہم میزدوا کابر اسلاف براں ردمیکردند واین کلام سراسر باطل است واز اصل مردود بلکہ در باب اثبات تعلق رضائے حضرت حق یاسخط اوتعالی بہ نسبت چیزے یا از کلام الٰہی کتاب منزل میبا ید یا از کلام معصوم حدیث مسلسل چنانچہ حق جل وعلا درسورۃ انعام مے فرمائد

سیقول الّذ ین اشرکوا لو شاء اللّٰہ ما اشرکنا ولا آ باء نا ولا حرّمنا من شیء کذ لک کذّ ب الّذین من قبلھم حتّی ذاقوا بأسنا ۔ قل ھل عندکم من علمٍ فتخرجوہ لنا ان تتّبعون ا لّا الظّن وان انتم الّا یخرصون ۔ قل فللّٰہ الحجّۃ البالغہ فلو شاء لھد کم اجمعین ۔ قل ھلمّ شھداء کم الّذین یشھدون انّ اللّٰہ حرّ م ھذا

ودرسورۃ اعراف میفر مائد:

و اذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجد نا علیہ آ باء نا و اللّٰہ امر نا بھا۔ قل انّ اللّٰہ لا یأ مر با لفحشاء ۔ اتقو لو ن علی اللّٰہ ما لا تعلمون

ودرسورۃ یوسف میفر ماید:

یا صا حبی السّجن أ ا ربا ب مّتفرّقون خیر امِ اللّٰہ الوا حد القھّار ۔ ما تعبدون من دو نہ الّا اسماء سمّیتمو ھا انتم و آ باء کم ما انزل اللّٰہ بھا من سلطا ن ۔ ان الحکم ا لّا للّٰہ

ودرسورہ شعراء میفر ماید:

و اتل علیھم نبأ ابرا ھیم ۔ اذ قال لابیہ و قومہ ما تعبدون ۔ قا لوا نعبد اصناماً فنظلّ لھا عاکفین ۔ قال ھل یسمعونکم اذ تدعون ۔ ا و ینفعونکم او یضرّون ۔ قا لوا بل و جد نا آ باء نا کذ لک یفعلو ن ۔ قال افرأ یتم ما کنتم تعبدو ن۔ انتم و آباء کم الاقد مون ۔ فانّھم عدوّ لّی الأ ربّ العالمین

۔الّذی خلقنی فھو یھدین ۔

و درسورہ لقمان می فرمائد:

و من النّا س من یجادلک فی اللّٰہ بغیر علم ولا کتا بٍ مّبین ۔ و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللّٰہ قالوا بل نتّبع ما وجدنا علیہ آ باء نا اولو کان الشّیطان یدعوھم الی عذا ب السّعیر

و درسورہ زخرف میفر ماید:

و قالوا لو شاء الرّ حمن ما عبد نا ھم ما لھم بذلک من علم ان ھو الّا یخرصون ۔ ام ا تینا ھم کتا باً مّن قبلہ فھم بہ مستمسکو ن ۔ بل قالوا انّا وجد نا آ باء نا علی امّۃ و انّا علی آ ثارھم مھتدون ۔ و کذلک ما ار سلنا من قبلک فی قر یۃٍ من نذ یر الّا قال مترفو ھا انّا وجد نا آ باء نا علی امۃ و انّا علی آ ثا رھم مقتدو ن ۔ قال اولو جئتکم باھدی ممّا و جد تم علیہ آ بائکم قا لوا انّا بما ارسلتم بہ کا فرون۔ فانتقمنا منھم فانظر کیف کان عا قبۃ المکذّ بین ۔

و درسورۃ احقاف میفر مائید:

ایتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارۃ من علمٍ ان کنتم صاد قین۔

و اخر ج التّرمذی عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللّٰہ ﷺ انّ الدّین بدأ غریباً و سیعود کما بدأ فطوبی للغرباء ۔ وھم الّذ ین یصلحون ما افسد النّاس من بعدی من سنّتی ۔

و اخر ج البھیقی فی شعب الایمان عن علیؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یو شک ان یاتی علی النّا س زمان لا یبقی من الاسلام الّا اسمہ ولا یبقی من القرآ ن الّا رسمہ ۔ مساجد عامرۃ و ھی خرا ب من الھدی علمائھم شرّ مّن تحت ادیم السّماء من عندھم تخرج الفتنہ و فیھم یعود ۔

واز جملہ استحسان مذکور قیاس ناقص است یعنی چیز یکہ درشرع وارد شدہ باشد (باشد کا لفظ نسخہ نمبر۲ یعنی اشرفیہ میں نہیں ہے۔ بہاء) وایں شخص چیزی دیگر را کہ مشابہء اوست دربعضے اوصاف درعقل ناقص خود نظیر آ ن قرارداده حکم چیز ماثور (برغیر ماثور، نسخہ نمبر ایک یعنی ۱۳۰۱ھ میں نہیں ہے۔ بہاء) جاری نماید وایں قیاس راضلالت

است ودخل دادن آن دراحکام دینیہ مردود۔ چنانچہ حق جل وعلا درسورۃ میفر فاید:

الّذین یأکلون الرّبوا لا تقومون الّا کمایقوم الّذی یتخبّطه الشّیطان من المسّ ۔

ذلک بانّهم قالوا انّما البیع مثل الرّبوا و احلّ اللّه البیع و حرّ م الرّ بوا ۔

واز جملہ وجوہ مذکورافراط درامور دین است یعنی مے بیند کہ چیزے درشرع ثابت شدہ وشارع بسوئے آں ترغیب نمودہ ومحامد ومنافع آں ذکرفرمودہ۔ پس آں شخص راایں ظن بہم میرسد کہ ہرقدر کہ درآں افراط کردہ شود ہماں قدر مدح شرعی باو عائدمیگردد ومنفعت اخرویہ براو بیشتر مترتب میشود وتوجہ رحمت الٰہیہ بسوئے اواقوی میباشد وبرکات غیبیہ برآں از یدنزول میفر ماید حالانکہ ہر چیزے راازامور دینیہ حدی ست ازحدود کہ شارع آں امرابہماں حدمحدودساختہ وموقعی ست ازمواقع کہ شارع آنرا درآں موقع نہادہ پس تعلق رضائے حضرت حق وترتب منافع اخرویہ ونزول برکات غیبیہ بر ہماں تقدیراست کہ آن شیء بحد خود محدود باشد ودرموقع خود واقع۔ چنانچہ حق جل وعلا درمواضع کثیر ازقرآن مجید میفر ماید:

تلک حدود اللّه ومن یّتعدّ حدود اللّه فقد ظلم نفسه

ودر سورہ نساء میفر ماید:

و من یّعص اللّه و رسوله و یتعدّ حدوده ید خله ناراً خا لداً فیها و له عذا ب مّهین

دارمی ازطریق ابی ثعلبہ روایت کردہ:

قال قال رسول اللّه ﷺ انّ اللّه فر ض الفرا ئض فلا تضیّعوها و حرّم حر مات فلا تستحلوها (تنهکو ها؟ اشرفیه) و حدّ حدوداّ فلا تعتدوها

بالجملہ تربیت دینیہ برمعالجہ جسمانیہ قیاس باید کرد و مجموع امور دینیہ ماثل ادویہ کثیرہ مختلف الاوزان والمقادیر۔تصور باید کرد کہ طبیب حاذق بردوائے ماازادویہ مذکور بوزنے محدودساختہ وبرائے استعمال آں طریقے معین از طبخ ونقوع ونسوق و...لعوق ولدودوضماد وطلاء ونطول وعمول و فرزجہ و حقنہ و شیافہ وامثال آں مقررفرمودواوقات مخصوصہ راازصباح ووقت نوم برائے آں تعین نمودہ وبتغذی وتقویت ہر روز بتعدادلی وتنقیہ گاہ گاہ حکم کردہ۔پس چنانکہ درمعالجہ جسمانیہ تفریط وافراط ہردودرحق مریض مضر است ہم چنیں درمعالجہ روحانیہ مداہنت و تغلف ہردو درحق مکلّف نامقبول۔پس باید دانست کہ افراط اگردرباره اعتقادات ومقامات وواردات وحالات متحقق شودآنراغلومیگویند واگردرباب علوم واقع شود آنرا تعمق میگویند واگردرباب اخلاق و عبادت واقع شودآنرا رہبانیۃ وتشددمیگوئند واگردرعادات واقع شودآن راتکلف میگوئیند واگردرباره طہارت ونجاسات واقع شودآنراوسواس میگویند واگردرباب عدم محافظت مرا

تب وسائل و مقاصد یا اصول و فروع واقع شود یعنی وسائل را مثل مقاصد پیش نظر ہمت خود دارد و مقاصد را مثل وسائل پس پشت خود انداز د یا فروع مثل اصول اہم داند و اصول را مثل فروع سہل انگارد آنرا ظلم و سفاہت میگویند چنانچہ محافظت مراتب مذکورہ را انصاف و فقاہت چنانچہ حق جل وعلا در سورہ بقرہ میفر ماید:

:اتا مرون النّاس با لبرّ وتنسو ن انفسکم و انتم تتلون الکتا ب ا فلا تعقلون ۔

یعنی تعلیم احکام دین وتلاوت کتاب وسیلہ عمل وتہذ یب نفس ست وشما نفس تعلیم وتلاوت را مقصود لذاتہ قرار دادہ واصل کمال فہمیدہ پیش نظر ہمت خود نہادہ اید وتہذ یب نفس را کہ اصل مقصود ست پسِ پشت انداختہ اید پس سفیہ ہستید کہ عقل نمیدانید ودر ہماں سورہ بقرہ میفر ماید:

فلمّا جاء ھم رسول مّن عند اللّٰہ مصدّق لّما معھم نبذ فریق مّن الّذین اوتوا لکتاب، کتاب اللّٰہ وراء ظھورھم کانّھم لا یعلمون۔ واتبعوا ما تتلو الشّیاطین علی ملک سلیمان۔ و ما کفر سلیمان و لکنّ الشّیاطین کفروا یعلّمون النّاس السّحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت ۔

یعنی علم شرعیہ را کہ مدار اصل نجات است ۔ پس پشت انداختہ در پئے تحصیل علوم زوا ید کہ در منا فع اخرو یہ ہیچ دخل نمی دارد و چنانچہ کریمہ :

و لقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الآخرۃ من خلاق۔

برآں دلالت میدارد افتادہ اند اگر چہ در نفس الامر بعضے ازآن علوم ماخوذ از شیاطین اند وبعضے از ملائکہ لیکن ہر گاہ کہ در امور اخرو یہ دخل نمیدارد بہ نسبت ایشاں ہمہ از قبیل لغو و لا طائل است بلکہ سعی در تحصیل آں مضر ۔ ودر ہماں سورہ میفر مائد :

ثمّ انتم ھئولا ء تقتلون انفسکم و تخرجون فر یقاً مّنکم من دیارھم تظاھرو ن علیھم بالاثم و العدوان و ان یّأ توکم اساری تفادوھم و ھو محرّم علیکم اخرا جھم ۔ افتؤمنون ببعض الکتا ب وتکفرون ببعض ۔ فما جزاء من یّفعل ذلک منکم الّا خزی فی الحیوۃ الدّ نیا و یوم القیامۃ یردّون الی اشدّ العذا ب

یعنی وجوہ نصرت مظلوم بمراتب ادون است از مرتبہ نفس ظلم ودر اول اہتمام عظمی مینمایند ودر ثانی جرأت بے تحاشا۔ پس در دنیا وآخرت نکال این قلب موضوع خواہد کشید ۔ ودر ہماں میفر ماید:

سیقول السّفھاء من النّاس ما ولّھم عن قبلتھم الّتی کانوا علیھا ۔ قل للّٰہ

المشرق و المغرب یهدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم

و نیز میفرماید:

لیس البرّ ان تولّوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکنّ البرّ من آمن باللّه و الیوم الآخر و الملائکة والکتاب و النّبیّین و آتی المال علی حبّه ذوی القربی و الیتامی و المساکین و ابن السّبیل و السّائلین و فی الرّقاب و اقام الصّلوة و آتی الزّکوة و الموفون بعهدهم اذا عاهدوا و الصّابرین فی البأساء و الضرّاء و حین البأس اولئک الّذین صدقوا و اولئک هم المتّقون ۔

یعنی استقبال قبلہ مخصوص از اصول دین وارکان حقیقت تقوی نیست تا تفاضیل ادیان باو واضح گردد ۔ پس درمقام بیان تفاضیل ادیان گفتگو درآں ناشے از سفاہت ست بلکہ آنچہ اصول دین وارکان حقیقت تقوی ست ایں امور مذکورہ است پس درمقام ایضاح تفاضیل ادیان وارکان حقیقت تقوی دریں امور تامل باید کہ اہل کدام دین بآں متصف اند وکدام نے ، ودرسورۃ آل عمران میفرماید:

ها انتم هئولاء حاججتم فیما لکم به علم۔ فلم تحاجّون فیما لیس لکم به علم ۔ و اللّه یعلم و انتم لا تعلمون ۔

یعنی چیزیکہ اصل آں از کتاب اللہ معلوم نیست درپےٴ تفتیش آن افتادن بیجاست زیراکہ احاطہ جمیع معلومات شان ربانی است نہ شان انسانی وایں نہی است از تعمق وبرہمیں مضمون دلالت میدارد وآنچہ درہماں سورہ میفرمائید:

هو الّذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هنّ امّ الکتاب و اخر متشابهات فامّا الّذین فی قلوبهم زیغ فیتّبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الّا اللّه و الرّاسخون فی العلم یقولون آمنّا به کلّ من عند ربّنا وما یذّکّر الّا اولوا الالباب ۔

وآنچہ درسورۃ بنی اسرائیل فرمودہ:

ولا تقف مالیس لک به علم انّ السّمع والبصر و الفؤاد کلّ اولئک کان عنه مسئولاً ۔

ونیز درہماں سورہ فرمود:

و یسئلونک عن الرّوح ۔ قل الرّوح من امر ربّی وما اوتیتم من العلم الّا قلیلاً

وآنچہ در سورہ کہف فرمودہ:

سیقولون ثلا ثۃ را بعھم کلبھم و یقولو ن خمسۃ سادسھم کلبھم ر جماً با لغیب و یقولون سبعۃ و ثامنھم کلبھم قل ربّی اعلم بعدّتھم ما یعلمھم الّا قلیل ۔ فلا تمار فیھم ا لا مرآءً ظا ھراً ولا تستفت فیھم منھم ا حداً

و نیز فرمودہ:

قل اللّٰہ اعلم بما لبثوا۔ لہ غیب السّماوات وا لارض ، و ابصر بہ و اسمع ما لھم من دونہ من وّلیّ و لا یشرک فی حکمہ ا حداً ۔ و اتل ما اوحی الیک من کتا ب ربّک لا مبدّ ل لکلما تہ و لن تجد من دونہ ملتحداً

یعنی بتعلیم وتلاوۃ کتاب اللہ وتحقیق علوم تشریح مشغول باید شد نہ باحاطہ علم الٰہی وتفتیش وقائع تکوین ۔

در سورۃ آل عمران میفر ماید:

ماکان لبشرٍ ان یّؤتیہ اللّٰہ الکتاب و الحکم والنّبوّۃ ثمّ یقول للنّاس کونوا عباداً لّی من دون اللّٰہ ، و لکن کونوا ربّانیّین بما کنتم تعلّمون الکتاب و بما کنتم تدرسون ۔ ولا یامرکم ان تتّخذوا الملائکۃ والنّبیین ارباباً ایامرکم با لکفر بعد اذ انتم مسلمو ن ،

یعنی آنچہ بتعظیم و اکرام انبیاء اللہ و اکرام ملائکہ حکم میفر مائد معینش ایں نباید فہمید کہ ایشاں را عبادت باید کرد یا ایشاں را شان ربوبیت یعنی تصرف در امور تکوینیہ بالاستقلال ثابت باید کرد یا خود را مقہور قدرت ایشاں تصور باید کرد ایں امور مقتضیات علاقہ عبودیت و ربوبیت ست وآن مختص ست باو تعالیٰ او کسے دیگر را در آن دخل دادن کفر است و منافی اسلام و ایں سدّ بابِ غلو است ۔ فقط ۔

راہ سنت در ردّ بدعت

ایضاح الحق کے دو اردو ترجمے ہمارے پاس موجود ہیں، اور ان دونوں کو سامنے رکھ کر ہم نے ایک تیسرا ترجمہ بھی تیار کیا تھا، لیکن ان تراجم سے صرف نظر کر کے ہم سید احمد دہلوی (جو بعد میں سرسید احمد خان ہو گئے تھے) کی تصنیف راہ سنت در رد بدعت، جو پہلی بار ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی، نقل کرتے ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ بقول سید احمد دہلوی، ان کی راہ سنت دراصل ایضاح الحق ہی سے ماخوذ ہے۔ دوسرے اس لئے کہ راہ سنت اس وقت کے ایک اہلحدیث کی تصنیف ہے جب نواب صدیق حسن، سید عبداللہ غزنوی وغیرہ ابھی منظر عام پر نہ آئے تھے اور میاں صاحب دہلوی بھی ابھی شیخ الکل نہیں ہوئے تھے۔ اس دور میں سید احمد خان خود کو وہابی اور اہل حدیث کہتے تھے اور شاہ اسماعیل کے معتقد تھے اور عامل بالحدیث تھے (سرسید احمد خان بعد میں عمل بالحدیث کے مسلک پر نہیں رہے، تاہم زیر نظر تالیف ایک اہلحدیث کی تالیف ہے اور اہلحدیث کا تاریخی سرمایہ ہے۔ اور جناب ابو یحیی امام خان نوشہروی نے تو یہ بھی بتایا ہے کہ سرسید احمد نے آخر عمر میں اپنے عقائد باطلہ سے رجوع کر لیا تھا۔ امام خان نے ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں لکھا تھا:

> اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید احمد خان سے انکار معجزات وغیرہ میں بہت لغزش ہوئی۔ مگر انہوں نے یہ روش ملاحدہ یورپ کے اعتراضات سے گھبرا کر اختیار کی۔ کاش وہ ایسا نہ کرتے اور ان معاملات پر بحث و تمحیص اعلم العلماء پر چھوڑ دیتے۔ خدا انہیں معاف فرمائے۔ لیکن ان بدعات پر سرسید احمد نے آخر عمر میں ایک توبہ نامہ لکھا جو اخبار روز نامہ زمین دار لاہور (غالباً ۱۹۱۱ء میں چھپا۔ یہ دستاویز (سوہدرہ میں) میرے غریب خانہ پر محفوظ ہے۔
>
> اہل حدیث امرتسر ۲۳ فروری ۱۹۴۰ء۔ ص ۹۔۱۰)

جناب محمد اسماعیل پانی پتی نے لکھا ہے: یہ مضمون سرسید احمد خان نے ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں اس وقت لکھا تھا جب آپ پکے اہل حدیث یا دوسرے لفظوں میں کٹر وہابی تھے.... چنانچہ ۳۳ سال کے بعد اپنے اسی مضمون پر ریویو کرتے ہوئے خود لکھتے ہیں:

یہ رسالہ راہ سنت اس زمانے میں لکھا گیا تھا جبکہ وہابیت کا نہایت زور شور سے دل پر اثر چھایا

ہوا تھا۔

اس زمانے میں جب کہ یہ مضمون لکھا گیا وہابیت اور حنفیت کی جنگ بڑے زور شور سے لڑی جا رہی تھی اور اکثر اوقات اکثر مقامات پر زبانی تو تکار سے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی تھی اور معمولی بحث مباحثہ اکثر مقدمہ بازی، ضمانت، مچلکہ بلکہ قید اور جرمانہ پر ختم ہوتا تھا۔ بکثرت کتابیں ایک دوسرے کے رد میں لکھی جاتی تھیں... سرسید نے.. (یہ) مضمون بڑے جوش اور شدت کے ساتھ اور خوب تشریح و تفصیل سے (لکھا)، جس میں اس امر کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ ہم مسلمانوں کو اپنے تمام کاموں میں پورے طور پر سنت رسول کی پیروی کرنی چاہیے اور ہر ایک ایسے کام سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے جو آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔ ...۱۸۸۳ء میں جب انہوں نے اس مضمون کو دوبارہ تصانیف احمدیہ جلد اول حصہ اول میں شامل کر کے شائع کیا تو اس پر خود ہی ایک ریویو لکھا۔

اس ریویو میں سرسید احمد لکھتے ہیں:

یہ رسالہ راہ سنت اس زمانے میں لکھا گیا تھا جب کہ وہابیت کا نہایت زور شور سے دل پر اثر چھایا ہوا تھا۔ اگرچہ اس رسالے کی طرز و بیان میں کچھ فرق ہو مگر دراصل یہ رسالہ جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب کے ایک رسالے مسمی بہ ایضاح الحق الصریح سے ماخوذ ہے۔..ایک دفعہ جناب مولانا محمد صدرالدین خان بہادر مرحوم کی مجلس میں سنت بدعت کا ذکر ہوا اور میں نے کہا کہ گو بدعت اعتقاد سے متعلق ہے، مگر حقیقت میں عقاید و اعمال دونوں سے علاقہ رکھتی ہے، حتی کہ افعال عبادت و عادت و معاملت و کتابت تمام امور سے متعلق ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی آم نہیں کھایا تو تم آم کھانے کو بھی بدعت کہو گے اور آم نہ کھانے والے کو متبع سنت۔ میں نے عرض کیا، ہاں، مگر جیسے درجے فرض و واجب و سنت و مستحب و مباح کے اعمال جائز میں ہیں اور جیسے حرام و مکروہ تحریمی تنزیہی اعمال ناجائز میں ہیں، اسی طرح بدعت کے بھی درجات ہیں۔ کفر سے لے کر ادنی سے ادنی درجے ترک اولی تک۔ جو چیزیں کہ آنحضرت ﷺ نے تناول فرمائی ہیں جب تک ان کا کھانا غالبًا آپ بھی سنت فرماویں گے تو جو چیزیں آنحضرت ﷺ کو ناپسند تھیں ان کا کھانا مکروہ تو ضرور کہا جائے گا اور جو چیزیں اس وقت میں موجود نہ تھیں ان کا پسند یا ناپسند ہونا مشتبہ ہے۔ پس آم کھانا مکروہ نہ سہی ترک اولی تو ہے۔ اس لئے کہ نہ کھانے میں تو صریح آنحضرت ﷺ کی مطابقت ہے اور کھانے میں امر مشتبہ ہے اور اس لئے ترک اولی ضرور ہے۔ مولانا اس تقریر سے کسی قدر خفا ہوئے اور فرمایا کہ تم آم کھانے والوں کو کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ان کو تو میں کچھ نہیں کہتا، کیونکہ امر مشتبہ ہے، لیکن اگر آپ نہ کھانے والوں کی نسبت استفسار فرماویں تو عرض

کروں؟ مولانا نے فرمایا انہی کی نسبت کہو۔ میں نے عرض کیا کہ قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر کوئی شخص اس خیال سے آم نہ کھاوے کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں کھایا تو فرشتے اس کے بچھونے پر اس کے قدم چومیں۔ یہ بات میں نے نہایت دلی جوش سے کہی، مولانا اس کو سن کر چپ ہو رہے۔ اسی زمانہ زور وشور وہابیت میں اور اسی گفتگو کے بعد میں نے یہ رسالہ لکھا۔...(ریویو بر مضمون: راہ سنت و رد بدعت۔ نوشتہ سرسید احمد بماہ جولائی ۱۸۷۹ء در تصانیف احمدیہ جلد اول حصہ اول مطبوعہ ۱۸۸۳ء)۔

ان تمہیدی وتعارفی گذارشات کے بعد سید احمد خان دہلوی کا کا رسالہ راہ سنت ملاحظہ فرمایئے۔ سید احمد دہلوی میں لکھتے ہیں:

سنو بھائی مسلمانو! ہمارے زمانے میں بدعت کا ایسا زور ہوا ہے کہ سنت کے نام سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اگر سنت کا نام لو، تو وہابی اور معتزلی کہلاؤ اور اگر بدعت پر بدعت کرتے جاؤ تو اللہ کے ولی بن جاؤ۔ اب تو یوں ٹھہر گیا ہے کہ جو سنت پر چلے وہ وہابی اور جو بدعت کرے وہ ولی۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگلے زمانے میں بعضے بزرگوں نے ایسا کیا ہے کہ جب بہت سے لوگ ان کے معتقد ہو جاتے تھے اور ہر وقت ان کے گرد رہتے اور اس سبب سے ان کے اوقات میں خلل پڑتا تو ان کا عقیدہ توڑنے اور اپنا پیچھا چھڑانے کو ایک چھوٹی سی سنت کو چھوڑ دیتے تھے، تاکہ لوگ بے اعتقاد ہو جائیں اور ملامت کریں کہ یہ تو تارک سنت ہے، اس کے پاس پھٹکنا نہیں چاہیے۔ اب یہ زمانہ آ گیا ہے کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ مجھے لوگ برا کہیں اور میرے پاس نہ پھٹکیں تو وہ پیغمبر خدا ﷺ کی سنت کا اتباع کرے کہ اس زمانے میں یہی بات اس کے برا کہنے کو کافی ہے:

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

افسوس کیا زمانہ تھا کہ اگلے لوگ سنت رسول اللہ ﷺ پر جان دیتے تھے اور اب جو سنت پر چلے اس پر نام دھرا جاتا ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ پیغمبر ﷺ کے وقت میں کیا ہوتا تھا اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کیا کرتے تھے۔ آیا ان کے ہاں بھی مرنا، جینا، شادی، غمی ہوتی تھی، وہ بھی خدا کے طالب تھے، دنیا سے بھاگتے تھے، انہوں نے کیا کیا، وہی ہم بھی کریں۔ کون سی چیز اس زمانے میں نہ ہوتی تھی جو اب نئی ہوگئی کہ نئی بات نکالنا پڑا اور جن زمانوں کے اچھے ہونے کی حضرت ﷺ نے خبر دی ان کی پیروی چھوڑنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ خیر امّتی قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم ثمّ ان بعدھم قوماً یشھدون ولا یستشھدون و

یخونو ن ولا یؤ تمنون و ینذرون ولا یوفون و یظہر فیھم السّمن ۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب مناقب الصحابۃ میں عمران ابن حصین سے نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے اچھے میرے اصحاب ہیں، پھر میرے اصحاب کے ملنے والے، پھران کے ملنے والوں کے ملنے والے پھران کے بعدلوگ ہوں گے کہ گواہی دیں گے اورکوئی ان کی گواہی نہ لے گا اور خیانت کریں گے اور دیانت دار نہ ہوں گے اور وعدہ کریں گے مگر پورا نہ کریں گے اور ہرطرح کا مال کھا کرموٹے ہو جاویں گے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ساری امت سے اچھے تو صحابہ تھے اوران کے بعد تابعین اوران کے بعد تبع تابعین باقی امت سے اچھے ہیں ۔ پھر جو خصلتیں اور عادتیں اور عبادتیں ان لوگوں میں مروج تھیں، وہی اچھی ہیں اور باقی سب ناکارہ ۔ پھر کیسا ہی بڑا عالم ہو اور کتنا ہی بڑا فقیر اور کیسا ہی پیر اور کیسا ہی پیرزادہ ہو، اگراس کی باتیں ایسی ہیں جیسی ان لوگوں کی تھیں، تو وہ تو سب کا سرتاج ہے، اورنہیں تو کچھ بھی نہیں ۔ اے بھائی مسلمانو! یقین جان لو کہ کسی پیر یا فقیر کے نکالے ہوئے طریقے پر چلنے سے چھٹکارا نہیں ہونے کا، صرف رسول خدا ﷺ کی سنت اور آپ کے خاص لوگوں کی طریقت پر چلنے سے چھٹکارا ہے ۔

عن عبد اللّٰہ ابن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لیا تین علی امّتی کما اتی علی بنی اسرا ئیل حذو النّعل بالنّعل حتّی ان کان منھم من اتی امّہ علانیۃ لکان فی امّتی من یصنع ذلک و انّ بنی اسرا ئیل تفرّقت علی ثنتین و سبعین ملّۃ و تفترق امّتی علی ثلث و سبعین ملّۃ کلّھم فی النّار الّا ملّۃ وا حدۃ قالوا من ھی یا رسول اللّٰہ ﷺ قال ما انا علیہ و اصحا بی

یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنہ میں عبداللہ بن عمرو سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر بھی ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پرآیا تھا، ہو بہو ۔ یہاں تک کہ اگران میں سے کسی نے بے دھڑک اپنی ماں کے ساتھ برا کام کیا تھا تو میری امت میں بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور بنی اسرائیل تو بہتّر راہ پر ہو گئے تھے اور میری امت کے لوگ تہتّر راہ ہوں گے، سارے کے سارے دوزخ میں جائیں گے مگر ایک راہ والے دوزخ میں نہیں جانے کے ۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون سی راہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس راہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب، یعنی اس راہ پر جو لوگ ہوں گے دوزخ میں نہیں جائیں گے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس بات میں نجات ہے وہ رسول خدا ﷺ کی سنت اور صحابہ کی طریقت ہے، پھر اے بھائی مسلمانو! تم بھی رسول خدا ﷺ کی سنت اور صحابہ کی طریقت کو پکڑو اور بدعت کو چھوڑو اور اپنے باپ دادا کی رسمیں مٹنے کا دھیان مت کرو، اس لئے کہ باپ دادا کی رسموں کے بدلے رسول خدا کی سنت مہنگی نہیں ہے بلکہ رسول خدا کی سنت تو وہ نعمت ہے کہ اگر دونوں جہان کے بدلے ہاتھ لگتی ہے تو بھی سستی ہے

بوئے کزاں عنبر ارزاں دہی ۔۔۔ گر بہ دو عالم دہی ارزاں دہی

یہ تو خیال میں نہیں آتا کہ پیغمبر خدا ﷺ کا کلمہ پڑھ کر اور مسلمان کہلا کر آدمی بدعت کو برا نہ جانے، مگر حدیث میں جو بدعت کا لفظ آیا ہے شائد تم کو اس کے معنی معلوم نہیں تو چلو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے اس کے معنی بھی پوچھ لیں کیونکہ مثل مشہور ہے: تصنیف را مصنف نیکو کند بیان

پہلی قسم کی بدعت کا بیان

عن عربا ض بن ساریه قال صلّی بنا رسول اللّه ﷺ ذا ت یوم ثمّ اقبل علینا بو جهه فوعظنا موعظة بلیغة ذرفت منها العیون و وجلت منها القلوب فقا ل ر جل یا رسول اللّه ﷺ کا ن هذه مو عظة مودع فاوصینا فقال اوصیکم بتقوی اللّه و السّمع و الطّاعة و ان کا ن عبداً حبشیاً فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلا فاً کثیراً ۔ فعلیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الرّاشدین المهدیین تمسکوا بها و عضّوا علیها با لنّوا جذ و ایّا کم و محد ثات ا لامور فان کلّ محد ثة بدعة و کل بد عة ضلا لة ۔

یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنۃ میں عرباض بن ساریہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف منہ کر کے متوجہ ہوئے، پھر ہم کو نصیحت کی بہت اچھی نصیحت کہ اس نصیحت کے سبب سب آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اس سے دل کانپ گئے۔ پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ نصیحت تو رخصت کرنے والے کی سی ہے۔ پھر ہم کو کچھ وصیت بھی کر دیجئے۔ پھر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کے ساتھ پرہیز گاری کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور سردار کا کہا ماننے اور حکم بجالانے کی، اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ میرے پیچھے جو کوئی تم میں سے جیتا رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ پھر میری سنت

اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر چلو کہ ان کو ہدایت ہوگئی ہے۔ اسی پر بھروسا کرو اور اسی کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم نئی نئی چیزوں سے۔ پھر اس میں کچھ شک نہیں کہ جو نئی چیز ہے، بدعت ہے، اور جو بدعت ہے، گمراہی ہے۔

و عن جابر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ و خیر الھدی ھدی محمّد و شرّ الامور محدثاتھا و کلّ بدعۃ ضلالۃ۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے اسی باب میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اچھا کلام، کلام اللہ ہے، اور سب سے اچھی راہ محمد ﷺ کی ہے اور بدترین چیزوں کی، نئی نکلی ہوئی چیزیں ہیں اور جو بدعت ہے گمراہی ہے)۔

ان حدیثوں میں دو لفظ آئے ہیں، ایک تو محدثات اور دوسرا امور جن کا ترجمہ نئی چیزیں ہیں اور ان دونوں لفظوں کے معنی معلوم ہونے سے بدعت کے معنی بھی معلوم ہو جاتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو چیز نئی ہے، بدعت ہے۔ تو جب نئی چیز اسے کہتے ہیں کہ نہ تو وہ اگلے زمانے میں ہو اور نہ اس کی مانند اور کوئی چیز ہو۔ مثلاً نئی ٹوپی سینی یا تازی روٹی پکانی یا نئی تلوار بنانے کو باوجودیکہ یہ سب چیزیں نئی ہوتی ہیں، مگر ان کو کوئی شخص نئی چیز نہیں کہتا تو اس کا یہی سبب ہے کہ اگرچہ یہ ٹوپی جواب سی گئی ہے، یا یہ روٹی جواب پکائی گئی ہے، یا یہ تلوار جواب بنائی گئی ہے، اگلے زمانے میں یہ تو نہ تھی، مگر اس طرح کی ٹوپی اور اس طرح کی تلوار اگلے زمانے میں بھی ہوتی تھی۔ اس واسطے ان چیزوں کو یہ تو کہیں گے کہ یہ نئی روٹی اور نئی ٹوپی اور نئی تلوار ہے، مگر یہ کوئی نہیں کہے گا کہ یہ نئی چیز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نئی چیز وہی ہے کہ اگلے زمانے میں نہ وہ چیز تھی اور نہ اس کی مانند اور کوئی چیز۔ کیونکہ اگر وہ چیز خود اگلے زمانے میں تھی تو گویا یہ حال کی چیز بھی اگلے زمانے کی ہوئی اور اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یعنی اے سمجھ والو ایک چیز کا حال دیکھ کر اسی طرح کی دوسری چیز کا بھی ویسا ہی حال سمجھ لو۔ اور شرع میں اسی بات کا نام قیاس ہے۔ پھر ایک چیز کا دوسری چیز پر قیاس کرنا نئی بات نہ ہوئی۔ کیونکہ قیاس کرنے کا تو اللہ نے حکم دیا ہے اور نئی چیز کو رسول خدا ﷺ نے برا بتایا ہے کہ شرّ الامور محدثاتھا، یعنی بدترین چیزوں کی نئی نکلی ہوئی چیزیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بری بات کا کیوں حکم دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہلی چیزوں کی مانند اب کوئی چیز ہو، تو وہ نئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اگلے زمانے سے وہی زمانہ مراد ہے جس کے اچھے ہونے کی رسول مقبول ﷺ نے خبر دی ہے اور وہ زمانہ رسول

خدا ﷺ کا زمانہ ہے اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا۔

خیر امّتی قرنی ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم۔

(یعنی رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے اچھے میرے اصحاب ہیں، پھر میرے اصحاب کے ملنے والے، پھر ان ملنے والوں کے ملنے والے)۔

پس اب نئی چیز وہی ہوگی کہ ان زمانوں میں نہ وہ چیز ہو اور نہ اس کی مانند دوسری چیز، کیونکہ جو چیز کہ ان تینوں زمانوں میں تھی وہ بھی سنت ہے، کیونکہ رسول خدا ﷺ نے ان زمانوں کے اچھے ہونے کی خبر کر دی اور صحابہ کے طریقے پر چلنے کا حکم دے دیا۔

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الرّاشدین المھدیّین۔ یعنی میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر چلو کہ ان کو ہدایت ہوگئی ہے۔

اور یہ بھی جان لو کہ ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ جو چیز حضرت ﷺ کے زمانے میں یا ان تینوں زمانوں میں تھی وہ سنت ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ یا تو اس چیز کو حضرت ﷺ نے آپ کیا اور یا اس کے کرنے کا حکم دیا ہو، اور یا کسی نے کیا ہو اور آپ نے خبر پا کر منع نہ کیا ہو۔ یہ تو اس چیز کا حضرت کے وقت میں ہونا ہے۔ اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں اس چیز کے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان زمانوں میں سے کسی زمانے میں بے کھٹکے اس کا رواج ہو گیا ہو اور کسی نے اس کو برا نہ جانا ہو۔ نہ یہ کہ کسی اکّا دکّا نے اسے کیا ہو، یا اس کے کرنے والوں کو لوگوں نے برا جانا ہو۔ کیونکہ اس طرح کی بات معتبر نہیں ہوتی اور اس کا ہونا نہ ہونے ہی کے برابر ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ حدیث میں جو یہ لفظ آیا ہے کہ ما انا علیہ و اصحابی، اس لفظ سے صحابہ کی عادت مراد ہے، کیونکہ ابن مسعودؓ نے صحابہ کی راہ چلنے کے یہ معنی بتائے ہیں:

عن ابن مسعود قال من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحیّ لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمّد ﷺ کانوا افضل ھذہ الامّۃ ابرھا قلوباً واعملھا علماً واقلّھا تکلفاً اختارھم اللّٰہ لصحبۃ نبیّہ ولاقامۃ دینہ فاعترفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم و تمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم و سیرھم فانّھم کانوا علی الھدی المستقیم۔ رواہ رزین۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنۃ میں لکھا ہے کہ رزین نے ابن مسعودؓ سے یہ بات نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی کی راہ پر چلنا چاہے تو ان لوگوں کی راہ پر چلے جو مر گئے ہیں کیونکہ زندوں پر فتنے میں نہ

پڑنے کا بھروسا نہیں ہوتا ہے، اور وہ لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تھے؛ اس ساری امت کے لوگوں سے بہتر، بہت صاف دل اور بڑے عالم اور بہت بے تکلف۔ ان کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اس کا دین مستحکم کرنے کے لئے پسند کیا تھا۔ پھر تم ان کی بزرگی پر خیال کرو اور انکے قدم بقدم چلو اور جتنا ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادتوں کو پکڑو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ سیدھی راہ پر تھے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ما انا علیه و اصحابی، سے یہی مراد ہے کہ صحابہ کے اخلاق اور انکی عادتوں کو پکڑنا چاہیے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب اس طرح پر بات کہی جاتی ہے کہ فلانے لوگوں کی یہ عادت ہے تو اس سے وہی بات مراد ہوتی ہے جس کا ان لوگوں میں رواج ہو، نہ وہ بات کہ اتفاقاً کسی اکا دکا آدمی نے اس کو کرلیا ہو، یا اس کے کرنے والوں کو لوگ برا جانتے ہوں، کیونکہ ایسی بات کو عادت نہیں کہتے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حبشیوں میں کچا گوشت کھانے کا رواج ہے کہ اکثر حبشی کچا گوشت کھاتے ہیں، اور کوئی حبشی اس کو برا نہیں جانتا۔ گو کسی ایک آدھ حبشی نے نہ بھی کھایا ہو، مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچا گوشت کھانا حبشیوں کی عادت ہے۔ اور اگر اتفاق سے کوئی ہندوستانی بھی کچا گوشت کھالے یا ہندوستانی لوگ کچا گوشت کھانے والوں پر نام دھریں تو یہ کوئی نہیں کہنے کا کہ کچا گوشت کھانا ہندوستانیوں کی بھی عادت ہے۔ غرض کہ عادت اس کو کہتے ہیں کہ جس کا بے کھٹکے رواج ہو گیا ہو۔ اور اس کے سوا ایک بات اور ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ما انا علیه و اصحابی (یعنی جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب) اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر بہت سی چیزوں کو اپنی طرف نسبت کر کے بیان کیا جائے تو اس سے وہ سب چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ کچھ تو ان میں سے مراد ہوں، اور کچھ نہ ہوں۔ مثلاً کسی شخص کے بہت سے بھائی ہوں اور وہ یہ کہے کہ اس حویلی میں میرے بھائیوں کی شرکت ہے تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ اس کے جتنے بھائی ہیں سب کے سب شریک ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، میرے اصحاب،۔ اس لفظ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ سارے اصحاب مراد ہیں۔ اور سارے صحابیوں کا کسی بات پر متفق ہو جانا دو ہی طرح پر ہوسکتا ہے، یا یہ کہ سب صحابی اسی بات کو کریں، یا اکثر کریں اور باقی برا نہ جانیں۔ اور اسی بات کا نام رواج ہے۔ اور اسی طرح رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے خير امّتی قرنی۔ یعنی میری امت میں سب سے اچھے میرے زمانے کے لوگ ہیں، تو اس سے یہی بات سمجھی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں جن جن چیزوں کا رواج ہے وہ اچھی ہیں، نہ یہ کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً بشریت سے کوئی کام کر بیٹھے تو وہ بھی اچھا ہو جاوے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی یوں کہے کہ اس

زمانے کے لوگ بہت فضول خرچ ہیں تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ اس زمانے کے لوگوں میں شادی اور غمی اور مرنے اور جینے اور پہننے اور اوڑھنے اور کھانے اور پینے میں بہت سے روپے خرچ کرنے کا رواج ہے، اگرچہ کوئی ایک آدھ آدمی فضول خرچ نہ بھی ہو۔ غرض کہ جس چیز کی عادت پڑ گئی ہو اور جس کا رواج ہو گیا ہو وہی چیز، ہونے، میں داخل ہی نہیں تو اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے ۔بس اب نئی چیز کے معنی یہ ٹھہرے کہ نہ وہ چیز اور نہ اس کی مانند دوسری چیز رسول خدا ﷺ کے زمانے میں ہو اور نہ اس چیز کا اور نہ اس کی مانند دوسری چیز کا ان تینوں وقتوں میں بے کھٹکے رواج ہو گیا ہو۔ اب جہاں کہیں نئی چیز کا ذکر آوے یہی معنی سمجھنا۔ مگر اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ نئی چیز تو ہر طرح کی بات کو کہتے ہیں، خواہ دین کی بات ہو خواہ دنیا کی، مگر اس جگہ صرف دین کی بات مراد ہے

عن رافع بن خدیج قال قدم نبیّ اللّٰہ ﷺ المدینة و هم یابرون النّخل فقال ما تصنعون قالوا کنا نصنعه قال لعلکم لو لم تفعلوا کان خیراً۔ فترکوه فنقصت قال فذکروا ذلک له فقال انّما انا بشر۔ اذا امرتکم بشیء من رأی فانّما انا بشر۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں رافع بن خدیج سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور مدینہ والے کھجوری میں کھجورے کا مادہ دیتے تھے۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو یونہی کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نہ کرو تو شاید اچھا ہو۔ پھر لوگوں نے مادہ دینا چھوڑ دیا۔ مگر اس برس کھجوریں کم پھلیں۔ لوگوں نے حضرت ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بات یوں ہی ہے کہ میں بھی آدمی ہوں، جب تمہارے دین کی کوئی بات بتاؤں تو اس کو بجالاؤ اور دنیا کی جس بات کو اپنی عقل سے کہوں تو پھر میں بھی ایک آدمی ہی ہوں)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول خدا ﷺ نے جو نئی چیزوں کو برا بتایا ہے تو ان چیزوں سے دین ہی کی بات مراد ہے۔ دنیا کے کاموں سے کچھ غرض نہیں۔ اور دین کی بات اسے کہتے ہیں جس سے شرع کے حکم علاقہ رکھتے ہوں۔ اور شرع کے حکم پانچ چیزوں سے متعلق ہیں۔

ایک تو عقاید سے کہ آدمی اپنا عقیدہ کیسا رکھے، جیسے کہ اللہ کو ایک جاننا اور شرک نہ کرنا، کیونکہ اللہ کو ایک سمجھنا مسلمان ہونے کی بنیاد ہے اور شرک کرنا مسلمانی کو ڈھانا ہے۔

دوسرے اخلاق سے کہ آدمی اپنے میں کس طرح کا خلق پیدا کرے، جیسے کہ رحم دل ہونا اور سخت دل نہ ہونا۔ کیونکہ رحم دل پر اللہ رحمت کرتا ہے اور سخت دل اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔

یا توکل کرنا اور حریص نہ ہونا، کیونکہ توکل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رتبہ بڑھتا ہے اور حرص کرنے سے قدر گھٹتی ہے۔

تیسرے ان باتوں سے جو آدمی کے دل پر ایک کیفیت اچھی یا بری چھا جاتی ہے جیسے اللہ کی محبت دل پر چھانی اور سبکی محبت دل سے نکلنی اللہ کی رضا مندی کا سبب ہے اور اللہ کے دشمنوں کی محبت جمنی اللہ کی خفگی کا باعث ہے۔

چوتھے ان باتوں سے جو آدمی اپنی زبان سے کہتا ہے، جیسے گناہوں سے توبہ کرنے میں اللہ مہربان ہوتا ہے اور دین کے کاموں رواداری کرنے سے جس کا نام صلح کل رکھا ہے، اللہ کی مہربانی جاتی رہتی ہے۔

پانچویں ان باتوں سے جو آدمی اپنے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک سے کرتا ہے، جیسے جہاد کرنے سے جنت میں درجہ بڑھ جاتا ہے اور مسلمان کے مارنے سے دوزخ میں پڑتا ہے۔

غرض کہ شرع میں انہی پانچ چیزوں سے بحث ہے کہ انہیں پانچ چیزوں میں سے کسی کے کرنے کا حکم ہوتا ہے اور کسی کے نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور ان پانچوں چیزوں کو اگر عبادت کے طور پر کرے گا تو اگر عادت کے طور پر کرے گا تو اور اگر دنیا کے معاملے کے طور پر کرے گا تو انہی سے شرع کے حکم متعلق نہیں، کیونکہ جس طرح شرع کے حکم عبادت سے متعلق ہیں، اسی طرح عادت اور دنیا کے معاملے سے بھی متعلق ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تین دفعہ کر کے خوشبو لگانی اور تین دفعہ سلامی سرمہ دینا اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانا برا۔ حالانکہ یہ تو ایک عادت کی بات ہے، یا یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایمان داری سے سوداگری کرنی قیامت میں نفع سے گی اور کلام اللہ میں آیا ہے کہ سود کھانا قیامت میں نقصان دے گا، حالانکہ یہ تو دنیا کے معاملات کی بات ہے۔ غرض کہ شرع کے احکام جس طرح عبادت سے متعلق ہیں اسی طرح عادت اور دنیا کے معاملات سے بھی متعلق ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ شرع کے احکام آدمی کا ظاہر اور باطن دونوں درست ہونے کو اترے ہیں۔ پھر ظاہر کی درستی جب ہی ہوتی ہے، جب آدمی اپنی عبادت اور عادت اور معاملے کو درست کرے اور باطن کی درستی جب ہوتی ہے جب آدمی اپنا عقیدہ اور دل کے حالات خدا اور خدا کے رسول کے حکم کے بموجب درست کرے۔

اندروں را ز جہل خالی دار　　　تا درو نور معرفت بینی

اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ جس طرح شرع میں ان پانچوں چیزوں میں سے کسی کے کرنے اور کسی

کے نہ کرنے کا حکم ہے اسی طرح بعضے حکموں میں ایک قید لگا دی جاتی ہے اور اس کی حد معین کر دی جاتی ہے اور اس کی ایک شرط ٹھہرا دی جاتی ہے، جیسے وضو کے بغیر نماز کا نہ ہونا، یا مقدور کے بغیر حج کا فرض نہ ہونا، تو اس طرح کی باتیں بھی دین ہی کی باتوں میں داخل ہیں، اور ان میں بھی نئی بات نکالنی دین ہی کی بات میں نئی بات نکالنی ہے، کیونکہ ان باتوں سے بھی شرع کے حکم متعلق ہیں۔

ان حدیثوں سے بدعت کے یہ معنی معلوم ہوئے کہ جو عقیدہ اور بات چیت اور دل پر کے حالات اور عبادات اور عادت اور معاملہ کہ نیا ہو، یعنی نہ وہ اور نہ اس کے مانند دوسری چیز رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہو اور نہ اس کا اور نہ اس کے مانند دوسری چیز کا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقتوں میں بلا کھٹکے رواج ہو گیا ہو اور کوئی شخص اس کو قیامت میں فائدہ مند سمجھ کر کرے یا مضر جان کر چھوڑ دے یا کسی عبادت یا معاملے کے رکن یا شرط یا لوازم سے جان کر کرے یا اس کے برخلاف سمجھ کر چھوڑ دے اس کو ٹھیٹ بدعت کہتے ہیں جس کے حق میں رسول مقبول صادق و مصدوق ﷺ نے فرمایا کہ ، شرّ الامور محد ثا تھا ۔ یعنی بدترین چیزوں کی نئی چیزیں ہیں۔ اب دیکھ لو کہ جو اس طرح کی نئی باتیں ہیں وہ ٹھیٹ بدعت ہیں۔

دوسری قسم کی بدعت کا بیان

اس کے سوا ہمارے زمانے میں ایک اور طرح کی بدعت کا زور ہے کہ جس میں اکثر خواص لوگ بھی مبتلاء ہیں۔ مثلاً ایک بات تو شرع میں ہے، مگر اس میں ایک اور ایسی بات بڑھا گھٹا دیتے ہیں کہ وہ سنت سے بدعت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اب ہم اس بدعت کا بیان کرتے ہیں:

عن عا ئشه قا لت قال رسول اللّه ﷺ من ا حد ث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ ۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنہ میں حضرت عائشہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہماری اس شریعت میں نئی چیز نکالی کہ جو اس میں نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے)

و عن انس قال جاء ثلا ثة رهط الی ازوا ج النّبیّ ﷺ یسئلون عن عبادة النّبیّ فلمّا ا خبروا بها کانّهم تقالوها فقالوا این نحن من النّبیّ ﷺ و قد غفر اللّه له ما تقدّم من ذنبه و ما تأخّر فقال ا حد هم اما انا فاصلّی ا للّیل ابداً و قال الآخر انا اصوم النّهار ابداً و لا افطر و قال الآ خر فاعز ل النّساء فلا

اتزوج ابداً فجاء النّبیّ ﷺ الیھم فقال انتم الّذین قلتم کذا و کذا اما و اللّٰہ انی لاخشاکم للّٰہ و اتقاکم لہ لکنّی اصوم و افطر و اصلّی و ارقد و اتزوج النّساء فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی ۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنۃ میں انسؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ تین شخص پیغمبر ﷺ کی بیویوں کے پاس آئے پوچھتے ہوئے نبی ﷺ کی عبادت کا حال ۔ پھر جب ان کو وہ بتائے گئے تو گویا انہوں نے اس کو کم جانا، پھر آپس میں کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ کہ بے شک اللہ نے ان کی پہلی پچھلی باتیں سب بخش دی ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ساری رات نماز ہی پڑھا کرونگا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے ہی رکھا کرونگا اور نہ چھوڑونگا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں کے پاس نہیں جانے کا اور کبھی نکاح نہیں کرونگا۔ اتنے میں نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی ایسی ایسی باتیں کرتے ہو؟ خبردار ہو کہ خدا کی قسم بے شک میں بہت ڈرتا ہوں تمہاری نسبت اللہ سے اور تمہاری بہ نسبت بہت پرہیز گاری کرتا ہوں اللہ کی، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں، اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پھر جو شخص میری سنت سے پھرا وہ مجھ سے نہیں)۔

پہلی حدیث میں تین لفظ آئے ہیں کہ جن کے جاننے سے اس طرح کی بدعت کے معنی بھی معلوم ہو جاتے ہیں، ایک تو لفظ احدث اور دوسرا امرنا اور تیسرا لفظ ما ، جن میں سے پہلے دونوں لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ نئی چیز نکالی ہماری شریعت میں ۔ ان دونوں لفظوں کے معنی تو پہلے معلوم ہو چکے ہیں کہ نئی چیز کیا ہوتی ہے اور دین کی بات کن کن چیزوں کو کہتے ہیں ۔ البتہ جان لو کہ ما کے لفظ کا ترجمہ اردو میں، جو ، ہے اور اس لفظ کے ایسے مبہم معنی معلوم ہوتے ہیں کہ ہر بات پر ٹھیک آجاتے ہیں ۔ لیکن جس مقدمے میں بات چیت ہو اس کے قرینے سے اس مقدمے کے متعلق مراد ہوتی ہے ۔ مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ جاہلوں کو نہیں چاہیے کہ جو عالموں کی باتیں ہیں ان میں دخل دیں تو اب ، جو ، کا لفظ ایسا ہے کہ ہر بات پر ٹھیک آسکتا ہے، مگر اس جگہ بات چیت کے قرینے سے یہ ہی بات سمجھی جاتی ہے کہ ، جو ، کے لفظ سے علم کی باتیں مراد ہیں کہ جاہل عالموں کے علم کی باتوں میں دخل نہ دے۔ یعنی کوئی کتاب نہ بنائے، کوئی تقریر نہ کرے، کوئی مسئلہ نہ نکالے۔ نہ یہ کہ کپڑا بنانے اور کھانا کھانے میں کچھ دخل نہ دے، اگرچہ کپڑا پہننا اور کھانا کھانا عالموں میں بھی ہوتا ہے ۔ اسی طرح پہلی حدیث میں جو ، ما ، کا لفظ ہے اس سے بھی اسی طرح کے معنی مراد ہیں کہ جو کوئی نبیوں کے کام میں جو نئی بات نکالے وہ بات مردود ہے تو اب یہ بات دیکھنی چاہیے کہ انبیاء

کس کام پر اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اب سمجھ لو کہ جس طرح انبیاء عقاید اور اخلاق اور دل کے حالات اور زبان کی بات چیت اور ہاتھ پاؤں کے کام کاج جن سے ظاہر اور باطن کی آراستگی ہوتی ہے، درست کرنے کو آئے ہیں۔ اسی طرح سب باتوں کی حدیں مقرر کرنے اور ہر کام کرنے کا ڈھب بنانے اور ہر ایک چیز کی صورت ٹھہرا دینے کو بھی آئے ہیں، کیونکہ پہلے کی پانچوں باتوں کو تو جن سے ظاہر اور باطن درست ہوتا ہے دین کہتے ہیں اور دین ہر ایک نبی کے ساتھ تھا اور ہر نبی کو انہی پانچ باتوں کی درستی کے لئے نبوت عطا ہوئی تھی۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

شرع لکم من الدّین ما وصّی بہ نوحاً و الّذی اوحینا الیک و ما وصّینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورہ الشوریٰ میں فرمایا: راہ ڈال دی تم کو دین میں وہی جو کہہ دیا تھا نوح کو اور جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ جو کہہ دیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین تو ہر نبی کا ایک سا تھا، مگر دوسری بات میں جس سے حدیں مقرر ہو جاویں اور ہر کام کا ڈھب ٹھہر جاوے اور ہر ایک بات کی ایک صورت بن جاوے، جدا جدا تھی۔ اور اسی دوسری صورت کو شریعت کہتے ہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

لکلّ جعلنا منکم شرعۃ وّ منھاجاً۔ (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہر ایک کو تم میں دی ہم نے ایک شریعت اور راہ)

پس اب سمجھ لو کہ ہر ایک چیز کی ایک حد مقرر کرنے اور ہر کام کا ڈھب بتانے اور ہر ایک بات کی ایک صورت بتا دینے کا نام شریعت ہے۔ مثلاً نماز پڑھنی اور شرک نہ کرنا اور زنا سے بچنا، یہ تو اصل دین ہے کہ ہر نبیوں کے وقت میں تھا اور نماز کی بھی حد مقرر کر دینے اور وقت ٹھہرا دینے اور رکعتیں گن دینے اور نکاح میں گواہوں کا ہونا اور مہر کا باندھنا اور بدشگونی ماننے سے ایک طرح کا شرک ہو جانا اور زنا اسی کو کہنا جہاں زنا نہ ہونے شبہ نہ ہو اور پھر زنا کی بھی حد معین کا مقرر ہونا اور اس طرح کی اور بہت سی باتیں جو شریعت میں مقرر ہیں اس کا نام شریعت ہے جو بخوبی شریعت محمدیہ میں پوری ہو چکیں جس میں اب گھٹانے بڑھانے کی حاجت نہ رہی۔ اور جن باتوں کی حدیں اور جن چیزوں کی صورتیں شارع نے مقرر کر دی ہیں وہ دو طرح پر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر فلانا کام اس طرح پر نہ کیا جاوے گا تو شرع میں وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر فلانا کام اس صورت پر ہوگا تو شرع میں بہت اچھا اور اللہ کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ جیسے نماز میں کھڑا ہونا اور

کچھ کلام اللہ پڑھنا اور رکوع اور سجدہ کرنا یا نکاح میں ایجاب وقبول ہونا، کہ یہ سب باتیں ضرور ہیں اوران کے بغیر وہ کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثلاً نماز میں مقرر کر دینا کہ اتنی دیر تک کھڑا رہنا اور اتنی دیر تک بیٹھنا اور اتنی دفعہ تسبیحات پڑھنی بہتر ہیں اور اللہ کے نزدیک اچھی۔ یا مثلاً پانچوں نماز وں کے وقت مقرر کر دینے اور رمضان کا مہینہ روزوں کے لئے ٹھہرا دینا اور شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ اور ذی الحج کی دسویں تاریخ عید کے لئے مقرر کر دینی، ایسی باتیں ہیں کہ اگر اپنے وقتوں میں نہ کیا جاوے تو ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ یا مثلاً رمضان کی راتیں اور شب برات کی رات میں عبادت کرنی اور آفتاب نکلنے کے بعد اشراق کی نماز پڑھنی اور آدھی رات کے بعد تہجد کی نماز ادا کرنی اور ایام بیض اور شش عید اور عرفہ اور عاشورہ اور شب برات کے روزے رکھنے، اور ساتویں دن عقیقہ کرنا اور جمعرات کے دن سفر کو جانا، ایسی چیزیں ہیں کہ اگر اپنے دنوں میں یہ کام کئے جاویں تو اللہ کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ یا مثلاً پاک جگہ کا نماز کے لئے مقرر کرنا اور شہروں ہی میں جمعے کی اور عید کی نمازوں کا ہونا اور اعتکاف کے لئے مسجدوں ہی کا ٹھہرانا اور حج کے لئے کعبۃ اللہ ہی جانا ایسی چیزیں ہیں کہ اگر اسی طرح نہ ہوں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ یا مثلاً فرضوں کے لئے اور نکاح باندھنے کو مسجدوں کا معین ہونا اور نفل اور کلام اللہ پڑھنے کو گھروں کا ٹھہرانا اور جامع مسجد جمعہ کی نماز کو اور جنگل عید کی نماز کو معین کرنا، ایسی باتیں ہیں کہ اگر اسی طرح پر ہوں تو اللہ کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ یا مثلاً نماز میں رکعتوں کی گنتی ٹھہرا دینی، روزوں کا شمار بتا دینا، کفارے میں محتاج کھلانے کی گنتی مقرر کر دینا، یا خرید وفروخت کے معاملے میں تین دن تک کا اختیار دینا، ایسی باتیں ہیں کہ اگر اس طرح نہ ہوں تو ان کا ہونا نہ ہونے ہی کے برابر ہے۔ یا مثلاً نفلوں میں رکعتوں کی گنتی مقرر کر دینے اور جیسے صلوۃ التسبیح میں تسبیحات کا شمار بتا دینا، یا ہر بات میں طاق کا اچھا ہونا، ایسی باتیں ہیں کہ اگر اسی طرح پر ہوں تو اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ غرض کہ جتنی باتیں دنیا میں ہیں، کیا شادی کی اور کیا غمی کی اور کیا عبادت کی اور کیا عادت کی اور کیا معاملے کی، سب کے لئے اللہ تعالی نے ایک حد مقرر کر دی ہے اور وہ حد دو طرح پر ہے۔ یا یہ کہ اگر اس حد کو توڑا جاوے گا تو اللہ کے نزدیک اس کام کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہوگا، یا یہ کہ ہو تو جاوے گا مگر جس طرح کہ حد کے نہ توڑنے میں اللہ کے نزدیک ثواب اور درجہ تھا اتنا ثواب اور درجہ نہیں ہوگا۔ کما قال اللہ تعالی:

و تلک حدود اللّٰہ و من یتعدّ حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ۔ (یعنی اللہ نے سورہ طلاق میں فرمایا: اور یہ حدیں ہیں اللہ کی باندھی اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام کی جو اللہ نے حدیں مقرر کی ہیں ان کو نہ توڑنا، یعنی ان میں کمی بیشی نہ کرنی، شریعت پر چلنا ہے۔ بلکہ جن لوگوں کو اللہ نے نور معرفت کا دیا ہے اور اتباع اپنے حبیب کا نصیب کیا ہے ان کو تو ان باتوں کا یہاں تک خیال رہتا ہے کہ جتنے احکام شرع ہیں ان میں بھی غور کرتے ہیں کہ جن چیزوں کے بجالانے کا تاکیدی حکم ہے ان کے بجالانے میں، ان حکموں کے بجالانے سے جن میں اتنی تاکید نہیں ہے، زیادہ سعی اور کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً نماز میں سب چیزوں کے ادا کرنے کا حکم ہے مگر جتنی تاکید کہ اس کے ارکان درست کرنے پر ہے اتنی اور چیز پر نہیں۔ یا جتنی تاکید وضو کر کے نماز پڑھنے پر ہے، اتنی سیدھا قبلے کی طرف کھڑا رہنے پر نہیں، کیونکہ اگر تھوڑا سا قبلے سے کج ہو تو بھی نماز ہو جاتی ہے، یا مثلاً جیسے الحمد پڑھنے پر تاکید ہے ایسی اور صورت پڑھنے پر نہیں، کیونکہ اخیر رکعتوں میں پڑھی نہیں جاتی۔ اور اسی طرح جیسی تاکید پہلی دو رکعتوں کے ادا کرنے میں ہے ویسی اخیر کی دو رکعتوں میں نہیں، کیونکہ سفر میں نہیں پڑھی جاتیں۔ غرض کہ ہر ایک کام کرنے کی ایک حد شرع میں مقرر کر دی ہے، اس حد کو توڑنا نہیں چاہیے اور اس واسطے رسول مقبول نے فرمایا ہے کہ انّ اللّٰه حدّ حدوده فلا تضيّعو ها ۔ یعنی اللہ تعالی نے ہر کام کی حدیں مقرر کر دی ہیں ان کو نہ کھوؤ۔ غرض کہ جس چیز کا نام شریعت محمد یہ ہے اس کے احکام دو ہی طرح پر ہیں۔ یا تو ان سے ہر چیز کی حدیں ٹھہرائی گئی ہیں اور یا ہر حکم کے درجے مقرر کئے گئے ہیں۔ پس اس پہلی حدیث میں جو، ما ، کا لفظ آیا ہے اس سے یہی باتیں مراد ہیں ،یعنی جو کوئی دین کی باتوں میں کوئی چیز، خواہ وہ کسی چیز کی حد مقرر کر دینی ہو یا ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ ٹھہرا دینی ہو، یا ایک کا مرتبہ بڑھا دینا اور دوسرے کا گھٹا دینا ہو، نکالے تو وہ بات مردود ہے۔

اب تم کو جب اس، ما ، کے معنی معلوم ہو گئے تو اب اس قسم کی بدعت کے یہ معنی ٹھہرے کہ دین کی باتوں میں جو نئی حدیں مقرر کرنی یا نئی طرح کا ڈھنگ اور موقع دین میں ٹھہرا دینا کہ نہ وہ رسول اللہ کے وقت میں تھا اور نہ اس کی مانند اور نہ اس کا رواج صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں تھا اور نہ اس کی مانند کا، اور کوئی شخص اس بات کو یوں جان کر کرے کہ فلانی دین کی بات کے ہونے کا اسی پر مدار ہے، یا اس بات کا ہونا اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور بہتر ہے، یا کسی دین کی چیز کو اس طرح پر سمجھ کر چھوڑ دے کہ اس کے ہونے سے دین کی فلانی بات ہونے ہی کے برابر ہے، یا اس کے ہونے سے اس کا ثواب گھٹ جاتا ہے تو یہ ہی بدعت ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ پہلی تو ٹھیٹ بدعت تھی کہ اس کی اصل ہی شرع میں نہ تھی اور یہ بدعت اس سے اتر کر ہے کہ شرع

میں جو بات تھی اس پر ایسی چیزیں اور لگا دی ہیں کہ جو شرع میں نہ تھیں اور اسی سبب سے یہ بدعت ہو گئی جس کے حق میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو ردّ ۔(یعنی جس شخص نے کہ نئی بات نکالی اس شریعت میں جو اس میں نہیں تو وہ نئی بات مردود ہے)۔

اس سارے بیان سے معلوم ہوا کہ بدعت کا مدار عقیدے پر ہے، یعنی جو چیز کہ اللہ کے نزدیک فائدہ مند نہیں ہے اس کو فائدہ مند جاننا اور جو چیز کہ اللہ کے نزدیک مضر نہیں ہے اس کو مضر سمجھنا بدعت ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور قسم کی بھی بدعت ہے کہ جو بغیر اعتقاد کے بھی بدعت ہو جاتی ہے اور اس قسم کی بدعت میں ہزاروں زن و مرد گرفتار ہیں۔

تیسری قسم کی بدعت کا بیان

یہ ہے کہ دین و دنیا کی باتوں میں جو نئی بات نکلی ہو اس کے کرنے میں بھلائی اور نہ کرنے میں برائی کا تو اعتقاد نہ رکھتا ہو، لیکن اس کو اس طرح پر کرتا ہو یا اس کے نہ کرنے میں ایسا اہتمام بجالاتا ہو کہ جیسا اس چیز کی بھلائی یا برائی پر اعتقاد رکھنے والے بجالاتے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰه ﷺ من تشبّه بقوم فھو منھم ۔ (یعنی مشکوۃ کے باب اللباس میں ابن عمرؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے)۔

اس حدیث میں تشبّہ کا لفظ آیا ہے جسکے معنی مشابہت کرنے کے ہیں اور دو چیزوں میں پوری مشابہت جب ہوتی ہے جب دیکھنے والا ان دونوں کو دیکھ کر پہچان نہ سکے کہ یہ چیز کون سی ہے اور وہ چیز کون سی۔ اور اس حدیث میں نری مشابہت کا لفظ آیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات میں مشابہت کرے، خواہ کھانے میں، خواہ پہننے میں، خواہ بولنے میں، خواہ عادت میں، خواہ عبادت میں، خواہ معاملے میں، وہ ان ہی لوگوں میں سے ہوگا جن کے ساتھ مشابہت کی ہے۔ اب غور کرو کہ جس شخص نے دین میں نئی بات نکلی ہوئی کو اختیار کیا ہے اور گو وہ شخص اس نئی بات کے کرنے میں بھلائی اور نہ کرنے میں برائی کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، لیکن جب وہ شخص اس نئی بات کو اسی طرح بجالاتا ہے جس طرح کہ اس چیز کی بھلائی یا برائی پر اعتقاد رکھنے والے بجالاتے تھے تو اس شخص نے بھی انہی لوگوں کی مشابہت کی، اس سبب سے انہی لوگوں میں گنا گیا۔ اب خیال کرو کہ وحدت وجود کا مسئلہ جو اس زمانے کے پیروں اور پیرزادوں میں پھیل رہا ہے اور مولوی بھی اس کو سن

کرگردن نیچی کر ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بابا فقیروں کی باتوں میں دم نہیں مارا جاتا اور اس مسئلے کو غایت عرفان اور موجب نہایت قربت الی اللہ کا سمجھ رکھا ہے تو یہ اعتقاد ٹھیٹ بدعت ہے، کیونکہ یہ باتیں نہ رسول خدا ﷺ کے وقت میں تھیں، نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں۔ اور اسی طرح اللہ تعالی کی ذات پاک میں گفتگو کرنی کہ کیسا ہے اور کہاں ہے اور کیونکر ہے؟ یا جبر و اختیار کے مسئلے میں الجھنا یا دیدار الٰہی کے معنی بتانے کہ اس طرح پر ہوگا، یا کلام اللہ کی متشابہ آیتوں اور متشابہ حدیثوں میں بحث کرنی اور خواہ مخواہ اس میں معنی پہنانے، اور حکیموں اور فلسفیوں کے مذہب کی کتابیں پڑھنی اور ہمیشہ اس میں اوقات ضائع کرنے اور اس سے ثواب ملنے کی توقع رکھنی ٹھیٹ بدعت ہے۔ اور یوں ہی بطور رسم کے لوگوں کی ریسا ریس پڑھنا اور اس پر ایسا اہتمام کرنا جیسا کلام اللہ اور حدیث اور فقہ کے پڑھنے پر چاہیے تھا، جس طرح کہ ہمارے زمانے کے لوگ کرتے ہیں اور چار کتابیں منطق کی پڑھ کر مولوی بن بیٹھتے ہیں اور جس نے ان کتابوں کو نہ پڑھا ہو، اور گو حدیث و فقہ خوب جانتا ہو، اس کو جاہل اور دلوں سے گرا ہوا سمجھتے ہیں، تو اس طرح کا بھی پڑھنا بدعت ہے، گو اس میں ثواب ملنے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، کیونکہ اس نے بھی ان کتابوں کے پڑھنے پر ایسا ہی اہتمام کیا ہے، جیسا کہ ثواب ملنے کا اعتقاد رکھنے والے کرتے ہیں۔ البتہ بقدر ضرورت کے پڑھ لینا اور سب کو مقصود بالذات نہ سمجھنا اور اسی میں غلطان و پیچاں نہ رہنا دوسری بات ہے۔ اور اسی طرح اکثر فقیروں نے جو طریقے زہد و ریاضت اور مراقبے اور ذکر اور شغل کے خلاف سنت نکالے ہیں اور ان سے کشف و کرامات حاصل کرتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے، کیونکہ رسول خدا ﷺ نے جو رستے صفائی باطن اور تقرب الی اللہ کے بتا دیئے ہیں اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے برتاؤ میں رہے ہیں اس کے سوا دوسری بات نکالنی جس کا ٹھکانہ نہ جناب پیغمبر خدا ﷺ کے وقت میں تھا اور نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں، تو وہ بات ٹھیٹ بدعت ہے۔ اور اسی طرح تعویذ، طومار۔ گنڈے، پلیتے کرنے اور کسی گنڈے کے سبب انڈا مرغی کا کھلانا اور کسی پلیتے کے باعث ہرن کا گوشت کھلانا چڑھانا، یہ بھی بدعت ہے، کیونکہ اس طرح کی باتیں نہ رسول خدا کے وقت میں تھیں نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں۔ البتہ جن دعاؤں کا پڑھنا یا دم کرنا جس طرح پر کہ حدیثوں میں آیا ہے انہی کو اسی طرح پر کرنے میں کسی کو کلام نہیں۔ کلام تو اس میں ہے کہ جو اس زمانے کے پیرزادوں اور مولوی زادوں نے حدیث کی دعاؤں کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کے عمل اعمال نکالے ہیں۔ اور اسی طرح بعضے مشائخوں نے جو نئی نئی طرح کے ذکر نکالے ہیں اور ان کی

ضربیں مقرر کی ہیں اور اس کی گنتی ٹھہرائی ہے اور پیر کا تصور کر کے مراقبہ نکالا ہے۔ اور اسی طرح بہت سی باتیں شریعت حقہ مصطفویہ میں بڑھا دی ہیں جن کا ٹھکانا نہ حضرت پیغمبر ﷺ کے وقت میں لگتا ہے اور نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں۔ اور پھر ان سب باتوں کو دینداری سمجھ کر اور ثواب ملنے کا اور اللہ تعالی کے دربار میں مرتبہ بڑھنے کا اعتقاد رکھ کر کرتے ہیں، یہ سب باتیں بھی ٹھیٹ بدعت ہیں۔ اور جو لوگ ان باتوں کو صرف وسیلہ جان کر اس طرح پر سعی کرتے ہیں جس طرح پر کہ ثواب ملنے اور اللہ کے دربار میں مرتبہ بڑھنے کے اعتقاد رکھنے والے کرتے ہیں تو ان کی نسبت بھی مشابہت کے سبب بدعت ہی میں داخل ہے۔ البتہ جن لوگوں نے نہ ان باتوں کو مقصود اصلی سمجھا اور نہ اس طرح پر اوڑھنا بچھونا بنایا اور نہ شریعت کے مسئلوں کے مقابل طریقت کے مسئلے ٹھہرائے، بلکہ بعضی دفعہ کسی مصلحت سے کسی کی نسبت کوئی بات بتا دی اور یہ سبز باغ دکھا کر شرع محمدیہ پر قائم کر دیا اور پورا پورا سنی مسلمان بنا دیا تو وہ دوسری بات ہے۔ اور اسی طرح بزرگوں کے نام پر ختموں کا کرنا اور یہ بات ٹھہرانی کہ فلانے ختم میں اتنے آدمی ہوں، اور فلانا ختم فلانے وقت ہو، اور فلانے توشے میں یہی چیز ہو، اور فلانے کونڈے میں فلانی چیز دھری جاوے، اور بیوی کی صحنک اس طرح نکالی جاوے اور اس کو ایک خصم والی سے سوا کوئی نہ کھاوے، اور بیوی کی پڑیا اس طرح لال ناڑے سے باندھی جاوے، اور اسی طرح اور ہزاروں باتیں جو اس زمانے میں مروج ہیں اور ان کے کرنے میں بھلائی اور نہ کرنے میں برائی کا اعتقاد رکھتے ہیں، یہ سب باتیں ٹھیٹ بدعت ہیں۔ اور اسی طرح راگ کی محفل کرنی اور قوالوں سے خالی معرفت کی غزلیں گوانی یا ڈھولکی سارنگی تال تنبورا بھی بجوانا اور حال قال کی مجلس نام رکھنا اور مرثیہ خوانی اور کتاب خوانی کرنی، ماتم کرنا، تعزیئے بنانے، شدے نکالنے، لوگوں کو جمع کر کے قبروں پر جانا اور ان پر بیٹھ کر مراقبے کرنا اور اس بات کو اللہ کی رضامندی کا باعث سمجھنا، قبروں پر جا کر مردوں سے مدد مانگنی، قبروں کو چومنا، آستانوں کا بوسہ لینا، گال رگڑنے، قبروں پر پھولوں کی چادر ڈالنی، غلاف چڑھانے، قبروں کو غسل دینا اور اس کا پانی آب زمزم کی طرح پینا، بانٹنا اور لحد بنانے کو ثواب سمجھنا، قبروں پر روشنی کرنی اور میلہ جمع کرنا اور اس کا عرس نام رکھنا، ناچ کرنا اور بسنت کا بہانہ بنالینا، اگر کوئی مسلمان منع کرے تو حضرت امیر خسرو سے منکر جاننا اور ترت وہابی کہہ دینا، مردے کے لئے نماز ہول کا پڑھنا، دفنانے کے بعد اذان دینا، اور اسی طرح کی ہزاروں باتیں جو خلاف سنت رائج ہوگئی ہیں اور ان کو ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے، یہ سب کی سب باتیں ٹھیٹ بدعت ہیں۔ اسی طرح حضرت امام حسین کی فاتحہ کو

محرم ہی کا مہینہ مقرر کرنا، اور مولود شریف پڑھنے کو بارہ وفات ہی کا مہینہ ٹھہرانا، اور مردوں کی فاتحہ کو تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چالیسویں اور نماہی چھ ماہی اور برسی کا مقرر کرنا، بزرگوں اور پرانے مردوں (اموات) کی فاتحہ کو ان کے مرنے ہی کے دن باندھ لینا، یہ سب باتیں بھی بدعت ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسی قربانی کرنی تین دن تک درست ہے مگر عین بقرہ عید کا دن ایسا ہے کہ اگر اسی دن قربانی کی جاوے تو زیادہ ثواب ہے۔ اس واسطے جن لوگوں کو اللہ نے توفیق دی ہے وہ پہلے سے بکرے بھی خریدتے ہیں اور باوجودیکہ ان دنوں میں بکرے مہنگے بھی ہاتھ لگتے ہیں مگر گرانی قیمت پر کچھ خیال نہیں کرتے اور باوجودیکہ اس دن نماز کو عیدگاہ بھی جانا ہوتا ہے اور فرصت بھی کم ہوتی ہے اور اس دن (گوشت) بھی بہت سا ہوتا ہے کہ گوشت کھاتے کھاتے جی بھر جاتا ہے، مگر ان باتوں میں کسی کا بھی خیال نہیں کرتے اور سو طرح کے ہرج کر کے اس دن قربانی کرتے ہیں۔ مگر اس دن کو ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ پس اس طرح کے مقرر کرنے کا نام تو شریعت ہے کہ اس سے ہر کام کا وقت اور ہر بات کی حد مقرر ہوگئی ہے، اب اس طرح اور کسی چیز کو اپنے آپ مقرر کر لینا بدعت ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو کہ حضرت امام حسینؓ کے لئے کھانا پکانا اور بھوکوں کو کھلانا اور اس کا ثواب حضرت امام حسینؓ کو دینا ثواب کی بات ہے مگر خاص محرم کا مہینہ مقرر کر لینا بدعت ہے۔ اس واسطے کہ کسی کام کے لئے کوئی دن یا مہینہ یا وقت مقرر کرنا تو شرع کا کام تھا تو پھر جس شخص نے کہ حضرت امام حسین کی فاتحہ کو محرم کا مہینہ اپنی طرف سے مقرر کر لیا اس نے شریعت میں ایک نئی بات نکالی، اور شریعت میں نئی بات نکالنا بدعت ہے۔ پھر جو شخص محرم ہی میں حضرت امام حسینؓ کی فاتحہ دینا زیادہ ثواب سمجھتا ہے تو اس کے حق میں تو دوسری قسم کی بدعت ہے اور جو شخص کہ زیادہ ثواب ملنے کا تو اعتقاد نہیں کرتا، لیکن فاتحہ ہمیشہ محرم ہی میں کیا کرتا ہے جس طرح کہ زیادہ ثواب ملنے کا اعتقاد رکھنے والے کیا کرتے ہیں، تو اس کے حق میں تیسری قسم کی بدعت ہے۔ اسی طرح جناب پیغمبر ﷺ کا ذکر کرنا اور ان کے حالات اور سوانح عمری کا بیان کرنا اور ان کی عادتوں اور عبادتوں اور خصلتوں کا یاد کرنا دونوں جہان کی سعادت ہے، مگر اب مولود کی مجلس میں جو اپنی طرف سے یہ بات ٹھہرالی ہے کہ بارہ وفات ہی کا مہینہ ہو اور خواہ اور حالات حضرت کے بیان کئے جاویں یا نہ کئے جاویں، مگر حضرت ﷺ کے پیدا ہونے کا ضرور حال بیان کیا جائے، تو یہ باتیں مقرر کرنی شرع میں نہیں آئیں۔ اس سبب سے ان کا اپنی طرف سے مقرر کر لینا بدعت ہے۔ اسی طرح مردوں (اموات) کے ثواب کے لئے کھانا بانٹنا اور للہ دینا، بھوکوں کو کھلانا ثواب ہے، لیکن اس کام کے لئے اپنی طرف

سے تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چالیسویں اور نماہی اور چھ ماہی اور برسی کا دن مقرر کرنا بدعت ہے ۔اسی طرح مردے کی فاتحہ کو عین اس کے مرنے کے روز مقرر کر لینا کہ آندھی جائے یا مینہ جائے،سو طرح کے ہرج کر کے اسی دن فاتحہ دلانے، یہاں تک کہ اگر اس دن کچھ پاس نہ ہوتو بنئیے ہی کے ہاں سے گڑ،گھی آٹا،قرض لے لے اور حلوہ مانڈا پکالے اور کہیں سفر کو جانا ہوتو کہے کہ کل دادا جی کی فاتحہ کا دن ہے کیونکر چلا جاؤں، فاتحہ دے کر پرسوں جاؤنگا،ایک دن اور ٹھہر جاؤں ۔غرض کہ ہزار کام کاج ہرج کرے، یہاں تک کہ حدیث کا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دے، جماعت کے جاتے رہنے کا خیال نہ کرے۔مگر اس دن فاتحہ دلانی نہ چھوڑے،تو یہ بات بھی بدعت ہے۔ پھر اگر وہ شخص یوں عقیدہ رکھتا ہے کہ ان دنوں میں زیادہ ثواب ملتا ہے تو اس کے حق میں تو دوسری قسم کی بدعت ہے۔ اگر وہ شخص اس دن فاتحہ دینے سے ثواب زیادہ ملنے کا اور اور دن میں کم ملنے کا،یا اس بات کا کہ یہ دن اور دنوں سے اچھا ہے، یا اور دن برے ہیں، اعتقاد تو نہیں رکھتا۔مگر یہ شخص اس بات کو اس طرح پر کرتا ہے اور اس ڈھنگ سے برتتا ہے جس طرح کہ ان باتوں کے بھلے برے ہونے کا اعتقاد رکھنے والے برتتے ہیں،تو اس کے حق میں تیسری قسم کی بدعت ہے ۔اور اسی طرح کلام اللہ پڑھ کر مردوں کو بخشنا اکثر عالموں کے نزدیک ثواب کی بات ہے ۔کھانا پکا کر اور اس پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دینی اور الحمد للہ ، قل ھو اللہ پڑھنی اور اگلے پچھلوں کا نام لینا،جیسا کہ اس زمانے کے لوگ کرتے ہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ پھر اگر یہ شخص یوں سمجھتا ہے کہ بغیر فاتحہ دینے کے کھانے کا ثواب مردے کو پہنچتا ہی نہیں جیسے کہ اکثر عوام یوں ہی جانتے ہیں تو اس کے حق میں دوسری قسم کی بدعت ہے اور اگر وہ شخص یوں تو نہیں جانتا ،مگر اس کو اسی طرح کرتا ہے جس طرح کہ اس بات کا اعتقاد رکھنے والے کرتے ہیں،تو اس کے حق میں تیسری قسم کی بدعت ہے۔اور اسی طرح جو عورت کہ رانڈ ہوگئی اور باوجود یکہ اپنے خصم کے مرجانے سے جو اس کی روٹی کپڑے کی خبر لیتا تھا، نہایت مفلس ہوگئی ہے اور در بدر بھیک مانگتی پھرتی ہے اور خصم کرنے کو جی چاہتا ہے اور سب طرح کی باتیں جی میں آتی ہیں اور وہ عورت ان سب باتوں پر صبر کرتی ہے،مگر دوسرا خصم کرنے کا نام نہیں لیتی کہ ہم جولیوں میں بڑی نیک بخت بیوی کا دانہ کھانے والی کہلاؤں، پھر گو وہ عورت ان باتوں کو اچھا نہ کہتی ہو اور دوسرا نکاح کرنے کو برا بھی نہ جانتی ہو،مگر اس نے اس بات کو اس طرح پر برتا ہے جس طرح کہ ان باتوں کے برا ہونے کا اعتقاد رکھنے والی برتتی ہیں،اس واسطے اس عورت کا ان باتوں پر صبر کرنا بھی بدعت ہے۔اس کے سوا ایک اور بات بھی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے

اسلام کی نشانیوں (شعائر) کے سوا اور کسی بات پر اس طرح سے سعی کرنی جس طرح کہ اسلام کی نشانیوں (شعائر) پر سعی اور کوشش کرنی چاہیے تھی تو یہ کام خلاف حکم اللہ تعالی کے کرنا ہے، جیسے کہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ دور دور سے قبروں کی زیارت کو آنا نہیں چاہیے، تا کہ جو چیزیں کہ اسلام کی نشانیوں میں سے نہیں ہیں اسلام کی نشانیوں میں مل نہ جاویں۔ یعنی دور سے آنے کا حکم شرع میں کعبۃ اللہ اور مدینہ رسول اللہ ﷺ اور بیت المقدس ہی کے لئے ہے۔ پھر اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر یا لحد یا چلہ گاہ کی زیارت کو دور دور سے قصد کر کے آوے تو اس کا اس طرح پر سفر کرنا اسلام کی نشانیوں، یعنی کعبۃ اللہ اور مدینہ رسول اللہ ﷺ اور بیت المقدس کے سفر کے مشابہ ہو جاتا ہے اور یہ بات شرع کے برخلاف ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو بات اسلام کی نشانیوں میں سے نہیں ہے اس پر اسی طرح سعی کرنی جس طرح کہ اسلام کی نشانیوں پر سعی کرنے کا حکم ہے بدعت ہی ہو جاتی ہے خواہ اس کے اچھے برے ہونے کا اعتقاد ہو یا نہ ہو۔

تیسری قسم کی بدعت کا ضمیمہ

مثلاً نکاح کے وقت گواہوں کا ہونا اور ولی کی اجازت دینا شرعاً ضرور ہے، یہاں تک کہ اگر گواہ نہ ہوں یا ولی اجازت نہ دے تو نکاح کو موقوف رکھتے ہیں اور جو نقصان ہو اس کو گوارا کرتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص بہ سبب مفلسی کے اور جہیز نہ ہونے یا ولیمہ کا کھانا میسر نہ ہونے کے یا کسی بھائی بند، عزیز اقرباء کے سوگی ہونے کے، نکاح کو بڑھا دے تو یہ بھی بدعت ہے۔ پھر اگر اس کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اس کے حق میں تو دوسری قسم کی بدعت ہے، اور اگر اس کے اچھا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا، مگر اس بات کو اسی طرح پر کرتا ہے اور اس ڈھنگ سے برتتا ہے کہ گویا ان باتوں کے بھلے یا برے ہونے کا اعتقاد ہی ہے، اس سبب سے یہ بھی بدعت ہے کیونکہ اس شخص نے اس رسم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے جیسا کہ ان چیزوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا جن کے کرنے سے شرعاً بھلائی اور نہ کرنے سے شرعاً برائی حاصل ہوتی تھی۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنی رفتار گفتار نشست برخاست کا ایک ڈھکوسلا بنا رکھا ہے اور ... کچھ بھی ہو جاوے جو وقت کہ حضرت کے باہر تشریف لانے کا ہے اس کے سوا اور وقت تشریف لانے ہی کے نہیں اور جو وقت آپ کی بات کرنے کا ہے اس کے سوا بات کرنے ہی کے نہیں اور جیسی ٹوپی چارتر کی دادا جان پہنتے آئے ہیں اس کے سوا اور طرح کی ٹوپی پہننے ہی کے نہیں اور جو چیز کہ باوا جان ہاتھ میں رکھتے تھے اس کو یہ بھی ہاتھ سے

چھوڑنے ہی کے نہیں اور جس مسجد میں کہ ان کے پیر نے نماز پڑھی تھی اس کے سوا اور کسی مسجد میں نماز پڑھنے ہی کے نہیں، کوئی مرتا مر کیوں نہ جائے آپ عیادت کو تشریف لانے ہی کے نہیں، جو دن کہ اپنے مریدوں اور معتقدوں کے جمع کرنے کا ہے اس دن کو ناغہ کرنے ہی کے نہیں، اگر کسی سبب سے نکاح نہیں کیا تو اب یہ بھی باوجود خواہش اور مقدور ہونے کے درویشی کو بٹہ نہ لگنے کے لئے کرتے ہی نہیں۔ مفلسی کا حال تو یہ پہنچا ہے کہ فاقے پر فاقہ ہوتا ہے اگر بڑی وضع داری کی تو سوال نہ کیا۔ مگر رواں رواں پڑا سوال کرتا ہے، لیکن یہ صاحب اپنے پیر کا نام روشن رہنے اور اپنے خاندان کے نام نہ ڈبونے کو محنت مزدوری پیشہ کرنے ہی کے نہیں۔ جب تک کہ جھک کر تسلیمات نہ کی جاوے اور قدم آنکھوں سے نہ لگائے جائیں حضرت کا مزاج خوش ہونے ہی کا نہیں، سلام وعلیک کا جواب زبان سے نکلنے ہی کا نہیں، قدم چومتے وقت سر پر ہاتھ پھیرنے کے سوا مصافحے کو کبھی ہاتھ اٹھنے ہی کا نہیں۔ جب تک کہ حضرت صاحب اور شاہ صاحب اور میاں صاحب اور مولوی صاحب کہہ کر بات نہ کی جاوے، تیوری کا بل اترنے ہی کا نہیں جیسے کہ ہمارے زمانے کے مولویوں اور فقیروں اور سجادہ نشینوں اور خانقاہیوں اور قلندریوں اور مداریوں اور جلالیوں اور رسول شاہیوں اور اسی قسم کے لوگوں میں رواج پا رہا ہے۔ پھر گو ان کو اس کی عبادت ہونے کا عقیدہ نہ ہو، بلکہ اپنے باپ دادا کی رسم جانتے ہوں اس پر بھی یہ سب باتیں بدعت ہی میں داخل ہیں، کیونکہ یہ لوگ ان باتوں پر ایسی کوشش کرتے ہیں جیسی اسلام کی نشانیوں پر کوشش کرنی چاہیے، بلکہ جو لوگ اس کو بڑی خوبی اور نہایت دین داری جانتے ہیں ان کے حق میں خاصی بدعت ہے، کیونکہ یہ طریقہ نہ رسول اللہ ﷺ کا تھا، نہ آپ کے صحابہ کا اور نہ تابعین کا اور نہ تبع تابعین کا۔ بلکہ صحابہ کا تو یہ حال تھا کہ سب آپس میں یاروں کے یار تھے۔ پھر انہوں نے جو ایک شاخسانہ لگایا اور سب بھائی مسلمانوں سے اپنے تئیں عمدہ ٹھہرایا اور کسی نے پیرزادہ پن اور کسی نے مولوی زادہ پن لگایا، یہ بات کہاں سے ہے۔ دونوں عالم کے سرتاج رسول مقبول ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ اگر آپ کے یاروں میں سے کوئی شخص پکارتا تو آپ فرماتے لبیک یعنی میں حاضر ہوں۔ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے، جو اپنے تئیں آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ جناب پیغمبر ﷺ سفر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے اپنے یاروں سے فرمایا کہ آج بکرے کے کباب بنانے چاہییں۔ سب نے عرض کیا کہ بہت بہتر۔ پھر ان میں سے ایک صحابی نے کہا کہ بکرا تو میں ذبح کرتا ہوں، دوسرے نے کہا میں صاف کر دیتا ہوں، تیسرے نے کہا میں گوشت بنا دیتا ہوں، چوتھے نے کہا میں پکا دیتا ہوں

۔غرض ہر ایک صحابی نے ایک ایک کام اپنے ذمے لے لیا کہ جلدی کباب تیار ہو جاویں ۔ اصحاب تو ان کاموں میں لگے اور رسول خدا ﷺ چپکے سے اٹھ کر جنگل میں چلے گئے اور لکڑیاں لے آئے ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے کیوں تکلیف کی ، یہ بھی ہم کر لیتے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اس بات کو برا جانتا ہے کہ کوئی شخص اپنے یاروں میں اپنے تئیں ممتاز بناوے اور یاروں میں شریک نہ ہو۔ رسول خدا ﷺ کا ، جو دونوں عالم کے سرتاج تھے، تو یہ حال ہو، ان لوگوں کو کیا مشیخت لگی ہے جو بھائی مسلمانوں کو حقیر اور ناچیز سمجھتے ہیں۔ اب انصاف سے غور کر کے دیکھو کہ یہ باتیں اگر بدعت نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ خلق محمدی پیدا کرنا سنت ہے یا نخوت فرعونی ؟

اسی طرح ہمارے زمانے میں بعضی مباح چیزوں کا کہ جن کے کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، ایسی بری طرح رواج ہوا ہے کہ باوجودیکہ وہ لوگ ان باتوں کو اپنے باپ دادا کی رسم سمجھ کر کرتے ہیں، مگر وہ بھی بدعت ہی میں داخل ہوگئی ہیں ، بلکہ بعضوں کی نسبت تہنیت بدعت اور شرک تک کی نوبت پہنچ گئی ہے ۔اس کا بیان یہ ہے کہ اگر چہ بعضے احکام شرع کے اللہ تعالی بعضی مصلحتوں کے واسطے مقرر کئے ہیں جیسے کہ اللہ تعالی کی یاد کرنے کو نماز پڑھنا اور سفر کی ماندگی کے سبب چار رکعتوں کی جگہ دو رکعتوں کا پڑھنا، یا پیٹ نہ ہونے کا شبہ رفع کرنے کو عدت تک دوسرا نکاح نہ کرنا۔ لیکن بندوں کو چاہیے کہ اس بات سے قطع نظر کریں کہ رب العالمین نے کس مصلحت سے یہ حکم دیا ہے، بلکہ اسی طرح جوں کا توں اس حکم کے بجالانے پر سعی کریں، خواہ وہ مصلحت اس وقت بھی ہو یا نہ ہو، نہ یہ کہ یوں کہیں کہ نماز تو اللہ کی یاد کرنے کو بنی ہے اور نماز میں تو ہم سے حضور قلب نہیں ہو سکتا، مگر مراقبے میں بڑا دل لگتا ہے ۔ آؤ نماز کے بدلے بھی مراقبہ کر لیا کریں ۔ اس میں بھی تو اللہ ہی کی یاد ہے، اور گو سفر کیسے ہی آرام کا ہو، مگر اس خیال سے کہ ہم کو ماندگی تو ہوئی ہی نہیں، چلو پوری چار رکعتیں پڑھ لیں ، یا یہ کہ لوہاری اور بیلداری میں تو سفر سے زیادہ محنت ہوتی ہے ، لاؤ چار کی جگہ دو ہی رکعتیں پڑھ لیں ، یا یہ کہ اگر یقین ہو جاوے کہ عورت پیٹ سے نہیں ہے تو عدت کی راہ نہ دیکھیں اور دوسرا خصم کر لیں ، کیونکہ اس طرح کی باتیں کرنی خلاف شرع ہیں اور بھید اس میں یہ ہے کہ شرع کے احکام ان کے فائدوں سے قطع نظر کر کے خود وہ حکم ہی بالذات مقصود ہو گئے ہیں ۔ پھر ان حکموں کو اسی طرح جوں کا توں ان کے فائدوں سے قطع نظر کر کے بجالانا چاہیے جس طرح کہ اللہ تعالی نے حکم کر دیا ہے، خواہ اس وقت بھی وہ فائدہ ہو، خواہ نہ ہو۔ اب سنو کہ اگلے زمانے میں بعضے عقلمندوں نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالی کا حکم ہے کہ جو چیز للہ دی جاوے، پہلے اپنے عزیز اقرباء

محتاجوں کو دی جاوے اور پھر غیروں کو۔ اس واسطے جب انہوں نے کسی مردے کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا بانٹنا چاہا تو پہلے اپنے عزیز اقرباء کو دیا۔ پھر ہوتے ہوتے اس بات کا یہاں تک رواج ہوا کہ لوگوں نے اس مصلحت کو جس کے لئے یہ بات مقرر ہوئی تھی دل سے بھلا دیا اور مردے کی بھاجی ہی بانٹنے کو مقصود بالذات ٹھہرا دیا اور محتاج عزیز اقرباء کے بدلے بڑے بڑے آدمیوں کے حصے بخرے مقرر ہو گئے اور ادلا بدلی ٹھہر گئی۔ اب یہ حال ہے کہ اگر ہزار طرح سے کھانا اللہ دیا جاوے اور برادری میں بھاجی نہ بٹے تو اس شخص پر ہزاروں طرح کی لعنت ملامت ہوتی ہے اور اگر برادری میں بھاجی بانٹی اور للہ ایک چاول کا دانہ اور سوکھی روٹی کا ٹکڑا بھی نہ دیا تو اس پر کچھ بھی نہیں کہنے کے۔ اور اگر کوئی کہہ دے کہ میاں مردے کی طرف سے یہ صدقے کا کھانا ہے تو ساری برادری لٹھ لے کر دوڑے اور گالی سے بدتر جانے اور اس کھانے کو ہاتھ تک نہ لگائے جیسے کہ ہمارے زمانے میں تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چالیسویں اور برسی کے کھانے بانٹنے اور بزرگوں کے عرس میں کھانا تقسیم کرنے کا دستور ہے۔ پس تو اس طرح پر بھاجی بانٹی ایک رسم پڑ گئی ہے جیسے:

گدھے کھایا کھیت جس کا پاپ نہ پن

پھر اگر کوئی شخص اس کو رسم ہی جان کر بھاجی بانٹے تو اس کی نسبت بھی بدعت ہی میں داخل ہے، کیونکہ جس طرح شرع کے احکام کو ان کے فائدوں اور مصلحتوں سے قطع نظر کر کے بجا لایا جاتا تھا اور اس بات کا خیال نہ رہتا تھا کہ اب بھی اس میں وہ مصلحت اور فائدہ ہے یا نہیں، اسی طرح اس شخص نے بھی اس رسم کو بجا لانے میں اس فائدے سے جو اس میں تھا، قطع نظر کر کے سعی اور کوشش کی۔ اور اگر کوئی شخص اس بات کو ثواب ملنے کا اعتقاد کر کے کرے تو اس کی نسبت ٹھیٹ بدعت ہے، کیونکہ جو چیز کہ اللہ کے نزدیک کچھ فائدہ مند نہ تھی یہ شخص اس کو فائدہ مند سمجھ کر بجا لایا اور یہی ٹھیٹ بدعت ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس بھاجی کو یا بزرگوں کے عرس کے کھانے کو اس طرح پر سمجھ کر کرے کہ ان مردوں (اموات) کی ارواح میری طرف متوجہ ہوتی ہیں اور وہ مردے مجھ سے خوش ہوتے ہیں اور ان کی توجہ اور خوشی سے میرے اڑے کام نکلتے ہیں اور میری سرسبزی ہوتی ہے اور مجھ پر سے بلا ٹل جاتی ہے جیسے اکثر لوگ، بلکہ سب کے سب حضرت غوث الاعظم کی گیارھویں اور سترھویں وغیرہ اسی نیت سے کیا کرتے ہیں، یا بڑے بڑے پیروں کی نیاز مانتے ہیں، اور اس کے نہ کرنے کو اپنے وبال کا سبب جانتے ہیں، تو اس طرح پر سمجھ کر کے کرنا شرک ہے، نعوذ باللّٰہ منہا۔ غرض کہ جو مباح امر، یعنی ایسی بات کہ جس کے کرنے سے شرع میں کچھ مضائقہ نہیں اس

طرح سے لوگوں میں رواج پا جائے کہ اگر کوئی اس کو نہ کرے تو اس پر طعنے تشنے ہونے لگیں اور درکار پھٹکار پڑنے لگے اور اس کا رواج ثواب ملنے یا عذاب سے بچنے کو نہ ہو، بلکہ اپنے باپ دادا کی رسم ٹھہر گئی ہو اور ایکدوسرے کی ریس پر کرتا ہو، اس کو رسم کہتے ہیں ۔ پس جتنی رسمیں شادی، غمی، مرنے، جینے میں مروج ہو رہی ہیں سب کی سب بدعت ہی میں داخل ہیں، کیونکہ ان رسموں کے بجالانے پر وہ لوگ اس طرح پر سعی کرتے ہیں جیسے اسلام کی نشانیوں پر سعی کرنی چاہیے تھی۔ مثلاً اشرافوں میں یہ بلا پڑی ہے کہ دولہا کو تو ٹکے کا مقدور نہیں، مگر مہر لاکھوں ہزاروں ہی کا باندھتے ہیں، یہاں تک کہ اسی پر قصہ ہوتا ہے اور براتیں اٹھ جاتی ہیں اور شادیاں موقوف ہو جاتی ہیں ۔ اگرچہ مہر کا زیادہ باندھنا شرعاً ممنوع نہیں، مگر جب اس پر اتنا اہتمام ہوتا ہے جیسے کہ ضروریات دین پر چاہیے تھا، تو یہ بھی گویا بدعت ہی میں داخل ہے ۔ یا یہ کہ مثلاً بڑے خاندانی اشراف تو ہیں، مگر اس اشرافیت میں یہ خاک ڈالتے ہیں کہ باوجودیکہ فاقے پر فاقہ ہونے اور نیت ڈانواں ڈول ہونے کے محنت مزدوری پیشہ حرفہ نہیں کرتے اور پھر اس کو بڑی خوبی اور نہایت وضع داری سمجھتے ہیں۔ یا ضرورت تو درپیش ہے اور سودا لانے کی حاجت، مگر مشیخت کے مارے اور نواب زادہ پن نہ جاتے رہنے کے واسطے یا مولوی زادہ پن اور پیرزادہ پن میں بٹا نہ لگنے کے لئے سودا خریدنے نہیں جاتے ۔ اور اگر جبراً قہراً گئے بھی تو سودے والے کی دکان پر سودا لے بیٹھے ہیں کہ کوئی ہمارے دادا جان کی رعیت ہی میں سے آ جاوے یا طالب علم ہمارا شاگرد ہی مل جاوے یا کوئی مرید نظر پڑ جاوے تو اس سے اٹھوا کر لے جاویں ۔ اس قسم کی سب باتیں بدعت ہی میں داخل ہیں، کیونکہ شریعت محمدیہ میں ایسی باتوں کے پیچھے پڑنا اور ان کا اہتمام کرنا مقصود نہیں ہے ۔ اسی طرح بعض رسمیں شگون اور بدشگونی کی کفار مشرکین میں جاری ہیں کہ وہ لوگ ان کے ہونے کو شگون اور نہ ہونے کو بدشگونی سمجھتے ہیں جیسے بعضے ہندؤوں میں بیاہ کے وقت مسّی لگانی اور جمیع اقوام ہندؤوں میں نتھ پہنانی اور چوڑیاں ہاتھوں میں پہننی، بلکہ بعضے وقتوں میں خاص ہری ہی چوڑیاں پہننی مروج ہیں اور وہ لوگ ان رسموں کے ہونے کو شگون اور نہ ہونے کو بدشگونی سمجھتے ہیں ۔ ان رسموں کو مسلمانوں نے بھی اپنے ہاں اسی طرح ہو بہو رواج دیا ہے اور اسی طرح اس کے بجالانے کا اہتمام کیا جاتا ہے جس طرح کہ ہندؤوں میں ہوتا ہے ۔ مثلاً کنواری بیٹی کو کبھی مسی نہیں لگوانے کے، بغیر نتھ کے کبھی بیاہ نہیں کرنے کے، یہاں تک کہ اگر میسر نہ ہو گی تو مانگ کر لا ویں گے ۔ کنواری بیٹی چنی ڈال کر کبھی دو موتیوں کی نتھ نہیں پہنے گی اور رانڈ عورت کبھی نتھ ناک میں نہیں ڈالنے کی ۔ چوڑیوں کا جوڑا سہاگن ہی پہنے

گی، رانڈ نہیں پہننے کی اور اگر کسی کم بختی ماری رانڈ عورت نے چوڑیاں پہن بھی لیں تو کب پہنیں، جب اس کو ہم جولیوں نے کہا کہ اے بوا تو چوڑیاں کیوں نہیں پہنتی، تیرے بھائی کو خدا جیتا رکھے، تیرا بیٹا بیسا سو برس کا ہو، نا بہن بدشگونی نہ کر، جب اس کم بختی ماری کی شامت آئی اور اس نے چوڑیاں پہنیں، پھر گو مسلمانوں کو ان کے شگن اور بدشگن ہونے کا اعتقاد نہ ہو، لیکن جب اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ مشرکین کرتے ہیں اور اس کے بجالانے پر وہ اہتمام ہوتا ہے جیسا کہ ضروریات دین پر چاہیے تھا جن کے کرنے سے شرعاً بھلائی اور نہ کرنے سے شرعاً برائی حاصل ہوتی ہے، تو یہ ساری باتیں بدعت ہی ہیں۔ اور اگر ان باتوں کے شگن اور بدشگن ہونے کا اعتقاد رکھے، جیسے کفار مشرکین رکھتے ہیں، تو پھر خاصا شرک ہو جاتا ہے، نعوذ باللہ منہا۔ غرض کہ اس طرح ہزاروں بلائیں اشرافوں اور بھلے مانسوں اور کمینوں اور مولویوں اور مولوی زادوں اور پیروں اور پیرزادوں اور ملا سیانوں میں مروج ہیں کہ جن کا کچھ حد و حساب نہیں۔ اور ان باتوں کے پورا کرنے اور بجالانے پر اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا بھی اتنا خیال نہیں اور جب آدمی انصاف کر کے اور اپنے باپ دادا استاد پیر کی محبت دل سے نکال کر اور سنت رسول ﷺ کی محبت دل میں جما کر دیکھے گا تو خود انصاف کرے گا کہ یہ طریقہ ہرگز رسول مقبول اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا نہ تھا۔ پھر یہ باتیں اگر بدعت نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ اے بھائی مسلمانو! سنت رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں جماؤ اور بدعت کو چھوڑو،

ہر چہ نہ از ایمان بساطی درنورد آں داستان　　　ہر چہ نہ از قران طرازی برفشاں زاں آستیں

اس بیان سے بدعت کے معنی (جس میں یہ تینوں طرح کی بدعتیں آجاویں) یہ معلوم ہوئے کہ جو ئی چیز کہ نہ اس کو اور نہ اس کی مانند دوسری چیز کو رسول اللہ ﷺ نے کیا اور نہ اس کے کرنے کو فرمایا اور نہ حضرت کے وقت میں اس کو کسی نے اس طرح پر کیا کہ حضرت کو خبر ہوئی، مگر حضرت ﷺ نے منع نہ کیا، اور نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں بغیر برا جاننے کے اس کا رواج ہوا، خواہ اس چیز کا سرے سے وجود ہی نہ ہوا ہو، یا اس کا وجود تو ہو، مگر اس طرح پر اور اس صورت پر اور اس ڈھنگ پر جس طرح کہ اب نکلی ہے، نہ ہوا ہو اور کوئی شخص اس کو دین کی بات اعتقاد کر کے برتے اور اس کے کرنے اور نہ کرنے میں فائدہ اور نقصان دینی سمجھے۔ یا یوں تو نہ جانے، مگر اس کو اسی طرح پر برتاؤ میں لاوے جس طرح کہ فائدہ اور نقصان کا اعتقاد رکھنے والے بجالاتے ہیں، یا جس طرح کہ دین کی باتوں کو برتاؤ میں لاتے ہیں، تو وہ چیز بدعت ہے جس کے

حق میں رسول مقبول ﷺ صادق ومصدوق نے فرمایا:

ایّا کم و محد ثا ت الامور فانّ کلّ محد ث بدعة و کلّ بدعة ضلا لة (یعنی بچوتم نئی باتوں سے، کیونکہ جونئی بات ہے وہ بدعت ہے اور جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے)

اور جس کے حق میں فرمایا شرّ ا لامور محد ثا تھا ، یعنی بدترین چیزوں کی نئی چیزیں ہیں ۔ اب معلوم ہوگیا کہ بدعت کبھی اچھی نہیں ہوتی ۔ جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے اور بدعت کو حسنہ اور سیئہ کہنا بالکل غلطی ہے، اس واسطے اب ہم بدعت حسنہ اور سیئہ کی بھی تفصیل بتا دیتے ہیں ۔

بدعت حسنہ اور سیئہ کا بیان

جاننا چاہیے کہ بعضے عالموں نے بدعت کے یہ معنی لکھے ہیں:

البدعة ما ا حد ث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللّه ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبهة و استحسان و جعل دیناً قویماً و صرا طاً مستقیماً کذا فی البحر ۔(بحرالرائق میں لکھا ہے کہ بدعت اس نئی بات کو کہتے ہیں جو برخلاف ہوان سچی باتوں کے جو رسول خدا ﷺ سے سیکھی ہوئی ہیں ۔ پھر وہ نئی بات خواہ علم کی ہو، خواہ عمل کی ہو، خواہ حال اور وہ بات کسی شبہ سے نکلی ہو یا اچھا سمجھ کر نکلی ہو اور اسکو ایک دین اور سیدھا راستہ ٹھہرایا ہو)

پھر جو بدعت کہ ایسی ہوگی وہ ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی اور ایسی بدعت کبھی حسنہ نہیں ہو سکتی ۔

اور بعضے عالموں نے بدعت کے یہ معنی بیان کئے ہیں:

ا حدا ث ما لم یکن فی عهد رسول الله ﷺ ۔(یعنی بدعت نئی بات نکالنی ہے جو رسول خدا ﷺ کے وقت میں نہ تھی)

اور پھر ان لوگوں نے بدعت کے یہ معنی ٹھہرا کر اس کی دو قسمیں نکالی ہیں: کما قال الجوزی فی النها یة

البدعة بدعتان بدعة هدی و بدعة ضلا لة فما کان فی خلاف ما امر اللّه به و رسو له فهو فی حیز الذّم و الانکار و ما کا ن واقعاً تحت عموم ما ند ب اللّه و حص علیه رسو له فهو فی حیز المد ح ۔(یعنی بدعت دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک تو بدعت حسنہ ہے اور ایک بدعت سیئہ ۔ پھر جو بدعت کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے برخلاف ہے وہ تو بدعت سیئہ ہے اور جو بدعت اس میں داخل ہے جس کے کرنے کو

اللہ اور اس کے رسول نے کہا یا رغبت دلائی تو وہ بدعت حسنہ ہے)۔

اب غور کرو کہ ان دونوں معنوں میں کچھ فرق نہیں ۔ پہلی روایت کا بھی یہی حاصل ہے کہ جو بات خدا اور اسکے رسول کے حکم کے برخلاف ہو وہ بری ہے اور دوسری روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ جو نئی بات خدا اور اس کے رسول کے حکم کے برخلاف ہے وہ بری، یعنی بدعت سیئہ ہے اور جو برخلاف نہیں وہ بدعت حسنہ ہے ۔ پس ان دونوں معنوں میں کچھ فرق نہیں ۔ جو باتیں بری ہیں وہ سب لوگوں کے نزدیک بری ہیں ۔ صرف فرق اتنا ہے کہ بعضی اچھی باتوں کو وہ لوگ سنت میں گنتے ہیں اور یہ لوگ بدعت حسنہ اس کا نام رکھتے ہیں ۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھو کہ جن لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں نکالی ہیں، ایک حسنہ اور ایک سیئہ، ان لوگوں سے ان حدیثوں کے معنی سمجھنے میں چوک ہوگئی، کیونکہ ان حدیثوں میں جو لفظ آئے ہیں ان پر ان لوگوں نے غور نہیں کی کہ نئی چیز کس کو کہتے ہیں اور اس سبب سے نئی چیز کے یہ معنی سمجھ لئے گئے کہ جو حضرت ﷺ کے وقت نہ ہو، حالانکہ نئی چیز کے یہ معنی ہیں کہ نہ وہ چیز ہو اور نہ اس کی مانند دوسری چیز ۔ چنانچہ ہم اس مطلب کو طرح طرح سے مثالیں دے کر سمجھا چکے ہیں ۔ پس جب ان لوگوں کو نئی چیز کے معنی سمجھنے میں غلطی پڑی تو لاچار انہوں نے بدعت کی دو قسمیں ٹھہرالیں، ایک حسنہ اور ایک سیئہ ۔ اور یہ جو صاف رسول مقبول ﷺ کا قول تھا کہ جو بدعت ہے گمراہی ہے اور بدترین چیزوں کی، نئی چیزیں ہیں، اس کی تاویل کرنی پڑی اور اس کے معنی گھڑنے پڑے ۔ اگر وہ لوگ نئی چیز کے معنی بخوبی سمجھ لیتے تو نہ بدعت حسنہ نکالنی پڑتی اور نہ حدیث کے سیدھے سیدھے معنوں کو بدلنا پڑتا ۔ مگر الحمد للہ کہ یہاں تک تو مطلب ایک ہے، صرف نام کا فرق ہے کہ وہ لوگ جس کو بدعت کہتے ہیں اس کو سنت حکمیہ سمجھتے ہیں، مگر ہمارے زمانے میں لوگوں نے بدعت حسنہ کے اور ہی معنی نکالے ہیں کہ جو آج تک کسی نے نہیں کہے ۔ یعنی وہ یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ کوئی بات حضرت کے وقت میں یا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں نہ ہوئی ہو اور وہ نئی نکلی ہوئی ہو، مگر اس میں اچھی اچھی باتیں اور ثواب کے کام ہوتے ہوں، تو وہ بدعت حسنہ ہے، حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کے بغیر بتائے کہاں سے معلوم ہوا کہ اس بات میں ثواب ہے ۔ اور اسی بدعت کے مقابلے میں ہم کہا کرتے ہیں کہ بدعت کیسی ہی ہو، حسنہ یا سیئہ، اس کا چھوڑنا اور اس سے بیزاری کرنی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلنا، اور کیسی ہی چھوٹی سنت ہو اس پر جان دینی، دونوں جہان کی نعمت سے اعلیٰ اور اولیٰ اور افضل ہے ۔ کیونکہ سنت پر چلنے سے نور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور اللہ کے دربار میں رتبہ بڑھ جاتا

ہے اور بدعت کرنے سے ایک سنت اٹھ جاتی ہے۔ پھر فرض کرو کہ اگر بدعت کرنے میں، گو وہ تمہارے نزدیک حسنہ ہی کیوں نہ ہو، اگر ہم کو گٹھڑیاں کی گٹھڑیاں چھکڑے بھر بھر کر ثواب ملتا ہو اور سنت پر چلنے سے ایک تل بھر، تو ہم کو وہ تل بھر کافی ہے اور وہ بہت سا ثواب درکار نہیں

مردماں گویند احمد خیمہ در گلزار زن　　من گلے را دوست می دارم کہ در گلزار نیست

ان لوگوں نے جو بدعت حسنہ کے یہ غلط معنی سمجھے ہیں (بداں کہ ہر عبادت موافق سنت است آں عبادت مفید تر است برائے ازالہ نفس وتصفیہ عناصر وحصول قرب الٰہی لہٰذا از بدعت حسنہ مثل بدعت قبیحہ اجتناب می کنند کہ رسول اللہ ﷺ فرمودہ کل محد ثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ۔ پس نتیجہ ایں حدیث آنست نہ کل محد ثۃ ضلا لۃ و بدیہی است کہ لا شیء من الضلا لۃ بمدا یۃ و فلا شئی من المحد ثۃ بھد یۃ و نیز در حدیث آمدہ انّ القول لا یقبل ما لم یعمل بہ کلا ھما لا یقبلان بدون النّیّۃ و القول و العمل و النیّۃ لا یقبل ما لم یو فق السّنّۃ و چوں اعمال غیر مطابق سنت مقبول نباشد ثواب براں مترتب نشود۔ ترجمہ ارشاد الطالبین قاضی شیخ ثناء اللہ پانی پتی) تو اس کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں کی نگاہ سے وہ حدیثیں گزری ہیں جن کے معنی غلط سمجھے گئے ہیں اور بدعت حسنہ کے نئے معنی بنائے۔ اس واسطے ہم کو ضرور پڑا کہ ان حدیثوں کو بیان کر کے ان کے معنی بیان کر دیں۔

عن جر یر قال کنّا فی صدر النّھار عند رسول اللّٰہ ﷺ فجاء ہ قوم عراۃ مجتابی النمار او العباء متقلدی السیوف عامتھم من مضر بل کلّھم من مضر فتمعمر وجہ رسول اللّٰہ ﷺ لما رأی بھم من الفاقۃ فد خل ثمّ خر ج فامر بلالاً فاذّن و اقام فصلّی ثمّ خطب فقال یا ایّھا النّاس اتّقوا ربکم الّذی خلقکم من نفسٍ وّا حدۃٍ ..الی آخر الایۃ .. انّ اللّٰہ کان علیکم رقیباً ۔ و آ یۃ التی فی الحشر : اتقوا ا للّٰہ و لتنظر نفس مّا قدّ مت لغد ۔ تصدق رجل من دینارہ من درھمہ من ثوبہ من صاع برہ من صاع تمرہ حتّی قا ل و لو بشقّ تمرۃ قال فجا ء ر جل من انصار بصرۃ کادت کفہ تعجز عنھا بل قد عجز ت ثمّ تتا بع النّاس حتّی رأیت کومین من طعام و ثیا ب حتی را یت وجہ رسول اللّٰہ ﷺ یتھلل کانّہ مذ ھبۃ فقال رسول اللّٰہ ﷺ من سنّ فی الاسلام سنّۃحسنۃ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیء و من سنّ فی الا سلام سنّۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا

و وزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اوزارھم شیء

(یعنی مشکوۃ شریف کی کتاب العلم میں جریر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ دو پہر سے پہلے رسول خدا ﷺ کے پاس ہم لوگ تھے کہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ ننگے بدن کمبل لپیٹے ہوئے یا پہنے ہوئے اور گلے میں تلواریں ڈالے ہوئے کہ بہت سے ان میں کے مضر کے تھے بلکہ سب کے سب مضر کے تھے، پس رسول خدا ﷺ کے منہ کا رنگ ان کے فاقے کا حال دیکھ کر متغیر ہو گیا۔ پھر آپ ان کے لئے کچھ لانے کو گھر میں تشریف لے گئے۔ مگر گھر میں کچھ نہ پایا تو پھر باہر تشریف لائے اور بلال کو حکم دیا کہ انہوں نے اذان کہی اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھی پھر حضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا اور اس میں یہ آیت پڑھی : اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے .....اور پھر سورہ حشر کی آیت پڑھی کہ ڈرو اللہ سے اور آدمی کو چاہیے اس چیز پر نظر کرے جو پہلے کر چکا ہے قیامت کیلئے۔ پھر فرمایا حضرت ﷺ نے کہ للہ دے کوئی شخص اپنے پاس سے روپیہ ہی، اشرفی ہی، یا کپڑا ہی، یا ایک پیمانہ گیہوں ہی، یا ایک پیمانہ کھجور ہی۔ یہاں تک فرمایا کہ للہ دے اگرچہ ٹکڑا کھجور کا ہو۔ اور جنھوں نے یہ حدیث نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ پھر ایک شخص انصار میں سے ایک بھری ہوئی اشرفیوں کی یا روپئوں کی تھیلی لایا کہ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ تھک جاوے، بلکہ تھک ہی گیا۔ پھر پے در پے لوگوں نے لانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر اناج اور کپڑے کے دیکھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا کہ گویا سونا بھرا ہوا ہے۔ پھر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے رواج دیا اسلام میں نیک طریقے کو تو اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور اس شخص کا جو اس کے بعد کرے گا اور اس کرنے والے کا بھی ثواب کچھ نہیں گھٹے نہیں۔ اور جس نے نکالا اسلام میں برے طریقے کو اس پر اس کا عذاب ہے اور اس شخص کا جو اس کے بعد اس کو کرے گا، اور اس کرنے والے کا بھی عذاب کچھ نہیں گھٹے گا)

اس حدیث میں ہمارے زمانے کے لوگوں نے یہ سند پکڑی ہے کہ جو شخص اچھی بات دین میں نکالے وہ بدعت حسنہ ہے اور جو بری نکالے وہ بدعت سیئہ ہے۔ اور یہ سمجھ ان کی بالکل غلط ہے دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ وہ لوگ من سنّ سنّۃ حسنۃ کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ جو شخص اچھی بات نکالے، حالانکہ اس کے یہ معنی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اچھی بات کا رواج دے، یعنی وہ بات پہلے سے نکلی ہوئی ہو اور رسول خدا ﷺ نے اس کی خوبی بتادی ہو اور اس نکلی ہوئی بات کو جو

شخص رواج دے، اس کے واسطے یہ ثواب ہے، نہ کہ اپنی طرف سے کوئی بات نکال کر اور اس کو اچھا سمجھ کر رواج دے۔ اور ہم نے جو اس حدیث کے یہ معنی بیان کئے ہیں اس کی دو دلیلیں ہیں، ایک تو یہ کہ اسی حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول خدا ﷺ نے للہ دینے کا تو حکم دے دیا تھا مگر اس کا رواج باقی تھا، پھر جس شخص نے کہ پہلے لا کر دیا اس نے رسول خدا کے حکم کو رواج دیا کہ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی لائے۔ اسی واسطے رسول خدا نے اس پہلے شخص کی بڑائی اور اور اس کو زیادہ ثواب ملنے کی بشارت دی۔ اب معلوم ہو گیا کہ اس حدیث سے کوئی نئی بات نکالنی مراد نہیں بلکہ جو بات کہ حضرت کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں نکل چکی ہے اس کا رواج دینا مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قاعدہ ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر پڑ جاتی ہے۔ اب دیکھو کہ رسول خدا ﷺ نے ایک اور حدیث میں یہی بات فرمائی ہے:

> و عن بلال بن الحا رث المزنی قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من احیا سنّۃ من سنتی قد امیتت بعدی فانّ لہ من الا جر مثل ا جور من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئاً و من ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضھا اللّٰہ و رسولہ کان علیہ من الاثم مثل آ ثام من عمل بھا لا ینقص ذلک من اوزار ھم شیئاً ۔ (یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنۃ میں بلال بن حارث مزنی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے زندہ کیا، یعنی رواج دیا میری ایسی سنت کو کہ مر گئی تھی، یعنی چھوٹ گئی تھی، میرے بعد تو اس کیلئے ان لوگوں کی مانند ثواب ہے، جو اس سنت پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ گھٹے اور جس شخص نے نکالا گمراہی میں سے بدعت کو، نہیں راضی ہوتا اس سے اللہ اور رسول اس کا، ہوگا اس پر اس کا گناہ مانند گناہ ان لوگوں کے جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ گھٹے)

اب غور کرو کہ ان دونوں حدیثوں کا ایک مطلب ہے۔ پہلی حدیث میں فرمایا من سنّ سنّۃ حسنۃ اور دوسری حدیث میں فرمایا من احیا سنّۃ من سنّتی ، اس سے معلوم ہوا کہ من سنّ کے اور من احیاء کے ایک معنی ہیں اور من ا حیا کے معنی تو رواج دینے اور جاری کرنے کے ہیں تو من سنّ کے بھی یہی معنی ہوئے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو لوگ من سنّ کے معنی نئی بات نکالنے کے سمجھتے ہیں ان کی سمجھ بالکل غلط ہے۔ مگر ان معنوں میں بعضے

لوگوں کو ایک شبہ پڑے گا کہ اگر پہلی جگہ میں من سنّ فی الاسلام سنّۃ حسنۃ کے معنی رواج دینے اور جاری کرنے کے ٹھہرے تو دوسری جگہ من سنّ فی الاسلام سنّۃ سیّئۃ میں سن کے معنی رواج دینے اور جاری کرنے کے کیونکر ہو سکتے ہیں، کیونکہ اگر یہاں بھی سنّ کے یہی معنی ٹھہریں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دین میں جو برا طریقہ نکلا ہوا ہے، اگر اس کو کوئی رواج دے یا جاری کرے تو اس پر یہ عذاب ہے۔ حالانکہ دین میں جتنے طریقے ہیں وہ سب اچھے ہیں، دین میں کوئی برا طریقہ نہیں۔ پھر اس کے کیا معنی کہ دین میں جو برا طریقہ نکلا ہوا ہے اس کو رواج دے یا جاری کرے؟ لیکن یہ شبہ ان لوگوں کی نادانی ہے، اس واسطے کہ خود رسول خدا ﷺ نے بتا دیا ہے کہ دوسری جگہ سنّ کے معنی رواج دینے کے نہیں ہیں بلکہ یہاں سنّ کے معنی نئی بات نکالنے کے ہیں ۔اس واسطے اس دوسری حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے پہلے من سنّ کے مقابل میں تو من احیا فرمایا اور دوسرے من سن کے مقابل میں من ابتدع فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے من سنّ کے معنی وہ ہیں جو من احیا کے ہیں اور دوسرے من سنّ کے معنی وہ ہیں جو من ابتدع کے ہیں اور احیا کے معنی تو رواج دینے اور جاری کرنے کے ہیں اور ابتدع کے معنی نئی بات نکالنے کے تو پہلے من سنّ کے معنی بھی جاری کرنے اور رواج دینے کے ہوئے اور دوسرے من سنّ کے معنی نئی بات نکالنے کے۔ اب خیال کرو کہ اس حدیث سے بھی یہی مطلب ثابت ہوا کہ جو بات حضرت ﷺ کے وقت میں ہو چکی ہے اس کا رواج دینا اور جاری کرنا اچھا ہے اور نئی بات کا نکالنا برا۔ اس پر بعض نادان اس شبہے میں پڑتے ہیں کہ پہلی حدیث میں بھی دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ نے و ابتدع کا ہی لفظ کیوں نہ فرما دیا جس میں کچھ شبہ نہ رہتا، اور یہ بات ان کی کمال نادانی کی ہے، کیونکہ یہ تو بڑی فصاحت کی بات ہے کہ ایک لفظ دو جگہ آوے اور ایک جگہ اس کے اور معنی ہوں اور دوسری جگہ اور۔ دیکھو اللہ تعالی نے فرمایا:

> و کذ لک جعلنا کم امۃً وسطاً لّتکو نوا شھداء علی النّاس و یکون الرّسول علیکم شھیداً ۔ (اور اسی طرح ہم نے کیا تم کو امت چنندہ، تا کہ تم سب آدمیوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو)۔

اس آیت میں پہلے علی کے تو یہ معنی ہیں کہ اگلی امتیں جو برا کام کرتی ہیں تو ان کی برائی پر تم گواہ ہو کہ تمہاری گواہی سے ان کا نقصان ہوگا، جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلا نے چور پر گواہ گزر گئے۔ یعنی اس کی چوری ثابت کرنے کو اور اس کو سزا دلوانے کو چور پر گواہ گزر گئے۔ تو اس سے پہلے

علی کے معنی نقصان پہنچانے کے ہوئے ، اور دوسری جگہ جو علی آیا ہے ، و یکون الرّسول علیکم شھیداً ۔ یعنی تمہاری بھلائی کے لئے رسول تمہارا گواہ ہے جس کی گواہی سے تم کو فائدہ ہوگا ،تو اس دوسرے علی کے معنی فائدہ پہنچانے کے ہوئے اور یہ بڑی فصاحت بلاغت کی بات ہوئی کہ ایک لفظ دو جگہ آیا ہے، پہلی جگہ اس کے معنی اور تھے اور دوسری جگہ اور معنی ۔ اسی طرح رسول خدا ﷺ نے سنّ کا لفظ دو جگہ فرمایا ہے کہ پہلی جگہ اس کے معنی رواج دینے کے تھے اور دوسری جگہ نئی بات نکالنے کے اور اس کی سند پر دوسری حدیث بیان ہو چکی ۔ مگر بعضے آدمی دوسری حدیث میں ایک شبہ نکالتے ہیں کہ جب رسول خدا ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا کہ من ابتدع بدعۃ ضلالۃ ، یعنی جس شخص نے نکالی نئی بات گمراہی کی ،تو اس سے معلوم ہوا کہ نئی بات دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک نئی بات تو گمراہی کی ، دوسری نئی بات بھلائی کی ۔ تو جو نئی بات گمراہی کی ہے وہ بدعت سیئہ ہے اور جو نئی بات بھلائی کی ہے وہ بدعت حسنہ ہے ۔ مگر یہ سمجھ ان کی بالکل غلط ہے کیونکہ جب پہلی حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو نئی بات ہے وہ گمراہی ہے تو اب اس جگہ بھی اس طرح سے معنی بیان کرنے چاہییں کہ پہلی حدیثوں کی مخالفت نہ ہو۔ اس واسطے بعض عالموں نے دونوں جگہ زبر پڑھے ہیں، یعنی بدعۃ ضلالۃ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بدعت جو گمراہی ہے۔ اور جن عالموں نے ضلالۃ کا زیر پڑھا ہے تو زیر پڑھنے میں بھی کچھ خرابی نہیں ہوتی ، کیونکہ زیر پڑھنے میں بھی اس کے معنی یہ ہوں گے کہ گمراہی میں سے بدعت کو۔ یعنی گمراہی کی تو بہت سی چیزیں ہیں ان میں سے ایک بدعت بھی گمراہی ہے۔ تو زیر پڑھنے میں بھی وہی مطلب نکلا جو اور حدیثوں سے نکلا تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حسنہ اور سیئہ کا لفظ ہے اس کے یہ معنی سمجھ لئے ہیں کہ جو ہمارے نزدیک اچھی ثواب کی بات ہے وہ بدعت حسنہ اور جو ہمارے نزدیک بری بات ہے وہ بدعت سیئہ ہے۔ مثلاً یہ تو جانتے ہو کہ مصافحہ کرنا اور کلام اللہ پڑھنا اور اذان دینی ، اچھی بات ہے۔ اب تم یوں سمجھتے ہو کہ اگر عصر کے بعد بھی مصافحہ کرنا ٹھہرا لیا، یا قبروں کے گرد بھی حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھا ، یا مردہ دفن کرنے کے بعد بھی اذان دے دی، تو اس میں کچھ قباحت نہیں ، بلکہ ثواب کی بات معلوم ہوتی ہے، اس واسطے تم نے اس کو بدعت حسنہ ٹھہرا دیا ہے اور یہ سمجھ بالکل غلط ہے کیونکہ کسی دین کے کام کی بھلائی برائی جب تک شرع سے ثابت نہ ہو جاوے معلوم نہیں ہوتی ۔ پھر تم نے جو اپنی عقل سے عصر کے بعد مصافحے کے التزام کو بھی اور قبروں کے گرد حلقہ باندھ کر

کلام اللہ پڑھنے کو یا مردہ دفن کرنے کے بعد اذان دینے کو یا اسی طرح کی اور بہت سی باتوں کو جو اچھا ٹھہرا رکھا ہے، یہ غلطی ہے، کیونکہ جب تک کہ شرع سے نہ ثابت ہو جاوے، کسی دین کی چیز کی بھلائی برائی معلوم ہی نہیں ہوتی۔

قال صاحب المجالس و قد تقرر فی الاصول ان حسن الافعا ل و قبحها عند اهل الحق انّما یعرفان بالشّرع لا بالعقل فکل فعل امر به فی الشّرع فهو حسن و کل فعل نهی عنه فی الشرع فهو قبیح ۔(صاحب مجالس الابرار نے لکھا ہے کہ اصول میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ بھلائی اور برائی کاموں کی حق والوں کے نزدیک شرع ہی سے معلوم ہوتی ہے، عقل سے نہیں معلوم ہوتی۔ پھر جس کام کا کہ شرع میں حکم ہو چکا ہے وہ اچھا ہے اور جس کام سے شرع میں منع ہو چکا ہے وہ برا ہے)۔

وقال الامام الغزالی فی کتاب الاربعین فی اصول الدّین ایّاك ان یتصرف بعقلک و تقول کلّ ما کان خیراً او نا فعاًفهو ا فضل و کل ما کا ن اکثر کان انفع فان عقلک لا یهتدی الی اسرار الامور الالهیة و انها یتعقلها قوة النّبی ﷺ فعلیک بالاتباع فان خوا ص الامور لا تد رك با لقیاس او ما تر ی کیف ند یت الی الصلواة و نهیت عنها فی جمیع النهار امرت بترکها بعد الصّبح و العصر و عند الطّلوع و الغرو ب و الزّوا ل ۔

(یعنی امام غزالیؒ نے کتاب اربعین فی اصول الدین میں لکھا ہے کہ بچ تو اپنی عقل پر کام کرنے سے اور اس بات کے کہنے سے کہ جو اچھی اور فائدے کی بات ہے وہ بہتر ہے اور جو بہت ہے وہ فائدہ مند ہے۔ کیونکہ تیری سمجھ اللہ تعالی کے بھیدوں تک کہاں پہنچتی ہے۔ ان کو تو نبی ﷺ ہی سمجھتے ہیں۔ پس تجھ کو تو تابعداری ہی لازم ہے، کیونکہ ان باتوں کی خاصیتیں عقل سے نہیں سمجھی جاتیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ نمازوں کے وقت تو اذان دی جاتی ہے اور پھر دن بھر اذان دینے کا حکم نہیں، بلکہ پو پھٹنے اور عصر کی نماز ہو چکنے کے بعد نفل پڑھنے کا اور سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت اور ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھنے تک کا حکم نہیں۔ حالانکہ اذان دینی اور نماز پڑھنی تو ثواب کا کام ہے، پھر اگر اپنی سمجھ کو دخل ہوتا تو ہر وقت نماز پڑھنے میں ثواب ہوتا، حالانکہ ان وقتوں میں نماز پڑھنی منع ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی سمجھ میں سمجھ لینا کہ فلانی بات اچھی ہے، کسی کام کی نہیں؛ اچھی

بات وہی ہوتی ہے جس کو رسول خدا ﷺ اچھا بتا دیں۔

و قال فی الاحیاء کما ان العقول تقصر عن ادرا ك منا فع ا لادوية مع ان التجر بة سبيل اليها كذلک تقصر عن ادرا ك ما ينفع فی ا لآخر ة من ان التجربة غير متطرق اليها و انما يکو ن ذلک لورجع الينا بعض الاموات و اخبرو نا عن الاعمال المقر بة الی اللّه تعا لی و المجدة عنه و ذلک محا لاً مطمع فيه ۔(امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس طرح عقل دواؤں کے فائدے دریافت کرنے میں عاجز ہے، باوجودیکہ ان کا فائدہ دریافت کرنے کو تجربے کی راہ ہے، اسی طرح جو باتیں قیامت میں فائدہ مند ہیں انکے معلوم کرنے میں بھی عقل عاجز ہے اور اسکے ساتھ یہ ہے کہ اسکے دریافت کرنے کو تجربے کی بھی راہ نہیں۔ اور تجربہ جب ہوتا جب مردے اٹھ آتے اور ہم کو کہہ جاتے کہ فلانی باتیں تو ثواب کی ہیں اور فلانی باتیں عذاب کی، اور مردے اٹھ آنیکی توقع نہیں)

اب اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو تم نے اپنے نزدیک اچھا سمجھا ہے اس کا اچھا سمجھنا ٹھیک نہیں ہے، بلکہ اچھا ہونا اور برا ہونا اس چیز پر بولا جاوے گا جو شرع سے ثابت ہوا ہو۔ اب سمجھ لو کہ ان حدیثوں میں جو حسنہ اور سیئہ کے لفظ آئے ہیں ان سے وہی مراد ہے کہ جس کا اچھا ہونا اور برا ہونا شرع میں آ چکا ہو۔ پھر جن چیزوں کی بھلائی شرع میں آ چکی ہے ان کے رواج دینے میں ثواب ہے اور جن چیزوں کی برائی شرع میں آ چکی ہے ان کے رواج دینے میں عذاب ہے۔ پس اب اگر دونوں جگہ سن کے معنی رواج دینے ہی کے ہوں تو بھی وہی ایک مطلب ہے۔ اس حدیث سے بھی کسی طرح بدعت حسنہ کے ان معنوں پر جو تم سمجھتے ہو استدلال نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری حدیث جس سے ان لوگوں نے بدعت حسنہ کے یہ معنی گھڑ لئے ہیں وہ یہ حدیث ہے:

انّ اللّه تعا لی نظر فی قلوب العباد فاختار محمداً ﷺ فبعثه برسا لته ثم نظر فی قلوب العباد فاختار له اصحاباً جعلهم انصار دينه و وزراء نبيّه فما راه المسلمون حسناً فهو عند اللّه حسن و ما راه المسلمون قبيحاً فهو عند اللّه قبيح ۔(یعنی اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے دلوں پر دیکھا، پھر محمد ﷺ کو چنا، پھر ان کو اپنا رسول بنا کر بھیجا، پھر اپنے بندوں کے دلوں میں نظر کی اور ان کے لئے اصحاب چنے اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کے لئے وزیر ٹھہرایا۔ پھر جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں

وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے اور جس چیز کو برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بری ہے)۔

اس حدیث سے اس زمانے کے لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اگرچہ کسی چیز کی اصل پہلے زمانوں میں نہ پائی جاتی ہو، مگر جس چیز کو دس مسلمانوں نے اچھا سمجھا، وہ بدعت حسنہ ہے اور جس چیز کو برا سمجھا وہ بدعت سیئہ ہے۔ اور یہ سمجھ ان کی بالکل غلط ہے کیونکہ اس حدیث میں جو مسلمانوں کا لفظ آیا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ کوئی مسلمان جس چیز کو اچھا جانے وہ اچھی ہے تو یہ معنی صریح غلط ہیں کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ستفترق امّتی علی ثلث و سبعون ملّۃ کلّھم فی النّار الّا واحدۃ (یعنی قریب ہے کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہو جائینگے اور سب کے سب دوزخ میں جاویں گے، مگر ایک فرقہ)

اور جتنی امت حضرت ﷺ کی ہے ان کے مسلمان ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں، کیونکہ اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو امت میں کاہے کو رہیں۔ اور ہر ایک فرقے نے اپنے مذہب کو اچھا جان کر اختیار کیا۔ تو اب چاہیے کہ کوئی فرقہ دوزخ میں نہ جاوے، حالانکہ رسول مقبول ﷺ نے تو خبر دی ہے کہ بہتّر فرقے دوزخ میں جاویں گے، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ہر ایک مسلمان کے اچھے جاننے سے تو مراد نہیں ہے۔ پس تو اب مسلمانوں کے لفظ سے یا تو وہ مسلمان مراد ہیں کہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یعنی رسول خدا ﷺ کے اصحاب، یا وہ مسلمان مراد ہیں جو شرع کے احکام کو بخوبی جانتے ہیں اور وہ آئمہ مجتہدین ہیں، اور یا وہ مسلمان مراد ہیں کہ جن کے اچھے ہونے کی رسول مقبول نے خبر دے دی ہے کہ وہ صحابہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین۔ پھر جو چیز کہ ان تینوں زمانوں میں مروج ہوگئی ہے، نہ اس کے سنت ہونے میں کسی کو کلام ہے۔ اور جس چیز کو علماء مجتہدین نے کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ پر غور کر کے اپنے اجتہاد سے نکالا ہے نہ اس کے سنت ہونے میں کسی کو کلام ہے۔ غرض کہ اس حدیث سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ جو بات ان تینوں وقتوں میں نکل چکی تھی اور یا جس کو آئمہ مجتہدین نے قیاس کر کے نکالا ہے وہ باتیں اچھی ہیں، اور تمہاری نکالی ہوئی باتیں مردود ہیں۔ اب غور کرو کہ جن لوگوں نے بدعت حسنہ کے یہ معنی نکالے تھے کہ اگرچہ کسی بات کی اصل حضرت ﷺ کے وقت میں یا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں نہ پائی جائے، مگر چار مسلمانوں کی سمجھ کے موافق اس میں اچھی اچھی باتیں اور ثواب کے کام ہوتے ہوں، وہ بدعت حسنہ ہے، یہ معنی بالکل غلط ہوگئے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے لا تجتمع امّتی علی الضّلالۃ، یعنی میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوتی اور اسی

سبب سے اجماع امت کا دلیل شرعی ہوگیا ہے۔اس پر بھی اصول کی کتابوں میں یہ شرط لگا دی ہے کہ سند اور دلیل اس اجماع کی بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے چاہیے۔تم نے جو دین کی ہر بات میں گھٹانا اور بڑھانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ ما راہ المسلمون حسنناً فھو عند اللّٰه حسن ۔ یہ کب ٹھیک ہوسکتا ہے۔اے بھائی مسلمانوں یہ سب نفس کی شامت ہے۔ان باتوں کو چھوڑو اور خاصے ستھرے سنی مسلمان ہوکر اپنے تئیں مردے کی مانند دریائے شریعت محمدیہ میں ڈال دو،اور جس طرف اس کی موجیں لے جاویں بخوشی چلے جاؤ اور اپنے ہاتھ پاؤں مت ہلاؤ۔مبادا کہ لہر پر سے چوک جاؤ اور بھنور میں جا پڑو کہ پھر ڈوبنے کے سوا کچھ چارہ ہی نہیں۔

اجماع امت کا بیان

جاننا چاہیے کہ سب عالموں کے نزدیک اجماع امت محمدی کا اس چیز کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔مگر لوگ اجماع میں،جس کا ذکر شرع میں ہے،اور رواج میں فرق نہیں جانتے،حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے کیونکہ اجماع اور چیز ہے اور رواج اور چیز۔تفصیل اس کی یوں ہے کہ بعضے وقت کوئی نئی بات خواہ ظاہر کی ہو،خواہ باطن کی،کسی سبب سے ہوئی شروع ہوتی ہے اور ان کے بعد جو اور لوگ ہوتے ہیں وہ بھی اس کو کرتے جاتے ہیں،یہاں تک کہ اس پر ایک مدت گزر جاتی ہے اور پھر وہ بات ہر ایک شخص،کیا بڑے اور کیا چھوٹے کے ہاں ایسی مقرر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی اس کو چھوڑے تو اس کو برا بھلا کہتے ہیں اور جب اس کی اصل ڈھونڈی جاتی ہے کہ یہ بات کہاں سے نکلی،تو شرع میں اس کا ٹھکانا نہیں لگتا تو اس طرح ایک چیز پھیل جانے کو رواج کہتے ہیں۔ اس بات کی شرع میں کچھ حقیقت نہیں اور اس کو اجماع سمجھنا گمراہی ہے۔اور بعضے وقت ایسا ہوتا ہے کہ نئی بات پیش آتی ہے اور اس زمانے کے علماء اس کی تلاش کے درپئے ہوتے ہیں اور کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ پر غور کر کے اس بات کا ایک حکم نکالتے ہیں اور جب وہ حکم نکل آتا ہے تو ہر شخص جان لیتا ہے کہ اس دلیل شرعی سے یہ حکم نکالا اور اسی پر عمل درآمد رکھتے ہیں۔اس طرح سے حکم نکلنے کو اجماع کہتے ہیں۔جب یہ بات سمجھ لی تو اب یہ جاننا چاہیے کہ ان تینوں زمانوں کے بعد صرف کسی چیز کے مروج ہو جانے سے وہ چیز بدعت سے نہیں نکل جاتی،برخلاف اجماع کے کہ جس مسئلے پر اجماع امت ہو جاوے وہ مسئلہ سنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ کلام اللہ سے یہی بات نکلتی ہے کہ جس بات کو مسلمان دین کا حکم سمجھ کر بجا لاویں وہی ٹھیک ہے؛ کما قال اللہ تعالی:

و من یّشاقق الرّسول من بعد ما تبیّن له الهدی و یتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی و نصله جهنّم و ساء ت مصیراً (اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کھل چکی اس پر راہ کی بات اور الگ چلے مسلمانوں کی راہ سے، حوالے کریں ہم اس کو وہی راہ جو اس نے پکڑی اور ڈالیں اس کو دوزخ میں اور بہت بری جگہ پہنچا)۔

پس اس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ ،مسلمانوں کی راہ، تو اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس راہ کو مسلمانوں نے اپنے اسلام کے سبب اختیار کیا ہو، جیسے بولتے ہیں کہ بادشاہ کا حکم، یا قاضی کا حکم، تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ بادشاہ نے اپنی بادشاہت کے سبب اور قاضی نے اپنی قضائت کے سبب جو حکم دیا وہ حکم بادشاہ کا اور قاضی کا کہلائے گا۔ یا جیسے یوں بولتے ہیں کہ یہ تو سپاہیوں کی راہ ہے، یا یہ مشائخوں کا طریقہ ہے، تو اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس راہ کو سپاہیوں نے اپنی سپہ گری کے سبب اور جس طریقے کو مشائخوں نے اپنے مشائخ پنے کے سبب اختیار کیا ہو۔ غرض کہ اس آیت میں مسلمانوں کی راہ سے وہی راہ مراد ہے جو مسلمانوں نے اپنے اسلام کے سبب اختیار کی ہو، نہ بطور رسم و عادت کے۔ چنانچہ حدیث ما رآه المسلمون حسناً فهو عند اللّه حسن۔ میں بھی یہی معنی مراد ہیں کہ جس چیز کو مسلمانوں نے اپنے اسلام کے سبب اچھا جانا ہو، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں اچھا جاننا فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ جس کا رواج مسلمانوں میں ہو گیا ہو وہ اچھی ہے۔ حاصل یہ کہ جتنے مسئلے اجماعی ہیں وہ تو سنت میں داخل ہیں اور جتنی باتیں کہ بطور رواج کے جاری ہو رہی ہیں وہ سب بدعت ہیں، پھر اجماع میں اور رواج میں خوب فرق رکھنا چاہیے۔

احتجاج بلا دلیل کا بیان:

بعضے لوگ اس شبہے میں پڑتے ہیں کہ جو چیز حضرت ﷺ کے وقت میں نہیں ہوئی اور نہ ان تینوں وقتوں میں اسکا رواج ہوا، اگر اس کا کرنا نادرست ہو، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایک چیز کا نہ ہونا اس کی ناجوازی کی دلیل ہوئی، حالانکہ اصول کا مسئلہ ہے کہ احتجاج بلا دلیل درست نہیں۔ یعنی کسی چیز کے نہ ہونے پر دلیل پکڑنی درست نہیں ہے۔ مگر یہ شبہ ان کا بے جا بھی ہے، کیونکہ اصول کی ساری کتابوں میں کسی چیز کے نہ ہونے پر دلیل پکڑنے کو دو طرح پر لکھا ہے: ایک یہ کہ مثلاً ایک بات ہو اور اس کا ہونا کئی دلیلوں سے ہو سکتا ہو، تو ایک دلیل کے نہ ہونے سے اس کے نہ ہونے پر

دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔مثلاً آدمی کے مرجانے کی بہت سی صورتیں ہیں کہ آدمی بیماری سے بھی مرتا ہے، زہر کھا کر بھی مرتا ہے، چھت پر سے گر کر بھی مرتا ہے۔ پھر اگر کوئی یوں کہے کہ فلاں شخص نہیں مرا، کیونکہ چھت سے نہیں گرا۔ تو چھت پر سے نہ گرنے کی دلیل سے اس کے نہ مرنے کا حکم دینا درست نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ شخص بیمار ہوکر مرگیا ہو، یا زہر کھا کر مرگیا ہو۔ لیکن اگر کوئی بات ایسی ہو کہ اس کے لئے ایک دلیل کے سوا دوسری دلیل ہی نہ ہو تو اس وقت دلیل کے نہ ہونے پر دلیل پکڑنی البتہ درست ہوگی۔مثلاً خون کے بدلے پھانسی اس کو دی جاتی ہے جو خون کرتا ہے۔پھر اب اگر کوئی یہ بات کہے کہ فلانے شخص کو خون کے بدلے پھانسی نہیں ملنے کی، کیونکہ اس نے خون نہیں کیا، تو اب پھانسی نہ ملنے کو خون کے نہ کرنے پر دلیل پکڑنی درست ہوگئی، کیونکہ پھانسی ملنے کی دلیل تو صرف خون کرنا تھا۔ جب وہ دلیل جاتی رہی تو پھانسی ملنی بھی جاتی رہی۔غرض کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو کہ اس کے ہونے پر ایک دلیل کے سوا دوسری دلیل ہی نہ ہو تو اس دلیل کے نہ ہونے پر اس چیز کے نہ ہونے کے لئے دلیل پکڑنی اصول کے قاعدوں کے موافق درست ہے۔ اب غور کرو کہ شرح کے جتنے احکام ہیں ان کے ہونے پر ایک دلیل کے سوا دوسری دلیل نہیں۔اور وہ دلیل کیا ہے، حکم شرع کا۔ یہاں تک کہ مباح چیزیں جن کے کرنے نہ کرنے کا بندوں کو اختیار دیا گیا ہے، اس میں بھی شرع کا ہی حکم ہے: کما فی المسلم۔

> الاباحۃ حکم شرعی لانّ خطاب الشّرع تخییراً۔(یعنی مسلم میں یہ بات لکھی ہے کہ کسی چیز کا مباح ہونا بھی شرع ہی کا حکم ہے۔کیونکہ اس کام کے کرنے نہ کرنے پر شرح کی طرف سے اجازت ہے)۔

تو اب جہاں شرع کا حکم نہ پایا جاوے گا درست نہ ہوگا۔تو اب کہہ سکتے ہیں کہ فلانی بات کرنی درست نہیں، کیونکہ شرع میں نہیں آئی، تو اب شرع میں نہ آنے کو دلیل پکڑنا درست ہوگا۔اور یہی سبب ہے کہ تمام فقہ کی کتابوں میں کسی چیز کے شرع میں نہ آنے کو اس کی ناجوازی کی دلیل پکڑی ہے: قال صاحب الہدایۃ:

> و ان صلّی الولیّ لم یجز لا حد ان یّصلّی بعدہ لانّ الفرض یتا دی با لولی و التنفل بھا غیر مشروع۔ (اگر جنازے کی نماز ولی پڑھ چکا ہو تو اس کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے، کیونکہ فرض تو پہلے ادا ہو چکا ہے اور جنازے کی نفل پڑھنی شرع میں نہیں آئی)۔

وقال صاحب الہدایۃ:

یکرہ ان یتنفل بعد الفجر اکثر من رکعتی الفجر لا نہ ﷺ لم یز د علیھا ۔

(صبح صادق کے نکلنے کے بعد فجر کی سنتوں کے سوا اور نفل پڑھنے درست نہیں، کیونکہ رسول خدا ﷺ نے اس سے زیادہ نہیں کیا)۔

اسی طرح فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ اگر ان کو چنا جاوے تو ایک کتاب بن جائے۔

عدم نقل کا بیان:

بعضے لوگ اس شبہے میں پڑتے ہیں کہ جو چیز حدیث میں نہیں آئی تو اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ نے وہ کیا ہی نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ﷺ نے کیا ہو، مگر اس کا ذکر کسی حدیث میں نہ آیا ہو۔تو یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جتنی باتیں ہیں ان کا نہ ہوتا تو ثابت ہے اس سبب سے کہ سب چیز کی اصل میں عدم ہے۔ جو جب تک کہ اس کا ہونا نہ ثابت ہو جاوے تو اس کی اصل جو کہ ثابت ہو چکی ہے نہیں فوت ہوسکتی۔

کما قال القاری فی شرحہ: قال و عدم ورودہ لا یدا ل علی عدم وقوعہ قلنا ھذا امر مردود لانّ ا لا صل عدم وقوعہ حتی یو جد دلیل ورودہ۔

یعنی ملا علی قاری نے مشکوۃ شریف کی شرح میں ا لا عما ل با لنیا ت کی حدیث کے نیچے لکھا ہے کہ یہ جو کہتے ہیں کہ حدیث میں نہ آنا اس بات کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مردود ہے، کیونکہ ہر چیز کی اصل میں تو نہ ہونا ہے، جب تک کہ اسکے ہونے کی دلیل نہ پائی جائے

و قال بعض ا لافا ضل الاصل فی الحوا د ث العدم حق یو جدعللھا ۔

یعنی بعضے بڑے عالموں نے لکھا ہے کہ جتنی چیزیں ہونے والی ہیں ان کی اصل میں نہ ہونا ہے، جب تک کہ ان کے ہونے کی دلیل نہ پائی جائے۔

اب بخوبی چھن گیا کہ جن باتوں کا ذکر حدیثوں میں نہیں آیا ان کا ایسا ہی حکم ہے کہ گویا حقیقت میں وہ باتیں ہوئی ہی نہیں۔

جو بات نہیں ہوئی اسکے نہ کرنے میں سنت کا بیان:

ایک اور بات جان لینی چاہیے کہ جو بات حضرت ﷺ کے وقت میں یا ان تینوں وقتوں

میں معلوم ہوئی ہے، جس طرح ان کا کرنا سنت ہے اسی طرح جو باتیں نہیں ہوئیں ان کا نہ کرنا، یعنی ان کو چھوڑنا، بھی سنت ہے۔ کما قال صاحب المجالس:

قالوا کما ان فعل ما فعله رسول اللّٰه ﷺ کان سنة کذلک ترك ما ترکه رسول اللّٰه ﷺ مع الوجود المقتضی و عدم المانع منه کان سنة ایضاً (علماء نے یہ بات کہی ہے کہ جسطرح اس کام کا کرنا جس کو رسول خدا ﷺ نے کیا، سنت ہے، اسی طرح اس کام کا چھوڑنا جس کو رسول خدا ﷺ نے نہیں کیا باوجود حاجت اور نہ ہونے مانع کے، سنت ہے)

ثمّ قال فانّه ﷺ لمّا امر بالاذان فی الجمعة دون العیدین کان ترك الاذان فیها سنّة ۔ (پھراس کے آگے لکھا ہے کہ جب پیغمبر ﷺ نے جمعہ میں اذان دینے کا حکم دیا اور عیدوں میں نہیں دیا تو اب عیدوں میں اذان کا نہ دینا ہی سنت ہے)۔

و قال القاری و الشیخ فی شرح المشکوة و المتابعة کما یکون فی الفعل یکون فی التّرك ایضاً ۔(یعنی ملاعلی قاری اور شیخ عبدالحق نے مشکوۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ جس طرح تابعداری کام کے کرنے میں ہے، اسی طرح نہ کرنے میں بھی ہے)۔

تو اب اسی سے معلوم ہوا ہے کہ جو بات حضرت ﷺ کے وقت میں یا ان تینوں وقتوں میں نہیں ہوئی، اس کا چھوڑنا ہی سنت ہے۔

نبوی خصائص کا بیان:

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جیسے حضرت ﷺ کی اطاعت نہ کرنی اور آپ کی سنت پر نہ چلنا بدعت ہے اسی طرح جو باتیں کہ خصوصیات حضرت ﷺ سے ہیں یا اتفاق سے ہوگئی ہیں یا اسی طرح کی اور بہت سی باتیں جو خاص بعضے لوگوں ہی کے متعلق ہیں، ان پر چلنا بھی بدعت ہے۔ جیسے سو رہنے سے حضرت ﷺ کا وضو نہ جانا، یا چار نکاح سے سوا حضرت ﷺ کی ذات پاک کو درست ہونا، یا اتفاق سے مشرکین کی بھی بخشش کی دعا مانگنا، یا منافق کے جنازے کی نماز پڑھ لینا، یا حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو دوسرے نکاح کا امتناع ہونا، یا زکوۃ یا عید کے گیہوں یا اللہ کی مانی ہوئی نذر یا کفارے کے صدقے کا بنی ہاشم اور سادات پر حرام ہونا، یا بعض صحابہ اور اہل بیت کے قطعی بہشتی ہونے کا حکم کر دینا، ایسی باتیں ہیں کہ ان پر چلنا بدعت اور گناہ ہے کیونکہ یہ باتیں خصوصیات سے

ہیں یا اتفاق سے بتقاضائے بشریت ہوگئی ہیں۔اسی طرح بعضی باتیں اگرچہ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے وقت میں ہوئیں مگر اہل حق نے اس کو برا جانا اور اس کا بھی رواج نہیں ہوا اور پھر اس کے بعد کوئی دلیل کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ یا قیاس مجتہدین یا اجماع امت سے اس پر نہیں ملی تو اس کا کرنا بھی بدعت ہے، سنت نہیں۔ جیسے کہ بزرگوں کے مزاروں سے مدد چاہنی، باوجودیکہ حضرت عمرؓ کے وقت میں ایک گنوار نے جناب پیغمبر خدا ﷺ کے مزار مبارک سے مینہ برسنے کی دعا مانگی، لیکن جب رواج نہ ہوا تو سنت نہ ٹھہرا، بلکہ بدعت ہی رہا۔ اور اس واسطے شاہ عبدالعزیز نے اولیاء اللہ کی قبروں سے مدد چاہنے کو، گو وہ لوگ حقیقت میں ان کو واسطہ ہی کرتے ہوں اور اپنی مراد اللہ ہی سے مانگتے ہوں، بدعت فرمایا اور بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور اسی طرح حضرت عائشہؓ سے عورتوں کا قبروں پر جانا اور حضرت ابن عباسؓ سے وضو کے وقت پاؤں پر مسح کر لینا یا عبداللہ بن جعفرؓ سے عود کا بجانا یا سعید ابن المسیبؒ سے بغیر صحبت کے صرف نکاح سے حلالے کا حلال ہونا یا معاویہ بن ابی سفیانؓ سے تخت سلطنت پر بیٹھنا اور اسی طرح کی بہت باتیں جن کا انہی وقتوں میں ہونا آیا ہے، مگر اس سبب سے کہ ان کا رواج نہیں ہوا اور اہل حق نے برا جانا، بدعت کی بدعت ہی رہی۔ پھر ان باتوں پر چلنا اور رواج نہ ہونے کا خیال نہ کرنا عین گمراہی اور اپنے نفس کے موافق باتیں ڈھونڈ لانی ہیں۔ نعوذ باللّٰہ منھا۔

ان باتوں کا بیان جو بدعت نہیں ہیں:

بعض باتیں ایسی ہیں کہ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدعت ہوں گی، مگر درحقیقت وہ باتیں بدعت نہیں ہیں، بلکہ سنت ہیں۔ مثلاً قرآن کا جمع کرنا اور سورتوں کو آگے پیچھے لگانا اور رمضان میں اکٹھے ہو کر تراویح پڑھنی اور جمعے کو پہلی اذان دینی اور کلام اللہ میں زبر زیر دینے اور حدیثوں اور کلام اللہ کی آیتوں سے کفار مشرکین اور بدعتیان مضلین کو رد کرنا اور حدیث فقہ کی کتابیں بنانی اور صرف ونحو کے قاعدے بقدر ضرورت بنانے اور حدیث کے راویوں کا حال تحقیق کرنا اور کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں سے مسئلوں کا نکالنا، یہ سب باتیں سنت ہیں کیونکہ یہ سب باتیں ان تین زمانوں میں جن کے اچھے ہونے کی خبر رسول مقبول ﷺ نے دی ہے، بے کھٹکے مروج تھیں اور کوئی ان باتوں کو برا نہیں جانتا تھا، بلکہ بعض اسے بزرگی اور سبب بڑھائی کا جانتے تھے۔ مگر اتنی بات بے شک ہے کہ ہر ایک چیز کی ایک حد اللہ تعالیٰ نے باندھ دی ہے اور ہر ایک چیز کا مرتبہ بنایا ہے،

کسی کا بڑا اور کسی کا چھوٹا۔ پھر جو کوئی اس حد سے بڑھ جاوے گا اور اس مرتبے کا خیال نہیں رکھے گا ، البتہ بدعت میں پڑ جاوے گا۔ یا مثلاً آئمہ مجتہدین کے مسئلے نکالے ہوئے کہ فلاں بات واجب ہے یا مندوب یا مباح ہے یا مکروہ یا حرام یا فلانی چیز فلانی چیز کی رکن ہے اور فلانی شرط یا اس طرح پر کہ فلانا کام کرنے سے اس کام میں پورا ثواب ہوتا ہے، یا فلانی بات کرنے سے فلانی بات لازم آجاتی ہے، یا فلانی بات کرنے کا یہ پھل ہے، یا فلانی بات فلانی بات کے برخلاف ہے، یا فلانی بات، فلانی بات کے بدلے مقرر ہوئی ہے، پھر خواہ وہ بات عقائد کی ہو یا دل کے حالات کی، یا ہاتھ پاؤں کے کام کاج کی، یا عبادت، یا عادت یا معاملات کی، وہ سب کی سب سنت ہیں، کیونکہ ان سب کی اصل شرع میں موجود ہے اور فقہائے مجتہدین اور آئمہ متقدمین شکر اللّٰہ سعیھم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی سے یہ احکام نکالے ہیں۔ پھر یہ نئی چیزیں بھی نہیں ہیں، جو بدعت ہوں۔

اور اسی طرح آئمہ اربعہ مجتہدین کی تقلید کرنی بھی سنت ہے بدعت نہیں، کیونکہ ان چاروں مذہبوں میں جو اختلاف ہیں وہ اختلاف یا تو صحابہ کے اختلاف ہیں یا آئمہ مجتہدین کے قیاس کے۔ اور اس میں سے ہر ایک کی تابعداری سنت ہے نہ بدعت۔ البتہ بعضے جاہل جو یوں جانتے ہیں کہ ہم کو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کیا کام ہے، ہم کو تو اپنے امام کے قول کی تابعداری چاہیے یا بعضے یوں کہتے ہیں کہ اگر فرض کرو کہ ایک قول امام کا صریح مخالف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کے کسی فتوی کی کتاب میں نکل آوے تو ہم نہ کتاب اللہ کو مانیں گے اور نہ سنت رسول کو، ہم تو اسی روایت کو مانیں گے۔ یا یہ کہ اکثر عوام، بلکہ خواص بھی بعضے بزرگوں کی نسبت جن کو اللہ تعالی نے اپنے دریائے رحمت سے سیراب کر دیا تھا اور ان کو اس بات کا ملکہ عنایت کیا تھا کہ روایات اور اختلافات مختلفہ کے دلائل پر غور کر کے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر خیال کر کے ایک بات کو ترجیح دے سکتے تھے، بلکہ ہزاروں مسئلوں کا استدلال کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے نکال سکتے تھے اور انہوں نے کسی مسئلے میں تاج الآئمہ امام الامت امام ابوحنیفہ کوفی کی تقلید چھوڑ دی اور امام شافعی کی تقلید اختیار کر لی یا کسی اور امام کے آئمہ مجتہدین میں سے کسی مسئلہ خاص میں پیرو ہو گئے تو اب ان پر رافضیوں کی طرح تبرا کرنے لگے اور گمراہ اور مردود بنانے لگے اور کافر اور مرتد کا فتوی دینے لگے اور جس طرح ہم حقارت اور نفرت سے اہل بدع واھوا کا نام لیتے ہیں اسی طرح ان بزرگوں کا بھی لامذھباً اور بدمذھباً اور گمراہ کر کے نام لینے لگے، یا یہ کہ جن لوگوں

نے آئمہ مجتہدین کی تقلید کو ایک جزو ایمان کا سمجھ رکھا ہے کہ جب تک لا الہ الّا اللّٰہ کے ساتھ محمّد رسول اللّٰہ نہ کہے مسلمان نہیں ہوتا، اسی طرح جب تک کہ لا الہ الّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ ﷺ کے ساتھ اخترت مذھب الحنفی او الشّافعی او المالکی او الحنبلی نہ کہے مسلمان ہی نہیں ہوتا، اور سیدھی راہ ہی پر نہیں آتا، البتہ ان لوگوں کی نسبت ایسی تقلید شرک بدعت ہے۔ ورنہ جس تقلید آئمہ مجتہدین پر ہم لوگ اہل سنت والجماعت ہیں، یہ تقلید تو خاصی ستھری بے کھٹکے سنت ہے کہ اس میں کسی کو کچھ کلام ہی نہیں۔ یا مثلاً وہ چیزیں کہ جن کی دین کے کام میں ضرورت پڑتی ہے، جیسے کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے سمجھنے کے لائق عربی کی کتابیں پڑھنی یا صوفیوں کے ہاں جو باتیں حد سے زیادہ مروج ہیں ان میں ذکر خفی سے لطائف خمسہ کی تحریک اور پاس انفاس کا حال اور یادداشت رسمی اور ملاحظہ بہ سوئے قلب جس سے حقیقت احسان کے متعلق ہے اور کفار مشرکین پر جہاد کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھیار اور اسی طرح کی اور باتیں جو مخالف شرع نہیں ہیں، اور صرف ان کو احکام بجالانے کے لئے برتا جاتا ہے وہ بھی بدعت نہیں ہیں۔ مگر جب ہی تک کہ کرنے والا ان کو صرف واسطہ اور آلہ سمجھے، لیکن اگر کوئی ان کو دین کی سی بات سمجھنے لگے تو پھر وہ بھی بدعت میں داخل ہو جاویں گی۔ اب ضرور پڑا کہ اس مقام پر یہ بھی بتا دیں کہ دین کے کاموں میں کسی چیز کے واسطے یا وسیلہ ہونے کے کیا معنی ہیں۔ تو اب سنو کہ دین کے کاموں کے وسیلے دو طرح پر ہیں۔

واسطے اور وسیلے کا بیان:

ایک تو یہ کہ وہ وسیلہ خود بھی شرع میں ثواب کا کام ہے جیسے وضو کرنا اور نہانا کہ اگرچہ یہ دونوں نماز پڑھنے کے لئے وسیلہ اور واسطہ ہیں، مگر یہ خود بھی ایسی چیزیں ہیں کہ شرع میں ان کی تعریف آتی ہے:

قال اللّٰہ تعالی: انّ اللّٰہ یحبّ التوّابین و یحبّ المتطھّرین۔ (یعنی اللہ تعالی فرماتا ہے سورہ بقرہ میں کہ خوش آتے ہیں توبہ کرنے والے اور خوش آتے ہیں ستھرائی کرنے والے)۔

و قال رسول اللّٰہ ﷺ الطّھور شطر الایمان۔ (اور رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ستھرائی شرط ایمان کی ہے)

یا مثلاً کلام اللہ پڑھنا تو اس بات کا وسیلہ ہے کہ اس کے معنوں پر آدمی غور کرے، مگر اس

کا پڑھنا خود بھی ثواب ہے۔ یا مثلاً اعتکاف کرنے سے مقصود جماعت کی نماز ہاتھ لگنی اور اللہ تعالی کی یاد کرنی اور بری باتوں سے بچنا ہے، مگر اعتکاف خود بھی ثواب کا کام ہے۔ اور اسی طرح اور بہت سی چیزیں شرع میں ایسی ہیں کہ درحقیقت تو وہ چیزیں ایک اور کام کا وسیلہ اور واسطہ ہیں، مگر وہ باتیں خود بھی ثواب کی ہیں اور ان کی نشانی یہ ہے کہ اگر ان باتوں سے جو مقصود اصلی ہیں، قطع نظر کی جاوے تو یہ باتیں جو وسیلہ اور واسطہ ہیں، ثواب سے خالی نہیں۔ دوسری طرح کی وہ چیزیں ہیں کہ اگر چہ وہ خود تو ثواب کا کام نہیں ہے، مگر ایک اور ثواب کی بات ہاتھ لگنے کو واسطہ اور وسیلہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً سفر کرنا حج کے لئے یا مسجد کے جانے کو بازار میں جانا اور وضو کے لئے کنویں میں سے پانی کھینچنا، اور اسی طرح کی ہزاروں باتیں ہیں کہ خود تو ثواب کی بات نہیں ہیں مگر ثواب حاصل ہونے کو واسطہ ہو جاتی ہیں کیونکہ اگر ان مقصدوں سے قطع نظر کی جاوے تو نہ سفر کرنے سے کچھ ثواب ملتا ہے اور نہ بازار میں جانے سے اور نہ پانی کھینچنے سے۔ پھر جو شخص ان دوسری طرح کی باتوں کو اس طرح پر کرے گا، جس طرح کہ پہلی باتیں کرتے تھے، یعنی ان کے مقصود اصلی سے قطع نظر کر کے انہیں باتوں کو مقصود ٹھہراوے گا تو یہ باتیں اس کے حق میں بدعت ہو جاویں گی۔

خاتمہ: ایک اور بات بھی سمجھنی چاہیے کہ شرع شریف میں اکثر باتیں ایسی ہیں کہ جن کے حق میں فرما دیا ہے کہ یہ بات شرک کی ہے اور یہ بات کفر کی اور یہ بات منافق پنے کی، لیکن کسی خاص شخص کو کافر یا مشرک یا منافق کہنے سے یہی بات مراد ہوتی تھی کہ وہ شخص عقیدہ کفر اور شرک اور نفاق کا رکھتا ہے۔ اسی طرح ہزاروں باتیں بدعت کی ہیں لیکن اس کے کرنے والے کو بدعتی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ جس طرح بعضی باتوں کو شرع شریف میں کفر اور شرک اور نفاق میں گن دینے سے یہ مقصود ہے کہ لوگ ان کو چھوڑیں اور ان باتوں سے بچیں، نہ یہ کہ جس طرح کافروں اور مشرکوں کو سمجھتے ہیں اسی طرح ان باتوں کو کرنے والوں کو بھی سمجھیں، اور ان کا مال لوٹنے اور ان کے بال بچوں کے پکڑنے میں کچھ دریغ نہ کریں، اور ان کے جنازے کی نماز پڑھنے اور ان کی بخشش کی دعا مانگنے میں بھی مضایقہ کریں، اسی طرح بدعت کی باتیں بتا دینے سے بھی یہی مقصود ہے کہ آدمی اس سے بچے اور ان باتوں کو چھوڑے اور جو باتیں کہ سنت نہیں ہیں ان کو برا جانے، نہ یہ کہ جو باتیں بدعتیوں کے حق میں حدیث میں آئی ہیں جیسے ان کے اعمال جاتے رہنے اور ان کی تعظیم وتوقیر نہ کرنی اور ان کی بیماری میں خبر نہ پوچھنی یا سلام وعلیک نہ کرنی، وہی باتیں ان کے ساتھ بھی کرے،

کیونکہ وہ سب لوگ مسلمان بھائی ہیں۔ جو بری باتیں بدعت کی ان میں ہیں ان کے چھوڑنے کو اسی طرح سمجھائے جس طرح کہ بھائی بھائی کو سمجھاتا ہے اور ہمیشہ سنت پر چلنے کی ترغیب دیتا رہے اور کج اخلاقی اور نخوت فرعونی اور تکبر کو چھوڑے اور اپنے تئیں بڑا نیک بخت، پرہیزگار اور ان کو بد بخت بدعتی گنہ گار نہ سمجھے، کیونکہ یہ باتیں نفسانیت اور ہماہمی کی ہیں، اسلام سے ایسی باتوں کو کچھ علاقہ نہیں۔

الٰہی تو اپنے فضل و کرم سے سیدھی راہ کی ہدایت کر اور جو طریقہ خاص تیرے نبی ﷺ کا ہے اس پر قائم رکھ اور جس طرح زبان سے تو نے سنت محمدیہ کو کہلوایا ہے اسی طرح دل و جان سے اس پر عمل کرنے اور اسی پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین

جان در قدم تو ریخت احمد ایں منزلت از خدائے میخواست

(حاشیہ نمبر ۲ میں سرسید احمد کا رسالہ کلمۃ الحق ملاحظہ فرمائیں)

سید محمد علی مدراسیؒ

آپ کے والد کا اسم گرامی سید عنائت علیؒ ہے اور آپ رام پوری و مدراسی کی نسبتوں سے مشہور ہیں اور سید احمد بریلویؒ کے خلفاء میں شامل ہیں۔ برصغیر میں عمل بالحدیث کی تحریک کے اہم ارا کین میں سے ہیں اور خاص طور ان کی خدمات حیدرآباد دکن، مدراس وغیرہ علاقوں میں اہمیت کی حامل ہیں۔ جناب غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

سید (احمد بریلوی) دہلی، ٹونک، یوپی اور بہار کے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کا پورا انتظام، جہاد کے لئے روانہ ہونے سے پہلے کر چکے تھے، لیکن بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں یا تو کوئی انتظام ہی نہ کیا جا سکا تھا، یا جو انتظام تھا وہ ضرورت کے مطابق نہ تھا۔ مثلاً بمبئی، حیدرآباد، مدراس اور بنگال۔ لہذا سرحد پہنچ کر اور حالات کا جائزہ لے کر سید صاحب نے ان حصوں میں مختلف اصحاب کو داعی مقرر کیا جو تقریر و بیان کے لحاظ سے مجاہدین میں ممتاز تھے۔ مثلاً مولوی سید محمد علی رام پوری، مولوی ولایت علی عظیم آبادی، مولوی عنایت علی عظیم آبادی، مولوی محمد قاسم ساکن بمبئی، سید اولاد حسن قنوجی، حافظ قطب الدین۔ ممکن ہے اور اصحاب بھی اس سلسلے میں مقرر

ہوئے ہوں، مجھے صرف انہیں اصحاب کا علم ہے۔ (جماعت مجاہدین۔ص ۵۸)

مولوی سید محمد علی رام پوری کچھ مدت حیدر آباد میں رہے۔ پھر مولوی ولایت علی کو حیدر آباد میں مقرر ہو گئے اور مولوی سید محمد علی کو مدراس جانے کا حکم ہوا۔ وہ محرم ۱۲۴۵ھ (جولائی ۱۸۲۹ء) میں مدراس پہنچے اور چند ہی مہینوں میں مسلمانان مدراس میں زبردست دینی انقلاب پیدا کر دیا، جس کی پوری کیفیت تنبیہ الضالین عن طریق سید المرسلین قلمی سے معلوم ہوسکتی ہے (جماعت مجاہدین۔ص ۵۹)

معلوم نہیں سید محمد علی نے کس زمانے میں (سید احمد بریلوی کی) بیعت کی، البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ مجاہدین کا قافلہ لے کر ابتدائی دور ہی میں سرحد پہنچ گئے تھے، جس زمانے میں سید محبوب علی دہلوی کی مراجعت کے باعث قافلوں کی آمد رک گئی تھی اس زمانے میں جن اصحاب کو بہ غرض دعوت وتبلیغ (سرحد سے) ہندوستان بھیجا گیا تھا ان میں سید محمد علی بھی تھے۔ وقائع میں ان کے ارسال کی کیفیت یوں بیان ہوئی ہے:

مولوی محمد علی رام پوری کو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم طرف حیدر آباد دکن جاؤ۔ انہوں نے عذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ یہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے انبوہ میں وعظ و درس کہوں۔ مجھ کو تو آپ کسی کام کو وہیں بھیجیں کہ وہ کام کر کے چلا آؤں۔ آپ نے فرمایا کہ خیر، جس بات کا عذر کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عذر دور کر دے۔ پھر آپ نے اپنا کرتہ اور پاجامہ اور تاج (ٹوپی) ان کو پہنایا... چار پانچ آدمی ان کے ہمراہ کیے، ان میں ایک نعیم خان رامپوری تھے اور دوسرے عنایت اللہ خان تتالی والے اور تیسرے عبداللہ کہ انہیں کے رفیقوں میں سے تھے اور باقی کے نام یاد نہیں اور فرمایا کہ یہاں سے سندھ کو جانا، وہاں پیرکوٹ میں بی بی صاحبہ سے ملتے ہوئے کراچی بندر کو جانا، وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر بمبئی میں اترنا، پھر وہاں سے حیدر آباد کو جانا۔ (وقائع۔ص ۵۰۷۔۵۰۸)

سید محمد علیؒ نے حیدر آباد کا قصد کیا تو وہاں مخالف بھی تھے اور موافق بھی۔ مولوی حیدر لکھنوی دیوان چندولال کے پیشکار تھے۔ انہوں نے سید محمد علی کی آمد کو دیوان کے سامنے نہایت برے رنگ میں پیش کیا۔ کہا کہ وہ سید احمد کے خلیفہ ہیں جو انگریزوں سے لڑتے ہیں۔ چندولال بولا کہ پھر تو انہیں قید کرنا چاہیے۔ سید محمد علی پیش آنے والی آفات سے بالکل بے پرواہ تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے مرشد کا حکم پورا کریں، خواہ کوئی صورت پیش آجائے۔

قاری عبداللہ، سید (احمد) صاحب اور سید محمد علی کے معتقدین میں سے تھے۔ اس وقت حیدر آباد میں دستور تھا کہ باہر سے معززین آتے تو سرکار کی طرف سے انکی سواری کیلئے گھوڑے، ہاتھی، اور پالکیاں ملتیں اور حسین شاہ ولی کی درگاہ سے انہیں شہر لاتے۔ قاری عبداللہ نے سید محمد علی کے لئے یہی انتظام کرنا چاہا۔ مولوی عبید الحسن بنگالی، شاہ عبد العزیز کے شاگرد، کمپنی کے وکیل تھے۔ ان کی وساطت سے درخواست کی۔ انہوں نے چندولال سے کہا کہ سید محمد علی، ابن علی فرخ آبادی کے خویش ہیں، ان کا اعزاز ہونا چاہیے۔ چندولال نے کہا۔ ابن علی میرے محسن ہیں، سید محمد علی کا اعزاز ضرور ہوگا، میں خود بھی ان کی ملاقات کا آرزومند ہوں۔

غرض سید محمد علی کو بڑے اعزاز سے شہر میں لائے۔ انہیں چندولال سے ملنا پسند نہ تھا لیکن حالات کی وجہ سے مجبور تھے، ملاقات ہوئی تو چندولال نے ڈھائی سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور دو ہزار کی رقم یک مشت مہمانداری کے لئے دی۔

سید محمد علی کی دعوت وتبلیغ سے حیدر آباد میں سنت کا احیاء ہوا۔ مبارز الدولہ اور بڑے بڑے امراء اسی دور میں صراط مستقیم پر قائم ہوئے۔ پھر مولوی صاحب کو مدراس جانے کا حکم ہوا اور مولوی ولایت علی حیدر آباد آ گئے۔

اس زمانے میں چندولال کے ساتھ تعلق رکھنے والے منیر الملک سے نہ ملتے تھے۔ سید محمد علی نے فرمایا کہ مجھ پر حیف ہے، ہندو سے ملوں اور مسلمان سے نہ ملوں۔ چنانچہ ایک دوست کی وساطت سے ملاقات کا انتظام کیا۔ ان کے ہاں موت وغیرہ کے تذکرے نہ ہوتے تھے، سید محمد علی نے احوال آخرت کے متعلق ایسا وعظ فرمایا کہ سب سننے والوں کے دل دہل گئے۔

سید محمد علی حسب الحکم حیدر آباد سے نکلے تو کرنول، کڈپا، اردگیر، نیلور ہوتے ہوئے محرم ۱۲۴۵ھ (جولائی ۱۸۲۹ء) میں مدراس پہنچے جس کا پرانا نام چینا پٹن تھا اور اسے عام لوگ پٹن بھی کہتے تھے۔ سید محمد علی نے ملا بحر العلوم کے فرزند مولوی عبد الرب کے مدرسے میں ڈیرے ڈالے اور کتاب وسنت کی اشاعت شروع کی۔ آپ کے وعظ ونصیحت سے ہزاروں لوگ راہ راست پر آئے۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر نواب خان عالم خان بہادر تہور جنگ ہیں جو مدراس کے معزز رؤسا میں تھے اور ان کی صاحبزادی نواب ارکاٹ کی بیگم تھی۔ نواب موصوف نے بیعت کرتے ہی راہ سنت اختیار کر لی اور اپنے گھر کی وہ تمام چیزیں تڑوا ڈالیں جو شریعت کی رو سے ناجائز تھیں۔

خودنواب خان عالم نے سید محمد علی کی تبلیغ کے اثرات یوں بیان کئے ہیں ۱۔شراب، سیندھی، گانجا پینے والے فاسق، اور نرسو (ایک ہندو دیوتا جسے مسلمان بھی پوجتے تھے) کو پوجنے والے عوام وخواص پنج وقتہ نماز پڑھنے لگے۔۲۔ مردوں کے علاوہ بعض عورتیں بھی تہجد گزار ہو گئیں۔۳۔تمام غیر شرعی اعمال و رسوم کا خاتمہ ہو گیا۔ (تنبیہ الضالین۔ص۲)۔

دس مہینے کی تبلیغ کے یہ کرشمے دیکھ کر مخالف بھی جوش میں آ گئے اور انہوں نے اعتراضات کرنا شروع کر دیئے۔سید محمد علی کا طریقہ یہ تھا کہ فضول بحثوں اور مناظروں میں نہ الجھتے، اپنے اصل مقصد سے کام رکھتے اور اصلاح عقاید واعمال پر زور دیتے۔

سید احمد بریلوی کی شہادت کے بعد سید محمد علی رام پور چلے گئے۔۱۲۵۰ھ میں حج کے ارادے سے کلکتہ پہنچے تو مدراس والوں نے پے در پے درخواستیں بھیجیں کہ یہاں ٹھہرتے ہوئے جائیے۔ بلکہ نواب ارکاٹ کی والدہ نے ایک خاص آدمی کلکتہ روانہ کر دیا کہ سید محمد علی کو ہمارے جہاز دریا دولت پر سوار کر کے لائے۔ان کی اولین غرض یہ تھی کہ سید محمد علی سے اپنے بیٹے کے لئے اولاد کی دعا کرائیں ۔سید موصوف مدراس پہنچ کر پہلے متیال پیٹ ٹھہرے۔ وہاں ان کے لئے بڑی حویلی خالی کرادی گئی۔ پھر نواب ارکاٹ کی والدہ نے جعفر علی خان خانساماں کو بھیج کر سید محمد علی کو اپنے ہاں بلا لیا اور سید صبغۃ اللہ شاہ کی حویلی میں اتارا۔سید موصوف کی دعا سے خدا نے نواب ارکاٹ کو اولاد عطا کی۔ اس موقع پر مخالفوں نے شدید ہنگامے بپا کئے اور ہر ممکن کوشش کی کہ سید محمد علی کی دل آزاری اور اذیت رسانی میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔مخالفوں میں جمال فرنگی محلی، مولوی اسلمی اور ارتضا علی خان پیش پیش تھے۔ زیادہ تر بحثیں شاہ اسماعیل کی تقویۃ الایمان، اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے متعلق ہوتی رہیں۔ ایک موقع پر سید محمد علی کو زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی لیکن آپ اور آپ کے متعلقین خدا کے فضل سے محفوظ رہے۔

نواب خان عالم خان بہادر پر بھی وار ہوئے۔چنانچہ نواب سے کہہ کر ان کی تنخواہ بند کرا دی گئی جس کی مقدار گیارہ سو روپے ماہانہ تھی۔ان کی صاحبزادی (بیگم نواب ارکاٹ) کو بھی تنگ کیا گیا کہ کسی طرح وہ غیر شرعی مراسم اختیار کر لئے جائیں جو عام طور پر اس زمانے میں رائج تھے۔اس حق پرست خاتون کا نواب کو صرف ایک جواب تھا: میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ کے ہر فرمان کو ماننے کے لئے ہمہ تن تیار ہوں۔لیکن قبر اور آخرت کے معاملات سب کے الگ الگ ہیں۔ میں آپ کے فرمان سے کسی غیر شرعی امر کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔

سید محمد علی نے بار ہا اعلان کیا کہ میرا عقیدہ اور عمل وہی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے۔ جو کچھ خلاف سنت ہے، اسے غلط سمجھتا ہوں، خواہ وہ کسی کی طرف سے ہو۔ لیکن مخالفین نے انہیں چین نہ لینے دیا۔ آپ کے ایک نیاز مند نے اس ابتلاء کی ایک تاریخ کہی جو ذیل میں درج ہے

بر محمد علی جفائے پٹن رفت چوں جور شام بر حسین

ہست تاریخ ایں بلائے عظیم یاد مظلومیِ امام حسین (۱۲۵۱ھ)

سید محمد علیؒ نے اس کے بعد حج کیا۔ پھر احیاء دین کے کام میں لگے رہے۔ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں وفات پائی۔ (جماعت مجاہدین۔ ص ۱۸۰۔۱۸۳)

ماہنامہ نور الایمان دہلی کے جون اور اگست ۱۹۷۳ء کے شماروں میں بتایا گیا ہے:

مدراس میں جب لوگ سید محمد علیؒ کے اثر سے حلقہ توحید میں شامل ہونے لگے تو مخالفین نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ مدراس میں سید صاحب کے مخالفین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے مبادا ان کو کوئی نقصان پہنچے۔ بہتر ہے کہ آپ کو حفاظت کے ساتھ یہاں سے رخصت کر دیا جائے۔ اس پر حکومت نے از راہ کرم آپ کو حفاظت کے ساتھ مدراس سے کلکتہ پہنچا دیا۔

۱۲۵۰ھ میں سید محمد علیؒ حج کے ارادے سے کلکتہ پہنچے تو مدراس والوں کی درخواست پر مدراس بھی آئے۔ پھر مخالفین نے ہنگامے کئے اور ایذا رسانی کی ہر ممکن کوشش کی۔ زیادہ تر بحثیں تقویت الایمان اور شفاعت کے مسئلہ پر تھیں۔ سید محمد علی شفاعت بالاذن کے قائل تھے جیسا کہ حدیثوں میں مذکور ہے لیکن مخالفوں کا اصرار تھا کہ شفاعت عام ہونی چاہیے۔ ایک موقع پر سید محمد علی کو زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی۔ (ماہنامہ نور الایمان دہلی، جون اور اگست ۱۹۷۳ء)

جناب امام خان نوشہرویؒ لکھتے ہیں:

آپ کو اور ولائت علی صادق پوری کو سید احمد بریلوی نے سرحد سے واپس ہند جانے کا کہا تھا اور کہا: ہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں۔ مدراس پہنچ کر توحید وسنت کی تبلیغ کی مولوی عبدالرب خلف مولوی عبدالغنی کا مدرسہ تھا، وعظ شروع ہوئے تو لوگ شرک و بدعت سے تائب ہونے لگے۔ دوران سفر حج، بنارس بھی آئے جہاں قیام کیا، وعظ فرمایا جسکے اثرات ہوئے۔ فارسی کے شاعر تھے باغ رحمت بزبان فارسی انکی تصنیف نواب محمد علی خان والی ٹونک نے شائع کرائی۔ الہ آباد میں ۱۸۴۲ء۔ ۱۲۵۸ھ میں انتقال ہوا۔ (تراجم علماء حدیث ہند۔ ص ۴۹۵)

قاضی محمد اسلم سیف لکھتے ہیں:

مولوی محمد علی جو سید احمد بریلوی کی طرف سے مدراس اور جنوبی ہند کے دیگر علاقوں میں مسلمانوں کو جہاد کیلئے تیار کر رہے تھے سانحہ بالاکوٹ کی خبر سننے کے بعد انہوں نے ہمت نہیں ہاری ۔ جب وہ آسام پہنچے تو وہاں کے سرکار پرست علماء نے اپنے تقدس کو سرکتا ہوا محسوس کیا اور سمجھا کہ اس عالم کی صاف گوئی اور راست بازی ہمارے خلاف عام میں ہیجان برپا کر دے گی ۔ وہاں کے علماء نے آسام میں پہلی مرتبہ یہ فتوی داغا کہ شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء العیاذ باللہ، گستاخ رسول ہیں ۔ سلہٹ شہر کے کتب خانوں سے تقویۃ الایمان خرید کر مولوی محمد علی کے جلسہ میں سامنے لا کر جلائی گئی اور وہاں کے انگریز حاکم سے وفد کی شکل میں درخواست کی کہ اس شخص کو صوبہ بدر کر دیا جائے کہ یہ لوگوں کے عقیدے فاسد کرتا ہے ۔ چنانچہ مولوی محمد علی کو انگریز حاکم نے سلہٹ اور آسام سے نکال دیا (تحریک مجاہدین)

(تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں ۔ص۲۶۳۔۲۶۴)

جناب فیصل احمد بھٹکلی لکھتے ہیں:

سید محمد علی رام پوری کا شمار سید احمد کے چند ممتاز ترین خلفاء میں ہوتا ہے ۔ بڑے غضب کے داعی تھے ۔ سید صاحب نے پہلے انہیں دعوت کے لئے حیدر آباد دکن بھیجا تھا ۔ پھر جب مولوی ولائت علی کو وہاں بھیجا گیا تو مولوی محمد علی کو مدراس جانے کا حکم ہوا ۔ مولوی محمد علی رامپوری کی مقناطیسی شخصیت اور پر تاثیر دعوت کا حال ان کے خلیفہ مولوی خان عالم مدراسی نے تنبیہ الضا لین میں اور افسر الدولہ جہان خان مدراسی نے اپنی کتاب الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی میں کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے (اول الذکر کتاب کے قلمی نسخہ کا ذکر مہر نے کیا ہے نیز مولوی کرامت علی کے بعض رسائل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے ۔ اور دوسری کتاب چھپی ہوئی ہے ۔) نیز سید صاحب پر لکھی ہوئی کتابوں میں بھی اس کے کچھ اشارے مل جاتے ہیں ۔ مگر جہاں تک آپ کی سیاسی سرگرمیوں اور انگریز مخالف پالیسیوں کا تعلق ہے اس پر کسی نے خاص طور پر توجہ ہی نہیں دی ۔ اگر سرکاری دستاویزیں نہ ہوتیں تو ہمیں ان کا سراغ بھی نہ لگتا ۔

اس میں شک نہیں کہ حیدر آباد کے اندر جذبہ حریت کو بھڑکانے میں مولوی محمد علی رامپوری کا رول بڑا اہم ہے ۔ انہوں نے ہی مولوی ولائت علی کیلئے زمین ہموار کی تھی ۔ پھر وہ مدراس گئے تو قرب و جوار کے علاقوں کرنول، کڈپا، اودگیر اور نیلور وغیرہ میں آزادی کی آگ لگاتے

ہوئے گئے تھے (محمد علی محرم ۱۲۴۵ھ مطابق جولائی ۱۸۲۹ء میں مدراس پہنچے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کم ازکم تین چار سال حیدرآباد اور مذکورہ علاقوں میں کام کرتے رہے تھے) بعد میں ان علاقوں میں جو آزادی کی چنگاریاں سلگتی رہیں ان کا سہرا انہی کے سر بندھتا ہے۔تاریخ میں اس کی صراحت ہے کہ کرنول اس زمانہ میں یعنی انیسویں صدی کے تیسرے اور چوتھے دہے میں وہاں وہابی تحریک کے زیراثر شروع کی گئی بغاوتوں کا اہم مرکز تھا۔اورہمیں نہیں معلوم کہ مولوی محمد علی سے پہلے کوئی وہابی مبلغ یہاں پہنچا ہو۔اس سے بآسانی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولوی محمد علی نے یہاں کے بااثر لوگوں سے ملاقات کر کے ان کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔اور اس کا بھی قوی احتمال ہے کہ خود نواب کرنول سے بھی اس سلسلہ میں ملاقات کی ہو اور یہ ان کے لئے کچھ مشکل بھی نہ تھا اس لئے کہ وہ حیدرآباد سے یہاں پہنچے تھے۔اور حیدرآباد میں بہت سے امراء ورؤساء ان کی تعلیمات سے متاثر ہوکر حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے تھے اور نواب کرنول کے حیدرآباد کے بعض امراء سے قریبی روابط تھے۔یہی وجہ ہے کہ نواب کرنول نے مبارز الدولہ کی بغاوت میں سرگرم حصہ لیا تھا۔یہاں تک کہ اس کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ ان کی خاندانی نوابیت ختم کردی گئی بلکہ ان کو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، اور اسی سال ۱۸۳۹ء میں کرنول ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضہ علاقے میں شامل کرلیا گیا۔(کرنول کی بغاوت کیلئے دیکھئے ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی۔ص ٦٧۔٦٨) (تحریک آزادی میں علماء کا کردار۔ ص ۴٦۱۔۴٦۳)۔

ڈاکٹر قیام الدین نے اہم سرکاری دستاویزیں فراہم کی ہیں (ملاحظہ ہو ہندوستان میں وہابی تحریک۔ ص ۱۹۸۔۱۹۹) جنہیں دیکھ کر مولوی محمد علی کی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق کچھ انکشافات ہوتے ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہابیوں کے ہندوستانی فوج میں عمل دخل کا پہلا عملی تجربہ اسی زمانہ میں مدراس اور دکن کے علاقہ میں کیا گیا اور کامیاب رہا۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس میں مولوی سید محمد علی کا دماغ کام کررہا تھا۔۱۸۳۹ء میں حیدرآباد کی سازش کے دوران یہ انکشاف ہوا تھا کہ مدراس میں اور آگے دکن تک مختلف فوجی چھاؤنیوں میں وہابی کارندوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ ویلور کے کمان افسر نے ان کاروائیوں کے سلسلہ میں حکومت کو جو رپورٹ بھیجی تھی اس کی ایک اطلاع کے مطابق عدالت ضلع کے مفتی ولی محمد اور عدالت کلکٹر کے ایک فارسی اخبار ستارہ جس کو کلکتہ کا ایک شخص رجب علی طبع کرتا تھا، وصول کیا کرتے تھے

۔آخرالذکر شخص محمد علی رامپوری کا خلیفہ ہے جو اب سے پیشتر کرناٹک میں اپنی باغیانہ جدو جہد کے سبب سے مدراس سے نکال دیا گیا تھا۔

اسی رپورٹ کے مطابق مولوی مبین، قلعہ کی قریبی مسجد کا بڑا مولوی (بظاہر پیش امام مراد ہے) اور مولوی محمد علی رام پوری کے دوسرے معتقدین مغرب کی نماز کے بعد مجمع میں وعظ کہتے اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہیں ۔شہر کی دوسری مساجد، مسجد قلعہ، سنی اسٹریٹ مسجد، اور پیراں صاحب کی مسجد میں اسی قسم کی تقریریں ہوتی ہیں۔آخرالذکر مسجد کا پیش امام فوج سے نکالا ہوا سپاہی ہے۔افسر موصوف نے ایک چٹھی مورخہ ۱۰ جون ۱۸۳۹ء میں حکومت مدراس کو مولوی محمد علی کے حلیفوں اور ایجنٹوں کی فہرست بھیجی جو دکن کی مختلف چھاؤنیوں میں کام کرتے تھے۔ جنوبی ہند میں مولوی سید محمد علی اور ان کے اصحاب و مریدین نے ایسی سرگرمی سے تحریک چلائی تھی اور انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کا وہ ماحول پیدا کیا تھا کہ ہر جگہ بغاوت کے آثار نظر آرہے تھے۔عورتوں تک میں یہ جذبہ بڑی قوت سے کارفرما تھا۔یہاں تک کہ ہنٹر لکھتا ہے. جنوبی ہند میں انہوں نے جوش وخروش کی وہ آندھی چلائی کہ عورتوں نے اپنے ہیرے جواہرات تک بیت المال میں دے دیئے۔(ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ص ۷۵)

(تحریک آزادی میں علماء کا کردار۔ ص ۴۶۳۔۴۶۴)۔

جناب محمد ثناء اللہ عمری نے لکھا ہے:

سید احمد شہید کے مرید مولوی سید محمد علی قیام مدراس کے زمانے میں ویلور بھی آئے تھے اور محلّہ رحمت پالہ کی مسجد اہل حدیث میں قیام فرمایا۔مرور ایام سے یہ مسجد بوسیدہ ہوگئی۔اس لئے جماعت کے لوگوں نے حاجی عبدالعزیز مالک باؤٹا بیٹری فیکٹری سے مسجد کو از سرنو تعمیر کرانے کو کہا۔ حاجی صاحب نے سید اسماعیل رائے درگی کو مسجد کے معائنے کے لئے بھیجا ۔سید اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے ویلور پہنچ کر مسجد دیکھی، بہت بوسیدہ تھی۔ میری نظروں کے سامنے وہ زمانہ آگیا جب اس مسجد میں جنوبی ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے بانی اول مولانا سید محمد علی رام پوری، ان کے شاگرد مولوی محمد اسماعیل شہید ثانی اور مولوی سید احمد ویلوری کا قیام رہتا تھا اور یہاں کی جماعت زندہ تھی۔ میں نے حاجی صاحب سے اس کی تعمیر کی سفارش کی۔انہوں نے بڑے شوق سے مسجد تعمیر کی اس کے ساتھ مسجد کی مستقل آمدنی کے لئے دکانیں بھی بنوادیں۔(نذرانہ اشک)۔

۱۹۲۲ء میں ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر کے ایک شمارے میں بتایا گیا کہ:

مدراس میں توحید کا غلغلہ ۱۲۵۰ھ میں سید محمد علیؒ مرید سید احمد بریلویؒ نے بلند کیا۔ان کی وجہ سے بہت سے لوگ موحد ہوئے اس زمانے میں نواب عظیم جاہ مدراس میں حکمران تھے آپ کے خسر نواب خان عالم خان جو اس وقت موسیقی کے ماہر تھے اپنے اس فعل سے باز آکر سید محمد علیؒ کی شاگرد ہوئے جس کی وجہ سے اشاعت توحید میں ترقی ہوئی۔آپ کی تصانیف فیض عام و باران رحمت سے آپ کے مذہبی جوش واستقامت کا پتہ چلتا ہے۔

سید واعظ محمد علی نے خوب کام کیا۔کسبیوں،شراب خوروں،تاڑی کے سوداگروں نے سرکار میں عرض کی کہ اسے شہر بدر کر دیا جائے کیونکہ ان کے بیوپار میں کمی ہو رہی ہے۔لیکن باوجود مخالفت کے اہل حدیث کی ترقی ہوتی رہی۔پھر نواب خان عالم خان نے اپنی بیٹی کا نکاح مولوی محمد عثمان بنگلوری اہل حدیث سے کر دیا باوجودیکہ نواب عظیم جاہ اور دوسرے امراء اس نکاح کی مخالفت کرتے رہے۔ان دنوں مولوی صاحب موصوف کا قیام گاہ متیال پیٹ (مدراس) میں تھا آج کل (یعنی ۱۹۲۲ء میں) بھی وہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جہاں آپ کے تعلیم یافتہ کوئی کوئی پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد عبدالقادر صاحب آرکانی مرحوم عرف قادر پاشا اور مولانا سید شاہ نظام الدین نقوی مرحوم کا دور شروع ہوا۔آپ دونوں بڑے موحد تھے انہوں نے جنوبی ہندوستان میں اہل حدیث کی بہت خدمت کی۔مولانا فخری کا قیام گاہ میلا پور مدراس میں تھا اور قادر پاشا اکثر سینٹ تھامس مونٹ اور شولا،مدراس میں رہتے تھے جہاں آج کل (۱۹۲۲ء) بھی اہل حدیث کافی ہیں جناب ساہوکارسی عبدالحکیم کے والد بزرگوار اور والا جاہ عبدالقدوس کے والد بھی محلّہ بڑی میٹ مدراس میں انہی بزرگوں سے فیض یاب تھے نیز انہی بزرگوں کی محنت کا ثمر ہے کہ پھولمری،پانڈی چری و یلور بنگلور بلہاری جیسے شہروں میں اہل حدیث کی مساجد اور افراد کافی پائے جاتے ہیں۔ مولانا قادر پاشا اچھے شاعر بھی تھے انہوں نے اشعار سے بھی سنت کی تبلیغ کی۔اسی اثنا میں مولوی محمد بشیر مولوی خضر محمود نے مدراس وانمباڑی پیارم پیٹ وغیرہ کے دیہاتی علاقوں میں اہل حدیث کی تبلیغ کی۔

مدراس میں سید شاہ فخر الدین خلف جناب نظام الدین فخری نے اشاعت اہل حدیث میں بہت کام کیا۔آپ کے انتقال سے بہت نقصان ہوا۔۱۹۰۸ء میں مدراس میں اہل حدیث کا نفر

نس سے بہت فائدہ ہوا۔ آج کل (۱۹۲۲ء) مدراس میں مولوی محمد فضل، مولوی محمد حسن عرف حسن میاں کام کرتے ہیں۔

۱۸۸۰ء میں سعید آباد مدراس میں جناب حسینی بیگ اور جمعدار عبداللہ بیگ نے مذہب اہل حدیث کی تحریک شروع کی۔ ۱۹۱۹ء بغرض اشاعت اہل حدیث زیر سرپرستی منشی محمد تاج الدین صاحب بی اے سعید آباد میں انجمن اسلامیہ قائم کی گئی جس کی دو شاخیں، ایک محلہ بیگم بازار مدراس اور دوسری قصبہ کرنگلی میں ہیں۔ اس انجمن نے بہت کام کیا کئی حنفی اہل حدیث ہوئے۔ کرنگلی میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ ۱۹۲۰ء میں سینٹ ٹامس مونٹ میں انجمن اسلامیہ بنی جس کے سکرٹری سید جلال الدین مالک جے واچ کمپنی داماد ڈاکٹر سید عبدالقادر ہیں

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۲ء ص ۳۔۴)

ولایت علی صادقپوریؒ

جناب ولائت علیؒ کے دادا احمد علی اردل ضلع گیا کے جج تھے اور بڑے جاگیر دار تھے۔ آپ کے نانا رفیع الدین حسن خان صوبہ بہار کے ایک بڑے رئیس تھے۔ آپ کا بچپن امراء کی وضع پر گذرا۔ آپ لکھنو میں عربی دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ انہی دنوں میں حضرت سید احمد کا وہاں ورود مسعود ہوا۔ ولائت علی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سید صاحب ان کو اپنے ساتھ بریلی لے گئے اور مولانا اسماعیل کی تربیت میں دیدیا۔ مولانا عبدالرحیم صادقپوری لکھتے ہیں. آپ حین قیام بریلی کے حضرت مولانا اسماعیل شہید کی جماعت میں بھرتی تھے اور انہیں سے حدیث پڑھا کرتے تھے اور جب اپنی جماعت کے کام سے فرصت پاتے تو سید صاحب کی صحبت میں جا بیٹھتے یا تنہا نماز و دعا میں مشغول رہتے۔ مولانا شہید نے اپنی جماعت میں آپ کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ مگر آپ کو اب اسوہ نبوی سے ایسا ذوق حاصل ہو چکا تھا کہ اپنی جماعت والوں کی آپ خدمت کیا کرتے تھے (تذکرہ صادقہ۔ ص ۱۱۱)

مولانا اسماعیل کی صحبت اور تعلیم کا یہ فیض تھا کہ سنتوں پر براہ راست عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اور تقلیدی جکڑ بندیوں کی زنجیریں کٹ گئیں اور بعد میں ان کی تبلیغی زندگی کا یہ ایک بڑا

کارنامہ بنا۔مولا عبدالرحیم صادقپوری لکھتے ہیں .آپ کی ترغیب تحصیل قرآن واحادیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا اورتقلید وتعصب کی بنا کمزور اور مضمحل ہونے لگی ۔کیونکہ قرآن وحدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کردیا۔جاء الحق و زھق البا طل .(تذکرہ صادقہ۔ ص ۱۱۷)

جناب غلام رسول مہر، مولا نا ولائت علیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مولا نا رائے بریلی میں تربیت پاکر وطن گئے تو زندگی کا ایک ایک لمحہ وعظ وتبلیغ کے لئے وقف کردیا۔انہی کی کوششوں سے ان کا خاندان اور دوسرے اعزہ واقرباءسید صاحب سے وابستہ ہوئے ۔مثلاً مولا نا کے والد مولوی فتح علیؒ ان کے بھائی مولا نا عنائت علیؒ ، مولا نا طالب علیؒ، اورمولا نا فرحت حسینؒ ۔ان کے اقرباء میں مولا نا شاہ محمد حسینؒ ،مولوی الٰہی بخشؒ ، مولا نا احمداللہؒ ، مولا نا یحیٰ علیؒ، مولا نا فیاض علیؒ، مولوی قمرالدینؒ، مولوی باقر علیؒ۔ غرض ان سے تعلق رکھنے والوں میں ایک بھی فرد ایسا باقی نہیں رہا جس نے سید صاحب کی ارادت کا حلقہ اپنی گردن میں نہ ڈال لیا ہو۔اور ان حضرات کی قربانیاں تاریخ مجاہدین کا نہائت شانداراور درخشان باب ہیں ۔.(سرگذشت مجاہدین۔ص ۲۲۶)

مولا نا مسعود عالم لکھتے ہیں کہ آپ نے :

ردّ بدعت پر متعدد کتابیں شائع کیں ۔ اورسب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے خاندان میں عمل بالسنۃ کی تجدید کی ۔صوبہ بہاراور بنگال میں نکاح بیوگان کا آغاز آپ ہی کے خاندان سے ہوا۔آپ نے اس سنت کوخوب جاری کیا ۔ ہزاروں بیوہ عورتوں کے نکاح کرادیئے ...آپ کی ذات سے جو احیائے سنت ہوا اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے .

اس موقع پر مولا نا ندوی نے چند سنتوں کا ذکر کیا ہے ان میں یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک شخص عبدالغنی نگر نہسوی (جوزمرہءمساکین سے تھے) کا عقد ایک بیوہ عورت سے تعلیم قرآن مہر قرار دے کر کردیا (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۶۰)۔

یہ ایک ایسی بات ہے جو مولا نا ولائت علی کے اہل حدیث ہونے کی صریح دلیل ہے ۔ اسلیئے کہ ہندوستان میں کوئی حنفی عالم جس کو تقلید کا پاس ہو، نکاح کی اس صورت کو صحیح نہ کہے گا۔

مولا نا مسعود عالم لکھتے ہیں :

دینیات کی تعلیم کے لئے گھر پر ظہر اور عصر کے درمیان قرآن وحدیث کا درس دیتے ۔ آپ کے بڑے بیٹے مولوی عبداللہ (ف ۱۳۳۰ھ) قاری ہوتے ۔ دوسرے علماء تفسیر کی کتابیں لے کر

بیٹھتے۔ قرآن کریم اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ مردوں عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے۔ شاہ اسحاق سے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن اور مولانا شہید کے رسائل منگوا کر پہلے مطبع حسینی لکھنؤ سے طبع کرانے کی کوشش کی۔ مالک مطبع کے انکار پر آپ نے یہ خدمت اپنے ایک رفیق و عقیدت مند مولوی بدیع الزمان بردوانی کے سپرد کی جنہوں نے خاص طور پر ایک ٹائپ پریس خرید کر پہلی مرتبہ یہ کتابیں چھپوائیں۔ نواب صدیق حسن خان (ف ۱۳۰۷ھ) نے انکے قنوج آنے اور وعظ کی تاثیر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے... لکھا ہے کہ جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ کہا۔ مجھ سے کہہ گئے کہ تم کتاب بلوغ المرام ضرور پڑھنا... اس کہنے کا نتیجہ بعد ایک مدت دراز کے یہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح لکھی... مولانا ولائت علی جب حج کو تشریف لے گئے تو اسی سلسلے میں یمن اور دوسرے مقامات کی سیاحت کی۔ اور یمن کے نامور محدث و عالم قاضی محمد بن علی شوکانی سے حدیث کی سند حاصل کی اور انکی بعض تصانیف لائے . (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک۔ ص ۶۰ ۔۶۳)

ان اقتباسات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ عورتوں اور بچوں کو پڑھانے کیلئے قرآن مجید کے ترجمہ کے ساتھ بلوغ المرام کا انتخاب کیا۔ یعنی حدیث کی ایک مختصر کتاب جس میں بیشتر مسائل اہلحدیث کے موافق ہیں۔

۲۔ نواب صدیق حسن کو ان کی نوعمری میں خاص طور پر بلوغ المرام پڑھنے کی نصیحت کی۔ اس نصیحت کی برکت سے اللہ تعالی نے نواب صاحب کو ایک عرصہ کے بعد اس کی شرح لکھنے کی توفیق بخشی جس سے حدیث کی خدمت ہوئی اور اہل حدیث مذہب کو بھی فی الجملہ قوت پہنچی۔

۳۔ امام شوکانی جو سلفی محدث، سے مولانا ولائت علی نے حدیث کی سند حاصل کی اور ان کی بعض تصانیف بھی یمن سے اپنے ساتھ ہندوستان لائے۔ بعض تصانیف سے مراد الدرر البہیہ ہے جیسا کہ مسعود عالم نے حاشیہ میں اس کی وضاحت کردی ہے... الدرر البہیہ فقہ کی ایسی کتاب ہے جس کے مسائل زیادہ تر اہل حدیث کے موافق ہیں۔ اسی کے ساتھ جناب عبیداللہ سندھی کی شہادت سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

> پٹنہ کے مولانا ولائت علی معرکہ بالاکوٹ میں موجود نہ تھے۔ موصوف مولانا اسماعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے جو مولانا شہید نے حجۃ اللہ پڑھنے کے بعد اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنائی تھی۔ یہ لوگ رفع یدین اور آمین بالجہر کیا کرتے تھے۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ اشاعت دوم۔ ص ۱۳۰)

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مولانا ولائت علی اہل حدیث تھے۔ اس کے علاوہ ان کی اپنی تصنیفات بھی اس کا ثبوت ہیں۔ انکا ایک چھوٹا سا رسالہ عمل بالحدیث جو فارسی زبان میں ہے اور ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ (جسے ہم جلد اول میں نقل کر چکے ہیں۔ بہاء)

مولانا ولائت علی (جہاں کہیں) اپنے کو حنفی المذہب کہتے ہیں وہ صرف اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ حدیثوں پر ان کا عمل امام ابوحنیفہؒ کے اس ارشاد کے مطابق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو۔ (تذکرہ صادقہ۔ ص۱۴۳)

مولانا ولائت علی کے ایک خاص عزیز اور خلیفہ مولانا فیاض علی تھے۔ یہی فیاض علی مولوی محمد فصیح صاحب کے ساتھ مناظرے میں مولانا کے نمائندے تھے اور انہوں نے حنفی مناظر سے اقرار کرا لیا تھا کہ حنفی مذہب کا پابند اگر بوجہ ترجیح بالدلیل کسی حدیث صحیح غیر منسوخ پر مثل رفع یدین آمین بالجہر وغیرہ عمل کرے تو وہ اپنے امام کی اتباع سے خارج نہیں ہوتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فیاض علی کے نزدیک یہ مسائل حدیث صحیح غیر منسوخ سے ثابت ہیں اور دلیل کی رو سے انہی پر عمل کرنا راجح ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نزاعی مسائل کو دلیل سے جانچنا چاہیے کہ کون راجح ہے اور کون مرجوح کون قوی ہے اور کون ضعیف۔ اور ایسا کرنے والا حنفی مذہب سے خارج نہ ہوگا۔ اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ آج جو لوگ تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں اور اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ کا مقلد بتاتے ہیں وہ درحقیقت امام صاحب کے پورے اور سچے مقلد نہیں ہیں۔ کیوں کہ ان لوگوں نے امام صاحب کے قول اتر کو قولی بخبر رسول اللہ اور اذا صح الحدیث فھو مذہبی کو نظر انداز کر دیا ہے۔ پس اصول کو ماننے والا اور عملاً اس کو برتنے والا اگر اپنے کو حنفی کہتا ہے تو کہے حقیقۃً وہ اہل حدیث ہے۔

اس کے علاوہ مولانا فیاض علیؒ کے اہل حدیث ہونے کا ایک بڑا ثبوت ان کا رسالہ فیض الفیوض ہے یہ رسالہ مجموعہ مسائل تسعہ میں شامل ہے۔ اصل رسالہ فارسی میں ہے اس کا ترجمہ مولوی الٰہی بخش بہاری نے کیا ہے اسی ترجمہ کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہوا ہے۔ اس میں شروع سے لے کر آخر تک تمام باتیں تقلید اور عمل بالحدیث ہی کے متعلق سوال و جواب کے عنوان سے بیان کی گئی ہیں۔ اس کا ایک ایک حرف اہل حدیث مذہب کے مطابق ہے۔ سنئے:

سوال:۔ علمائے ربانیین وفقہائے راسخین سے سوال ہے کہ جو شخص اجتہاد کے درجہ پر نہیں پہنچا ہو خواہ وہ عالم ہو یا جاہل اس کو حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۔حکم اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ جو عالم کہ عبارت کا مطلب بیان کرنا جانتا ہے اور ناسخ کو منسوخ سے (امتیاز کرنا) پہچانتا ہے اور صحیح کو ضعیف سے جدا کرتا ہے اور محدثین کی متداول کتابوں کے سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے، اس کو حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، اس پر اتفاق ہے امام اعظم (ابوحنیفہ) اور ان کے دونوں شاگرد (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا۔لیکن وہ شخص جو عامی (جاہل) ہے سو اس کو حدیث پر عمل کرنا واجب ہے، امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ۔امام ابو یوسف اس کے خلاف ہیں ۔

سوال ۔ ایک شخص ایک مجتہد کا مقلد ہے اگر اس کو کوئی ایسی صحیح صریح غیر منسوخ حدیث ملے جو اس کے امام کے قول کے مخالف ہو تو اس کو اپنے امام کے قول پر عمل کرنا چاہیے یا اس حدیث پر؟ اور اگر وہ اپنے امام کے قول پر عمل کرے اور حدیث کو چھوڑ دے تو اس کا حال اللہ تعالی کے نزدیک کیا ہوگا ؟ اس مسئلہ کو فقہا اور صوفیا کے اقوال سے بیان کیجئے ۔

جواب ۔ جب کوئی شخص صحیح غیر منسوخ حدیث پاوے تو اس کو اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے ۔ بلکہ ہدایہ و غایۃ البیان و بحر الرائق و درمختار و عنایۃ وغیرہ کی جو عبارت جو اوپر مذکور ہوئی (ہم نے یہاں حذف کر دی ہے) اس سے سمجھا جانا چاہیے کہ حدیث صریح بھی نہ ہو بلکہ احتمال تاویل یا نسخ کا رکھتی ہو اور اس کی تاویل اور نسخ پر اطلاع نہ ہو تو اس وقت بھی غیر مجتہد کو اس ظاہر حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور کسی مجتہد اور مفتی سے پوچھنا لازم نہیں ہے نزدیک امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے ۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جس وقت کہ عامی جاہل محض نہ ہو یہی حکم ہے ۔اور جو شخص کہ اس حدیث یا آئت کو جو اس کے امام کے قول کے مخالف ہے ترک کر دے اور اپنے امام ہی کے قول پر عمل کرے اس کی نسبت شیخ محی الدین ابن العربی جو علمائے ابرار اور صوفیا کبار میں سے ہیں، کتاب فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ وہ شخص گمراہ ہے اور خدا کے دین سے خارج ہے ...اور شیخ کردری نے اپنے رسالہ میں فرمایا ہے کہ سنت کی اتباع کرنا ہی مشائخ صوفیہ کا عموماً اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً طریقہ ہے ۔ ان کا طریقہ کسی معین مذہب کی پابندی نہیں ہے اور نہ کسی سچے محقق عالم کی تقلید ان کا شیوہ ہے اور مذہب معین پر تعصب کرنا آداب و اخلاق صوفیہ سے خارج ہے ... کل فقہائے عظام اور صوفیائے کرام کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں ۔ اگر ہم ان سب کو ذکر کریں تو ایک اونٹ کا بوجھ ہو جائے ۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی یواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ جو شخص میری دلیل کو نہیں جانتا اس کو لائق نہیں ہے کہ میرے قول پر فتوی دے

اور امام مالک فرماتے تھے کہ کوئی شخص نہیں ہے مگر اس کا قول لیا بھی جاتا ہے اور رد بھی کر دیا جاتا ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی سے روائت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور ایک روائت میں ہے کہ جب میرے کلام کو حدیث کے خلاف دیکھو تو حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو۔ اور امام احمد فرماتے تھے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ کسی کے کلام کو وزن نہیں کیا جاتا۔ ہرگز میری تقلید نہ کرنا اور نہ مالک کی نہ اوزاعی کی نہ نخعی کی نہ ان کے علاوہ کسی اور کی۔ بلکہ تم بھی احکام وہیں سے لو جہاں سے ان لوگوں نے لیا ہے یعنی کتاب و سنت سے۔... سیوطی نے لکھا ہے کہ کیا امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے یا امام شافعی نے کسی کو اپنی تقلید کی اجازت دی ہے۔ حاشا للہ۔ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے تو اس سے منع کر دیا ہے۔ روضۃ العلماء میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ میرے قول کو حدیث رسول اللہ اور خبر صحابہ کے مقابلہ میں چھوڑ دو..... ابن حزم نے ایسی تقلید کو حرام لکھا ہے جس میں کوئی شخص حدیث کو چھوڑ دے اور اپنے امام کے مسائل قیاسیہ پر عمل کرے۔ چنانچہ انہوں ں نے کہا ہے کہ تقلید حرام ہے اور کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی امتی کا قول بلا دلیل مان لے ...اور مولانا اسماعیل نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ اعمال میں مذاہب اربعہ کی اتباع جو تمام اہل اسلام میں رائج ہے بہتر اور خوب ہے لیکن پیغمبر ﷺ کے علم کو کسی ایک مجتہد کے علم میں منحصر نہ سمجھئے کیونکہ علم نبوی سارے جہان میں پھیلا ہے اور مقتضائے وقت کے مطابق ہر آدمی کو پہنچا ہے اور کتابوں کی تصنیف کے بعد اجتماعی حالت ان علوم کی ظاہر ہوئی۔ پس جس مسئلہ میں حدیث صحیح صریح غیر منسوخ پاوے اس میں مجتہد کی پیروی نہ کرے۔ اور اہل حدیث کو اپنا مقتدا جانے اور دل میں ان کی محبت رکھے اور ان کی تعظیم کو لازم شمار کرے کیونکہ وہ لوگ علم پیغمبر کے حامل ہیں اور ایک طرح پر پیغمبر ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل کر کے مقبول جناب رسالتمآب ﷺ ہوئے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ عامی کے لئے تمام مسائل میں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تعیین واجب ہے؟ یا اس کے لئے جائز ہے کہ ایک مسئلہ میں کسی مجتہد کی اتباع کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کی۔

مولانا فیاض علیؒ فرماتے ہیں قول ارجح اور محقق اس باب میں یہ ہے کہ عامی کے لئے کسی معین مذہب کی تعیین واجب نہیں ہے۔ بلکہ جس مفتی ربانی پر اس کا اعتماد ہو اس سے فتوی

پوچھے ۔ وہی فتوی اس کا مذہب ہے ۔ اور اگر فتوی نہ پہنچے مگر اس کا عمل کسی مجتہد کے مذہب کے موافق پڑے تو یہ بھی کافی ہے (اپنے اس جواب کی تائید میں بحر الرائق کی عبارت نقل کر کے مولانا عبد العلی بحر العلوم کا یہ کلام بھی بحوالہ شرح مسلم الثبوت پیش کیا ہے لا واجب الا ما اوجبه اللّٰه تعالی و له الحکم و لا یوجب علی احد ان یتمذهب بمذهب رجل من الائمة فایجابه تشریع جدید کہ واجب وہی ہے جس کو اللہ نے واجب کیا ہے کیونکہ وہی حاکم ہے اور اللہ نے کسی پر واجب نہیں کیا ہے کہ وہ اماموں میں سے کسی امام کے مذہب کو اپنا مذہب بنائے ۔ لہذا اس بات کو واجب قرار دینا ایک نئی شریعت نکالنا ہے ....

(پھر مولانا فیاض علی فرماتے ہیں) اجتہاد مطلق کے آئمہ اربعہ پر اور اجتہاد فی المذہب کے علامہ نسفی پر ختم ہو جانے کا حکم لگانا محض تعصب ہے اور بغیر دیکھے پتھر پھینکنا ہے اور دلائل و براہین سے بالکل خالی ہے ۔ بلکہ صریح گمراہی ہے کیونکہ غیب کی خبر دینا رب العالمین کا خاصہ ہے ۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ۔

صادق پوریوں میں ایک بزرگ مولانا یحی علیؒ ہوئے ہیں یہ مولانا فیاض علیؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے آمین و رفع الیدین کی متروکہ سنت کا احیاء صوبہ بہار میں آپ ہی نے فرمایا۔ (تذکرہ صادقہ ۔ص ٦٦) ۔

مولانا یحی علی کے سب سے چھوٹے بیٹے مولوی محمد یوسف رنجور ذی قعد ۱۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے ۔علی گڈھ سے انٹرنس پاس کیا نظم و نثر میں مہارت تھی ۔ ۱۸۹۰ء میں کلکتہ میں چیف مولوی بورڈ آف ایگزامینرز کے عہدہ پر مامور ہوئے ۔تیس سال بعد پنشن ملی ۔ پھر دو سال کلکتہ یونیورسٹی میں فارسی کے لیکچرر رہے آخر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے شوال ۱۳۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔ تذکرہ صادقہ)۔ ان کی اہلیہ حافظ ابراہیم آروی کی بھتیجی تھیں۔ آروی صاحب جب ۱۳۱۹ھ میں مدینہ میں فوت ہو گئے تو رنجور کے خاندان سے تعزیت کے لئے ابو الکلام آزاد بھی پٹنہ گئے تھے۔ رنجور عمر میں آزاد سے تقریباً ۲۵ سال بڑے تھے۔ آزاد ان سے انگریزی پڑھتے تھے۔ اور آزاد کے سلفی، اہل حدیث ہونے میں ان کی صحبت کا بہت حصہ ہے ۔ مولانا آزاد نے تذکرہ صادقہ پر تقریظ بھی لکھی تھی جو شائد رنجور صاحب کی فرمائش پر لکھی ہو گی۔

(التوعیہ نئی دہلی اپریل مئی ۱۹۹۲ء۔ مولانا آزاد اور مسلک اہل حدیث از ابن احمد نقوی)

نصیحۃ المسلمین

نصیحۃ المسلمین جناب خرم علی کی بلہوری کی تصنیف ہے جن کے بارے میں جناب ابو یحیٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں :

آپ نے بدعت کے قلع قمع اور احیائے سنت کے لئے بہت کام کیا ۔سید احمد کے خلیفہ ہوئے نواب ذوالفقار باندا کی خواہش پر ردالمختار کا اردو ترجمہ کیا ۔کتاب النکاح کتاب الحج کتاب الاذان ہوئی کہ فوت ہو گئے جس کو آپ کے بعد مولوی محمد احسن نانوتوی نے آپ کے ورثاء سے بعد ادائے حق تالیف لے کر مکمل کیا اور غایۃ الاوطار کے نام سے شائع کیا ۔اس کے علاوہ مشارق الانوار کا ترجمہ اور آداب الحرمین و رسالہ نصیحت المسلمین لکھا۔ وفات ۱۸۴۴ء، ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ خاندان ولی اللہ کے شاگرد ہیں اور ابتدا میں مقلد تھے بقول صاحب تذکرہ علمائے ہند منع قرءۃ خلف الامام پر رسالہ لکھا۔ مگر بعد... میں اتباع سنت کا رنگ چڑھ گیا اور اسی پر خاتمہ ہوا۔

اور جناب غلام رسول مہر صاحب لکھتے ہیں :

بلہور کان پور کے مضافات میں ہے ۔آپ نے لکھنو میں سید احمد بریلوی سے بیعت کی تھی اس کے بعد خدمت دین میں مشغول ہو گئے ۔مشہور ہے کہ سید صاحب کے ساتھ جہاد کے لئے سرحد گئے تھے۔ وہاں سے واپس آ گئے ۔غالباً سید صاحب نے انہیں دعوت وتبلیغ کے لئے مقرر کر دیا ۔رد بدعت اور احیاء سنت میں بہت سرگرم تھے ۔ ۔(جماعت مجاہدین ص ۲۹۴)۔

آپ کی تصنیف نصیحۃ المسلمین مختصر اور عام فہم کتاب ہے اور موحدین ہند میں بہت مقبول رہی ہے۔ تقویۃ الایمان کی طرح اس کتاب نے شرک و بدعت کے استیصال میں نہایت اہم کردار کیا ہے۔ ہم ذیل میں اسے نذر قارئین کرتے ہیں :

فصل اول : توحید و شرک

توحید ہندی زبان (اس زمانے میں جس زبان کو ہندی کہتے تھے وہی بعد میں اردو کہلائی ۔ بہاء)
میں ایک جاننے کو کہتے ہیں اور شرک ساجھا کرنے کو کہتے ہیں ۔ اول مسلمان پر یہی فرض ہے کہ اللہ تعالی کی توحید کو جانے اور شرک سے بچے ۔ توحید اس کا نام نہیں کہ خدا کو زبان سے ایک کہے اور اپنی حاجتوں اور مرادوں کے واسطے پیغمبر اور پیروں کی نذریں مانے (اس کا نام تو شرک ہے)، بلکہ توحید کے یہ معنی ہیں کہ بس اللہ ہی کو ہر چیز کا مالک اور مختار جانے اور یہ سمجھے کہ اس کے سوا پیر ہوں یا پیغمبر، فرشتے ہوں یا شہید، کسی کو کچھ اختیار اس کے کارخانے میں نہیں ۔ سب اسکے روبرو عاجز و بے اختیار ہیں ۔ اور شرک بھی اس کا نام نہیں کہ اللہ کے سوا آسمان اور زمین کا مالک کسی اور کو جانے ۔ یہ تو کوئی مشرک اور کافر بھی نہیں کہتا ۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ۔ بلکہ شرک کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے اپنے واسطے جو چیزیں خاص کر لی ہیں، ان میں کسی دوسرے کو بھی ملانا ۔ جیسے مینہ کا برسانا، رزق کا دینا، بیمار کا اچھا کرنا، آفتوں بلاؤں سے بچانا، اولاد کا دینا، غیب کی بات جاننا، ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا، لوگوں کی مدد کرنا، جلانا، مارنا، یہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے ۔ ان میں کسی دوسرے کا بھی اختیار ماننا، یہی شرک ہے جس کے مٹانے کے واسطے قرآن شریف اترا ۔ اور پیغمبر خدا کافروں سے لڑے ۔ قرآن شریف میں کئی جگہ اس کا بیان ہے اگر سب آیتیں لکھی جائیں تو کتاب بڑی ہو جائے ۔ اب تھوڑی آیتیں بیان ہوتی ہیں، دل سے سننا چاہیے ۔

قل لّا املک لنفسی نفعاً ولا ضرّاً ا لّا ما شاء اللّٰہ و لو کنت اعلم الغیب لاستکثر ت من الخیر و ما مسّنی السّوء ان انا الّا نذ یر لقو مٍ یومنو ن

(اعراف ۔ پ ۹ ۔ ع ۱۱) (کہہ دے اے محمد کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا مگر جو چاہے اللہ ۔ اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات تو بہت خوبیاں جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی ۔ میرا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عذاب سے ڈراتا ہوں اور ثواب کی خوش خبری سناتا ایمان والوں کو)۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے برابر کوئی اللہ کا بندہ مقبول نہیں ۔ پھر جب ان ہی کو خود اپنی جان کے نفع و ضرر کا کچھ اختیار نہیں، اور وہ بھی غیب کی بات نہیں جانتے تو اور امام اور پیر کس گنتی اور شمار میں ہیں؟ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ مدد چاہنا اور حاجتیں مانگنا سوائے اللہ کے کسی سے نہیں چاہیے ۔ پیر ہوں یا پیغمبر، اولیا ہوں یا شہید ۔

علم غیب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے کہ آگے یوں ہوگا اگر علم غیب ان کو نہ تھا تو خبر کیوں کر دی؟ اور اولیاء کا بھی اسی طرح حال ہے۔ دیکھو فلاں بزرگ نے کہا تھا کہ ہم فلاں روز مریں گے ویسا ہی ہوا۔ اور کسی سے کہا تھا کہ تیرے چار بیٹے ہوں گے، سو چار ہی ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کو اللہ تعالی کے بتانے سے معلوم ہوا تھا، اس کو علم غیب نہیں کہتے۔ جس قدر اللہ تعالی نے جس کو بتلا دیا اسی قدر اس کو حال معلوم ہوا، زیادہ اس سے ہرگز نہیں معلوم۔ مشہور ہے کہ حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے غم میں رویا کرتے تھے، معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ جب حضرت یوسفؑ مصر میں حاکم ہوئے تب ان کو خبر معلوم ہوئی۔ اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو کیوں روتے۔ اور کافروں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت باندھی تھی۔ حضرت ﷺ کو بہت رنج ہوا تھا۔ جب بہت دنوں کے بعد خدا نے قرآن میں فرمایا کہ عائشہؓ پاک ہے، کافر جھوٹے ہیں، تب حضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو غم کیوں ہوتا۔ پھر جب پیغمبروں کی یہ حالت ہے تو بھلا اولیاء کا کیا رتبہ۔ ہر ایک چیز کا حال جاننا آدمی کا کام نہیں، یہ اللہ کی شان ہے۔

ہدایت و شفاعت

اور یہ جاننا چاہیے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے دو کام ہیں۔ ایک تو دنیا میں ہدایت، دوسرے آخرت میں گناہ گاروں کی شفاعت۔ سو ان دونوں میں بھی اللہ نے حضرت ﷺ کو بالکل اختیار نہیں دیا:

انک لا تهدی من احببت و لکنّ اللّٰه یهدی من یّشاء و هو اعلم بالمهتدین ـ (قصص ـ ع ۹) اے محمد! تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کو دوست رکھے لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آویں گے۔

پس حضرت ﷺ کا کام صرف حق بات کا بیان کر دینا ہے اور اگر ہدایت اختیار میں ہوتی تو ابوجہل بھی مسلمان ہو جاتا۔ اور بلا اجازت الٰہی کسی نبی کو شفاعت کا حق نہیں:

من ذا الذّی یشفع عنده الّا باذنه (بقرہ) کون ایسا ہے کہ جو شفاعت کرے اللہ کے پاس مگر اس کے حکم سے۔

یعنی اللہ کا حال مثل بادشاہ کے نہ سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ جس پر غصے ہوتا ہے تو امیر وزیر اس کو بخشا لیتے ہیں اور ہر چند اس کا جی نہ چاہے مگر ان کی خاطر کرتا ہے کیونکہ بادشاہ جانتا ہے کہ اگر میں ان کی خاطر نہ کروں گا تو امیر وزیر میرے ملک میں خلل ڈال دیں گے (اس کو شفاعت بالوجاہت کہتے ہیں) اور اللہ کو تو اپنے کام میں کسی دوسرے کی پرواہ نہیں۔ اس کے روبرو کیا طاقت کسی پیغمبر یا ولی کو کہ بے حکم اس کے کسی کی شفاعت کریں۔ ہمارے حضرت ﷺ بھی جب اللہ کا حکم پاویں گے تب قیامت کے دن شفاعت امت کی کریں گے۔

اللہ اکبر! یہاں سے اللہ کی خداوندی اور جلال بوجھا (سمجھنا) جاتا ہے۔ یہ کیسا مالک زبردست اور بے پرواہ ہے کہ کسی فرشتے یا پیغمبر کو کسی چیز کا اختیار نہیں دیا۔ ہر چیز اپنے اختیار میں رکھی۔ بغیر حکم ممکن نہیں کہ ایک بوند آسمان سے گرے۔ اس زمانے کے نادان لوگوں نے ایسا اعتقاد بے جا انبیاء اولیاء کے ساتھ بڑھایا ہے کہ اللہ کی بڑائی اور مالکی جیسے چاہیے ویسی دلوں میں نہیں رہی۔ دنیا کی مرادیں انہیں سے مانگتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہم کتنے ہی گناہ کریں، آخرت میں بھی وہ سب بخشا لیویں گے اور حقیقت حال جو تھا سو معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ کو بھی خود اپنی جان کا کچھ اختیار نہیں۔ اور وہ بھی بے حکم اللہ کے نہ بخشا سکیں گے۔

اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ کہتے ہیں واقعی اللہ کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ لیکن انبیاء اور اولیاء اللہ کے بندے مقبول ہیں، جس چیز کی اللہ سے عرض کرتے ہیں وہ قبول کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ البتہ ان کی دعا اکثر قبول ہوتی ہے لیکن ہر دعا ان کی بھی قبول نہیں ہوتی۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے واسطے دعا کی اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے واسطے دعا کی، کسی کی دعا قبول نہ ہوئی اور حکم ہوا کہ جاہل مت بنو۔ اس مقدمہ میں خلاف مرضی ہمارے دعا نہ کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان کی دعا بھی وہی قبول ہوتی ہے جو موافق مرضی خدا کے ہے۔ کسی بھی فرشتے اور نبی کا اللہ پر کچھ زور نہیں۔ ہر چند کہ یہ پاک لوگ ہیں مگر پھر بھی بندے ہیں کچھ ان کا اللہ پر زور نہیں کہ جو چاہیں وہی ہو۔

و قالوا اتّخذ الرّحمن ولداً سبحانه بل عباد مّکرمون ۔ لا یسبقونه بالقول و هم بامره یعملون ۔ (انبیا) (اور کہتے ہیں اللہ نے کرلیا بیٹا۔ وہ پاک ہے۔ لیکن وہ بندے ہیں عزت والے اس سے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور وہ اس کے حکم پر کام کرتے ہیں)۔

شفاعت کس کی ہوگی؟

یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم ولایشفعون الّا لمن ارتضی وھم من خشیته مشفقون (انبیاء ۔ ع ۲) (اس کو معلوم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ۔ اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اسی کی جس سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں)۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو پیغمبر کی شفاعت کی امید رکھتا ہو، اس کو لازم ہے کہ پہلے اللہ کو راضی کرے اور اللہ کی رضا مندی، شرک چھوڑے بغیر ممکن نہیں ہے۔

و من یقل منھم انّی اله من دونه فذلک نجز یه جھنّم کذلک نجزی الظّا لمین ۔ (انبیا ۔ پ ۱۷) (جو کوئی کہے کہ میری بندگی ہے جو اللہ کے نیچے، یعنی اللہ کے بعد میں لائق پوجنے کے ہوں، سو اس کو ہم بدلہ دیں گے دوزخ ۔ ایسا ہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو)۔

مسلمانو! خیال تو کرو کہ قرآن مجید میں فرشتوں اور پیغمبروں کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالی سے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے جلال کے روبرو ڈرتے ہیں ۔ بے مرضی خدا کے سفارش کسی کی نہیں کر سکتے ۔ اور اس زمانے کے جاہل مسلمان ادنی ادنی پیروں کو مالک ومختار جان کر اپنی سب حاجتیں اور مرادیں ان سے مانگتے ہیں اور اپنے پیروں کی شفاعت کی امید پر گناہوں سے نہیں ڈرتے ۔ اور بعض جاہل پیرزادے کچھ لے کر اپنے مریدوں کے گناہ بھی بخشا دیتے ہیں، اور معافی کی سند بھی لکھ دیتے ہیں ۔ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر انہوں نے شیطان کے بھی کان کاٹے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

له دعوة الحقّ و الّذ ین یدعون من دونه لا یستجیبون لھم بشیء الّا کباسط کفّیه الی الماء لیبلغ فاه وما ھو ببا لغه و ما دعاء الکا فرین الّا فی ضلا ل (رعد ۔ پ ۱۳ ۔ ع ۸)۔ اللہ ہی کو پکارنا سچ ہے ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا، نہیں پہنچتے ان کے کام پر کچھ، مگر جیسے کوئی پھیلا رہا ہو دونوں ہاتھ طرف پانی کے کہ آ پہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہیں پہنچے گا ۔ اور جتنی پکار ہے منکروں کی سب گمراہی ہے)۔

یعنی اگر پیاسا دریا کے کنارے ہاتھ پھیلا کر پانی کو پکارے کہ اے پانی تو میرے منہ میں آجا، تو وہ ہرگز نہ آسکے گا ۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کے سوا اور لوگوں کو پکارتے ہیں وہ بھی مدد نہیں کر سکتے ۔ یعنی بے اختیاری میں دونوں برابر ہیں ۔ جیسے پانی کو آپ کے منہ میں گھس جانے کی

قدرت نہیں ویسے ہی اللہ کے سوا مدد کرنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ سبحان اللہ! کیا کیا مثالیں دے کر اپنے بندوں کو سمجھاتا ہے۔ اگر اس پر کوئی نہ سمجھے تو آدمی نہیں جانور ہے۔

مشکل کشائی

اللہ تعالی کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و ان یّمسسک اللّٰہ بضرّ فلا کاشف لہ الّا ھو۔ و ان یّمسسک بخیر فھو علی کلّ شیء قدیر۔ و ھو القاھر فوق عبادہ و ھو الحکیم الخبیر (انعام۔۱۷)

(اور اگر پہنچا دے تجھ کو اللہ سختی، پھر اس کو کوئی نہ اٹھاوے سوا اس کے۔ اور اگر پہنچا دے تجھ کو بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کا زور پہنچتا ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے حکمت والا خبردار)

یعنی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میری تکلیف دی ہوئی کو میرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اس زمانے کے نادان لوگ مشکل کے وقت اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں سے مدد مانگتے ہیں۔ کوئی حاضری حضرت عباس (حضرت علیؓ کے بیٹے اور حضرت حسینؓ کے بھائی عباس مراد ہیں جنہیں شیعہ حضرات عباس علمدار کہتے ہیں۔ حاضری شاید ماحضر کے معنی میں ہو۔ مطلب ان کی فاتحہ سے ہے۔ معلوم نہیں سنیوں میں اس بدعت نے کب رواج پایا) (احمد بن عمر، عرف عبدالحق۔ ایک عبادت گذار مجذوب بزرگ تھے۔ اودھ، لکھنو، کے قصبہ رودلی وطن تھا۔ وہیں ۷۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے نام کی نذر و نیاز کا نام ہی شاید توشہ ہے) کا کرتا ہے۔ کوئی مالیدہ شاہ مدار (مسعود بن ساھو نام، سالار لقب۔ شاید اس لئے کہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں سالار تھے۔ غازی اور مجاہد ۵۸۸ھ؟ میں شہادت پائی) کا چڑھاتا ہے۔ اتنا نہیں بوجھتے کہ یہ اللہ تعالی کے بندے ہیں، ان کا کیا مقدور ہے کہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو اٹھاویں۔

ہاں بعض ایک دو فارسی کی کتاب پڑھ کر اپنے آپ کو بڑا قابل سمجھتے ہیں وہ یوں تقریر کرتے ہیں کہ ہم انبیاء اولیاء سے جو مدد چاہتے ہیں سو اس سبب سے کہ بغیر سیڑھی کے بھلا کوئی کوٹھے پر چڑھ سکتا ہے یا بغیر وسیلہ امیر وزیر کے کوئی بادشاہ تک پہنچتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی بغیر سیڑھی کے کوٹھے پر چڑھنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح بغیر حکم مانے رسول اللہ ﷺ کے اللہ کا ملنا ممکن نہیں۔ اور پہلا حکم رسول اللہ ﷺ کا یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ چاہو اور مرادیں نہ مانگو۔ اب خیال تو کرو کہ تم نے سیڑھی کو چھوڑ دیا یا ہم نے۔ اور اللہ تعالی کو جو بادشاہ کی مانند سمجھے ہو، سو غلط ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ ہر جگہ سارے ملک میں نہیں پہنچ سکتا۔ ہر کسی کا مطلب آپ سن نہیں سکتا۔

سب ملک کا کام اکیلے نہیں کرسکتا۔ اس سبب سے وہ لوگوں کو کام سپرد کرتا اور صلاح لینے میں وزیر کا محتاج ہوتا ہے، اور اللہ تو بڑی قدرت والا ہے اور صلاح لینے میں کسی کا محتاج نہیں۔ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ دلوں کے بھید تک جانتا ہے۔ اس کو کیا پرواہ کہ کسی کو اپنا کام سپرد کرے یا کسی سے صلاح مشورہ پوچھے۔ اور یہ کسی فرشتے یا پیغمبر کو طاقت نہیں کہ بغیر حکم کچھ بول سکیں ۔ وہ مالک اکیلا ہے۔ زبردست شان والا۔ نہ کوئی اس کا وزیر ہے اور نہ کوئی اس کا نائب۔ سبحان اللہ! وہ آپ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس واسطے سوائے اس کے پکارنا کسی اور کو درست نہیں۔ اسی طرح اگر رسول کو پکارے تو اس کو ظالم کہا ہے۔ یہ بڑے ظالم ہیں کہ اس پر بھی نہیں ڈرتے۔ اٹھتے بیٹھتے غیر اللہ کا نام جپنے والے ظالم ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک و لا یضرّك فان فعلت فانک اذا مّن الظّا لمین۔ (یونس پ۱۱ ع ۱۶) (مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر جو تو کرے گا اس وقت گنہگاروں میں ہوگا)۔

یعنی جب حکم ہوا کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو نہ پکارو تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو لوگوں کی عادت ہے کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یا رسول اللہ ﷺ، یا علی، یا عبدالقادر جیلانی یا مخدوم کہتے ہیں اور ان کو پکارتے ہیں، سو نہ چاہیے۔ اس وقت مناسب ہے کہ یا اللہ کہیں چنانچہ دوسری آیت میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

الّذین یذکرون اللّٰہ قیاماً و قعوداً وعلی جنوبھم ۔ (آل عمران ۔ پ۴ ع ۱۱)
(یعنی مسلمان وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کو پکارتے ہیں کھڑے اور بیٹھے، لیٹے)۔

اور یہ کہیں نہیں فرمایا کہ مسلمان وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے یا محمد ﷺ، یا علیؓ کہتے ہیں۔ مسلمان کو لازم ہے کہ جو اللہ، رسول کا حکم ہو اسی پر چلے۔ اپنی طرف سے کچھ نہ نکالے۔ بہت خرابی اسلام میں اسی سے پڑ گئی ہے کہ یہ لوگ اللہ رسول کے حکم کو نہیں دریافت کرتے اپنی عقل ناقص پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و انّ المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احداً

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو لڑکوں کی بیماری میں یا اور سخت مصیبتوں میں کہنے لگتے ہیں کہ یا اللہ یا حسین ہماری خبر لو، سو یہ درست نہیں ہے۔ یہ وقت اللہ سے مدد مانگنے کا ہے صرف اللہ ہی سے دعا کیا چاہیے۔ کیا تیرے اللہ سے کچھ کام نہیں ہوسکتا ہے جو کوئی دوسرا بھی درکار

ہے۔ کیا بری عادت ہوگئی ہے کہ اللہ کے ساتھ بندوں کو بھی ملا دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اللہ رسول تمہارا بھلا کریں، کوئی کہتا ہے مدار تیری مدد پر رہیں۔ مثل ہے کہ کوئی شخص تمہاری تعظیم کر کے تم کو مسند پر بٹھا لے اور اسی جگہ تمہارے برابر تمہارے غلام کو بھی بٹھا لے، بھلا تم خوش ہو گے؟ اگر کچھ عقل ہے تو اسکا مطلب سمجھو۔

غیر اللہ سے استمداد

غیر اللہ سے استمداد ناجائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اذا سألت فا سئل اللّٰه و اذا استعنت فاستعن با للّٰه ۔ (ترمذی) (جب تو کچھ مانگنا چاہے تو اللہ سے مانگ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ سے مدد مانگ)۔

اور یہ حضرت ﷺ نے کہیں نہیں فرمایا کہ میں بڑا مقبول بندہ اللہ کا ہوں اور تمہارا نبی، مجھ سے بھی مدد مانگا کرو۔ بعض شخص اس مقام میں شبہ کرتے ہیں کہ اگر خدا کے سوا کسی سے مدد چاہنا درست نہیں تو چاہیے کہ حاکم سے فریاد کرنا، حکیم سے علاج کروانا، نوکر سے پانی مانگنا، ہاتھ میں لاٹھی رکھنا بھی درست نہ ہو۔ اس واسطے کہ ان کاموں سے بھی خدا کے سوا اور چیزوں سے مدد چاہنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالی نے ان چیزوں کو انہی کاموں کے واسطے سبب مقرر کیا ہے۔ پانی پینے کے واسطے پیدا کیا ہے، اور دوائیاں بیماری کے واسطے۔ مگر مدار، سالار کو اس واسطے نہیں پیدا کیا کہ لوگوں کو رزق اور بیٹے دیا کریں۔ اور انبیاء اولیاء سب ان کاموں کو کرتے تھے یعنی لاٹھی بھی ہاتھ میں رکھتے تھے۔ علاج بھی کرتے تھے اور حق تعالی نے ہم کو بھی ان کاموں سے منع نہیں فرمایا۔ غرض کہ مدد اور استعانت مانگنا اسی طرح کا منع ہے کہ جس سے شرک لازم آوے اور نوبت نذر نیاز کرنے اور منت ماننے کی پہنچے۔

نذر و نیاز غیر اللہ کی ممانعت۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و یجعلون لمالا یعلمون نصیباً ممّا رزقنهم تاللّٰه لتسئلنّ عما کنتم تفترون (نحل۔۵۶) (اور ٹھیراتے ہیں ایسوں کو جن کی خبر نہیں رکھتے ہیں ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے، قسم اللہ تم سے ضرور پوچھنا ہے جو جھوٹ باندھتے تھے)۔

یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں، جانوروں میں، سوداگری میں، اللہ کے سوا کسی کی نذر نیاز ٹھہراتے تھے جیسے آگے کے لوگ ویسے اب بھی ہیں۔ جانوروں میں حصہ جیسے سید احمد کبیر کی

گائے۔ شیخ سدو کا بکرا۔ شاہ مدار کی مرغی اور کھیت سوداگری میں ، چٹکی حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی اور شاہ مدار کی نکالتے ہیں اور پیسہ امام ضامن کا بازو پر باندھتے ہیں۔ سوفرمایا یہ سب اللہ کا مال ہے ۔اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ۔ اس کے بدوں حکم کسی کا حصہ اپنی طرف سے نہ ٹھہراؤ۔ ہاں یہ البتہ درست ہے کہ اس کو اللہ کی نذر کرو اور اس کا ثواب جو تم کو ملتا ہے ان کی روح کو بخش دو۔ لیکن نام ٹھہرا دینا کہ یہ چیز فلاں بزرگ کی ہے، یہی منع ہے

☆ فصل دوم : مشرکین کی حماقتیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و الّذین یدعون من دون اللّٰہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون ، اموات غیر احیاء و ما یشعرون ایّان یبعثون ۔(نحل۔ ع ۸) (اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا، کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا کئے جاتے ہیں ۔ مردے ہیں جن میں جی نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ کب قبروں سے اٹھائے جاویں گے)۔

اس مقام میں حق تعالی مشرکوں کی حماقت اور نادانی کو بیان کرتا ہے ۔ یعنی مدد مانگنے اور پکارنے کے لائق تو وہ شخص ہے کہ جس نے کچھ پیدا کیا ہو اور زندہ بھی ہو۔ مشرک ایسے احمق ہیں ، ان کو پکارتے ہیں جو مردے ہیں جن میں جان نہیں اور کسی کو کیا پیدا کریں کہ خود آپ پیدا کئے گئے ہیں ۔ اسی طرح ہمارے زمانے کے جاہل مسلمان مردے بزرگوں سے حاجتیں مانگتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ خود اپنے جینے مرنے میں کسی اور کے محتاج تھے ۔ وہ دوسرے کی مدد کیا کریں گے ۔

بعض جاہل جو اپنے آپ کو قابل سمجھتے ہیں یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کے وقت میں عرب کے کافر بت پوجتے تھے اور ان سے مدد چاہتے تھے ۔ سو اللہ کے قرآن شریف میں بتوں کی مدد مانگنے سے البتہ منع فرمایا ہے اور کچھ انبیاء اولیاء کی مدد مانگنے سے منع نہیں کیا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالی نے جہاں شرک سے منع کیا ہے لفظ من دون اللّٰہ کی تصریح فرمائی ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو اور کسی کو نہ پوجو۔ بس اس میں تو سبھی آ گئے ، بت بھی اور انبیاء اولیاء بھی ۔ اور یہ کسی آیت میں نہیں فرمایا کہ تم اپنی حاجتیں بتوں سے تو نہ مانگو لیکن میرے پیر پیغمبروں سے مانگو۔ بلکہ اپنی ذات پاک کے سوا کوئی ہو، سب سے منع فرمایا ہے اور مدد تو اس سے مانگئے جس کو کچھ اختیار بھی ہو اور حق تعالی تو صاف پہلی آیت میں فرما چکا ہے کہ پیغمبر تک کو اپنی جان کا کچھ اختیار نہیں ۔

مدار سالار بے چارے کو کون پوچھے۔ اللہ کے روبرو عاجز ہونے میں اور بے اختیار ہونے میں ہم اور ولی اور پیغمبر سب برابر ہیں۔ لیکن رتبے میں بڑا فرق ہے، وہ بندے مقبول، ہم گنہ گار۔ وہ ہمارے نبی سردار، ہم ان کی امت تابعدار۔ جس طرح سپاہی، رسالدار، بادشاہ کے نوکر ہونے میں دونوں برابر ہیں مگر مرتبے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بتوں اور نبیوں، سب کی پرستش کفر ہے: اللہ تعالی فرماتے ہیں:

افحسب الّذین کفروا ان یّتخذوا عبادی من دونی اولیاء ۔ انّا اعتدنا جھنّم للکا فرین نزلاً (، کہف۔ ۱۰۲) (اب کیا سمجھے ہیں منکر کہ ٹھہراویں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی۔ ہم نے رکھی ہے دوزخ منکروں کی مہمانی)۔

حضرت ﷺ کے وقت میں کافر دو قسم کے تھے۔ بہت ان میں سے بتوں کو پوجتے تھے اور بعض کافر پیغمبروں کی روح کو۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کی روح کو پوجتے تھے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ سو اللہ تعالی نے دونوں کو کافر کہا اور اس آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ بڑے احمق ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا اپنا حمایتی ٹھہراتے ہیں۔ یعنی پیغمبر اور اولیاء ہر چند کہ پاک لوگ ہیں لیکن آخر میرے غلام اور میرے بندے ہیں۔ میرے ہوتے ان سے حمایت چاہنا کب لائق ہے۔ بھلا دھیان تو کرو۔ میاں کے ہوتے میاں کی چیز کو اس کے غلام سے مانگنا کیسی بڑی نادانی ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیے کہ انبیاء اور اولیاء کو ایک طرح وسیلہ پکڑنا درست ہے۔ وہ یہ کہ خدا کی جناب میں یوں عرض کریں کہ الٰہی محمد ﷺ کے طفیل یا علی مرتضیٰؓ کے تصدّق سے میری فلانی حاجت روا کر۔ سوائے اس کے ہرگز درست نہیں۔ (حدیث کی رو سے دعا کے پہلے اور دعاء کے آخر میں درود شریف پڑھنا دعاء کے قبول ہونے کا سبب ہے۔ کسی کی طفیل کا وسیلہ پکڑنا، فضیلت والے تین زمانوں اور آئمہ اربعہ سے صحیح و صریح طریقہ سے ثابت نہیں لہذا اس سے بھی احتراز چاہیے۔ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی)۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا، اللہ کی ناقدری کرنا ہے: اللہ تعالی فرماتے ہیں:

یا ایّھا النّاس ضرب مثل فاستمعوا له ۔ انّ الّذین تد عون من دون اللّه لن یّخلقوا ذباباً و لو اجتمعوا له ۔ و ان یسلبھم الذّباب شیئاً لا یستنقذوه منه۔ ضعف الطّالب و المطلوب ما قدروا اللّه حقّ قدره انّ اللّه لقویّ عزیز (حج) (اے لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے اس کو سنو۔ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، ہرگز نہ بناسکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں۔ اور اگر کچھ چھین لے ان سے، تو چھڑا نہ سکیں اس سے۔

دونوں کمزور ہیں مانگنے والا بھی اور جس سے مانگا۔لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے۔ بے شک اللہ زور والا ہے زبردست)۔

یعنی جو لوگ اللہ کے سوا بتوں یا پیروں سے مرادیں مانگتے ہیں افسوس ہے کہ وہ اللہ کی قدر جیسی چاہیے ویسی نہیں سمجھتے۔اگر سمجھتے ہوتے تو اللہ، زبردست جہان کے پیدا کرنے والے، کی قدر پہچانتے۔ان بے چاروں سے، کہ جن سے ایک مکھی تک نہیں بن سکتی، کاہے کو حاجتیں مانگتے۔ خاک پڑے اس کی سمجھ بوجھ پر جو بادشاہ کے روبرو فقیر سے مانگے۔

غیر اللہ کو پکارنے والے عقل سے کورے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و ما یتّبع الّذین یدعون من دون اللّٰہ شرکاء ان یّتّبعون الّا الظّن و ان ھم الّا یخرصون۔ (یونس۔ پ ۱۱۔ ع ۲۲) (اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں شریک پکارنے والے اللہ کے سوا کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں)۔

یعنی جو شخص اللہ کے سوا کو مدد کے واسطے پکارتے ہیں بالکل عقل سے خالی ہیں۔بت پوجنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بت تو پتھر ہیں ہم جو ان کے آگے گاتے بجاتے ہیں حاجتیں طلب کرتے ہیں یہ کیونکر سنیں گے۔خود آپ تو جگہ سے ہل نہیں سکتے ہماری مدد کیا کریں گے۔

جہالت کے کرشمے:

اسی طرح جاہل مسلمانوں کو خبط ہو گیا ہے کہ بزرگوں کی قبریں پوجنے لگے ہیں اور یہ سمجھے ہیں کہ انبیاء اولیاء خدا کے کارخانے کے مختار ہیں جن کو جو چاہتے ہیں سو دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ بندے خود آپ ہر چیز میں اللہ تعالی کے محتاج تھے، وہ کہاں سے مختار ہو گئے۔اور اسی طور پر بعض مرد اور عورت نے جن، پری اپنے خیال سے تراشے ہیں نام رکھا ہے دریا پری، شاہ پری ،آسمان پری۔ کوئی ان احمقوں سے پوچھے کہ تم نے کیا ان کو دیکھا ہے یا خدا رسول نے تم کو بتلایا ہے۔تم ان کو کہاں سے سمجھے جو ان کو پوجنے لگے۔(یہاں سے کوئی وجود جنوں کا انکار نہ سمجھے کیونکہ وجود جنوں کا تو قرآن شریف سے ثابت ہے۔لیکن شاہ پری، آسمان پری اپنی طرف سے جو نام ٹھہرا لئے ہیں اور ان کی منت مانتے ہیں اس میں گفتگو ہے) اور اسی طرح سے ہندو اور جاہل مسلمانوں کی عورتیں اور بعض جاہل مسلمان جورو کے غلام چیچک کے مرض میں خود بھی بت پوجتے ہیں اور مالن کو بھی بلاتے ہیں۔اور اگر ایسا ہوا

کرتا کہ مسلمانوں کے لڑکے چیچک سے مرجایا کرتے اور ہندوؤں کے جیتے رہتے تو شاید کوئی مسلما ن لڑکے والا بت پوجنے سے باقی نہ رہتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جیسے گرمی کی بیماریاں اور ہیں ویسے چیچک بھی ہے۔اس سے،اور مردار دیوی بھگوانی سے کیا علاقہ۔

غرض کہ سچ فرمایا ہے اللہ تعالی نے کہ جو لوگ شرک کرتے ہیں بڑے احمق ہوتے ہیں ۔صرف اپنے خیال اور وہم پر چلتے ہیں۔ نہ کوئی ان کے پاس دلیل اور نہ کوئی سند۔ فی الحقیقت اگر احمق نہ ہوتے تو اللہ جیسے مالک کو چھوڑ کر کیوں اِدھر اُدھر بھٹکتے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قل ارأیتم ما تد عون من دون اللّٰہ ارونی ما ذا خلقوا من الارض ام لھم شر ك فی السّماوا ت ایتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارةٍ من علم ان کنتم صادقین ۔(احقاف۔پ ۲۶ ع ۱) (کہہ تو اے محمد مشرکوں سے بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں، یا ان کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی اس قرآن سے پہلے کی کتاب یا کوئی علم چلا آتا اگر تم سچے ہو)۔

جیسا ان لوگوں سے یہ پوچھا گیا تھا ویسا ہی اس زمانے کے لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ عقل کے نزدیک تو مانگئے اس سے جس کے ظاہر میں کچھ قدرت بھی نمودار ہو۔تم جو امام اور پیروں سے مرادیں مانگتے ہو، کیا سمجھ کر، بھلا بتاؤ تو کہ حضرت عباسؓ نے کون سا آسمان پیدا کیا ہے؟ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے کون سا دریا بہا دیا ہے اور سید سالار نے کون سی مکھی بنائی اور شاہ مدار نے کون سی چیونٹی پیدا کی۔ اور اگر ان سے کچھ نہیں بن سکا تو پھر تم کیوں گمراہ ہوئے اور ان سے مرادیں مانگنے لگے۔ اور قرآن شریف سے زیادہ کون کتاب ہے جس پر تم چلتے ہو، یا ان بزرگوں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ ہم بڑی قدرت والے ہیں ہم سے اپنی حاجتیں مانگا کیجئے ، اور ہمارے جھنڈے نشان چڑھایا کرنا۔ خدا کے واسطے ذرا تو آنکھیں کھولو۔ ہوش سنبھالو تمہارے پاس اس پر کون سی سند ہے۔

کئی نادان ایسا کلام سن کے کہتے ہیں کہ ہم جو اپنے پیروں سے مانگتے ہیں سو مراد ہماری بر آتی ہے۔ دیکھو فلاں دفعہ ہم نے شاہ مدار سے بیٹا مانگا تھا سو ہم کو ملا، اور ایک بار ناؤ ڈوبنے لگی ہم نے سید سالار کو پکارا انہوں نے بچا لیا، تو ایسی باتوں سے ہم کو معلوم ہوا کہ ان کو بڑی قدرت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے تم کہتے ہو ویسے ہندو بھی کہتے ہیں کہ جو مراد ہم دیوی بھوانی سے مانگتے ہیں سو وہ ہم کو ملتی ہے۔تو چاہیے کہ ان کو بھی پوجو کہ جیسی تمہارے پیروں کو قدرت ہے

ویسی بتوں کو بھی۔ الٰہی ! کیسا شیطان نے گمراہ کیا ہے کہ اصل بات مطلق نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے ایک شخص کا چھوٹا لڑکا دودھ پینے کے سبب سے اپنی دایہ سے ہل گیا ہے۔ مٹھائی اور جس چیز کو لڑکے کا جی چاہتا ہے وہ اپنی دایہ سے کہتا ہے اور باپ جانتا ہے کہ دایہ ہر چیز کہاں سے دے سکے گی، سو وہ آپ اس کو لے دیتا ہے۔ یہ لڑکا ناسمجھ جانتا ہے کہ چیز مجھ کو میری دایہ نے دی۔ بس اسی طرح اللہ کو تو اپنے بندوں پر باپ سے بھی زیادہ رحم ہے اور ان کی حاجتیں خوب جانتا ہے، سو اپنے کرم سے بر لاتا ہے۔ ہندو کم بخت اس کو بتوں سے سمجھتے ہیں اور جاہل مسلمان اپنے پیروں سے۔ لیکن منصفی کی بات یہ ہے کہ جس کا کھائے اس کا گائے۔

قبروں والے اور بت کوئی پکار نہیں سنتے: اللہ تعالی فرماتے ہیں :

و من ا ضلّ ممّن یّد عوا من دون اللّٰہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غا فلو ن ۔ و اذا حشر النّاس کا نوا لھم اعداء و کا نوا بعباد تھم کا فرین (احقا ف ۔پ ۲۶ ع ۱) (اس جیسا گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ہے ان کے پکارنے کی اور جب قیامت کو لوگ جمع کئے جائیں تو وہ ان کے ہوں گے دشمن اور ہوں گے ان کے پوجنے سے منکر)

یعنی اللہ کے سوا کسی کو کچھ اختیار تو نہیں، سو جو لوگ کہ بتوں یا بزرگوں سے کچھ مدد چاہتے ہیں اگر قیامت تک پکاریں گے ان سے کچھ بن سکے گا۔ اور مدد تو وہ شخص کرے جس کو کچھ ان کے حال کی خبر بھی ہو، سو اللہ تعالی نے فرمایا کہ ان کو ان لوگوں کے پکارنے کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کو کون پکارتا ہے۔ یعنی غیب کی بات جاننا اور ہر جگہ حاضر ناظر رہنا، یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ بندے ہر چند کہ پیغمبر ہوں مگر اللہ تعالی کے بغیر بتلائے، کیا جانیں۔ عجب لوگ نادان ہیں کہ کوسوں اور منزلوں سے بزرگوں کو پکارتے ہیں، یا حضرت فلاں! مدد کر ہماری۔ یہ نہیں سوچتے کہ وہ اتنی دور سے کیوں کر سنیں گے۔ کیا وہ سب عالم میں گشت کرتے پھرتے ہیں۔ یا معاذ اللہ ! خدا ہیں جو سارے جہان میں حاضر ناظر رہتے ہیں۔ زندگی میں تو دور کی بات نہیں سنتے تھے اب مرنے کے بعد خوب سننے لگے۔

اور جن کو پکارتے ہو وہ تمہارے دشمن ہوں گے۔ جب بات یہ ہے کہ قیامت کو لوگ جس جس کو دنیا میں اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے اور نذریں نیازیں مانا کرتے تھے۔ ان کے پاس جاویں گے حق تعالی فرماتا ہے کہ وہ ان سے غصے ہوں گے اور کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ ہم نے تم

سے کب کہا تھا کہ تم اپنی مرادیں ہم سے مانگا کرو۔ بھلا بتاؤ کہ ہم نے کس کتاب میں لکھ دیا تھا؟ ہمارا کیا مقدور کہ ہم اللہ کے کار میں دخل کرتے۔ ہماری بلا سے، جیسا کیا ویسا بھگتو۔

بعض نادان جب یہ سنتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کسی نبی یا ولی کو حاجت بر لانے کی قدرت نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ بزرگوں سے منکر اور بے اعتقاد ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ ہم ان سے بے اعتقاد نہیں ہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ وہ مقبول بندے ہیں ان کو بھی مرتبہ اللہ کی غلامی اور فرمانبرداری میں ملا۔ لیکن تمہاری طرح خدا کے کام میں ان کو مختار نہیں جانتے۔ اور ٹھیک بات یہ ہے کہ جس کے ساتھ محبت اور اعتقاد رکھتا ہے تو اس کا طریق اختیار کرتا ہے۔ اور اگر تمہارا انبیاء و اولیاء کے ساتھ سچا اعتقاد ہوتا تو تم ان کے فرمان پر چلتے اور اپنی طرف سے بدون حکم ان کے کچھ ایجاد نہ کرتے۔

سب جاہلوں کا یہ معمول ہے کہ جب کچھ جواب نہیں بنتا ہے اور تقریر میں بند ہوتے ہیں تو عاجز ہو کر آخر کو یوں جواب دیتے ہیں کہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی پیر پیغمبر سے مرادیں مانگنا درست نہیں، یہ بات تو نئی ہے ہم نے اپنے باپ دادا سے کبھی نہیں سنی۔ کیا آگے عالم فاضل نہ تھے؟ اب تم ایک نئے پیدا ہوئے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس مقدمے میں قرآن شریف کی آیتیں بیان کرتے ہیں اور قرآن کو اترے صدیاں گزری ہیں اور جن امام اور پیروں سے تم مرادیں مانگتے ہو وہ بعد پیغمبر ﷺ کے پیدا ہوئے ہیں۔ ذرا غصے کو تھوکو۔ منصفی کرو کہ اب تمہاری بات نئی ہے یا ہماری؟ اور ہر زمانے کے عالم فاضل کتابوں میں برائی شرک کی لکھتے آئے ہیں۔ آج تک کسی عالم دین دار نے نہیں کہا کہ سوائے اللہ کے کسی انبیاء اولیا سے بھی مرادیں مانگنا درست ہے، اور نہ کوئی عالم قرآن کا واقف یہ کبھی کہے گا۔ اور اگر تم کو ہمارے کہنے میں کچھ بھی شبہ ہو تو کسی اور عالم فاضل سے ان آیتوں کے معنی پوچھو۔ دیکھو تو یہی مطلب بیان کرتا ہے یا کچھ اور۔ شیعہ اور اہل سنت سب اس بات میں موافق ہیں، شرک میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور تم اپنے باپ دادا سے کیا سنتے۔ جیسے تم جاہل ہو اور قرآن و حدیث کے معنی نہیں جانتے وہ بھی ویسے ہی ہوں گے۔ بھلا اندھا بھی کہیں اندھے کو راہ بتلاتا ہے اور صاف صاف تو یہ ہے کہ ہم ایمان محمد ﷺ پر لائے ہیں۔ کچھ باپ دادے پر ایمان نہیں لائے ہیں جو ان کی ہر بات کو مانیں۔ اگر باپ دادے کا طریق موافق پیغمبر کے ہے تو ہم ان کے تابع ہیں اور نہیں تو ہم محمد ﷺ کی راہ پر چلیں گے۔ جن کا طریق سب طریقوں سے بہتر ہے۔ بھلا ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے باپ دادا مفلس ہوں، روٹی کے محتاج اور تم

کو خدا اپنے کرم سے مال و دولت دے تو تم اس مال کو رکھو گے یا پھینک دو گے کہ باپ دادے کے پاس تو مال نہ تھا، ہم کو لینا نہ چاہیے۔ سبحان اللہ! دین قبول کرنے میں تو باپ دادے یاد آئے اور مال لینے کو تیار۔

اور عجب اتفاق ہے کہ جیسے اب کے جاہل مسلمان باپ دادے کی رسم اور عادت کو دلیل پکڑتے ہیں اور منع کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں۔ ویسے مکہ کے کافر، پیغمبر خدا کو جواب دیتے تھے چنانچہ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

و اذا قیل لھم اتّبعوا ما انزل اللّٰہ قا لوا بل نتّبع ما الفینا علیہ آ باء نا او لو کان آ باء ھم لا یعقلون شیئاً و لا یھتدون ۔ (بقرہ۔ پ ۲ ع ۵) جب ان کافروں سے کہیے چلو اس پر جو اتارا اللہ تعالی نے۔ کہتے ہیں ہم چلیں گے اس پر جس پر دیکھا اپنے باپ دادا کو۔ بھلا اگر چہ ان کے باپ دادا نہ عقل رکھتے ہوں کچھ اور نہ راہ کی خبر تو بھی)۔

یعنی باپ دادے کی فرمانبرداری وہیں تک بہتر ہے جس میں جہالت نہیں ہے اور جب معلوم ہوا کہ ان کی رسم سراسر خلاف حکم خدا کے ہے۔ پھر اس پر ہرگز نہ چلنا چاہیے۔ کیا غضب کی بات ہے کلمہ تو محمد ﷺ کا پڑھیں اور راہ چلیں شیخ سدو کی۔

توحید خالص سے ناخوشی کافروں کا وصف ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و اذا ذکر اللّٰہ و حدہ اشمازّت قلوب الّذین لا یومنون بالآخرۃ و اذا ذکر الّذین من دونہ اذا ھم یستبشرو ن (زمر۔ پ ۲۴ ع ۲) (جب نام لیجئے اللہ کا بھجتے ہیں دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا پھر تو وہ خوش ہو جاتے ہیں)۔

افسوس ہے کہ اب جاہل مسلمانوں کی بھی اگلے کافروں کی سی عادت ہوگئی ہے کہ صرف اللہ کے ذکر سے یہ بھی خوش نہیں ہوتے ہیں۔ یعنی جب ان سے کہیے کہ سوائے اللہ کے کسی کو کچھ اختیار نہیں اور کسی کی نذر نیاز، منت ماننا درست نہیں تو منہ بگاڑ کر سن ہو جاتے ہیں اور جب خدا کے سوا مدار، سالار کے جھنڈے کا نشان ہو تب راضی ہوتے ہیں۔

بعض نا واقف قرآن کے کہتے ہیں کہ انبیاء اولیاء خود مالک مستقل تو نہیں لیکن ان کی منت مان کر نذر نیاز کرنا اور حاجتیں مانگنا اس نیت سے کہ یہ اللہ کے حکم سے حاجت روائی عالم کرتے ہیں درست ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اس بات کو کسی آیت یا کسی حدیث صحیح

سے ثابت کردو کہ انبیاء اولیاء کو میں نے اپنی طرف سے مختار کر دیا ہے۔ میرے حکم سے پانی برساتے ہیں، اولاد دیتے ہیں۔ بیماریوں کو اچھا کرتے ہیں ان کی منت مان کر نذر نیاز لوگ کیا کریں، اور اگر یہ قرآن وحدیث میں نہیں ہے اپنی طرف سے کہتے ہو تو بہت برا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو لازم نہیں کہ دین میں اپنی عقل ناقص کو دخل دیں۔ ہاں البتہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے اکثر کاموں میں داروغہ ہیں، لیکن اختیار ان کو بھی نہیں کہ جو چاہیں سو کریں۔ ہر کام پر جیسا حکم ہوتا ہے ویسا کرتے ہیں۔ اب کوئی شخص فرشتوں کو داروغہ جان کر کچھ مانگے تو اس کی نادانی ہے کیونکہ وہ تو محض بے اختیار ہیں حکم کے تابع۔

اور جاننا چاہیے کہ حضرت ﷺ کے وقت کے مشرک یہ نہیں کہتے تھے کہ بت اللہ کے برابر ہیں۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ سب کا مالک اللہ ہی ہے لیکن بت ہمارے سفارشی ہیں، اس کے حکم سے ہماری حاجت روائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں مذکور ہے:

> الا للّٰہ الدّین الخالص ۔ و الّذین اتّخذوا من دونہ اولیاء ما نعبد ھم الّا لیقرّ بونا الی اللّٰہ زلفی (زمر۔۳) (اللہ ہی کو ہے بندگی خالص اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے نیچے حمایتی کہتے ہیں کہ ہم ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف پاس کے درجے میں)

اور اسی طرح دوسری آیت میں ہے:

> و یعبدون من دون اللّٰہ ما لا یضرّ ھم ولا ینفعھم و یقولون ھٰؤلاء شفعاء نا عند اللّٰہ قل اتنبّئون اللّٰہ بما لا یعلم فی السّماوات ولا فی الارض سبحانہ و تعالٰی عمّا یشرکون ۔ (یونس۔ ۱۸) اور پوجتے ہیں اللہ کے نیچے، جو برا نہ کریں ان کا، نہ بھلا۔ اور کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ تو کہہ (اے محمد ﷺ) تم اللہ کو بتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور بہت دور ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں)۔

ان دو آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ عرب کے کافر بتوں کو اللہ کے برابر نہیں کہتے تھے لیکن کارندے مختار جان کر ان کی نذر نیاز کرتے تھے۔ سو خدا نے اس کو بھی شرک فرمایا ہے۔ سبحان اللہ! جس شرک کے مٹانے کے واسطے قرآن شریف اترا، پیغمبر خدا ﷺ کافروں سے لڑے، وہی شرک اب کے جاہل مسلمان بھی کرنے لگے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ کافر بتوں سے حاجتیں مانگتے تھے

اور اب کے لوگ بتوں سے تو نہیں مانگتے لیکن پیروں سے مانگتے ہیں۔ اس کی وہی مثل ہے کہ گائے دونوں طرح مری، قصائی سے بچی تو شیر کے پالے پڑی۔ جیسے کافر کہتے تھے کہ سب کا مالک اللہ ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر اوروں سے مدد چاہتے تھے ویسے یہ لوگ بھی۔ غرض کہ شیطان دشمن جانی ہے۔ انسان کا وہ بھلا ہرگز نہیں چاہتا کہ آدمی اللہ تک پہنچے کسی کو بت کے پاس اٹکاتا ہے اور کسی کو پیر کے پاس۔ اصل مطلب سے دونوں دور پڑے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ضرب اللّٰہ مثلاً رّجلاً فیہ شرکاء متشا کسو ن و ر جلاً سلماً لّر جل۔ ھل یستو یان مثلاً ۔ الحمد للّٰہ ۔بل اکثرھم لا یعلمون ۔ (زمر۔۲۹) اللہ نے بتائی ایک مثال۔ ایک شخص ہے اس میں کئی شریک مساوی حصہ دار ہیں، اور ایک شخص صرف ایک ہی کا غلام ہے۔ کیا برابر ہے دونوں کی مثل۔ سب خوبی اللہ کو ہے، بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے)۔

یعنی جو شخص کئی کا غلام ہو، کوئی اس کو اپنا نہ سمجھے تو اس کی پوری خبر گیری نہ کرے اور اگر وہ غلام کسی سے کچھ مانگے تو ایک دوسرے پر ٹالے کہ اوروں سے بھی مانگ۔ کیا تو نرا ہمارا ہی غلام ہے۔ اور جو شخص ایک کا غلام ہو تو وہ اپنا سمجھے اور پوری خبر لے کیونکہ مالک جانتا ہے سوائے میرے اس کا اور کون ہے۔ یہ اللہ تعالی نے مثال فرمائی اس کی جو صرف اللہ ہی کو اپنا مالک جانے اور سوائے اس کے کسی سے مدد نہ مانگے اور جو شخص کہ کسی سے امید نہ رکھے۔

فی الحقیقت شرک والے کو بڑی مصیبت ہے۔ اس کا دل ہر طرف بٹا ہے۔ کبھی شاہ مدار سے کہتا ہے۔ کبھی سید سالار سے التجا کرتا ہے۔ کبھی حضرت عباس کے آگے ناک رگڑتا ہے کبھی کہتا ہے کہ سید عبد القادر جیلانی بڑے پیر ہیں، لاؤ ان کی منت مانو، شاید وہی مجھ پر کرم کریں۔ اور جو اللہ ہی سے امید رکھتا ہے بڑے چین اور آرام میں ہے۔ اس نے ایک بڑے مالک کا دروازہ پکڑ لیا ہے کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ نبی ولی سب اس کے بندے ہیں۔ کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ اس کا دھیان کسی طرف نہیں جاتا۔

اور ہر چند شرک والوں کی عاقبت تو تباہ ہے لیکن شرک کرنے سے ان کا دنیا میں بھی بڑا نقصان ہے کہ دور دور منزلوں سے خرچ کر کے قبریں پوجنے کو جاتے ہیں اور ہزاروں روپئے نذر نیاز میں اٹھاتے ہیں تو عاقبت بھی کھوئی اور دنیا بھی۔

قرآن پاک میں ہے:

و قال ربکم ادعونی استجب لکم (غافر-۶۰) اللہ تعالی فرماتے ہیں، لوگو! مانگو مجھ سے میں قبول کرونگا)۔

یعنی مجھ کو مثل بادشاہ کے یا دیگر حاکموں کے نہ سمجھنا کہ جو سلطنت اور سرداری کے غرور سے کسی غریب کی بات نہیں سنتے ہیں۔ تم کو جو حاجت ہوا کرے مجھ سے کہا کرو میں اپنے کرم سے تمہاری دعا قبول کرونگا۔

یارو خیال تو کرو کہ اللہ تعالی تو لوگوں کو مہربانی سے اپنی طرف بلاتا ہے اور یہ نادان لوگ کدھر بہکے جاتے ہیں۔ مثل ہے کہ ایک شخص کا پیسہ روز روشن میں بیچ میدان کے گر پڑے اور وہ شخص چراغ جلا کر تلاش کرنے لگے تو لوگ اس کو کہیں گے کہ یہ شخص بڑا احمق ہے کہ ہوتے سورج کی روشنی کے لئے چراغ لئے پھرتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ احمق ہیں کہ ہوتے اللہ سے داتا کے اوروں سے حاجتیں مانگتے ہیں اور اندھے کی طرح ہر ایک طرف بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اللہ ایسا کریم ہے کہ تم آگے کچھ نہ تھے تم کو پیدا کیا۔ اگر سور کتا کر دیتا تو تم کیا کرتے؟ اپنے کرم سے تم کو آدمی بنا دیا۔ پھر بدوں کہے تمہارے روح، دل، ہاتھ، پیر آنکھ ناک کان دیئے کہ ایک آنکھ وہ نعمت ہے کہ اگر لاکھ روپئے کوئی تم کو دے اور آنکھ کو تم سے مانگے تو تم سے کبھی نہ دی جاوے۔

بھلا سوچو تو! کہ جس نے بغیر مانگے تم کو یہ نعمتیں دیں کیا مانگنے سے نہ دے گا جو تم ادھر ادھر ایمان بھٹکتے پھرتے ہو۔ آدمی کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالی سے کون مطلب نہیں ہوسکتا جو دوسرا درکار ہو۔

مسلمانو! جب تم کو قرآن شریف سے صاف معلوم ہوا کہ سوائے اللہ تعالی کے کوئی مالک نہیں اور نہ کسی پیر پیغمبر کو اس نے اپنی طرف سے مختار کر دیا ہے، اگر قرآن پر ایمان لائے ہو اور خدا کو منہ دکھانا ہے تو اس کے حکم پر چلو اور اس کے سوا کسی سے حاجتیں نہ مانگو۔ جب تک نہیں معلوم ہوا تھا، ناچار تھے اب تم پر فرض ہے کہ شرک سے توبہ کرو۔ خدا کے واسطے ضد نہ کرو۔ اپنے دل میں سوچو کہ شرک چھوڑنے میں تمہارا کیا نقصان ہے۔ اگر پیروں کے چھوٹنے کا غم ہے تو اللہ تعالی سا مالک تم کو ملتا ہے جس سے تمہارے پیر بھی حاجتیں مانگا کرتے ہیں اور اگر بغیر خرچ کئے تم سے نہیں رہا جاتا تو جس قدر مال تم پیروں پیغمبروں کی منت میں اٹھاتے ہو سو اب اللہ تعالی کی نذر کر کے اٹھاؤ۔ بھلا جب تم کو مل گیا اللہ، پھر کب رہی دوسرے کی پرواہ۔ مثل مشہور ہے کہ اللہ یار ہے تو بیڑہ پار ہے۔

☆ فصل سوم : تعظیمات الٰہیہ

یادرکھو کہ اللہ تعالی نے اپنی تعظیم کے واسطے کئی چیزیں خاص کر لی ہیں کہ وہ دوسرے کو کرنا درست نہیں جیسا کہ دنیا میں بادشاہوں نے تخت پر بیٹھنا اپنے واسطے مخصوص کرلیا ہے کہ دوسرا اگرچہ وزیر ہو مگر اس پر بیٹھ نہیں سکتا۔

اول، ان میں سجدہ ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں :

لا تسجدوا للشّمس و لا للقمر و اسجدوا للّٰہ الّذی خلقھنّ ان کنتم ایاہ تعبدون (حم سجدہ ۔۳۷)(سجدہ نہ کروسورج اور چاند کو، اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو)۔

یعنی سجدہ کرنے کے لائق وہی ہے جس کو پیدا کرنے کی قدرت ہو اور جو خود اپنے پیدا ہونے میں دوسرے کا محتاج ہو، اسے سجدہ نہ چاہیے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولیاء کی قبروں کو اور تعزیئے کو سجدہ حرام ہے۔بعض ناواقف کہتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا اور حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو۔پس اسی طرح ہم بھی بزرگوں کو کرتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ سجدہ کرنا آگے درست تھا لیکن ہمارے پیغمبر ﷺ کے دین میں منع ہو گیا جیسے حضرت آدمؑ کے وقت میں سگی بہن سے نکاح کرنا درست تھا، اب حرام ہے۔

دوسرے، روزہ رکھنا بھی سوائے اللہ کے دوسرے کا نہ چاہیے۔نادان لوگ حضرت علیؓ کا روزہ رکھتے ہیں۔ بعضے تمام دن کا بعض ہندوؤں کی طرح سوا پہر کا۔روزہ رکھنا بندگی ہے اور بندگی اللہ کے سوا کسی کی درست نہیں ۔ اللہ کا روزہ رکھنا اور اس کا ثواب حضرت علیؓ کی روح کو بخشنا درست ہے۔

تیسرے، جانور کا ذبح کرنا، یہ بھی اللہ کے واسطے خاص ہے۔ آپ نے ﷺ فرمایا

لعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ (نسائی ج ۲ص ۲۰۰ مکتبہ سلفیہ) (لعنت کرے اللہ اس پر جو ذبح کرتا ہے جانور کسی اور کے واسطے اللہ کے سوا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا سید احمد کبیر کی گائے (سید احمد کبیر بن سید جلال الدین بخاری ف ۷۸۵ھ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اس لئے سید احمد کبیر کہلائے ، اوچ سابق ریاست

بہاولپور میں ان کی قبر ہے) اور عبد القادر جیلانی کا بکرا کہنا اور ان کا نام رکھ کر ذبح کرنا درست نہیں۔ لیکن جانور کا ذبح کرنا کھانے اور بیچنے کے واسطے درست ہے کیونکہ اس میں کچھ شرک اور منت نہیں ہے صرف گوشت سے غرض ہے اور جو جانور کہ پیروں اور بتوں کے واسطے ذبح ہو اس کا گوشت کھانا بموجب اس آیت کے درست نہیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حرّمت علیکم المیتة و الدّم و لحم الخنزیر و ما اھلّ لغیر اللّٰه به (مائدہ۔ پ ٦۔ ع ١) (حرام ہے تم پر مردہ اور خون اور گوشت سؤر کا اور وہ چیز حرام ہے کہ جس پر نام پکارا گیا کسی اور کا اللہ کے سوا)۔

نام کا پکارنا دو قسم ہے۔ایک ذبح کرنے سے پہلے نام رکھ دینا کہ یہ بکرا عبد القادر جیلانی کا ہے، یا شیخ سدو کا، یا بھوانی کا بھوگ ہے۔ دوسرے ذبح کرنے کے وقت نام لینا۔ سو اب کے لوگ ذبح کے وقت بموجب عادت کے اللہ اکبر کہتے ہیں مگر ذبح سے پہلے اللہ کے سوا کسی اور کا نام مشہور کرتے ہیں اور جب پہلے سے نیت بگڑی تو اب اللہ اکبر کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہر چند بعض لوگ بے علمی کے سبب سے اس میں تکرار کرتے ہیں لیکن صحیح مذہب بہت عالموں کا یہی ہے کہ اس گوشت کا کھانا درست نہیں اور سیدھی بات تو یہ ہے کہ جس میں شبہ پڑا اس کا کھانا کیا ضرور؟

چوتھے نذر و نیاز کا ننا، یہ بھی اللہ کے واسطے خاص ہے۔ یعنی یوں کہنا، الٰہی اگر اپنے کرم سے تو اس بیماری کو اچھا کر دے تو میں دس فقیروں کو کھانا کھلاؤں یا دو روزے رکھوں۔ اس کا نام نذر ہے اور جب قرآن سے ثابت ہو چکا ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور کو حاجت براری کی قدرت نہیں تو پھر پیر پیغمبروں کی نذر کرنا اور منت ماننا محض بے فائدہ ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب ان کو کچھ حاجت ہو تو اللہ کی نذر مانے اور نذر کرنا کچھ صرف کھانے پر موقوف نہیں بلکہ سب نیک کاموں میں نذر درست ہے۔ جیسے روزے رکھنا، نماز نفل پڑھنا، کنواں کھدوانا، مسجد بنوانا۔ اس زمانے کے لوگ بے علمی کے سبب فاتحہ کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔ یہ لفظ اللہ ہی کو خاص ہے۔ اللہ کے لفظ کو دوسری جگہ بولنا ادب سے بعید ہے۔ فاتحہ کہنے میں کیا قباحت ہے کہ جو اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔

☆ فصل چہارم : رسومات شرک

رسمیں شرک کی جو ہندوستان میں رائج ہیں، بے حد وحساب ہیں اور سب کا بیان کرنا مشکل ہے اس لئے بطور نمونہ یہاں چند رسموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خیال کرنے سے معلوم ہوا کہ سب رسمیں ہندوستان میں دو قسم کی ہیں۔ بعض تو وہ ہیں کہ ان کا کرنا کسی طرح درست نہیں اور بعض وہ ہیں کہ ایک طرح درست اور دوسری طرح نا درست۔

غیب کی بات کسی سے بھی معلوم کرنا جائز نہیں۔ جیسے نجومی اور برہمن سے شادی اور بیاہ کی تاریخ پوچھنا، یا سفر کے واسطے یا حویلی بنانے کے وقت نیک و بد ساعت کا دریافت کرنا، یہ ہرگز درست نہیں کہ صاف شرک ہے کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ غیب کی بات پیغمبر ﷺ کو بھی معلوم نہیں دوسرے کی کیا حقیقت۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من اتی کا ھناً فصدقه بما یقول فقد بری ء ممّا نزل علی محمد (مشکوۃ) (جو غیب بتانے والے کے پاس گیا پھر اس کی بات کو سچا جانا، وہ بے نصیب ہوا)۔

قرآن میں تو یہ حکم ہے کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ جب کسی نے نجومی یا برہمن سے نیک و بد ساعت پوچھی تو گویا قرآن کا منکر ہوا اور جو قرآن سے منکر ہوا، اس کا سوائے دوزخ کے کہاں ٹھکانا ہے۔ برہمن دس باتیں اپنی طرف سے بنا کے بتا دیتے ہیں، ان میں سے کبھی کوئی موافق پڑ جاتی ہے اور نادان سمجھتے ہیں کہ ان کی سب باتیں سچ ہوں گی۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو اپنی بہتری کی پہلے فکر کرتے۔ چھٹی دھوتی کیوں ہوتی اور در وازے دروازے مارے مارے کیوں پھرتے۔

اور اسی طرح ویسے منتر پڑھنا حرام ہے کہ جس میں ہنومان (ہنومان رام چندر جی درت یعنی جاسوس اور سپہ سالار جو بندر کی شکل کا تھا اور جس کو دیوتا کا درجہ بھی حاصل ہے جگہ جگہ اس کے مندر بھی ہیں) اور لونا چماری (بنگال کی ایک جادوگرنی کا نام ہے جس کی نسبت عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے جادوگروں کی جگت استانی نونا چماری اور اس کے گروگھنٹال میاں اسماعیل جوگی کے مندر جن کے شیطانی نام جادوٹونے کے منتروں میں کامروپ دیس کے ایسی باتوں کے معتقد اکثر جپا کرتے ہیں۔ قلعہ ماندو واقع ملک آسام مقام کوچ بہار کے متصل پہاڑ کی چوٹی پر نیچے سے اوپر تک بنے ہوئے ہیں جن کی سیڑھیاں ایک ہزار کے قریب ہوں گی) کی دہائی ہو۔ اور اسی طرح بعض مناقب بھی جس میں شرک کا مضمون ہو جیسے یہ شعر

علی جو چاہیں تو مقصد کو سربراہ کریں گدا کو چاہیں تو ایک پل میں بادشاہ کریں

جاہل لوگوں نے شعر کہنا سیکھ لیا۔ جو جی میں آیا سو کہنے لگے ان کو درست نادرست سے کیا خبر۔

اور اسی طرح نبی بخش، سالار بخش، عبد النبی، بندہ علی، بندہ حسن نام رکھنا بھی شرع میں درست نہیں کیونکہ قرآن شریف کی آیتوں سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سوائے خدا کے کسی پیر پیغمبر کو بخشنے کی قدرت نہیں۔ کیا لوگ جاہل ہو گئے ہیں کہ اللہ کے بندے ہو کر بندوں کے بندے ہوتے ہیں۔ عبد اللہ، عبد الرحمٰن میں کیا قباحت ہے جو عبد النبی اور بندہ علی نام رکھتے ہیں۔ فی الحقیقت نادان کی محبت بھی نہیں اچھی کہ وہ مرضی، نامرضی، موقع بے موقع نہیں سمجھتا۔ ہر چند معنی کے لحاظ ناموں میں کم رہتے ہیں لیکن ایسے نام جن سے شرک نکلتا ہو ان کا رکھنا کیا ضرور؟

اسی طرح سر پر شاہ مدار کی چوٹی رکھنا، اور نیزے کھڑے کرنا، منت کر کے قبروں پر چادریں چڑھانا، چراغوں کا جلانا، پیروں کے واسطے جانوروں کا ذبح کرنا۔ امام ضامن کا پیسہ بازو پر باندھنا (کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد علی بن موسیٰ کاظم ف ۲۰۳ھ ہیں جو شیعہ کے امام معصوم سمجھے جاتے ہیں۔ عوام کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی سفر کو جائے، یا کہیں بیاہ شادی کی بات کرنی ہو، یا کسی بلا میں گرفتار ہو، اور ان کے نام کا روپئہ پیسہ بازو پر باندھ کر جائے، تو اس کی خیریت کے وہ ضامن ہو جاتے ہیں، اس لئے آپ عوام میں امام ضامن کے نام سے مشہور ہیں۔ اس رسم کو اغلباً شیعہ کی وجہ سے رواج ہوا) چوراہے میں صدقے کا گوشت رکھنا، تین کوڑی کی پیر نصیر الدین کی شیرینی ماننا (نصیر الدین بن مخدوم علاء الدین سندیلوی۔ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ جس شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے وہ تین کوڑی کی شیرینی ان کی نذر مان لے تو چیز مل جاتی ہے) چیچک کی بیماری میں مالن کو بلوانا، گوشت کا نہ پکوانا، یہ سب رسمیں شرک کی ہیں کسی طرح درست نہیں۔

دوسری قسم۔ جیسے حاضری حضرت عباس کی، صحنک حضرت فاطمہ ؓ کی (صحنک چھوٹا طباق، مٹی کی رکابی، بعد میں اس کھانے کو صحنک کہنے لگے جو اس میں رکھا جاتا ہے اور جس پر بی بی فاطمہ کی نیاز دلائی جاتی ہے۔ شاید یہ رسم شیعہ کے اثر سے ہے) گیارھویں شیخ عبد القادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا، سویاں شاہ بوعلی قلندر کی (شرف الدین بوعلی۔ شمس تبریز کے مجذوب مرید۔ قلندر لقب۔ وفات ۷۲۴ھ۔ سہ منی ان کے نام کی تین من نذر و نیاز) توشہ شاہ عبد الحق کا کرنا اس نیت سے کہ یا حضرت! تم ہمارا فلاں کام کر دو۔ یہ حرام ہے اور صاف شرک ہے۔ چنانچہ اس کا حال خوب بیان ہو چکا ہے اور اگر منت نہیں ہے صرف ان کی روح کو ثواب پہچانا ہے، تو درست ہے۔ اس نیت سے ہرگز منع نہیں۔ لیکن کھانے کا خاص کرنا (اسی طرح کھانے والوں کی تخصیص کرنا کہ صحنک کو مرد نہ کھائیں اور توشہ شاہ عبد الحق کو عورتیں نہ کھاویں، یہ بھی خالی از

شرک نہیں کہ جو کھانا سب کو حلال ہوا ہے بعضوں پر حرام ٹھہرانا۔ البتہ یہ لحاظ کرنا ضرور ہے کہ مسلمان حاجت مند کو دینا چاہیے کہ ثواب کامل ہو) اس طور پر کہ فاتحہ حضرت عباس کی صرف شیر مال اور کباب پر اور فاتحہ شاہ عبدالحق کا نرے حلوے پر ہو، اس کے سوا کسی دوسرے کھانے پر نہ ہو، یہ محض نادانی ہے ۔ اور اسی طرح تاریخ کی قید کہ فلاں بزرگ کا فاتحہ جس روز ہوتا ہے اسی روز ہو، دوسری تاریخ درست نہیں ۔ یہ بات بھی محض بے اصل ہے بلکہ جس بزرگ کا فاتحہ جس روز چاہے کسی کھانے پر کر دے ۔ کھانے اور تاریخ کی تخصیص صرف ہندوستانیوں نے نکالی ہے، شریعت محمدی میں اس کی کوئی اصل نہیں اور بہتر طریق فاتحہ کا شرع کے موافق یوں ہے کہ کھانا پکوا کر محتاج غریبوں کو تقسیم کر دے اور یوں کہے کہ الٰہی یہ کھانا تیری نذر ہے اس کا ثواب میری طرف سے حضرت پیغمبر ﷺ کی روح کو، یا حضرت علیؓ مرتضیٰ کی روح کو، یا سید عبدالقادر جیلانیؒ کی روح کو، یا میرے باپ دادا کی روح کو، تو اپنے کرم سے پہنچا دے ۔ کھانے کا ثواب، کچھ درود اور الحمد کے پڑھنے پر موقوف نہیں، کھانے کا ثواب جدا ہے اور درود پڑھنے کا ثواب جدا ہے ۔ لیکن ہندوؤں کی طرح لیپنا، پوتنا اور کھانے کے ساتھ پانی کا رکھنا نہایت بد ہے۔

بعض احمق کھانے کے ساتھ حقہ اور افیون بھی رکھ دیتے ہیں کہ مردے کی روح شاید کچھ کھاتی پیتی بھی ہے ۔ استغفر اللہ! جاہلوں نے ہر بات میں ایسی واہی تباہی رسمیں نکالی ہیں کہ اسلام کی رونق بالکل جاتی رہی ۔ دیندار مسلمان کو لازم ہے کہ ہر ایک رسم اور عادت میں پیغمبر ﷺ کا حکم تلاش کرے کہ آپ نے اس میں کیا فرمایا ہے اور اپنی عقل ناقص کو دخل نہ دے ۔ اگر صرف ہماری عقل کفایت کرتی تو حق تعالیٰ پیغمبر ﷺ کو حلال حرام بتلانے کے واسطے کیوں بھیجتا۔

☆ فصل پنجم : شرک کی برائی اور شرک کرنیکی سزا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انّ اللّٰه لا یغفر ان یّشرك به و یغفر ما دون ذلك لمن یّشاء و من یّشرك باللّٰه فقد افتری اثماً عظیماً (نساء پ۵۔ ع ۴) (اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس گناہ کو کہ اس کا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہے ۔ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کا اس نے بڑا طوفان باندھا)۔

فی الحقیقت اس سے زیادہ کون سا گناہ ہے کہ جیسے خدا سے مراد مانگے ویسے اس کے

بندوں سے، تو گویا مالک اور غلام کو برابر کر دیا اور کاروبار میں شریک جانا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک سے توبہ کرنا سب چیزوں پر مقدم ہے کیونکہ اور گناہ اگرچہ کبیرہ ہوں لیکن ان میں بخشش کی امید ہے اور شرک وہ بلا ہے کہ جسکو حق تعالی ہرگز نہ بخشے گا۔ خدا کی پناہ جس کو خدا نے نہ بخشا اس کا سوائے دوزخ کے کہاں ٹھکانا ہے۔

فرمایا نبی ﷺ نے:

لا تشرك با للّه ان قتلت او حرّقت (مشکوۃ کتاب الصلوۃ) (شرک نہ کر اللہ کے ساتھ، اگر کوئی تجھ کو قتل کرے یا جلائے)

یعنی حضور ﷺ نے یہ اس واسطے فرمایا کہ اگر ایمان باقی رہا تو قتل اور جلانے کی مصیبت تو گھڑی بھر ہے اور پھر گھر بہشت میں ہے۔ اور اگر معاذ اللہ اس نے شرک کیا تو خدا کے غضب میں گرفتار ہوا اور مشرک اگرچہ دنیا میں تمام عمر خوش رہے لیکن آخر کار اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اس گنہگار نے جب شرک کی برائی قرآن اور حدیث میں اس طرح پائی اور ناواقف مسلمانوں کو اس میں پھنسا دیکھا، واللہ کہ دل کو بہت رنج ہوا اور نہایت افسوس آیا۔ پس صرف اس واسطے اس رسالہ کو ہندی زبان میں آسان اور سہل کر کے لکھا اور آیات اور حدیث کا ترجمہ موافق محاورہ ہندی کے کیا کہ سب ناواقفوں کو فائدہ ہو، اس میں کچھ اظہار قابلیت منظور نہیں۔ صاحبان علم سے امید ہے ہندی زبان پر عیب نہ پکڑیں، اس کی غرض دریافت کریں۔

خاتمہ۔ اس میں تین فائدے ہیں:

پہلا فائدہ۔ جو شبہے اور سوالات کہ اس زمانے کے لوگ مقدمہ شرک میں مذکور کرتے ہیں ان کے جواب مفصل اس رسالہ میں ہو چکے ہیں اور مرد عاقل ہے ان کو خوب سمجھ لے گا تو اور سوالات کے بھی جواب دے سکے گا۔ لیکن اس مقام میں دو قاعدے اور بھی یاد رکھنا ضرور ہے۔

قاعدہ پہلا۔ یہ کہ جب تک حدیث کی سند نہ پہنچے اور یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حدیث محدثوں کی کسی کتاب میں ہے تب تک اس کو ماننا نہ چاہیے۔ بہت حدیثیں موضوع مشائخ متاخرین کی کتابوں میں لکھی ہیں اور علمائے محدثین کے نزدیک ان کا کچھ اعتبار نہیں اور اسی طرح جس حدیث کا مطلب مخالف قرآن شریف کے ہو، غلط جاننا چاہیے، مگر حدیثیں علاوہ قرآن کے بہت ہیں لیکن جو حدیث کہ موافق مطلب شرع کے ہو، اس کو ماننا چاہیے۔ جیسے ایک مثال لکھی جاتی ہے۔ مثلاً ہم کو

قرآن شریف سے معلوم ہو چکا ہے کہ پیغمبر ﷺ کو خود اپنی جان کے نفع وضرر کا کچھ اختیار نہیں۔ اگر اب کوئی حدیث نقل کرے اس مضمون کی کہ پیغمبر ﷺ کو سب کا اختیار ہے جو چاہیں سو کریں، تو ہم اس کو ہرگز نہ مانیں گے کیونکہ پیغمبر خدا ﷺ کا خلاف قرآن کے فرمانا ممکن نہیں۔

قاعدہ دوسرا یہ کہ مسلمان کو لازم ہے کہ اعتقاد کو موافق قرآن اور حدیث کے درست کرے اور قصوں اور نقلوں کو اعتقاد میں دخل نہ دے۔ بہت خلقت کا اعتقاد اس سبب سے بگڑ گیا ہے کہ فلانے بزرگ سے یہ ہوا تھا اور فلاں پیر نے یہ کیا۔ قربان اس مسلمانی پر کہ قرآن شریف کو تو طاق میں رکھا اور واہی قصوں اور کہانیوں پر اعتقاد باندھا۔

اس کلام سے کوئی اولیاء اللہ کی کرامات کا انکار نہ سمجھے، کیونکہ یہ مقرر ہے کہ حق تعالی کبھی اولیاء کے ہاتھ سے کرامات ظاہر کر دیتا ہے تا کہ لوگوں کو ان کی بزرگی اور تعظیم معلوم ہو۔ لیکن ہر وقت ان کو یہ اختیار نہیں کہ جس چیز کو جب چاہیں سو کر دیں۔ پھر جب ان کو اختیار کلی نہ ہوا، تو ان سے حاجت مانگنا محض نادانی ہے۔ رہا خدا تعالی کی جناب میں ان سے دعا کروانا، سو اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔

غرض کہ جب قرآن شریف سے یہ ثابت ہو چکا کہ سوائے خدا تعالی کے کسی کو حاجت براری کی قدرت نہیں، اب کوئی کچھ کہا کرے اور کتنی ہی باتیں بنا دے اس کو ہرگز نہ سننا چاہیے کیوں کہ حق تعالی سے بڑا کون ہے کہ جس کی بات کو یقین لاویں۔

فائدہ دوسرا۔ جو مسلمان بھائی کہ اس رسالہ کو دیکھیں ان کی خدمت میں بعد سلام کے یہ عرض ہے کہ اس زمانے کے مسلمان مرد اور عورتوں کو یہ کتاب ضرور سنائیں اور ان کے آگے نرمی سے محبت کر کے پڑھیں۔ کیونکہ اکثر لوگ بے چارے بسبب ناواقفی کے ناچار ہیں، اگر آہستہ آہستہ سمجھایا جائے گا، اللہ تعالی سے امید ہے کہ لوگ توحید کو سمجھیں گے اور شرک سے توبہ کریں گے۔ مثلاً اگر تمہارے روبرو تمہارا بیٹا یا کوئی دوست ناواقفی سے زہر کھانے لگے تو اس کو تم ہرگز نہ کھانے دو گے کیونکہ تم کو یقین ہے کہ اس نے زہر کھایا اور مرا۔ پس اسی طرح شرک کو بھی سمجھو کہ اس کے کرنے سے ایمان مرتا ہے اور ایسی بد چیز ہے کہ جس کو خدا تعالی معاف نہیں کرتا ہے تو جیسے تم زہر کھانے سے اپنے دوستوں کو بچاتے ہو، ویسے شرک سے بھی بچاؤ۔ اور جس طرح ہو سکے ان بھولے بھٹکے لوگوں کو راہ پر لاؤ۔ اس کام کا ثواب تم کو ملے گا۔

قال النبی ﷺ من دلّ علی خیر فلہ اجر مثل اجر فاعلہ (صحیح مسلم) (رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا جو نیک راہ بتلائے گا کسی کو، تو اس کو کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا)۔

اور اس بات کا خوف نہ کیا چاہیے کہ لوگوں کی عادت مدت سے بگڑ گئی ہے وہ کہاں مانیں گے کیونکہ اس عاجز نے بارہا آزمایا ہے کہ سمجھانے کے بعد اگر سب نہیں سمجھتے تو دس پانچ تو البتہ سمجھتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ دس کو خوب سمجھایئے اور ان میں سے دو چار بھی نہ سمجھیں۔ اس زمانے کے بہت عالم فاضل بھی اس خیال سے نہیں کہتے کہ لوگ اپنی ضد سے کہنا نہ مانیں گے لیکن یہ بات بہتر نہیں۔ اگر عالم فاضل ہی نیک و بد نہ سمجھاتے رہیں گے تو جاہل بالکل دین کو تباہ کر دیں گے۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ شرک سے منع کرنے میں بعض ضدی لوگ اور اکثر جاہل پیرزادے جنھوں نے ریوڑیاں، پھلیاں، اور جھنڈے نشانوں کو اپنی روزی مقرر کی ہے، وہ ہرگز نہیں خوش ہونے کے اور بہت غصے سے آنکھیں نیلی پیلی کریں۔ لیکن محمدی مسلمان کو اس خیال سے چپ رہنا لائق نہیں۔ اپنا اللہ راضی چاہیے۔ یہ لوگ خوش ہوئے تو کیا اور ناخوش ہوئے تو کیا۔ تمت۔

مومن خان مومن

مومن ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم غلام نبی خان اپنے وقت کے مشہور طبیبوں میں سے تھے۔ مومن کے گھر میں فارغ البالی تھی اور اس کے ساتھ مذہب کا بھی چرچا تھا۔ ان کے والد کو شاہ عبدالعزیز سے عقیدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مومن کی پیدائش پر شاہ صاحب ہی نے ان کے کان میں اذان دی تھی اور ان کا نام مومن خان رکھا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی پھر شاہ عبدالقادر سے کسب علم کیا پھر طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ فطری شاعر تھے۔ غالب ذوق شیفتہ وغیرہ سے رسم وراہ تھی۔ اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوئے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مربع، مخمس، مسدس، مثمن، ترجیع، ترکیب بند سب میدانوں میں طبع آزمائی کی لیکن خاص میدان غزل تھا۔ تجدید واحیائے دین کی تحریک میں حکیم مومن بھی شریک ہوئے اور شاعری کو اس میدان میں استعمال کیا۔ سید احمد کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور آپ انہیں مہدی دوراں کہتے تھے:

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہے مجھے　　　جلد مومن لے پہنچ اس مہدی دوراں تلک

ایک رباعی یوں ہے:

مومن تمہیں کچھ بھی ہے جو پاس ایماں
ہے معرکہ جہاد چل دیجئے وہاں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو جاں عزیز
وہ جاں جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

نیز فرماتے ہیں:

پلا مجھ کو ساقی شراب طہور
کہ اعضا شکن ہے خمار فجور
کوئی جرعہ دے دیں فزا جام کا
کہ آجائے بس نشہ اسلام کا
پئے تشنہ کامی سبو در سبو
پیؤں شوق سے ملحدوں کا لہو
یہی اب تو کچھ آ گیا ہے خیال
کہ گردن کشوں کو کروں پائمال
بہت کوشش و جاں نثاری کروں
کہ شرع پیغمبر کو جاری کروں
دکھا دوں بس انجام الحاد کا
نہ چھوڑوں کہیں نام الحاد کا
نہ کیونکر ہوں اس کام میں ناشکیب
ظہور امام زماں ہے قریب
وہ خضر طریق رسول خدا
کہ جو پیرو اس کا ہے سو پیشوا
جلو میں ہمیشہ دواں ہو ظفر
رکاب اسکی پکڑے رواں ہو ظفر
ہوا مجمع لشکر اسلام کا
اگر ہو سکے وقت ہے کام کا

ضرور ایسے مجمع میں ہونا شریک
کہ خوش تم سے ہو وحدہ لاشریک
جو داخل سپاہ خدا میں ہوا
فدا جی سے راہ خدا میں ہوا
سمجھ لو جو کچھ بھی ہے تم کو تمیز
نہ جاں آفریں سے کرو جاں عزیز
کسی کو نہیں ہے اجل کی خبر
کہ آ جائے بیٹھے ہوئے اپنے گھر
تو مقدور کس کا کہ آنے نہ دے
تن خستہ سے جان کو جانے نہ دے
تو بہتر یہی ہے کہ جاں کام آئے
پس مرگ تربت میں آرام آئے
عجب وقت ہے یہ جو ہمت کرو
حیات ابد ہے جو اس دم مرو
جو ہے عمر باقی تو غازی ہو تم
سزاوار گردن فرازی ہو تم
یہ ملک جہاں ہے تمہارے لئے
نعیم جناں ہے تمہارے لئے
شراکت یہاں کی ہے طالع کا اوج
کہ ایسا امام اور ایسی ہے فوج
سعادت ہے جو جانفشانی کرے
یہاں اور وہاں کامرانی کرے
الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب
الٰہی اگرچہ ہوں میں تیرہ کار

پر تیرے کرم کا ہوں امیدوار
تو اپنی عنائت سے توفیق دے
عروج شہید اور صدیق دے
یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں
مری جاں فدا ہو تری راہ میں
میں گنج شہیداں میں مسرور ہوں
اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

(کلیات مومن ص ۴۳۶۔ ۴۳۸)

جناب مومن، جناب فضل حق خیر آبادی کے رفیق تھے لیکن مومن چونکہ عقیدہ کے اعتبار سے وہابی مسلک اختیار کئے ہوئے تھے اس لئے جناب خیر آبادی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ان کا مشہور شعر بلکہ غزل کا مقطع ہے:

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

مومن نے اپنے فقہی مسلک کے اظہار میں بھی جرئت ایمانی سے کام لیا ہے اور صاف بتایا ہے کہ میں حدیث کا متبع، تقلید کا منکر اور خالص محمدی ہوں۔ کہتے ہیں

ارباب حدیث کا میں فرماں بر ہوں
تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روائت آئمہ نہ قیاس
یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

ایک دوسری رباعی ہے

خالص ہوں محمدی میرا دین اسلام
گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھہری تو بنوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجئے افضل تر مقام

توحید و سنت سے محبت اور اہل بدعت سے نفرت کا اظہار یوں کیا ہے

فروغ جلوہ توحید کو وہ برق جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستی اہل ضلالت کا
مرا جوہر سر تا پا صفائے مہر پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا
مجھے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دل صد پارہ اصحاب نفاق اہل بدعت کا

تحریک جہاد پر اعتراض کرنے والوں کے جواب میں کہتے ہیں:

یہ چند منافق سراپا بدعت
ہے کفر و ضلال و فسق جنکی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو
گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

(کلیات مومن)

ان اشعار سے مومن کا مسلک واضح ہے اور ان سوانح نگار ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے بھی کہ تمام خاندان ان کا سخت کٹر قسم کا مسلمان، خود موحد عامل بالحدیث اور بیعت کے بعد اور بھی سخت ہو گئے تھے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر (اشعار میں) مذہبی اصطلاحیں بھی آ جاتی ہیں۔ کبھی تو علانیہ یا اشاروں میں دوسرے مذہب والوں پر سودا کی طرح چوٹیں بھی کرتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں ہوئی مہدی پورہ میں شاہ ولی اللہ کے خاندانی مقبرے کے پاس دفن ہوئے (اہل حدیث اور سیاست۔ ص ۱۸۸۔ ۱۹۴)

مومن خان نے اسلامی فوج کے سپہ سالار اور نیک سیرت امام (سید احمد) کے سکھوں کیخلاف جہاد کی عظمت پر اور ضمناً اپنے ایمان کو تازہ کرنے کے لئے فارسی اور اردو میں ایک مثنوی لکھی (مومن خان کلیات ۲۸)۔ امام کے ساتھ ان کی عقیدت اور وہابی عقیدہ کے ساتھ ان کی ہم دردی میں تا عمر کوئی فرق نہ آیا۔ انہوں نے اپنی اردو مثنوی کو مناجات کے ساتھ ختم کیا جس میں انہوں نے مجاہدین اسلام کے ساتھ شہید ہونے کی دعا مانگی۔ (احیائے اسلام کے حامی اور ۱۸۵۷ء کا انقلاب۔ کے ایم اشرف۔ منقول از انقلاب ۱۸۵۷ء۔ ترتیب و تدوین پی سی جوشی۔ محمد علی فارق۔ لاہور ۱۹۹۵ء)

سخاوت علی جون پوریؒ

بن مولوی رعائت علی بن درویش علی فاروقی جون پور سے ۱۱ میل دور قصبہ منڈیاہو میں ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے (جماعت مجاہدین میں مہر صاحب نے سنہ ولادت ۱۲۰۶ھ لکھا ہے۔ بہا)۔ فاروقی النسل تھے۔ ابتدائی کتابیں مولوی قدرت علی ردولی سے پڑھیں پھر مولوی احمد اللہ انامی تلمیذ شاہ اسحاق دہلوی سے عقلی نقلی علوم کی تکمیل کی، مولوی عبدالحی دہلوی اور شاہ اسماعیل سے بھی تلمذ تھا۔ سید احمد سے بیعت ہوئے تمام عمر بلا معاوضہ تدریس کی طلبہ کی کفالت بھی کرتے رہے۔ جامع مسجد شاہی میں ایک مدرسہ قرآنیہ بھی قائم کیا جہاں سے بہت حفاظ پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ نواب ذوالفقار آف باندہ کے پاس بسلسلہ درس قیام رہا۔ ہمیشہ اول وقت نماز کا اہتمام کرتے۔ متبع سنت بزرگ تھے اور ان اقوال فقہاء پر فتوی دیتے جس کی تائید قرآن وحدیث سے ملتی ہو۔ وعظ وتلقین سے رد بدعت و اتباع سنت میں لگے رہے۔ ان کی وجہ سے جون پور میں تعزیہ داری ختم ہوئی۔ آخر عمر میں ہجرت کر کے مکہ چلے گئے وہاں ان کے بیٹے مولوی محمد مکی پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال ۶ شوال ۱۲۷۴ھ۔ ۲۰ مئی ۱۸۵۸ء کو ہوا۔ جنت المعلی میں دفن ہوئے۔ تصانیف میں تقویم فی احادیث النبی الکریم، رسالہ تقوی (رد بدعت)، رسالہ اسم در علم منطق، عقائد نامہ اردو، رسالہ کلمات کفر، رسالہ اسرار درفقر، رسالہ عرض نیک درمناظرہ شیعہ، رسالہ عرفان الاوقات دراوقات نماز پنجگانہ، جوابات سوالات تسعہ از مولوی شیخ محمد مچھلی شہری۔ ان جوابات میں حدیث قلتین اور ماء کثیر پر بہت لطیف بحث ہے۔

ایک جگہ لکھا ہے:

تقلید صحیح ایں ست کہ اتباع کند قول امام را در جائے کہ نص صریح صحیح غیر منسوخ از رسول مقبول ﷺ نہ یابد، وعین اتباع ہمیں است کہ وقت یافتہ شدن قول رسول مقبول ﷺ قول کسے را نہ شنود، ہمیں ست مذہب امام اعظم و مذہب جمیع آئمہ دین۔

کہ تقلید صحیح یہ ہے کہ اس جگہ کسی امام کی پیروی کرے جس جگہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کوئی نص صریح صحیح غیر منسوخ نہ پاوے، اور عین اتباع یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ

کا قول پائے جانے کے وقت کسی کی بات نہ سنے ، یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے اور تمام آئمہ دین کا۔ (مجموعہ رسائل تسعہ)۔

آپ کے چار بیٹے ہوئے مولوی محمد اور مولوی جنید دونوں عالم و فاضل ہو کر جوان فوت ہوئے۔ تیسرے بیٹے مولوی شبلی فاروقی میاں نذیرحسین محدث کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے ہم درس تھے۔ چوتھے محمد مکی ہوئے انہوں نے بڑے بھائی مولوی شبلی فاروقی سے پڑھا پھر عبدالباری فرنگی محلی سے پڑھا۔ مولوی محمد مکی کے بڑے بیٹے مولوی ابوبکر شیث علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں ناظم دینیات ہوئے جو حافظ عبداللہ غازی پوری کے شاگرد تھے۔

جناب سخاوت علی جون پوری کے شاگردوں میں خواجہ احمد نصیرآبادی، کرامت علی جون پوری، رجب علی جون پوری، محمد شریف جون پوری، ملا غلام محمد جگدیش پوری، شیخ محمد مچھلی شہری، محمد یعقوب دسنوی بہاری، سید مصطفیٰ شیر دسنوی مدرسہ خانقاہ سہسرام، شجاعت حسین بہاری۔ محمد عمر غازی پوری، غلام جیلانی بازید پوری، فیض اللہ مئوی اعظم گڈھی، رحیم اللہ ساکن بستی۔ ان میں سے شیخ محمد مچھلی شہری اور فیض اللہ مئوی مشاہیر علماء میں تھے۔ (بروائت ابوبکر شیث)

(تراجم علماء حدیث ہند۔ ص ۳۷۱۔۳۷۳)۔

عبداللہ الہ آبادیؒ

حکیم سید عبدالحیؒ نے آپ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

الشیخ العالم المحدّث عبد اللّٰه الصّدیقی المحمّدی الالٰه آبادی احد کبار العلماء ، ولد و نشأ بمئو قریة جامعة من اعمال اله آباد ...، و اشتغل بالعلم علی اساتذة بلاده مدة ثم سافر الی دهلی و أخذ عن الشیخ اسحاق الدهلوی ، و استنسخ الکتب المتداوله بخط مستقیم مع الحواشی و التعلیقا ت ۔

و کان قلیل الدرس کثیر التصنیف، له مصنّفات کثیرة فیها امور فی حلاوة التّوحید و العسل والاخری فی مرارة الحنظل....

و من مصنفا ته : الیم الزغرب فی لغات الحدیث المنتخب ،

مرتب علی حروف المعجم ، و العروۃ الو ثقی لمنبع سنۃ سیّد الوری ، فی الحدیث علی تر تیب الابوا ب الفقه ، وعمدۃ الصلاۃ و فا ئز النجاۃ ۔ فی الحدیث مقتصراًعلی مسا ئل الصلاۃ، واعتصام السنّۃ و قامع البدعۃ ، مر تب علی با بین فی الأیات و الأحا دیث المر ویۃ فی البا ب صنّفه سنۃ ۱۲۷۱ھ ، والنبرا س المنیر لصلاۃ الیا جیر ، و معین الأبرار علی الصّلاۃ فی اللیل والنّهار ، جمع فیه من السور القرآ نیه ما یقرأ ها النّبیّ ﷺ فی الصلاۃ ، و الر یا ض الأنضر فی الفقه الاکبر، فی مسائل الصلاۃ استخرجهامن الأحادیث الصحیحۃ المرفوعۃ مرتباً علی ابوا ب الفقه ۔ و صمصام الحدید المسلول، فی قطع لغادید البدعۃ وا لرأی و المذاهب و التقلید المخذول ، و الاعجاز التین فی معجزات سید المرسلین ، و ذ لک مفرش . الکلام المبین . للمفتی عنائت احمد ، و له تر جمۃ شر ح الصدور ، و البدور السا فره ، و له سیف الحدید فی قطع المذاهب و التقلید ، هذا ما وصل الی من مئو لفا ته ۔ و امّا غیر ذ لک من الر سائل فمنها : العروۃ المتین فی اتباع سنۃ سید المر سلین ، صنفه با لهند یۃ سنۃ ۱۲۷۳ھ ۔ و منها ۔ السیف المسلول فی ذم التقلید المخذو ل ، با لهند یۃ صنفه سنۃ ۱۲۷۳ھ ۔ کما فی تذ کرۃ النبلاء (للشیخ شمس الحق الد یا نوی)

قال الشیخ شمس الحق الدیانوی: له منقبۃ عظیمۃ فی اشاعۃ السنّۃ لولا فیه بعض التشددات فی بعض المسا ئل ر حمه الله و غفر الله له ، و قد استنسخ الکتب السنۃ بیده و قرأ علی احفاد الشیخ ولی الله الدهلوی بل قیل : انه قرأ علی الشیخ عبد العزیز الدهلوی ایضاً۔ و له اتباع کثیرو ن فی بنگا له ۔ انتهی

(نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۰۴۔۳۰۶ ملخصاً)

جماعت اہل حدیث کا ایک گمنام قائد کے عنوان سے جناب عبداللہ عرف جھاؤ میاں کی مختصر سوانح ۔از ۔ ن ۔م ۔آئمی فاضل جامعہ قاسمیہ مراد آباد، اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوئی تھی ۔ اسے ملخصاً نقل کیا جاتا ہے ۔لکھا ہے:

آپ کا نام عبداللہ اور عرفیت جھاؤ میاں تھی ۔ اور یہ عرفیت اس قدر مشہور ہو چکی تھی کہ اکثر لوگ اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے ۔آپ قصبہ مئو آئمہ کے رہنے والے تھے جو شہر الہ آباد سے شمالی جانب ۲۲ میل کی مسافت پر ہے جو کبھی قاضی طیب کا مئو کے نام سے بھی موسوم ہو چکا ہے ۔ .آپ کے والد کپتان تھے وقت کے بڑے زمین داروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عبداللہ ۱۸ سال کے تھے کہ اپنے محلّہ کے مولوی صاحب سے کسی مسئلہ پر بحث ہوگئی ۔مولوی صاحب نے کہا کہ میاں ابھی تم جا کر پڑھو۔ پھر بحث کرنا ..اس کا دل پر اثر ہوا تو والد سے اجازت لے کر ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایک ملازم کے ساتھ دہلی آ گئے اور شاہ محمد اسحاق دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ یہی زمانہ سید نذیر حسین محدث کے تحصیل علم کا بھی تھا۔ تکمیل کے بعد مکان آ کر اس بنا پر گھر والوں سے علیحدہ ہو گئے کہ اس زمین داری میں نہ معلوم کن صورتوں سے پیسہ آتا ہے۔گلستان بوستان لکھ کر فروخت کرنے کو ذریعہ معاش بنایا فن کتابت میں خوب ملکہ تھا۔ زندگی غریبانہ بسر کرتے۔جب تک کسی شخص کا ذریعہ معاش اور وجہ دعوت معلوم نہ ہو جاتی ، دعوت قبول نہ کرتے ۔ انصاریوں کے یہاں ہمیشہ آتے جاتے اور ان کی دعوتوں کو قبول کر لیتے ۔

جس طرح آپ تمام معاملات میں دین محمدی کی اتباع اور صحیح اصول کی پابندی کا خیال رکھتے تھے اسی طرح عقاید میں بھی سلف صالحین اور صحابہ کرام کے عقیدے کا خیال رکھتے۔ اپنے تبلیغی سلسلہ میں ہمیشہ مذہب اہل حدیث کی اشاعت کی ۔ چنانچہ قصبہ مئو آئمہ میں سب سے پہلے آپ کی ذات سے ہمارا خاندان مذہب اہل حدیث سے مشرف ہوا۔ ہمارے والد سے گہرے تعلقات تھے ۔کچھ دن مئو آئمہ میں قیام فرمانے کے بعد بمجوائے سیروا فی الارض پورب کا رخ کیا ۔اور اعظم گڈھ، مئو، مبارک پور، املو، بھاگل پور، دربھنگہ، بنگال دیناج پور، راج شاہی وغیرہ تبلیغ وترویج عمل و

بالحدیث کا فریضہ انجام دیا۔ تعلیمی سلسلے میں مجھے مئوناتھ بھنجن میں کافی عرصہ تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اکثر بزرگوں سے موصوف کے کارنامے اور ان کے اوصاف سنے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ادھر جتنے اہل حدیث ہیں انہیں کی تبلیغ کا فیض ہے۔ دیناج پور، راجشاہی میں آپ کے کافی معتقد ہیں۔ سنا گیا ہے کہ وہ جھاؤ پارٹی کے نام سے مشہور تھے اور فرقہ کا ہر فرد سروں پر پالی (پٹھا) رکھنا لازمی سمجھتا تھا۔ دیناج پور میں آپ نے شادی بھی کر لی تھی جس سے اولاد ہوئی ..آپ جہاں اپنی سحر بیانی سے بہت سے لوگوں کو راہ راست پر لائے وہاں تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی آپ کی دین کی قابل قدر خدمت کی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں مگر سوائے اعتصام والسنہ کے دوسری کتابیں نایاب ہو چکی ہیں۔ (اہل حدیث امرتسر۔ ۱۱۔۱۸ فروری ۱۹۳۸ء ص ۱۰۔۱۲)

جناب شیخ عبداللہ الہ آبادی کی دعوت و تبلیغ کے اثرات کی ایک مثال ممبئی میں اہلحدیث مسلک کی ترویج واشاعت ہے جیسا کہ مدارس اہل حدیث میں لکھا ہے:

شہیدین کا قافلہ حج، کلکتہ سے نکل کر خلیج بنگال کے راستے مالا بار کے ساحل سے ہوتا ہوا ممبئی پہنچا جس کے امیر عبداللہ جھاؤ تھے۔ ممبئی پہنچ کو موصوف نے مدن پورہ کی ایک گلی میں اپنی مسجد بنائی اور اسے دعوت کا مرکز بنایا۔ جس کا نام آج بنگالی مسجد ہے۔ مختار احمد ندوی کی کوشش سے مسجد پھر تعمیر ہوئی اور وہ اس کے ٹرسٹی وخطیب ہیں۔ انہی کی کوشش سے جمعیت اہل حدیث ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اس کے تحت مولانا ابوالکلام آزاد ہائی سکول کی بنیاد ڈالی۔ سیٹھ بچو علی کی اعانت سے مسجد سے متصل جگہ خریدی گئی۔ ممبئی کی قدیم اہل حدیث مساجد ۵ ہیں بنگالی مسجد مدن پورہ، جامع مسجد اہل حدیث ممبئی۔ مسجد اہل حدیث فیت والہ کمپاؤنڈ کرلہ۔ فیت والی مسجد اہل حدیث پریل، مسجد اہل حدیث مرول گاؤں، جو مولانا محمد سورتی مولانا عبداللہ سورتی کا مرکز تھی اور ۱۹۶۲ء میں مسجد و مدرسہ محمدیہ غرباء اہل حدیث میمن واڑہ قائم ہوا۔ اس شہر میں مسلک کی اشاعت میں مولوی اسماعیل ٹونکی اور مولوی شرف الدین کا حصہ بہت ہے۔ مولوی اسماعیل مومن پورہ مسجد کے امام وخطیب تھے اور بے لوث مبلغ تھے اور مولوی شرف الدین بھونڈی کوکنی خاندان سے تھے جن کا مکتبہ ہند میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا عربی مکتبہ تھا۔ مولوی محمد سورتی یہاں درس و تدریس پر مامور تھے۔ تقسیم کے بعد ۱۹۵۰ء تک

خاموشی رہی پھر محمد داؤد راز نے مومن پورہ مسجد کی خطابت سنبھالی اور انہوں بہت کام کیا ثنائی ترجمہ والہ قرآن یہیں مکمل ہوا ۔ ان کے استعفیٰ کے بعد مولوی عبدالجبار شکراوی کے مشورہ سے مختار احمد ندوی کو کلکتہ سے ۱۹۶۲ء میں بلایا گیا ۔ انہوں نے بہت محنت کی ۔ ۱۹۷۳ء تک بمبئی میں اہل حدیث کی صرف ۵ مساجد تھیں ۔ ۱۹۷۳ء کے مولوی عبدالحق سلفی نے کرلا میں کافی اہل حدیث آباد تھے جامعۃ الرشاد قائم کیا ان کے ساتھ مولوی محمد امین ریاضی باہمت تھے ۔ ان لوگوں کی مساعی سے ممبئی میں اہل حدیث مساجد و مدارس کا جال بچھ گیا۔ (مدارس اہلحدیث)

سید عبداللہ غزنویؒ

برصغیر ہندو پاک میں غزنوی خاندان کے مورث اعلیٰ جناب سید عبداللہ افغانستان سے ہجرت کے پنجاب میں آباد ہوئے تھے ۔ ان کے حالات مختصراً پہلے بھی کسی جگہ نقل ہو چکے ہیں ۔ ذیل میں ان کے رفیق جناب غلام رسول قلعویؒ ، ان کے مرید جناب محمد حسین بٹالویؒ اور ان کے فرزند ارجمند جناب عبدالجبار غزنویؒ وغیرہ بزرگوں کی زبانی چند باتیں بیان کی جاتی ہیں ۔ جناب غلام رسول قلعویؒ لکھتے ہیں کہ سید عبداللہ غزنویؒ :

فرماتے تھے کہ ایک دن الہام ہوا کہ دینی مسائل کے استفسار میں اخوند حبیب اللہ قندھاری کی طرف رجوع کرنا لازم ہے ۔ پھر اس وقت ایک شخص کو ہم نے بعض مشکلوں کے استفتاء دے کر بھیجا کہ اس نام ونشان کے عالم کو پوچھ کر ان سے مسائل حل کراؤ ۔ نہ ملا کٹھ سے جو مشہور تھا اور اخوند صاحب گم نام تھے۔ ہر چند اخوند صاحب مسائل کا جواب دینے سے رکے اور دوسروں کے حوالے کیا ۔ لیکن جب اس بھیجے ہوئے شخص نے واضح کیا کہ میں ان مسائل میں دوسروں کی طرف رجوع کرنے کا مامور نہیں ہوں تو جواب لکھا ۔ اسی وقت ایک شخص نے تقویۃ الایمان کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا اور عبداللہ صاحب نے ان بعض اعتراضوں کا جواب چاہا جو ظاہر عبارت پر وارد ہوتے تھے تو اخوند صاحب نے شافی جواب لکھا کہ کوئی شک وشبہ نہ رہا ۔ اور آپ مولوی اسماعیل اور سید

احمد کو صاحب کمالات جانتے تھے اور ان کی تحسین فرماتے تھے۔

فرماتے تھے ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ صحیح بخاری کا نسخہ میرے سامنے رکھا ہے اور ایک چراغ جل رہا ہے اور گرد و غبار بخاری شریف پر اس قدر پڑی ہے کہ کوئی حرف نظر نہیں آتا۔ پس شروع ہوا کہ دامن کو لب کے ساتھ تر کرتا تھا اور اس کے ساتھ اس گرد کو دور کرتا تھا۔ اور اس وقت عادت کے خلاف اپنے منہ کو گرد آلود دیکھ رہا تھا۔ اور بڑے زور سے سانس لیتا تھا۔ اور میں نے ورق ورق اور صفحہ صفحہ اور حرف حرف صاف کیا۔ یہاں تک کہ بخاری شریف بالکل صاف اور مصفی ہو گئی۔ صبح ہوتے ہی ایک شخص بخاری لے کر آیا اور اس کی شرح بھی مل گئی اور ساری کتاب کا مطالعہ کر لیا اور سنت کی تابعداری کا داعیہ محکم ہو گیا اور حدیث پر عمل کرنا شروع ہو گیا۔ یعنی جب کسی مسئلہ منصوص میں صحیح حدیث غیر منسوخ صریح المعنی مل جاتی تو اس پر بلا دغدغہ عمل کیا جاتا۔ اور اگر کوئی جزئی فقہ کی جزئیات سیاس حدیث کے مخالف ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے اور جہاں تک بس چلتا تاویل کر کے دونوں کو مطابق کر دیتے اور غیر منصوص مسئلہ میں مجتہدین مسلم الاجتہاد میں سے ایک مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرتے۔ جیسے امام ابوحنیفہ کوفی اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور یہی مضمون ہے مرزا مظہر جانجاں کی کلام کا اپنے مکتوبات میں اور مرزا جانجاناں کے فضائل میں مرقوم ہے کہ فرماتے تھے کہ تعجب ہے کہ صحیح حدیث غیر منسوخ جو چند واسطوں سے نبی معصوم تک پہنچ جاتی ہے اور خطا کی اس میں مجال نہیں اور اس کے راویوں کا حال بھی معلوم ہے ترک کی جاوے اور فقہ کی روائت پر جس کے نقل کرنے والے اکثر مفتی اور قاضی ہیں اور ان کے ضبط اور عدالت کا بھی حال معلوم نہیں اور دس واسطہ کے ساتھ مجتہد کو پہنچتی ہے اور خطا اور ثواب مجتہد کا کام ہے عمل کیا جاوے۔ ربّنا لا تئوا خذ نا ان نسینا او اخطاء نا .. اور یہی خلاصہ ہے سیوطی اور شرنبلالی اور ولی اللہ دہلوی اور دوسرے محدثوں کے کلام کا۔

پھر آپ (عبداللہ) نے تشہد میں سبابہ اٹھانا شروع کیا ساتھ عقد خنصر اور بنصر اور حلقہ وسطی اور ابہام کے اور شروع کیا ہاتھ اٹھا رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے اور شروع کیا آمین بلند آواز سے اور فاتحۃ الکتاب کا پڑھنا امام کے پیچھے اور

نماز اول وقت میں پڑھنے لگے ۔یعنی ظہر کی نماز جب سورج ڈھل جاتا پڑھ لیتے اور آپ کا ملک بہت سرد ہے اس لئے وہاں ابراد کی حاجت نہیں تھی ۔ اورعصر ایک مثل پیچھے اور فجر کی نماز اندھیرے منہ سے شروع فرماتے ۔کبھی غلس میں تمام کر لیتے اور کبھی روشنی میں اور وجو کرنے اوراس میں دل کو حاضر کرنے میں تو بہ کے لحاظ کے ساتھ مسح گردن کے سوا مبالغہ فرماتے تھے ۔ اور گردن کے مسح کو بدعت فرماتے تھے ۔مگر یہ کہ سر کے مسح کی استیعاب پر حمل کیا جاوے ۔اوراپنی نماز کے خشوع میں اس طرح کھڑے ہوتے اگر چہ دل کا حاضر کرنا ایک باطنی امر ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ ان کی نماز کی ہیئت سے ان آنکھوں کے ساتھ وہ خشوع نظر آ رہا ہے ۔اور حاضرین پر اس جمعیت کا پر تو پڑتا تھا اور قومہ اور جلسہ اور رکوع اور سجدہ کی دعائیں پورے خشوع کے ساتھ پڑھتے تھے۔پہلے لوگوں نے ان کاموں پر شور کیا کہ خلاصہ کیدانی والا جو رفع سبابہ اور رفع یدین اور جہر تامین کو محرمات میں لکھتا ہے اور آپ ان کاموں کو سنت فرماتے ہیں ۔ اور یہ شور یہاں تک پہنچا کہ آپ شہر سے نکال دیئے گئے ۔اور بلوی عام آپ کے سر پر ہو گیا ۔اور ملک سوات میں آکر اقامت اختیار کر لی ۔اخوند عبدالغفور صاحب وزہد اور ریاضت میں اس وقت ممتاز تھے اور مجددیہ قادریہ کے طریق اورصوم الدھر کے ساتھ دم بھرنے والے پہلے تو نہائت عمدہ مروت کے ساتھ پیش آئے اور دل دہی اور دلداری کی ۔آخر الامر جب آپ کے حاسدوں کا نوشتہ اخوند صاحب کو پہنچا تو بلاتحقیق مروت کا دامن کھینچ لیا۔کچھ مدت وہاں مبتلا رہ کر حضرت سید میر صاحب کوٹھہ والوں کے پاس تشریف لائے اور تبرکاً ان کی بیعت سے شرف حاصل کیا ۔ اور وہاں اس نیاز مند (غلام رسول) کے ساتھ آپ نے عنائت کی راہ سے بھائی چارہ ڈالا ۔ یہاں تک کہ حضرت سید میر صاحب نے پوری توجہ کے بعد فرمایا کہ صاحبزادہ کابلی اور مولوی (غلام رسول) صاحب کے درمیان کوئی علاقہ ہے جو مجھ سے پوشیدہ رکھتے ہیں ۔مولوی عبداللہ صاحب نے ظاہر کر دیا کہ ہم اپنے درمیان عقد اخوت رکھتے ہیں ۔ حضرت صاحب نے فرمایا الحمدللہ اسی طرح عقد اخوت چاہیے کہ ایک دل سے دوسرے کے دل میں نور پہنچے ۔اور حضرت صاحب شروع سے ایام صحبت کے انقطاع تک ایک ہی نہج اور دستور سے آپ کی تسکین خاطر کی کوشش کرتے رہے ۔ ہر چند حضرت صاحب کی امداد آپ کو وطن پہنچا

نے اور علماء اور امیر کے درمیان تصفیہ کرا دینے کے لئے آپ کے دل میں مرکوز تھی لیکن چونکہ حضرت صاحب کی جبلت ہی آہستگی اور سستی پر واقع ہوئی تھی اسی سبب سے اس کام میں تاخیر ہوگئی. حضرت صاحب کی ظاہر کوشش آپ کے بارے میں ظاہر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ گرمی کے موسم میں آپ نے حضرت صاحب سے سرد ملک میں جانے کی اجازت طلب کی اور منگل تھانہ میں رہنے کی تجویز کی ۔فقیر (غلام رسول) نے بھی عرض کی کہ پہاڑوں اور افغانستان میں یہ اندیشہ ہے کہ جمعیت نہ ہوگی ۔ ہزارہ کا گردونواح جو انگریزوں کا ملک ہے وہاں کسی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں ہے وہاں آپ کا رہنا خوب نظر آتا ہے ۔فقیر کی التماس کو آپ نے قبول فرمایا۔ اور حضرت (سید میر) صاحب نے آپ کو رخصت دے دی۔تا کہ حیات گل کے پاس ایک سال سکندر پور کے باغ میں چھوٹی مسجد میں رہے۔ اور ان کو تلقین کرتے رہے ۔ وہاں ہی امیر (افغانستان) کا خط آپ کو پہنچا کہ تم جانو اور علماء ۔ ہم تمہارے ساتھ کچھ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے ۔ پہلے اپنے وطن کو تیار ہوکر نوشہرہ میں آئے ۔صبح کے وقت اپنے دوستوں سے فرمانے لگے کہ یہاں سے شاہجہان آباد یعنی دہلی جانے کا پختہ ارادہ ہے ۔کوئی شخص ہم کو نہ روکے ۔اور آپ یکہ میں سوار ہوکر ہفتہ میں لاہور پہنچے اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔آپ کی صحبت دلوں کو کھینچ لیتی تھی اور انکسار اور عاجزی کے دروازے دل میں کھولتی تھی ۔

(حیات گل ساکن ہری پور کی بیوی راجہ جہان داد خاں چیف آف گکھڑ کی بہن تھی ۔اس کے بطن سے ایک ہی بیٹی پیدا ہوئی جو مہدی زمان خان کی والدہ تھی ۔ مہدی زمان نے ۱۹۱۷ء میں دوران تعلیم سیاست میں حصہ لینا شروع کیا، صوبہ سرحد میں بڑے نوابوں جاگیرداروں کا مقابلہ کیا۔ سرحد اسمبلی کے ممبر رہے۔ دسمبر ۱۹۷۴ء میں وفات پائی ۔جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے نائب امیر رہے)۔

پھر اس جگہ سے امرتسر میں حافظ محمود کے پاس مسجد باغ والی میں مشرف ہوئے اور غافلوں کے دلوں کی زنگ کو توجہات سے اتارا۔ پھر امرت سر سے سوار ہوکر آٹھ روز میں دہلی پہنچے اور مولوی صاحب سید محمد نذیر حسین (جو کہ محدث ہیں اور مولوی اسحاق صاحب کے شاگرد ہیں) کے مدرسہ میں آئے (حاشیہ نمبر ۳۳ میں ملاحظہ فرمائیں کہ سفر دہلی میں سید عبداللہ غزنویؒ کا رفیق سفر کون تھا)۔ اور میں نے آپ کے ساتھ بخاری کا سننا شروع کیا۔ اور مولوی نذیر حسین صاحب چونکہ بے تکلف آدمی تھے اور اپنے کام خود بخود

کر لیتے تھے اور کسی وضع کے پابند نہ تھے اس لئے آپ ان کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ... رمضان کی سولہویں تاریخ دہلی میں غدر مچ گیا اور رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ فقیر عید فطر کی نماز پڑھ کر رخصت ہوا اور لاہوری دروازہ کے باہر شاہدرہ تک فقیر کے رخصت کرنے کیلئے آپ تشریف لائے اور فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی۔ اور افسوس کرنے لگے کہ اگر تھوڑی مدت اور اقامت ہوتی تو بہت فائدے اس پر مرتب ہوتے۔ لیکن اب تو جب دہلی ویران ہوگئی اولوگ آوارہ ہوگئے۔ راہداری لے کر امرتسر تشریف لائے اور حافظ محمود کی تربیت کے لئے کمر باندھی۔ جب حافظ صاحب کو اذکار میں بخوبی جمعیت حاصل ہوگئی اور نماز میں حضور ہونے لگا اور قرآن میں ان کی استعداد کے موافق لذت حاصل ہونے لگی تو اس جگہ سے ایک سال کے بعد رخصت لے کر اپنے وطن چلے گئے۔

(سوانح عمری عبداللہ غزنوی۔ص ۱۰۰۔۱۰۵)

جناب غلام رسول قلعویؒ مزید لکھتے ہیں کہ سید عبداللہ غزنویؒ:

فرماتے تھے کہ دین کی چار اصل ہیں۔ ایک طہارت، دوسری فروتنی، تیسری عدالت، چوتھی جواں مردی۔ عدالت کے لئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب حقیقۃ الاسلام پسند فرماتے۔ اور فرماتے تھے کہ انسان جن کاموں پر پیدا کیا گیا ہے وہ بھی چار قسم سے باہر نہیں ہیں۔ ایک منعم کی محبت دوسری سخی کی محبت۔ تیسرے بے پرواہ کی محبت۔ چو تھی صاحب کمال کی محبت۔ اور چونکہ بسبب غالب ہونے افعال طبیعیہ کے نفس امارہ پر فطرت صحیحہ ظلمانی ہوگئی ہے اس لئے قرآن مجید اس فطرت کے بیان کرنے کے لئے نازل فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ ان چہارگانہ محبتوں کو ایک ذات پاک کی طرف جوان صفتوں کا مجمع ہے مختلف طریقوں سے کھینچتا ہے۔ کبھی اپنے انعام یاد دلا کر اور کبھی اپنا صمد ہونا بیان کر کے اور کبھی اپنا کمال ظاہر کر کے۔ اور فرماتے تھے تین پردے ہیں جو اس راہ سے روکتے ہیں۔ طبیعت کا پردہ۔ رسم کا پردہ۔ اور جہالت کا پردہ۔ اور فرماتے تھے کہ تذکیر الاخوان کا نسخہ جو تقویۃ الایمان کا دوسرا باب ہے رسوم نامشروعہ کی جڑ کاٹنے کے لئے کافی ہے اور حصن حصین کی دعاؤں کا استعمال وافی۔ رسم وہ کام ہے جو شرعی دلیل کے سوا رواج پا جاوے۔ اور طبیعت کے پردہ کے لئے امام حجۃ الاسلام کی

کتاب جیسے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت پسند کرتے تھے ۔ اور سوء معرفت کا علاج توحید کی کتابیں ہیں ۔ (سوانح عمری عبداللہ غزنوی ۔ص ۱۱۴۔۱۱۵)

جناب غلام رسول قلعویؒ فرماتے ہیں:

دہلی میں جو غدر مچ گیا تھا اور ہر ایک نے وہاں سے نکلنا چاہا تو فرمانے لگے کہ ہم تو نہیں جاتے ، جو ہوگا ہو جاوے گا شائد کہ یہ اللہ تعالیٰ کا امتحان ہو اور امتحان کے وقت یا تو آدمی عزیز ہو جاتا ہے یا ذلیل ۔ ان دنوں میں آپ بیمار تھے ۔ اپنی جگہ پر بیٹھے فرماتے تھے کہ یہ فتنوں کے دن ہیں ۔ ہر ایک شخص کو توبہ کرنا اور خدا کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور ہر روز تجدید توبہ کا ارشاد فرماتے ۔ اور ان دنوں میں نجم الدین کبری کی آپ نے حکائت بیان فرمائی کہ فتنوں کے دنوں میں انہوں نے اپنے مریدوں کو رخصت کر دیا کہ اپنے اپنے وطنوں میں چلے جاؤ ۔ مریدوں نے عرض کیا ہم آپ کی سواری کے لئے گدھا لاویں ۔ فرمایا ہم تو نہیں جاتے ۔ پس وہاں ہی شہادت کے ساتھ مشرف ہوئے اور عید فطر کے بعد فقیر جو گھر کی طرف رخصت ہوا تو لاہوری دروازہ کے باہر آ کر شاہدرہ تک تشریف لائے ۔ شہر سے نکلتے وقت ایک سقا پانی کی مشک بھر کر شہر کے اندر داخل ہوتا ہوا ہم کو ملا تھا ۔ میں نے عرض کی کہ اس قسم کا تفاول بھی مسنون ہے یا صرف بات سن کر فرمایا غالباً یہ بھی جائز ہوگا اور رخصت کے وقت میں نے وصیت طلب کی فرمایا: او صیکم بتقوی اللّٰہ

ایک معتبر آدمی سے منقول ہے کہ عین ہنگامہ غدر میں جو لوگ اپنا تفرقہ اور اسباب کے نقصان اور عیال کے خراب ہونے کی حکائت کرتے اور ہر آدمی اندیشہ کرتا اور کوئی تدبیر کرتا فرماتے مجھ کو تو ایک فکر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے مالک کی یاد کے بغیر جان جان آفریں کے حوالہ کروں اور غفلت میں روح اڑ جائے ۔

ایک شخص کو میں (غلام رسول) نے لاہور میں ترغیب دے کر بھیجا ۔ اس شخص کو آپ نے اپنی صحبت کے ساتھ مشرف کرنے کا اشارہ کیا ۔ وہ حیلے بہانے بنانے لگا ۔ آپ نے فرمایا کہ عبداللہ مرغی است ہرگاہ خواہد پرید ہر کس دست خواہد مالید ۔ یعنی عبداللہ ایک پرندہ کی طرح ہے جب اڑ جائے گا تو ہر ایک شخص افسوس سے ہاتھ ملتا رہ جائے گا ۔

سکندر پور کے باغ میں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنائت کے ساتھ اس

عاجز کے دل میں یہ القاء فرمایا اور مقصود اعلیٰ کا راہ دکھایا ہے کہ ملت اسلام بلکہ سب پاک دینوں میں صبر جیسا اور کوئی کام نہیں۔ آئت کریمہ انّ اللّٰه مع الصّا برین میں اپنی معیت کو صبر کرنے والوں کے ساتھ مختص فرمایا۔ اور صلوۃ اور رحمت اور ہدائت یابی کو صبر کے ساتھ باندھ دیا۔ انبیاء اور رسل کی عصمت کا پرتو جو وہ پہلے پچھلے گناہوں کا معاف ہو جاتا ہے صبر کرنے والوں پر ڈالا پس اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے اس حدیث کو مدنظر رکھنا چاہیے

کن فی الدّنیا کانک غریب او عابری سبیل وعد نفسک من اصحاب القبور۔ یعنی رہ تو دنیا میں مسافر کی طرح یا جیسے راہ گذر اور شمار کر اپنے نفس کو قبر والوں میں سے۔ کیونکہ یہ حدیث طول امل کی جڑ کاٹنے کے لئے کافی علاج ہے اور ایک دوسری حدیث کو اس سے ملا لینا چاہیے مالی وللدّنیا وما انا والدنیا الّا کراکب استظل تحت شجرۃ ثمّ راح وترکھا۔ یعنی مجھ کو دنیا سے کیا علاقہ میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سوار کہ اس نے آرام کیا ایک درخت کے نیچے پھر چل دیا اور اس درخت کو چھوڑ دیا۔ پس رہنے کا اسباب مسافر کو نہیں بنانا چاہیے اور کوچ کرنے کے اسباب کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور ان دونوں آیتوں کے مضمون کو زیر نظر رکھنا چاہیے

انما مثل الحیوۃ الدنیا کماءٍ انزلناہ من السّماء فاختلط بہ نبات الارض ممّا یاکل الناس والانعام حتی اذا اخذت الارض ذخرفھا وازینت وظن اھلھا یعنی دنیا کے جینے کی وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر مل گئی ساتھ اس کے روئیدگی زمین کی جو کھاویں آدمی اور جانور یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک اور آراستہ ہوئی اور گمان کیا زمین والوں نے .... اور یہ آیت اعلموا انّما الحیوۃ الدّنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد یعنی جان رکھو دنیا کا جینا یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور لڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتائیت ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی۔ جب ماسوائے اللہ سے اعراض نظر آنے لگے تو اس کے شکر میں مشغول ہو جاوے واشکروا للّٰه ان کنتم ایّاہ تعبدون یعنی اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کا اگر ہو تم اسی کی بندگی کرتے۔ پس شکر اور صبر

کے جمع کرنے میں تمام دین حاصل ہو جاتا ہے

فالھمھا فجورھا و تقواھا قد افلح من زکّاھا و قد خاب من دسّاھا یعنی پھر سمجھ دی اس کو برائی اس کی کی اور پرہیز گاری اس کی کی۔ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ڈالا۔ فجور اور تقوی کے الہام کے بعد نفس کی خلاصی اس کے پاک کرنے میں صبر اور شکر کے ساتھ جیسا کہ ناشکری کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کذّبت ثمود بطغواھا یعنی جھٹلایا ثمود نے صالح کو بسبب سرکشی اپنی کے۔ اس سعادت عظمی کے حاصل ہونے کے بعد یہ خوف ہوتا ہے کہ سالک فخر میں نہ آ جاوے اس کا علاج یہ ہے لا الہ الّا ھو فاتّخذہ وکیلا یعنی نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا پھر بنا اسی کو کارساز کے معنی میں غور کر لے اور ہر چند ماسوا اللہ سے اعراض اور اللہ کے ذکر پر قدرت ہو جاوے۔ پر یہ حالت اعتبار کے لائق نہیں جب تک ظلم نہ چھوڑے آئت کریمہ انّ اللّٰہ لا یھدی القوم الظّالمین یعنی اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو اور آئت و لا یزید الظّالمین الّا خساراً یعنی اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو مگر ٹاٹا میں۔ یہ صاف مذکور ہے اور ظلم سب مامور چیزوں کے چھوڑنے اور منہیات کے استعمال کرنے کو شامل ہے اور ظلم کے چھوڑنے کے بعد بھی اگر ایمان کی لذت میں کوئی قصور دیکھے تو اس کا سبب اس آیت سے سمجھے و لا ترکنو الی الّذین ظلموا فتمسّکم النّار یعنی اور مت جھکو طرف ظالموں کے پھر لگے گی تم کو آگ۔ جب تک ظالموں کی طرف مائل ہونے کو نہ چھوڑے تا ہنوز اس راہ میں قدم نہیں ٹکایا اور ان سب بیماریوں کا علاج اس آئت میں فرمایا و رتّل القرآن ترتیلاً یعنی اور کھول کھول کر پڑھ قرآن صاف۔

اور دو چیزوں کے بارے میں بہت کوشش فرماتے۔ حضور نماز کے باب میں اور کلام اللہ کے تدبر کے باب میں۔ اور فرماتے تھے کہ الحمد للہ میرا بال بال قرآن مجید کی محبت سے بھرا ہوا ہے اور کبھی کبھی لوگوں کی سستی میں نظر فرما کر فرماتے سبحان اللہ! لوگ اشعار غریبہ کو یاد کرتے ہیں اور علوم فلاسفہ میں باریک بینیاں کرتے ہیں اور اللہ کی کلام کو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اور میں (غلام رسول) اور میرا دینی بھائی حیات گل جو کبھی کبھی حال کے مطابق فارسی شعر پڑھتے تو آپ فرماتے کہ اس کے بعد جو حال کے مطابق بات کرو قرآن مجید سے کرو۔ اور تعجب کے وقت بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے میں بہت کوشش کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ سنت صحابہ میں جاری تھی اور مدت سے مرگئی ہے۔ پہلے پہل جب ملاقات ہوئی تو کبھی کبھی اکیلے جنگل میں عاشقانہ بیت سن کر لذت اٹھاتے۔ دوسری بار جو ملاقات کا اتفاق ہوا تو سننے کے لئے قرآن مجید معین تھا۔ اور بیت سننے موقوف فرما دیئے تھے اور فرماتے تھے میں نے عہد کرلیا ہے کہ اپنے مالک کی کلام کے سوا کسی کی کلام کے ساتھ اپنے دل کو آرام نہ دوں گا۔

دہلی میں مولوی فخر الدینؒ کے خاندان کے قوالوں میں سے ایک شخص نے آپ کی اجازت کے سوا خوش آواز کے ساتھ ایک غزل پڑھی۔ بے ذوق ہو کر چپ رہے۔ اس کے جانے کے بعد فرمایا اس کی غزل نے کچھ لذت نہ دی اور ایسی غزلوں کا سننا قرآن مجید لی لذت کو کھینچ لیتا ہے۔

اور (دہلی جاتے ہوئے غالباً) راستے میں امام ربانی کی قبر پر جو راستے سے تین کوس فاصلے پر واقع ہے ہم گئے۔ مولوی صدر الدین سرہندی صاحب ایسے مزاروں پر جانے سے منع کرنے میں بہت مبالغہ فرماتے تھے کیونکہ وہاں بدعات کا ہجوم ہوتا ہے جیسے گنبد اور چراغ وغیرہ اور ایسی مزار پر جانا جائز نہیں جہاں بدعتیں موجود ہوں۔ جیسے اس ولیمہ کی دعوت میں جانا جائز نہیں جہاں ڈھول ڈھمکا ہو۔ جواب میں آپ نے فرمایا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے کہ ولیمہ میں تو وہی منہیات کے مرتکب ہوتے ہیں جو صاحب ولیمہ ہیں اس لئے وہ زجر اور توبیخ کے لائق ہیں اور اس جگہ ان حضرتوں نے تو لوگوں کو بدعتوں کا حکم نہیں دیا۔ پس اپنے کو اس عذر کے ساتھ زیارت سے ہٹانا اور ان کو دعا کے فائدے سے محروم کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر وہاں گئے اور اس قدر کھڑے ہو کر دعا کی کہ مجھ کو کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی۔ وہ ایسی حالت تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا لیکن چونکہ ان کی حالت کا پرتو تھا اس لئے وہ برقرار نہ رہا اور سب حضرتوں کی مزاریں جیسے خواجہ محمد زبیر اور خواجہ محمد معصوم وغیرھم ہم نے دیکھیں اور کھڑے ہو کر دعائیں کیں مگر خواجہ محمد حجۃ اللہ کے روضہ پر جو قدرے فاصلہ پر تھا نہ گئے۔ اس لئے کہ

آپ بیمار تھے۔ دور سے دعا کی اور راستہ میں فرمایا کہ فنا فی اللہ کی علامت یہی ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کسی چیز کے ساتھ اکتفا نہ کرے اگر چہ وہ کس قدر لذیذ ہو اور یہ مطلب نہیں ہے کہ لذت والی چیزوں کی لذت نہیں آتی (سوانح عمری عبداللہ غزنوی ص ۱۲۱۔۱۲۷)

جناب عبدالجبار غزنویؒ لکھتے ہیں کہ:

عبداللہ صاحبؒ ۱۲۳۰ھ میں بہادر خیل کے قلعہ میں جو شہر غزنی کے ضلع میں ہے پیدا ہوئے۔لڑکپن میں اپنے زمانے کے عالموں سے تحصیل علم میں مصروف رہے۔اس ابتدائی دور میں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے دادا محمد شریف کی قبر کے پاس، جو اس دیار میں مرجع اور مقبول انام ہے، گیا تو القاء ہوا لا الہ غیرك لیکن اس وقت میں نے غلطی کی اور میں نے خیال کیا کہ یہ ورد مجھ کو وظیفہ کرنے کے لئے سکھایا گیا ہے۔ اب میں نے جان لیا کہ وہ اللہ کی طرف سے الہام تھا کہ میرے سوا دوسرے کی طرف رجوع کرنا عبادت اور استعانت میں شرک ہے۔اکیلے اللہ کی طرف پوری توجہ چاہیے قبروں پر اس نیت سے جانا کہ میرا فلاں مطلب حاصل ہو جائے توحید میں رخنہ ڈالتا ہے اور کلمہ شہادت یعنی لا الہ الّا للّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کے معنی کے مخالف ہے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر کوئی گمان کرے کہ میں کسی نیک آدمی کی قبر کے پاس اس لئے نہیں جاؤں گا کہ ان سے کچھ سوال کروں بلکہ اس لئے جاؤں گا کہ وہ قبر مبارک مکان ہے وہاں میری دعا جلد قبول ہوگی، یہ بھی دین میں غلطی ہے۔عبادت کے لئے شارع نے مسجد مقرر کی ہے اور مقبرہ عبادت کی جگہ نہیں ہے۔.. اور فرماتے تھے کہ چھوٹی عمر میں مجھ کو یہ شوق از حد تھا کہ جنگل اور تنہائی میں جا کر دعا کروں اور اس کی طرف کمال توجہ تھی۔اور مجھ کو خیال تھا کہ ہر شخص کو دعا کا شوق اور ذوق ایسا ہی ہوگا۔ان دنوں میں بعض ارباب ذوق و باطن آپ کو فرماتے کہ تمہاری پیشانی چمکتی ہے خبردار ایسا نہ ہو کہ برے عالموں کی صحبت میں رہ کر اپنے دل کو خراب کرلو۔اور تمام خاص و عام آپ کی صلاحیت اور تقوی پر، جو طفولیت میں تھی، حیران تھے، اور علوم متداولہ کی تحصیل میں آپ تھوڑی مدت مشغول رہے۔آپ کی زیرکی اور فہم کی تیزی اور فکر کی سلامتی پر لوگ حسرت کی انگلیاں چباتے اور تعجب کرتے تھے۔آخرالامر جب آپ کی قوت کی شدت اور جوانی کی حد کو پہنچ گئے تو آپ کو جذبہ غیبی اور عنائت ربانی نے پا لیا۔اور آپ تمام

ان چیزوں سے جو اللہ تعالی کے سوا ہیں بیزار ہوکر اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو گئے اور تنہائی اور لوگوں سے کنارہ کشی آپ نے اختیار کی۔ دفعۃً حضور دائمی اور پاس انفاس یعنی احسان کا مرتبہ آپ کو دیا گیا۔

اور فرماتے تھے: ایک مبادی ہیں دوسرے مقاصد۔ مبادی سے وسیلے اور واسطے مراد ہیں۔ لوگ وسیلوں اور واسطوں کے ساتھ مقصودوں کو حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً صوفیوں کے اشغال یعنی ان کے لطیفے موضوعہ اخلاق حمیدہ یعنی تواضع توکل اور قصر امل اور قناعت اور صبر اور رضا اور زہد اور تقوی اور رتبہ یادداشت اور حضور دائمی کے تحصیل کے لئے وسیلے ہیں اور اللہ تعالی نے محض اپنے فضل عمیم سے اس حقیر کی تربیت کی ہے۔ پہلے اس فقیر کے دل میں اللہ نے مقاصد (مذکورہ) کو بغیر استعمال مبادی کے دفعتاً ڈالدیا جس کی وجہ سے اس نے تمام برے خلق مجھ سے یکبارگی اپنی بے غائت رحمت کے ساتھ کھینچ لئے اور احسان کا مرتبہ مجھ کو عطا فرمایا اور ماسوی اللہ کا خیال بالکل میرے دل سے اٹھ گیا اور مالک کا ایک ہونا نظر آ گیا اور نیت اور اخلاص ہر کام میں مجھ کو عنائت فرمائی الحمد للّٰہ علی نعمہ السا بغۃ سب تعریف واسطے اللہ کے اوپر نعمتوں اس کی پوری کے۔

آپ پہلے پہل لوگوں کی صحبت سے اس قدر بھاگتے تھے کہ تمام ناطے داروں اور دوستوں سے ہجرت کر کے خواجہ ہلال کے پہاڑ میں جہاں کوئی باشندہ نہ تھا جا کر رہنا اختیار کیا پس اس حدیث کے مضمون کے مطابق جس میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالی کسی بندے کو دوست بناتا ہے تو اس کے لئے قبولیت زمین میں رکھ دی جاتی ہے۔ لوگ اس جگہ بھی آپ کے پیچھے پہنچتے تھے۔ زمانے کے عالم فاضل آپ کے کام میں حیران تھے یہاں تک کہ بعض لوگ صرف دیکھنے کے ساتھ اور بعض صحبت اور مجلس کے ساتھ صاحب حالات وواردات ہو گئے۔

دور دور کے شہروں کے عالم بے بدل وحید عصر فرید دہر شیخ حبیب اللہ قندھاری کی طرف جو بلاد افغانستان میں ہر علم میں بے نظیر اور علوم دینیہ وغیرہ میں مجتہد وقت تھے کی طرف سفر فرمایا۔ کچھ مدت ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے وطن کی طرف لوٹ آئے اور آپ کی یہی حالت رہی کہ جو مسئلہ پیش آتا ان سے جا کر استفسار کر لیتے اور شیخ مذکور محققین کی

طرز پر جواب دیتے ۔اس ولائت میں شیخ مذکور کے سوا کوئی یہ طریقہ نہ رکھتا تھا اور وہ بھی برے عالموں اور وقت کے حاکموں کے خوف سے خاموش اور ساکت رہتے تھے اور اللہ کی مخلوق کو اس سید ھے راستے کی طرف دعوت نہ کر سکتے تھے ۔دوسری بار آپ نے قندھار کا پھر سفر کیا اور اپنے شیخ کے پاس بعض مشکلات حل کرنے کے لئے حاضر ہو گئے ۔شیخ مذکور آپ کے حال پر تعجب کرتے اور عام مجلس میں جس میں شہر کے عالم موجود ہوتے فرماتے دین کے مسئلوں کو جیسے یہ شخص سمجھتا ہے میں بھی نہیں سمجھتا ۔بعض سوالوں کے جواب میں انہوں نے لکھا :

یقول الفقیر الرّا جی و الملتجی الی رحمة اللّه الباری حبیب اللّه القند ھاری قد ند بنی من یحق لی مطا وعته بل نعل من الضرورات و لا یسعنی مدافعته بل عسی ان یکون من المخطورات ان املی رسالةً محتویةً علی حل اشکالات عر ضت له فعر ضہا علیّ و اجوبة سوالات المھمه فارسل بھا علی و قد عاملنی بمثل ذ لک قبلاً فکنت کمن کلف ان یتحمل ما لا یستطیع له حملاً اذ لیس الافتاء امراً ھیناً و عملاً سھلاً و لست اری نفسی لـلا نتساب فی ھذا المقام اھلاً علی انی یغلب علی ظنی ان المسئول عنه لیس با علم من السا ئل فیما سئل عنه من المسائل بل اری ان السائل افقه فی احکام الدین فائزاً با لاصول الی مر تبة الیقین فما بال جا ھل یر ید ان ید ل..(عا لماً)..؟ و ما شان اعمی ان یقود بصیراً و لاکنه لما کرر الا لحا ح و با لغ فی ا لافترا ح و حذر نی بالوعید الوارد فی الکتمان عیت بی العلل و ضاقت الحیل و لم اجد سبیلاً الی التعلل بعسی و لعل فا ضطررت الی ان اکتب قدر ما یصل الیه فھمی ---- اور آخر میں لکھا ھذا آ خر ما تیسر لی فی تحریره من اجو بة سئوا لات التی امتن علی بارسا لھا الی صاحبی و مخدومی المیاں محمد اعظم مد اللّه ظلال ارشاده علی مفارق المستر شدین و مدّ آ ثار احسا نه و افا ض انوار عر فا نه الی یوم القیا مه

(کہتا ہے محتاج امیدوار اور التجا کرنے والہ اللہ تعالی کی رحمت کی یعنی حبیب اللہ قندھای ۔مجھ کو بلایا

اس شخص نے جس کی تابعداری مجھ کو لائق ہے بلکہ واجب ہے اور نہیں جائز مجھ کو اس کا رد کرنا بلکہ حرام ہے اس امر کی طرف کہ میں ایک رسالہ لکھوں جو شامل ہو ان اشکالوں کے حل کو جو پیش کئے اس نے وہ سوال مجھ پر اور شامل ہو وہ رسالہ ان سوالوں کے جوابوں پر جنہوں نے اسے غم میں ڈالا۔ پھر بھیجے اس نے وہ سوال میری طرف اور اس سے پہلے بھی اس نے ایسے سوال مجھ سے دریافت کئے۔ پس میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اس چیز کے اٹھانے کی تکلیف دیا جائے جس کو وہ اٹھا نہ سکے۔ کیونکہ فتوی دینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ میں اپنے آپ کو اس مقام میں کھڑا ہونے کے لائق خیال کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں میرا گمان غالب ہے کہ میں ان مسائل کو ان سے اچھا نہیں سمجھتا جو مجھ سے پوچھتے ہیں بلکہ یقین کرتا ہوں کہ سائل احکام دین میں مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے اور وہ عین الیقین کے مرتبہ کو پہنچا ہوا ہے۔ پھر کیا حال ہے اس جاہل کا جو خبردار کو خبر دینا چاہے اور کیا حال ہے اس اندھے کا جو دیکھنے والے کو لے کر چلے۔ لیکن جب اس نے کئی بار الحاح کی اور مسائل کے جواب طلب کرنے میں مبالغہ کیا اور مجھ کو بیان کرنے کی ترغیب دی اور مجھ کو اس وعید سے ڈرایا جو کتمان میں وارد ہے تو میرے بہانے سست پڑ گئے اور داؤ تنگ پڑ گئے اور میں لیت ولعل کے ساتھ بہانہ نہ کر سکا۔ پس میں بے قرار ہوا اس امر کی طرف کہ میں اپنی سمجھ کے مطابق ایک رسالہ لکھوں... یہ اخیر ہے اس کا جو میسر ہوا مجھ کو اس تحریر میں ان سوالوں کے جواب سے جو ممنون کیا مجھ کو وہ سوال بھیج کر میری طرف میرے صاحب اور میرے مخدوم ومکرم میاں محمد اعظم نے اللہ تعالی پھیلا دے اس کے حکموں کا سایہ اس کے مریدوں کے سر پر اور زیادہ کرے اسکے احسان کی علامتوں کو اور پھیلا دے اس کی معرفت کے انوار قیامت تک)

دوسری بار جو آپ شیخ حبیب اللہؒ سے رخصت ہونے لگے تو شیخ نے فرمایا کہ یہ شہر تمہارے ملک سے بہت دور ہے اور تمکو یہاں آنے میں سخت تکلیف اور سفر کی مشقت ہوتی ہے اب آنے کی تکلیف نہ اٹھانا۔ جواب میں آپ نے کہا میرا آنا دین کی ضرورت کے واسطے ہے اور تکلیفوں اور مشقتوں کو جو میں اپنے پر گوارا کرتا ہوں تو آخرت کے کام کے لئے۔ شیخ نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تمہارا تربیت کرنے والا خود اللہ عزوجل ہے۔ تم کو میری حاجت نہیں۔ اللہ کبھی تم کو ضائع نہیں کرے گا اور اگر کبھی کوئی مشکل اور عقدہ پیش آئے گا تو اللہ کسی دیوار یا درخت کو آپ کے لئے گویا کر دے گا جس سے آپ کا عقدہ حل ہو جائے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے مالک نے جس کی ذات بزرگ ہے موافق شیخ حبیب اللہ کے کہنے کے میرے ساتھ معاملہ کیا۔

جناب عبدالجبار غزنویؒ کہتے ہیں:

قندھار کے قاضی اور عالم آپ کو دیکھ کر نہائت خوش ہوتے مگر ملّا کٹہ عداوت اور مخالفت کے درپئے تھا۔قندھار کے قاضی غلام نے ملا کٹہ کے بارے میں ملّا سعدالدین مقری کو لکھا کہ ملا کٹہ حقائق و معارف آگاہ الموفق من عنداللہ قائدالخلق الی صراط اللہ محی السنۃ وقامع البدعۃ میاں محمد اعظم صاحبزادہ کی نسبت یہ کہنا بجا اور درست ہے رجل مملو من السنّۃ من الفرق الی القدم اوراس نے سیراورسلوک باطن میں نسبت اویسی حاصل کرنے کے بعد محض اللہ پاک کی عنائت سے طریقہ نقشبندیہ میں قدم ٹکایا ہے اوراس طریق کے سیر وسلوک کو پورے طور پر حاصل کیا ہے اوراس طریقہ میں مجاز ہوگیا ہے اور اس کے بعد سید آدم بنوری کے طریق کو بھی حاصل کرلیا ہے اوراس طریقہ میں بھی مجاز ہوگئے ہیں۔ القصہ میاں محمداعظم کا ظاہر تقوی کے زیور سے اورحضرت محمد ﷺ کی شریعت کی موافقت کے ساتھ آراستہ ہے۔اس کا باطن اہل صفا کے احوالات اور مقامات کے ساتھ پیراستہ۔لیکن صرف اسی قدر نقصان ہے کہ یہ صاحبزادہ اپنے آپ کو ان (ملا کٹہ) کے مخلصوں اور دوستوں سے شمار نہیں کرتا، اسلئے ملا کٹہ اس بزرگ صاحبزادہ کو کبھی وہابی کہتا ہے اور کبھی مبتدع کہہ کر پکارتا ہے۔

دوسری بار قندھار سے واپس آکر اپنے ملک میں لوگوں کو توحیداوراتباع سنت کی طرف بلانا اور مروج رسموں کا رد شروع کیا۔اورنتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو آپ کے فرمانبردار تھے آپ کے مخالف ہوگئے اور ایذارسانی کے درپئے۔ پھراس نواح کے علماء اس مسئلہ میں کہ مذہب کے خلاف حدیث پر عمل کرنا چاہیے، پر بحث کے لئے جمع ہو گئے۔ بحث کے بعدانہوں نے اقرار کیا کہ حق آپ کی طرف ہےاور یہ بھی آپ کی ایک کرامت تھی کہ ان سب نے اپنا خطا پر ہونا مان لیا حالانکہ مقابلہ کے وقت ایسا اقرار مشکل ہوا کرتا ہے۔ دور دور کے علماء نے سنا تو وہ بھی مباحثہ سے ڈر گئے اوراس کے بجائے انہوں نے لوگوں کوجمع کر کے لڑائی کا ارادہ کیا مگر چونکہ آپ کے بھی دوست اور معتقد موجود تھے اس لئے مخالف کچھ نہ کر سکے۔ پھرانہوں نے بعض رئیسوں کے ذریعہ امیر کابل دوست محمد کے گوش مدہوش میں یہ بات ڈلوائی کہ اس شخص کو اگر ایک سال تک ایسا ہی چھوڑ دو گے تو تمہارے ملک اور بادشاہی کو خراب کردے گا اور سلطنت میں

خلل عظیم ڈال دے گا۔ دولت کے کئی امیر اور عہدہ دار اس شخص کے معتقد اور مرید ہیں اس موقع پر آپ کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ امیر وقت کے طلب کرنے سے پہلے ہم کابل جاویں اور امیر کے سامنے مخالفین سے بحث کریں۔ اور یوں آپ کابل آ گئے۔ مخالفین بھی حاضر ہوئے۔ سینکڑوں ملا موجود تھے انہوں نے پوشیدہ طور پر اس بات پر اتفاق کیا کہ مباحثہ میں اس پر ہم غالب نہیں ہو سکتے۔ اس پر جھوٹی گواہی دینا چاہیے۔ اور امیر سے کہا اس شخص کے ساتھ ہم مناظرہ نہیں کریں گے بلکہ ہمارے پاس پختہ گواہ اس بات کے موجود ہیں کہ یہ ایسے الفاظ بولتا ہے جن سے اس کا کافر و مرتد ہونا لازم آتا ہے۔ اور پھر جھوٹے گواہوں نے گواہی دی کہ یہ شخص حضرت رسول اللہ ﷺ کا منکر ہے اور شفاعت کا منکر ہے اور نبوت کا دعوی کرنے والہ ہے، وغیرہ۔ امیر نے یہ باتیں سنیں تو اسے محسوس ہو گیا کہ کہ جھوٹ ہے لیکن سلطنت میں ان لوگوں کے شور وشغب سے ڈر کر اس نے کہا مصلحت یہی معلوم ہوتی ہے کہ تم اس ملک سے چلے جاؤ اور یوں اس نے آپ کو کابل سے نکال دیا۔ اور آپ سواد بنیر میں پہنچے اور وہاں سے کوٹھہ اور وہاں سے ہزارہ۔ ملک ہزارہ سے دہلی میں بقیۃ المحدثین فخر المتاخرین زمانے کے استاد اور وقت کے امام سید نذیر حسینؒ کی خدمت میں گئے اور حدیث کی کتابوں کی وہاں سے سند حاصل کر کے واپس آئے۔ آپ کے واپس آنے کے وقت دہلی کا غدر جو مشہور ہے ظہور میں آیا۔ تمام عالم کے مال واسباب لوٹ لئے گئے الا ما شاء اللہ۔ حافظ حقیقی نے آپ کا اسباب مع کتابوں کے بچا لیا۔ لٹیروں نے راستے میں آپ پر حملہ کیا اور کابلی پٹو جو آپ کے بدن پر تھا آپ کے بدن سے اتار کر بھاگ گئے۔ ایک دن کے بعد وہی پٹو خوب تہ کر کے لے آئے اور آپ کے آگے رکھ کر چپ چاپ چلے گئے۔ جب آپ پنجاب پہنچے تو اللہ کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کیا اور کتاب وسنت کی تابعداری کی رغبت دینے لگے۔ اس سے پہلے پنجاب میں توحید کا نام ونشان نہ تھا۔ آپ کی صحبت بابرکت بہت سے لوگ توحید کا دم بھرنے لگے۔.. پھر آپ پنجاب سے ڈیرہ اسماعیل خان گئے۔ پھر اس جگہ سے بدیں امید کہ امیر دوست محمد کا خیال بدل گیا ہوگا اپنے وطن مالوف پہنچے۔ ایک ماہ قیام کیا ہوگا کہ یکایک امیر دوست محمد کے سوار آپ کے اخراج کا پروانہ لے کر آ گئے۔ اور آپ وہاں سے نکل کر ملک ناوہ میں آ گئے

اور وہاں اقامت اختیار فرمائی ۔ یہاں شہر کے عالموں نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور آپ کا اسباب اور کتابیں لوٹ لیں ۔جن لوگوں کے ساتھ آپ مقیم تھے اس بستی کے لوگوں نے ان عالموں سے کہا اگر تمہارا ارادہ مباحثہ کا ہے تو ہمارے سامنے کرو اگر فتنہ فساد کا ارادہ ہے تو ہم تمہارے ساتھ لڑیں گے ۔اسی وقت اس مجلس میں آپ کا ایک خادم ملا مراد پہنچا اور بولا کہ مناظرہ کرنا ہے تو میں موجود ہوں ۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو اس نے سب کو چپ کرادیا۔اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ اس کے ایک ادنی خادم نے یہ حال کیا ہے تو ہم اس کے ساتھ مباحثہ کیسے کر سکتے ہیں اور وہ لاچار ہو کر چلے گئے ۔لیکن کچھ وقت کے بعد امیر دوست محمد نے وہاں سے بھی نکل جانے کا حکم بھیج دیا۔ ناوہ والے امیر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے وہ ناچار ہو کر آپ کو اہل وعیال سمیت یاغستان کے پہاڑوں میں پہنچا گئے اور آپ نے وہاں ایک درے میں آبادی کر لی ۔اس قدر امتحانوں کے باوجود آپ برابر توحید وسنت کی دعوت میں مصروف رہے اور شرک و بدعت کی رسموں کے رد میں لگے رہے ..کچھ عرصہ بعد ناوہ کے عالموں نے یہاں بھی آپ پر حملہ کر دیا، گھروں کو جلادیا اور چند ساتھیوں کو زخمی کر دیا۔ پھر آپ بے گھر ہوئے اور برے حاکموں کے ہاتھوں جور اٹھاتے دیہہ بہ دیہہ اور کوہ بکوہ پھرتے رہے ۔انہی دنوں امیر دوست محمد فوت ہو گیا تو آپ وطن لوٹ گئے کہ وہاں کے لوگ آپ کے معتقد تھے امیر شیر علی امیر ہوا۔آپ نے اسے خط لکھا کہ میں مظلوم ہوں اور حاسدوں کے افترا اور تہمت کے ساتھ تمہارے باپ نے مجھ کو اپنے ملک سے بدر کر دیا تھا تم اس کام میں اپنے باپ کی تابعداری نہ کرنا ۔امیر نے جواب دیا کہ میں ایک شخص کی تمام رعایا کے خلاف رعائت نہیں کرسکتا ۔تم کو لازم ہے کہ ہماری ولائت سے باہر ہو جاؤ ۔ آپ حیران ہوئے کہ اب کیا کروں ۔اور کچھ عرصہ ایک غار میں بھی چھپے رہے۔ کچھ عرصہ بعد باہر آئے تو محمد افضل خان اور محمد اعظم خان سلطنت کے مالک تھے ۔حاسدوں نے ان تک شکائتیں پہنچائیں تو افضل خان نے مقر کے حاکم کو لکھا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ ۔اور یوں آپ صوبہ دار محمد عمر خان پسر سردار دوست محمد کے سامنے حاضر کئے گئے ۔اس کے جرنیل نے کہا کہ میں اسے توپ سے اڑا دیتا ہوں ۔محمد عمر آپ کو دیکھ کر متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ آپ اپنا راستہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور جو مولوی کہتے ہیں وہ کیوں

نہیں کرتے؟ آپ نے کہا میں کتاب وسنت کی طرف دعوت جاری رکھوں گا۔ پھر صوبہ دار نے مناظرے کا انتظام کیا آپ نے اپنے بیٹے ۲۰ سالہ عبدالجبار کو آگے کر دیا۔ یہ لڑکا مجمع علماء پر اتنا غالب آیا کہ صوبہ دار اور اعیان آفرین آفرین کہنے لگے اور اندر باہر شور مچ گیا کہ ایک لڑکے نے تمام عالموں اور قاضیوں کو ساکت کر دیا۔ محمد عمر نے افضل خان اور اعظم خان کو خط لکھا کہ میں نے اس شخص کو گرفتار کیا، علماء نے اس سے مناظرہ کیا لیکن ساکت ہو کر چلے گئے۔ یہ شخص صالح اور فقیر ہے۔ اب جو حکم فرمائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسے کابل بھیج دو۔ چنانچہ آپ کو کابل پہنچا دیا گیا۔ وہاں مولویوں نے کہا کہ ہم اس کا کفر پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں اب دوبارہ تحقیق کی ضرورت نہیں یہ واجب القتل ہے۔ وہاں ملا مشکی بھی تھا اس نے کہا کہ میں قتل کا حامی نہیں پھر فیصلہ ہوا کہ اسے درے مارے جائیں اور یوں آپ کو درے لگائے گئے تین آدمی نوبت بنوبت درے مارتے تھے ایک تھک جاتا تو دوسرا آ جاتا۔ سو سے زائد درے لگائے گئے۔ بعد میں ایک مرتبہ نووی کی ریاض الصالحین آپ کے سامنے پڑھی جا رہی تھی جب یہ حدیث آئی کہ شہید کو مقتول ہوتے وقت اتنی درد بھی نہیں ہوتی جتنی ایک تمہارے کو چیونٹی کے کاٹنے سے درد ہوتی ہے، تو فرمایا میں باوجودیکہ شہید نہیں ہوا تھا، شہر کابل میں وہ پہلوان جو مجھے زور سے مارتا تھا مجھے خبر بھی نہ تھی کہ مجھے مار رہا ہے یا کسی اور کو۔

جب ظالم اس زدوکوب اور تشہیر سے فارغ ہوئے تو آپ کو بیٹوں سمیت قید خانہ میں لے گئے۔ داڑھی مونڈ دی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا عزت اور داڑھی کیا چیز ہے جو مولا کی راہ میں چلی گئی شکر کرو دین ہاتھ سے نہیں گیا۔ رونا تو مخالفین کو چاہیے کہ وہ دین سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دو سال اپنے بیٹوں کے ساتھ قید میں رہے۔ ان سنگدل حاکموں کی طرف سے ایک حبہ بھی مقرر نہ تھا بس قید خانے میں پھینک کر بھول گئے اور خبر تک نہ لی پھر امیر افضل مر گیا اور امیر اعظم حکمران ہوا اس کم بخت نے خان ملاّ خان عبدالرحمٰن کے بہکانے پر عین گرمی کے موسم پیادہ پا بغیر زادراہ پشاور کی طرف نکال دیا اور سخت دل سپاہیوں کو آپ کے ساتھ مقرر کیا کہ بہت جلد آپ کو پشاور پہنچا دیں۔ اوپر سے گرمی۔ نیچے زمین کی تپش۔ پاؤں جلتے تھے اور آرام لینے کی مہلت سپاہی نہ دیتے۔ اس سفر میں دو خادم آپکے ساتھ تھے ایک ملاّ سفر اور دوسرا ملاّ مراد۔ جب آپ چل نہ سکتے تو ملاّ

سفر آپکو اٹھالیتا۔ یوں آپ پشاور پہنچے اور ملاّ سفر راحلہ عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا ان تکلیفوں، مصیبتوں کی مدت ۱۵ سال تھی۔ پشاور میں تھوڑی مدت قیام کیا۔ پھر امرتسر آ گئے۔ آپ کو دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا۔ صحبت میں بیٹھنے سے خطرے اور فکر ذرات کی طرح اڑ جاتے تھے۔ روپئہ کو ٹھیکری کی طرح سمجھتے تھے صدہا روپئے آتے، ضرورت مندوں میں فوراً تقسیم کر دیتے۔ یتیم مسکین آپ پر اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ جس وقت حاضر ہوتے جس قدر روپئہ ہوتا آپ کے ہاتھوں سے کھینچ لیتے، آپ مسکراتے رہتے۔ آپ کی جیب اور دامن کو دیکھتے آپ مسکرا کہتے کہ جس وقت اور آئے گا تم کو دیا جائے گا۔ تسبیح اور تحمید اور دعاؤں کے سوا آپ کا کوئی شغل نہیں تھا۔ پانزدہم ربیع الاول ۱۲۹۸ھ میں آدھی رات کو فوت ہوئے۔ امرتسر میں دفن ہوئے۔ محدثین محققین کی کتابیں طلب کرتے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی کتابوں سے کبھی سیر نہ ہوتے۔ فرماتے شاہ ولی اللہؒ جیسوں کی نسبت ان دونوں شیخوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے علماء خراسان کی نسبت شاہ ولی اللہ کے ساتھ۔

قاضی عبدالاحد خان پوریؒ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ میرے حق میں دعا کیجئے کہ اللہ ایمان میں استقامت دیوے۔ فرمایا میں تو اس شخص کے حق میں بھی دعا کرتا ہوں جو کابل میں مجھ کو نہائت سختی سے مارتا تھا کہ یا اللہ اس کو معاف کر اور اس کو بہشت میں داخل کر کیونکہ وہ جاہل تھا، جانتا نہ تھا۔ تمہارے لئے کیوں دعا نہ کروں بلکہ میرے دل سے بے اختیار تمام مسمانوں کے لئے دعا نکلتی ہے جو آدم سے اس دم تک پیدا ہوئے ہیں۔ (سوانح عبداللہ غزنوی۔ص ۱ تا ۵۰۔ مختصراً)

افغانستان سے ہجرت کے بعد کچھ عرصہ آپ نے امرتسر کے نزدیک بستی خیردی میں قیام کیا۔ پھر امرتسر آ گئے اور مدت العمر وہیں رہے۔ امرتسر میں ایک محلّہ، محلّہ غزنویہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

عبداللہ صاحبؒ کی زندگی وہ خود مرجع عوام تھے لوگ آ کر فیض صحبت سے مستفیض ہوتے۔ عبداللہ کے فوت ہونے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہؒ جانشین ہوئے۔ وہ تھوڑا عرصہ زندہ رہے اور ان کی وفات کے بعد مولوی عبدالجبارؒ جانشین ہوئے اور آپ کے دور میں روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا اور آپ کے علم وفضل کے چرچے ہند اور بلاد

عرب میں پہنچ گئے اور آپ کے شاگرد ہر سو پھیل گئے ۔ آپ نے مسجد غزنویہ کی درس گاہ کو باقاعدہ دار العلوم کی شکل میں تبدیل کیا اور اس کے لئے ایک نظام قائم کر دیا۔ آپ کے شاگرد پنجاب کے اکثر مدارس میں مدرسی کے فرائض انجام دینے لگے اور محراب ومنبر کی زینت بنے ۔

پھر عبداللہ صاحبؒ کی اولاد نے تصنیف وتراجم کا کام کیا قرآن کریم کا ترجمہ حمائل غزنوی شائع کی ۔ وعظ وتذکیر کا سلسلہ شروع کیا ۔ یہ لوگ اچھے مقرر تھے سادہ اور دل نشین انداز بیان جو دلوں پر اثر کرتا ۔ بیعت وتصوف کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ متاثرین میں اوراد و وظائف کا ذوق پیدا ہوتا تلاوت قرآن کا جذبہ پیدا ہوتا ۔ اس خاندان کا تصوف متصوفین کے آداب ورسوم سے پاک تھا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر بات کرتے ۔

سید صدیق حسنؒ تقصار میں لکھتے ہیں:

> واشتغال داشت بعبادت وریاضت واشاعت علم حدیث واتباع سنت واوراشانے بزرگ بود دریں باب کہ نظیر آن از اہل عصر حاضر معلوم نیست .... ہر کہ بصحبت وی رسیدہ از خلق رمیدہ و بخالق رسیدہ نماز درپس او رنگ حضور دیگر می آرد (بہت بزرگ تھے اور علم حدیث اور اہل سنت کے علم سلوک کے جامع تھے ۔ نیز عبادت وریاضت واشاعت علم حدیث اور اتباع سنت آپ کے مشغلے تھے اور اپنے وقت میں عدیم المثال حیثیت کے بزرگ تھے نیز فرمایا جس نے آپ کی صحبت اختیار کی وہ مخلوق سے کٹ کر خالق سے مل گیا اور ان کے پیچھے نماز حضور قلب کے اعتبار سے کوئی اور ہی رنگ رکھتی تھی) ۔

اولاد میں عبداللہ، احمد، محمد، عبدالجبار، عبدالواحد، عبدالرحمٰن، عبدالحی، عبدالقدوس، عبدالرحیم، عبدالقیوم، عبدالعزیز اور عبدالستار ہوئے ۔ ان میں سے چھ حضرات، جناب میاں نذیر حسین محدثؒ کے شاگرد ہوئے۔

آپ مستجاب الدعوات تھے، اور اس سلسلے میں کئی روایات زبان زد عوام ہیں ۔ مثلاً جناب محی الدین احمد قصوری کہتے ہیں کہ نماز عصر کے بعد ان کا خاص وقت تھا جن لوگوں نے دعا کرانی ہوتی وہ اس وقت پہنچ جاتے ۔ میرے والد بزرگوار کے پھوپھا مولوی غلام قادر کو ان سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ ایک مرتبہ وہ امرتسر پہنچ گئے تو نماز کے بعد اپنا تعارف کرایا کہ میں دلاور کے فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں. فرمایا پھر تو تم علم سے کچھ دسترس رکھتے ہو گے ۔ انھوں نے از راہ انکسار عرض کیا کچھ شد بد رکھتا ہوں ۔ ایک دن حضرت نے اپنی کسی کتاب کا ایک قلمی نسخہ نکالا اور

مولوی غلام قادر سے فرمایا کہ کچھ کتابت کر سکتے ہو تو یہ چھوٹی سی کتاب نقل کر دو...کئی دن کے بعد یہ کتاب نقل کر کے لے گئے تو چونکہ خط بہت اچھا اور صاف تھا، بے حد خوش ہوئے۔ ایک روز نماز عصر کے بعد پھوپھا صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لئے بھی دعا فرمائیں۔ پوچھا کیا دعا کروں؟ عرض کیا مجھے دردسر کا کبھی ایسا شدید دورہ پڑتا ہے کہ میں بے حال ہو جاتا ہوں اور میری نمازیں قضا ہو جاتی ہیں دعا فرمائیں یہ شکائت دور ہو جائے اور میری نماز باجماعت قضا نہ ہو۔ چند منٹ ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا قبول شد انشاء اللہ۔ میرے والد صاحب کے پھوپھا اس وقت بالکل جوان تھے، ستر سال کی عمر پائی۔ گویا دعا کے بعد تقریباً ۴۵ سال زندہ رہے۔ دردسر کا دورہ ایک مرتبہ بھی اس مدت میں نہیں ہوا۔ سفر و حضر میں نماز باجماعت کبھی ضائع نہیں ہوئی۔ آخری رات عشا کی نماز باجماعت پڑھی۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہوئے اور فوت ہو گئے

۔(سوانح سید داؤد غزنوی)

حکیم سید عبدالحیؒ نے لکھا ہے:

الشیخ العالم المحدث عبد اللہ بن محمد بن محمد شریف الغز نوی الشیخ محمد اعظم الزاھد المجاھد السا عی فی مر ضا ۃ اللّٰہ المئوثر لرضوا نہ علی نفسہ و اھلہ و ما لہ و اوطانہ صاحب المقا مات الشھیرۃ و المعارك العظیمۃ الکبیرۃ (نز ھۃ الخوا طر۔ ج ۷ ص۳۰۲)۔

(حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی شیخ تھے امام تھے عالم تھے زاہد تھے مجاہد تھے رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھے اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان اپنا گھربار اپنا مال اپنا وطن سے کچھ لٹانے والے تھے۔ علماء سوء کے خلاف ان کے معرکے مشہور ہیں)

اور جناب شمس الحق ڈیانویؒ، غایۃ المقصود کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

انّہ کان فی جمیع احوا لہ مستغرقا فی ذکر اللّٰہ عز و جل حتی ان لحمہ و عظا مہ و اعصا بہ و اشعارہ و جمیع بد نہ کان متوجھا الی اللّٰہ تعالی فا نیاً فی ذکرہ عز و جل۔ (کہ سید عبداللہ ہر وقت اور ہر حالت میں خدائے بزرگ و برتر کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے حتی کی ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں انکے پٹھے اور ان کا ہر ہر بن مو، اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ اللہ عزوجل کے ذکر میں فنا ہو گئے تھے)

سید صدیق حسن، تقصار من تذکار جیود الاحرار (ص۱۹۲) میں لکھتے ہیں:

چرخ اگر ہزار چرخ زند مشکل کہ چنیں ذات جامع کمالات بر روئے ظہور آرد ہم محدث بود و ہم محدث (آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے تو مشکل ہے کہ اب سید عبداللہ ایسی جامع کمالات ہستی معرض وجود میں آئے۔ وہ محدث بھی تھے اور محدِث بھی)۔

جب سردار محمد عمر کے سپہ سالار نے آپ کو توپ سے اڑانے کی بات کی اور محمد عمر نے کہا کہ آپ مولویوں کی بات کیوں نہیں مان لیتے تو آپ فرمایا:

قصد محکم دارم و عزم مصمم کہ تا جان در بدن دارم و سر برتن در خدمت کتاب وسنت بہ نہائت سرگرمی کوشم ایں چہ مصائب است کہ بر من می آئد من از رب خود ہمیں میخواہم کہ دریں راہ تکہ شوم و امعاء و ردد ہائے من در بیاباں بر سر بوتہ و خار افتادہ زاغہا بنولہ ہائے خود زنند (مخطوطہ عبدالجبار غزنوی) (میں قصد محکم اور عزم مصمم رکھتا ہوں کہ جب تک میرے بدن میں جان باقی ہے اور میرے جسم پر سر سلامت ہے کتاب وسنت کی نہائت گرم جوشی سے خدمت کروں۔ یہ کیا مصیبتیں ہیں جو مجھ پر آتی ہیں؟ میں تو اپنے آقا سے یہی آرزو کرتا ہوں کہ اس راستے میں میرے پرزے اڑا دیئے جائیں اور میری انتڑیاں جنگلوں کی خاردار جھاڑیوں پر پھینک دی جائیں اور کوے ان پر چونچیں ماریں)۔

ہندوستان میں نماز میں تعدیل ارکان انہی کی بدولت آئی۔ بتایا جاتا ہے کہ میاں نذیر حسین محدثؒ نے فرمایا کہ عبداللہؒ حدیث مجھ سے پڑھ گیا اور نماز پڑھنا مجھے سکھا گیا۔ ردشرک، رد بدعات اور عمل بالحدیث میں پنجاب اور صوبہ سرحد (جو اس وقت پنجاب ہی کا حصہ تھا) میں آپ کی خدمات انمول ہیں۔ ان سے پہلے بہت کم افراد اس مسلک پر کاربند تھے اور اہل حدیث کی مساجد میں شائد اکا دکا ہی تھیں، اور مدارس کی تعداد تو شائد مدرسہ محمدیہ لکھوکے سے آگے نہیں بڑھتی۔ آپ کی وجہ سے پنجاب کے کئی گوشوں میں توحید کا نور چمکا اور سنت کا احیاء ہوا۔ ۱۸۵۵ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک جہاں مختلف اوقات میں پنجاب و سرحد کے مختلف مقامات پر آپ کا قیام رہا (مثل سوات، پشاور، سکندر پور (ہری پور) نوشہرہ، لاہور۔ امرتسر، لاہور، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ) آپ نے لوگوں کو توحید وسنت کا پیغام پہنچایا۔ ۱۸۶۷ء کے بعد مستقلاً امرتسر میں قیام فرمایا اور ۱۸۷۹ء تک وہاں تعلیم سلوک اور قرآن وسنت کا نور پھیلاتے رہے۔ بڑے بڑے لوگوں نے آپ سے علمی اور روحانی استفادہ کیا جن میں جناب غلام رسول قلعویؒ، قاضی حیات گلؒ ڈھیری سکندر پور، جناب محی الدین عبدالرحمٰن لکھویؒ، جناب محمد حسین بٹالویؒ، جناب حافظ محمد یوسف امرتسریؒ، جناب حافظ عبدالمنان

وزیرآبادیؒ ، عبدالحکیم نصیرآبادیؒ ، وغیرھم شامل ہیں ۔ میاں نذیر حسین محدثؒ بھی علم سلوک کے شائقین کو آپ کے پاس کسب فیض کیلئے بھیج دیا کرتے تھے ۔آپ بیعت لیتے تھے، اوراد و مراقبات سکھاتے اور توجہ دیتے تھے ۔لیکن آخر عمر میں توجہ اور ضربات وغیرہ کو ترک کر دیا تھا اور صرف قرآن پاک تعلق جوڑ لیا تھا۔ بیعت کے معاملے میں امرتسر کے ایک اور صاحب باطن اہل حدیث عالم جناب غلام العلی قصوریؒ سے آپ کا اختلاف بھی رہا۔ لیکن اختلاف کے باوجود باہمی احترام ہمیشہ قائم رہا۔ جناب عبداللہ غزنویؒ کے پاس جب کوئی جناب غلام العلیؒ کے اختلاف کا ذکر کرتا تو وہ فرماتے : برائے خدا مے گوید ۔ اور دوسری طرف جب جناب غلام العلیؒ نے عدم جواز بیعت پر ایک رسالہ لکھا اور جناب عبدالجبار غزنویؒ نے جواز بیعت پر ایک رسالہ لکھا تو جناب غلام العلیؒ سے لوگوں نے کہا کہ اس کی تردید بھی ہونی چاہیے ۔آپ نے فرمایا ، ہرگز نہیں ۔ میرے نزدیک جو بات حق تھی میں نے لکھ دی ، ان کے نزدیک جو حق بات تھی انہوں نے لکھ دی۔

اپنی آخری بیماری میں اپنی حیات مستعار کے کچھ ایام آپ نے لاہور میں جناب محمد حسین بٹالوی کے پاس گذارے جہاں وہ ان کا علاج معالجہ اور تیمارداری کرتے رہے ۔ لاہور سے امرتسر واپسی کے چندروز بعد ان کی وفات ہوگئی ۔

جناب محمد حسین بٹالوی نے لکھا ہے :

> حضرت عبداللہ غزنوی ، ہمارے مرشد، واقعی عمل بالسنہ اور زہد میں امام تھے۔ موجودہ اہلحدیث پنجاب و ہندوستان نے نماز میں اعتدال ارکان ان ہی سے سیکھا ہے ۔اور زہد و تبتل الی اللہ کا کچھ اثر اس گروہ کے بعض افراد میں پایا جاتا ہے تو یہ انہیں کی صحبت کا اثر ہے۔ لہذا وہ اہل حدیث پنجاب و ہندوستان کے بہت لوگوں کے امام تھے ۔ ومعہذا انہوں نے اپنی تمام عمر میں نہ امام کہلایا، نہ شیخ، نہ مولوی، نہ پیر، نہ مرشد وغیرہ ۔ بلکہ ان الفاظ والقاب میں سے سب سے ہلکا اور عام مروج خطاب ،مولوی ،کا استعمال بھی اپنے لئے جائز نہ رکھا، نہ اپنے مخلصین و اتباع واولاد کے لئے ۔ نہ کوئی ان کو مولوی کہتا، نہ ان کی زندگی میں ان کے سامنے ان کے کسی بیٹے کو کوئی مولوی کہتا۔ وہ خود بھی اپنی زبان سے کسی بیٹے کو یا کسی اور مخلص متبع کو مولوی نہ فرماتے خاکسار کو، جو ان کے ادنی خادموں سے تھا، جب آپ یاد فرماتے ،صرف بلفظ حسین یاد فرماتے اور یہی لفظ خطوط میں ارقام فرماتے ۔ایک دفعہ حافظ محمود امرتسری نے ان کو لفظ مولوی یا مولوی صاحب سے مخاطب کیا تو آپ اس پر ایسے آشفتہ خاطر ہوئے کہ ان سے کلام کرنا ترک کر دیا۔

آخران کوان کے خوش کرنے کا بجز اس کے کوئی حیلہ وسبب نظر نہ آیا کہ آپ کو لیٹے ہوئے دیکھ کر پاؤں سے ہلا کر یہ کہہ کر اٹھایا کہ: عبداللہ برخیز ۔جس پر آپ خوش ہو گئے اور بولے: الحمدللہ مرا خوش کردی ۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ ۔ج ۲۱۔ص ۱۶۹۔۱۷۰)

ایک اور مقام پر جناب بٹالوی مرحوم نے لکھا ہے:

پنجاب خصوصاً امرت سر میں جماعت اہل حدیث میں بیعت توبہ کے مسنون یا ممنوع ہونے میں سخت اختلاف رہا ۔ایک بزرگ متبتل الی اللہ قائم بامر اللہ (حضرت عبد اللہ غزنویؒ) بیعت توبہ کو مسنون سمجھتے اور لوگوں سے بیعت لیتے ۔ایک مقتدائے قوم (ابو عبداللہ غلام العلی قصوریؒ) اس کو ممنوع سمجھتے اور اس سے کمال تشدد کے ساتھ لوگوں کو منع کرتے اور اس کو عام گمراہی کا ذریعہ سمجھتے جو اکثر دکانداروں میں پھیلی ہوئی ہے جو کہ بزرگوں کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور فقیری اور رہنمائی کا ان میں نام ونشان نہیں، اور اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ اول الذکر بزرگ چونکہ کمال درجے کے متبع سنت تھے اور ہوائے نفس کو رضائے مولی میں فنا کر چکے تھے لہذا وہ ثانی الذکر مقتداء کے تشدد پر آشفتہ نہ ہوتے بلکہ حسن ظنی سے ان کے حق میں یہ کلمہ فرمایا کرتے کہ: ابوعبداللہ برائے خدا می گوید وابوعبداللہ بس غنیمت است ۔

حضرت عبداللہ غزنوی اپنی ابتدائی واوسط حالت میں جب کہ مراقبات واشغال صوفیہ معمولہ متاخرین صوفیائے کرام عمل میں لاتے، ان کی تاثیر صحبت و بیعت یہ مشہور تھی کہ جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اسکی نماز تہجد نہ چھوٹی، اور بعض لوگوں نے ان کو صرف آنکھ سے دیکھا تو ان کا ذکر قلبی جاری ہو گیا ۔اخیر عمر میں ان پر اتباع سنت غالب ہو گیا، تو انہوں نے ان مراقبات واشغال کو یک قلم ترک کر دیا، اور کتاب اللہ پر عکوف اختیار کیا ۔ میں نے اور میری مثل اور معتقدین نے حضرت سے بارہا عرض کیا کہ اشغال صوفیہ کو اگر کوئی اصل مطلوب شرعی نہ سمجھے اور اسکے استعمال پر احکام شرعیہ کی مانند التزام نہ کرے، بلکہ ان کو بطور مداواۃ و معالجہ عمل میں لاوے تو اس کو مولانا اسماعیل شہید نے بھی (جو ہندوستان میں اتباع سنت کی تخم ریزی کرنے والے ہیں) کتاب ایضاح الحق کے صفحہ ۲۵ میں جائز لکھا ہے اور بدعت ہونے سے خارج کیا ہے ۔آپ وہ اشغال جاری کریں تو لوگوں کو فائدہ پہنچے ۔تو اسکے جواب میں صرف یہ کلمہ کہہ کر خاموش

ہو جاتے کہ دعا کنی ۔ جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا کہ ان اشغال کو جاری کرنا میرے دل سے اٹھ چکا ہے، تم ان کو جاری کرانا چاہتے ہو تو خدا سے دعا کرو کہ وہ میرے دل میں یہ خیال ڈالے ۔

جناب احمد اللہ امرتسریؒ راوی ہیں کہ آپ نے ایک اور معتقد کے جواب میں فرمایا:

کہ دریں عیبے دیدم کہ ایں ہمہ را گذاشتم

اور مولوی صاحب غلام رسول ساکن قلعہ کو یوں فرمایا:

مولوی ! آنچہ مشائخ زمانہ لطائف و وظائف جاری کردہ اند دریں نفس زندہ میشود نہ روح ۔ روح کہ میت است از اتباع سنت زندہ میشود۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد۲۰۔ص ۳۴۹۔۳۵۱)

جناب عبد اللہ غزنویؒ بعد موت بھی مخالفین کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنے رہے ۔ جیسا کہ ایک دفعہ جناب ثناء اللہ امرتسریؒ نے ، اپنے معاصر مقلدین کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

ثابت کرو ورنہ ہم اسے افترا اور بہتان کہنے میں حق بجانب ہوں گے

قرآن مجید کی سچائی کا یہی ایک ثبوت کافی ہے کہ اس میں اخلاقی تعلیم ایسی پاکیزہ دی گئی ہے جس سے مخالفانہ جزبات حد سے متجاوز نہ ہوں چنانچہ ارشاد ہے : لا یجرمنکم شنآن قوم علی الّا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتّقوی ۔ یعنی کسی قوم کے رنج میں بے انصافی نہ کیا کرو بلکہ ہمیشہ انصاف کیا کرو انصاف ہی تقوی کے قریب لے جانے والا ہے

اللہ اللہ ! کیسی پاکیزہ تعلیم ہے ۔ اسی سنہرے اصول پر ارشاد مبنی ہے

انّما یفتری الکذب الّذین لا یؤمنون بآیات اللّٰہ

یعنی افترا کرنے والے خدا کی آیات (قرآن مجید) پر ایمان نہیں رکھتے ۔

کسی پر افترا کرنا یعنی جو اس نے نہ کیا ہو یا نہ کہا ہو اس پر لگانا کیسا خوفناک منظر اور کیسا خطرناک گناہ ہے ۔ باوجود ان ہدایات اور آیات صریحہ کے مسلمان کہلانے والے جب کسی ناکردہ گناہ پر افترا کریں تو کیوں نہ مقام حیرت ہو۔ اخبار الفقیہہ امرتسر میں اس کا نامہ نگار لکھتا ہے:

کہتے ہیں مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی کے باپ مولوی عبد اللہ صاحب کو بھی

یہی مرض تھا کہ لوگ مشرک ہوئے جاتے ہیں اس لئے انہوں نے کلمہ شریف میں کان محمد رسول اللہ کہنے سے یہ شبہ دور کر دیا کہ جناب ﷺ اپنے زمانہ میں رسول اللہ تھے، اب نہیں ہیں۔ (الفقیہہ ۱۴۔ اگست ۱۹۲۹ء ص ۳ کالم ۱)

آہ! کیسا افترا ہے کیسا بہتان ہے خاص کر حضرت عبداللہ صاحب غزنوی پر جو اپنے زمانے میں فرشتہ بشکل انسان تھے۔ ہم اسکے متعلق کچھ مزید کہنے سننے کی ضرورت نہیں سمجھتے صرف اتنا کہتے ہیں کہ نامہ نگار یا اڈیٹر اخبار اس دعوی کو ثابت کر دیں ورنہ ہم اس کو افتراء کہنے پر مجبور ہوں گے۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۳۰۔ اگست ۱۹۲۹ء ص ۳)

☆ منہاج الدینؒ

آپ کے والد کا نام سراج الدین بن حافظ مستقیم بن شاہ ناصر الدین بن عبدالرحمٰن شاہ ہے۔ قریشی النسب تھے۔ آباء محمد بن قاسم کے ساتھ ہند آئے اور ملتان میں قیام کیا۔ آپ کے پردادا ملتان سے راولپنڈی کے نواحی علاقہ میں تشریف لائے اور تبلیغ دین میں مصروف رہ کر یہیں فوت ہوئے۔ آپ کے والد سراج الدین نے ہری پور کے قریب ایک گاؤں ڈھینڈہ کو اپنا مرکز بنایا درس وتدریس میں مصروف رہے۔ ان کے دو بیٹے تھے منہاج الدین اور وہاج الدین۔ وہاج الدین جلدی فوت ہو گئے۔ اور منہاج الدین اپنے باپ کے شاگرد اور اپنے ماموں جناب عبدالرب کے ساتھ فریضہ تبلیغ میں مصروف رہے۔ اس دوران سید احمد اور شاہ اسماعیل کا سرحد میں ورود ہوا۔ دونوں نے ان سے ملاقات کی۔ شہیدین نے کہا کہ جا کر اپنے علاقے میں کام کرتے رہو۔ ادھر ہی ملاقات ہو گی۔ ان کی شہادت کے بعد مجاہدین بکھر گئے۔ کچھ لوگ گلیات چلے گئے اور وہاں کے سردار حسن علی کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جدو جہد کرتے رہے۔ جب ہزارہ میں انگریز آ گئے تو سردار حسن علی کی معیت میں جناب منہاج الدین اور جناب عبدالرب کی جدو جہد انکے خلاف ہو گئی۔ اور پھر یہ گرفتار ہو کر ایبٹ کے روبرو پیش ہوئے۔ اس نے منہاج الدین کو ڈھیری سکندر پور قاضی میر عالم کی نگرانی میں نظر بند کر دیا گیا اور جناب عبدالرب کو راجہ جہانداد کے علاقے کوٹ نجیب اللہ میں۔ قاضی میر عالم نے جناب منہاج الدین کے عالم دین ہونے کی وجہ سے انکی قربت چاہی اور قرآن وحدیث پڑھانے کی درخواست کی جو آپ نے قبول کر لی۔ قاضی میر عالم نے انہیں

ڈھیری میں مسجد تعمیر کرادی اور خود اہلحدیث ہو گیا۔ مجاہدین ہندوستان سے سرحد جاتے ہوئے ڈھیری کے راستے جاتے۔ چند مجاہدین ڈھیری کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ وہاں انکی قبریں ہیں جو شہدوں کی قبروں کے نام سے مشہور ہیں۔

منہاج الدین کی وفات کے بعد یہ تحریکی سلسلہ ان کے بیٹے اسماعیل کے دور میں بھی جاری رہا (دیکھئے تعارف جماعت مجاہدین چوہدری عبدالحفیظ۔ سید بادشاہ کا قافلہ آبادشاہ پوری ص ۳۸۸) اور جناب فضل الٰہی فرماتے ہیں: ہری پور سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ڈھیری ہے یہاں ایک مجاہد بھائی جناب اسماعیل (بن منہاج الدین) رہتے تھے۔ ان کا گھر گویا ایک طرح کا سفری کیمپ تھا۔ صوفی عبداللہ کا بھی اسماعیل صاحب سے ملنا تھا۔ فضل الٰہیؒ بھی ان کے پاس آتے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۱۱ مئی ۲۰۰۱ء)

سوانح عمری عبداللہ غزنوی از مولوی غلام رسول (مطبع القرآن والسنہ امرتسر کے صفحہ ۳۷) میں سید عبداللہ غزنوی کا یہ خط مولوی منہاج الدین وغیرہ کے نام درج ہے:

از عائذ باللہ و معتصم بحبل اللہ عبداللہ ہر یک از اہل اخلاس و ارباب اختصاص مولوی منہاج الدین و حافظ محمد عظیم و سلطان محمد و محمد اکبر دین و محمد قاسم و فتح نور و نور محمد و گامہ و بختاور و انور و فضل و جمال الدین خصوصاً زبدۃ اخلاص مولوی عبدالرب۔ بعد از سلام مسنون وادعیہ مودت مقرون واضح آن کہ در باب تمسک بکتاب اللہ و اعتصام سنت رسول اللہ ﷺ چہ گوئم و چہ نویسم کہ صفحہ کاغذ از بیان تنگ است و پائے قلم از تگ و دو در میدان آں لنگ۔ اخوان عزیز را لازم دنیا دنی روز چند دانستہ در طلب مرضیات او تعالیٰ بجان و دل کوشند و زندگانی ایامی را اندک دانستہ در ابتغاء وجہ اللہ کمر ہمت را چست بندند و کتاب اللہ و سنت رسول اللہ تا روح مستعار علیہ و اعلیٰ پرواز نمود شغل ضروری باشتغالات لا طائل و مال و منال بے حاصل غافل نشود و مرضیات و مکروہات او تعالیٰ را از ین اصلے نراسخین معلوم کردہ در امتثال اوامر و حب تعظیم و اجتناب و انتہاء از نواہی و بغض و نفرت از اں سعی بیش از بیش کنند فقیر خود را ہمیشہ بتر و تج کلام اللہ و ابتغاء مرضات ماموری بیند پس لابد آشنا و بیگانہ را ترغیب می دہم و از غیر آن بتغیر و بتکرار می نویسم کہ در تدبر کلام اللہ و تذکیر از مواعظ آن و تفکر و تاثر از نصائح آن اوقات عزیزہ ء خود را معمور گردانند۔ (ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۱۱ مئی ۲۰۰۱ء)

سید مہدی علی

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ نے اخبار اہل حدیث امرتسر ۵ جون ۱۹۲۰ء میں سید مہدی علی کی سوانحعمری لکھی جانے کی فرمائش کی۔ اس فرمائش پر جناب ابوالقاسم سیفؒ بنارسی نے جناب محسن الملک سید مہدی علی کا ترجمہ ارسال کیا جسے اخبار اہل حدیث میں درج کرتے ہوئے مدیر نے نوٹ لکھا کہ محسن الملک اہل حدیث تھے۔ جناب ابوالقاسم کی تحریر (جو دراصل پیسہ اخبار لاہور کے کسی شمارے میں شائع ہونے والی کسی تحریر کی تلخیص ہے) یوں ہے:

نواب صاحب کا اصلی نام سید مہدی علی ہے اور سلسلہ نسب سادات کے مشہور خاندان بارہہ سے ملتا ہے۔ ماں کی طرف سے ان کا سلسلہ شیخوپور (فرخ آباد) کے خاندان سے ملتا ہے۔ ممدوح کے اجداد کئی پشت سے اٹاوہ میں رہتے تھے جہاں آپ ۸ دسمبر ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم عربی فارسی وغیرہ کی ہوئی انگریزی نہیں پڑھی۔ عربی فارسی کی تعلیم آپ نے قصبہ پھپھوند (اٹاوہ) کے مولوی عنایت حسین سے پائی ذہین تھے۔ خاندان میں سرکاری نوکری کا رواج نہ تھا سوائے سید ظہور علی کے جو صدر الصدور اور ریاست ٹونک کے وزیر ہوئے۔ لیکن مہدی علی نے مجبوراً نوکری کی اٹاوہ کی کلکٹری میں دس روپئے ماہوار پر۔... کچھ دن سررشتہ دار رہے اور ۱۸۶۱ء میں تحصیل دار ہو گئے۔ اس دور میں آپ نے اٹاوہ کو بہت ترقی دی متعدد سڑکیں اور پبلک عمارتیں بنوائیں اردو زبان میں کئی اعلی درجہ کے قانونی رسالے تصنیف کئے۔ ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں شریک ہو کر کامیاب ہوئے اول رہے۔ انہیں تحصیل داری کے زمانہ میں ہی ڈپٹی کلکٹر کے اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ ۱۸۶۷ء میں مرزا پور کے ڈپٹی کلکٹر ہوئے جہاں وہ رائے بریلی کے کورٹ آف وارڈ کی مینجری بھی کرتے رہے۔ ان کی قابلیت کا شہرہ حیدر آباد کے سالار جنگ تک پہنچا تو ۱۸۷۴ء میں سالار جنگ نے طلب کر لیا اور مال کا انسپکٹر جنرل بنا دیا۔ قابلیت و محنت سے بہت جلد کمشنر محکمہ بندوبست ہو گئے۔

۱۸۷۶ء میں سالار جنگ کے مالی سکرٹری مقرر ہوئے اگلے سال حیدرآباد کے پولیٹکل سکرٹری ہوگئے۔ پھر نظام نے خدمات کے صلہ میں میر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک کا خطاب اور ۲۸۰۰ روپئہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی۔

حیدرآباد کے ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے جس میں سردار دلیر جنگ عبدالحق ماخوذ تھے لندن کی اسپیشل کمیٹی کے روبرو بیان دینے ولایت بھیجے گئے اور اپنے فرائض سے نظام کو خوش کیا۔ سالار جنگ کی وفات کے بعد حیدرآباد پارٹی بازی بہت ہوگئی اور ۱۸۹۳ء میں آپ نے حیدرآباد کو خیر باد کہدیا۔ ریاست سے ۸۰۰ روپئہ ان کی پنشن مقرر ہوگئی علی گڈھ میں سرسید کے پاس رہنے لگے۔ سرسید سے آپ کے مذہبی تقریری تحریری مباحثے ہوتے۔ سرسید کی وفات کے بعد کچھ روز سید محمود، علی گڈھ کالج کے سکرٹری رہے پھر محکمہ ٹرسٹیان نے آپ کو سکرٹری منتخب کیا اور آپ نے سرسید کے جانشینی کا حق اور اہل ثابت کردیا علی گڈھ کالج نے ان کے عہد میں بہت ترقی کی۔

ان کا آبائی مذہب شیعہ تھا ابتداء میں وہ خود بھی شیعہ تھے مگر بعد میں سنی ہوگئے اپنی مشہور کتاب آیات بینات لکھی جو شیعہ کی تردید میں لاجواب کتاب ہے۔ سنیت میں آپ مذہب حنفی کے پابند رہے لیکن مطالعہ کتب اور تلاوت قرآن کے اثر سے پکے غیر مقلد ہوگئے اور مشہور کتاب تقلید اور عمل بالحدیث لکھ کر اپنا اہل حدیث ہونا ثابت کردیا۔

آخر عمر میں صحت خراب رہنے لگی علاج کے لئے بمبئی چلے گئے ذرا درست ہوئی تو اٹاوہ آئے، پھر بغرض تبدیلی آب وہوا شملہ چلے گئے۔ جہاں ۱۶۔اکتوبر ۱۹۰۷ء کو انتقال کیا اور علی گڈھ میں سرسید احمد خان کے پاس مدفون ہوئے۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۱۳۔اگست ۱۹۲۰ء ۴۔۶)

مکاتبات الخلان

سرسید احمد خان حنفی المسلک اور خانقاہیت سے وابستہ ایک خاندان میں پیدا ہوئے اور ابتدائے عمر میں خود بھی حنفی مقلد تھے۔ بعد ازاں شاہ اسماعیل اور شاہ مخصوص اللہ سے متاثر ہو کر جامہ تقلید سے باہر نکل آئے اور عامل بالحدیث اور وہابی ہو گئے۔ انہوں نے اس دور میں کلمۃ الحق اور راہ سنت کے عنوانات سے رسائل مرتب کر کے رد بدعت اور اشاعت سنت میں حصہ لیا۔ (ان کی یہ کتابیں ہم جلد ہذا میں شامل کر رہے ہیں کیونکہ یہ جماعت اہل حدیث کا سرمایہ ہیں)۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان کے نظریات میں ایک اور تبدیلی آئی اور وہ نیچریت کے علمبردار ہو گئے۔ تفسیر القرآن میں معجزات وغیرہ سے انکار کیا۔ ان کے نیچری نظریات اور تفسیر القرآن میں ان کے بیان کردہ مخصوص نظریات پر جن بزرگوں نے تردید واحتساب کا فریضہ انجام دیا ان میں جناب محمد حسین بٹالوی کا کام سب سے نمایاں ہے۔ اور دیگر بزرگوں میں جناب محسن الملک کی خدمات بہت گراں قدر ہیں۔ انہوں نے نیچری نظریات اور تفسیری اختصاصات پر سرسید احمد سے ۱۸۹۲ء۔۱۸۹۵ء میں طویل خط وکتابت فرمائی جسے بعد میں مکاتبات الخلان کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں ۲۳۶ صفحات پر علی گڈھ سے شائع کیا گیا تھا۔ ذیل میں اس کا خط وکتابت کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ہے کیونکہ محسن الملک کے خطوط اہل حدیث کی علمی تاریخ اور فرق باطلہ کے خلاف اہل حدیث کی کاوشوں کا ایک نمایاں باب ہیں۔

☆ محسن الملک بنام سرسید احمد خان

حیدر آباد دکن۔ ۹۔ اگست ۱۸۹۲ء۔ جناب عالی!

آج کل میں آپ کی تفسیر دیکھ رہا ہوں جسے درحقیقت اب تک اچھی طرح بلکہ سرسری طور سے بھی نہ دیکھا تھا۔ اور اس کے نہ دیکھنے کا سبب آپ سے کہہ بھی دیا تھا۔ غالبًا آپ اس بات کے سننے سے تو خوش نہ ہونگے کہ میں اب تک آپ کی رایوں سے اتفاق نہیں کرتا اور ہر بحث میں اسے قرآن کی وہ تفسیر جس کو کوئی قرآن کے مطالب وتشریح اور تفسیر سمجھے، نہیں سمجھتا بلکہ اکثر جگہ تفسیر

کو تفسیر القول بما لا یر ضی به قائله (کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اس کے قائل کا مقصد نہ ہو) تصور کرتا ہوں، مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ جس مضمون کو آپ نے لکھا ہے ایسی عمدگی اور خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے کہ اگر آدمی نہایت ہی راسخ الاعتقاد نہ ہو تو ضرور اس کی تصدیق کرنے لگے، اور بلا شبہ ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی طرح آمنّا و صدقنا پکارنے لگے۔ واقعی خدا نے دل کے حالات کو الفاظ میں ادا کرنے اور تحریر میں لانے کی عجیب حیرت انگیز قوت اور طاقت آپ کو دی ہے کہ اگر اسے جادو کہیں یا سحر تو بے محل نہ ہو۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے ان مسائل کو جو آج کل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں، صحیح اور یقینی اور غیر قابل اعتراض سمجھتے ہیں مان لیا۔ اور قرآن کی آیتوں کو جن میں ان کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہونچ گئی کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہوسکتا۔ آپ نے مسلمان مفسروں کو تو خوب گالیاں دیں اور برا بھلا کہا اور یہودیوں کا مقلد بتایا۔ مگر آپ نے خود اس زمانہ کے لا مذہبوں کی باتوں پر ایسا یقین کر لیا کہ ان کو مسائل محققہ صحیحہ یقینیہ قرار دے کر تمام آیتوں کو قرآن کے ماول کر دیا اور لطف یہ ہے کہ آپ اسے تاویل بھی نہیں کہتے (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہیں) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن سمجھتے ہیں حالانکہ نہ سیاق کلام، نہ الفاظ قرآنی، نہ محاورات عرب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر آپ میرے اس شبہ کو کسی طرح دور کر سکیں تو مجھے ایسی خوشی ہو کہ کسی اور چیز سے نہ ہو، اس لئے کہ اکثر مقامات اس کے ایسے عمدہ اور پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ بعد قرآن و حدیث کے اگر کوئی اسے ورد زبان کرے اور دل پر نقش تو دنیا میں عالم اور سچا مسلمان ہو اور عاقبت میں ان ثوابوں کا مستحق جو سچے مسلمانوں کے لئے خدا نے مقرر کئے ہیں۔ محسن الملک

☆ سر سید احمد خان بنام محسن الملک

مکرمی مہدی!

میں نہایت خوش ہوں کہ آپ نے میری تفسیر کو دیکھنا شروع کیا ہے مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ اس کو مخالفانہ اور غیر معتقدانہ طور پر دیکھیں اور اس کی ایک بات پر بھی یقین نہ کریں سب کو غلط سمجھیں۔ مگر اس کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں۔ آپ نے اس خط میں لکھا ہے کہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یر ضی به قائله (کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اس کے قائل کا مقصد نہ ہو) تصور کرتا ہوں۔ یقینی طور پر آپ کے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی تو آئی نہیں جس سے آپ کو ثابت ہوا

ہو کہ اس قول سے مرضی قائل یعنی خدا کی یہ نہیں ہے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی اور ذریعہ آپ کے پاس ہے جس کی وجہ سے آپ نے تفسیر کے مقامات کو ما لا یرضی به قائله قرار دیا ہے۔ میں نے بہت سوچا کہ وہ ذریعہ آپ کے پاس کیا ہے۔ اور وہ ذریعے دو معلوم ہوئے:۔

اول بچپن کی تربیت۔ بچپن سے باتوں کو سنتے سنتے ان کا نقش کا لحجر دل میں ہو جاتا ہے جس کا مٹانا بہت ہی زبردست دل اور نہایت ہی قوت ایمانیہ کا اور بہت ہی غور و فکر کا کام ہے۔

دوسرا ذریعہ، جو پہلے ذریعہ کا شعبہ ہے مگر اس پہلے کو نہایت قوی اور مضبوط کرنے والا ہے وہ علماء کے اقوال اور تفاسیر کے مندرجہ رطب و یابس روائتیں اور قصے ہیں۔ گو آپ نے اسی خط میں ایک فقرہ لکھا ہے کہ:

میرے نزدیک یہ ساری خرابیاں غلط مذہبی خیالات اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو اسی کمبخت تقلید نے اندھا بہرا گونگا بنا دیا ہے۔ مگر افسوس کہ تم یہ خیال نہیں کرتے کہ خود تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آبائی خیالات کو اور خصوصاً ایسے خیالات کو جو مذہبی روایتوں پر مبنی ہیں چھوڑنا نہایت مشکل ہے۔ آپ یہ دعویٰ نہ کریں کہ میں آبائی مذہب کو چھوڑ کر شیعہ سے سنی ہو گیا ہوں۔ اول تو بہت سے اسباب آپ کے گرد ایسے جمع تھے کہ جن کے سبب سے شیعہ مذہب نے بخوبی جڑ دل میں نہیں پکڑی تھی۔ علاوہ اس کے یہ تبدل صرف جزئیات میں تھا جو قابل اعتنا نہیں ہے۔ مگر جن امور کو آپ تفسير القول بما لا يرضى به قائله قرار دیتے ہیں ان کی جڑ بہت زیادہ گہری اور نہایت مضبوط دل میں بیٹھی ہوئی ہے اس کا اکھڑنا اور اس کی جگہ دوسری بات کا بیٹھنا، گو کہ یہ دوسری بات کیسی ہی سچ و صحیح ہو، بہت زیادہ دشوار اور بہت زیادہ مشکل ہے۔ غرض کہ آپ کے پاس کوئی دلیل اس بات کی نہیں کہ آپ تفسیر کو تفسير القول بما لا يرضى به قائله سے تعبیر کریں۔ ہاں اس کو غلط سمجھیں اس کو تسلیم نہ کریں یہ دوسری بات ہے مگر ما لا یرضی به قائله نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ:

> افسوس ہے کہ آپ ان مسائل کو جو آج کل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہیں مان لیا ہے اور قرآن کی آیتوں کو جن میں ان مسائل کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا۔

تمہارے اس فقرے سے میں خوش بھی ہوا اور متعجب بھی ہوا۔ خوش تو اس لئے ہوا کہ تم

نے اس پر تاویل کا صادق آنا نہیں مانا، کیونکہ میں قرآن مجید میں تاویل کو مطابق اس کے مفہوم عام کے کفر سمجھتا ہوں۔ تعجب اس لئے ہوا کہ تم نے اس فقرے میں یہ قید کیوں لگائی کہ: جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں۔، کیا اگر کوئی لا مذہب یعنی غیر معتقد کسی مذہب کا مذاہب موجودہ میں سے یہ بات کہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں، تو کیا اس کے لا مذہب ہونے سے یہ بات غلط ہو جائے گی۔ اگر کوئی نہایت پابند مذہب کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں تو کیا اس کے پابند مذہب ہونے سے یہ بات صحیح ہو جاوے گی۔ حاشا وکلا۔

ہاں ایک بات آپ نے بہت صحیح لکھی ہے کہ اگر آپ میری تفسیر کے کسی مقام کو خلاف سیاق کلام (اگر چہ مجھ کو نہایت شبہ ہے کہ تم اس بات کو سمجھے بھی ہو کہ قرآن مجید کا سیاق کلام کیا ہے اور کس طور پر ہے) اور خلاف الفاظ قرآن اور خلاف محاورہ عرب جاہلیت ثابت کر دو تو میں اسی وقت اپنی غلطی کا مقر ہو جاؤنگا۔ مگر مجاز وحقیقت میں یا استعارہ وکنایہ یا خطابیات میں بحث مت کرنا کیونکہ جیسا تم کو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھ کو اس کے مجازی معنے لینے یا استعارہ اور کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے اور اس کے لئے ایک عام مثل دینی کافی ہے۔ جیسے کہ علماء نے نسبت خدا کے ید اور وجہ اور استوی علی العرش اور ہبوط کے مذاہب مختلفہ اختیار کئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ شائد تم بھی ان کے حقیقی اور لغوی معنی نہیں لیتے اور اس کے لئے کوئی وجہ رکھتے ہو، اسی طرح میں بھی ایسا کرنے کے لئے قطعی اور یقینی وجہ رکھتا ہوں۔ پس اس پر بحث، بحث نہ ہو گی بلکہ مکابرہ ہوگا۔

جان من! حقیقت یہ ہے کہ تم نے خدا کی عظمت کا جس عظمت کے وہ لائق ہے اور قرآن مجید کی صداقت کا جس صداقت کے وہ لائق ہے اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا جس عزت اور سچائی کے وہ لائق ہے، اپنے دل پر نقش کا لحجر نہیں کیا ہے۔ اس لئے تمہاری رائے یا تمہارا دل اور تمہارا ایمان ڈانوا ڈول ہوتا ہے اگر تم خیالات ... دل سے محو کر کے یہ سچا اور دلی یقین کر لو کہ خدا سچا ہے اور قرآن اس کا کلام اور بالکل سچا ہے تو تم کو اس قسم کے شبہات ہرگز پیدا نہ ہوں۔

پس سمجھو کہ تفسیر لکھنے میں میرے اصول کیا ہیں اس کے بالاستیعاب بیان کرنے کو (مکاتبۃ الخلان) تو ایک رسالہ مستقل چاہیے مگر میں چند کو جو مقدم ہیں بتلاتا ہوں:

پہلا اصول۔ یہ ہے کہ خدا سچا ہے اور قرآن مجید اس کا کلام اور بالکل سچ اور صحیح ہے کوئی علم یعنی سچ اس کو جھٹلا نہیں سکتا بلکہ اس کی سچائی پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اب ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں۔

ا۔ ورک آف گاڈ، یعنی خدا کے کام۔

۲۔ ورڈ آف گاڈ، یعنی خدا کا کلام یعنی قرآن مجید۔

اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہوسکتا اگر مختلف ہوتو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ورڈ آف گاڈ جس کو کہا جاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے نعوذ باللّٰہ منھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں متحد ہوں۔

تیسرا اصول: ورک آف گاڈ یعنی قانون قدرت ایک عملی عہد خدا کا ہے اور وعدہ اور وعید یہ قولی معاہدہ ہے اور ان دونوں میں سے کوئی بھی خلاف نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اس کی تسلیم سے خدا کی قدرت مطلق میں نقصان آتا ہے، جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا خیال ہے، محض غلط اور وہم اور ناسمجھی ہے۔

چوتھا اصول۔ خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنی خدا کی عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے، خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لئے بنایا گیا ہے، دونوں حالتوں میں ضرور ہے کہ انسان میں بہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو کہ وہ اس بار کے اٹھانے کا مکلّف ہو۔ اور انسان میں وہ شئے کیا ہے؟ عقل ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ جو مذہب اس کو دیا جاوے وہ عقل انسانی کے مافوق نہ ہو (مجھ کو افسوس ہے کہ تم ہرگز نہیں سمجھتے کہ عقل انسانی اور عقل شخصی میں کیا فرق ہے) اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہے تو انسان اس کا مکلّف نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کہ بیل یا گدھے کو امر و نہی کا مکلف قرار دیا جائے یا جونپور کا قاضی بنادیا جائے۔

مذہب اسلام اور خدا کا کلام ان نقصانوں سے پاک ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ تم سمجھ لو اور سمجھ کر یقین کرو کہ جو کچھ خدا بتاتا ہے اور کہتا ہے وہ سچ ہے۔ اس سے زیادہ سچائی کیا ہوسکتی ہے جو بانی اسلام کی زبان سے کہدینے کو خدا نے فرمایا انّما انا بشر مّثلکم یوحی الیّ انّما الٰھکم اللہ واحد۔ ، انّما انا بشیر وّ نذیر (میں تو صرف مثل تماری انسان ہوں مگر مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ ، میں صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہوں)

جان من! مذہب اسلام اور خدا کے کلام کو دیو اور پری قصے مت بناؤ ورنہ جو فوقیت اسلام کو دوسرے مذاہب باطلہ سے ہے وہ ساقط ہوجاتی ہے اور اسلام عقل انسانی کی رو سے قابل یقین نہیں رہتا۔

جاہل ایک بات کو جو عقل انسانی کے مافوق بات ہے، مان سکتا ہے اس وجہ پر کہ فلاں بزرگ نے کہی ہے، اور اسکا ایمان مضبوط رہتا ہے کیونکہ وہ اسکے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ مگر جس کو خدا نے عقل انسانی یا اسکا کوئی حصہ عطا کیا ہے وہ ایسی بات پر جو مافوق عقل انسانی ہے، یقین نہیں کر سکتا

میں نے بہت سے عالموں کو یہ بات کہتے سنا ہے اور شاید تم پر بھی گذرا ہوگا کہ فلاں بات دل میں تو نہیں بیٹھتی یا سمجھ میں تو نہیں آتی مگر قرآن یا حدیث میں آئی ہے، مان لینی چاہیے۔ اس طرح مان لینے پر یقین اور ایمان کامل کا اطلاق نہیں ہوسکتا گو کہ نجات کے لئے کافی ہو۔

اب تمہارے دل میں بہت سے شبہات پیدا ہونگے اور تم خیال کرو گے کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید میں تو بہت باتیں مافوق عقل انسانی ہیں۔ مگر یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے قرآن مجید اس نقصان سے پاک ہے۔

تم نے بہت مدت تک نوکری کی۔ اب اس کو چھوڑ دو، علی گڈھ میں چلے آؤ۔ یہاں رہو چند مدت کی گفتگو اور سمجھانے اور بتانے کے بعد تم کو ثابت ہو جاوے گا کہ اسلام میں اور قرآن مجید میں کوئی بات مافوق عقل انسانی نہیں ہے۔ والسلام۔ ۱۷۔ اگست ۱۸۹۲ء۔ خاکسار سید احمد

☆ محسن الملک بنام سرسید احمد خان

حیدر آباد دکن۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء

جناب عالی! آپ کا ۱۷۔ اگست کا لکھا ہوا خط پہونچا۔ مجھے اس کا ذرا بھی خیال نہ تھا کہ ان دو فقروں پر جو یوں ہی سرسری طور پر میرے قلم سے آپ کی تفسیر کی نسبت نکل گئے تھے آپ اتنی توجہ فرمائیں گے اور اس کے متعلق ایسا بڑا خط لکھیں گے۔ مگر میں نہایت خوش ہوں کہ آپ نے اس پر ایسی توجہ فرمائی اور مجھے اپنے شبہات کا زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کا موقع دیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ نہایت ٹھنڈے دل سے میری اس تحریر کو ملاحظہ فرمائیں گے اور محققانہ جواب سے میرے دل کے سارے شکوک دور کر دیں گے۔ آپ یقین کیجئے کہ میں اگر چہ آپ کے نزدیک آبائی تقلید کی دلدل میں پھنسا ہوں مگر اس سے نکلنے پر آمادہ ہوں بشرطیکہ آپ مجھے ثابت کر دیں کہ میں درحقیقت کسی ایسی دلدل میں پھنسا ہوں، اور یہ کہ اس سے نکلنے کے بعد کسی ایسے گہرے تاریک اور آگ سے بھرے ہوئے غار میں گرنے کا اندیشہ نہیں ہے جس کی نسبت میرے حق میں دلدل ہی میں پھنسا رہنا زیادہ مفید ہو۔

حضرت! آپ نے اٹھارہ برس کے بعد میرے دل پر تازیانہ لگایا ہے اور بھرے ہوئے زخم کو پھر ہرا کیا۔ اگر اس کے درد سے میں چلاؤں اور نالہ وشیون کروں تو مجھے معذور سمجھئے اور میرے شور وفغان کو سن کر میرے درد کی دوا فرمایئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اور چوٹ لگا دیں اور مجھے چلاّ نے اور غل مچانے پر زیادہ مجبور کریں۔

جناب والا! آپ نے میرے اس خیال کی نسبت، جو آپ کی تفسیر کی نسبت ہے، دو سبب قرار دیئے ہیں۔ ایک آبائی خیالات کی پابندی دوسرے علماء کے اقوال اور تفاسیر پر یقین۔ پہلے امر کی نسبت میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے مسلمان کے گھر میں پیدا کیا۔ بچپن سے میرے کان میں اسلام کی باتیں ڈالیں۔ لڑکپن سے میں اسلامی باتیں سنتا رہا اور بلاشبہ ان کا بہت بڑا اثر میرے دل پر ہوا۔ مگر میں یہ بات نہیں مان سکتا کہ جو کچھ میں نے سنا اور جو کچھ سنی ہوئی باتوں کا اثر میرے دل پر ہوا وہ عموماً ایسا قوی تھا کہ اس کو میں دل سے مٹا نہیں سکا۔ میں اپنی زندگی کے پچھلے دنوں پر جب ایک سرسری نظر ڈالتا ہوں تو ایک بہت بڑا سلسلہ ایسے خیالات اور اعتقادات کا پاتا ہوں جن میں نہایت تغیر وتبدل ہوا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی دیکھتا ہوں جن کو میں اول صحیح سمجھتا تھا مگر اب غلط جانتا ہوں۔ اور بہت سے خیالات ایسے ہیں جن کو ایک زمانہ میں برا جانتا تھا مگر اب اچھا سمجھتا ہوں۔ پھر میں یہ تغیر خیالات کا صرف جزئیات میں نہیں پاتا بلکہ اصول اور کلیات میں بھی۔ پس اگر آپ کے ارشاد کے موافق آبائی تقلید کی جڑ میرے دل میں ایسی مضبوط ہوتی کہ کسی طرح وہ اکھڑ نہ سکتی تو میں اپنے دل سے ایسے خیالات کو جو لڑکپن سے میرے دل میں جمے ہوئے تھے کیونکر اکھاڑ کر پھینک دیتا، اور بہت سی ایسی باتوں کو جو سنتے سنتے کاالنقش فی الحجر ہوگئی تھیں، حرف غلط کی طرح صفحہ دل سے کس طرح مٹا سکتا۔ اس لئے جہاں تک میں اپنے دل کو دیکھتا ہوں اسے حق کے قبول پر آمادہ اور آبائی خیالات اور رسم ورواج اور قوم اور برادری کی پابندی سے آزاد پاتا ہوں۔ اس پر میری رائے جب کہ آپ کی تفسیر کے بعض مضامین سے ایسی مخالف ہے کہ اس کی نسبت القول بما لا یرضی به قائله کہہ بیٹھا تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا۔ بظاہر حالات تو مقتضی اس کے تھے کہ میں آپ کی رائے سے اتفاق کرتا اور آپ کے ہر خیال کو اچھا سمجھتا، اس لئے کہ علاوہ اس یقین کے جو مجھے آپ کے اسلام اور عالی دماغی اور بلند خیالی اور پاک باطنی پر ہے، میرے دل کو آپ سے وہ نسبت ہے جو لوہے کو مقناطیس سے۔ جس طرح کہ اس کے اختیار سے خارج ہے کہ مقناطیس کی طرف نہ جھکے اور اپنے آپ کو اس کی کشش سے بچا سکے اسی طرح

میرے امکان میں نہیں ہے کہ آپ کی بات نہ مانوں اور آپ کے خیالات کا ہمصفیر نہ بنوں۔ مگر باوجود اس کے جبکہ میں آپ کی تفسیر کے بعض مضامین کا مخالف ہوا اور مخالف بھی ایسا کہ اس مخالفت کو نہ آپ کی وہ عظمت و وقعت جو میرے دل میں ہے روک سکی، نہ وہ محبت و ارادت جو مجھے آپ سے ہے اس کی مانع ہوئی، نہ آپ کی جادو بھری تحریر نے اثر کیا، نہ آپ کی پر زور تقریر نے، تو میرے پیارے سید! خدا کے لئے انصاف کرو کہ اس کا سبب بچپن کی سنی سنائی باتوں کا اثر ہوگا یا اس قوت ایمانیہ کا جس کے مقابلہ میں سارے خیالات محبت اور عظمت اور ارادت کے دب گئے۔ اور یہ کمزور دل کا کام ہے یا اس زبردست دل کا جسے حق بات پر کسی اور چیز نے غالب نہ ہونے دیا۔

دوسرا سبب۔ میری مخالفت کا آپ اس اعتقاد کو قرار دیتے ہیں جو مجھے علماء کے اقوال اور تفاسیر کے رطب و یابس روایات پر ہے اور جو آپ کے نزدیک پہلے سبب کا قوی اور مضبوط کرنے والا ہے۔ آپ کی اس تحریر نے مجھے نہایت متعجب کیا، اس لئے کہ آپ سے بہتر کوئی نہیں جانتا کہ میرے خیالات اس بارہ میں کیا ہیں اور علماء اور انکی کتابوں کی نسبت میں کیا رائے رکھتا ہوں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میرے نزدیک نہ کوئی کتاب خدا کی کتاب کے سوا غلطی سے پاک ہے گو وہ کیسی ہی اصح الکتب کیوں نہ سمجھی گئی ہو، اور نہ کوئی شخص سوائے رسول مقبول ﷺ کے خطا اور غلطی سے محفوظ ہے گو وہ صحابی اور امام ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ اسلام اس پر فخر کرسکتا ہے کہ اس میں بہت بڑے مفسر اور محدث اور مجتہد اور عالم اور فقیہہ اور حکیم ہوئے اور بہت مفید اور قابل قدر کتابیں لکھی گئیں اور ہمارے بزرگوں نے بہت بڑا ذخیرہ علم کا ہمارے لئے چھوڑا اور ہم ان کے علم اور اجتہاد اور رائے اور تالیفات سے بہت بڑی مدد پاتے ہیں، مگر کوئی بھی ان میں معصوم نہ تھا۔ نہ کسی پر جبریل امین وحی لائے تھے، نہ کسی کی شان میں خدا نے ما ینطق عن الھوی ان ھو الّا و حی یوحی (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے) فرمایا تھا۔ اس پر بھی اگر کوئی کسی کو ہر طرح سے ہر بات میں اور ہر حالت میں واجب التقلید سمجھے اور باوجود ظاہر جانے غلطی کے خواہ وہ عقل وفطرت کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے اسی کی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی بات کو سچ سمجھتا اور یقین کرتا رہے تو وہ میرے نزدیک مشرك فی صفة النبوة ہے اور عقل سے خارج اور راہ راست سے کوسوں دور۔ کیا خوب فرمایا امام غزالی نے من جعل الحق وقفاً علی وا حد من النظار فھو الی الکفر و التنا قض اقرب (جو شخص کسی ایک خاص مجتہد پر حق کو منحصر سمجھے تو وہ کفر اور تناقض سے زیادہ تر قریب ہے)۔ پس جب کہ عالموں اور کتابوں کی نسبت میری یہ رائے ہو، جسے آپ خوب جانتے

ہوں، تو آپ میرے اس تعجب اور تاسف کا اندازہ کر سکتے ہیں جو آپ کی اس تحریر سے مجھے ہوا ہوگا۔ خیر آپ کو اختیار ہے جو سبب چاہیں آپ اس کا قرار دیں۔ خواہ بچپن کے خیالات کو، خواہ علماء کے اقوال پر یقین کرنے کو۔ مگر میرے نزدیک تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ آپ کی تفسیر بعض مقام پر تفسیر الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ ہے۔

جناب من! مجھے تو آپ نے اپنی تفسیر کے اعلیٰ مقامات کے نہ سمجھنے پر یہ الزام لگایا کہ بچپن کی سنی سنائی باتیں دل میں ایسی جم گئی ہیں کہ انہوں نے غور وفکر کی قوت کو بے کار کر دیا ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ اس زمانہ کے فلاسفر اور سائنس (علم) کے جاننے والے جو تمام درجے نیچر (فطرۃ) کے طے کر کے نئی روشنی دنیا میں پھیلا رہے ہیں اگر حضرت کی نسبت کہیں کہ گو آپ نے تقلید چھوڑی، کتابوں کو سمجھا، عالموں اور مفسروں کی تضحیک کی، اور اپنے نزدیک تحقیق کے بڑے بڑے درجہ پر قدم رکھا، اور قرآن کو نیچر اور قوانین نیچر کے مطابق کرنے میں بڑی زحمت اٹھائی، مگر باوجود اس عالی دماغی اور روشن ضمیری اور محققانہ خیالات اور حکیمانہ دماغ کے بچپن کی سنی سنائی باتوں کے اثر سے آپ اپنے آپ کو بچا نہ سکے (کچھ عجب نہیں کہ اس مقام پر جو کچھ کہا ہے سچ ہو مگر میں نے اپنی دانست میں خدا اور رسول کو اور اسلام کی حقیقت کو بعد تحقیق اور بعد یقین مانا ہے۔ بایں ہمہ اگر اس میں کوئی شائبہ بچپن کی سنی ہوئی باتوں اور تعلیم پائی ہوئی کے اثر کا ہو، اس سے میں انکار نہیں کرسکتا۔ سید احمد) اور اب تک خدا کے مقرر رسول کے قائل اور اصول دین کے معتقد بنے رہے۔ قصور معاف آپ کو اس کے جواب دینے میں اتنی آسانی نہ ہوگی جتنی کہ مجھے آپ کے ارشاد کے جواب میں ہے۔ اس لئے کہ میں ایک حد پر پہنچ کر عقل کو معزول اور فطرت سے اپنے آپ کو بے خبر کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لوں گا اور علی بدین العجائز کا اقرار کرنے لگونگا، مگر آپ کو بڑی مشکل پیش آوے گی کہ آپ ایک اصل کو بھی اصول دین سے اور ایک اعتقاد کو بھی منجملہ معتقدات مذہب کے ماڈرن سائینس (علوم جدیدہ) اور زمانہ حال کے فلسفہ کی رو سے لاء آف نیچر کے مطابق ثابت نہ کرسکیں گے (یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ مجھے دعوی ہے کہ میں عہدہ برآ ہوسکونگا۔ و الا فھو کاف لتسکین قلبی و لا حاجۃ لی ان اقول علی بدین العجائز۔ سید احمد)۔ یہ میرا کہنا درحقیقت معارضہ بالمثل نہیں ہے اور نہ آپ کی جناب میں گستاخانہ خیال۔ میں اپنی ارادت اور عقیدت اور آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع واعلیٰ سمجھتا ہوں کہ کوئی بے ادبانہ اور گستاخانہ بات زبان پر لاؤں۔ مگر عقیدت یا عظمت واقعات کو بدل نہیں سکتی۔ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ ایک واقعہ ہے اور اس زمانہ کے فلاسفر اور حکیم اور

نئی سائنس کے عالم مذہبی خیالات رکھنے والوں کی نسبت یہی کہتے ہیں ۔ چنانچہ ایک بہت بڑا یورپین عالم اپنی ایک مشہور کتاب میں جہاں اس نے خداتعالی کی قدرت اور ارادہ اور علم اور تصرف فی العالم اور خالق خیر وشر ہونے سے انکار کیا ہے اور اسے ایک ایسی علۃ العلل قرار دیا ہے جسے کسی قسم کا اختیار یا تصرف عالم میں نہیں ہے، کہتا ہے کہ :

یہ عقیدہ پرانے خیالات سے زیادہ تر صاف اور عاقلانہ ہے مگر اس میں شک نہیں اس کے ماننے کے لئے زیادہ قوت دل کی ضرورت ہے اور جن لوگوں کو ہر معمولی واقعہ میں خدا کی خاص قدرت اور ارادہ اور پیش بینی اور ہر روز مرہ کی چیز میں اس کی نگرانی اور علم کے آثار پانے کی عادت ہوگئی ہے ان کو یہ عقیدہ سرد اور غیر تسکین بخش معلوم ہوگا لیکن امیدیں اور خیالات واقعات کے مقابلہ میں بے طاقت ہیں ۔

ایک اور صاحب فرماتے ہیں :

کہ جسے لوگ خدا اور خالق کہتے ہیں وہ خود انسان کا مخلوق ہے ۔

یعنی اپنے دل سے اسے پیدا کرلیا ہے اور اپنی صفات کا جامع قرار دیا ہے ۔ یہ صاحب دنیا کے ناقص اور غیر مکمل اور بے ترتیب ہونے پر اس کے بنانے والے کو براہ تمسخر و طنز نوآموز قرار دے کر خدا کے ماننے والوں کو احمق اور بے وقوف کہتے اور کتب آسمانی کے غلط اور جھوٹ ہونے پر انہیں کی شہادت لاتے ہیں ۔ چنانچہ انجیل سی پاک کتاب کی نسبت آپ فرماتے ہیں :

میری رائے میں کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو کہ انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ و حشیانہ ایجاد ہے صرف اسی قدر ضرورت ہے کہ وہ انجیل کو پڑھے ۔

پھر آپ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ :

تم انجیل کو اس طور سے پڑھو جیسے کہ تم اور کسی کتاب کو پڑھتے ہو اور اس کی نسبت ایسے خیالات کرو جیسے کہ اور کتابوں کی نسبت کرتے ہو ۔ اپنی آنکھوں سے تعظیم کی پٹی نکال ڈالو اور اپنے دل سے خوف کے بھوت کو بھگادو اور دماغ او ہام سے خالی کرو ۔ تب انجیل مقدس کو پڑھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ تم نے ایک لحظہ کے لئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنف کو عقل مند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا ۔

(آپ یقین کرلیں کہ جب ہم ان کے مقابل کچھ لکھیں گے تو ان کے اقوال کا غلط ہونا نیچر کی رو سے اور عقلی دلائل سے ثابت کریں گے ۔ سید احمد) ۔ یہ خیالات کچھ ایک دو مصنفوں کے نہیں بلکہ اکثر سائنس کے

جاننے والے مذہب کے ماننے والوں اور خدا تعالی کے متصف بصفات وجوبیہ وسلبیہ سمجھنے والوں پر نہایت تعجب اور تاسف کرتے ہیں۔ پس جب تک کہ آدمی علم کی معراج کے اس درجہ پر نہ پہنچ جاوے وہ ایسے لوگوں کے نزدیک ضرور آبائی خیالات کا پابند سمجھا جاوے گا اور جب تک خدا اور رسول اور معاد اور اصول دین کو مانتا رہے، گو وہ کتنے ہی زینۂ علم و نیچر کے طے کر چکا ہو، مجھ ہی سا ضعیف القلب اور کمزور ٹھہرے گا۔ اگر فرق ہوگا تو کمی بیشی کا۔ مجھے ایسے لوگ زیادہ بودے دل کا سمجھیں گے اس لئے کہ میں خدا کو قاضی الحاجات سمجھتا ہوں، دعا کو ایک سبب حصول مقصد کا اور اجابت دعا کے معنی مطلب کا حاصل ہونا جانتا ہوں، جبریل کو ایک فرشتہ وحی لانے والا اور نبوت کو ایک عہدہ خدا کا دیا ہوا خیال کرتا ہوں۔ آپ کو ان باتوں کے انکار سے بہ نسبت میرے زیادہ قوی اور زیادہ ہمت والا سمجھیں گے، مگر پورا مرد اور بچپن کی سنی سنائی باتوں کی قید سے کامل آزاد نہ کہیں گے اس لئے کہ آپ بھی خدا کے معتقد رسول کے قائل قرآن کے مقر ہیں اور عذاب و ثواب حشر و نشر وغیرہ اصول دین کو مانتے ہیں گو بعض کی حقیقت میں عامہ مسلمین سے کچھ اختلاف رکھتے ہوں۔

بہر حال جو دو سبب آپ نے میری مخالفت کے اپنی تفسیر سے قرار دیئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں مانتا (الحمدللہ۔ سید احمد)۔ اب رہا یہ امر کہ میرے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی آئی تھی جس سے مجھے ثابت ہوا کہ مرضی قائل یعنی خدا کی وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں اس کی نسبت بادب تمام عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر تو وحی آنے کی ضرورت جب ہوتی کہ میں کوئی ایسی بات بیان کرتا جو انسانوں کی معمولی سمجھ سے خارج ہوتی، یا وہ معنی قرآن بیان کرتا جسے نہ صاحب الوحی سمجھے تھے، نہ صحابہ، نہ آئمہ، نہ عامہ مسلمین (ابھی یہ دعوی ثابت نہیں ہوا اور بغیر اس کے ثابت کرنے کے کیونکر اس کو دلیل گردانا ہے۔ سید احمد) ہاں آپ نے بعض مقامات پر قرآن کے وہ معنی بتائے ہیں جو نہ لفظوں سے نکلتے ہیں، نہ محاورہ عرب کے مطابق ہیں، نہ سیاق کلام کے موافق، بلکہ جو اسلام کا منشاء اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی اصلی غرض ہے، ان سب کے خلاف۔ پس ایسی صریح اور صاف بات کے لئے مجھ پر وحی آنے کی ضرورت نہ تھی اور خدا کی عام مرضی معلوم ہونے کے بعد جو معنی اس کے خلاف لئے گئے اس پر لا یرضی بہ قائلہ کہنا بے جا نہ تھا۔ اب رہا اس کا ثبوت، وہ میں آئندہ آپ کی تفسیر کے بعض اقوال نقل کر کے بخوبی دونگا۔ (مگر جب دو گے اور جب ثابت کر لو گے تب دلیل میں لانا اس وقت اس پر استدلال بے موقع ہے۔ سید احمد)

مگر بایں ہمہ آپ یہ خیال نفرماویں کہ میں اس ضرورت سے بے خبر ہوں جس نے آپ

کو تفسیر لکھنے پر مجبور کیا، یا مذہب اور علم کی اس لڑائی سے ناواقف ہوں جو نہایت زور شور سے اس زمانہ میں ہو رہی ہے، یا میں علم کے حملہ کو خفیف سمجھتا ہوں جو نئے ڈھنگ سے اور نو ایجاد ہتھیاروں سے مذہب پر کر رہا ہے، یا میں اپنے ہاں کی موجود کتابوں کو اس وقت کی ضرورت کے لئے کافی سمجھتا ہوں، یا نئے خیالات اور نئے افکار کا مخالف ہوں۔ غالباً کم آدمی ایسے ہوں گے جو مجھ سے بڑھ کر اس بات کے خواہشمند ہوں کہ مذہب علم کے حملہ سے بچایا جاوے اور کم ایسے لوگ ہوں گے جو آپ کی اس ہمت کی داد دیتے ہوں۔ آپ اس لڑائی میں اسلام کا سفید علم لے کر عِلم کے سامنے آئے اور ایسے غالب اور قوی حریف سے مصالحت کی کوشش کی۔ مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا کہ تفسیر لکھنے سے آپ کا مقصود کیا ہے۔ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اسلام اپنی سلطنت پر قائم رہے اور علم اس کا دوست سمجھا جاوے۔ اور آپ کی تفسیر میں اس بات کی بہت سی نشانیاں بھی پائی جاتی ہیں اور وہ غور سے دیکھنے والے کو نہایت اعلیٰ مضامین اور حکیمانہ خیالات اور محققانہ باتوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ لا ریب فیه انه کنز مکنون من جواهر الفوائد و بحر مشحون بنفایس الفرائد (اس میں شبہ نہیں کہ وہ فوائد کے جواہرات کا ایک مدفون خزانہ اور عجیب نکات کا سمندر ہے) مگر میں یہ نہیں مانتا کہ آپ ہر جگہ اس مقصود کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بلکہ برخلاف اس کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ بعض جگہ تسامح کے درجہ سے گذر کر مغالطہ میں پڑ گئے اور جس حد پر پہنچ کر آپ کو ٹھہرنا چاہیے تھا اس سے گذر گئے۔ آپ نے ان باتوں کو جو اس زمانہ کے علم و سائنس نے پیدا کی ہیں بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح اور یقینی مان لیا اور جو باتیں قرآن میں بظاہر اس کی مخالف معلوم ہوئیں اس میں ایسی تاویلیں کرنی شروع کیں کہ قرآن مجید کا مقصود ہی فوت ہو گیا اور اس پر ستم ظریفی آپ کی یہ ہے کہ آپ تاویل کو کفر قرار دیتے ہیں اور اپنی تفسیر کو قرآن کے الفاظ اور سیاق اور محاورے اور مقصود محاورے کے مطابق بتاتے ہیں لیکن اس سے بھی آپ کا اصل مقصود کوسوں دور رہا۔ اس لئے کہ نیچر اور لاء آف نیچر اگر وہی ہے جو اس زمانہ کے یورپین حکیم بتاتے ہیں تو خدا کی خدائی اور رسولوں کی رسالت اور عذاب و ثواب کا اقرار وہی آبائی تقلید اور بچپن کی سنی سنائی باتوں کا اثر سمجھا جاوے گا اور قرآن باوجود انکار معجزات اور خرق عادات اور دعا اور اجابت دعا اور فرشتوں اور جنات کے نیچر اور لاء آف نیچر کے مخالف ہی رہے گا۔ پس میرے نزدیک آپ دو مصیبتوں میں سے ایک میں سے بھی نہ نکل سکے۔ کہیں قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی کی اور کہیں لاء آف نیچر کے ثابت کرنے میں۔ بعض جگہ تو آپ قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا، نہ جبریل۔ نہ محمد ﷺ، نہ

صحابہ، نہ اہل بیت، نہ عامہ مسلمان۔ اور کہیں نیچر کے دائرہ سے نکل گئے اور مذہبی آدمیوں کی طرح پرانے خیالات اور پرانی دلیلوں اور پرانی باتوں کا گیت گانے لگے۔ چنانچہ آپ کی تفسیر میں دونوں باتوں کا جلوہ نظر آتا ہے۔ جہاں آپ نے دعا اور اجابت دعا کے مشہور معنوں سے انکار کیا معجزات اور خرق عادات کو ناممکن سمجھ کر حضرت عیسیٰؑ کے بے باپ پیدا ہونے اور ان کی طفلی کے زمانہ کے واقعات اور احیائے اموات وغیرہ باتوں کو اہل کتاب کی کہانیاں بتلایا، وہاں آپ نے دکھا دیا کہ آپ کی تفسیر قرآن کے الفاظ اور سیاق عبارت اور اس کے عام منشاء سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ اور جہاں آپ نے خدا کی خدائی اور پیغمبر کی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور ثواب وعذاب و غیرہ کا اقرار کیا، گو اس کی حقیقت میں علمائے ظاہری کی رایوں سے اختلاف کیا ہو، وہاں آپ نے ثابت کر دیا کہ نیچر اور لاء آف نیچر کا کچھ بھی اثر آپ پر نہیں ہوا۔ سب پرانے خیالات آپ کے دل میں سمائے ہوئے ہیں جن پر نیچر کے جاننے والے اور لاء آف نیچر کے ماننے والے ہنستے ہیں۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ اعتقادات، لاء آف نیچر (قوانین فطرۃ) کے مطابق ہیں (ہاں۔ سید احمد) یا ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے (ہاں ہوسکتی ہے۔ سید احمد) اور اعتقادات کا تو کیا ذکر ہے آپ صرف خدا کی خدائی فلسفہ جدیدہ سے ثابت کر دیجئے (بیشک۔ سید احمد) اور اس کے خالق اور قادر اور حکیم اور علیم ہونے کا حکیمانہ ثبوت حکماء زمانہ حال کے اقوال سے پیش کیجئے (اس کی مجھے حاجت نہیں۔ سید احمد) میرے نزدیک اکثر فلسفی تو ایسے باہمت اور بہادر اور دل کے قوی ہیں کہ وہ خدا کے وجود کے اعتقاد سے بڑھ کر کسی بات کو بے ہودہ نہیں سمجھتے۔ اور نعوذ باللہ خدا کو خود انسان کے وہم وخیال کا پیدا کیا ہوا کہتے ہیں۔ ہاں بعض اس کے وجود کے قائل ہیں یا یوں کہیے کہ منکر نہیں ہیں مگر وہ بھی کس خدا کے قائل ہیں؟ اس خدا کے نہیں جو ابراہیمؑ اور محمد ﷺ کا خدا ہے، بلکہ اس خدا کے جو ڈارون اور ہیگل کا خدا ہے، جس کا نام ان کی زبان میں فرسٹ کاز اور عربی میں علۃ العلل ہے۔ وایں خدا بجوئے نمی ارزد و بکار ما نمی آید

ان کے خدا نے نہ کسی چیز کو اپنے ارادے اور مرضی سے پیدا کیا اور نہ کر سکتا ہے۔ نہ کسی چیز میں تصرف کیا، نہ کر سکتا ہے۔ نہ وہ کسی قسم کا اختیار رکھتا ہے، نہ کسی چیز کو جانتا ہے، نہ کسی بات کو سنتا ہے، نہ قاضی الحاجات ہے، نہ سمیع الدعوات، نہ فاعل مختار، نہ قادر علی الاطلاق۔ ہاں اس سے انکار نہیں کہ وہ ایک ہستی ہو جس سے کوئی غیر معلوم مادہ بلا اس کے اختیار اور بغیر اس کی مرضی کے اور بغیر تقدم زمانہ کے ظاہر یا پیدا ہو گیا، اور اس سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا

وھلم جراً مواد پیدا ہوتے ہوتے مادی کائنات کا ظہور ہوا، اور ایک ناکامل حالت سے آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے لاکھوں کروڑوں برسوں کے تغیرات اور تنازعات کے بعد یہ دنیا بنی۔ اور جو کچھ اب ہم دیکھتے ہیں اس کا اس طور پر ظہور تدریجی عمل میں آیا۔ ولکن لیس فیھما ما یدلّ علی الاختیار بل کلّه عن الاضطرار (اور ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اختیار پر دلالت کرتی ہو بلکہ وہ سب اضطراری ہیں)۔ پس اگر یہ مسئلہ نیچر کا مان لیا جائے اور یہ لاز آف نیچر تسلیم کر لئے جاویں، تو فرمایئے کہ وہ خدا جو خالق اور صانع اور قادر اور مرید سمیع علیم مصور اور حکیم اور کیا کیا مانا جاتا ہے، کہاں باقی رہتا ہے؟ اور جب تک کوئی ڈارون کا ہم خیال اور ہیگل کا ہمصفیر نہ بن جاوے کیونکر وہ دل کا مضبوط اور دانشمند کہا جا سکتا ہے (ہم ان کی ان سب باتوں کی غلطی نیچر سے ثابت کرنے کو موجود ہیں اور نیچر ہی سے اس خدا کو ثابت کرتے ہیں جو ابراہیم اور محمد ﷺ کا خدا ہے۔ سید احمد)۔ رہا ان کا ہم خیال اور ہمصفیر ہونا، اس کی کسی اور کو خواہش ہو تو ہو، مجھے تو نہ اس کی خواہش ہے اور نہ طاقت (شاباش۔ شاباش۔ سید احمد)۔ میرا بودا دل اور ضعیف دماغ تو پنے اولڈ (پرانے) خدا کے چھوڑنے اور ساری صفات سے اسے خالی کر کے صرف فرسٹ کاز (علة العلل) ماننے سے بہت گھبراتا اور لرزتا ہے (شاباش شاباش۔ سید احمد) میں تو اپنی نادانی اور بزدلی کو اپنے حق میں ایسے حکیموں کی دانائی اور جوانمردی سے بہت زیادہ مفید سمجھتا ہوں۔ لان البلاھة اوفی الی الخلاص من فطانة بتراء و العمی اقرب الی السّلامة من بصیرة ھؤلاء

اب میں اس خط کو تمام کرتا ہوں اس لئے کہ جو دلچسپ مضمون آپ نے چھیڑا ہے وہ ایک یا دو خط میں نہیں آ سکتا، ضرور ہے کہ ایک سلسلہ ایسی تحریرات کا آپ کی اور آپ کی بدولت شائقین کی خدمت میں پیش کیا جاوے۔ میں اگلے خط میں نیچر اور لاء آف نیچر اور ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام، اور ورڈ آف آف گاڈ یعنی خدا کے کلام سے جو آپ کی تفسیر کے اصول میں سے ایک اصول ہے، بحث کرونگا اور اس بات کو دکھا دونگا کہ اس زمانہ کی سائنس کی رو سے جن کو آپ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کہتے ہیں، بلکہ خود گاڈ، خیالی ڈھکوسلے اور اولڈ فیشن والوں کے سڑیل خیالات ہیں۔ کہاں کا گاڈ اور کہاں کا ورک آف گاڈ اور کیسا ورڈ آف گاڈ۔ علم کی روشنی نے ان تاریک خیالات سے دنیا کو پاک کرنا شروع کر دیا ہے اور جن کے دل نئے خیالات کی تیز شعاعوں سے روشن ہو گئے ہیں وہ ان لغویات کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک ان پرانی باتوں اور ان جہالت و وحشت کے یادگار خیالات کی جگہ اب باقی نہیں رہی۔ الاّ ان دلوں میں جو آبائی تقلید کے

بندھنوں میں پھنسے ہوئے اور بچپن کی سنی سنائی باتوں کے دام میں گرفتار ہیں، ورنہ ماڈرن سائینس نے فتوی دے دیا ہے کہ خدا و جود معطل ہے ،رزاقی اور الوہیت بے ہودہ خیالات ہیں، دعا اور عبادت وحشیوں اور جاہلوں کے ڈر اور خوف کا نتیجہ ہے،نبوت دھوکہ کی ٹٹی ہے، وحی افسانہ ہے، الہام خواب ہے، روح فانی ہے، قیامت ڈھکوسلہ ہے ،عذاب وثواب انسانی اوہام ہیں، دوزخ و جنت الفاظ بے معنی ہیں، انسان صرف ایک ترقی یافتہ بندر ہے، مابعدالموت نہ سزا ہے نہ جزاء، وہ مرنے کے بعد سب جھگڑوں قصوں سے پاک ہے۔ پس اے میرے بزرگ سرسید اور اے میرے پیارے مرشد! یہ ہیں خیالات ان لوگوں کے جو کہ حقیقت میں دل کے قوی اور عقل کے کامل اور حکمت کے موجد اور علوم کے دریا کے شناور ہیں الّذین یستحبّون الحیوۃ الدّنیا علی الآخرۃ و یصدّون عن سبیل اللّٰہ و یبغونھا عوجاً اولئک فی ضلالٍ بعید۔۱۴:۳ (جولوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے اور اس میں عیب تلاش کرتے ہیں ،وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں)۔ محسن الملک

(لا کن یا حبیبی انت تنظر بعین واحدۃ لا بعینین تارۃً تنظر الاسلام بعین و تارۃً اقوال الملحدین بعین و لا تنظر ما بجانب الآخر فلو نظرت کلیھما بعینین لکشفت لک حقیقۃ الاسلام ظاھرۃ و باطنۃ و... لک الاغلاط و الصواب فی اقوال الملحدین الّذین ذکرت اقوالی باعظم الشان و افضل البرھان ولاخترت صراطاً مستقیماً اللّٰھم اھدنا الصّراط المستقیم صراط الّذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین۔ آمین۔سیداحمد)

☆ سرسید احمد خان بنام محسن الملک

مکرمی مہدی! آپ کا نہایت طولانی خط نہایت دلچسپ فصیح و زبردست دلکش مملو از قوت ایمانی و ممزوج از فطرت ربانی پہنچا۔خوبی تحریر وفصاحت بیان جیسا کہ آپ کا خاصہ تسلیم کیا گیا ہے آپ کی ہر تحریر میں پایا جاتا ہے،خواہ وہ میرے نام کا خط ہو، خواہ لکچر اشاعت اسلام پر،خواہ اور کوئی لکچر۔مگر معاف کیجئے اتنا ضرور کہونگا کہ ذراسی کسر تعمق نظر میں رہ جاتی ہے و عندی ھذا دابکم

بات یہ ہے کہ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ کوئی دوست اور صاحب سمجھ ایسا ہو جو میری تفسیر پر متوجہ ہو اور اس کی غلطیوں سے مجھے آگاہ کرے۔ اور شائد آپ کو یقین ہوگا کہ اگر وہ آگاہی آپ سے مجھ کو حاصل ہو تو اس سے زیادہ خوشی مجھے اور کوئی نہیں ہوسکتی مگر جس طرح پر آپ نے یہ خط لکھا ہے یا آئندہ نسبت کسی مقام تفسیر کے کچھ لکھیں وہ کچھ مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ جو داب آپ کا میرے خیال میں ہے وہ مجھ کو اس طرف لے جائے گا کہ پوری غور نہیں کی اور اصل بات نہیں سمجھی۔ فروع ہمیشہ متفرع ہوتے ہیں کسی اصول پر اور اس لئے فروع پر بحث مفید نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اصل، جس پر وہ فرع متفرع ہے، صحیح یا غلط نہ قرار پاوے۔ اگر وہ اصل صحیح ٹھہرے تو ضرور ہے کہ فروع اس کے تابع قرار دیئے جاویں اور صحت اصل وہی دلیل قاطع اور برہان قطعی اس امر کی صحت کی ہوگی جو بات کہ بلحاظ تابع ہونے اس فرع کے اپنی اصل سے قرار دی گئی ہے۔

مثلاً امام شافعی کے نزدیک حرمت مصاہرت بدون ازدواج شرعی کے نہیں ہوسکتی۔ اب اس پر یہ امر متفرع ہے کہ اگر کسی کے باپ کی کسی عورت سے آشنائی ہو اور کتنی ہی مدت رہی ہو، بیٹا اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ یا خود کسی شخص نے کسی عورت سے آشنائی رکھی، پھر اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اس فرع کی بہت عیوب اور خرابیاں بیان ہوسکتی ہیں لیکن جب تک وہ اصل غلط نہ ٹھہرے فرع کے نقصان و عیوب بیان کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ بلکہ صحت اصل دلیل قاطع صحت فرع کی ہے وہ بحال خود باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ اصل باطل نہ ہو۔ مشکل یہ ہے کہ ہم میں اور تم میں یہ امر طے نہیں ہوئے کہ اصول تفسیر کیا ہیں یا کیا ہونے چاہئیں۔ جب وہ اصول قرار پا جاویں اس وقت کسی خاص آیت پر بحث ہوسکتی ہے اور بغیر اس کے یہ کہہ دینا کہ یہ تفسیر نہ محاورہ عرب کے مطابق ہے نہ سیاق کلام کے موافق بلکہ جو اسلام کا منشاء اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی اصل غرض ہے ان سب کے برخلاف ہے کچھ مؤثر نہیں۔ اس طرح اوٹ پٹانگ بات کہہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے اور آپ سے مکاتبات ہوں صرف متعلق تفسیر اور وہ بطور رسالہ کے جمع کئے جاویں اور اس کا نام مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر و علوم القرآن رکھا جاوے۔ شروع ان مکاتبات کی اس طرح پر ہو کہ میں آپ کی خدمت میں ہر ایک اصول تفسیر کو وقتاً فوقتاً بھیجوں۔ اگر وہ اصول آپ کے نزدیک صحیح ہو تو آپ اس پر لکھ دیں کہ یہ اصول صحیح ہے۔ پس وہ ہم میں اور آپ میں اصول مسلمہ ہوگا، خواہ وہ اصول ہم دونوں نے بلحاظ مذہب آبائی تسلیم کیا

ہو خواہ از روئے تحقیق کے ۔ اور جس اصول کو آپ غلط تصور کریں اس کی تردید کریں ۔ بعد تحریرات تین امر اس کی نسبت ہوں گے ۔ یا تو آپ اس کو تسلیم کر لیں گے تو وہ اصول مسلمہ فریقین ہو جاوے گا ، اور یا آپ کی تردید کو میں تسلیم کر لونگا تو اس پر کوئی تفریع معانی قرآن میں نہ جاوے گی ، یا ہم دونوں میں اختلاف باقی رہے گا اس صورت میں وہ اصول آپ کے مقابلہ میں حجت نہ ہوگا ۔ جب یہ سب اصول اس طرح پر طے ہو جاویں اس وقت میں آپ کو اجازت دونگا کہ اب میری تفسیر کے جس مقام کو آپ غلط سمجھیں اس پر تحریر فرماویں ۔ مگر جب تک اس طرح پر اول اصول نہ قرار پالیں اعتراضات و تحریرات و جواب و سوال محض بے سود معلوم ہوتے ہیں اور اوقات عزیز کا ضائع ہونا ہے ۔ اگر اس طرح ایک رسالہ اصول تفسیر کی تحقیق میں ہماری اور آپ کی تحریرات کا جمع ہو جاوے تو کچھ شبہ نہیں کہ نہایت ہی مفید اور بکار ہوگا ۔ پس اگر آپ اس بات کو منظور کریں تو میں آپ کی خدمت میں ان اصولوں کو وقتاً فوقتاً بھیجنا شروع کروں بعد اسکے نسبت تفسیر کے جو تحریر ہو وہ ہو ۔

اخیر خط میں آپ نے لکھا ہے کہ نئے خیالات کی روشنی سے میں بتاؤنگا کہ نہ خدا ہے ، نہ ورک آف گاڈ ، اور نہ ورڈ آف گاڈ ، بلکہ انسان ایک بندر ترقی یافتہ ہے جو فنا ہو جاوے گا ۔ یہ مباحث تفسیر کی بحث سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے ۔ جبکہ آپ تفسیر کی صحت و عدم صحت سے بحث کرتے ہیں تو قرآن کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس کو تسلیم کر کے اس کے معنی کی صحت پر یا عدم صحت پر بحث رہ جاتی ہے ۔ اگر خدا پر بحث کی جائے تو وہ جداگانہ بحث ہے ۔ پس آپ کا یہ خط اس حد سے جس پر آپ نے پہلا خط لکھا ہے اور جس کا جواب میں لکھا خارج ہے اور جب اس طرح خارج از مبحث کلام ہوتا ہے تو اس کی نسبت تحریرات فضول معلوم ہوتی ہیں ۔

والسلام ۔ از الہ آباد ۔ ۸ ۔ اکتوبر ۱۸۹۲ء خاکسار سید احمد

(مکاتبات الخلان میں اس کے بعد سر سید احمد خان کے ۱۵ ۔ اصول تفسیر نقل ہوئے ہیں جنہیں حذف کر کے ہم محسن الملک کا اگلا خط نقل کرتے ہیں ۔ بہاء)

☆ محسن الملک بنام سر سید احمد خان

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد مہلتے بایست تا خون شیر شد

علی گڈھ ۔ ۹ ۔ فروری ۱۸۹۵ء

جناب عالی ! مجھے جو تاخیر آپ کی تفسیر کے متعلق اپنے شبہات ظاہر کرنے میں ہوئی ،

اس پر جس قدر مجھے افسوس تھا اتنی ہی اس بات امید تھی کہ آپ کی خدمت میں زیادہ حاضر ہونے اور آپ کی زبان مبارک سے الہامی مضامین سننے سے میرے شکوک دور ہو جائیں گے مگر باوجودیکہ مجھے ہفتوں بلکہ مہینوں آپ کی حضوری نصیب ہوئی آپ کی زبان الہام ترجمان سے میں نے بہت کچھ سنا، اور آپ نے اکثر نہایت عالی اور بلند مقامات مجھے دکھائے، مگر افسوس ہے کہ میرے دل کا ایک شک بھی دور نہ ہوا بلکہ بچپن سے جو خیالات میرے دل میں بیٹھے ہوئے تھے اور جن بندھنوں سے آپ مجھے چھوڑانا چاہتے تھے وہ اور مضبوط ہو گئے اور اب تو مجھے پورا یقین ہو گیا کہ فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ رایوں نے آپ کے خیالات اس قدر بلند کر دیئے ہیں کہ ہم کم سمجھ آدمیوں کی سمجھ وہاں تک پہنچ نہیں سکتی، اور نیچر کے طوفان خیز اور ناپیدا کنار دریا میں آپ نے اپنے جہاز کو اس مردانگی اور بے باکی سے ڈال دیا ہے کہ ہمارے خیالات کی کمزور کشتیاں وہاں تک پہنچتے پہنچتے پاش پاش ہو جاتی ہیں اس لئے میں اپنے شبہات تحریراً عرض کرنا چاہتا ہوں شائد آپ کے الہامی قلم سے کچھ ایسے دلائل نکلیں کہ مجھے اس سے فائدہ پہنچے یا دوسرے لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ مؤرخہ ۸۔اکتوبر ۱۸۹۲ء میں تحریر فرمایا تھا کہ تفسیر پر بحث کرنے سے اول ان اصول کا تصفیہ کر لینا چاہیے، جو تفسیر لکھتے وقت آپ کے پیش نظر تھے۔ اور ان اصول کو آپ نے تحریر فی اصول التفسیر میں بیان بھی کر دیا ہے، مگر میں ان اصول پر بحث کرنے سے معافی چاہتا ہوں، اور اجمالاً بھی ان کی نسبت اپنی موافقت یا مخالفت ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ جو اصول آپ نے بیان فرمائے ہیں اور جس طرح ان کو تحریر کیا ہے اس کے ہر لفظ میں ہزار معنی پوشیدہ ہیں۔ اور ہر اصول پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے اور اگر یہ شروع ہو تو نفس مطلب رہ جائے گا، اور تفسیر کے متعلق جو کچھ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اس کی نوبت نہ آئے گی۔

میں مثالاً عرض کرتا ہوں کہ آپ اصل اول میں لکھتے ہیں کہ: ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔

بلاشبہ یہ اصل بالکل صحیح ہے اور کون مسلمان ہے کہ اس میں شبہ کریگا، مگر اسی کے ساتھ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ و ھو علّۃ العلل لجمیع المخلوقات علی ما کانت و علی ما تکون۔ اور گو اس کا علۃ العلل ہونا بھی ایک طور پر مسلّم ہے، یعنی اگر وہ فاعل اور مرید بھی مانا جاوے (بیشک خدا فاعل و مرید ہے اور یہ دونوں اس کی صفتیں ہیں اور تمام صفات اس کی عین ذات ہیں پس وہ اپنی ذات سے فاعل و مرید ہے۔سید احمد)، مگر علۃ کا فاعل اور مرید ہونا ضروری نہیں ہے (یہ امر غیر ذوی العقول علت پر صادق آسکتا ہے نہ ذوی العقول علت پر اور خدا سے زیادہ صاحب عقل کون ہے۔سید احمد) بلکہ ہر

علت کا اپنے معلول کے ساتھ ہونا لازمی ہے، اور خالق کا اپنی مخلوق کے ساتھ ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ علۃ و معلول کا تعلق اضطراری ہے (خدا کا تعلق اپنی معلول کے ساتھ اضطراری نہیں ہے بلکہ ایجابی ہے۔ سید احمد) اور فاعل ومفعول یعنی خالق ومخلوق کا تعلق اختیاری

فالفاعل عند نا عبارة عن من يصدر منه الفعل مع الارادة على سبيل الاختيار و مع العلم بالمراد و عند كم ان العالم من اللّه تعالى كا لمعلول من العلّة يلزم لزو ماً صدوريا لا يتصوّر من اللّه تعا لى دفعه لزوم الظّلّ من الشخص و الغور من الشّمس . و ليس هذا من الفعل شيئاً و الفاعل لم يسمّ فاعلاً صا نعاً بمجرد كونه سبباً بل بكونه سببا على وجه مخصوص . و هو وقوع الفعل منه على و جه الارادة و الاختيار

(فاعل ہمارے نزدیک وہ ہے جس سے ارادہ کے ساتھ اختیاری طور پر فعل صادر ہو اور وہ شئے مراد کو بھی جانتا ہو۔ اور تمہارے نزدیک عالم کا صدور اللہ تعالی سے ایسا ہی لازمی ہے جیسا کہ علت سے معلول کا۔ خداوند تعالی اس کو روک نہیں سکتا جس طرح کہ آدمی سے اس کا سایہ اور سورج سے اس کی روشنی جدا نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اس کو فعل سے کوئی تعلق نہیں اور فاعل کو محض سبب ہونے کی وجہ سے صانع نہیں کہتے بلکہ خصوصیت کے ساتھ سبب ہونے کی وجہ سے وہ صانع کہلاتا ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ ارادہ اور اختیار کے ساتھ اس سے فعل صادر ہو)۔

(هذا قول من تصور ارادة اللّه و اختياره كارادتنا و اختيارنا و ليس كذلک لانّ صفاته عين ذا ته لا يحدّث فيه ولا ينفک عنه بخلاف ارا د تنا و اختيارنا لانّهما يحد ث فينا بوقت من الاوقا ت بسبب من اسباب و اللّه تعا لى برى عن يحد ث فيه شيئاً ما كان قبله و هو قديم ازلى ابدى مع جميع صفات كما له ۔ سید احمد۔

یہ اس شخص کا قول ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ خداوند تعالی کا ارادہ اور اختیار مثل ہمارے ارادہ اور اختیار کے ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ایسی اس کی صفات عین ذات ہیں نہ تو اس میں حادث ہوتی ہیں اور نہ اس سے جدا ہوتی ہیں بخلاف ہمارے ارادہ اور اختیار کے، کیونکہ وہ ہم میں بعض اوقات کسی سبب سے حادث ہوتے ہیں خدا تعالی اس سے بری ہے کہ اس میں کوئی

ایسی چیز حادث ہو جو پہلے نہ تھی وہ قدیم ہے ازلی ابدی ہے مع اپنی تمام صفات کمال کے)۔

پس اگر اس اصول سے میں بحث شروع کروں تو علۃ العلل کے مسئلہ کی بحث چھڑ جاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ کیسی باریک اور مشکل اور دقیق بحث ہے اور جب تک کہ اس سے تفصیلی بحث نہ ہو میں کس طرح آپ کے اس اصول سے اتفاق یا اختلاف کا لفظ زبان پر لا سکوں اسی طرح پانچویں اصول میں آپ فرماتے ہیں: قرآن مجید بالکل سچ ہے۔

کون مسلمان ایسا ہے کہ اسے اس میں شبہ ہوگا۔ مگر اسی میں آپ یہ بھی لکھتے ہیں:

کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث ان کی اصلیت اور واقعیت کے تسلیم کر کے ان پر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو ان کی ظاہری حالت پر بلا ان کی اصلی لمّیّت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن مجید کی صداقت کے منافی نہیں۔

اس میں آپ نے ایسے مختصر مگر پر معنی الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ اگر میں اسے تسلیم کر لوں تو آپ کی تفسیر کے بہت بڑے حصہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے، اور اس میں وہ حصے بھی شامل ہو جاتے ہیں جس میں مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ اور اگر اس سے بحث کروں تو اس کے لئے علیحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔

اسی طرح آپ آٹھویں اصول میں بیان فرماتے ہیں:

تمام صفات باری کی نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں۔ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید

کوئی وجہ اس سے اختلاف کی نہیں ہے، مگر اسے اس طور پر آپ نے تحریر کیا ہے کہ اگر میں اسے اجمالاً تسلیم کر لوں تو مجھے بھی آپ کی طرح خدا کو نیچر کا، اور نہ نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایک وجود معطل ہے اور اس کی طرف قدرت واختیار ومشیت وارادہ کی نسبت بے معنی ہے (ہاں خدا کی طرف انسانوں کی سی قدرت اور اختیار اور مشیت اور ارادہ کی نسبت کرنی بے معنی ہے۔ سید احمد)۔ اور سوائے اس کے جن آیتوں سے آپ نے اس اصل میں نیچر کا ثبوت کیا ہے اسی سے میرے خیال کے موافق آپ کے دعوی کا بطلان ہوتا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ:

ایک جگہ ابراہیمؑ کے قصہ میں فرمایا ہے: فما کان جواب قومہ الّا ان قالوا

اقتلوہ او حرّقوہ فانجاہ اللّٰہ من النّار (عنکبوت: ۲۳) (پھر اس، ابراہیمؑ، کی قوم کا بجز اس کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر دو یا جلا دو، پھر اسے خدا نے آگ سے بچایا)

فا نجاہ اللّٰہ من النّار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے۔ ایک اور جگہ تمثیل میں فرمایا فا صابھا اعصار فیہ نار فاحترقت۔ (بقرہ: ۲۱۸)

پس ان دونوں آیتوں سے خدا نے ہم کو قانون فطرت یہ بتایا کہ آگ جلا دینے والی ہے۔ پس جب تک یہ قانون فطرت قائم ہے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

اور اس سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احراق خاصہ نار کا ہے اور یہ بے شک سچ ہے مگر اس سے آپ کا مقصود اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اس خاصیت کو خدا کسی طرح اور کسی حالت میں اور کسی کے لئے اور کسی وقت میں بھی جدا نہیں کر سکتا تا کہ اس سے آپ کا یہ خیال صحیح سمجھا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے ہی نہیں گئے۔ اور اگر آگ میں ڈالے جاتے تو آگ اپنے نیچر کے موافق ضرور ان کو جلا دیتی۔ مگر اسی آیت میں خدا کے الفاظ فا نجاہ اللّٰہ من النّار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گو جلانا آگ کا خاصہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو اس سے بچا لیا ورنہ فا نجاہ اللہ من النار کے کچھ معنی نہیں رہتے، اور ان الفاظ کے مہمل اور پوچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ یا ایک دوسری آیت اپنے دعوے کے ثبوت میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک جگہ موسیٰؑ کے قصہ میں فرمایا: و اذ فرقنا بکم البحر فانجینا کم و اغرقنا آل فرعون و انتم تنظرو ن۔ (بقرہ: ۴۷) اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیرا اور تمہیں بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے)

اور ایک جگہ فرمایا ہے: و قوم نوح لمّا کذ بوا الرّسل اغر قنا ھم و جعلناھم للنّاس آ یۃ۔ (فرقان: ۳۹) اور نوحؑ کی قوم کو جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں غرق کیا اور انہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی ٹھہرایا)

ان آیتوں میں اور ان کی مثل بہت سی آیتوں میں خدا نے یہ قانون فطرت بتایا کہ پانی میں بوجھل چیزیں ڈوب جاتی ہیں۔ پس جب تک یہ قانون قدرت قائم ہے پانی سے یہ فطرۃ معدوم نہیں ہوسکتی اس کا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے

جناب عالی! آپ نے اغرقنا آل فرعون سے تو نیچر کا ثبوت نکالا مگر و اذ فرقنا بکم البحر فا نجینا کم کا خیال نہ رکھا اگر اغرقنا آل فرعون میں بقول آپ کے خدا نے اپنے نیچر کا یہ قانون بتایا ہے کہ پانی میں بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے، تو اسی کے ساتھ میرے نزدیک اس نے و اذ فرقنا بکم البحر فا نجینا کم میں اپنے اختیار اور قدرت کا بھی یہ قانون بتا دیا ہے کہ جس کو ہم چاہتے ہیں اسے ہم ڈوبنے سے بچا دیتے ہیں۔ پھر حیرت اور تعجب تو مجھے اس پر ہے کہ آپ اسی اصل کے بیان کے آخر حصہ میں فرماتے ہیں :

> جو کچھ کہ ہم نے قرآن مجید کی آیتوں سے قانون فطرت بتایا ہے اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون فطرت عام نہیں ہے بلکہ اس میں مستثنیات بھی ہیں لیکن اس کے ذمہ ان مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا۔ مگر ہمارا یہ دعوی ہے کہ قرآن مجید سے اس قانون فطرت میں مستثنی ہونا ثابت نہیں ہوتا جس کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے قائم کیا ہے اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ جب کہ تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہیں تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہیں۔ مگر یہ کہنا کافی نہیں ہے اس لئے کہ امکان عقلی تو کوئی شئے وجودی نہیں ہے۔ صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے و انّ الظّنّ لا یغنی من الحقّ شیئاً (گمان یقین کا کچھ فائدہ نہیں دیتا)۔ علاوہ اس کے امکان کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہ ہوا ہو تو اس پر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے۔ غرضکہ جو شخص قانون فطرت میں مستثیات کا مدعی ہو اس کو ان مستثیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے۔

اگر آپ کی اس تحریر کے مطابق میں فرض کرلوں کہ قانون فطرۃ عام ہے اور یہ بھی فرض کرلوں کہ قانون فطرت وہی ہے جو انسان نے اپنے تجربہ سے قائم کیا ہے تو میں اسکا یہ جواب دونگا کہ اس عام قانون میں مستثنیات کا ہونا خود قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ میں نے نظیراً اوپر بیان کیا اور آئندہ بیان کرونگا۔ لیکن گو کہ یہ میں مانتا ہوں کہ قانون فطرۃ تبدیل نہیں ہوسکتا مگر یہ میں نہیں مانتا کہ جس کو قانون قدرت کہا جاتا ہے اور جسکی بناء استقراء اور تجربہ اور جزئیات کی تحقیقات پر ہے، اسے انسان نے ایسا دریافت کرلیا ہے کہ جو چیز بظاہر اس کے خلاف معلوم ہو اسے خلاف قانون قدرت کہہ کر اس کا انکار کر دیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا ثبوت عمدہ شہادت

سے ہوتا ہو۔ انسان کی عقل محدود ہے اور وہ قدرت الٰہی کی کنہ نہیں جان سکتا اور نہ اس کا جزوی تجربہ خدا کے کلام کو باطل کرسکتا ہے۔ کائنات کی حدود میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے جو خدا کی قدرت کی حد ہو، اور جہان پر قادر مطلق کی قدرت بڑھنے والی موج سے کوئی ملاح یہ کہہ سکے کہ یہ تیری حد ہے تو اس سے آگے مت بڑھ ورنہ تو روکی جائے گی۔ یہ خود دریا کے اختیار میں ہے، کہ جہاں تک چاہے اپنی لہریں بڑھاتا رہے۔ خدا کا قادر مطلق ماننا ہی اس بات کے لئے کافی ہے، کہ نہ اس کی قدرت محدود ہے، نہ اس کی قدرت کو کوئی جان سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ محدود کرسکتا ہے۔ خدا کے ارادہ اور فعل کے بیچ میں ایک ایسا عمیق خندق ہے کہ انسان کی عقل وادراک کا اس پر سے گذرنا ناممکن ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ قدرت کے قوانین ناقابل تبدیل ہیں، اور اس کا ناقابل تبدیل ہونا خود خدا کے فرمانے سے ہمیں معلوم ہوا، کیونکہ اس نے قرآن میں فرمایا لا تبدیل لکلمات اللّٰہ۔ ولن تجد لسنّت اللّٰہ تحویلاً۔ (خدا کے کلمات میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں۔ تم خدا کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے) وغیرہ۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ انسان نے ان قوانین کو پورے طور پر ضبط کرلیا ہے، اور جو کچھ اس کے خلاف واقع ہو گو اس کا ثبوت قرآن ہی سے ہوتا ہو اسکا انکار کیا جائے اور اسے قانون قدرت کی تبدیلی کہا جائے۔

یہ خیالات درحقیقت خدا سے اس کے شاہی حقوق چھیننا اور اسے کائنات کے تخت سے اتار دینا ہے۔ خدا اپنی حکومت سے اس عالم میں خارج نہیں ہوگیا، نہ وہ اپنے کامل اقتدار اور حقوق الوہیت سے دست بردار ہوا ہے۔ پس ہم صرف اسی بنا پر کہ خدا قادر مطلق ہے اور وہ اپنی قدرت دوسرے کو دے کر عرش پر آرام سے بیٹھ نہیں رہا ہے، یہ کہتے ہیں کہ جو فعل اس کا کلام سے ثابت ہو وہ قانون قدرت کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ اسی قانون کے کسی ضمن یا دفعہ میں داخل ہے

(سید احمد کہتے ہیں: اگر تمہارا یہ یقین ہے کہ جو واقعات ہوتے ہیں وہ قانون قدرت کی کسی ضمن یا دفعہ میں داخل ہیں، گو ہم نہ جانتے ہوں، تو ہمارے اور تمہارے اعتقاد میں کچھ بھی فرق نہیں ہے

من تو شدم تو من شدی من تب شدم تو جان شدی　　　تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری)

اس سے زیادہ لکھنا اس موقع پر غیر ضروری ہے کیونکہ ہر ایک اصل آپ کے اصول مقررہ کی تفصیلی بحث کی محتاج ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے اصول کی بھول بھلیوں میں مجھے نہ گھمایئے اور تفسیر کی بحث کرنے کی اجازت دیجئے۔ اور خاتمہ پر اس بات کی اور اجازت چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اپنے اصول مختصراً بیان کرنے دیجئے جو آپ کی تفسیر سے بحث کرنے کے متعلق میں

نے اختیار کیئے ہیں۔ وہ کچھ زیادہ نہیں بلکہ کلمہ طیب کی طرح دو جملے ہیں:۔

ا۔ مجھے تحقیق منظور ہے، نہ کہ مناظرہ، خصوصاً وہ مکروہ اور قابل نفرت مباحثہ کا طریقہ جو ہمارے متکلمین نے مذہبی بحثوں میں اختیار کیا ہے جو درحقیقت سخن پروری اور اظہار قابلیت ہے۔

۲۔ میں قرآن کو معیار صدق قرار دیتا ہوں، نہ کسی اور علم اور نہ کسی قانون قدرت کو۔ اس لئے کہ قرآن یقینی ہے اور وہ یقین کسی طرح زائل نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی بات صریح اور صاف صاف قرآن مجید سے ایسے ثابت ہو جس کے دوسرے معنی کسی طرح قرآن کے مقصود، عرب کی زبان، اور ان کے محاورے کے مطابق نہ ہوں تو وہ واجب القبول ہے۔ اور جو بات اس کے خلاف ہو گو اس کا نام سائنس ہو یا نیچر یا لاء آف نیچر، اسے میں قرآن پر مقدم نہ کرونگا اور نہ اس کے سبب سے قرآن کی ایسی تاویل جائز سمجھونگا جو بمنزلہ تحریف کے ہو۔

آئندہ خط میں، میں دعا کے متعلق جو آپ نے تفسیر میں لکھا ہے اس سے بحث کرونگا۔

(محسن الملک)

☆ سرسید احمد خان بنام محسن الملک

بسم اللہ شروع کیجئے، مگر بھائی ایک بات ہماری بھی مان لو کہ قرآن مجید کے ایسے الفاظ جن کے متعدد معنی ہوں ان میں سے کسی ایک معنی اختیار کرنے کی دلیل نقلی یا عقلی ضرور بتا دینا اور نقلی دلیل سے ہماری مراد تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ والسلام۔ سید احمد

☆ محسن الملک بنام سرسید احمد خان متعلق الدعا والاستجابۃ

بمبئی یکم اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی! آپ نے جو کچھ دعا کی نسبت اپنی تفسیر اور رسالہ الدعا والاستجابۃ میں تحریر فرمایا ہے اسے میں نے غور سے دیکھا اور جو کچھ بالمشافہ آپ نے کہا اسے بھی دل سے سنا۔ مگر افسوس ہے کہ میرے دل کو کچھ تسلی نہ ہوئی اور نہ وہ اختلاف جو مجھے آپ سے اس مسئلہ میں تھا رفع نہ ہوا۔

چونکہ یہ مسئلہ دعا کا منجملہ دیگر مذہبی مسائل کے نہایت اہم اور ضروری ہے بلکہ بہت سے ضروری عقاید کے مباحث پر مشتمل ذات وصفات باری اور فطرت اور قوانین فطرت کے شامل ہے اور ہر زمانہ میں نہایت پیچیدہ اور مشکل خیال کیا گیا ہے اس لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کے تمام

ما له و ما علیه سے پوری بحث کی جائے اور نہ صرف مذہبی رخ سے بلکہ علمی نظر سے بھی وہ دیکھا جاوے۔

لانّ هذه المسئلة من جملة المسائل الغامضة الشريفة التى اختلفت فيه الرائى و تشعبت فيه المذا هب و الاهواء و تحيرت فيه ا لافهام و اضطر بت فيه آ راء ا لانام (کیونکہ یہ مسئلہ منجملہ ان دقیق اور شریف ترین مسائل کے ہے جس میں آراء مختلف ہو گئیں اور مذاہب جدا جدا ہو گئے ہیں اور جس کی وجہ سے لوگوں کی عقلوں کو حیرانی اور ان کی آراء میں پریشانی پیدا ہو گئی ہے)

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دعاء مذہبی زندگی کی جان ہے اور اہل مذہب کے نزدیک مذہب کے عملی زندگی کا فیصلہ بہت کچھ اس پر منحصر ہے۔ اور دعا سے امر مسئول عنہ کا حاصل ہونا اور انبیاء کرام کا خاص خاص مطلب کے لئے دعا مانگنا اور اس کا قبول ہونا کتب سماوی سے ایسا ثابت ہے کہ نہ اس سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی تاویل کی جا سکتی ہے، مگر باوجود اس کے وہ لوگ بھی جنہوں نے اس مسئلہ کو صرف مذہبی نظر سے دیکھا اور دعا کو سبب حصول مقصد قرار دیا ہے ہزاروں دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے کافی اور اطمینان بخش وجوہ بیان کرنے سے عاجز رہے ہیں ۔اور علمی نگاہ سے دیکھنے والوں نے تو دعا کو یا خیالی فلسفہ کی پیچیدگی میں ڈال کر غیر قابل الفہم بنا دیا ہے، یا آپ کی طرح دعا کو صرف عبادت اور اجابت کو محض تسکین قلب خیال کیا ہے۔ اور اس زمانہ میں قوانین فطرۃ کے غیر تبدل پذیر اصول کے ماننے والوں نے اس مسئلہ کی دقت اور پیچیدگی کو جیسا کچھ بڑھا دیا ہے وہ تو خدا کی قدرت اور مشیت کے انکار اور دہریت کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ غرض کہ دعا اور اجابت دعا کا مسئلہ نہ صرف اس وجہ سے دل چسپ ہے کہ وہ ایک معمولی مسئلہ منجملہ مذہبی مسائل کے ہے، یا علمی مضامین میں سے ایک مضمون خیال اور غور کے قابل ہے بلکہ اس لئے قابل بحث اور لائق غور ہے کہ وہ ان امور پر حاوی اور مشتمل ہے جو ایک مسلمان بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے جو خدا کو مانتے ہوں بمنزلہ روح اور جان کے ہیں ۔اگر دعا اس متبرک اور مقدس مقام سے ہٹا دی جائے جس پر وہ مذہبی زندگی کے آغاز سے قابض رہی ہے تو کون اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ مذہبی خیال اور مذہبی عقائد کی حیثیت میں کیسا عظیم تغیر پیدا ہو گا اور مذہب کا وسیع دائرہ کس قدر تنگ ہو جائے گا۔ ایک سادہ دل مسلمان جو قوانین فطرۃ سے ناواقف ہے یہ سن کر کہ دعا سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اس کا خدا نیچر کی زنجیر میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ وہ اس سے اپنے ہاتھ پاؤں باہر

نہیں نکال سکتا، نہایت حسرت اور مایوسی سے پکار اٹھے گا کہ خدا خدائی سے معزول ہو گیا اور مذہبی زندگی کی جان باقی نہ رہی۔ ایسا خدا ہمارے کس کام کا جو نہ ہماری دعا سن سکتا ہے، نہ بغیر معمولی وسائل کے ہماری کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ اس سے دعا کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ ایک پتھر کے بے جان بت کے سامنے گڑگڑانا اور اس سے مانگنا۔ کیونکہ دعا کا مانگنا صرف اس یقین پر مبنی ہے کہ خدا قادر مطلق اور فاعل مختار اور نا معلوم طور پر بے قرار دل کی نکلی ہوئی دعا کا سننے والا اور اس کی حاجت پوری کرنے والا ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے اس یقین میں تذبذب ہو تو کونسا دل ہو گا جو بیقراری کی حالت میں اس کی طرف رجوع کرے اور وہ کون سا خیال ہو گا جو اس کے اضطرار کی آگ کو ٹھنڈا کرے۔ اس لئے کہ صرف یہ خیال کہ خدا دعائیں سننے اور حاجت پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اضطرار کی حالت میں بندہ کا خیال خدا کی طرف رجوع کراتا ہے۔ اور محض اس اعتقاد سے باوجود قدرت کے خدا کا دعا کا قبول نہ کرنا کسی مصلحت پر مبنی ہو گا۔ اور وہ امر مسئول عنہ سے بہتر کوئی چیز دے گا دعا کرنے والے کے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ اگر دعا کا عمل موقوف ہو گیا اور خدا سے دعاؤں کے سننے اور حاجتوں کے پورا کرنے کا خدائی حق لے لیا گیا، تو مذہبی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہیں ہے اور یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے بندوں کی مصیبتوں کے دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کی گریہ وزاری اور اضطرار و بے قراری کا اثر ہوتا ہے، تو دعا بے کار اور خدا پر توکل فضول ہے پھر یقین اور اعتقاد کو بھی اپنے قدم جمانے کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی اور بندہ کو بجز اس کے کہ وہ غیر تغیر پذیر قوانین فطرۃ کو اپنا خدا مانے دوسرا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں انسان کو بے جان قانون سے واسطہ رہتا ہے نہ ایک زندہ خدا سے۔ اور یہ خیال اس محبت کے رشتہ کو جو خدا اور اس کے بندوں کے بیچ میں ہے توڑ دیتا ہے۔ اگر اس میں مدد کرنے کی طاقت نہیں ہے تو ہم کس لئے اس پر بھروسہ کریں۔ اگر وہ ہماری دعائیں نہیں سنتا تو ہم کیونکر اسے رحیم مانیں۔ اور اگر اس میں رحم نہیں تو ہم کیوں اس سے محبت رکھیں۔ پس درحقیقت اس سے ہمارا یقین جاتا رہتا ہے ہم کو خدا سے محبت باقی نہیں رہتی اور ہم ایسے مذہب کے ماننے والے رہ جاتے ہیں جس میں نہ یقین ہے نہ محبت۔ اس لئے اگر دعا کی اجابت ناممکن ہے تو مذہب بھی ناممکن ہے

لانّ من شرائط الایمان التوکل علی اللّٰہ و التّوکل ھو الاعتماد علی الغیر عند الحاجة بان یّنوب عنک فیھا و اذا کا ن المتوکّل علیه ثقة یکون قلب المتوکل علیه ساکناً و نفسه مطمئنّة ۔ و اذا کا ن غیر

ثقة یکون قلب المتوکّل غیر سا کن و نفسه غیر مطمئنّة ۔ و التوکّل علی اللّه و الاخلاص فی الدّعاء لا یکون الا عند انقطاع الحیلة و التبری من الحول و القوّة و المثال فی ذلک من رکا ب البحر و ذلک انّهم یدعو ن اللّه و یسئلونه السّلامة عند دخو لهم السفینة و لکن غیر مخلصین لاتکالهم علی الملا حین فی حفظها حتی اذا توسطوا البحر وهاجت الاموا ج و اضطربت المراکب و فزع الملاحون و اشرفوا علی الهلاك فعند ذلک یدعون اللّه مخلصین له الدّین ۔ لانهم قد علموا انه لا یقدر ا حد من خلق اللّه علی معاونتهم و لا قوّة لاحد علی دفع ما ورد علیهم ا لّا اللّه عزوجل و لا تتعلق قلو بهم بسبب من ا لاسباب فیعلمون عند ذلک فی دعائهم و تضرعهم الی اللّه ، بالکشف عنهم ما فیه ۔ ان لهم الهاً جباراً عا لماً قادراً یسمع دعاء هم و یعلم ما هم فیه و هو قادر علی نجاتهم یرا هم و ان کا نوا لا یرونه و لا یدرون این هو وعلی هذا القیاس کل ما یصیب الناس من الجهد و البلاء فیضطرهم ذلک الی الدّعاء و التضرّ ع الی اللّه عزوجل مثل الغلاء و الوباء و الام الاطفا ل و مصا ئب ا لاخیار و ما شاکلها من الا مور الّتی لا سبیل لا حد لد فعها عنه الّا اللّه تعا لی ۔ فیکون ذلک دلا لة لهم علی اللّه عز و جل و هدا یة الیه کما قا ل :

ام من یجیب المضطر اذا دعاه و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ء اله مع اللّه قلیلاً ما تذ کرو ن

(کیونکہ ایمان کے شرائط میں سے خدا پر توکل ہے اور توکل کے معنی ہیں ضرورت کے وقت دوسرے پر اعتماد کرنا کہ وہ ہمارا قائم مقام ہوگا۔ پس اگر توکل کرنے والے کو اس پر پورا پورا بھروسہ ہوگا تو اس کا قلب ساکن اور اس کا نفس مطمئن ہوگا ۔ اور اگر بھروسہ نہ ہوگا تو اس کا قلب غیر ساکن اور نفس غیر مطمئن ہوگا اور خدا پر توکل اور دعا میں اخلاص صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ظاہری تدبیریں منقطع ہو جاویں اور اپنی طاقت اور قدرت سے مایوسی ہو جاوے ۔ اس کی مثال کشتی کے مسافروں کی ہے کیونکہ وہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں

تو وہ صحیح سلامت پہنچنے کی دعا کرتے ہیں لیکن ان کی اس دعا میں اخلاص نہیں ہوتا کیونکہ ان کو کشتی کے ملاحو ں پر بھروسہ ہوتا ہے۔ مگر جب وہ سمندر کے بیچ میں پہنچتے ہیں اور موجیں اٹھتی ہیں اور کشتی ڈانواں ڈول ہوتی ہے اور ملاح گھبرا اٹھتے ہیں اور ہلاکت کے قریب آ جاتی ہے تو اس وقت خلوص کے ساتھ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کوئی مخلوق ان کی مدد نہیں کر سکتا اور سوائے خداوند تعالی کے کوئی شخص ان کی مصیبت کے دور کرنے پر قادر نہیں ہے اور ان کے دل اسباب میں سے کسی سبب کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے۔ پس اس دعا اور تضرع سے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے ایک خدا ہے جو جبار ہے عالم ہے قادر ہے اور جو ان کی دعا سنتا اور ان کے مصائب کو جانتا ہے اور ان کو نجات دینے پر قدرت رکھتا ہے وہ ان کو دیکھتا ہے اگرچہ وہ اس کو نہیں دیکھتے و علی هذا القیاس۔ انسانوں پر جو مصیبتیں پڑتی ہیں وہ انکو خدا سے دعا کرنے اور اس کے سامنے گڑگڑانے پر مجبور کرتی ہیں مثلاً قحط اور وبا میں بچوں کی بیماریاں اور نیکوں کے مصائب اور مثل ان کے دیگر امور جن کو سوائے خدا کے کوئی دفع نہیں کر سکتا یہ امر ان کے لئے خدا کی طرف رہنمائی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: بھلا کون بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور کون برائی کو دفع کرتا ہے اور کون ہے کہ تم کو اگلوں کا خلیفہ زمین پر بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے)

اس لئے کہ ایمان کی شرائط میں سے ہے اللہ پر توکل کرنا اور اس پر بھروسہ کرنا۔ اور توکل کے معنی ہیں حاجت کے وقت کسی غیر پر اعتماد کرنا کہ وہ ہماری طرف سے قائم مقام ہو اور ہمارا کام کر دے۔ اور اعتماد اسی پر ہوتا ہے جو اعتماد کے قابل ہو یعنی کام کرنے کی قدرت رکھنے والا سمجھا جاتا ہو۔ اور قدرت بھی ایسی جو اس کام کے پورا کرنے کے لئے بکار آمد ہو، اس کا کوئی مانع اور مزاحم نہ ہو۔ اور متوکل یعنی بھروسہ کرنے والا اور وکیل سمجھنے والا اس شخص کو اپنے کام سپرد کر کے فارغ البال ہو جائے اور ایسے وکیل کے ملنے سے دل کو ایسا اطمینان اور اس کے نفس کو ایسی تسلی حاصل ہو جس سے عین مصیبت کے وقت اس کا غم جاتا رہے اور اس کے دل میں امید اور خوشی پیدا ہو۔ بلکہ اس مصیبت کے قائم رہنے پر بھی اس خیال سے کہ اس کا وکیل حکیم اور دانا ہے اور اپنے موکل کے مصالح کو اس سے بہتر سمجھتا ہے خوش اور بشاش رہے جب ایسا توکل کسی دعا کرنے والے کو خدا پر ہوگا تب اس کی دعا سچی اور خالصتاً للہ ہو گی۔ اور ایسی دعا اسی وقت دل سے نکل سکتی ہے جب کہ سارے حیلے جاتے رہیں اور تمام دیگر قوتوں سے مایوس ہو اور کوئی سبب اسباب ظاہری میں سے نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ یہ حالت رات دن دیکھنے میں آتی ہے اور جس کی مثال خود خداوند تعالی نے اپنے

پاک کلام میں اچھی طرح بیان فرمائی ہے اور وہ مثال دریا میں سوار ہونے والوں کی ہے کہ وہ کشتی میں سوار ہونے کے وقت خدا سے دعا کرتے ہیں اور اس سے سلامتی چاہتے ہیں لیکن ان کو خلوص نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کا بھروسہ اس وقت ملاحوں اور کشتی اور بادبانوں پر ہوتا ہے مگر جب کہ کشتی منجدھار میں جا پڑتی ہے اور دریا اپنی ہولناک موجوں سے اسے گھیر لیتا ہے اور طوفان کے طمانچے اس پر پڑنے لگتے ہیں اور خوفناک ہوائیں کشتی کو ڈانواں ڈول کرنے اور رسیوں اور بادبانوں کو توڑنے لگتی ہیں اور ناخدا اور ملاح بے بس ہو کر اپنی مجبوری ظاہر کرنے لگتے ہیں اور کشتی کے ڈوبنے اور مرنے کا وقت آجاتا ہے اور کوئی کشتی کا پار لگانے والا اور ان کا بچانے والا نظر نہیں آتا، اس وقت تمام وسائل اور اسباب کا خیال دل سے نکل جاتا ہے اور سچے دل سے اضطرار اور بے قراری کی حالت میں اس کی طرف نظر جاتی ہے جو نہ کسی سبب کا پابند ہے نہ کسی ذریعہ کا محتاج۔ اور جس کے قبضہ قدرت میں دریا اور اس کی موجیں ہیں اور جس کے کہنے میں سمندر اور اس کا تلاطم ہے۔ وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت وہ سمجھتی ہیں کہ خدا کی مخلوقات میں سے کوئی اس وقت ان کو بچا نہیں سکتا اور نہ بجز اس کے جو اسباب کا پیدا کرنے والا ہے اس مصیبت کو جو ان پر پڑی ہے دور کر سکتا ہے۔ اس وقت بے اختیار ہر ایک دل سے یہ دعا نکلتی ہے (مگر باوصف اس اضطرار اور دعا کے جو کشتی ڈوبنے والی ہوتی ہے وہ ڈوب ہی جاتی ہے۔ سید احمد) اور کافر و مسلمان مضطر ہو کر یہ کہنے لگتا ہے

اے خدا آن کن کہ از تو می سزد　　کہ زہر سوراخ مارم میگزد

وقت تنگ آمد مرا و یک نفس　　پادشاہے کن مرا فریاد رس

در جگر افتادہ ہستم صد شرر　　در مناجاتم ببیں خون جگر

اور یہ حالت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ اس بات کا اعتقاد ہو کہ

ان لهم الهاً جبّاراً عالماً قادراً یسمع دعاء هم و یعلم ما هم فیه و هو قادر علی نجا تهم یرا هم و ان کا نوا لا یرونه و لا یدرو ن این هو ؟

(کہ وہ ایک خدا رکھتے ہیں جو کہ سب پر حاکم اور سب پر مسلط ہے اور جو ہر چیز کا جاننے والا اور ہر بلا کا ٹالنے والا ہے وہ ان کی دعاؤں کو سنتا ہے اور جس مصیبت میں وہ گرفتار ہیں اسے جانتا اور اس سے بچانے کی قوت رکھتا ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے گو وہ اسے نہ دیکھتے ہوں اور نہ یہ جانتے ہوں کہ وہ کہاں ہے)۔

،(اگر عشق و محبت بدانست کہ جمالش مستحق عشق و محبت است عبادت است و اگر بخواہش نفسانی است نہ عشق است نہ محبت بلکہ ضلالت است و ندامت۔ سید احمد)

اور یہ یقین فطرۃً ہر انسان کے دل میں ہے۔ گو وہ مسلم ہو یا کافر۔ یہاں تک کہ وہ ملحد اور دہریہ بھی جو اطمینان اور چین کی حالت میں خدا کے انکار پر دلیلیں لایا کرتے ہیں مصیبت کے وقت بے قرار ہو کر بے اختیار خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہو اور خدا کی قدرت اور اختیار کا درحقیقت ان کو یقین نہ ہو بلکہ بجائے اس کے وہ سمجھتے ہوں کہ وہ جسے خدا کہتے ہیں ایک قوت ہے، ماوراء فطرۃ اور مافوق ادراک، جو دنیا کو پیدا کر کے اور اس کے انتظام کے لئے قانون بنا کر خود پس پردہ نہاں ہو گئی اور ایسے بلند مقام پر جا بیٹھی ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کے قانون نے بندہ کو اس سے اور اس کو بندہ سے جدا اور بے تعلق اور مستغنی کر دیا ہے۔ اور نظام کائنات ایک ایسے سلسلہ سے مسلسل اور ایسی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے کہ ہر ایک کڑی اس کی دوسری کڑی کے سہارے پر ہے اور دوسری کو سہارا دے رہی ہے اور وہ کسی طور پر کسی جگہ سے کسی کے توڑنے سے ٹوٹ نہیں سکتی اور کوئی چیز خارج از سلسلہ ظاہر نہیں ہو سکتی۔ یعنی بقول آپ کے حصول مطلب کے لئے جو اسباب خدا نے مقرر کئے ہیں وہ مطلب تو انہیں اسباب کے جمع ہونے سے ہوتا ہے۔ دعا نہ اس مطلب کے اسباب میں سے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی صورت میں اور اضطرار کی اس حالت میں جس کی تصویر خدا نے کھینچی ہے کیونکر کوئی انسان خدا کی طرف رجوع کرے گا اور ایک دست بستہ اور پاشکستہ خدا سے کون اپنی نجات کی امید رکھے گا، اور ایسے بے اختیار اور معذور خدا سے کیوں دعا مانگے گا، اور اس کی عظمت اور اس کی بے انتہا قدرت کا وہ کون سا خیال اس کے دل میں آوے گا جس سے اس رنج و مصیبت میں وہ اپنے تمام فطرتی قوی کو اس کی طرف متوجہ اور اپنے دل کو تسکین دے گا۔ کیا وہ فقیر جو آپ کو امیر اور کریم النفس سمجھتا ہو، آپ کی بہت بڑی عظمت بھی اس کے دل میں ہو، آپ کو وہ بڑا صاحب قدرت بھی سمجھتا ہو، آپ کی حیرت انگیز اور عالی شان کوٹھی اور کالج کو دیکھ کر وہ آپ کو بہت بڑا امیر بھی جانتا ہو، مگر اسے یہ معلوم ہو کہ آپ نے فقیروں کے لئے اپنا دروازہ بند کر دیا ہے اور بھیک مانگنے والوں کو کالج میں اینٹیں اٹھانے اور پتھر ڈھونے پر روٹی پیدا کرنے کا راستہ بتا دیا ہے۔ بھوک کی حالت میں گو اس کی جان ہی جاتی ہو کیا آپ کے دروازہ پر شیئاً للّٰہ پکارتا ہوا آوے گا۔ اور کیا آپ کی عظمت قدرت امارت اور بزرگی کا خیال اس کے دل کو آپ کی طرف رجوع کرے گا اور بھوک سے بے قرار ہو کر وہ آپ سے بھیک کا ٹکڑا مانگے گا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بس یہی حال اس انسان کا سمجھنا چاہیے جو خدا کو صرف ایک علۃ العلل سمجھتا اور معینہ اسباب اور مقررہ وسائل میں دخل نہ

دینے والا جانتا ہو، کیونکر کسی مصیبت میں اسباب وحیل کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگا، اور کس طور سے وہ اسے قاضی الحاجات اور سمیع الدعوات سمجھ کر اس سے دعا مانگے گا۔ پس درحقیقت دعا کو اسباب حصول مقصد میں سے نہ سمجھنا اور اس سلسلہ مظاہر کو جو کائنات میں ہم ناقص العقل انسانوں کی نظر میں آتا ہے خدا کا وہ اصلی قانون قدرت سمجھ لینا جو ٹوٹ نہیں سکتا، ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی تعلیم نہ خدا نے کی ہے نہ رسول نے۔ نہ کسی مذہب کا ماننے والا اسے قبول کر سکتا ہے، نہ درحقیقت عملاً وہ اب تک قبول کیا گیا ہے، بلکہ درحقیقت یہ ایک خیال ہے جو قولاً کیسا ہی مذہبی کہا جائے اور گو کیسے ہی عمدہ طور سے مذہبی الفاظ میں بیان کیا جائے مگر عملاً دہریت ہے۔ اور خدا سے بے تعلق اور مستغنی کرنے والا ہے۔ اگر اس سلسلہ عالم کو جو ہم دیکھتے ہیں ہم وہ قانون قدرت خیال کریں جس کی نسبت کہا گیا لا تبدیل لکلمات اللّٰہ اور مظاہر عالم کے واقعات کو جو ایک دوسرے کے بعد ہوتے ہیں اس زنجیر کی کڑیاں سمجھیں جو خدا نے بنائی ہیں، اور اپنی تھیوری اور خیال کو اس کے راز سربستہ کا کھولنے والا جانیں، اور درحقیقت ان کے غیر متغیر ہونے پر ہم کو دل سے اعتقاد ہو، تو کیا فائدہ ہے روح کی اس کوشش سے کہ وہ خدا سے توسل پیدا کرے، اور کیا سبب ہے کہ دعا کا خیال ایک دھوکہ نہ سمجھا جائے۔ اگر نظام فطرت ایک ایسی سڑک پر چلتا ہے جس سے بچنے میں ہماری قوت ارادی ضعیف اور عاجز ہے اور نہ صرف ہماری قوت ارادی بلکہ وہ قوت بھی جو ماوراء فطرۃ کہی جاتی ہے اس سے بچانے میں مجبور ہے، تو کیا فائدہ ہوگا کہ اس سے بچنے کے لئے ہم کوئی کوشش یا کسی سے کچھ درخواست کریں، یا سوائے ظاہری اسباب کے ہم کیوں کسی دوسرے مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر یہ نظام فطرت جو بے دردی اور بے پروائی سے ہم کو ایک ایسی رفتار پر چلاتا ہے جو کبھی بند نہیں ہو سکتی اور جس میں ہمارا اور اس نظام کے بنانے والے کا کچھ دخل نہیں ہے، خدا کی محبت کے خیال سے بھی دل کو فارغ کر دیتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ محبت کا دعوی جو اصل ایمان ہے صرف مغالطہ اور دھوکہ رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ دعوی اس نظام فطرت کے ساتھ جو دعا کو اپنے قلمرو سے خارج کرتا ہے جمع نہیں ہو سکتا اور وہ مذہب جس میں خدا عملاً رحمت کی صفت سے پاک ہو اور جس میں کوئی ذریعہ خدا سے محبت پیدا ہونے کا نہ ہو اور مشکل سے مذہب اور دہریت سے جدا سمجھا جائے گا۔ غالباً یہ کہا جائے کہ یہ طفلانہ خیال ہے اور ایسے رحم ومحبت کو خدا سے منسوب کرنا گویا اسے انسان کے مشابہ سمجھنا ہے۔ لیکن ہم کہیں گے کہ بلاشبہ ہم خدا کے سامنے نادان بچہ بلکہ اس سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ اور بلاشبہ وہ صفات جو اس کی طرف ہم منسوب کرتے ہیں انسانی

صفات ہیں، اور اس سے گو تم ہماری ہنسی اڑاؤ مگر در حقیقت یہ اس تعلیم کی ہنسی ہو گی جو خدا نے ہم کو دی ہے اور ان خیالات کا ٹھٹھا اڑانا ہو گا جو اس نے بذریعہ انبیاء کے ہمارے دل میں ڈالے ہیں۔ کیونکہ اس نے خود اسی طرح اپنے آپ کو ہمیں بتایا ہے اور اس نے اپنے صفات کے خط و خال اسی طرح کھینچے ہیں۔ اور رحم اور فریادرسی اور اجابت دعا کو انہیں لفظوں سے تعبیر کیا ہے جو انسان باہم استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان صفات سے اسے یاد کرنا، جو اس نے اپنی ذات کے متعلق خود انسانی الفاظ میں ذکر کئے ہیں اور وہ خیالات جو اس نے ہمارے دل میں ڈالے اور وہ ولولے جو اس نے ہماری طبیعت میں پیدا کئے اور وہ بیان شوق اور محبت دلانے کا جو اس نے ہم سے کیا، ان کا خیال اور ان کی نسبت خدا کی طرف تشبہ بالانسان اور اس مقدس ذات کی نسبت گستاخی ہے تو ہم نہیں جانتے کہ پھر ہم کن لفظوں سے اسے یاد کریں اور کن ناموں سے اسے پکاریں اور کن صفتوں سے اسے موصوف سمجھیں۔ اگر ہم ان سب الفاظ سے اس کی ذات و صفات کو منزہ اور مقدس کرلیں تو سوائے اس کے کہ ایک بے جان اور بے حس قوت کا خیال باقی رہے کوئی خیال خدا کی ذات و صفات کی نسبت باقی نہیں رہ سکتا۔ پھر باوجود اس کے کہ ہم جانتے اور اسے دل سے مانتے ہیں کہ اس کی صفات کو ہماری صفات سے کچھ مناسبت نہیں ہے اور نہ بجز نام کے دونوں میں کچھ مشابہت ہے، مگر اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ان الفاظ کے وہی معانی ہیں جو ان لفظوں سے نکلتے ہیں۔ مثلاً ہم اسے بصیر یعنی دیکھنے والا کہتے ہیں تو گویا ہم یہ خوب سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری سی آنکھ نہیں رکھتا اور اس کا دیکھنا ہمارا سا دیکھنا نہیں ہے مگر پھر بھی ہم اس کا مطلب سمجھتے ہیں کہ وہ ہم کو اور ہمارے افعال کو دیکھتا ہے۔ اور یہی حال باقی صفات کا ہے۔ مثلاً جب اسے ہم رحیم سمجھتے ہیں تو گویا ہم اسے بخوبی جانتے ہیں کہ وہ کیفیت رحم کی جو انسان میں پیدا ہوتی ہے اور جس طرح کسی مصیبت زدہ کی فریاد اور دردناک حالت کا اثر انسان پر ہوتا ہے اس کیفیت اور اس حالت سے اس کی ذات مقدس اور منزہ ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ ہم اسے رحیم مانتے ہیں اور اس کی رحمت اسی قسم کی سمجھتے ہیں جیسے کہ انسان کی رحمت۔ اس لئے کہ ہمارے پاس دوسرا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم ان صفات کو بھی مانیں اور تشبّہ بالانسان کے لوث سے بھی اسے پاک رکھیں، نہ ہمارے پاس دوسرے ایسے الفاظ ہیں جو ہم خدا کی صفات میں استعمال کریں جس سے انسانی صفات اور صفات الٰہی میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہو جائے:

لانّ وا ضع اللغة انّما وضع ھذه الاسا می اولاً للخلق فان الخلق

اسبق الی العقول و الافہام من الخالق فکا ن استعما لہا فی حقّ الخا لق بطریق الاستعارۃ و التجوز و النّقل (کیونکہ لغت نے ان اسماء کو اولاً مخلوق کے لئے وضع کیا ہے کیونکہ مخلوق بہ نسبت خالق کے زیادہ تر قریب الفہم اور قریب التعقل ہے تو اس لئے ان اسماء کا استعمال خالق جل شانہ کی نسبت بہ طریق استعارہ اور تجوز اور نقل کے ہوگا)

غرض کہ انسانی فطرت کا یہ ایک علم مظہر ہے کہ وہ خدا تعالی کو رحم و کرم کی صفت سے موصوف سمجھے اور دعا کو مؤثر مانے ۔ ورنہ جو تصور خدا نے اپنا ہمارے دل میں قائم کیا ہے غلط اور وہ جذبات اور خیالات جو ہمارے دل میں پیدا کئے ہیں سب جھوٹے سمجھے جائیں گے ۔ کیونکہ خدا تعالی کی رحمت کا تصور دعا کے نہ سننے اور ہمیں ایک بے درد اور بے رحم نیچر کے ساتھ میں چھوڑ دینے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ۔ اگر یہ تصویر جھوٹی ہے اور خدا کے رحم اور اجابت دعا کا خیال غلط ہے اور غلطی بھی ایسی جس میں قریباً تمام انسان پڑے ہوئے ہیں تو ہم کو سمجھنا چاہیے کہ انسانی فطرۃ بھی جھوٹی ہے و ذلک عین الجہل ۔

اب میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں ۔ یہ صرف تمہید اس مضمون کی ہے جو متعلق دعا اور استجابت کے میں لکھ رہا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ اسے دیکھ کر ابھی آپ ہنسی نہ اڑائیں گے اور اپنے قلم (جو تلوار سے کم نہیں ہے) کے جوہر دکھانے میں تامل کریں گے ۔ اصل مطلب تو ابھی شروع بھی نہیں ہوا ہے ۔ جب میں اپنا سارا مضمون ختم اور اس کے مالہ و ما علیہ سے بحث کرلوں تب آپ کو جو فرمانا ہو فرمایئے ۔ میں یہ مضمون اس لئے نہیں لکھتا کہ آپ سے مخالفت ظاہر کروں اور نہ میری تحریر مجادلانہ ہے بلکہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ آپکو میرے شبہات دور کرنے کا موقع ملے اور جو کمی آپ کے بیان میں رہ گئی ہے وہ پوری ہو جائے ۔ میں نے اس عرصہ میں اس خاص مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور اکثر اہل مذہب اور اہل علم اور حکماء جدید اور قدیم کے خیالات سے اپنی سمجھ کے موافق واقفیت پیدا کی ہے اور آپ کی تحریر میں بہت سی محققانہ اور عارفانہ باتیں میں نے پائی ہیں اور بہت سے عالی اور پاک خیالات دعا کی نسبت جو آپ نے ظاہر کئے ہیں انہیں سمجھتا ہوں ۔ ان سب کو میں اپنے اس مضمون کے سلسلہ میں بیان کرونگا اور وہ مخالفت جو دعا اور قانون قدرت میں سمجھی جاتی ہے اور دیگر اعتراضات جو اہل مذہب اور اہل علم نے دعا کی نسبت کئے اور جو جوابات اس کے دیئے ہیں ان سب کو بقدر اپنی ناقص سمجھ کے بیان کرونگا ۔ تاکہ آپ ان کو ملاحظہ فرما کر میری غلطیوں کی اصلاح اور میرے شبہات کو رفع کرسکیں اور اس نازک زمانہ میں جب کہ مذہب پر علم کے حملے اور

مذہبی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں ، یہ بڑا اور ضروری اور اہم اور عمدہ مسئلہ، جس پر بہت سے ضروری عقائد کا تصفیہ منحصر ہے، صاف ہو جاوے ۔ اور ہمارے بھائی مسلمانان کو عموماً اور تعلیم یافتوں کو خصوصاً اس سے فائدہ پہنچے ۔ و علی اللّٰہ قصد السبیل و ھو حسبی و نعم الوکیل ۔ محسن الملک

☆ سرسید احمد خان کا نوٹ

ہمارے مولانا مہدی شاہ عبدالعزیز وقت نے نہایت ہی عمدہ اور فصیح تقریر لکھی ہے جس کی فصاحت کی کچھ تعریف نہیں ہوسکتی ۔ مگر اب تک تو یہ باتیں خطابیات کی قسم سے ہیں جب وہ حقیقت کی تحقیق کریں گے اور ان ہونی کو ہونی اور ہونی کو ان ہونی ثابت کریں گے جب ہم بھی نہایت ادب سے ان کو سلام عرض کریں گے ۔ سید احمد

☆ محسن الملک بنام سرسید احمد خان متعلق دعا والاستجابت

بمبئی ۴ ۔ اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی ! دعا کے متعلق جو عریضہ میں نے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے وہ صرف ایک تمہیدی مضمون ہے جس میں میں نے اپنے خیالات بالاجمال اس مسئلہ کے متعلق ظاہر کئے ہیں مگر جیسا کہ میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں، اس ضروری اور مشکل مسئلہ کے ہر پہلو کو دیکھنا اور اس کے ہر مالہ و ماعلیہ سے بحث کرنا ضرور ہے اور جو اعتراضات مذہبی طور پر کئے گئے ہیں ان پر بھی نہایت سچائی اور ایمان داری سے نظر کرنی لازم ہے ۔ چنانچہ میں اب اسے شروع کرتا ہوں ۔

سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ خدا اور اس کے رسول نے دعا کی نسبت کیا فرمایا ہے اور ان کے پاک کلام سے اس کی کیا حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اجابت دعا کے کیا معنی نکلتے ہیں اور چونکہ تفسیر پر بحث کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا مقدم ہے کہ قرآن کی سچائی ایک تسلیم شدہ امر ہے اس لئے آپ کے بیان کئے ہوئے معانی کی صحت و غلطی کا معیار خود قرآن مجید سمجھا جائے ۔ چنانچہ آپ نے بھی تفسیر پر بحث کرتے وقت اسی امر کی خواہش کی ہے اور بلاشبہ یہی ٹھیک اور درست ہے ۔ چنانچہ میں اس خط میں صرف اسی بات کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید سے دعا اور اجابت دعا کے معنی کیا معلوم ہوتے ہیں اور آیات قرآنی سے امر مسئول عنہ کا دعا میں داخل ہونا اور دعا کا ایک

سبب اسباب حصول مقصد سے ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بلا شبہ وہ ثابت ہوتا ہے مگر آپ فرماتے ہیں کہ نہیں، قرآن مجید سے ایسا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ آپ اپنے رسالہ دعا و استجابت میں فرماتے ہیں کہ:

دعا کے معنی پکارنے کے ہیں اور یہ لفظ دعا کا ندا کا مرادف ہے اور دعا اور ندا میں بلحاظ اس کے حقیقی معنی کے امر مسئول عنہ داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگا جائے اور سوال کیا جائے تو اس حالت میں بھی خدا کی طرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے اور لفظ دعا کے معنی الا بتھال الی اللہ بالسوال کے ہوجاتے ہیں یعنی عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے اور اسی خیال سے آپ نے فرمایا کہ: دعا کو بمعنی اول لو یا بمعنی ثانی وہ عبادت کہی گئی ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ دعا اور نداء کے معنی لغوی پکارنے کے ہیں۔ اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ دعا کو عبادت کہا گیا ہے مگر یہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ دعا اور عبادت مرادف ہیں بلکہ دعا اور عبادت میں نسبت عموم و خصوص مطلق کی ہے۔ ہر دعا عبادت ہے مگر ہر عبادت دعا نہیں۔ اور یہ بھی میں قبول نہیں کرتا کہ دعا میں کوئی امر مطلوب نہیں ہوتا بلکہ ہر دعا میں صراحۃً یا اشارۃً ظاہراً یا باطناً، تصریحاً یا ضمناً کوئی مقصود ضرور داخل ہوتا ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی، جسمانی ہو یا روحانی، معاش سے متعلق ہو یا معاد سے۔ اسی واسطے جسے عرفاً دعا کہتے ہیں وہ مذہب میں جو چیز دعا سے تعبیر کی جاتی ہے اس میں امر مسئول عنہ کا داخل ہونا ضرور ہے۔ اور قرآن مجید کی آیتوں سے اس کا ایسا ثبوت ملتا ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ ملا صدر الدین شیرازی نے صحیفہ کاملہ میں اس کو بہت اچھی طرح بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

الدعا عر فاً الرغبة الی اللہ تعالی و طلب الرحمة منه علی وجه الاستکانة و الخضوع و قد یطلق علی تحمید و تقدیس لما فیه من التعرض للطلب۔ سئل عطاء عن معنی قول النّبی ﷺ خیر الدّعاء دعائی و دعا ء الانبیاء من قبلی و ھو لا اله الا اللّه و حده لا شریک له، له الملک و له الحمد یحیی و یمیت و ھو حیّ لا یموت بیده الخیر و ھو علی کلّ شیء قدیر ۔و لیس ھذا دعاء انّما ھو التقدیس والتمجید فقا ل له ھذا امیة بن الصلت یقول فی ابن جذعا ن :

اذا اثنی علیک المرء یو ماً کفاہ من تعرضه الثناء

افیعلم ابن جذ عان ما یراد منه با لثناء علیه ولا یعلم ربّ العا لمین
ما یراد با لثناء علیه

(عرفاً دعا کے معنی ہیں خدا کی طرف متوجہ ہونا اور عجز و نیاز کے ساتھ اس سے رحمت کا طلب کرنا۔ کبھی دعا کا اطلاق خدا کی حمد اور قدوسیت بیان کرنے پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ اس طرح حمد و ثنا کرنے میں بھی درخواست کرنے کا اشارہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نے عطا (مفسر مکی) سے رسول خدا ﷺ کے اس قول کے معنی دریافت کئے کہ بہتر دعا وہ ہے جس کو میں کیا کرتا ہوں اور مجھ سے پہلے انبیاء کیا کرتے تھے اور وہ یہ ہے لا اله الا اللّٰه و حده لا شریک له، له الملک و له الحمد یحیی و یمیت و هو حیّ لا یمو ت بیده الخیر و هو علی کل شیء قدیر۔ اور سائل نے کہا کہ یہ دعا نہیں بلکہ خدا کی بزرگی اور قدوسیت ظاہر کرنا ہے تب عطا نے اس کے جواب میں کہا کہ دیکھو امیه بن الصلت عبداللہ بن جذعان کی تعریف میں کہتا ہے

اذا اثنی علیک المرء یو ماً   کفاه من تعرضه الثناء

یعنی جب کوئی شخص کسی روز تیری تعریف کرے تو صرف تعریف کر دینا ہی عرض حاجت کے لئے اسے کافی ہے۔ جب ابن جذعان کو وہ غرض معلوم ہو جائے جس کے لئے اس کی تعریف کی گئی ہے تو کیا رب العالمین کو وہ غرض معلوم نہ ہوگی جو اس کی تعریف سے مقصود ہوگی)

غرض کہ دعا کو نداء کا مرادف سمجھو یا عبادت کا، مگر دعا کا اطلاق اسی پر ہوگا جس میں خدا کو پکارا جائے اور اس کے پکارے جانے میں کوئی مقصود بالضرور مضمر ہوگا، اگرچہ روحانی برکتیں اور نزول رحمت اور مغفرت عن الذنوب ہی ہو آیت اجیب دعوة الدّا ع ا ذا دعا ن اور ادعونی استجب لکم کے کچھ ہی معنی لو، مگر اس سے یہ بات ثابت ہے کہ پکارنا اور سننا مانگنا اور دیا جانا درخواست کرنا اور اس کا قبول ہونا دعا اور اجابت کی اصلی حیثیت ہے۔ اور یہ دو نسبتی الفاظ ہیں جن میں اول لفظ سے یہ مقصد ہے کہ دوسرا حاصل ہو۔ مانگنے کے لئے دیا جانا ضرور ہے۔ گو یہ ضرور نہیں کہ امر مسئول عنہ جسمانی اور دنیاوی ہی ہو، بلکہ صرف مقاصد روحانی اور اغراض دینی ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر ہم امور دنیاوی کو دعا سے خارج کر دیں اور اس باب میں آپ کے ہم خیال ہی ہو جائیں تاہم مقاصد دینی کیونکر دعا سے خارج ہو سکتے ہیں اور ان پر امر مسئول عنہ کا اطلاق کیونکر نہیں ہوسکتا۔ اگر دعا میں کسی خاص مطلب کا اظہار نہ کیا جائے اور صرف بطور تمجید اور تقدیس خدا کی ثنا و صفت ہی پر کفایت کی جاوے جیسے عارفوں اور صدیقوں کی دعائیں ہوا کرتی ہیں تاہم امر

مسئول عنہ کا اس میں دخل ہونا ضروری ہے۔

اگر مسئول عنہ بالکل دعا سے خارج کر دیا جائے اور اجابت کے معنی صرف تسکین قلب قرار دیئے جائیں تو دعا اور اجابت میں جو مناسبت ہونی چاہیے وہ باقی نہیں رہتی۔ اجابت کو سوال سے مناسبت ہونی چاہیے اور حکم کا درخواست کے ساتھ مناسب ہونا لازم ہے۔ اطمینان قلب بھی اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ جواب مطابق سوال کے اور اجابت مناسب دعا کے ہو۔ ہم کسی امیر کو ایک عرضی دیتے ہیں اور ہم کسی بخشش کی اس سے خواہش کرتے ہیں اور کسی مصیبت کا دور ہونا چاہتے ہیں۔ اگر ہم کو بخشش مل گئی اور وہ مشکل جس میں ہم پھنسے ہوئے تھے اس سے ہم نے نجات پائی، تو ہم اسے اپنے سوال کے مطابق سمجھیں گے اس سے ہمارے دل میں ایک خوشی پیدا ہوگی ہم اس کے شکرانے کے گیت گاتے پھریں گے اور دعا قبول نہ ہونے کی حالت میں بھی اسی خیال سے ہم کو تسکین ہوگی کہ جس سے ہم نے دعا مانگی ہے وہ بلا شبہ دینے والا ہے مگر ہم سے زیادہ وہ ہمارے مصالح کو سمجھتا ہے اگر اس نے دینے میں دیر کی تو وہ بھی کسی ہمارے فائدے کی وجہ سے ہوگی اور اس سے بہتر وہ ہم کو دے گا اور اس کو بھی مجازاً ہم اپنی دعا کی اجابت سمجھیں گے۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ دعا کسی خاص مطلب کے لئے مانگنا فضول ہے تو ہم کسی طرح سے کسی چیز کو نہ مانگیں گے نہ کسی مقصد کی خواہش کریں گے نہ کوئی عرضی گزرانیں گے، نہ کسی قسم کی امید رکھیں گے اور ہر صورت میں ہماری نظر صرف اسباب پر ہوگی نہ مسبب الاسباب پر۔ اور ایسی حالت میں دعا جو مذہب میں ایک ضروری چیز ہے بلکہ مذہب کی جان ہے وہ ایک شئے بے معنی سمجھی جائے گی اور اصلی تعلیم مذہب کی کہ نہ صرف اسباب پر نظر رکھی جائے بلکہ مسبب الاسباب پر وہ بالکل غلط اور لغو اور بے معنی ہو جائیں گی۔

دعا درحقیقت سوال ہے جیسا کہ ہم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ ایک انسان جو دوسرے سے دعا یا درخواست کرتا ہے اس کی حیثیت وہی ہے جو اس دعا کی ہوتی ہے جو انسان خدا سے کرتا ہے۔ اور دعا کا انسان کی جسمانی زندگی سے اسی طرح کا تعلق ہے جیسا کہ اس کی روحانی زندگی سے۔ ہم پہلے جسمانی عالم میں اس بات کا علم حاصل کرتے ہیں کہ دعا کا کیا کام اور اس کا کیا اثر ہے؟ اور بعدہ ہم کو اپنی روحانی زندگی میں اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ ہمارے تعلقات اول جسمانی ہیں بعدہ روحانی۔ اول ہم کو جسمانی حالتوں اور خواہشوں سے آگاہی ہوتی ہے اور پیچھے روحانی حاجتوں اور خواہشوں سے۔ ہم اول جسمانی عالم میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتے ہیں ان کے طرز

عمل سے واقف ہوتے ہیں، ان کے نتائج کو دیکھتے ہیں ان کے قانون کو معلوم کرتے ہیں، اور جب ان کا عمل روحانی دائرہ میں منتقل ہوتا ہے تو ہم پاتے ہیں کہ ان کے قوانین میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور ان کے نتائج وہی قائم رہتے ہیں، صرف تبدیلی یہی ہوتی ہے کہ ہمارے جسمانی اغراض کی جگہ روحانی مقاصد قائم ہو جاتے ہیں۔ خدا سے جو ہمارا تعلق ہے اسے ہم روحانی کہتے ہیں اور اس تعلق میں ہماری قوتوں کا جو استعمال ہوتا ہے وہ روحانی عمل ہے اس وقت ہمارا تجربہ روحانی ہوتا ہے اور ایسے ہر تجربہ کو جو نام دیا جاتا ہے وہ وہی ہے جو پہلے جسمانی تجربہ کو دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ جسمانی اور روحانی چیزوں کے واسطے ایک ہی قسم کے الفاظ ہیں۔ جس طرح محبت، خوشی، تسکین، رحم، نیکی اول جسمانی ہوتے ہیں اور بعدہ روحانی۔ اول ان کو ہم انسانوں میں پاتے ہیں پھر خدا میں۔ عبادت جو ہم خدا کی کرتے ہیں وہ ہمارا روحانی عمل ہے اور اس کے اصول اور قواعد وہی ہیں جو اول ہم اپنے جسمانی تعلقات میں سیکھتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ ہم اپنے ماں باپ اپنے بزرگوں اپنے حاکموں کی تعظیم کرتے ہیں اور اس تعظیم کو ہم زبان سے اور عجز و نیاز کی مختلف علامتوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ ہم انسان کی خوبیوں اور صفتوں اور نیکیوں کی تعریف کرتے ہیں، ہم ان سے معافی چاہتے ہیں ہم ان سے اپنے اغراض اور مقاصد عرض کرتے ہیں اور ہم ان کے سامنے عرضیاں پیش کرتے ہیں۔ غرض کہ تمام باتیں عبادت، تعظیم، حمد و ثنا، عجز و ذلت اور خواہش و طلب کی، ہم جسمانی عالم میں سیکھتے ہیں اور یہ سب اول جسمانی تعلقات ہوتے ہیں۔ اور مادی تعلقات میں ظاہر ہوتے ہیں پھر بعد اس کے یہی روحانی عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ خدا کی ہم تعظیم کرتے ہیں، اس کو بڑا مانتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، اس کی رحمت کے خواستگار ہوتے ہیں، اس سے اپنے گناہوں کی معافیاں چاہتے ہیں، اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں، زمین پر سر رکھ کر اس کے روبرو گڑ گڑاتے ہیں، اپنی ذلت و عاجزی دکھا کر اس کی خوشامد کرتے ہیں، اس کے احسانوں کا شکر بجا لاتے ہیں، اس سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں، اس کو مصیبت اور آفت کے وقت پکارتے ہیں۔ یہ سب کام ویسے ہی ہم کرتے ہیں جیسے ہم انسانوں کے سامنے کیا کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو چیزیں اول جسمانی اور بندوں کے ساتھ کی جاتی تھیں وہ روحانی ہو جاتی ہیں اور خدا کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ پس جس طرح ہمارے تمام دنیاوی کاموں میں ہماری اغراض مضمر ہوتی ہیں اسی طرح ہمارے روحانی اعمال میں بھی۔ دعا بھی وہی فعل ہے جس کا برتاؤ ہم بندوں کے ساتھ کرتے ہیں اور جس طرح اور جس امید پر انسانوں سے ہم سوال کرتے ہیں اسی طرح پر ہم خدا کے سامنے اپنی حاجتیں

پیش کرتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اگر مانگنے اور دعا کرنے میں جب کہ ہم بندوں سے کرتے ہیں امر مسئول داخل نہیں ہے تو خدا سے دعا کرنے میں بھی داخل نہ ہوگا۔ ورنہ یہ لفظ دعا کا عالم جسمانی میں بامعنی اور روحانی عالم میں بے معنی ہو جائے گا۔ اور جہاں تک ہم خدا کے کلام سے شہادت پا سکتے ہیں اس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے۔ ایک جگہ اور ایک مقام پر نہیں بلکہ بیسیوں جگہ اور بیسیوں مقام پر خدا کے کلام سے دعا میں امر مسئول عنہ کا داخل ہونا پایا جاتا ہے اور ایک نبی نہیں بلکہ بہت سے انبیاء کے تذکرہ میں ان کا خاص خاص مقاصد کے لئے خدا سے خاص خاص باتوں کا سوال کرنا اور مخصوص حاجتوں کے مانگنے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ ہم چند آیتیں اس مقام میں نقل کرتے ہیں اور ہم صرف انہیں آیتوں کی نقل پر کفایت کرتے ہیں جن میں وہ حاجتیں مانگی گئی ہیں جو اس عالم سے تعلق رکھتی ہیں۔ روحانی خواہشوں کے مانگنے اور اس کے دیئے جانے سے تو سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔

سب سے اول حضرت نوح کی دعا کو لیجئے۔ ان کے بیان میں خداوند تعالی فرماتا ہے

قال نوح ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیّاراً۔ انک ان تذرھم یضلّو عبادك و لا یلدوا الّا فا جراً کفاراً (نوح نے کہا اے میرے پروردگار تو منکروں میں سے ایک بھی رہنے والے کو زمین پر باقی نہ چھوڑنا۔ اگر تو انکو چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ سوائے بدکار اور منکر کے اولاد نہ جنیں گے)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے خدا سے دعا کی کہ کافروں کو زمین پر باقی نہ رکھے اور اس کی وجہ یہی بیان کی کہ اگر یہ باقی رہیں گے تو لوگوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی اولاد کافر و فاجر ہی رہے گی اور یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اس دعا کو قبول کیا اور کفار کو طوفان لا ڈبو دیا، کما قال اللہ تعالی:

و نوحاً اذ نادی من قبل فاستجبنا له فنجّیناہ و اھله من الکر ب العظیم۔ و نصرناہ من القوم الّذین کذّ بوا بآ یا تنا انّھم کانوا قوم سوء فاغر قنا ھم اجمعین (اور نوح کو یاد کر جب کہ اس نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اسکی دعا قبول کی۔ پھر اس کو اور اسکی اہل کو بڑی سختی سے بچا لیا اور ہم نے اسے اس قوم پر مدد دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ بے شک وہ برے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا)

حضرت نوح کے قصہ میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کی دعا جس طرح کفار کے

حق میں قبول کی گئی ویسے ہی ان کے بیٹے کے حق میں نامنظور رہی۔

و نادی نوح ربه فقال ربّ انّ ابنی من اهلی و انّ وعدك الحق و انت احکم الحاکمین۔ قال یا نوح انّه لیس من اهلک انه عمل غیر صالح فلا تسئلنی ما لیس لک به علم انّی اعظک ان تکو ن من الجاهلین ۔ (اورنوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے پروردگار میرا بیٹا میری اہل میں سے ہے (اور میری اہل کے بچانے کا وعدہ تھا) اور تیرا وعدہ سچا ہے اور بے شک تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا کہ اے نوح وہ تیری اہل میں نہیں، اس کے کام برے ہیں، سو جس بات کا تجھے علم نہیں وہ مجھ سے مت مانگ، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں نہ ہو)۔

خدا نے اس دعا کو قبول نہ کیا۔ اور جب حضرت نوح نے کہا کہ یہ میرے اہل میں سے ہے اور تو نے میرے لوگوں کو بچانے کا وعدہ کیا، اس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ نہیں یہ تیری دعا قبول نہ ہوگی اس لئے کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ اچھے کام کرنے والا نہیں ہے۔ اور نامقبولیت دعا کے سبب بتلانے کے علاوہ خدا نے جھڑکی بھی دی اور فرمایا کہ جس چیز کا تجھے علم نہ ہو اسے نہ مانگ۔ اور میں تجھے سمجھاتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر دعا کا قبول ہونا مطابق وعدہ الٰہی کے ضرور نہیں ہے، نہ ہر دعا کے قبول ہونے کا وعدہ خدا نے فرمایا ہے بلکہ دعائیں جو جاہلانہ بے سمجھے بوجھے کی جاتی ہیں وہ وعدہ اجابت الٰہی سے خارج ہیں۔ اور اکثر نامقبول دعائیں اسی مد میں داخل ہیں۔

پھر حضرت ابراہیمؑ پر نظر کیجئے۔ سورہ بقرہ رکوع پندرہ میں خدا فرماتا ہے:

و اذ قال ابراهیم ربّ اجعل هذا بلداً آ مناً وارزق اهله من الثّمرا ت من آمن منهم باللّه و الیوم ا لآخر ربّنا و ابعث فیهم رسولاً مّنهم یتلوا علیهم آ یا تک و یعلّمهم الکتا ب و الحکمة و یزکّیهم انک انت العزیز الحکیم (اور جب کہ ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو اس شہر کو امن گاہ بنا، اور اس کے باشندوں میں سے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے ہیں میوے کھلا۔ اے ہمارے پروردگار ان میں سے ایک رسول اٹھا جو تیری آیتیں ان پر پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے)

اس میں صاف صاف امر مسئول عنہ کا بیان ہے اور اس کا قبول ہونا ثابت۔ حضرت

ابراہیم نے مکہ معظّمہ کے لئے دعا کی کہ خدایا اس کو بلد مامون بنا اور میری ذریت میں سے ایک ایسا رسول جو کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے، پیدا کر۔ چنانچہ خداوندتعالی نے حضرت ابراہیم کی دعا قبول فرمائی اور پیغمبر خدا ﷺ کو ان کی ذریت میں پیدا کیا اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے لئے بھیجا۔

حضرت ایوبؑ کے ذکر میں قرآن بتاتا ہے کہ ان کو جو تکلیف اور مصیبت تھی اس کے دور ہونے کی انہوں نے دعا مانگی اور خدا نے اسے قبول کیا۔ یعنی وہ اجابت نہیں جس کے معنی بغیر دور کرنے مصیبت کے صرف ان کے دل کو تسکین دے دی ہو بلکہ اصلی قبولیت اور حقیقی اجابت ان کی دعا کی خدا نے فرمائی یعنی اس تکلیف کو دور کیا جیسا کہ فرمایا:

و ایّو ب ا ذ نادی ربّه انّی مسّنی الضّرّ و انت ارحم الرّا حمین۔ فاستجبنا له فکشفنا ما به من ضرّ و آ تیناه اهله و مثلهم معهم رحمة من عند نا و ذکری للعابدین (اور ایوب کو یاد کہ جب کہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھ پہنچا اور تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔سو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی)

حضرت یونسؑ کی دعا سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس غم میں وہ پڑ گئے تھے اس سے نجات پانے کی انہوں نے دعا کی جسے خدا نے قبول فرمایا، انکے غم کو دور کر دیا کما قال اللہ تعالی:

و ذا النّو ن اذ ذهب مغا ضباً ان لن نقدر علیه فنادی فی الظّلما ت ان لا اله الّا انت سبحا نک انّی کنت من الظّا لمین۔ فا ستجبنا له و نجّیناه من الغمّ و کذ لک ننجی المؤمنین (اور مچھلی والے کو یاد کر جب کہ وہ غصہ سے لڑ کر چلا گیا پھر سمجھا کہ ہم اسے پکڑ نہ سکیں گے۔ پھر تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے میں ظالموں میں سے تھا۔سو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔ اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیں گے)

اور اس آیت سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یونس کا غم خدا نے دور کر دیا بلکہ اس سے ہمارے دعوی کی پوری تائید ہوتی ہے کہ خداوندتعالی مومنین کی دعا بھی، جب کہ وہ ایسی حالت میں پھنس جاویں اور وہ خدا سے بے قراری اور اضطرار کی حالت میں دعا کریں، قبول کرتا ہے ۔کیا بعد خدا کے اس فرمانے کے و کذ لک ننجی المؤمنین اس باب میں شبہ رہ سکتا ہے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہیں ہے اور ناامیدی اور مایوسی کی حالت میں خدا دعا قبول نہیں فرماتا جیسا کہ

خداوند عالم بیان فرماتا ہے:

قال ربّ اشرح لی صدری و یسرلی امری و احلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی و اجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد به ازری و اشرکه فی امری کی نسبحک کثیراً و نذکرك کثیرا انک کنت بنا بصیراً ۔قال قد او تیت سؤلک یا موسی (اس نے کہا اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے اہل میں سے میرے لئے ایک وزیر بنا میرا بھائی ہارون، اس سے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر، تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ خدا نے فرمایا اے موسی تیرا سوال پورا کیا گیا)

اس میں صاف بیان اس امر کا ہے کہ حضرت موسی نے چند باتوں کی خدا سے درخواست کی۔ ایک یہ کہ انکے دل کو قوی کرے۔ دوسرے ان کی زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ ان کی بات سمجھنے لگیں۔ تیسرے یہ کہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دے۔ اور دعا مانگتے وقت حضرت موسیؑ نے یہ بھی کہا کہ ان خواہشوں کے پورے کرنے سے ہم کو ایسی خوشی ہوگی کہ ہم بہت زیادہ تیری تسبیح کریں گے اور تجھے بہت یاد کیا کریں گے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا قبول ہونا اور امر مسئول عنہ کا دیا جانا اصل خوشی اور محبت پیدا ہونے کا سبب ہے۔ اور ان تمام دعاؤں کو خدا نے پورا کیا اور ان کی اجابت کو ان لفظوں میں ادا کیا:

قد اوتیت سؤلک یا موسی

میرے نزدیک اس سے زیادہ کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ جب خدا کو کوئی عرضی دی جاتی ہے تو خدا تعالی اس کے موافق اور مناسب، بشرطیکہ وہ جاہلانہ درخواست نہ ہو، حکم تحریر فرماتا ہے

سورہ یونسؑ میں حضرت موسیؑ کی ایک اور دعا کی اجابت کا بیان ہے جس میں حضرت موسیؑ اور ہارونؑ دونوں نے مل کر دعا کی تھی اور جس سے فرعون غارت کیا گیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:

قال موسی ربّنا انک آ تیت فرعون و ملأہ زینۃ و اموا لاً فی الحیوۃ الدّنیا ربّنا لیضلّوا عن سبیلک ربّنا اطمس علی اموا لھم و اشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یرو العذا ب الالیم ۔ قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعا ن سبیل الّذین لا یعلمو ن۔

(اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے دنیا کی زندگی میں فرعون اور اس کی قوم کو زینت اور بہت مال دے رکھا ہے اے ہمارے پروردگار اس لئے کہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے رب ان کے مال میٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں۔ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی سو تم ثابت قدم رہو اور بے علموں کی راہ نہ چلو)

اس آیت میں قد اجیبت دعوتکما کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس سے امر مسئول عنہ کا دیا جانا اور دعا کا ایک سبب اسباب حصول مقصد سے ہونا ثابت نہیں ہوتا؟

حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ دعاؤں کا قبول ہونا لازمی نہیں ہے بلکہ وہ دعا جو نافہمی اور نادانی سے کی جائیں اور خلاف حکمت اور قواعد مقررہ خدا کے ہوں وہ قبول نہیں ہوتیں، اور ایسا کرنے والا اسرار الٰہی سے ناواقف سمجھا جاتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ نے خدا سے درخواست کی رب ارنی انظر الیک یعنی خدا تو مجھے اپنے آپ کو دکھا۔ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا کہ لن ترانی کہ تو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ جھڑکی کہ خدا نے ان کو سنائی اس سے متنبہ ہو کر وہ اپنی غلطی پر متنبّی ہوئے اور عرض کرنے لگے سبحانک تبت الیک و انا اوّل المؤمنین خدایا میں نے توبہ کی اور اس دعا کے کرنے سے، جو مجھے نہیں کرنی چاہیے تھی، میں نادم ہوا۔

حضرت ذکریا کی دعا تو آپ نے اپنے مفید مطلب سمجھ کر اس دعوی کی ثبوت میں بیان فرمائی ہے کہ لفظ دعا اور ندا میں بلحاظ اس کے حقیقی معنی کے امر مسؤل عنہ داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے، مگر آپ کا یہ دعوی اور دلیل دیکھ کر نہایت تعجب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض دعائیں مفصل ہوتی ہیں اور بعض مجمل۔ بعضوں میں بالعموم رحمت و مہربانی مانگی جاتی ہے بعض میں بالتخصیص خاص خاص چیزوں کا سوال ہوتا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ امر مسئول عنہ کو دعا سے علاقہ نہیں، اور دعا صرف ندا ہے بغیر کسی غرض اور کسی مطلب کے۔ حضرت ذکریا کی مثال دینے سے تو درحقیقت آپ نے اپنے دعوی کو انصاف اور ایمان کی عدالت میں قرآن کی شہادت سے ڈسمس کر دیا اور پورے طور پر آپ ہار گئے۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی حضرت زکریا کی دعا اور خدا کی اجابت کو، جن کا متعدد آیتوں میں ذکر ہے، دیکھ کر ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کے دعوی کو قابل غور خیال کرے گا اور سنتے ہی حیرت زدہ ہو کر اس استدلال کو آپ کی شان کے خلاف نہ سمجھے گا۔ حضرت زکریا کی دعاؤں سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ اس سے صرف دعا کا اسباب

حصول مقاصد میں سے ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اسباب کی طرف سے مایوسی اور نا امیدی ہوتی ہے اور کسی طرح امر مسئول عنہ کا ملنا بظاہر اسباب قیاس میں نہیں آتا، اور خود دعا کرنے والا مایوسی کے سامان دیکھ کر دعا کرنے سے ہچکچاتا ہے، تو خدا خود اپنی قدرت کی شان دکھاتا ہے اور اپنے مسبب الاسباب ہونے کی طرف رغبت دلاتا اور دعا کرنے کی توفیق دیتا ہے جس سے اس کے خاص بندے اسباب اور وسائل ہی کو نہ دیکھیں بلکہ اس کی طاقت کو اس سے مافوق سمجھ کر اس کی طرف رجوع کریں۔ دیکھئے وہ آیت جو آپ نے نقل کی اس میں حضرت زکریا خدا سے دعا کرتے ہیں ربّ ھب لی من لّد نک ذرّیّۃ طیّبۃ انک سمیع الدّعا انہوں نے اولاد کی دعا مانگتے وقت خدا سے یہ کہا کہ تو دعائیں سنتا ہے۔ یعنی جو کوئی کچھ مانگے اسے دے سکتا ہے اور اسی امید پر میں تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ اور پھر اپنے وارث نہ ہونے پر مضطر ہو کر خدا سے دعا کی ربّ لا تذ رنی فرداً و انت خیر الوا رثین کہ اگرچہ بہترین وارث تو ہی ہے مگر بمقتضائے بشریت مجھے اولاد کی تمنا ہے تو اپنے رحم و کرم سے عطا کر۔ اس کے جواب میں خدا ان کو بذریعہ ملائکہ بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے فبشرّ ناہ بغلامٍ حلیم۔ اور دوسرے مقام پر زکریا کی اجابت ان لفظوں میں خداوند تعالی بیان کرتا ہے:

> فنادتہ الملا ئکۃ و ھو قا ئم یصلی فی المحرا ب انّ اللّٰہ یبشّر ك بیحی مصدّقاً بکلمۃ من اللّٰہ و سیّداً و حصوراً و نبیّاً مّن الصّالحین
> (پھر جب زکریا محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا فرشتوں نے اسے آواز دے کر کہا کہ اللہ تجھے خوش خبری دیتا ہے یحی کی جو خدا کے کلمے (یعنی عیسی) کا مصدق اور ایک سید ہوگا اور عورتوں سے برطرف رہے گا اور ایک نبی ہوگا نیکوں میں)

دوسرے مقام پر خداوند تعالی حضرت زکریا کے بیان میں فرماتا ہے کہ زکریا نے ناامیدی کی حالت میں خدا سے عرض کیا:

> ربّ انّی وھن العظم منّی و اشتعل الرّأس شیباً وّ لم اکن بدعائک ربّ شقیاً۔ (اے رب میری ہڈیاں سست ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے سے چمک اٹھا اور میں کبھی اے میرے رب تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا)

کہ میں بڈھا ہو گیا ہوں اور میرا سر ہلنے لگا ہے اس پر بھی میں تجھ سے مانگتا ہوں باوجودیکہ میری بی بی بانجھ ہے اور اولاد ہونے کی امید نہیں۔ چنانچہ الفاظ و کانت امرأ تی

عاقراً سے یہ ظاہر ہے۔ اور باوجود اس کے، یعنی اس ناامیدی پر بھی، میں تجھے قادر مطلق سمجھ کر تجھ سے دعا کرتا ہوں فھب لی من لّد نک ولیّاً یرثنی و یرث من آل یعقوب و اجعلہ ربّ رضیاً کہ صرف اپنی طرف سے اور صرف اپنے فضل و کرم سے باوجود ان حالتوں کے بھی مجھے اولاد عطا کر اور اپنی قدرت کا تماشا دکھا۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے انّا نبشّرک بغلام اسمہ یحیٰ لم نجعل لہ من قبل سمیّاً کہ اچھا ہم اپنی قدرت کا تماشا تجھے دکھاتے ہیں اور بڑھاپے میں تجھے بیٹا دیتے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بیان میں خدا فرماتا ہے کہ جب اس کو اولاد کی خوش خبری دی گئی تو ان کی بیوی حیرت زدہ ہو کر کہنے لگی یا ویلتی ء الد و انا عجوز و ھذا بعلی شیخاً انّ ھذا لشیء عجیب۔ (کیا میرے اولاد ہوگی ایسی حالت میں کہ میں بوڑھیا ہوگئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے)۔ اس پر خدا نے فرمایا اتعجبین من امر اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ علیکم اھل البیت انّہ حمید مّجید۔ کیا تو تعجب کرتی ہے خدا کی رحمت سے، یہ خدا تعالیٰ کی مہربانیوں میں سے ہے۔

علاوہ ان آیتوں کے حضرت سلیمانؑ کی دعا

> ربّ اغفر لی و ھب لی ملکا لا ینبغی لا حدٍ مّن بعدی انک انت الوھاب۔ (اے پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو بے شک تو بخشنے والا ہے)

اور حضرت عیسیٰؑ کی دعا:

> اللّٰھم ربّنا انزل علینا مائدۃ من السماء (اے ہمارے پروردگار! اتار ہمارے لئے دسترخوان آسمان سے)

اور اس کا جواب خدا کی طرف سے قال اللّٰہ انّی منزلھا علیکم وغیرہ آیتیں ہیں جن میں امر مسئول عنہ کا دعا میں داخل ہونا ثابت ہے۔

کیا جو شخص قرآن مجید کی ان آیتوں پر سرسری نظر سے بھی غور کرے گا تو اسے دعا کے قبول ہونے اور امر مسئول عنہ کے خدا کی طرف سے دیئے جانے میں کچھ شبہ رہے گا۔ میرے نزدیک اس کے بعد یہ بحث کہ دعا اور ندا الفاظ مرادف ہیں یا نہیں، اور لفظ دعا اور ندا کے حقیقی معنی میں امر مسؤل عنہ داخل ہوتا ہے یا نہیں، غیر ضروری بلکہ لغو و فضول رہ جاتی ہے۔ اس لئے کہ امر بحث

طلب یہ نہیں ہے کہ لفظ دعا میں امر مسؤل عنہ داخل ہے یا اس سے خارج ہے، بلکہ یہ ہے کہ خدا مانگنے سے دیتا، یا دے سکتا ہے۔ اور اس سے مانگنا اسباب حصول مقصد میں سے ہے یا نہیں، اس کا جواب آپ نفی میں دیتے ہیں اور میں اور تمام مسلمان بلکہ کل بنی نوع انسان جو خدا کو مانتے ہیں اثبات میں ۔ اور اس کے لئے ہم قرآن سے اتنی شہادتیں پیش کر چکے کہ عرفی دعا کی حقیقت کا انکار کرنا اور اجابت کو صرف خیالی اور بے معنی تسکین قلب سمجھنا ایسا خیال ہے جو میرے سے کم سمجھ آدمیوں کی سمجھ میں قرآن کے تسلیم و اقرار کے ساتھ مشکل سے جمع ہو سکتا ہے۔ یہ آیتیں جو میں نے اوپر نقل کیں کچھ پہیلیاں نہیں ہیں جن کا بوجھنا مشکل ہو۔ نہ معمے ہیں جو سمجھ میں نہ آسکیں بلکہ یہ خدا کا صاف اور سیدھا کلام ہے جس سے انبیاء کرام کا خاص خاص باتوں کے لئے دعا کرنا۔ مثلاً کسی کا بیٹا مانگنا، کسی کا سلطنت چاہنا، کسی کی دشمن پر فتح کی استدعا، کسی کی آسمان سے مائدہ ملنے کی التجا، ایسی ثابت ہے کہ اس سے انکار ہو سکتا ہے نہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء نے جو عموماً تمام انسانوں سے بڑھ کر خدا کے اسرار سے واقف اور لا تبدیل لکلمات اللّٰہ کے حکم مستحکم سے آگاہ تھے، دعا کو اسباب حصول مقصد میں سے خیال کیا اور عالم اسباب سے ناامید ہو کر مسبب الاسباب سے دعائیں مانگنے لگے۔ کوئی کہنے لگا ربّ ھب لی من لّدنک ذریّۃً طیّبۃً انک سمیع علیم ۔ کوئی گڑگڑا کر پکارنے لگا ربّ لا تذرنی فرداً و انت خیر الوارثین۔ کوئی مانگنے لگا ربّ ھب لی ملکا لا ینبغی لاحدٍ من بعدی ۔ کوئی چلانے لگا ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیّاراً ۔ پس وہ شخص کہ قرآن کو منزل من اللّٰہ مانتا اور ان آیتوں کو جعلی اور نقلی نہ سمجھتا ہو، کیونکر اتنے شواہد سے چشم پوشی کرے گا اور کس طرح اپنے نامکمل اور ناقص علم پر جو قانون فطرت کی نسبت ہے، بھروسہ کر کے اجابت دعا کو خلاف قانون فطرت سمجھے گا ،اور عمداً دعا اور اجابت دعا کا منکر ہوگا۔

اے میرے سید (احمد) اور مولی اگر قرآن سچا ہے اور یہ آیتیں قرآن ہی کی ہیں تو میں اس کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ کی رائے اور خیال سے میں اسی وقت اتفاق کر سکتا ہوں جب کہ قرآن کو کلام الٰہی نہ سمجھوں اور ان آیتوں کو منزل من اللّٰہ نہ مانوں۔ میرے نزدیک ان آیتوں کو ماننے اور سمجھنے کے بعد دعا اور اجابت کے عرفی معنی سے انکار کرنا ایسا امر ہے جس کے سمجھنے سے میرا ذہن قاصر اور میری عقل عاجز ہے۔

فانظر یا سیّدی الی ھذہ الاخبار فایّ ذکر ابین من ھذا و ایّ شھادۃ

اقوی منها علی ان الدّعاء له تا ثیر فی نظام العالم و انّ اللّٰه تبارك و تعالی یسمع الدعاء و یقضی الحا جا ت اهذه الاقاویل کلّها علی کثرة معانیها و فنون ورودها و عدد جهاتها الّتی حکیت عنها کلّها اشارات الی بطلان الدّعاء العرفی و عد م اجا بة ا لامر المسؤل عنه فقد ذکر نا من القر آن ما فیها کفایة لمن اکتفی و قد استشهد نابعض من عشر سورة ممّا ید لّ علی صحّة ما قلنناه فی ما تقدم بما یکفی و یقنع من کان منصفاً فانظر یا سیدی و مولائی الی معانیه بعین الانصاف هل تنظر فیه من قصور ثمّ ارجع البصر کرّتین الی الفاظه هل تر ی فیه من فطور ۔ فقط

(پس اے میرے سردار، ان واقعات اور اخبار کو ملاحظہ کیجئے ۔کون سا بیان اس سے زیادہ روشن اور کون سی شہادت اس سے زیادہ قوی ہوسکتی ہے، ما سوا اس کے دعا کی تاثیر نظام عالم میں مسلّم ہے اور خداوند تعالی اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے۔ کیا یہ تمام اقوال باوجود اپنی کثرت اور مختلف شعبوں اور مختلف حیثیتوں کے جن کی نسبت بیان کیا جا چکا ہے اشارات ہیں، معمولی دعا کے بطلان اور عدم اجابت امر مسؤل کے لئے ۔قرآن مجید سے ہم اس قدر حوالے ذکر کر چکے ہیں جو کافی ہیں اور ہم نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی آیات سے استشہاد کیا ہے جو ہمارے گزشتہ بیان کی صحت پر دلالت کرتا ہے اور جو ایک منصف مزاج شخص کے مطمئن کرنے کے لئے کافی و وافی ہے ۔ پس اے میرے سردار اے میرے آقا ! آپ بنظر انصاف اس کے معانی کو ملاحظہ فرمایئے ۔ کیا آپ کو ان کو کوئی قصور نظر آتا ہے اور پھر دوبارہ اس کے الفاظ پر نظر ڈالئے کیا ان میں کچھ سستی معلوم ہوتی ہے؟)

☆ **سرسید احمد خان کا تبصرہ**

کلّ ذلک کا ن مقدر لهم فاعطا ه اللّٰه لهم بفضله و کر مه و لم یثبت من القرآن ما لم یکن مقدراً اعطی لهم با لدّعاء و انّ الدعا ردّ القضاء و ا خر ا لاجل و بدّل المقدورا ت و تغیّر علم اللّٰه علی ما کا ن و ما یکون و هذا عند نا محال ۔ سید احمد

ابو عبد البر عبد الحکیم نصیر آبادیؒ

جن بزرگوں نے برصغیر کی تحریک عمل بالحدیث میں خدمت کی ہے ان میں ایک شخصیت جناب عبد الحکیم نصیر آبادی کی ہے۔ آپ آبائی طور پر حنفی المسلک تھے لیکن حصول علم کے بعد عامل بالحدیث ہو گئے۔ آپ کے خودنوشت سوانح اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوئے تھے جو نہایت سبق آموز ہیں۔ اس میں آپ کی تحصیل علم کی روداد ہے، جناب سید عبداللہ غزنویؒ اور جناب میاں نذیر حسین محدثؒ سے کسب فیض کا حال بیان ہوا ہے۔ ہم سبق طلباء کے نام درج ہوئے ہیں اور تبلیغی سرگرمیوں کا حال بیان ہوا ہے۔ اس خودنوشت کو مناسب قطع و برید کے بعد ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

جناب نصیر آبادی لکھتے ہیں:

میں نے سات برس کی عمر میں حافظ گلاب سے دو برس میں کلام مجید پڑھا۔ اس کے بعد کچھ اردو فارسی اپنے دادا صاحب کے چھوٹے بھائی میاں تاج دین صاحب سے پڑھی جو مدرسہ انگریزی میں نوکر تھے۔ مدرسہ ان کا کبھی موضع بھٹیاں اور کبھی موضع جلال پور میں رہتا تھا جو کہ ضلع گورداسپور میں ہے۔ اس کے بعد کار دنیاوی میں پڑ گیا۔ عرصہ بیس بائیس برس کی عمر گذری تھی کہ گھر سے بارادہ پڑھنے کے نکلا اور جموں پہنچا۔ وہاں ایک شخص الٰہی بخش ضلع گوجرانوالہ کا مجھ کو مولوی قلندر علی کے بیٹے حسن رضا کے پاس لے گیا جس نے اقرار کھانے اور پڑھانے کا کیا۔ رات کو گھر میں لایا جہاں کتا بھی تھا اور مجھ کو کتے سے نفرت تھی۔ رات تو میں نے گزاری اور صبح وہاں سے چل دیا کہ جس جگہ کے مولوی کتے پرورش کریں وہاں کے جاہلوں کا کیا ٹھیک ہے۔ بازار میں چلا جا رہا تھا وہی درزی الٰہی بخش گذشتہ روز والا مل گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا کہ میں قلندر علی کے پاس نہیں رہتا۔ اس نے پھر مجھے مولوی عبد الکریم کے سپرد کر دیا جنہوں نے مجھے ایک کتاب پکی روٹی، جو کہ جناب مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ کی تصنیف ہے، پڑھائی۔ اصل میں مولوی عبد الکریم ان ہی کے ہم عقائد تھے۔ اس کے بعد مجھ کو ترجمہ کلام مجید کا شروع کرایا۔ جبکہ سبق میرا رکوع یا ایھا الناس اعبدوا تک ایک ماہ میں پہنچا تو میں وہاں سے چل

دیا۔ سیالکوٹ آیا جہاں مولوی مزمل کے پاس ٹھہرا اور میں بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مذہب کے حنفی تھے۔جبکہ عشا کا وقت آیا وضو کے واسطے اٹھے۔میں نے اسی آئت کا ترجمہ پڑھا : اے لوگو عبادت

کرواپنے رب کی وہ ذات پاک کہ پیدا کیا اس نے تم کو اور اون لوگوں کو جوتم سے پہلے تھے۔ تا کہ تم بچو۔

ابھی ترجمہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب چلا کر بولے، کافر ہوگیا، کافر ہوگیا۔ اس کلمہ کو چھ سات دفعہ کہا۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ نے کہا مردود ترجمہ پڑھ کر کافر ہوتے ہو۔ اس وقت میں نے سمجھا کہ مجھ کو کہا ہے۔تب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر انسان ترجمہ قرآن پڑھ کر کافر ہوگا تو مسلمان ہونے کی کون سی کتاب ہے۔غرض کہ یہ کلمہ مجھ کو نہائت برا معلوم ہوا۔ صبح ہوتے ہی ایک گاؤں کوٹلی لوہاراں کو روانہ ہوا۔ وہاں ایک مولوی عبدالرحمٰن تھے۔نیک آدمی خوش خلق غریبوں کی خاطر کرنے والے۔انہوں نے مجھ کو بہت تسلی دی۔ میں اس جگہ ٹھہر گیا۔رات کو سویا دن کو اٹھا۔ دل میں یہی خیال آیا کہ تو اگر واپس جموں نہ جائے گا تو کافر ہوکر مرے گا۔صبح جموں روانہ ہوا۔دو دن میں پہونچا۔ پھر ترجمہ قرآن شریف کا شروع کیا۔ایک برس میں ترجمہ کلام مجید اور بلوغ المرام کو ختم کیا۔ پھر تین ماہ گھر جا کر رہا۔بعد ازاں امرتسر چل دیا جو وہاں سے تیس کوس تھا۔ مولوی غلام علی قصوری کے پیچھے جمعہ پڑھا۔ ہفتہ کی صبح کو ایک گاؤں خیر دی پانچ کوس کے فاصلے پر تھا وہاں پہونچا۔وہاں پر ایک عالم مولوی عبداللہ غزنوی کو پایا۔خدا پرست غیبت سے پرہیز سوائے قرآن وحدیث دوسری بات مسجد میں نہ ہونے دی۔ایک ماہ کے قریب بلکہ زیادہ ان کی خدمت میں رہا۔ان سے بیعت بھی کی۔ وہ لائق ہی اس کے تھے۔ پھر جموں کے مولوی عبدالکریم کی خدمت میں پہونچا۔کچھ دن وہاں رہا۔آخر کار ایک شخص لعل دین قوم کا بافندہ راجہ کے مرضی دانوں میں تھا۔اس کا نہائت عروج اس کی حکومت میں تھا۔اس نے مذہبی عناد کی وجہ سے ہم چار طالب علموں کو رات کے نو بجے نکلوا دیا۔رات کو دریائے توی کے کنارے سو رہے۔ایک کشتی کے اوپر صبح کو پار اترے۔دو دن میں وزیر آباد پہونچے۔ وہاں ایک حافظ حدیث مولوی عبدالمنان تھے۔ وہاں پر ٹھہرے۔ پندرہ روز کے بعد اس لعل دین نے ہمارے استاد مولوی عبدالکریم کو بھی نکلوا دیا۔تھوڑے دنوں کے بعد میرے ساتھ کے طالب علم واپس جموں چل دیئے .... اور میں وہاں وزیر آباد میں پڑھتا رہا۔اور استاد نہائت شفیق تھے۔تمام صحاح ستہ پڑھی۔ اور اس کے بعد ایک گاؤں چک موسی ضلع شاہپور میں ایک مولوی حافظ فتح دریا تھے۔ان سے جا کر دوبارہ قافیہ تک صرف ونحو پڑھی۔دو سال کے بعد وہ حج کو تشریف لے گئے۔میں بھی وہاں سے

آ کر وزیر آباد ٹھہرا۔ تفسیر جامع البیان پڑھی۔ اور کچھ شرح نخبہ پڑھی۔ بعد ایک سال کے ارادہ دہلی کا کیا۔ شوال ۱۲۹۹ھ میں دہلی آیا اور تیس طلبہ کے حلقہ میں بخاری و مسلم پڑھی۔ اس حلقہ میں مولوی غلام محمد ضلع گوجرانوالہ موضع کوٹ اسحاق کے تھے۔ ان سے شرح ملا بھی پڑھی۔ اس حلقہ میں مولوی محمد نو مسلم ضلع منٹگمری پنجاب کے نہائت ہی صالح تھے جو کہ چک موسی میں بھی میرے ساتھ تھے۔ مولوی فضل حق، مولوی اسماعیل سکنہ گوجرانوالہ، مولوی عبدالوہاب ملتانی، مولوی عبدالرحمٰن گوجرانوالہ، مولوی اسماعیل آرہ، مولوی محمد طاہر بنگالی سلہٹی، حافظ عبدالغفار بن قاضی عبدالرحمٰن بن حاجی علی جان سکنہ دہلی، مولوی عبدالصمد ضلع عظیم آباد، حافظ عبدالرحمٰن پوربی، مولوی عبدالمجید پوربی، مولوی عبدالرزاق پوربی، مولوی لطف الرحمان بنگالی، مولوی حمایت اللہ جالیسری و مولوی عبدالرحمٰن کشمیری وغیرھم تھے۔ جب بخاری و مسلم ختم ہو چکی تو جناب شیخ الکل حضرت میاں صاحب نے ارادہ حج کا کر لیا اور شوال ۱۳۰۰ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد جو کچھ قیامت دہلی میں اہل بدعت نے برپا کی وہ دفتر کراماً کاتبین میں محفوظ ہے۔ بعد جانے شیخ الکل کے میں نے اور مولوی محمد طاہر برادر مولوی ولی محمد مرحوم نے مولوی محمد اسحاق رام پوری سے منطق شروع کی۔ بعد مراجعت شیخ صاحب باقی صحاح کو ختم کیا اور ساتھ ہی قاضی مبارک تک منطق ہو گئی۔ بعد میں سید صاحب نے ایک رقعہ دے کر مجھ کو غازی پور روانہ کیا کہ ہدایہ، تلویح توضیح وہاں جا کر مولوی حافظ عبداللہ سے پڑھو۔ غازی پور میں ہدایہ، تلویح توضیح اور دیوان متنبّی، سبعہ معلقات، کچھ حماسہ اور مقامات حریری پڑھی۔ پھر وہاں سے واپس آ کر مولوی عبدالحی لکھنوی کی خدمت میں کچھ سماعت منطق و حدیث کی۔ پھر وہاں سے دہلی واپس آیا۔ مولوی اسحاق صاحب سے پھر کچھ کتابیں پڑھیں، اور صدرا بھی پڑھا۔ پھر میاں صاحب نے مجھ کو بمع مولوی یسین (شیخ احمد اللہ رحیم آبادی کے تیسرے بیٹے اور عبدالعزیز رحیم آبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہوں نے گھر پر قرآن حفظ کیا۔ عربی فارسی اپنے بڑے بھائیوں سے پڑھی۔ پھر میاں نذیر حسین محدث کے شاگرد ہوئے۔ مشہور ہے کہ اپنے بڑے بھائیوں سے زیادہ ذہین و فطین تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ میاں صاحب نے شیخ احمد اللہ سے فرمائش کی تھی کہ یہ لڑکا مجھے دے دیں۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی جگہ اسے جانشین بنائیں گے ...لیکن شیخ صاحب ان سے رحیم آباد والے اپنے مدرسہ میں کام لینا چاہتے تھے اس لئے میاں صاحب کی فرمائش پوری نہ کی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ یسین صاحب کو جلد ہی بلاوا آ گیا.. شیخ صاحب اپنے لائق فرزند کی وفات کے بعد کہا کرتے تھے کہ میں نے میاں صاحب کی بات کاٹ دی تھی جو اللہ تعالی کو پسند نہیں آئی اور مجھ سے اس فرزند کو لے لیا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی۔ حیات و خدمات۔ مؤلفہ

محمد فضل الرحمٰن سلفی) کے موضع سکندر آباد (جو کہ دہلی کی جانب شرقی میں ہے چوبیس کوس کے فاصلہ پر ہے) ایک حنفی کے مقابلہ میں بھیجا جو کہ دیو بند کا تھا۔ آخر اس نے مقابلہ نہ کیا (یہ مناظرہ ۱۸۸۵ء کے گرد و پیش کا معلوم ہوتا ہے۔ بہاء)۔ میں نے اس جگہ موضع سکندر آباد میں پونے تین برس قیام کیا۔ ایک جماعت کثیر اہل حدیث ہو گئی۔ خدا تعالیٰ کی مہربانی سے اب اس جگہ نصیر آباد چھاؤنی میں جو کہ متعلق اجمیر کے چودہ میل کے ملک راجپوتانہ میں واقع ہے مدرسہ حقانی میں تعلیم قرآن و حدیث کرتا ہوں۔ نام میرا عبدالحکیم لقب جمال دین کنیت ابوعبدالبر ہے۔ والد کا نام کرم الدین سکنہ ضلع گورداسپور موضع بھٹیاں۔ دادا کا نام عمر بخش ہے۔ پیدائش میری بموجب فرمودہ والد ماجد غدر میں قریب دو برس کی تھی جو کہ ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ بڑا ہمارا لاہور کا صوبہ دار تھا۔ بادشاہ نے اس کے نام ضلع گورداسپور میں ایک جاگیر کر دی۔ غدر میں ہمارے بڑوں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ تتر بتر ہو گئے۔ کچھ موضع بھٹیاں میں آ بسے۔ آج کل (یعنی ۱۹۱۸ء میں) میری عمر ۶۳ سال ہو گی۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۸ء)

دعوت و استقامت

☆ علاقہ مدراس

ماہنامہ نور الایمان دہلی کے ۱۹۷۲ء کے متعدد شماروں میں مدراس اور نواح مدراس میں توحید و سنت اور عمل بالحدیث کی تبلیغ و ترویج پر سید اسماعیلؒ رائے درگی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جسے اختصار کے ساتھ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے: لکھا ہے کہ

سید احمد شہیدؒ نے ۱۔ مولانا سید محمد علیؒ رامپوری کو مدراس اور صوبہ بنگال میں تبلیغ و اشاعت کے لئے مقرر فرمایا۔ ۲۔ مولانا سید اولاد حسن کو قنوج کانپور اور صوبہ یو پی کے علاقوں میں تبلیغ و اشاعت کے لئے مقرر فرمایا۔ ۳۔ مولانا عبداللہ لب بریدہ غازی پوری کو صوبہ بمبئی اور اس کے اطراف و اکناف میں مقرر فرمایا۔

سید محمد علی رامپوریؒ، شاہ محمد اسماعیلؒ کے مصاحب خاص تھے آپ نے عملی جہاد میں بھی حصہ لیا تھا اور جس وقت جماعت مجاہدین سوات میں مقیم تھی تو یہیں سید احمدؒ نے آپ کو جنوبی ہند اور صوبہ بنگال میں تبلیغ و اشاعت کے لئے روانہ کیا۔ آپ پہلی مرتبہ

محرم ۱۲۴۵ھ میں بذریعہ بحری جہاز مدراس پہنچے اور جناب عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی کے صاحبزادے جناب عبدالرب کے گھر ٹھہرے اور آٹھ ماہ یہاں مقیم رہے۔ اس مدت میں آپ نے لوگوں کو وعظ ونصیحت کے ذریعہ ہدایت فرمائی اور قرآن وحدیث سے شرک و بدعت کی مذمت بیان فرمائی۔ آپ کی وعظ ونصیحت کا شہرہ مساجد سے گذر کر نواب غوث خان کرناٹک کے محلات میں پہنچا۔ سیندھی اور شراب پینے والے گانجا اور چرس کا دم مارنے والے زانی فاسق شہدے لفنگے سب کے سب اپنے افعال بد سے تائب ہوکر پکے نمازی بن گئے۔ محلات میں عورتیں تہجد گذار بن گئیں سیندھی شراب کی فروخت بند ہوگئی حتی کہ سیندھی بیچنے والوں نے حکومت وقت سے فریاد کی کہ اس شخص کو یہاں سے خارج کر دیا جائے کیونکہ اس کی وجہ سے ہمارا کاروبار بند ہوگیا ہے ہم حکومت کو ٹیکس دینے کے قابل نہیں رہے۔ محلات میں محرم کے تعزیئے، علم، و بدعات بند ہوگئے۔ یہ بات بہت ہی تعجب خیز ہے کہ شاہ اسماعیل کی تقویت الایمان، سید محمد علی کے پہلی بار مدراس آنے سے بہت پہلے جنوبی ہند مدراس وغیرہ پہنچ چکی تھی جس وقت سید محمد علی مدراس آئے تو اس وقت یہاں اس کتاب کا کافی چرچہ تھا مخالفت وموافقت میں۔ موافقت میں کم مخالفت میں زیادہ۔ چنانچہ جب سید محمد علی کی پہلی تقریر جامع مسجد والا جاہی میں ہورہی تھی اس وقت آپ کے سامنے تقویت الایمان کے نسخے پھاڑے اور جلائے گئے۔ پھٹے ہوئے اوراق مسجد کے حوض میں ڈالے گئے اور کچھ پاؤں کے نیچے روندے گئے۔ خود سید محمد علیؒ کی تذلیل و توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ فقیران بے ہدایت و پیران با ضلالت اور علماء سوء نے اپنا بازار سرد ہوتا دیکھ کر آپ پر طرح طرح کے بہتان لگائے اور بیرون مدراس خطوط لکھے کہ مدراس میں ایک یہودی یا نصرانی آیا ہے جو اپنے آپ کو اہل بیت سے بتاتا ہے اور لوگوں کو اپنا مرید بناتا ہے۔ خبردار کوئی اس کے پاس نہ آئے۔ ایسے وقت میں اللہ نے اہل مدراس میں سے ایک باہمت با اثر اہل علم فاضل رئیس کو اس تحریک کی پشت پناہی کے لئے تیار کیا۔ خان عالم خانؒ بڑے رئیس اور جاگیردار تھے وہ سید محمد علیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ وہ پہلے بڑے شوقین مزاج اور شراب نوش تھے۔ بیعت کے بعد شراب سے متنفر ہوگئے آلات مزار جلا ڈالے۔ آپ کی بیٹی نواب بہو بیگم، نواب غوث خان کرناٹک کے بیٹے

نواب عظیم خان نائب مختار حکومت کرناٹک کے نکاح میں تھیں اور ہو بہو باپ کے رنگ میں رنگی تھیں ۔نواب عظیم خان بہادر نے انہیں اپنے ڈھب پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ عالم کو دھمکی دی کہ تمہاری جاگیر ضبط اور تمہاری بیٹی کو طلاق دے دونگا۔ عالم خان نے کہا تم طلاق دے دو میں تمہارے اصطبل کے موحد سائیس سے اس کی شادی کر دونگا۔ علماءسوء نے عالم خان کو گلی گلی ذلیل کیا مصنوعی ہندوانہ جنازہ نکالا ۔لیکن عالم خان صابرو مستحکم رہے ۔تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند کیلئے نواب عالم خان کی تالیف تنبیہ الضالین قابل قدر کتاب ہے۔

نواب عالم سے متاثر ہوکر دو بزرگ اس تحریک سے وابستہ ہوئے جن سے اس تحریک کو بہت تقویت پہنچی ۔ایک سید قادر بادشاہ اور دوسرے محمد عثمان آرکاٹی۔

سید قادر بادشاہ سنٹ تھامس ماؤنٹ مدراس میں رہتے تھے اور خان عالم کے دوش بدوش تبلیغ واشاعت میں پیش پیش رہتے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغی اسفار میں گزرا۔کبھی پا پیادہ کبھی ریل گاری میں کبھی بیل گاڑی میں اور تین تین چار چار ماہ سفر میں گزارتے ۔تبلیغ کا کوئی پیسہ نہ لیتے ۔اہلیہ محترمہ حاذق حکیم تھیں ۔طب سے گھر کا خرچہ چلتا رہتا۔تقریر کا یہ اثر تھا کبھی ایک تقریر سے پورا گاؤں اہل حدیث ہو جاتا۔ اسفار کے لئے مختلف لائنیں مقرر فرمالی تھیں اور باری باری ہر لائن پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فیض پہنچاتے۔

۱۔ مدراس سے ولی پورم، پانڈی چری ومضافات ترچنا پلی، نیل گری، اور کوچین تک۔

۲۔ مدراس سے بجواڑہ، نلور، راجمندری، شامل کوٹ۔نڑوول، اسحاق پٹی وجے نگر، شیکا کول روڈ، برہمپور، پرلاکھمری، اڑیسہ تک

۳۔مدراس سیکڑ پر، کرنول، بلہاری، ادھونی، یمگنور، رائیدرگ، ہری ہر، چتلدرگ، رانی بنور، سرسی اور کولھاپور،

۴۔مدراس سے وانمباڑی، پرنامبٹ، پولور، ترپاتور، ویلور، ترنامل، چنگم، کھڑکپور، سنگارپیٹ وغیرہ، کولار ومضافات بنگلور، اور سرا۔سرا میں مولوی محمد قاسم نے آپ کی تحریک پر لبیک کہی اور ان کی کوشش سے وہاں جماعت قائم ہوئی۔

۵۔مدراس سے ورنگل، حیدرآباد، چیتاپور، گلبرگہ، شولاپور، پونا۔پونا میں آپ کے ایک

معتقد حاجی لدا سیٹھ نے مسجد تعمیر کرائی۔

یہ وہ مقامات ہیں جہاں سید قادر بادشاہ کی مساعی جمیلہ سے اہل حدیث کی بنیاد پڑی۔
سید قادر بادشاہ صاحب لسان وقلم تھے۔ نیز شاعر مقرر اور بااثر مناظر تھے۔

(سید اسماعیل کہتے کہ) میرے والد سید سرمست حسین بیس سال کی عمر میں اردو معلمین ٹریننگ کے سلسلہ میں مدراس گئے تھے اور دھوبی پیٹ مدراس میں رہتے تھے۔ وہ بیان فرماتے تھے کہ جب کبھی سید قادر بادشاہ ترفل کھڑی بازار سے گزرتے تو لوگ ان کے چہرے و داڑھی پر تھوکتے تھے۔ مولانا مسکرا کر رومال سے صاف کر لیتے۔ والد فرماتے کہ مجھے بڑا تعجب ہوتا تھا کہ ایسے نورانی چہرے پر لوگ کیوں تھوکتے ہیں۔ دریافت کرنے پر لوگ کہتے کہ یہ دیوانہ و پاگل کتا ہے اس سے بات نہ کرو۔ آخر خدا نے تلاش حق کی توفیق دی تو ان کا پتہ دریافت کر کے ان کے پاس گئے اور مسجد میں ملاقات کی۔ انہوں نے والد کا نام دریافت کیا۔ والد نے نام بتایا تو قادر بادشاہ نے فرمایا، آج سے تمہارا نام سید عبداللہ ہے۔ اور ایک بوسیدہ تقویت الایمان عنایت فرمائی۔ اس کتاب کی برکت سے میرے خاندان میں توحید خالص کی روشنی آئی اور رائے درگ وغیرہ میں خوب پھیلی۔ میرے والد دو سال تک مدراس میں مقیم رہے اس دوران قادر بادشاہ سے ملتے اور استفادہ کرتے رہے۔ ان کا رنگ گندمی قد درمیانہ تھا۔ حالت سجدہ میں روح قبض ہوئی۔ تصانیف میں استوی علی العرش، عامل بالحدیث، ترک تقلید، تردید بدعات ورسومات، شامل ہیں۔ ذاتی کتب خانہ بھی تھا جو قاضی حسین احمد کانپوری نے مدرسہ سعیدیہ پل بنگش میں منتقل کروا دیا تھا۔

(سید قادر بادشاہ کے شوق سنت کا اندازہ ان کے ان اشعار سے ہوسکتا ہے:

دل سے سنت کا یوں ہو دیوانہ — شمع پہ جوں فدا ہو پروانہ
روکنے پر نہ خلق کے ہو دھیان — دشمن جان ہو گرچہ سارا جہان
آسمان بھی اگر گرے ہو شق — زلزلہ میں بھی ہو زمین کا طبق
یک سرمو ہٹے نہ اس سے قدم — پشت ہمت کو اپنے دیوے نہ خم
حکم سنت بلند کرنے میں — راہ بدعت بند کرنے میں
جاں فدائے رسول ہو جانا — خاکپائے رسول ہو جانا

عزت و جان و مال سب دے کر مول لے رہبری پیغمبر

چاہے جو ہے طالب مولا درس ہو حدیث و قرآن کا

جو ہے ثابت کتاب وسنت سے دین و ایمان اسی کو ہی سمجھے

برخلاف اس کے جو ہے قول بشر پھینک دینے کے ہے وہ لائق تر

اشرف انبیاء حبیب خدا پیشوا وہ ہیں جب تو کیا پرواہ

منقول ازہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۵۔دسمبر۱۹۲۲ء ص ۴ ۔بہاء)

دوسرے بزرگ جونواب عالم خان کے فیض سے متاثر ہوکر اس تحریک سے وابستہ ہوئے وہ جناب محمد عثمان آرکاٹی ہیں۔آپ خاندان صادقپور پٹنہ کے فیض یافتہ تھے۔صاحب لسان وقلم تھے اورفن مناظرہ میں ید طولی رکھتے تھے۔نواب عالم خان کے دوش بدوش تبلیغ واشاعت کرتے۔آپ کا قیام مسجد باشا کمپنی متیال پیٹ مدراس میں رہتا تھا۔نواب عالم خان نے آپ کو داماد بنالیا تھا۔آپ کی ذات سے تحریک کو بہت فروغ ملا، میل وشارم وغیرہ میں جماعت اہلحدیث کا قیام آپ کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ساری زندگی تبلیغ میں گذری۔آرکاٹ میں فوت ہوئے۔

ان دو بزرگوں کے علاوہ درج ذیل علماء نے بھی بہت کام کیا۔۱۔ جناب عبدالکریم قریشی بنگلوری، جوخاندان صادقپور کے فیض یافتہ تھے۔تحریر وتقریر میں ماہر تھے، بنگلور کے علاوہ کوچین و مالا بار میں بھی رہے۔ بنگلور کی جامع مسجد اہل حدیث چار مینار مسجد آپ کی مساعی کی یادگار ہے۔آپ کے تلامذہ میں جناب محمد عثمان قریشی نے جریدہ منشور محمدی کتاب وسنت کی اشاعت کیلئے جاری کیا تھااور آپ کے مطبع کا نام مطبع محمدی تھا۔اس مطبع سے کثیر تعداد میں تقویت الایمان طبع کرکے مفت تقسیم کی۔

جناب عبدالقادر پیارم پیٹی۔آپ بھی صاحب لسان وقلم، شاعرومناظر تھے۔آپ کا فیض شمالی آرکاٹ میں زیادہ جاری رہا۔آپ بھی صادق پور پٹنہ کے فیض یافتہ تھے۔

جناب فقیراللہ پنجابی۔آپ ایک ایسے پرفتن دور میں بنگلور بلائے گئے جب کہ مولوی سلطان احمد بریلوی راولپنڈی کے حملوں سے جماعت اہل حدیث پریشان تھی۔ اس کے حملوں سے کچھ لوگوں نے اپنے عقاید کو بدل لیا تھا۔ایسے وقت میں مخیرّ قوم و جماعت سوداگر سید محمد عباس نے شیخ الکل کو خط لکھا کہ آپ اپنا کوئی شاگرد عالم روانہ

کریں جو مولوی سلطان احمد کا جواب دے سکے۔ شیخ الکل نے جناب فقیر اللہ کو منتخب کیا اور آپ بنگلور چلے آئے۔ وہاں بنگلور کی لال مسجد میں مناظرہ ہوا جس میں بریلوی مناظر کو شکست ہوئی اور وہ شرمندہ ہو کر دوسرے ہی دن ٹرین سے مدراس پہنچ کر رنگون چلے گئے۔ بریلوی صاحب کے پروپیگنڈے کی وجہ سے بعض اہل حدیثوں نے بھی اپنے عقیدے بدل لئے تھے جن کی اور دیگر جماعت کی اصلاح کیلئے جناب محمد سعید بنارسی اور حافظ محمد ابراہیم آروی کو بنگلور بلایا گیا۔ انہوں نے یہاں بنگلور اور مضافات میں دورے کئے اور ان کی تقاریر سے بہت فائدہ ہوا۔ عبدالقادر پیارم پیٹی کی وصیت کے مطابق فقیر اللہ کو پیارم پیٹ بلا لیا گیا۔ آپ جناب عبدالجبار غزنوی سے بیعت تھے تبلیغ و اشاعت میں لومت لائم سے کبھی نہیں درتے تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں سخت تھے۔ آپ نے ایک رسالہ لکھا اور تقریظ کیلئے جناب عبدالجبار کو بھیجا انہوں نے رسالے کو پسند فرمایا اور ساتھ ہی لکھا لو کا ن لسا نک لینا یا اخی۔ ساری عمر پیارم پیٹ میں رہے۔ بیمار ہوئے تو علاج کیلئے بنگلور گئے جہاں وفات ہوئی۔

سید محمد علی رامپوری کی کوشش سے ایلور میں بھی جماعت قائم ہوئی اور آپ کے دو خصوصی شاگردوں سے عرصہ تک یہاں جماعت قائم رہی۔ ان میں ایک مولانا اسماعیل شہید ثانی، اور دوسرے مولانا سید احمد ہیں۔ سید محمد علی قیام مدراس کے زمانہ میں ویلور بھی تشریف لائے تھے اور ویلور میں آپ کا قیام محلّہ رحمت پالا کی مسجد اہل حدیث میں ہوتا تھا۔ مرور ایام سے مسجد بوسیدہ ہو کر منہدم ہونے کے قریب تھی وہاں کی جماعت غریب تھی، اس لئے جماعت کے لوگوں نے مجھے ویلور بھیجا۔ میں مسجد کو دیکھا کہ وہ سخت بوسیدہ ہے۔ میری نظروں کے سامنے وہ زمانہ آ گیا جب اس مسجد میں جنوبی ہند میں جماعت اہلحدیث کے بانی سید محمد علی رام پوری اور ان کے شاگرد مولانا محمد اسماعیل ثانی اور مولانا سید احمد ویلوری کا قیام رہتا تھا۔ بعد میں وہ مسجد اللہ کی مدد سے تعمیر کر دی گئی۔

جنوبی ہند میں جماعت اہلحدیث اور اس کی تحریک کو جن لوگوں سے فیض پہنچا ان میں جناب احمد علی کوئمبوری بھی شامل ہیں۔ آپ کی تبلیغ سے کوئمبور اور حدود مالابار کے علاقوں میں لوگوں کو فیض پہنچا۔ آپ جناب فقیر اللہ پنجابی کے ہم زلف تھے اور میاں صاحب دہلوی کے شاگرد بھی۔ کوئمبور کی مسجد اہلحدیث انہی کی مساعی جمیلہ کی یادگار ہے

حافظ قاری عبدالعظیم ناگ پوری ۔ عالم فاضل حافظ قرآن اور فن تجوید کے ماہر تھے ۔ اورلحن داؤدی رکھتے تھے ۔ آپ بھی تبلیغی دورے فرماتے اور ذریعہ معاش کے طور پر عطر، ہاتھی دانت، آئینہ وغیرہ کی تجارت کرتے ۔ آپ کا دورہ ضلع کرشنا اور ضلع گوداوری اور ایلور کے اطراف واکناف میں ہوتا ۔ کرنول میں آپ کا قیام رہا اور اس کے گردونواح کا دورہ بھی کرتے ۔ کرنول کا مدرسہ شمسیہ انہی کی کوششوں کی یادگار ہے ۔ شاگردوں میں قاضی ابراہیم، قاضی عبدالکریم واعظ، حافظ سید عبداللہ مدنی شولا پوری شامل ہیں ۔ ویلور میں انتقال ہوا ۔

جناب عبدالوہاب شیرازی ثم البہاری ۔ آپ میاں صاحب دہلوی کے شاگرد تھے ۔ ان کی ذات سے خلق کثیر نے فیض پایا ۔ خصوصاً جنوبی ہند میں آپ کی تبلیغ سے اہل حدیث کو ترقی ہوئی ۔ صاحب لسان وقلم عالم تھے ۔ تبلیغی دوروں کے سلسلہ میں چک منگلور، رائے درگ، بلہاری، گنتکل، ادھونی، ہریال وغیرہ میں مدت تک قیام رہا ۔ بڑے ساہوکار منّ اللہ حسینی مالک روشن کمپنی مدراس بھی آپ کے ہم مشرب ہو گئے تھے ۔ زندگی کا آخری حصہ ہریال میں گزارا اور وہیں فوت ہوئے ۔ شاگردوں میں جناب نورالدین رائیدرگی، جناب معروف چتلدرگی، سید سرمست حسین شامل ہیں

جناب عبداللہ لب بریدہ ۔ آپ کو سید احمد بریلوی نے صوبہ بمبئی میں تبلیغ و اشاعت کے لئے مقرر فرمایا تھا ۔ آپ تبلیغی دورہ کرتے ہوئے سرسی پہنچے ۔ آپ کی تبلیغ سے سوداگر حسن بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ کے ہاتھوں مسجد کی بنیاد ڈلوائی ۔ سوداگر حسن تجارت کے سلسلہ میں بلہاری گئے جہاں جناب رحمت اللہ سے ملاقات ہوئی جو میاں صاحب دہلوی کے شاگرد اور بڑے متقی بزرگ تھے اور تبلیغ واشاعت کے لئے جنوبی ہند کا دورہ کرتے اور ذریعہ معاش کیلئے تجارت بھی کرتے ۔ سوداگر حسن، سرسی کی جماعت اہل حدیث کی سرپرستی کے لئے انہیں سرسی لے گئے پھر وہیں کے ہو رہے ۔ سرسی اور اس کے اطراف تلگھاٹ، کمٹا، انکولہ وغیرہ میں تبلیغ کرتے ۔ آج ان مقامات میں جماعت اہل حدیث کا وجود آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔

جناب رضوان اللہ (برادر مولانا رحمت اللہ) بھی میاں صاحب دہلوی کے شاگرد ہیں ۔ آپ بھی جنوبی ہند میں دورہ کرتے آخر بمبئی کو مستقر بنالیا ۔ سید قادر بادشاہ نے آپ کو

اپنا داماد بنالیا تھا۔

جناب عبدالوہاب جعفر آباد وانمباڑی۔ صاحب لسان وقلم مناظر وشاعر تھے۔ ان کا تبلیغی دورہ کرنول، ضلع بلہاری، کے مقامات سرسی اور اس کے اطراف میں ہوتا۔ زیادہ قیام کرنول میں رہا۔انتقال بھی یہیں ہوا۔ آپ کی ذات سے اہل حدیث کی اشاعت اور ترقی میں بہت مدد ملی۔

اوائل میں مدراس اور صوبہ مدراس کے مختلف مقامات میں جو جماعتیں قائم ہوئیں ان کے قائم کرنے میں سید قادر بادشاہ مدراسی کی مساعی جمیلہ کا بڑا دخل ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ان جماعتوں کے بانی اول قادر بادشاہ ہی ہیں وہی مبلغ اعظم ہیں۔ البتہ اس کے بعد ساٹھ سال کے عرصہ میں جو جماعتیں بنیں ان میں مختلف علماء کی مساعی شامل ہیں جن میں جنوب کے علماء بھی ہیں اور شمال کے بھی۔ ان میں مقام کوڈگلی کی جماعت اہل حدیث میرے شاگرد مولوی ماسٹر محمد شریف کے ذریعہ قائم ہوئی۔ دوسرے شاگرد سٹر عبدالرحیم سے جماعت کنچور قائم ہوئی میرے برادر سید عبدالعزیز کے ذریعہ آدیوال میں جماعت قائم ہوئی۔ ایک خلق کثیر نے مجھ سے بھی نفع اٹھایا۔ دیگر علماء میں عبدالحی حیدرآبادی، عبدالسلام حیدرآبادی داماد سید قادر بادشاہ، عباس حیدرآبادی، جناب وحیدالزمان وقارنواز جنگ مترجم صحاح ستہ وصاحب تصانیف کثیرہ، آپ کے برادر جناب بدیع الزمان کی خدمات بہت ہیں۔ پھر جناب عبدالحمید محدث اٹاوی، جناب محمد یسین رائے چوری، جناب عبداللہ ثم ہری ہری، محمد اکبر رائے درگی، حکیم صاحب اپن بٹگیرہ ضلع ھاڑ واڑ فیض یافتہ نواب صدیق حسن۔ سید احمد شاہ میسوری، سید محی الدین شاہ میسوری، عبدالرحمٰن قریشی میسوری، عبدالعزیز پاندو چری، حافظ عبدالغفار پڈنوی، شبیر احمد پڈنوی، شامل ہیں۔

ان کے علاوہ حافظ عبدالواحد رحمانی سابق ناظم دارالسلام عمرآباد، جناب عبدالسبحان اعظمی دارالسلام عمرآباد، جناب ظہیرالدین اثری رحمانی دارالسلام عمرآباد، سید عباس ناظم جامعہ محمدیہ رائے درگ۔ عبدالغنی سیفی محمدیہ عربک کالج رائے درگ، جناب ابوالکلام احمد رائے درگ، جناب عبدالعزیز رحمانی مدیر، عزیز، کرنول، جناب ابوتمیم محمدی، سید سراج الدین اوٹکوری، عبدالسلام عامل حیدرآبادی، عبدالصمد صمدانی مشیرآباد،

جناب محمد صدیق خان پروفیسر عربی اسحاق پٹن کالج ۔ جناب عبدالعزیز جامی پروفیسر آرٹس کالج مدراس ۔ جناب عنایت اللہ عمری مسجد اہل حدیث سینٹ تھامس ماؤنٹ مدراس ۔ حافظ عبداللہ کرنولی ۔ حافظ عبدالشکور رحمانی سرسی ۔ جناب عبدالباری بنگلور۔عبدالرحمٰن جامعی ،عبدالحفیظ چار مینار مدراس ۔جناب عبدالباری بیت العلوم مدراس۔عبدالغفار ندوی کرنولی ،عبدالرحمٰن ندوی حیدرآباد، ابوحامد عبدالرحیم قریشی بنگلور عبداللہ مسجد دھوبی پیٹ مدراس ۔نذیر احمد، حافظ اسماعیل شولاپوری ،محمد یوسف زبیدی میسوری،محمد یحیٰ ایوری ، وغیرہ کی خدمات بہت ہیں ۔

جنوبی ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کی اشاعت وتبلیغ کے سلسلہ میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کاذکر نا بھی ضروری ہے ۔ جناب حاجی عبداللہ سیٹھ اور جماعت اہل حدیث کلکتہ کی دعوت پر آل انڈیا اہل حدیث کا اجلاس کلکتہ میں ہورہا تھا اس موقعہ پر سیٹھ صاحب نے کاکا محمد عمر روشن کمپنی مدراس اور محترم نواب سی عبدالحکیم کو اس اجلاس میں شرکت کی دعوی دی ۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ مع دیگر حضرات کے اجلاس میں شریک ہوئے اور اتنے خوش ہوئے کہ مدراس میں اس کانفرنس کے اجلاس کی دعوت دے دی چنانچہ ۱۹۱۹ء میں کانفرنس کا اجلاس مدراس کے پیپل پارک میں تین دن تک ہوا جس میں شیخ الکل میاں صاحب کے سلسلۃ الذہب کے کئی علماء شریک ہوئے ۔ ہند وجنوبی ہند کے کئی مقامات سے کثیر تعداد میں لوگ اجلاس میں شریک ہوکر مستفیض ہوئے ۔اس اجلاس کی وجہ سے جنوبی ہند کی جماعت اہلحدیث میں نئی روح پیدا ہوگئی

جناب محمد علی قصوری کے بھائی محی الدین قصوری نے ۱۹۲۱ء میں جمیعت اہلحدیث بمبئی کے تعاون ومولانا شرف الدین اوران کے مصاحبوں کے تعاون سے اور جناب ابوالکلام آزاد کے تعاون سے جمیعت دعوت کا دفتر کھولا ۔ جید علماء کو تبلیغ واشاعت کے لئے ماہانہ تنخواہ پر رکھا۔ پونا سے بلگام،کولہاپور شولاپور اور اطراف واکناف پونا تک تبلیغ کا اثر ہوا۔کئی کتابیں مفت تقسیم کی گئیں۔ یہ ادارہ ۱۹۲۵ء تک رہا۔

محمد علی قصوری تاجر چرم مدراس ،عبدالقادر قصوری کے بیٹے اور مجاہد اعظم جناب فضل حق قصوری کے بھتیجے تھے۔آپ کو معلوم ہوگا کہ مالا بار میں مسلمانوں کو موپلا کہا جاتا ہے ۔ جب آزادی ہند کی تحریک مالا بار پہنچی تو موپلے حکومت کے مقابلہ میں ڈٹ گئے

جسے تاریخ میں موپلا وار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔حکومت نے موپلوں کو کچل دیا۔ بہت لوگ قتل ہوئے بہت سے گرفتار ہوئے۔اس جنگ میں موپلوں میں ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ان کا کوئی سہارا نہ رہا اور انہیں حوادث روزگار کے تھپیڑوں میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے کیلئے چھوڑ دیا گیا۔محمد علی قصوری نے جب موپلوں کی اولاد کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ اٹھے اور جمیعت دعوت وتبلیغ کی بنیاد رکھی اور پھر ان یتیموں کیلئے یتیم خانہ کھولا،ان کے کھانے پینے رہنےسہنے اور تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔جمیعت اور یتیم خانہ کی نگرانی کیلئے مالا بار کالی کٹ تشریف لے جاتے جمیعت کے ماتحت جلسے ہوتے آپ تقریر کرتے جن کا مقصد توحید وسنت کی تبلیغ واشاعت ہوتا۔ امام ابن تیمیہ،امام ابن قیم امام ابن جوزی کی کتابیں علماء میں مفت تقسیم فرمائیں۔اسی سلسلۃ الذہب کے زندہ دل سچے اخلاف ہیں جو ندوۃ المجاہدین کی شکل میں تبلیغ واشاعت کا کام کررہے ہیں۔آپ کا قائم کیا ہوا یتیم خانہ قائم ہے اور خاندان سعادت کا یہ وہ احسان عظیم ہے جس کی منت گزاری سے جنوبی ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتی۔

جنوبی ہندوستان میں عمل بالحدیث کی ترویج واشاعت میں خاندان غزنویہ کا بھی بڑا دخل ہے۔کاکا محمد عمر عنفوان شباب میں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں امرتسر جاتے اور وہاں جناب عبدالجبار غزنوی کے درس قرآن میں شریک ہوتے تھے جس کے نتیجہ میں وہ موحد سلفی بن گئے اور آپ کو دینی مدرسہ قائم کرنے کا خیال ہوا اور ۱۹۲۴ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد کی بنیاد رکھی ہوا۔

شاہ اسماعیل کی تقویت الایمان ۱۲۳۷ھ۔۱۸۲۲ء میں عالم وجود میں آئی اور چار سال بعد ۱۸۲۶ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی اور شائع ہوتے ہی شمال وجنوب مشرق ومغرب ہندوستان میں پھیل گئی۔سید محمد علی جب پہلی مرتبہ محرم ۱۲۴۵ھ۔۱۸۳۱ء میں مدراس پہنچے تو اس سے پہلے تقویۃ الایمان یہاں پہنچ چکی تھی اور لوگوں میں مخالفانہ موافقانہ بہت چرچا تھا۔جب ہواء پرست علماء مدراس نے سید محمد علی کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھایا تو تقویت الایمان کی عبارت میں کتر بیونت کر کے اس کے خلاف طرح طرح کے فتوے نکالے اور اس کتاب کو پڑھنے والے پرلعن طعن کی بوچھاڑ کی اور یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔اس پرفتن دور میں اللہ نے انہی میں سے دو ہستیوں کو تحریک اہل

حدیث کی حمایت کیلئے کھڑا کیا۔ان میں ایک سید محی الدین حنفی قادری جامعہ لطیفیہ ویلور ہیں اور دوسرے آپ کے شاگرد شاہ عبدالحی میر واعظ بنگلوری مؤلف خطبات حرمین ہیں ان دونوں حضرات نے اپنے فتووں میں لکھا کہ تقویت الایمان میں قرآن وحدیث کی باتیں ہیں۔ اس کتاب اور اس کے پڑھنے والے پر لعن طعن نہ کیا جائے ۔ ان فتووں سے مخالفت ذرا کم ہوئی۔

جناب عباس وانمباڑی نے جماعت اہل حدیث کی تائید میں آواز بلند کی۔ سلطان احمد حنفی اپنی تقریروں میں اہل حدیث پر سخت حملے کرتے جن کی وجہ سے مسلمانوں میں باہم تعصب اور فرقہ بہت ہو چکی تھی حتی کہ اسی لئے حکومت حیدر آباد نے شہر بدر کر دیا تھا۔ بنگلور اور اس کے نواح میں سلطان احمد نے فساد مچایا تو جناب عباس وانمباڑی نے جماعت اہل حدیث اور اس کی تحریک کی تائید میں متعدد رسائل لکھے جن میں آپ نے کھل کر اہل حدیث کی حمایت کی اور بتایا کہ اس جماعت کے تمام مسائل کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔ اپنی جیب خاص سے صرف کر کے ان رسائل کو مطبع سعید یہ بنارس میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا جس کی وجہ سے جماعت کو تقویت ملی۔

ایک بزرگ سید سلطان محی الدین محمدی تھے۔ عالم فاضل تھے اور کپڑے کی تجارت کرتے ۔ کتاب وسنت کی تبلیغ کا شوق ہوا تو دکان بند کر دی، اور کپڑوں کی گھڑی لے کر دیہاتوں میں گھومنا شروع کر دیا۔ پہلے غرباء میں مفت کپڑے تقسیم کرتے پھر وعظ کرتے ۔ آپ کے مواعظ سے تحریک اہل حدیث کو بہت مدد ملی۔

(ماہنامہ نورالایمان دہلی۔ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۲ء)

سید اسماعیل رائیدرگی کی منقولا بالاتحریر سے تقریباً ۵۰ سال قبل قاضی محمد یعقوبؒ ناگپوری نے جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں عمل بالحدیث کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا:

یہاں (ناگ پور میں) ایک مسجد قدیم موسوم بہ مسجد الف الدین متصل تلسی باغ میں چند افراد قدیم سے ایسے تھے جو شرک و بدعت سے متنفر تھے ان کو مسائل دریافت کرنا ہوتے تو شاہ ولی اللہ سے بذریعہ خط وکتابت دریافت کیا کرتے ۔ ان مٹھی بھر لوگوں نے اپنے ہم خیال بھی چند لوگ بنالئے تھے۔ پھر سید احمد بریلوی کا وقت آیا۔ کتاب تقویۃ الایمان ڈھائی تین روپئہ کو دستیاب ہوتی تھی، لوگوں نے اس کا مطالعہ

شروع کیا، شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کو پڑھنا شروع کیا۔ جناب خرم علی کی نصیحۃ المسلمین شوق سے خریدتے۔ مطبوعہ نہ ملتی تو ہاتھ سے نقل کرلیتے، خود پڑھاتے بچوں کو پڑھاتے۔ پھر جناب ولایت علی اس صوبے کے اضلاع جبل پور نرسنگپور، چھندواڑہ۔ سیونی (چھپارہ) ہوتے ہوئے ناگ پور میں رونق افروز ہوئے یہاں غالبًا ایک ماہ رہے اور جماعت موحدین میں نئی روح پھونکی۔ پھر حیدرآباد دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ قلمرو نظام میں ایک قصبے کے قاضی عبدالرزاق جناب ولایت علی سے بیعت ہوئے تو مرشد نے مرید کو ناگ پور جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ وہاں پر خاصی جماعت ہے دیکھو کہ ان کے قدم ڈگمگا نہ جائیں اور راہ سنت پر مستقیم رہیں۔ نیز راستے میں بھی ہر جگہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضرور کرنا۔ چنانچہ قاضی صاحب تمام املاک قضایت اپنے رشتہ داروں کے سپرد کرکے عازم ناگ پور ہوئے۔ راستہ میں صوبہ بہار کے مختلف مقامات پر پندونصائح کرتے ہوئے ضلع ناگپور میں قدم رکھا۔ پہلا مقام قصبہ مواڑ تھا جہاں قاضی صاحب ایک ماہ رہے اور ان کا فیض جاری وساری ہوا۔ جماعت کی انجمن ومسجد موجود ہے۔ پھر وہاں سے قصبہ نرکھیڑ آئے جہاں ان کے پندو نصائح کے اثرات باقی ہیں جن میں میرے والد قاضی نصیرالدین کے بڑے ماموں امان اللہ، وچھوٹے نانا شیخ عباداللہ پر بہت دیرپا اثر ہوا۔ پھر قاضی صاحب معہ چند معتقدین ناگپور مسجد میں منشی غلام علی جھجری مدارالمہام بڑے راجہ صاحب کے مقیم ہوئے۔ اور اہلحدیث کا اژدہام ہونے لگا جنہیں قاضی صاحب نے خوب مستفیض فرمایا۔ پھر کچھ عرصہ بعد حیدرآباد دکن کی طرف مراجعت فرمائی۔

قاضی عبدالرزاق کے بعد مولوی عبدالعزیز رام پوری ناگپور میں آئے اور شرک وبدعت کے خلاف مؤثر جدوجہد کی۔ اس زمانہ میں شہر ناگ پور کے کوتوال غلام رسول حنفی المذہب نے چند مشرکین ومبتدعین کے اشتعال سے بڑے راجہ سے مولانا رام پوری کی شکایت کی راجہ ہندو مرہٹہ تھے۔ ہر ایک مذہب سے انہیں دلچسپی تھی انہوں نے رام پوری کو دربار میں بلایا۔ کوتوال کو بھی طلب کرلیا۔ مدارالمہام کی موجودگی میں راجہ نے کوتوال کی درخواست کا تصفیہ چاہا۔ کوتوال نے کہا کہ مولوی صاحب اولیاء کی کرامت بعد مردن کے منکر ہیں، اور رسومات رواجی کو مکروہ کہتے ہیں، آمین رفع یدین

جو افعال پہلے زمانہ نبوت میں تھے بعد میں منسوخ ہو گئے، ان کے عمل کرنے میں مولانا بہت زور لگاتے ہیں جس سے اندیشہ ہے کہ لوگ اسلام سے مرتد ہو جاویں۔ پھر راجہ نے مولانا سے اس کا جواب پوچھا۔ مولانا نے آیات قرآنی واحادیث نبوی کو توال کی تردید میں پیش کیں اور کوتوال لاجواب ہو گئے۔ اس پر راجہ نے مولوی عبدالعزیز سے کہا جب تک آپ چاہیں ناگ پور میں رہیں بلا عذر ہمارے شہر میں اسلامی وعظ کریں۔ اور روز بلا ناغہ مولانا کیلئے بڑے قاب میں راجہ کے ہاں سے کھانا آتا جس سے مولانا اور دیگر حضار شکم سیر ہوتے۔ مولانا چھ ماہ ناگ پور میں اور چھ ماہ رامپور میں رہا کرتے تھے ۔ اور خوب کام کیا ان کا انتقال قصبہ کانہی واڑہ ضلع سیونی میں ہوا۔

انہی ایام میں مولوی احمد اللہ خان غازی بھی مولانا شہید کے پاس سے اشاعت سنت کیلئے دورہ کرتے ہوئے ناگ پور آئے ان کی سواری میں ایک اونٹ اور ایک ساربان بنام پیرو تھا۔ کتب فروختنی کچھ دکان بزازی وسامان بساطی بھی تھا۔ تقویۃ الایمان نصیحت المسلمین کے علاوہ کتاب راہ سنت مصنفہ مولانا آل حسن قنوجی اور حارق الاشرار، تنویر العینین فی اثبات رفع یدین کو شوق سے لوگوں نے خرید کیا۔ مولانا کا وعظ اتباع سنت پر بہت مؤثر تھا۔ ناگپور سے ۱۲۔ آدمی بغرض فیض صحبت مولانا شہید کے بسرکردگی مولانا غازی روانہ ہوئے۔ جبل پور کے نواح میں معلوم ہوا کہ سید احمد اور شاہ اسماعیل شہید ہو گئے ہیں اس لئے یہ واپس ہوئے۔ اب اس جماعت عاملین سنت کو وہابی کہا جانے لگا۔

ان دنوں مولانا محمد اسماعیل خان ریوانی بھی ۱۸۵۴ء میں ناگ پور میں رونق افروز ہوئے اور چاندنی چوک میں بزازی کی دکان کھول لی۔ انہوں نے سخنے قدمے خوب اشاعت سنت کی قرب وجوار کے اضلاع میں بھی ہم مشرب بنائے غالباً ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔

اب یہاں ذوالفقار علی تحصیل دار، حاجی ڈاکٹر دلاور خان، ڈاکٹر عبدالوہاب، حافظ عبدالعظیم باشندہ کامٹھی مولانا شمس الدین مولوی عبدالقادر اہل تحقیق تھے، علانیہ عاملین سنت ہو گئے۔ ان حضرات کے زمانہ میں مناظرہ کا بازار گرم ہوا۔ بہت لوگ دائرہ سنت میں آئے۔ مولوی ذوالفقار علی تحصیل دار کو ایک ہزار احادیث یاد تھیں۔ مولوی حافظ عبد العظیم نے دہلی جا کر میاں نذیر حسین سے سند حدیث حاصل کی۔ ڈاکٹر دلاور خان کے

مقابلہ میں کوئی ہم پلہ مقرر نہ تھا، انہوں نے برار کے اضلاع میں خوب کام کیا صدہا گور پرست تائب ہوئے۔

انہی ایام میں مولوی محمد سہارن پوری (مہاجر مکی) با رادہ ہجرت اپنے وطن چھوڑ کر مع متعلقین ۱۲۸۷ھ میں داخل ناگپور ہوئے اور خوب وعظ کئے۔ پھر مکہ روانہ ہوئے۔

غالباً ۱۸۷۷ء میں یہاں مولوی عبدالجبار عاجز ناگپوری بھوپال مہاجر مکی آئے اور خوب پرزور وعظ کئے۔ اسی سال شیخ عبیداللہ مصنف تحفۃ الہند ضلع مظفرنگر سے آئے، ان کے ہمراہ ان کے برادرزادہ مولوی عبدالحق بھی تھے۔ آپ نے خوب وعظ کئے اور ہنود بھی وعظ سننے آتے۔ بہت لوگوں نے ان کی بیعت کی اور آپ نے کثیر تعداد کو اہل حدیث بنایا۔ اسی برس مولوی محمد صدیق انصاری ساکن آگرہ آئے اور گرد و نواح میں بھی وعظ کئے۔ تقریباً ۹۰۰ لوگ اس وقت ناگ پور میں اہلحدیث تھے۔ موضع کامٹھی جو ناگ پور سے بجانب شمال ۹ میل پر ہے آپ کے وعظ مناظرہ سے ۲ سو لوگ اہلحدیث ہو گئے۔ پھر تو ناگپور میں مسجد الف الدین کے علاوہ مسجد بدوح، مسجد سینچرہ بازار مسجد صدر بازار مسجد جوہری پورہ، مسجد گوٹو میاں میں آمین بالجہر رفع یدین کا چرچہ ہونے لگا مناظرہ مباحثہ ہوتا رہتا۔ احناف میں پریشان ہوئے کہ سارا ناگ پور اہلحدیث ہوا چاہتا ہے یہاں کسی بڑے حنفی عالم کی ضرورت ہے۔ اس زمانہ میں مولوی سلطان احمد حنفی المذہب مکہ سے ناگپور آیا (یہ ہندی تھا۔ ۱۸ سال کی عمر میں مکہ چلا گیا تھا) اور مسجد جمعہ میں آکر ٹھہرا۔ احناف بہت خوش ہوئے اور مباحثہ کی ٹھہری۔ ادھر کامٹھی سے حافظ صاحب کو طلب کر لیا گیا اور یہاں پر مولوی شمس الدین بھی موجود تھے۔ بحث تقلید تعیین مجتہد پر تھی۔ مولوی سلطان احمد اسے واجب کہتے تھے۔ ادھر سے جواب ترکی بترکی قرآنی آیات، احادیث اقوال علماء، مولانا صدیق پیش کرتے رہے مولانا شمس الدین نے بھی مناظرہ میں حصہ لیا۔ مقلدین کی جانب سے الٰہی بخش کتب فروش نے کتب کے ڈھیر لگا دیئے مگر ان میں مولوی سید عثمان یعنی سید عبدالعزیز وکیل کے والد نے حق پہچان لیا اور بولے اب مولوی نو وارد کی نصرت نہ ہوگی۔ مسجد میں بڑا مجمع تھا۔ آخرش مولوی سلطان احمد کو شکست ہوئی اور تقلید شخصی مذہب معین کو غلط تسلیم کیا۔ پھر احناف نے تجویز کیا کہ اپنی مساجد میں اہل حدیث کو نماز ادا کرنے سے روکا جائے۔

اگر کوئی اہل حدیث چلا جاتا تو کرخت لہجے میں کہتے خبردار اس مسجد میں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حافظ (محمد عبد العظیم) صاحب کرنول (مدراس) تشریف لے گئے تو وہاں کے احناف نے مناظرہ کے لئے مولوی محمد شاہ پنجابی (جو ہند میں منطقی مشہور تھے) کو طلب کیا۔ مولانا محمد صدیق نے ایک عریضہ میاں نذیر حسین صاحب کو دہلی روانہ کیا کہ یہاں کے متمول اشخاص نے میرے مقابلہ بحث کے لئے محمد شاہ کو طلب کیا ہے، آپ دعا کیجئے حق کی فتح ہو۔ میاں صاحب نے جواب لکھا کہ وہ شخص تمہارے مقابل بودا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ محمد شاہ پنجابی ہفتہ عشرہ خوب دعوتیں کھا کر کرنول سے بنگلور اور وہاں سے وطن واپس چلے گئے۔

چند سال بعد مولانا صدیق کامٹھی سے کرنول آ گئے رہائش اختیار کی اور بہت لوگ متبع سنت بنائے ایک مدرسہ اہل حدیث بنام شمسیہ قائم کیا وہاں ہی وفات پائی۔

۱۲۹۹ھ میں مولانا بدیع الزمان برادر وحید الزمان ناگپور آئے۔ پند و نصائح کئے اور اہلحدیث کو مضبوط کیا، پھر بھوپال چلے گئے جہاں موتی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔

۱۳۰۲ھ میں مولانا احمد سعید سہارنپوری (برادر زادہ مولوی محمد مہاجر مکی) مکہ سے آئے اور (بوقت تحریر) قصبہ کاٹھی وارہ ضلع سیونی میں رہتے ہیں ان کا دورہ تحریک اہل حدیث میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ (قاضی محمد یعقوب ناگپور متصل مسجد بدوح خان)۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۸ جون ۱۹۲۳ء ص ۷۔۱۰)

جنوبی ہند میں اہلحدیث کے چند بزرگوں کے سوانح اور ان کی تبلیغی و تدریسی خدمات جناب محمد ثناء اللہ عمری نے تذکرہ واجدی اور نذرانہ اشک میں درج فرمائی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے ذیل میں سید عبداللہ مدنی شولاپوریؒ، جناب عبدالواجد رحمانیؒ، جناب سید اسماعیلؒ رائیدرگی اور حافظ عبداللہ کرنولیؒ کے حالات مذکورہ تصنیفات سے ملخصاً نقل کیے جاتے ہیں۔

سید عبداللہ مدنیؒ

انیسویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں سید احمد عرب تھے بطور معلم الحجاج تبلیغی دورہ کرتے ہوئے کرنول آئے۔ وہ مدینہ کے رہنے والے تھے اس لئے مدنی لکھتے تھے۔ اہل کرنول کو

ان کا وعظ پسند آیا اور اصرار کر کے یہیں رکھ لیا۔ ان کے بیٹے سید عبداللہ اندازاً ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ۔ ان دنوں کرنول میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ مقامی رئیس شمس الدین خلیل نے محسوس کر کے جماعت اہل حدیث کے چندے سے مدرسہ کی عمارت بنائی اور اپنا سارا اثاثہ اس کیلئے وقف کر دیا۔ یہ مدرسہ شمسیہ کہلایا اور اس کا افتتاح ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ اس کی تکمیل پر پہلے معلم عبدالعظیم ناگ پوری تلمیذ میاں صاحب دہلوی ہوئے ۔ مدرسہ شمسیہ میں حافظ عبدالعظیم کی ذات والا صفات کی برکت سے حفظ قرآن کا شوق عام ہو گیا۔ علم دین کی اشاعت ہونے لگی ۔ عبداللہ مدنی بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ مگر کرنول کی آب و ہوا حافظ عبدالعظیم کو راس نہ آئی۔ مجبوراً انہوں نے ضلع کرشنا کے مقام ایلور میں سکونت اختیار کی جو بعد ازاں ضلع مغربی گوداوری کا مستقر بنا۔ عبداللہ مدنی بھی استاد کے ساتھ چلے گئے اور وہاں ان کے قائم کردہ مدرسہ معدن فیوض میں پڑھتے رہے ۔ پھر دہلی کا رخ کیا اور جناب ابوالحسن الحدیدی الیمانی سے حدیث کی سند لی جو شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث کے شاگرد تھے ۔ سید عبداللہ مدنی نے اپنے شاگردوں کو جو سند حدیث دی ہے اس میں لکھا ہے کہ وہ جناب یمانی اور حافظ عبدالعظیم دونوں واسطوں سے حضرت میاں صاحب کے شاگرد ہیں ۔

حافظ عبدالعظیم کی وفات کے بعد مدرسہ شمسیہ کی حالت زوال پذیر ہو گئی تھے ۔ پھر ۱۹۲۸ء میں سید عبداللہ مدنی کے طفیل اسکی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی ۔ جیسا کہ میرٹھ کے ایک اخبار نے لکھا تھا:

> اس مدرسہ کا افتتاح سرآمد محدثین موحدین اعلمنا و اورعنا مولانا حافظ محمد عبدالعظیم صاحب ناگ پوری نے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ مولانا مرحوم ومبرور مختلف امراض میں مبتلا اور بایں ہمہ کثیر الاشغال اور مبتدعین کے شرک و بدعت کے استیصال کے لئے ہر دم مستعد اور ابلاغ و تبلیغ اور مناظرہ کرنے کو سفر دور دراز کے لئے پا بہ رکاب رہتے تھے لہذا مدرسہ موصوفہ کی طرف (پوری) توجہ تھی ۔ اب ہم نہائت مسرت سے اہل حدیث کو مژدہ جاوید سناتے ہیں کہ مولانا مرحوم کے جانشین حامی دین متین، شرک و بدعت کے ازالے کی مسکین خادم سنت اللہ وسنت رسول اللہ مولانا عبداللہ مدنی عم فیوضہ نے اس مدرسہ کی جڑ میں پانی دیا اور اپنی خالص سعی کی آبیاری سے ان شاخوں کو نمو اور بالیدگی عطا فرمائی۔ اور چونکہ دین اللہ کے معاون غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ لہذا جناب معلیٰ القاب صوبہ دار میجر محمد غوث اس کی اعانت پر جان و مال سے قربان ہو گئے اور مولانا

کے شہباز ہمت کا بازو بن گئے۔

سید عبداللہ مدنی کرنول ،ایلور، دہلی اور آگرہ میں تحصیل علم کے بعد عطر کا کاروبار کرتے تھے، قنوج سے منگواتے اور اس کی فروخت کیلئے سفر کرتے۔ اسی سلسلہ میں بھی شولا پور بھی آئے اور چند روز جناب عبدالغفور کے ہاں مہمان رہے جو جماعت اہل حدیث کے قاضی اور مسجد اہل حدیث صدر بازار کے امام تھے۔ یہ اندازاً ۱۹۰۸ء کی بات ہے۔ اسی سال مذکورہ مسجد سے متصل ایک مکان میں مولانا نے ایک چھوٹا سا دینی مدرسہ جاری کیا جہاں بوڑھے لوگ آپ سے قرآن پڑھتے اور کچھ لوگ مشکوۃ کا درس لیتے۔ ان شاگردوں میں قاضی عبدالغفور بھی تھے۔ یہ مدرسہ چند ماہ جاری رہا پھر بند ہو گیا۔ مگر شولا پور اور اس کے نواح میں سید عبداللہ مدنی نے دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھا۔ ان کے ایک شاگرد کا کہنا ہے کہ ۱۹۱۰ء میں ایک مہینہ بھر شہر کے مختلف مقامات اور احناف کی مسجدوں میں شب و روز آپ نے ۴۰ وعظ کئے۔ مخالفین نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پتھراؤ بھی کیا۔ مگر آپ نے سب برداشت کیا اور کام میں لگے رہے۔ اس شہر شولا پور میں آپ کا مستقل قیام ۱۹۱۷ء سے شروع ہوتا جب ایک مقامی اہل حدیث رئیس حاجی حضرت خان نے ۱۳۳۹ھ میں مسجد اہل حدیث واقع عقب قلعہ کا سنگ بنیاد سید عبداللہ مدنی سے رکھوایا۔ یہ ۱۹۱۷ء بنتا ہے۔ حاجی حضرت خان نیک آدمی تھے۔ انہوں نے سید عبداللہ مدنی کی تقاریر سے متاثر ہو کر اسی طرح آپ کو شولا پور روک لیا جس طرح ان کے استاد حافظ عبدالعظیم کو کرنول والوں نے روکا تھا۔ سید عبداللہ مدنی کے یہاں آنے سے اہل حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ حضرت خان نے مسجد کے ملحق دینی مدرسے کیلئے ایک دو منزلہ مکان تعمیر کروایا اور اپنے بیٹے کے نام پر اسے مدرسہ لطیفیہ کا نام دیا۔ یہی مدرسہ مولانا سید عبداللہ مدنی کا مرکز بن گیا۔

سید عبداللہ مدنی شاعر بھی تھے بے شمار اصلاحی اسلامی نظمیں لکھیں۔ فارسی ادبیات سے بھی لگاؤ تھا۔ کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے۔ مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے۔ ماہ رمضان میں روزانہ تراویح میں دو پارے سناتے۔ یوں پندرہ دن میں شولا پور میں قرآن پاک ختم کرتے اور پندرہ دن میں کرنول میں۔ شولا پور میں اہل حدیث کی سات مسجدیں تھیں اور دو جگہ عید ہوتی تھی، آپ یہاں آئے تو سب کے فیصلہ سے عیدین کی نماز پرانی عید گاہ میں یک جا ادا ہونے لگی اور امامت آپ کے شاگرد قاضی عبدالغفور کرتے اور خطابت خود سید مدنی کے ذمہ تھی۔

سید عبداللہ مدنی بڑے غیور عالم دین تھے۔ علم دین کو دوکان داری نہ بنایا۔ علمی اور

اسلامی شان باقی رکھی ، امیروں کے سامنے سرنہیں جھکایا۔ حضرت خان اور پھر حاجی عبداللطیف خان مدرسہ کے مہتمم تھے اور سید مدنی صدر مدرس کی حیثیت سے حضرت خان ہاؤس ہی سے تنخواہ پاتے تھے مگر جس بات کو حق سمجھتے بے باکی سے اظہار فرما دیتے ۔ باپ بیٹے بھی آپ کو بہت چاہتے تھے اور ان علمی اوصاف کے قدر دان تھے اور ان کی تنقید سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوئے ۔ اور مرتے دم تک مدنی صاحب پر دل و جان سے فدا رہے ۔

سید عبداللہ مدنی مجلسی آدمی تھے عالموں میں عالم شاعروں میں شاعر ۔ عربی فارسی اردو کے بہت شعر یاد تھے ۔ مطالعہ وسیع تھا ۔ ابن تیمیہ، ابن قیم ،نواب صدیق حسن کے مداح تھے ۔

شولا پور میں ۵۵ سال قیام کے بعد ۹۵ سال کہ عمر میں شولا پور میں سید عبداللہ مدنی کی وفات ۴ فروری ۱۹۷۱ء کو ہوئی ۔ (نذرانہ اشک ۔ص ۲۰۱ ۔ ۲۲۲ ملخصاً)

☆ سید اسماعیلؒ رائے درگی

آپ کے اجداد بیجاپور کے رہنے والے تھے۔ عادل شاہی سلطنت کے زوال کے بعد وہاں سے ترک وطن کر کے آندھرا کے ضلع انت پور کی تحصیل کلیان درگ کے قصبہ ہنور میں آباد ہوئے ۔ ان کے بزرگ ہنور میں مدفون ہیں اور وہاں ان کی درگاہ تھی اور خاندان میں پیری مریدی اور دیگر خرافات چل رہیں تھیں ۔ آپ کے والد سید سرمست حسین نے بیس سال کی عمر میں اردو ٹیچر ٹریننگ کیلئے مدراس کا سفر کیا جہاں ان کا قیام دھوبی پیٹ میں تھا ۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ بازار میں ایک سفید ریش شخص جا رہا ہے اور لوگ اس کو بے عزت کر رہے ہیں لیکن وہ کسی کا برانہیں منا تا ۔ آپ نے کسی سے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ یہ شخص پاگل ہے ۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ خطاب اور بے عزتی اس لئے ہے کہ وہ شخص بدعات وخرافات کے خلاف تبلیغ کرتا ہے ۔ آپ اس کا پتہ پوچھ کر اسے ملنے گئے ۔ یہ بزرگ سینٹ تھامسن مونٹ پر رہتے تھے ۔ نام سید عبدالقادر اور عرفیت سید قادر شاہ تھی ۔ وہ محبت سے ملے ، نام پوچھا ، بتایا سرمست حسین ۔ کہا آج سے نام بدل کر عبداللہ رکھ لو اور تقویۃ الایمان کا ایک بوسیدہ نسخہ پڑھنے کو دیا ۔ اس ملاقات اور کتاب نے کایا پلٹ دی ۔ بیٹا پیدا ہوا تو شاہ اسماعیل کے نام پر اسماعیل نام رکھا ۔ خاندانی ماحول سے نکل کر ۲۵ میل دور رائے درگ میں اٹھ آئے ۔ سرمست حسین نے تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ۱۹۴۷ء میں رائے درگ میں انتقال فرمایا ۔

سید اسماعیل کی ابتدائی تعلیم گھر پر والد کی نگرانی میں ہوئی ۔ پھر ۱۹۱۱ء میں کرنول گئے جہاں جناب محمد عمر (والد ڈاکٹر محمد عبدالحق) نے ایک دینی درس گاہ قائم کی ہوئی تھی ۔سید اسماعیل نے یہاں دو سال گذارے ۔ پھر پیارم پیٹ گئے اور جناب فقیر اللہ تلمیذ میاں صاحب دہلوی سے پڑھا ۔ اس کے بعد ۱۹۱۶ء کے اواخر میں سید اسماعیل امرتسر چلے گئے جہاں جناب عبدالغفور غزنوی اور جناب نیک محمد وغیرہ سے پڑھا ۔۱۹۲۳ء میں جامعہ سلفیہ غزنویہ سے فراغ حاصل کر کے وطن واپس لوٹے ۔۱۹۲۴ء میں سرسی (کرناٹک) گئے اور دو برس وہاں مقیم رہے ۔اس دوران امامت و خطابت کے علاوہ درس تدریس کے ذریعہ دین کی خدمت کرتے رہے ۔

۱۹۲۶ء میں رائے درگ آ گئے جہاں احناف نے اہل حدیث کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا تھا ۔ اس سلسلہ میں آپ نے ملک کے مختلف مقامات کے دورے کئے ۔ اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ دانباڑی ضلع شمالی آرکاٹ کے ایک رئیس تاجر چرم چاند صاحب نے رائے درگ میں ایک مسجد بنوائی جو مسجد چوک کے نام سے موجود ہے ۔ بانی مسجد نے وسعت ظرفی سے کام لیتے ہوئے اجازت دے دی کہ ہر مسلک کے لوگ اس میں نماز ادا کر سکتے ہیں ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، مگر جب مولوی عبدالوہاب شیرازی کے وعظ و تبلیغ سے رائے درگ اور گنتکل وغیرہ مقامات کے لوگ اہل حدیث ہونے لگے تو رائے درگ کے احناف نے اہل حدیث کو اس مسجد میں آنے سے روکا اور مار پیٹ کی ۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا ۔ سید اسماعیل ایک نعمت غیر مترقبہ بن کر سرسی سے انہی دنوں رائے درگ لوٹے تھے ۔ انہوں نے اس مقدمہ میں بڑی دل چسپی لی اور مقامی رئیس ایم فتح محمد اور جناب عبدالسلام بلہاری نے اس مقدمہ میں سید اسماعیل کی بھر پور تائید کی اور دامے درمے دل کھول کر امداد کی ۔ عدالت نے فیصلہ اہلحدیث کے حق میں دیا اور لکھا کہ جماعت اہلحدیث اور اس کے افراد کو بھی اس مسجد میں اتنا ہی حق ہے جتنا کہ کسی دوسری جماعت کا ہے یا ہوسکتا ہے ۔

سرسی سے واپسی اور مسجد چوک کے مقدمہ سے فراغت پر سید اسماعیل نے رائے درگ میں انجمن محمدیہ کی بنیاد رکھی اور اس کی زیر نگرانی ایک مدرسہ قائم کیا ۔ رفتہ رفتہ ۱۹۳۹ء میں اسے اسلامی درس گاہ کی شکل دی ۔ عربی مدرسہ کے بعد جو جامعہ محمدیہ عربیہ کے نام سے مشہور ہے، آپ نے ایک یتیم خانہ کھولا ۔ پھر ایلیمنٹری اور ہائی سکول سیکشن قائم کئے اور متعلقہ بورڈوں سے منظوری

لی ۔افضل العلماء، منشی فاضل اور ادیب فاضل وغیرہ امتحانات کیلئے جامعہ محمدیہ کا مدراس یونیورسٹی سے الحاق کروایا۔صوبہ مدراس کی تقسیم کے بعد جامعہ کا الحاق سری ونکٹ ایشور یونیورسٹی تروپتی سے ہوگیا۔ جامعہ میں ایک اچھی لائبیریری قائم کی۔تحریک اہل حدیث کی تاریخ سے اچھی طرح واقف تھے ۔عمر بھر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس سے وابستہ رہے ۔آپ جنوبی ہند کے بے مثال واعظ شیریں بیان تھے ۔رائے درگ اور اس کے مضافات کسی زمانے بدعتوں کا مرکز تھے آپ کے وعظ کا اعلان ہوتا تو خون کے پیاسے بھی چھپ کر سننے آتے اور وعظ سے لطف اندوز ہوتے ۔اضلاع کرشنا اور گوداوری میں آپ کے تبلیغی دورے ۱۹۲۶ء سے ہونے لگے تھے جہاں جاتے لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیتے ان کے وعظوں سے بہت سی بدعات کا قلع قمع ہوا ۔آپ نے اس دور میں دور دراز کے سفر کئے جب پیدل اور بیل گاڑیوں پر جانا پڑتا تھا ۔

۶۵ برس کے تھے کہ فالج ہوا۔علاج سے عام حالت تو بحال ہوئی مگر ہاتھ پیر مفلوج ہی رہے ۔اس حالت میں اس فعال انسان نے کامل بیس برس صبر وشکر سے گذار دیئے ۔سید اسماعیل نے ۸۷ برس عمر پائی اور ساری عمر تعلیمی تدریسی دعوتی سرگرمیوں میں صرف کر دی ۔۳۱ دسمبر ۱۹۸۳ء کو فوت ہوئے ۔سید اسماعیل کی زندگی کے ابتدائی سال بڑے طوفانی تھے مخالفت بہت ہوئی دھمکیاں دی گئیں مگر دین حق کی اشاعت سے باز نہیں آئے ان کی ذات جنوبی ہند بلکہ سارے ہند کے لئے سرمایہ افتخار تھی وہ اہل حدیث تھے نام ہی کے نہیں کام کے بھی ۔کتاب وسنت کی تبلیغ ساری عمر ان کا مطمح نظر رہا ۔ (نذرانہ اشک ۔ص ۲۲۴ ۔ ۲۴۲)

سید اسماعیل مرحوم کے کام کی قدرو قیمت جاننے کیلئے ذیل کی تحریر ملاحظہ فرمایئے۔جناب عبدالوہاب عبدالعزیز جامعی لکھتے ہیں :

> غالباً ۱۹۷۱ء کی بات ہے جب کہ میرا زمانہ طالب علمی تھا۔ ان دنوں سید اسماعیل کے پاس رائے درگ کے ایک معروف برہمن پنڈت ایک پندرہ سالہ لڑکے کو لے کر آئے اور کہا کہ اس کا نام محبوب یا دستگیر ہے ۔مقام، گورسمدرم ہسّور ضلع چترادرگہ (کرناٹک) کا باشندہ ہے آپ کے جامعہ میں داخل کرانے لایا ہوں ۔پھر انہوں نے گورسمندرم ہسور کی حالت اس طرح بیان کی :
>
> یہاں کے مسلمان دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی ناواقف ہیں ۔شرک و بت پرستی عام ہے ۔غیر مسلموں کی طرح ان میں ماموں بھانجی کے درمیان نکاح کر دیا

جاتا ہے۔ یہ لوگ مجھے ہر سال، ہری کتھا، سنانے کیلئے مدعو کرتے ہیں... میں نے اس کے والد سے یہ کہہ کر کہ آپ لوگ مسلمان ہیں... اپنے دین کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے چھوٹے بیٹے کو جامعہ محمدیہ رائے درگ میں علم دین حاصل کرنے کے لئے میرے ساتھ روانہ کریں۔

سید اسماعیل نے اس لڑکے کا نام عبدالرحمٰن رکھا اور یہ چند سال وہاں پڑھتا رہا۔ پھر اپنے گاؤں جا کر جامعہ محمدیہ رائے درگ کے تعاون اور اپنی محنت سے پوری بستی کو اہل حدیث بنا دیا۔ (پندرہ روزہ ترجمان دہلی، ۲۹ ستمبر ۱۹۹۵ء)۔

حافظ عبدالواجدؒ رحمانی

عبدالواجد بن عبداللہ بن عبدالقادر ۵ نومبر ۱۹۱۰ء (۲ ذی قعد ۱۳۲۸ھ) پیارم پیٹ (پرنام بٹ) میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مکمل کیا اور ۱۹۲۶ء میں مدرسہ دارالسلام عمرآباد میں داخل ہوئے۔ ۵ برس بعد ۱۹۳۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی دوران آپ نے ۱۹۲۹ء میں مدراس یونیورسٹی سے عربی اسلامی کورس افضل العلماء کیا۔ ۱۹۳۲ء میں اعلی تعلیم کے لئے مدرسہ رحمانیہ دہلی گئے۔ فروری ۱۹۳۳ء میں عمرآباد میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء تک جب کہ آپ جامعہ کے ناظم بنائے گئے اٹھارہ برس کی مدت درجہ اول سے لے کر ہشتم تک کتابیں پڑھائیں۔ ۱۹۵۰ء تدریس کے ساتھ ناظم جامعہ بھی ہوگئے۔ بخاری اور ہدایہ اخیرین پڑھاتے۔ نظامت کے دور میں آپ نے جامعہ کیلئے بہت کام کیا۔ جامعہ کی جائدادوں کی آمدنی غیر یقینی ہوگئی تھی۔ اس کی موقوفہ زمینات کی تلاش وجستجو میں بہت سفر کئے، اور ناجائز قبضوں سے واگزاشت کرانے کیلئے محنت کی۔

آپ جامعہ دارالسلام کے مدرس تھے ناظم تھے، شیخ الحدیث تھے۔ مفتی بھی تھے سینکڑوں فتاوی لکھے۔ ۱۹۴۶ء میں اپنے وطن میں روڈ کی مسجد کے جہری نمازوں کے امام اور جمعہ کے خطیب مقرر ہوئے۔ امامت کا سلسلہ ۱۹۷۸ تک یعنی ۳۲ سال جاری رہا۔ کہتے تھے کہ جب وہ امام تھے تو نماز فجر میں انہوں نے قرأت کی ترتیب ملحوظ رکھی اور اس طرح باسٹھ بار اپنا حفظ دہرایا۔ لیکن جمعہ کے روز کی نماز فجر میں یہ ترتیب ملحوظ نہیں رہی کیونکہ اس میں سورہ سجدہ اور سورہ دہر کی تلاوت کا اہتمام تھا۔ اسی طرح تراویح

میں آپ نے ۶۰ مرتبہ قرآن پاک ختم کیا ۔۴۳ برس خطبہ جمعہ دیا۔ دارالسلام میں درس حدیث ۵۰ برس اور درس بخاری کی مدت ۴۰ برس ہے ۔ بڑے خوش الحان تھے ۔ تجوید سے پڑھتے تھے ۔ جامعہ سلفیہ بنارس کی تاسیسی کمیٹی کا ۱۹۵۶ء میں جلسہ ہوا تو اس میں شریک تھے ۔۔جمیعت اہل حدیث کی مدراسی شاخ کے صدر تھے ۔

دارلسلام عمرآباد کی نظامت سے سبک دوش ہوئے لیکن تدریس کی خدمت جاری رکھی مدۃ العمر قیام اپنے وطن پر نام بٹ ہی رکھا۔ صبح دس بجے عمرآباد آتے عصر کے بعد واپس ہو جاتے ۔تاعمر جامعہ سے وابستہ اوراس کے خدمت گزار رہے یعنی نظامت سے علیحدگی کے بعد بھی سلسلہ خدمت جاری رہا۔ یکم اپریل ۱۹۸۹ء کوانتقال ہوا

جناب ثناءاللہ عمری کہتے ہیں:

میں دار السلام عمرآباد میں ہفتم میں پڑھتا تھا۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک کتابچہ طالبان علوم نبوت کا مقام اوران کی ذمہ داریاں ناظم جامعہ (حافظ عبدالواجد) کے نام ارسال کیا اور درخواست کی کہ اسے طلبا کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا جائے ۔ یکے بعد دیگرے دو مدرسین نے اسے نصفا نصف کر کے پڑھ کے سنایا۔ جلسے کے بعد ناظم صاحب نے راقم کوطلب کیا اور پوچھا کہ اس پمفلٹ میں کوئی چیز مجھے کھٹکی ؟ عرض کیا، صاحب کتاب نے قادیانیوں کے خلاف محاذ کے ضمن میں فاتح قادیان مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری مرحوم کا نام برسبیل تذکرہ بھی نہیں لیا ہے۔ مولانا خوش ہوئے، فرمایا میں نے اسی لئے تمہیں طلب کیا ہے۔ پھر میں نے بحثییت طالب علم مولانا علی میاں کو خط لکھا، مولانا نے جواب مرحمت فرمایا۔ لیکن اس سے نہ ناظم صاحب کی تشفی ہوئی، نہ راقم کی ۔ (نذرانہ اشک ۔ ص ۱۰۳۔ ۱۲۹ ملخصاً)

جناب ثناءاللہ عمری بتاتے ہیں کہ اس علاقے میں:

جن دنوں حنفی اور اہل حدیث کے درمیان جھگڑا اپنے زوروں پر تھا تو ایک مناظرہ کا انتظام ہوا جس میں احناف کی طرف سے جناب حفظ الرحمٰن سیوہاروی تشریف لائے تھے۔ حافظ (عبدالواجد) صاحب نے آپ سے ملاقات کی ۔اورادب سے پوچھا کہ جب دوسری قومیں مسلمانوں کونقصان پہنچانے کے درپئے ہوں تو اس وقت ہمارے لئے آپس میں توڑنے کا کام بہتر ہے یا جوڑنے کا ۔ جناب حفظ الرحمٰن نے حافظ

صاحب کی اس بات کا اثر لیا اور عہد کر لیا کہ اس کے بعد اس طرح کے مناظروں میں کبھی حصہ نہیں لیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اس ملاقات سے متاثر ہو کر جناب حفظ الرحمٰن نے حافظ صاحب کو جمیعت علماء ہند میں شریک ہونے کی دعوت دی ہو اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ چند سال تک جمیعۃ علماء ہند کے کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ ایک بار میسور کے کسی سفر میں جناب حفظ الرحمٰن اور حافظ صاحب ساتھ تھے۔ درمیان میں جمعہ کا موقعہ آیا۔ دونوں جامع مسجد میں چلے گئے۔ مقامی لوگوں نے جناب حفظ الرحمٰن سیوہاروی سے خطبہ اور نماز پڑھانے کی درخواست کی لیکن جناب سیوہاروی نے حافظ صاحب ہی کو آگے بڑھایا اور انہی کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اس واقعہ سے ایک طرف جناب حفظ الرحمٰن کی نظر میں حافظ صاحب کی قدر بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل حدیث اماموں کے پیچھے احناف کی نماز ہو جاتی ہے۔

(تذکرہ واجدی۔ ص ۱۰۲)۔

ایک دفعہ جناب حسین احمد مدنی سے وسیلے کے مسئلہ پر (غالباً کرنول میں) حافظ صاحب کی کافی گفتگو ہوئی۔ جناب مدنی کا احترام حافظ (عبدالواجد) صاحب دل سے کرتے تھے لیکن اپنی بات کو سامنے رکھنے میں آپ نے کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔ اس گفتگو کے خاتمہ پر جناب مدنی نے حافظ صاحب سے صرف اتنا فرمایا کہ وہ اپنے مسلک پر نظر ثانی کریں۔ اور حافظ صاحب نے بھی جناب مدنی سے درخواست کی کہ آپ بھی اپنے فکر پر مزید غور کریں۔ اس پر بھی جناب مدنی کی پیشانی پر بل نہ آئے اور نہ آپ نے دوسری کوئی ناراضگی کا اظہار کیا، حالانکہ دیکھنے والے پریشان ہو رہے تھے۔ (تذکرہ واجدی۔ ص ۱۰۵)

حافظ عبداللہ کرنولیؒ

آپ کرنول میں ۱۱ ذی الحج ۱۳۲۸ مطابق ۱۹۱۰ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حافظ عبدالعظیم ریلوے میں کنٹریکٹر اور علاقے کے رئیس تھے۔ کرنول میں ایک اور اہل حدیث رئیس تھے جن کا نام شمس الدین خان خلیل تھا انہوں نے جماعت اہل حدیث کے چندے سے ایک مدرسے کی عمارت بنوائی اور اپنا سارا اثاثہ اس کیلئے وقف کر دیا۔ یہ مدرسہ اپنے بانی کے نام پر مدرسہ شمسیہ کہلایا اور اس کا افتتاح ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ جناب عبداللہ نے قرآن ناظرہ اسی مدرسہ میں پڑھا۔ پھر والد

کے پاس قرآن حفظ کیا۔ کرنول میں خاندان قضاۃ بڑا نامور تھا۔ اس میں میاں صاحب دہلوی کے ایک شاگرد حافظ عبدالعظیم ناگپوری اور سید عبداللہ مدنی کی رشتہ داریاں ہوئیں۔ اسی خانوادہ قضاۃ کے ایک رکن قاضی محمد ابراہیم تھے۔ حافظ عبداللہ نے ان سے صرف نحو، بلوغ المرام اور مشکوۃ پڑھیں۔ ۱۹۳۵ء میں شولا پور پہنچے اور مدرسہ لطیفیہ میں تیسری جماعت میں لئے گئے۔

مدرسہ لطیفہ ایک مقامی رئیس حاجی حضرت خان نے جو بڑے موحد اور متبع سنت تھے اپنے نامور فرزند سر عبداللطیف کے نام پر قائم کیا تھا۔ اور سید عبداللہ مدنی کو اس کا صدر مدرس بنایا۔ ۱۹۳۰ء میں حافظ عبداللہ صاحب لطیفیہ سے سند فراغت پا کر اپنے وطن کرنول گئے اور مسجد معصوم اور مسجد گونڈہ میں امامت وخطابت کے ساتھ تراویح کی نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں مسجد نعلبند میں بھی کچھ عرصہ خطیب رہے۔ فارغ اوقات میں گردونواح میں دعوت وتبلیغ کرتے۔ کرنول میں نو برس خدمت کی اور ۱۹۳۹ء میں مدراس آئے اور مستقل قیام پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں کرنول علاقہ مدراس سے الگ ہوکر آندھرا پردیش میں شامل ہوگیا مگر جناب کرنولی، مدراس ہی میں رہ گئے۔ مدراس میں ایک اہل حدیث رئیس تھے حاجی شیخ عبدالعزیز باوٹا بیڑی کے مالک۔ حافظ عبداللہ کا قیام اسی رئیس کے ہاں رہا اور انہی کی تحریک پر جناب کرنولی نے انہی کے کارخانے میں تعلیم بالغاں کیلئے شبینہ مدرسہ قائم کیا اور یوں جلد ہی سب ملازم نمازی بن گئے۔ یا تو یہ حال تھا کہ ان حاجی صاحب کے گھر کے سوا دھوبی پیٹ میں کہیں اہلحدیث نہیں تھے، یا یہ حال کہ سارا محلّہ اہلحدیث ہوگیا۔ یہ انقلاب دیکھ کر حافظ عبداللہ نے ایک مسجد کی تعمیر کی تجویز پیش کی اور دو مہینوں میں مسجد تیار ہوگئی تو جنوری ۱۹۴۰ء میں اس کا افتتاح ہوا، یہی مسجد، مسجد مبارک کہلاتی ہے۔ ۱۹۴۷ء تک سات سال حافظ عبداللہ نے یہاں خطابت امامت کی اور درس حدیث دیا اور تراویح پڑھائی۔ آپ کی تحریک پر انہی حاجی صاحب نے باپٹلہ ضلع گنٹور آندھرا اور شہر مدراس سے متصل اسلام نگر آبادی میں اہل حدیث مسجدیں بنوائیں اور ان کی تبلیغ سے اس علاقے میں کافی لوگ اہل حدیث ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا تعلق اس مسجد سے ختم ہوگیا اور بعد میں آپ مسجد اہل حدیث چار مینار شولہ مدراس میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک خطیب وامام رہے۔ نیز مسجد اہل حدیث یعقوبیہ شولا میں ۵۳ سے ۱۹۶۵ء تک، جامع مسجد ترولور (مدراس سے ۲۶ میل دور) ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۸ تک، مسجد اہل حدیث چار مینار شولہ مدراس میں ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۸ء تک، مسجد اہل حدیث بیت العلوم شولہ مدراس میں ۷۹ سے ۱۹۸۳ء تک خطیب وامام رہے۔ آپ اہل حدیث گر تھے جب مسجد یعقوبیہ میں تھے تو

یہاں بیس تراویح پڑھاتے تھے، نمازیں بھی حنفی مسلک کے مطابق ہوتیں۔ آپ نے کایا پلٹ دی اور مسجد کو وقف بورڈ میں مسجد اہل حدیث یعقوبیہ کے نام سے رجسٹر کرادیا۔ دوسری مسجد پونا ملی کی ہے جو مدراس سے جنوب میں ۱۳ میل دور ہے۔ یہ احناف اور شوافع کی مشترکہ تھی۔ آپ کا آنا جانا ہوا تو اس پر مسجد اہل حدیث پونا ملی کا سنگی کتبہ لگ گیا۔ ۱۹۵۳ء میں جناب عبداللہ ہی نے انجمن اہل حدیث مدراس کی بنیاد ڈالی تھی اس کے پہلے صدر ہوئے اور بیس سال تک رہے۔ ان سے پہلے مدراس میں اہل حدیث کی کوئی تنظیم نہ تھی۔ پھر یہی جماعت انجمن اہل حدیث ٹمل ناڈو کے نام سے موسوم ہوئی اور اس کا الحاق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی سے ہوا۔ آپ نے چند رسالے لکھے جن میں محرم الحرام، ماہ مقدس، حقوق العباد، گل دستہ محمدی اور عید الاضحیٰ ہیں۔ جناب عبداللہ نے بتایا کہ حاجی شیخ عبدالعزیز نے مسجد اہل حدیث چار مینار مدراس کا زنانہ حصہ جمعیت ہی کی تحریک پر جیب خاص سے بنوایا تھا۔ جمعیت ہی نے ۱۹۵۴ء میں مذکورہ مسجد کے بالائی حصہ میں عربی مکتب قائم کیا تھا جو سلفیہ کے نام سے مشہور ہوا جس کے ایک معلم حبیب الرحمٰن اعظمی عمری تھے جو بعد میں ادارہ تحقیقات اسلامی جامعہ دارالسلام عمر آباد کے مدیر بنے۔ اسی جمعیت نے مسجد اہل حدیث یعقوبیہ کی بالائی منزل پر اسلامی کتب خانہ الہلال لائبریری کے نام سے قائم کیا تھا۔ حافظ عبداللہ بتاتے ہیں کہ حاجی عبدالسبحان ہڈی والے نے انہی کی تحریک پر مسجد اہل حدیث بیت العلوم اور مدرسہ بیت العلوم شولہ مدراس کی تعمیر کی تھی۔ اس سے پہلے وہ چار مینار مسجد کے متولی منتخب ہوئے تھے دم واپسیں تک اس عہدے کو نبھایا۔

مدراس کے قاضی حبیب اللہ نے ایک زمانے میں بڑے تلخ فتوے دیئے کہ اہلحدیث، اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں، ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ نجات پانے والہ گروہ اہل سنت و الجماعت ہے جو حنفی شافعی مالکی اور حنبلی سے عبارت ہے۔ جو مذاہب اربعہ سے خارج ہیں وہ بدعتی اور دوزخی ہیں، حق مذاہب اربعہ تک محدود ہے، چاروں مذاہب میں تراویح بیس رکعت ہے وغیرہ۔ جناب عبداللہ کرنولی نے قاضی صاحب کا خوب جواب دیا مختلف مضامین شائع کئے مثلاً اہل حدیث نیا فرقہ نہیں۔ چاروں مذاہب برحق کیسے؟ فرقہ بندی کے خلاف حضور ﷺ کا فرمان، بدعتی کی پہچان فضائل اہل حدیث، سواد اعظم، مسلک اہل حدیث، صحابہ بھی اہل حدیث تھے وغیرہ۔ خوشی کی بات یہ کہ قاضی صاحب نے بھی مولانا عبداللہ کا لوہا مان لیا۔ ایک مرتبہ شہر مدراس میں شیعہ نے نقلی کعبہ تیار کیا اور افتتاح انہی قاضی صاحب سے کرایا۔ یہ بڑا فتنہ تھا اس پر مولوی صاحب نے تحریک چلائی

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ نے وہ کعبہ توڑ دیا اور مساجد میں معافی نامہ لکھ کر آویزاں کیا۔

مولانا بڑے حق گو اور بیباک تھے۔ وسیع المطالعہ تھے ۔۱۹۴۳ء میں مدراس یونیورسٹی سے ادیب فاضل کا امتحان بھی پاس کیا تھا اور ایک برس گورنمنٹ محمدن ٹریننگ سکول ماؤنٹ روڈ مدراس میں دینیات کے معلم بھی رہے اس کے بعد وہیں اردو کے استاد ہو گئے پھر مدراس کارپوریشن سکول اور گورنمنٹ مدرسہ اعظم مدراس میں یہ خدمت انجام دیتے ہوئے ۳۲ برس بعد سبک دوش ہوئے ۔آپ کی وفات ۷ مارچ ۱۹۹۴ء رمضان ۱۴۱۴ھ میں ہوئی ۔

ان کے والد حافظ عبدالعظیم بڑے رئیس تھے۔ زمین دار اور ریلوے کے ٹھیکیدار تھے۔ ۔حافظ عبداللہ نے آبائی کام کرنے کی بجائے دین کا کام کرنے کو ترجیح دی ۔آپ کے ایک دوست نذیر حسین قصوری تھے جو اہل حدیث تھے اور بڑے تاجر نیز مدراس کی ایک سربرآوردہ ہستی تھے۔ مولوی صاحب کے ساتھ مل کر انہوں نے انجمن اہل حدیث کی بنیاد رکھی ۔

(نذرانہ اشک۔ ص ۳۳۱۔ ۳۴۹۔ملخصاً)

☆ مبارک پور

مبارکپور ضلع اعظم گڈھ میں مسلمانوں کی قدیم صنعتی دینی علمی بستی ہے جس کی بنیاد عہد ہمایوں میں مبارک شاہ مانک پوری نے رکھی ۔ یہاں کی خاص صنعت پارچہ بافی اور ریشمی کپڑے کی ہے۔ عام مسلمان قدیم زمانہ سے حنفی رہے، بعد میں دوسرے مسالک کو بھی فروغ ہوا، نوابان اودھ کے دور میں شیعیت کو فروغ ہوا۔ مسلک اہل حدیث کے اس علاقہ میں علم بردار شاہ ابو اسحاق لہراویؒ ہیں جن پر اپنے استاد شاہ فاخر زائر الہ آبادیؒ کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ پھر یہاں اس مسلک کو جناب عبداللہ جھاؤ الہ آبادیؒ کی وجہ سے خاص تقویت پہونچی جنہوں نے تیرھویں صدی کے اواخر میں املو کو اپنی تبلیغ وتعلیم کا مرکز بنایا تھا۔۱۳۱۳ھ میں جناب عبدالرحمٰن محدثؒ نے دار التعلیم کے نام سے ایک مدرسہ جاری کیا اور اس کے پہلے مدرس بھی وہی تھے۔ محلّہ پورہ صوفی جو در اصل پورہ صوفی بہادر تھا جناب عبدالرحمٰن محدث کا محلّہ ہے۔

شیخ حاجی بہادر اس خانوادہ کے پہلے معروف بزرگ ہیں۔ان کے فرزند عبدالرحیم تھے

جو مشہور عالم اور طبیب تھے۔ انہوں نے حفظ قرآن اور تجوید کی تعلیم قاضی امام دین جونپوری سے لی اور نحو وصرف و دیگر علوم چشمہ رحمت غازی پور میں جناب فیض اللہ مئوی تلمیذ جناب سخاوت علی جون پوری اور جناب حسام الدین مئوی سے کی۔ پھر قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے پڑھا۔ چونکہ آپ کے اکثر اساتذہ ترک تقلید پر زور دیتے تھے اس لئے ان پر اساتذہ کا رنگ غالب رہا اور آپ نے بھی یہی مسلک اختیار کر لیا۔ طبابت کے ساتھ گھر پر درس و تدریس بھی کرتے۔ قصبہ کے بہت سے حفاظ ان کے شاگرد تھے۔ تلامذہ میں جناب عبدالسلام صاحب سیرۃ البخاری اور حافظ شاہ نظام الدین سریانوی تھے۔ ۱۳۳۰ھ۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ ہی سے مبارک پور میں مسلک اہلحدیث کا رواج ہوا۔ (تذکرہ علماء مبارک پور۔ ص ۱۳۶۔۱۳۷)

بیان کیا جاتا ہے کہ مسلک اہلحدیث اختیار کرنے پر جناب عبدالرحیم کا بائیکاٹ کیا گیا، ایذائیں پہنچانے کی کوشش کی گئی، حتی کہ کنویں سے پانی لینے سے روکا گیا۔ ایسے وقت میں بعض پڑوسیوں نے (جو شیعہ تھے) آپ کا ساتھ دیا۔ چونکہ طبیب تھے اور درس و تدریس بلا معاوضہ کرتے تھے اس لئے آپ کے علم، پیشہ اور بے لوث خدمت نے اثر کیا۔ پہلے اپنے گھر میں تعلیم دیتے۔ طلبہ زیادہ ہوئے تو تدریس کو پڑوس کی مسجد میں (جس کے آپ امام بھی تھے) منتقل کر دیا اور وہیں زندگی بھر درس دیتے رہے۔ یہی مدرسہ بعد میں آپ کے بیٹے عبدالرحمٰنؒ مبارک پوری نے الگ عمارت میں منتقل کر کے دارالتعلیم کے نام سے موسوم کیا۔ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن ۱۲۸۳ھ میں محلّہ پورہ صوفی میں پیدا ہوئے۔ قرآن اور عربی کی ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ پھر جناب خدا بخش مہراج گنجی، جناب محمد سلیم پھر یہاوی (م ۱۳۳۴ھ)، جناب سلامت اللہ جیراجپوریؒ، جناب فیض اللہ مئویؒ سے متوسطات پڑھیں، پھر چشمہ رحمت غازی پور میں حافظ عبداللہ غازی پوریؒ اور جناب فاروقؒ چریا کوٹی سے تحصیل کی۔ ۵ سال یہاں گذارے۔ پھر سید نذیر حسین محدثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مشکوۃ، جلالین، بلوغ المرام، اوائل ہدایہ، بیضاوی، ترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی کے اواخر، ابن ماجہ کے اوائل، اور بخاری و مسلم پڑھی۔ قرآن کے چھ پاروں کا ترجمہ سنا اور سند حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ حسین بن محسنؒ سے صحاح، موطا، دارمی مسند شافعی، مسند احمد، طبرانی صغیر وغیرہ کی اجازت حاصل کی اور والد کی طرح قاضی محمد مچھلی شہریؒ سے حدیث مسلسل بالاولیہ کی سند لی۔ فراغت کے بعد اسی سال مدرسہ دارالتعلیم کی بنیاد رکھی۔ مبارک پور کے بعد پھر بلرام پور میں ایک مدرسہ قائم کیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم دی، پھر اللہ نگر ضلع گونڈہ کے مدرسہ میں پڑھایا، پھر

مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار میں گئے جو آپ ہی کے لئے قائم کیا گیا تھا، اور وہاں کچھ عرصہ پڑھایا۔ پھر حافظ عبداللہ غازی پوریؒ نے آپ کو مدرسہ احمدیہ آرہ میں طلب کرلیا۔ کچھ عرصہ وہاں پڑھایا پھر کلکتہ کے مدرسہ دارالقرآن والسنہ کی دعوت پر چلے گئے اور وہاں چندسال پڑھایا۔ اس کے بعد آپ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۳ھ تک مولانا شمس الحق ڈیانویؒ کے معاون کے طور پر عون المعبود میں ان کی مدد کی۔ پھر گھر آ گئے اور اسی کو مدرسہ اور دارالتالیف بنا کر تدریس و تالیف شروع کردی اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کا کام شروع کیا۔ علم حدیث میں تبحر حاصل تھا۔ روائت و درائت پر عبور تھا، طب و حکمت خاندانی ورثہ تھا، قوت حافظہ خداداد تھی۔ زندگی علم و فضل تقوی طہارت زہد و قناعت سے عبارت تھی۔ دارالحدیث مکہ کے لئے بھی نہیں گئے اور رحمانیہ دہلی کی صدر مدرسی کے لئے بھی نہیں گئے۔ تلامذہ میں جناب عبدالسلام مبارکپوری، شیخ عبداللہ نجدی قویعی، شیخ تقی الدین ہلالی، رقیہ بنت خلیل، عبیداللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاۃ، محمد محمود معروفی، شاہ محمد سریانوی، عبدالصمد حسین آبادی، نذیر احمد املوی، عبدالجبار کھنڈیلوی، اسحاق آروی، عبدالرحمٰن نگرنہسوی، ابو النعمان عبدالرحمٰن مئوی، نعمت اللہ بردوانی، عبدالرزاق صادق پوری، محمد جعفر ٹونکی، عبدالحکیم فتح پوری، محمد اصغر مبارکپوری، سید ممتاز علی بستوی شامل ہیں۔ تصانیف میں تحفۃ الاحوذی کو قبول عام حاصل ہوا اور آپ کا شمار محدثین میں ہونے لگا۔ اسی طرح ابکار المنن اور تحقیق الکلام آپ کے تبحر کے شاہکار ہیں۔ سید نذیر حسین محدثؒ کے فتاوی کو فتاوی نذیریہ کے نام سے مرتب کیا۔ نیز حافظ عبداللہ غازیپوریؒ کے فتاوی بھی مرتب کئے تھے۔ ۱۹۳۵ء۔ ۱۱ شوال ۱۳۵۳ھ کو وفات ہوئی۔

دیگر معروف رجال مبارک پور میں جناب عبدالسلام کے فرزند عالی مقام، صاحب تحفہ الاحوذی کے مایہ ناز شاگرد شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی ہیں جنہوں نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں مسند حدیث سجائی اور آئمہ مجتہدین کے طرز پر مشکوۃ المصابیح کی شرح مرعاۃ المفاتیح ۹ ضخیم جلدوں میں لکھی۔ نویں جلد کتاب المناسک پر ختم ہوتی ہے۔ اگر یہ شرح مکمل ہوتی تو ۱۵ جلد سے کم میں پوری نہ ہوتی۔ بلاشبہ یہ شرح فقہ اہل الحدیث کا بیش بہا خزانہ اور علوم حدیث کا گنجینہ ہے۔

میوات

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی بیسویں سالانہ کانفرنس دارالعلوم شکراوہ ضلع گوڑ گانواں میں ربیع الاول ۱۳۵۶ھ (۱۹۳۷ء) میں منعقد ہوئی۔ خطبہ استقبالیہ جناب عبدالجبار شیخ الحدیث دارالعلوم شکراوہ نے پڑھا تھا۔ خطبے میں انہوں نے فرمایا:

علاقہ میوات، میوقوم کا مرکزی علاقہ ہے اور یہ قوم ہندوستان کی قدیم و مشہور چھتری نسل کی ایک شاخ ہے جس کے اسلام میں داخل ہونے کا زمانہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس قوم کے ہزارہا دیہات اس علاقے میں آباد ہیں جن میں زیادہ تر ضلع گوڑ گانواں، ریاست الور، وبھرت پور کی حدود میں ہیں۔ یہ مسلمانوں کی ایسی یک جائی آبادی ہے جس کی نظیر دوسرے علاقوں میں کم ملتی ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس اتنی بڑی جمعیت کو داخل اسلام کرنے کے بعد کشتی اسلام کے ملاحوں نے ادھر بہت کم توجہ کی.. اس بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں نے کفر کو اسلام، اسلام کو کفر، توحید کو شرک اور شرک کو توحید، بدعت کو سنت اور سنت کو بدعت تصور کر لیا...

تحریک اہل حدیث کے سلسلے میں شاہ اسماعیلؒ کی ذات گرامی کا بہت زیادہ دخل ہے... یہ محض تائیدایز دی اور جلوہ صداقت ہے کہ باوجود صدہاقسم کی رکاوٹوں کے آپ کے مشن کو خاطر خواہ ترقی ہوئی.. آج کی مساعی سے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس علاقے میں جابجا مسجدیں نظر آنے لگیں۔ توحید وسنت کی تخم ریزی کی گئی۔..

میوات میں مولانا شہید کے خاص خلفاء توحید کی آواز لے کر آئے اور بہت سے مئو مسلمان، مولانا اسماعیلؒ کے ساتھ جنگ میں بھی شہید ہوئے۔ پس یہاں مولانا شہید ہی کے زمانہ سے تحریک اہل حدیث کا چرچا ہے... (نیز) مولانا محبوب علی دہلوی نے جو کوششیں کی ہیں وہ (بھی) اس قابل ہیں کہ ان کو بار بار دہرایا جائے۔ آپ دہلی سے چل کر اس علاقے میں تشریف لاتے اور دھوپ و گرمی کی شدت برداشت کرتے اور شام کو گاؤں کی چوپال پر یہ اعلان کرا دیتے کہ آج دہلی کا مراثی آیا ہے وہ بات کہے گا۔ اس علاقے کے میو مسلمان، مراثیوں کی بات کے بڑے شائق رہتے چلے آئے

ہیں ..مولانا کے اس اعلان کو سن کر لوگ جوق در جوق چوپال پر جمع ہو جاتے اور مولانا ایسا مؤثر بیان فرماتے کہ اسی مجلس میں بہت سے جاہل تائب ہو کر نماز روزہ کے پابند ہو جاتے...

(عمومی طور پر ہند میں) مولانا اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ کے بعد شیخ الکل شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید الطائفہ مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی قدس اللہ روحہ کا عہد مبارک اشاعت حدیث کا ایک قابل ذکر زمانہ گذرا ہے جس پر تفصیلی تبصرہ کرنے کیلئے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ آپ کی کوششوں سے ہندوستان کے کونے کونے میں حدیث کی تعلیم پھیل گئی۔ تقلید و جمود کی تاریکیوں کے بادل پھٹ گئے۔ کتاب وسنت کا اطراف عالم میں ڈنکا بج گیا۔ اللہ تعالی آپ کی قبر منور کرے..حضرت شیخ الکل محدث دہلویؒ کے عہد میں بھی اس علاقے میں لوگ تبلیغ کیلئے آتے جاتے رہے جنکی کوششوں سے ایک خاص سوسائٹی کام کرنے والی اس علاقے میں پیدا ہوئی۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲ جولائی ۱۹۳۷ء ص ۹۔۱۱۔ ملخصاً)

میوات میں سلفیت کی تبلیغ کے لئے پہلے پہل شاہ رمضان نے بہت کام کیا ہے۔ گو انہیں مسلکی نقطہ نظر سے ہم حنفیت کی طرف مائل دیکھتے ہیں مگر ان کی اصلاحی خدمات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پیش نظر کتاب وسنت کی ترویج تھی، حنفیت کی نہیں۔ آپ مہم ضلع روہتک کے رہنے والے تھے۔ مسلم لباس کا رواج ڈالنا آپ کے اصلاحی کارناموں میں سے ہے۔ بے شمار افراد نے آپ کی تبلیغ سے ہدایت پائی۔

شاہ رمضان کے بعد بدعات وخرافات کا رنگ دوبارہ چڑھ گیا۔ بڑے بڑے پیروں اور مرشدوں نے میوات کا رخ کیا اور یہاں کے لوگ ان کے دام میں پھنستے رہے۔ پھر جماعت مجاہدین کے سید حیدر علی رامپوری نے میوات میں تبلیغی دورے کئے۔ مسلک اہلحدیث کے فروغ کے لئے سرحد سے واپس آنے والے اہلحدیث مجاہدین نے کافی خدمت کی۔ جناب ابوالحسن بھونری والے، حاجی عبداللہ کانکرکھیڑہ والے اور حافظ حسن لاڈمکا والے اس سلسلے میں نمایاں ہیں۔

حاجی عبداللہ موضع کانکرکھیڑہ تحصیل تجارہ ضلع الور کے باشندے تھے۔ دہلی پہنچ کر سید احمد بریلوی کے مرید ہو گئے اور شاہ اسماعیل کے قافلے کے ساتھ سرحد پہنچ گئے اور متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔ بالاکوٹ کے واقعہ کے بعد جن بزرگوں نے ہند واپس آ کر تحریک کے لئے کام کیا ان

میں حاجی عبداللہ بھی تھے اور ان کے ساتھی میاں جی کریم اللہ گوہانوی تھے۔حاجی عبداللہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر شاہ اسماعیل شہید کے فیض صحبت سے تبلیغ اور اشاعت دین کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔اس وقت میوات کا پورا علاقہ کفر وشرک و بدعات کی مکروہات سے پر تھا۔کھیڑہ ڈیوٹ دیوی دیوتاؤں کو مانتے تھے۔دینی تعلیم کا کوئی رواج نہ تھا۔ہزاروں میں سے صرف چند مواضعات میں مساجد تھیں۔خواجہ معین الدین چشتی اور شاہ مدار اور سید سالار صاحب کے مجاور میوات آتے اور اپنا نذرانہ لے جایا کرتے۔ حاجی عبداللہ اپنے طریقے سے ایک تبلیغی وفد مرتب کرکے میوات کے دورے کرتے رہتے تھے۔مشرقی میوات کے حصے میں اکثر ان کے دورے رہتے تھے۔ان کے فیض صحبت سے میوات میں حلقہ اہل حدیث قائم ہوا۔گوہانہ،شکراوہ، جلال پور، لاڈمکا وغیرہ میں انہوں نے اپنی رشتہ داریاں کرلی تھیں۔پھر یہ رشتہ داری کے تعلقات ایسے راس آئے کہ بہت سے مقامات پر اہل حدیث پیدا ہوگئے۔چنانچہ جھانڈہ ،شکراوہ، رہپور، جلال پور وغیرہ میں اہل حدیث کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ اس وقت کے معروف عالم عبداللہ ساکرسوی کو سلفیت کی دعوت آپ ہی نے دی تھی، جسے نہ صرف انہوں نے بلکہ گاؤں کے لوگوں نے بھی قبول کیا ؛ اور آخر کار اس کے نتیجہ میں جناب محمود حسن دیوبندی (جو بعد میں شیخ الہند کہلائے) کو میوات میں مناظرہ کے لئے آنا پڑا۔ یہ مناظرہ فیروز پور جھرکہ میں ہونا طے پایا تھا جس میں بعض لوگوں کے خیال کے مطابق میاں نذیر حسین محدث کی طرف سے مولوی تلطف حسین بہاری آئے تھے ۔ اہلحدیث کی طرف سے اصل مناظر جناب ابوالحسن بھونری والے تھے اور میاں صاحب کے نائب کے طور پر شریک مناظرہ تھے۔لیکن احناف نے اس عذر پر مناظرہ ٹال دیا کہ مناظرہ کیلئے دہلی سے نذیر حسین خود کیوں نہیں آئے۔

میاں جی کریم اللہ خان، بقول حکیم عبدالشکور، موضع گوہانہ تحصیل نوح ضلع گوڑگانوہ کے باشندے تھے۔اللہ تعالی نے آپ کو دین وایمان کی دولت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس کی بنا پر اپنا تعلق دینداروں سے قائم کیا اور یہی تعلق آپ کو سید احمد بریلوی تک کھینچ کرلے گیا اور ان سے بیعت ہوئے ۔شاہ اسماعیل کے قافلے کے ساتھ سرحد پہنچے اور متعدد جنگوں میں شریک ہوئے۔شاہ صاحب کے اثر سے مسلک اہل حدیث اختیار کیا اور آخر تک اس پر گامزن رہے۔

جنگ بالاکوٹ کے بعد میاں جی ہندوستان واپس آ گئے اور کافی عرصہ ٹونک میں مقیم رہے جہاں پر شہیدین اور دیگر مجاہدین کے حالات مرتب کرانے میں کافی مواد فراہم کیا۔پھر ٹونک سے آپ نے میوات کا قصد کیا اور اپنے قدیمی گاؤں گوہانہ میں سکونت اختیار کی جہاں آپ نے

کتاب و سنت کی نشر و اشاعت کو اپنا مقصد اعلیٰ قرار دیا۔ میاں جی نے ۱۹۱۵ء میں وفات پائی ، وفات کے وقت ان کی عمر سو سال سے زائد تھی ۔ آپ کی ذات سے مسلک اہل حدیث کو کافی فروغ ہوا۔ موضع جھانڈہ میں بھی عمل بالحدیث کا رواج آپ ہی کے ذریعہ ہوا۔

جناب ابوالحسن بھونری والے اپنی عمر کے آخری دور میں سلفیت کی تبلیغ میں مصروف رہے ۔اس کے علاوہ عبداللہ مرحوم جو نیمکا نامی گاؤں میں رہتے تھے میاں صاحب سے شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد اپنے گاؤں میں سلفیت کی تبلیغ کرتے رہے ۔احناف کی طرف سے مزاحمت ہوتی رہی ،مگر آپ نے اپنا کام جاری رکھا اور میاں صاحب سے موقع بہ موقع استفادہ بھی کرتے رہے ۔آخر گاؤں میں خاصی تعداد میں لوگ اہلحدیث ہوکر خرافات و بدعات سے کنارہ کش ہو گئے

جناب عبدالحکیم جیوری ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے ۔آپ نے میاں صاحب دہلوی سے بالکل آخری وقت میں ملاقات کی اور استفادہ کیا ۔آپ کی موجودگی ہی میں میاں صاحب کا انتقال ہوا ۔آپ نے علیگڑھ کی موتی مسجد میں ایک عرصہ تک امامت کی ۔ میوات میں اکثر جاتے اور دریاں فروخت کرتے تھے ، ساتھ تبلیغ بھی کرتے ۔ان کی تبلیغ دوسروں کی تبلیغ سے زیادہ مئوثر اور دیر پا ہوتی ، کیونکہ آپ کچھ ہی دنوں بعد دوبارہ آتے اور لوگوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے ۔آپ نے میوات کے جھانڈا نامی گاؤں میں کچھ روز ٹھہر کر بچوں کو تعلیم بھی دی لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں نہ چلا کچھ عرصہ گلالتہ میں بھی پڑھایا ۔آپ کی وعظ بڑی مئوثر ہوتی ، چنانچہ بہت سے میواتیوں کو آپ کی تبلیغ سے ہدائت ہوئی ۔۱۹۷۲ء میں انتقال ہوا اور میاں صاحب کے شاگردوں کا آپ پر خاتمہ ہو گیا

جناب عبداللہ سیکری ۔ راجستھان کے سیکری نامی گاؤں میں تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم نامعلوم کہاں پائی ۔آخری دور میں میاں نذیر حسین محدثؒ کے ہاں حاضر ہوئے اور علم حدیث حاصل کیا ۔اور پھر میاں صاحب اور مسلک اہل حدیث کا دفاع کرتے رہے ۔اس سلسلے میں آپ کی کتاب صیانۃ المؤمنین عن تلبیس المبتدعین معروف ہے ۔آپ نے علاقہ میوات میں تبلیغ و اشاعت کا کافی کام کیا ۔۱۳۲۵ھ میں فوت ہوئے ۔

جناب نتھو خان حاجی ، جلال پور تحصیل فیروز پور جھرکہ کے رہنے والے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے بھی میاں نذیر حسین محدثؒ کی صحبت سے فیض اٹھایا ۔ اگر چہ زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے مگر میاں صاحب دہلوی کی صحبت سے متاثر ہوکر اپنے گاؤں میں سلفیت کی دعوت دی اور صرف کتاب وسنت پر عمل کی ترغیب دی ۔ بہت سے لوگ مخالف ہوئے اور جسمانی اذیتیں بھی دیں

مگر آپ کے اخلاص نے اپنا رنگ دکھایا اور کافی لوگ اہل حدیث ہو گئے۔

جناب عبداللہ ساکرس میں پیدا ہوئے۔گاؤں کا ماحول بدعت و جہالت کا تھا، اس لئے آپ کا نام سائے خان رکھا گیا جسے بعد میں جناب احمد علی سہارنپوری نے بدل کر عبداللہ کر دیا تھا۔ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی ۔ پھر دہلی گئے وہاں چھتے والی مسجد میں قیام کیا کچھ عرصہ بعد سہارنپور گئے اور جناب احمد علی سے پڑھا اور درس نظامی کی تکمیل کی ۔ بقول حکیم عبدالشکور آپ نے کچھ کتابیں جناب قاسم نانوتوی سے بھی پڑھی ہیں (تاریخ میوچھتری ص ۳۸۸)۔غالباً ان دونوں علماء کی خدمت میں چار سال رہے، پھر وطن آئے ۔ حاجی عبداللہ کانکرکھیڑہ والے سے بیعت ہوئے تو عہد کیا کہ تقلید جامد سے دور رہیں گے اور یوں آپ کتاب وسنت پر عامل ہو گئے ۔ساکرس میں، جو اہل حدیث کی اہم آبادی ہے، تقسیم ہند سے پہلے وقفے وقفے سے اجتماعات ہوتے رہے۔

ایک مرتبہ موضع اوڑکی میں حضور حنفی اور اہلحدیث میں مناظرہ ہوا۔حکیم عبدالشکور شکراوی اور جناب محمد داؤد راز وغیرہ کتابیں لے کر آئے ۔حافظ حمید اللہ اہلحدیث کانفرنس دہلی نے جناب عبدالرحیم فیروز پوری پنجابی کو بھی بھیج دیا۔مگر حضور حنفی مناظرہ کے روز سامنے نہ آئے اور مناظرہ نہ ہوا۔البتہ عوام پر خاصا اثر ہوا۔

اومرا نامی گاؤں میں احناف اور اہلحدیث کے درمیان مناظرہ ہوا جس میں احناف کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل جناب عبداللہ نومسلم تھے اور اہلحدیث کی طرف سے جناب عبدالشکور شکراوی تھے ۔تقریری مناظرہ ہوا ،لیکن فتح وشکست کی صفائی نہیں ہوئی اور عوام کے شور وغل میں مجلس برخواست ہوگئی۔

میوات کے گاؤں اٹاور میں ایک مرتبہ اہل حدیث اور احناف کا مناظرہ ہوا ، اہلحدیث کی طرف سے جناب عبدالغفار پینگری والے (ف ۱۹۴۷ء) تھے اس مناظرے کے بعد کئی لوگ اہلحدیث ہوئے ۔

موضع بھوجاکی میں مسئلہ آمین بالجہر پر جناب محمد حسن فیروز پوری حنفی اور حافظ حسن خان لاڈمکاوی اہلحدیث کے درمیان مناظرہ ہوا۔اس میں حافظ محمد حسنؒ نے اپنا مسلک احادیث صحیحہ سے ثابت کیا اور حنفی مناظر کو خاموش ہو جانا پڑا۔

میوات میں اہل حدیث کا پہلا اہم اجتماع نیمکا میں ۱۳۴۰ھ کے گرو پیش ہوا تھا جس میں جناب احمد اللہ پرتاپ گڈھیؒ اور جناب شرف الدین دہلویؒ آئے تھے ۔اس اجتماع میں بہت

سے حنفی سامعین میں شامل تھے اوران میں سے بہت سے حنفی، اہل حدیث ہو گئے تھے۔

۱۳۵۱ھ (۱۹۳۰ء) میں دار العلوم شکراوہ کی بنیاد رکھی گئی ۔ حافظ حمید اللہ دہلوی نے مدرسہ کی تعمیر وغیرہ کے مصارف برداشت کئے ۔ مدرسہ کے قیام سے پہلے جو اجلاس ہوا تھا اس میں جناب ثناء اللہ امرتسری بھی شریک تھے ، میواتی علماء میں سے حکیم عبدالشکور اور جناب عبدالجبار اس کے اصل محرک تھے ۔یہاں کے فارغین کی تعداد سینکڑوں میں ہے ۔ جناب محمد داؤد راز بھی یہاں کے فارغ ہیں جنھوں نے بخاری کا ترجمہ مع تشریح کر کے خراج تحسین حاصل کیا ، دو جلدوں میں فتاوی ثنائیہ مرتب کیا، ثنائی ترجمہ والا قرآن مع حواشی ، حیات ثنائی ، شائع کئے ۔

اس کے علاوہ مدرسہ دار الحدیث محمدیہ ساکرس ضلع گوڑ گانواں ؛ مدرسہ محمدیہ موضع رنیالہ خورد عرف جھانڈو ضلع فرید آباد (جسے جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی شاخ کے طور پر ۱۹۹۳ء میں قائم کیا گیا)؛ دار الحدیث محمدیہ جلال پور ضلع گوڑ گانواں (۱۹۶۳ء میں قائم ہوا)؛ مدرسہ ضیاء القرآن والسنۃ موضع رہپوہ ضلع گوڑ گانواں ؛ مدرسہ دار السلام گلالتہ ؛ مدرسہ دار السلام گوہانہ؛ جامعہ فاطمۃ الزہرا (ساکرس سے بارہ میل دور قائم ہے)؛ مدرسہ تعلیم البنات رہپوہ ، کام کر رہے ہیں ۔

ہریانہ کے اضلاع فرید آباد اور گوڑ گاؤں اور راجستھان کے اضلاع الور اور بھرت پور میں تقریباً ۵۵ گاؤں میں اہل حدیث آباد ہیں ۔

مئو ناتھ بھنجن

مئو ناتھ بھنجن کی تاریخ کا آغاز بابا ملک طاہر سے کیا جاتا ہے اور شاہان جونپور اور پھر مغل دور میں اس کے خد و خال اس وقت سامنے آتے ہیں جب ایک مغل بادشاہ نے اپنی حکومت کے پوربی حصے کو شیراز کا نام دیا ۔ بتایا جاتا ہے کہ قصبہ مئو، جہاں آراء بنت شاہجہان کی جاگیر میں تھا اور اس کا نام جہان آباد رکھا گیا تھا ..جناب عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ نے اپنی کتاب تاریخ المنوال ص ۵۳ میں مئو ناتھ بھنجن کی قدامت کو تحریر فرماتے ہوئے یہاں کے دینی مدارس اور علماء وفضلاء کی کثرت کا ذکر کیا ہے۔آج مئو ناتھ بھنجن اپنے علماء فضلاء ادباء اور مدارس کی کثرت اور کپڑے کی صنعت کی وجہ سے ہند و بیرون ہند ممتاز ہے ۔ یہاں جامعہ عالیہ عربیہ، جامعہ اسلامیہ فیض عام،

جامعہ اثریہ دارالحدیث، جامعہ محمدیہ، اور مدرسہ دارالتعلیم مئو، تشنگان علوم دینیہ کی پیاس بجھا رہے ہیں

مئو پہلے ایک قصبہ تھا۔ ۱۹۸۹ء میں اسے ضلع بنا دیا گیا۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس سرزمین میں عمل بالکتاب والسنہ کی شمعیں جناب فیض اللہ سے روشن ہوئیں جو جناب سخاوت علی جون پوری کے ارشد تلامذہ میں تھے، جنہیں اپنی خاندانی روایات علم وعمل کے ساتھ ہی سید احمد بریلویؒ کے خلیفہ ہونے کا فخر بھی حاصل تھا اور انہی کا فیضان جناب فیض اللہ کے ذریعہ مئو تک پہنچا۔ سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں سلسلہ ولی اللہی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ضلع اعظم گڑھ میں اس سلسلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں جناب فیض اللہ مئوی شاگرد جناب سخاوت علی جون پوری، اور (میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں) جناب حافظ عبداللہ غازیپوری اور جناب سلامت اللہ جیراجپوری کا زیادہ اثر ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب فیض اللہؒ سے پہلے مئو میں کسی نمایاں دینی وعلمی سرگرمی کا ذکر نہیں ملتا۔ اور پھر آپ کے تلامذہ میں ملا حسام الدینؒ کے زمانہ میں یہ رنگ کھلتا گیا اور ان کے ذریعہ یہ چشمہ فیض بڑھتا ہی گیا۔

محمد فیض اللہ مئو کے محلّہ ڈومن پورہ میں ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء پیدا ہوئے۔ آپ کے والد یار محمد ایک حاذق طبیب تھے۔ تعلیم کی ابتداء والد سے کی، اس کے بعد جون پور میں جناب سخاوت علی سے پڑھا۔ تکمیل کے بعد مئو آئے جو اس وقت شرک کی سرزمین بنی ہوئی تھی۔ گھر گھر غازی میاں کا جھنڈا اور حسین کا تعزیہ رکھا جاتا۔ آپ نے وعظ کہنا شروع کیا۔ شرک و بدعت کا استیصال ہونے لگا، اتنے میں جناب گل محمد حنفی جامع مسجد میں کہیں سے آ نکلے اور رفع الیدین کے خلاف وعظ کہا۔ جناب فیض اللہؒ نے ان سے گفتگو کی تو پوری کامیابی ہوئی۔ مگر عوام چونکہ ابھی حدیث السن تھے پھر بدک گئے، نوبت باہمی تکرار تک پہنچی اور آخر کار اہل حدیث کو مسجد ہی سے نکال دیا گیا اور جمعہ الگ ہونے لگا۔ یہ ۱۳۰۰ھ کا زمانہ ہے۔ جناب فیض اللہؒ اس کے بعد اعظم گڑھ کے مدرسہ میں آ گئے، اور درس وتدریس کی۔ نیز آپ علی گنج سیواں اور دانا پور پٹنہ، میں بھی مدرس رہے۔ دانا پور میں ۱۳ اگست ۱۸۹۸ء۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ میں وفات پائی۔

جناب فیض اللہ بہت نیک طبع صلح پسند متواضع ملنسار تھے۔ آپ کا ایک کارنامہ مئو محلّہ ڈومن پورہ میں مدرسہ اسلامیہ (جو بعد میں مدرسہ عالیہ عربیہ اور پھر جامعہ عالیہ کے نام سے موسوم ہوا) کی تاسیس ہے۔ اس سے پہلے مئو میں کوئی باقاعدہ دینی درس گاہ نہیں تھی۔ آپ نے محلّہ کے دوسرے

بزرگوں حاجی عبدالرحمٰن وغیرھم کے مشورہ وتعاون سے ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں مدرسہ اسلامیہ نام کی درس گاہ کی تاسیس کرائی جس میں آپ ہی کے تلمیذ ملا حسام الدین تعلیم و تدریس کیلئے مدعو کئے گئے جن کی صلاحیت اور کوششوں سے یہ مدرسہ مئو اور مضافات کے طالبان علوم دینیہ کا گہوارہ بن گیا۔ آپ کی تدریسی مدت غالباً ۵۰ سال ہے۔ آپ کے شاگردوں میں جناب شبلی نعمانی، جناب عبدالغفور داناپوری، ملاّ حسام الدین، جناب عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری، جناب محمد شفیع بانی مدرسہ اصلاح سرائے میر، حکیم ابوالمکارم، جناب محمد احمد بن ملا حسام الدین، جناب خلیل الرحمٰن بن حافظ عبداللہ مئوی (ف ۱۳۱۴ھ)، جناب سعداللہ واعظ (ف ۱۳۲۱ھ)، جناب عبداللہ واعظ (ف ۱۳۲۱ھ)، جناب ابوالفیاض عبدالقادر مئوی (ف ۱۳۳۱ھ)، جناب خدابخش مہراج گنجی، جناب عبدالغفار عراقی، جناب محمد علی ابوالمکارم (ف ۱۳۵۲ھ)، جناب محمد شفیع (ف ۱۳۶۹ھ) شامل ہیں۔
آپ کی وفات داناپور میں ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ۔ ۱۳ اگست ۱۸۹۸ء کو ہوئی وہیں دفن ہوئے۔

(ماہنامہ آثار جدید، مئو، جنوری ۲۰۰۴ء۔ تراجم علماء حدیث ہند)

ملا حسام الدین ولد جمال الدین عرف جمن (تاریخ ولادت نامعلوم) مئوناتھ بھنجن کے پورب نسو پور کے زمین دار خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور جو لوگ اس میں سے مسلمان ہو کر قصبہ مئو چلے آئے تھے آپ بھی ان میں سے تھے۔ اولاً آپ اورنگ آباد عیدگاہ کے پچھّم دریائے ٹونس کے کنارے مکان بنوا کر رہتے تھے پھر جب سیلاب آیا تو محلّہ قاضی داموں پوری میں مکان بنا لیا (جناب عبداللہ فیضی اور جناب بشیر اللہ فیضی اعظمی آپ کے پوتے ہیں اور مفتی حبیب الرحمٰن فیضی اور مفتی فیض الرحمٰن، جناب احمد سابق صدر مدرس فیض عام کے پوتے اور ملا حسام الدین کے پڑپوتے ہیں)۔

ملا حسام الدین نے علوم وفنون کا اکثر حصہ مولوی فیض اللہ مئوی سے حاصل کیا اور کچھ جناب مولوی علی عباس چریاکوٹی سے۔ فراغت کے بعد اعظم گڈھ میں پڑھانا شروع کیا۔ غالباً ۱۲۹۱ھ میں محلّہ جمال پورہ مئو میں جناب فیض اللہ کی ترغیب پر حاجی عبدالرحمٰن (جو اپنے بھائی نور محمد کے اشتراک سے ساڑیوں کی تجارت کرتے تھے، خود مرادآباد اور رام پور ریاستوں کا سفر کرتے تھے اور ان کے برادر حاجی نور محمد کلکتہ کا تجارتی سفر کرتے تھے۔ جناب فیض اللہ سے عقیدت کا اثر تھا کہ ان بھائیوں نے ان کی ترغیب پر مدرسہ اسلامیہ موجودہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو کی تاسیس اپنے مصارف سے کی اور حاجی عبدالرحمٰن نے عیدگاہ اہل حدیث جمال پورہ اور مسجد اہل حدیث ڈومن پورہ اور جامع اہل حدیث سبزی مارکیٹ مرادآباد کی تعمیر اپنے صرف خاص سے کی

) اور ان کے برادران کے تعاون سے جب اولین مدرسہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا جو اس وقت عالیہ عربیہ کے نام سے مشہور ہے تو اس میں تدریسی خدمات کے لئے جناب فیض اللہ مئوی نے ملا حسام الدین کو مدعو کیا۔ کچھ دنوں بعد ملا صاحب کی مساعی سے یہ مدرسہ مرجع خلائق بن گیا۔

ملا حسام الدینؒ تدریس کے بعد عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے صبر و قناعت کا نمونہ تھے۔ چار روپے ماہانہ مشاہرہ پر گذر اوقات کرتے تھے۔ ۱۸۹۳ء۔ ۱۳۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

آپ کے تلامذہ میں سعد اللہ واعظ مئوی، ابو المکارم محمد علی، سلیم اللہ اورنگ آباد مئوی، عبدالرحمٰن مبارکپوری شارح ترمذی، عبدالسلام مبارکپوری، عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، احمد مئوی، خلیل الرحمٰن، ابو المعالی محمد علی فیضی، ابو النعمان عبدالرحمٰن آزاد، ابو الفیاض عبدالقادر مئوی، شاہ محمد خیر آبادی، محمد حسن، عبداللہ پیارے پوری مئوی، عبداللہ کھیری باغ مئوی، عصمت اللہ بختیاور، عبدالقادر عراقی اورنگ آباد مئوی، محمد بختیاور گنج، عبدالمجید امام شاہی کٹرہ مئو، عبدالوارث پٹھان ٹولہ، عبداللطیف سارہو، عبدالغنی بن حسام الدین، عبدالشکور، ابو الفیاض نور محمد کوٹھا مئو وغیرہ شامل ہیں

محمد علی بن شمس العلماء فیض اللہ مئوی کی کنیت ابو المکارم۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی پھر ملا حسام الدین مئوی، حافظ عبداللہ غازی پوری اور سید نذیر حسین محدث سے پڑھا۔ ۱۳۰۰ھ میں حصول طب کے لئے لکھنو گئے اور حکیم عبدالعزیز بن اسماعیل اور ان کے بھائی حکیم عبدالحفیظ سے استفادہ کیا۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد مئو آئے۔ طب کو ذریعہ معاش بنایا۔ عمل بالکتاب والسنہ اور تردید بدعت پر بہت سے رسالے لکھے۔ انہی کاموں کی وجہ سے نواب صدیق حسنؒ نے ۳۰ روپئے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ ابو المکارم خود لکھتے ہیں:

> سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے راجہ عبدالرحمٰن کو ایک خط لکھا کہ سنا گیا ہے کہ آپ حکیم محمد علی کو منصب طبابت پر رکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں جن سے میں بہت خوش ہوں۔ کیونکہ حکیم صاحب حکمت وطبابت اور علم حدیث وفقہ اور تفسیر میں بہترین مہارت رکھتے ہیں اسلئے طبابت کا عہدہ انہیں کو دیں کیونکہ ان جیسی صفات کا کوئی دوسرا شخص آپ کو نہیں ملے گا۔ انہیں نوکر رکھ کر پوری خاطر داری کریں کیونکہ وہ ذی استعداد دین و دنیا کے کارگذار ہیں۔
>
> لیکن اس نوکری کی نوبت نہیں آئی اور اس کے تھوڑے دنوں بعد ریاست بھوپال سے وظیفہ خوار ہو گیا، الرض الازھر فی منافع الدھن الاحمر ص ۶۔

اس وظیفہ کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

میں نے ذی الحج ۱۳۰۵ھ میں ایک رسالہ ایک مولوی صاحب الہ آبادی کی تحریر کے جواب میں لکھا اس کی اشاعت کے بعد ایک جلد نواب صدیق حسن خان کی خدمت میں بھیجی۔ اور آپ نے غرہ صفر میں تیس روپئے ماہوار مقرر کر کے خاکسار کی دل جوئی اور عزت افزائی کی۔

ابوالمکارم بڑے سخی تھے آپ نے مال و زر کے ساتھ مسلمانوں کو فیض پہنچایا۔ اہل حدیث مساجد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ ذہین، حاضر جواب اور حق گو تھے۔ استقلال میں نمونہ سلف تھے۔ متعدد تصانیف اور فتاوی آپ کی یادگار ہیں۔ تاریخ وفات ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء ہے مئو میں مدفون ہیں۔

جناب عبداللہ شائق نے ۱۱، ۱۲، ۱۳ فروری ۱۹۲۷ء کی آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس منعقدہ مئوناتھ بھنجن کے خطبہ استقبالیہ میں تحریر کیا ہے کہ

باون ترپین سال کا عرصہ ہوا کہ مولوی محمد علی ابوالمکارم جب کہ آپ ملا حسام الدین سے علوم دینیہ کی تحصیل کر رہے تھے احیائے سنت نبویہ کی طرف مائل ہوئے۔ استاد (ملا صاحب) کو تو یہ منظور ہی تھا مگر اپنی تنہائی نیز زمانہ کی روش سے مجبور تھے۔ ہونہار شاگرد کی تائید ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بنی اور عمل بالحدیث دونوں نے قولاً و فعلاً شروع کیا۔ کچھ دنوں تدریجی ترقی ہوتی رہی اور احناف و اہل حدیث دونوں حضرات برابر جامع مسجد شاہی کٹرہ مئو میں نماز جمعہ پڑھتے رہے لیکن یہ چندروزہ ظاہری عدم تعرض اپنے اندر ایک گہری سازش مضمر رکھے ہوئے تھا۔ آخر یہ سازش اثر دکھائے بغیر نہ رہی اور جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے مولوی عبداللہ (کھیری باغ) پر ہمارے برادران احناف بر بنائے آمین بالجہر برس پڑے اور خدا کے گھر میں اس کو زدوکوب کیا۔ اب چند اہل حدیثوں کو سوائے اپنے گھروں میں جمعہ پڑھنے کی کوئی جگہ نہ رہی۔ پنج وقتہ نماز کی مسجدیں بھی انہیں کے قبضہ میں تھیں۔ چنانچہ گھروں میں نماز جمعہ اور پڑھیوں پر خطبہ ہونے لگا۔ یہ وقت جماعت اہلحدیث کیلئے سخت ابتلاء کا زمانہ تھا اور یہ پہلا دور تھا جس میں جامع مسجد شاہی کٹرہ اور عیدگاہ سے جو مسلمانوں کی جائداد سے اہلحدث کو بذریعہ حرب وضرب بے دخل کیا گیا۔ سارا قصبہ ایک طرف اور یہ چند اہل حدیث ایک طرف۔ تا بہ کے بشاشت ایمان لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہونے لگی اور یہ جماعت روز بروز ترقی پذیر ہوتی گئی اور آج الحمدللہ پورے شہر میں مدارس و مساجد اہل حدیث و افراد اہل حدیث کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۵ فروری ۱۹۲۷)۔

محمد احمد بن ملا حسام الدین معروف بہ بڑے مولوی صاحب، ملا حسام الدین کے بیٹے تھے۔ولادت تقریباً ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔اس وقت آپ کے والد عظمت گڈھ ضلع اعظم گڈھ میں پڑھاتے تھے۔ابتدائی کتب صرف ونحو تا بہ شرح جامی اور فارسی اپنے والد سے پڑھ کر عربی میں صرف ونحو سے لیکر شرح جامی تک کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ جمال پورہ (جواب جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے نام سے مشہور ہے) میں حاصل کرنے کے بعد ۱۳۱۳ھ میں کان پور کی قدیمی درس گاہ جامع العلوم کا رخ کیا وہاں تین سال جناب اشرف علی تھانوی، جناب محمد اسحاق بردوانی، اور جناب محمد حسن سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ کافیہ شرح تہذیب وغیرہ کا درس بھی دیا۔۱۳۱۶ھ میں مدرسہ احمدیہ آرہ چلے گئے وہاں حافظ عبداللہ غازی پوری سے مسلم، بخاری، ترمذی، حمد اللہ رسالہ میر زاہد حماسہ، سبعہ معلقہ وغیرہ پڑھیں۔۱۳۱۷ھ میں دہلی میں میاں صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور ابوداؤ، بخاری، مسلم سبقاً سبقاً پڑھیں اور باقی صحاح کے اطراف سنا کر سند واجازہ حاصل کیا۔ترجمہ قرآن اور جلالین بھی میاں صاحب سے پڑھی۔ایک سال کے بعد دارالعلوم دیو بند گئے وہاں شرح چغمینی میر زاہد وغیرہ پڑھیں۔بعض کتب جناب محمود حسن سے پڑھیں۔پھر گنگوہ جا کر جناب رشید احمد کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔۱۳۱۹ھ میں واپس مئو آئے اور حافظ عبداللہ غازی پوری کے کہنے پر مدرسہ محمدیہ محلّہ کلیانی مظفر پور بہار میں دو سال مدرس رہے۔پھر وطن آگئے اور فیض عام میں پڑھانے لگے۔ ۱۳۴۱ھ میں دارالحدیث رحمانیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور غالباً دو سال بعد ۱۳۴۳ھ میں جب رنگیلا رسول نامی کتاب نے ملک میں آگ لگائی تو دہلی میں شدید فتنہ کے ڈر سے آپ مئو آگئے۔ پھر فیض عام والوں نے آپ کو دہلی نہ جانے دیا اور آپ یہیں صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے اور تادم زیست خدمت کی۔آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے جن میں ابوالقاسم قدسی، محمد احمد ، عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، عبداللہ شائق ،عبدالرحمٰن نحوی، نذیر احمد املوی،عبداللہ مئوی، بشیراللہ مئوی، حبیب الرحمٰن، فیض الرحمٰن، عبدالعزیز عمری، عبدالصمد حسین آبادی،یسین گونڈوی، عبدالعلی، حکیم سلیمان رحمانی،حکیم عصمت اللہ رحمانی، محمد شفیع پٹھان،عبدالتواب غزنوی، حافظ عبداللہ رحیم آبادی، محمد ادریس رحمانی املوی شامل ہیں۔وفات ۲ نومبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔

جیراجپور

جیراج پور کے مشہور فرزند حکیم عبداللہ کی ابتدائی تعلیم والد جناب بہادر علی سے ہوئی۔ اس کے بعد جون پور جا کر مفتی یوسف فرنگی محلی سے پڑھا۔ (اسی زمانہ میں مولوی سلامت اللہ جو آپ کے چچا تھے آپ کے ہم درس ہوئے)۔ جون پور سے دیو بند گئے۔ جناب محمد قاسم نانوتوی سے حدیث پڑھی۔ نواں نگر ضلع بلیا میں مولوی شکر اللہ سے بھی استفادہ کیا۔ سب سے آخر میں میاں نذیر حسین محدث کے پاس حاضر ہوئے حدیث دوبارہ قرأۃً پڑھی۔ اس دورہ میں جناب سلامت اللہ کے علاوہ حافظ غازی پوری بھی آپ کے شریک درس تھے۔ تکمیل کے بعد وطن آئے۔ مخالفت زیادہ والد کی طرف سے ہوئی۔ مدت تک وطن میں وعظ ونصیحت کرتے رہے جس سے کئی لوگ عامل بالحدیث ہوئے۔ پھر قصبہ رسڑا ضلع بلیا چلے گئے وہاں بھی مخالفین کے نرغہ میں آ گئے۔ مجسٹریٹ قصبہ کی موجودگی میں ۱۲۹۲ھ میں مقلدین سے ۱۳ روز تک تحریری مناظرہ ہوا فتح آپ کے حصہ میں آئی۔ مگر مخالفین نے پرچے تلف کر دیئے جس کا اثر اور بھی اچھا ہوا لوگ مقلدین کی کمزوری سے واقف ہو کر اہل حدیث کی طرف مائل ہوئے۔ رسڑا میں تدریس بھی کی۔ تلامذہ میں عبداللہ ندوی، حبیب اللہ، عبداللہ چاند پوری، حیدر علی (ہیڈ مولوی مشن سکول اعظم گڑھ) اور شبلی نعمانی شامل ہیں۔ تفسیر میں بہت انہماک تھا قرآن سے عشق تھا رسالت مآب سے بہت زیادہ محبت تھی۔ مطب کی آمدنی سے کچھ پس انداز ہوا تو حج پر گئے سفر میں حافظ عبداللہ غازی پوری اور جناب محمد سعید بنارسی ساتھ تھے وہاں متعدد مشائخ حدیث سے سند و اجازہ حاصل ہوا۔ اولاد میں عبدالسلام تھے اور عبدالسلام کے بیٹے عبدالحفیظ ندوہ سے فارغ تھے۔ حکیم عبداللہ کی وفات ۶ شعبان ۱۳۰۷ھ ۲۸ مارچ ۱۸۹۰ء کو ہوئی۔

(تراجم علمائے حدیث ہند۔ ص ۳۸۶)

جناب سلامت اللہ جیراجپوری نے مفتی یوسف فرنگی محلی سے پڑھا اور میاں نذیر حسین محدث سے تکمیل کی۔ ایک زمانہ بنارس میں قیام رہا جہاں تفسیر و حدیث پڑھائی۔ پھر نواب صدیق حسن نے بھوپال بلا لیا۔ آپ بہت اچھے مناظر تھے۔ بنارس جون پور گونڈہ اور اعظم گڈہ کے علاقے میں بہت تبلیغ کی اور کئی مواضعات میں شرک و بدعت کا نام ونشان مٹا دیا۔ مدت تک بھوپال میں

قیام رہا۔ مدرسہ سلیمانیہ کے نائب مہتمم مقرر ہوئے۔ جناب محمد بشیر سہسوانی نے پنشن لی تو آپ مدرسہ سلیمانیہ کے مہتمم اور ریاست کے جملہ مدارس کے افسر مقرر ہوئے۔ نہائت وجیہہ اور با اخلاق تھے۔ سحر بیان واعظ تھے۔ تلامذہ میں شمس العلماء حفیظ اللہ مہتمم ندوہ، جناب حبیب اللہ چاند پاری، جناب فتح اللہ مہتمم مدرسہ سلیمانیہ بھوپال، جناب احمد محدث شامل ہیں۔ ۵۳ سال کی عمر میں بھوپال میں ۱۵ جون ۱۹۰۴ء ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ کو فوت ہوئے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

شیخ محمد اکرام بتاتے ہیں کہ:

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری سید نذیر حسین محدث کے شاگرد تھے اور اپنے علاقے کے سب سے با اثر اہل حدیث عالم اور واعظ تھے۔ ایک زمانے میں انہیں نواب صدیق حسن نے بھوپال بلا لیا اور رفتہ رفتہ وہ ریاست کے تمام مدارس کے افسر ہو گئے۔ جن دنوں مولانا شبلی پر حنفیت زوروں سے غالب تھی اور کہا کرتے تھے کہ ایک مسلمان عیسائی ہو جائے تو ہو جائے لیکن غیر مقلد کیسے ہو سکتا ہے۔ اس وقت مولانا سلامت اللہ جیراجپوری سے انکی اس مسئلے پر بحثیں ہوا کرتی تھیں (موج کوثر ص ۷۱۔۷۲)

بنگال

جناب ثناء اللہ امرتسری ۲۵ اپریل ۱۹۱۳ء کے اخبار اہل حدیث امرتسر میں بنگال کے اپنے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ضلع دمکا اور ضلع مرشد آباد کے متعدد گاؤں مثلاً دلال پور، اسلامپور، جنگی پور، سورج نرائن پور وغیرہ میں جانے کا خاص طور پر ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

میں اس سفر میں یہ بات بھی سوچتا رہا کہ بنگالہ میں اہل حدیث جماعت کی اتنی کثرت کیسے اور کس ذریعہ سے ہوئی، تو مجھے بتلایا گیا کہ جناب مولانا عنایت علیؒ اور مولانا ولایت علیؒ صاحبان کی یہ برکت ہے جس کا مفصل ذکر تاریخ اہل حدیث میں ہوگا جس کی تصنیف اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے جناب مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کے سپرد ہوئی ہے جس کی فکر میں مولوی صاحب موصوف ابھی سے لگ رہے ہیں۔ خدا راست لائے۔ اہل علم کو چاہیے کہ اپنے اپنے معلومات سے مولوی صاحب موصوف کو مدد دیں تاکہ یہ بے نظیر کتاب آئندہ جلسہ کانفرنس تک چھپ کر طیار ہو جائے۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۵۔ اپریل ۱۹۱۳ء۔ ص ۲)

آج کل بنگال میں عاملین بالحدیث کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ صرف مغربی بنگال میں ان دنوں تقریباً تیس لاکھ اہل حدیث ہیں۔ جن میں سے ضلع مرشد آباد میں ۱۵ لاکھ، مالدہ ضلع میں ساڑھے چھ لاکھ ہیں۔ اور ۱۵ لاکھ دیگر اضلاع میں ہیں۔ اہل حدیث مساجد کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ ہے اور مدارس ۱۶۰ کے لگ بھگ ہیں۔

بتایا جاتا ہے کہ میاں نذیر حسین محدثؒ کے چند بنگالی و آسامی شاگردوں نے یہاں کام کیا اور ۱۹۱۳ء میں ایک تنظیم قائم کی جس کا نام انجمن اہلحدیث بنگال و آسام تھا اور اس کے زیر اہتمام ایک بنگلہ رسالہ بھی ماہانہ نکلتا تھا۔ اس کے صدر نعمت اللہ بردوانی، سکرٹری صوفی عبداللطیف ہوگلوی اور سرپرست جناب عین الدین ٹمیا برجی کلکتوی تھے۔ یہ تینوں میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان میں جناب عین الدین کے تین فتاوی، فتاوی نذیریہ میں موجود ہیں۔ قرآن کا بنگلہ میں تفسیر و ترجمہ نہ تھا۔ اس طرف جناب عباس علی اور جناب اکرم خان نے توجہ دی۔ جناب عباس علی نے سب سے پہلے قرآن کا بنگلہ ترجمہ کیا۔ اور جستہ جستہ حاشیہ بھی لکھا جو ساٹھ سال پہلے شائع ہوا۔ اب نایاب ہے۔ قرآن کی بنگلہ تفسیر اکرم خان نے لکھی اور آپ نے سیرت پر ایک اہم کتاب لکھی جس کا نام مصطفیٰ چریت ہے۔ یہاں کے معروف علماء میں مذکورہ بالا کے علاوہ جناب عبداللہ باقی، جناب منیرالدین انوری، جناب شاہ زمان مالدہی، جناب عبداللہ کافی ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد حافظ اسماعیل دہلوی، حاجی ہارون رشید ٹمیا برجی وغیرہ کی تگ و دو سے ۱۹۴۹ء میں جماعت کا کام پھر شروع ہوا اور تبلیغ کے نام سے مجلّہ جاری ہوا۔ جو ۱۹۵۵ء تک رہا اس کے مدیر جناب فضل الحق ٹمیا برجی تھے۔ ۱۹۶۳ء میں توحید کے نام سے پرچہ جاری ہوا اس کے مدیر جناب ابو طاہر بردوانی تھے۔ ڈھائی سال بعد جب وہ مشرقی بنگال چلے گئے تو پرچہ بند ہو گیا۔ ۱۹۷۲ء میں حافظ عین الباری عالیاوی کی ادارت میں اہلحدیث ماہنامہ جاری ہوا اور اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

جناب اکرم خان بنگال کے بابائے صحافت صحافی، عالم دین، مجاہد، سیاست دان، مصنف تھے۔ آپ سید نذیر حسین کے شاگرد تھے۔ آپ کے والد قاضی عبدالباری بھی میاں صاحب دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ عبدالباری نے تحریک مجاہدین میں بھی حصہ لیا اور تحریک آزادی ہند میں بھی۔ جناب اکرم خان نے تحریک خلافت میں نام پیدا کیا۔ قید بھی رہے اچھے مقرر تھے۔ بنگلہ

میں قرآن کی تفسیر اور آنحضرت ﷺ کی سیرت لکھی ۔ ۱۹۰۵ء میں محمدی کے نام سے کلکتہ سے ایک ہفت روزہ جاری کیا ۔ ۱۹۳۶ء میں دو روزنامے اردو میں زمانہ اور بنگلہ میں آزاد جاری کئے ۔ اخبار آزاد کے ذریعہ بڑی خدمات انجام دیں ۔ انتقال ڈھاکہ میں ۱۹۶۸ء میں ہوا۔

جناب عبد اللہ الکافی عاملین بالحدیث بنگال و آسام کے قائد تھے اور جملہ امور میں مسلک اہل حدیث کے پیرو تھے آپ کے والد جناب عبد الہادی، میاں صاحب دہلویؒ کے شاگرد تھے ۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی کلکتہ نے اردو روزنامہ زمانہ جاری کیا، جناب اکرم خان اڈیٹر، جناب کافی نائب اڈیٹر اور جناب شائق احمد عثمانی معاون اڈیٹر ہوئے ۔ ۱۹۲۱ء میں جناب اکرم اور شائق گرفتار ہوئے تو جناب عبد اللہ کافی تن تنہا کام کرتے رہے ۔ آپ نے بنگلہ میں ایک جریدہ ستیا گرہی (مجاہد حق) بھی جاری کیا ۔ آپ کئی بار گرفتار ہوئے ۔ فصیح و بلیغ اور جادو بیان تھے ۔ عرفات کے اڈیٹر رہے ۔ ۴ جون ۱۹۶۰ء کو فوت ہوئے تصانیف میں تفسیر ام الکتاب، النبوۃ المحمدیہ، تحریک اہل حدیث و مجاہدین، شامل ہیں ۔ کل ۲۳ کتابیں لکھیں اردو عربی اور بنگلہ میں ۔

بنگال کے اداروں میں معہد التوحید معطر گنج ڈاک شمشی مالدہ؛ جامعہ اسلامیہ دومہنا، ضلع اتر دیناج پور؛ جامعہ اصلاح المسلمین؛ معہد الکتاب والسنۃ دلکولہ، اتر دیناج پوری؛ الجامعہ الاسلامیہ اصلاح المومنین فلیل پور ضلع مالدہ؛ الجامعۃ الرحمانیہ دھولیاں ضلع مرشد آباد؛ الجامعۃ السّلفیہ شمس الہدی اسلام پورہ ڈاک خانہ سمیل پورتال ضلع مالدہ؛ جامعہ رحمانیہ حسین نگر، ضیا گنج، مرشد آباد؛ جامعہ مظہر العلوم بٹنہ ۔ شامل ہیں ۔

سندھ

سندھ میں اسلام صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ذریعہ آیا اور ابتداء میں یہاں کے مسلمان عاملین بالحدیث تھے جیسا کہ ہم اس کتاب کی جلد دوم میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں ۔ مرور ایام سے تاہم عمل بالحدیث عامہ مسلمین کی زندگی سے خارج ہو گیا اور تقلید و جمود نے سندھ میں ڈیرہ جما لیا اور کئی صدیاں ظلمات بعضھا فوق بعض کا عملی نمونہ پیش کرتی رہیں تا آنکہ ماضی قریب میں سندھ کے بعض علاقوں اور گھرانوں میں عمل بالحدیث کا احیا ہوا۔

سندھ میں عمل بالحدیث کی نشاۃ ثانیہ میں راشدی خاندان کی خدمات بہت اہم ہیں ۔

اس خاندان کے جداعلیٰ سید محمد راشد صالحیت اور اتقا کی بنا پر مرجع خلائق تھے۔ زندگی اتباع سنت اور ترویج دین میں گذری۔ لوگوں میں وہ روضہ والا کے عرف سے معروف ہیں۔ ان کے بیٹے صبغت اللہ اور یاسین تھے۔ صبغت اللہ نے ان کی پگڑی لے لی اور یاسین نے جھنڈا۔ یاسین کے بعد فضل اللہ رشید الدین، رشداللہ، احسان اللہ، محبّ اللہ، محمد یاسین جھنڈے والے پیر ہوئے ہیں۔ رشداللہ جلیل القدر عالم تھے انہوں نے سید نذیر حسینؒ اور شیخ حسین بن محسنؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ تعلیم کے بعد والد کے حکم پر گاؤں میں مدرسہ دارالارشاد قائم کیا جہاں دیگر علوم کے علاوہ حدیث کی بطور خاص تعلیم دی جاتی۔ سندھ کے مختلف مدارس میں یہیں کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ ان کا بڑا کتب خانہ تھا تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے مسلک اہل حدیث کی خوب وضاحت کرتے اردو سندھی اور عربی میں لکھا۔ سفر السعادۃ کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔ شرح الدرر فی وضع الایدی علی الصدر عربی زبان میں ہے جس میں حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہییں۔ اس سے قبل سندھ کے عالم مخدوم محمد ہاشم نے زیر ناف ہاتھ رکھنے کے موضوع پر رسالہ لکھا تھا جس کی آپ نے تردید کی۔ القری المصلی الجمعہ فی القری، عربی میں ہے جس میں حدیث سے ثابت کیا ہے کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے۔ عین المتانۃ فی تحقیق تکرار الجماعۃ اردو میں ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ پہلی جماعت ہو جانے کے بعد آنے والے لوگ دوسری جماعت کرا سکتے ہیں۔ رفع الریب فی مسئلۃ علم الغیب میں اس میں ثابت کیا کہ علم غیب صرف اللہ کو ہے۔ یہ کتاب سندھی میں لکھی۔ التنقید المعقول۔ اس کتاب میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے دلائل دیئے ہیں۔ اور ساتھ ہی تقلید کی تردید بھی ہے۔ سید محمد یاسین نے پیری مریدی کا کاروبار ترک کر کے بدعات و رسوم کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کے خاندان میں ذاتی کتب خانے ہیں کتب بینی ان کا شیوہ ہے ایک کتب خانہ سید محبّ اللہ شاہ کا جوان کے گاؤں میں ہے دوسرا سید بدیع الدین شاہ کا جو نیو سعید آباد میں ہے۔ تحقیق و کاوش والے لوگ وہاں جا کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

سید احسان اللہ بہت بڑے عالم اور سنت رسول کے عاشق تھے سندھ کے حلقوں میں ان کا بہت احترام تھا انہوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ سلطان ابن سعود نے جب قبے گرائے اور ہند میں شور مچا تو آپ نے طویل مضمون لکھا اور رسالے کی صورت میں طبع کر کے سندھ میں تقسیم کیا اور ثابت کیا کہ اونچے اونچے مزارات و مشاہد کا انہدام عین کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ آپ کی وفات ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ انکی وفات پر معارف میں سید سلیمان ندوی نے شذرہ

لکھا۔جس میں لکھا کہ آپ نے صرف ۴۴ سال عمر پا کر انتقال کیا مرحوم حدیث و رجال کے بڑے عالم تھے ان کے کتب خانے میں حدیث تفسیر و رجال کی نایاب اور قلمی کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ مشرق و مغرب مصر شام عرب قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں ان کے کاتب و ناسخ قلمی کتابوں کی نقل پر مامور رہتے تھے۔(اس کی ایک مثال ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۶ مارچ ۱۹۲۸ء کے صفحہ ۱۵ پر یوں مذکور ہے: اس کساد بازار زمانہ میں بھی علمی شوق کی مثال ہے کہ حضرت پیر احسان اللہ شاہ صاحب پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد سندھ نے تاریخ بغداد خطیب بغدادی، مصر کے خدیویہ کتب خانہ سے بذریعہ فوٹو نقل کروا کر منگائی ہے جس پر ایک سو پونڈ خرچ ہوا۔ بہاء)

آپ اچھے مناظر بھی تھے انہوں نے بدین میں اہل بدعت کے ساتھ اور ٹنڈو الہ یار میں قادیانیوں سے مناظرہ کیا اور اللہ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔ان کے زمانے میں سندھ میں خطبہ جمعہ صرف عربی کے کچھ الفاظ پڑھ لینے کا نام تھا، انہوں نے سنت کے مطابق جمعہ کی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا اور منبر پر حالات کے مطابق ضروری مسائل بیان ہونے لگے۔ مسلک الانصاف کے نام سے سندھی میں کتاب لکھی جس میں مسلک اہلحدیث وضاحت سے بیان کیا اور احادیث مرفوعہ صحیحہ اقوال و اعمال صحابہ اور آئمہ حنفیہ کے ارشادات سے ثابت فرمایا کہ نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری نیز آمین بالجہر پکارنا رفع یدین کرنا اور سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

(کاروان سلف۔ص ۴۴۳۔۴۹۲)

کشمیر، جموں و بلتستان

کشمیر میں عمل بالحدیث کی ترویج کے لئے جن لوگوں نے محنت کی ان میں جناب سید حسین شاہ، جناب محمد انور شوپیانی، اور جناب سبزار شاہ شامل ہیں۔سید حسین شاہ خانیار سری نگر کے تھے انہوں نے میاں صاحب دہلویؒ سے پڑھا اور ان کے ہونہار شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اکتساب علم کے بعد واپس کشمیر آئے۔ جناب محمد انور شوپیانی نے ان سے کسب فیض کیا پھر وہ بھی دعوت میں لگ گئے کشمیر کے دور دراز علاقوں مثل لداخ، کشتواڑ اور ڈوڈہ کا پیدل سفر کیا۔ زالڈگر سری نگر میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور اسے توحید و سنت کی اشاعت کا مرکز بنایا۔

پونچھ کوہستانی علاقہ اور جموں صوبے کا حصہ ہے ۔ علاقہ کے باشندوں کے پرانے زمانے سے پنجاب سے روابط رہے ہیں اور پنجاب میں بھی خاص طور پر سیالکوٹ، لاہور، امرتسر، راولپنڈی سے ۔ پنجاب ہی کے راستے صدیوں پہلے یہاں اسلام کی آواز پہنچی لیکن مدتوں کشمیر کی طرح ہندوانہ ومشرکانہ رسوم توحید کے چشمہ صافی کو مکدر بنائے ہوئے تھے۔ معاشی واقتصادی پسماندگی کے ساتھ دینی تعلیم کے لحاظ سے بھی یہ لوگ تہی دست تھے ۔ دشوار گذار علاقہ ہونے کی وجہ سے کسی شہر کے مبلغ کا یہاں پہنچنا بھی کارے دارد والہ معاملہ تھا ۔ ایسے حالات میں کنوئیاں پونچھ کے ایک نوجوان محمد سعید یہاں سے پنجاب گئے، پھر دیوبند کے علاوہ مختلف مدارس سے تعلیم حاصل کر متعدد اسناد لے کر واپس کنوئیاں لوٹے اور اس علاقے میں اہل حدیث مبلغ کی حیثیت سے ابھرے ۔ آپ نے کنوئیاں میں درسگاہ قائم کی اور ۳۰ سال تک تبلیغ اور درس وتدریس کی ۔ کئی عالم فاضل پیدا کئے ۔ ان کے شاگردوں میں جناب محمد عمر اور جناب محمد عبداللہ مشہور ہوئے ۔ محمد عمر شہر پونچھ کے بعد کے خطیب وامام جامع مسجد اہلحدیث حافظ عبدالرحمان کے والد تھے ۔ اور عبداللہ کے بیٹے مفتی عبد الجبار مشہور عالم ہوئے ۔ جناب سعید طبیب بھی تھے ۔ اور جب کہیں وہ علاج معالجے کے لئے جاتے تو مختلف بستیوں میں توحید وسنت کا پیغام بھی سناتے ۔

مفتی عبدالجبار کی عمر ۱۹۸۳ء میں تقریباً ۸۴ سال تھی ۔ وہ موڑا بچھائی (ہاڑی) تحصیل سرن کوٹ پونچھ کے رہنے والے تھے ۔ یہ نمونہ سلف تھے ۔ آپ کے والد جناب عبداللہ، جناب سعید کے اولین رفقا کار میں سے تھے ۔ اصل میں تحصیل پھالیہ ضلع گجرات پنجاب کے رہنے والے تھے ۔ سیر وسیاحت کی غرض سے کشمیر گئے ۔ جناب سعید ان کے ہم درس بھی تھے اس لئے ان سے ملاقات کیلئے پونچھ آئے ۔ ہاڑی میں کسی قاضی صاحب کے پاس رہے اور یہیں جناب سعید سے ملاقات ہوئی ۔ قاضی صاحب علم دوست آدمی تھے انہوں نے جناب عبداللہ کو باصلاحیت دیکھ کر کہا کہ یہاں ہاڑی میں دینی درسگاہ قائم کرو۔ جناب سعید نے بھی تائید کی، یوں درسگاہ کا قیام عمل میں آیا اور سعید اور عبداللہ شانہ بشانہ کام کرتے رہے۔ سعید نے کنوئیاں میں اور عبداللہ نے ہاڑی میں جمعہ قائم کیا اور بعض مقامات پر چھوٹی چھوٹی مساجد بھی تعمیر کرائیں ۔ جناب عبداللہ نے ۱۹۱۳ء کے لگ بھگ وفات پائی ۔ ان کے جانشین مفتی عبدالجبار ہوئے ۔ انہوں نے ۱۹۲۷۔۱۹۲۸ء سے متواتر آٹھ سال تک درس وتدریس اور تبلیغ کے لئے اڑائی میں جماعت کے مشورہ سے قیام کیا ۔ اڑائی میں آپ کے شاگردوں میں جناب حبیب اللہ، ولی محمد، نواب خان، منور دین اور حبیب اللہ درزی

ہیں ۔ اہل بدعت کے علاوہ آپ کا دیوبندی حضرات سے بھی نوک جھونک کا سلسلہ رہا۔ ایک موقعہ پر بڑے پیمانے پر مناظرے کی دونوں طرف سے تیاریاں ہوگئی جب عوام جمع ہو گئے تو مخالف مناظر نے حیلے بہانے کر کے میدان میں آنے سے انکار دیا تاہم عوام کو پتہ چل گیا کہ حق کدھر ہے اور بہت سے لوگ توحید سے منسلک ہو گئے ۔

ایک اندازے کے مطابق مولوی سعید کی سرگرمیوں کا آغاز ۱۸۷۵ سے ۱۸۸۰ کے قرب وجوار میں ہوا ۔۲۰ ۔ ۲۵ برس کی تگ ودو کے بعد مضافات پونچھ میں کئی ایک مسجدیں تعمیر ہو گئیں لیکن پونچھ میں کچھ نہ تھا ۔ چنانچہ جناب سعید کے شاگرد جناب محمد عمر نے اس کا بیڑا اٹھایا اور شہر میں ایک موزوں قطعہ زمین ۲۶۲ روپئے میں خریدا ۔ پھر وہ چندے کے لئے ہندوستان گئے اور امرتسر میں جناب ثناءاللہ امرتسری سے ملے ۔اپنا تعارف کرایا، پونچھ کے دینی حالات بتائے اور مدد کی درخواست کی ۔ جناب ثناءاللہ نے ۵۰۰ روپئے دیئے ۔ اس طرح (اور جگہوں سے بھی) جناب عمر رقم لے کر واپس آئے ۔مسجد مکمل کر کے پنج وقتہ جماعت اور جمعہ کا قیام کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جناب احمد دین گکھڑوی اور جناب نورحسین گرجاکھی بھی یہاں جماعت کی حوصلہ افزائی کیلئے آتے رہے اور خطبے بھی دیئے ۔ جناب احمد دین گکھڑوی نے یہاں ایک مناظرہ بھی کیا ۔

اسی طرح جناب عمر بھی اچھے مناظر تھے ۔ انہوں نے پونچھ میں مرزائیوں سے ایک مناظرہ کیا مرزائیوں کو ایسی شکست ہوئی کہ اپنی قلے والی پگڑیاں چھوڑ کر بھاگ گئے ۔اسی طرح ایک اور مناظرہ ہوا حیات مسیح پر ۔ اور جناب عمر نے مرزائی مناظر کو ایک رسی پکڑوا کر کہا کہ اس کے بل نکالو ۔اس نے کہا کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ میں یہ کام نہیں جانتا ۔ جناب عمر نے کہا جب تو رسی کے بل نکال سکتا تو عربی زبان کا بل (بل رفع اللّٰہ الیہ) کہاں سمجھ سکتا ہے ۔

پونچھ کے بزرگوں میں صوفی نذیر احمد کاشمیری مشہور ہیں ۔ پورے ہند میں معروف تھے ۔تصوف کا رنگ چڑھا ہوا تھا ۔لمبی اور موٹی تسبیح پاس ہوتی ،قدآور تھے ۔عمر بھر پھرتے رہے ۔ عرصہ تک دہلی میں رہے ۔۱۹۶۲ء میں پہلی بار سری نگر آئے اور بعد آپ جمعیت اہل حدیث کشمیر کے معاملات سے دلچسپی لیتے رہے مشوروں سے نوازتے رہے ۔آپ نے دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کو خطوط کے ذریعہ دعوت اسلام دی ۔ (تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر ۔ص ۲۳۸ ـ ۲۴۳)

ریاسی صوبہ جموں کی ایک تحصیل اور ضلع اودھمپور سے وابستہ ہے ۔سوا سو سال پہلے تک یہاں مسلمان نہ تھے ۔ پھر عبدالاحد نامی ایک شخص باہر سے کچھ اشیا لے کے پہاڑی راستوں سے

ریاسی پہنچا اور ان اشیاء کو فروخت کیا ۔ معقول منافع ہوا تو اس کی یہاں اس سلسلہ میں آمدورفت شروع ہوگئی ۔ پھر اس نے یہیں سکونت اختیار کر لی اور اس کے ساتھ چند اور مسلمانوں نے بھی یہاں آبادی کر لی ۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے خواجہ عمہ کلہ اور خواجہ عبدالصمد اس ریاسی کے بڑے تاجر بن گئے ۔ خواجہ عبدالاحد مسلک اہل حدیث کے پابند تھے ۔ ان کے مسلک اہل حدیث اختیار کرنے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں یا تو انہوں نے کشمیر میں اس مسلک کو اختیار کیا کیونکہ اس زمانہ میں وہاں جناب انور اور جناب حسین شاہ کی تبلیغ کا غلغلہ کولگام اور اس کے گردونواح میں ہو چکا تھا ۔ یا ہوسکتا ہے کہ آپ جموں میں تحریک اہل حدیث سے متعارف ہوئے ہوں کہ وہاں اس وقت مسلک کافی پھیل چکا تھا اور جموں والوں کے ساتھ عبدالاحد کے وسیع تعلقات قائم تھے ۔

ریاسی میں جناب **فیض احمد** جماعت اہلحدیث کے مبلغ گذرے ہیں ۔ انکے دولڑکے ریاسی میں ملازمت (بوقت تصنیف کتاب) کر رہے تھے ۔ ایک لڑکا پراسا میں رہتا تھا ۔ ان کا چچا یعقوب مہا کنڈ گول میں رہتا تھا ۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ فن مناظرہ سے خوب واقف تھے ۔ اس وقت ریاسی خاص میں یہی دو مذکورہ گھرانے (خواجہ عبدالغنی وانی وفرزندان اور فیض احمد) مسلکاً اہل حدیث تھے چونکہ اس علاقے میں مسلمانوں کی آبادی تقسیم کے بعد بہت کم رہ گئی تھی ۔ پہلے کہا جاتا ہے کہ یہاں ۷۰ فی صد مسلمان تھے پھر دو فی صد رہ گئے باقی پاکستان چلے گئے ۔

ریاسی شہر سے کوئی ۷۔۸ کلومیٹر دور ایک گوجر بستی ہے جو دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک کا نام کانسی دوسری کا پٹہ ۔ لیکن ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے نام اکٹھا لیا جاتا ہے، کانسی پٹہ ۔ چالیس گھرانے تھے اور ۴۔۵ سو کی آبادی ۔ خوشحال لوگ اور سب اہل حدیث تھے ۔ مال مویشی اور زراعت کی نعمت یہاں ہے ۔ جناب عبدالکریم ساکن کانسی پٹہ خطیب وامام تھے ۔ ان کی روائت کے مطابق اس بستی کے لوگ دراصل موضع جگٹی نگروٹہ (جموں) سے یہاں آکر آباد ہوئے ۔ زمینیں خریدیں اور قابل کاشت بنائیں ۔ پھر یہاں سے ایک شخص امام الدین نامی پنجاب گیا جس کی ملاقات سیالکوٹ میں حافظ محمد ابراہیم میر سے ہوئی اور ان کے مواعظ سے متاثر ہوا ۔ اور تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے کانسی پٹہ میں توحید وسنت کی تبلیغ کرنے لگا ۔ یہاں گھروں میں ہندوانہ رسوم تھیں ۔ مثلاً گھروں میں سنگل (لوہے کی زنجیر) ہوتی ۔ جمعرات کو دودھ فروخت کرنا منع تھا ۔ امام الدین نے رسوم شرکیہ کی تردید کی اور الٰہی بخش، ابراہیم، نور محمد اور عبدالغنی وغیرہ متاثر ہوئے جنھوں نے علی الاعلان بستی میں مروجہ بدعات کا انکار کیا اور جماعت توحید قائم ہوگئی ۔ ایک

شخص دیندار نامی ۳۰ سال یہاں جمعہ پڑھاتا رہا اور تبلیغ کرتا رہا۔اسی دوران جموں سے شیخ عبدالغنی اور راجوری سے پیر و لائت شاہ کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ لوگ تبلیغ کرتے رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں مسجد ڈھا دی گئی پھر غالباً ۱۹۶۴ء میں سیالکوٹ سے ایک مسلمان آیا اور اس نے منہدم شدہ مسجد کو اپنے خرچ سے تعمیر کیا۔ (تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر۔ص ۲۴۴۔ ۲۴۶)

ڈوڈہ پہاڑی علاقہ ہے اور صوبہ جموں کا ایک ضلع اور سری نگر سے کم وبیش ۳۰۰ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔اس بستی میں مسلک اہل حدیث کی اشاعت کا سہرا جناب **انور** کے سر ہے وہ یہاں کئی مرتبہ گئے۔شوپیاں سے کوہستانی سلسلوں کو عبور کر کے جاتے تھے اور سفر میں صعوبتیں پیش آتی ہیں۔ پہلی دفعہ گئے تو ڈوڈہ میں کچھ لوگوں سے ملے تو حید وسنت کا پیغام پہنچاے کہیں سڑک پر بیٹھ کر کبھی مسجد میں جا کر۔کسی نے سنا، کسی نے جلی کٹی سنائی۔ کچھ وقت گذار کر شوپیاں واپس آ گئے۔ دوسری بار گئے تو ان کے بیٹے عبدالغنی بھی ساتھ تھے جن کی عمر اس وقت ۱۲۔سے ۱۵ کے درمیان تھی۔ ڈوڈہ پہنچے تو اندھیری شب تھے۔مسجد میں چلے گئے اور کس مپرسی کی حالت میں مناجات پڑھنے لگے۔نصف شب کے قریب ایک آدمی آپ کے لئے کھانا لے کر آیا۔ پھر باتیں ہوئیں تو اس نے کہا کہ آپ لوگ کھل کر یہاں تبلیغ کیجئے، کسی قسم کا فکر نہ کریں میں اس علاقے کا گرداور ہوں، کسی کو اذیت پہنچانے نہیں دونگا۔ یوں آپ نے وہاں کچھ عرصہ تبلیغی کام کیا۔ ڈوڈہ کے خاص بازار میں آپ نے مسجد بھی تعمیر کرائی جس کی بعد میں توسیع ہوئی لیکن عاملین مسلک اہل حدیث اب موجود نہیں ہیں۔ٹیپری میں آپ ہی کی کوششوں سے مسجد تعمیر ہوئی۔کشتواڑ اور بھدرواہ میں مسلک کے کچھ افراد موجود ہیں۔ (تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر۔ ص ۲۴۷۔ ۲۴۹)

علاقہ میرپور میں جناب عظیم اللہ ساکن بڑبن ضلع میرپور کی تبلیغی مساعی سے اہلحدیث کی تحریک پھیلی۔آپ جناب غلام رسول آف قلعہ میہاں سنگھ، اور میاں صاحب سید نذیر حسین کے شاگرد تھے۔ جناب عظیم اللہ کے بعد ان کے بیٹے جناب عبدالحی جانشین ہوئے اور انہوں نے دعوت وتبلیغ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔عبدالحی کے بڑے بیٹے جناب عبدالحلیم بھی صاحب علم تھے۔محکمہ تعلیم میں بطور مدرس کام کرتے رہے۔ جواں سالی میں ۱۹۴۷ء میں سانبہ میں فسادات کے دوران شہید ہوئے۔

میرپور، ضلع جہلم سے ملا ہوا ہے اور میرپور سے کہیں آنے جانے کے لئے لوگ جہلم ہی کے راستے آیا جایا کرتے تھے۔جہلم میں بھی بہت سے اہل حدیث آباد ہیں اور وہاں ایک چوک کا م

بھی اہل حدیث چوک ہے ۔اس لئے ضلع جہلم کے اثرات بھی میر پور پر پڑتے رہے۔
میر پور تحصیل کوٹلی میں بھی اہل حدیث جماعت تھی یہاں ایک بزرگ منشی فضل دین عدالت میں بطور اہلمد کام کرتے تھے۔ دین سے اچھی واقفیت رکھتے تھے، وعظ و تبلیغ اور درس و تدریس بھی کرتے ۔انکے چھوٹے بھائی عبدالرحمان مدرس تھے اور طالب علمی ہی کے زمانے سے مرزائیت کے خلاف متحرک تھے۔ جناب ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے علماء کا لٹریچر لئے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے ۔اسی خاندان سے کوٹلی میں تحریک اہل حدیث پروان چڑھی ۔
پوگل سے کے ایک بزرگ **احمد اللہ** کبھی کبھی پنجاب جایا کرتے تھے جہاں ان کی ملاقات جناب محمد حسین بٹالوی اور حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے ہوئی اور ان کے زیر اثر وہ شرک و بدعت سے تائب ہوئے ۔ایک روز جناب عبدالکریم اسلام آبادی، جناب سید حسین اور جناب انور شاہ اکٹھے بانہال کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مسافر سے ملاقات ہوئی باتوں میں پتہ چلا کہ آپ پوگل کے رہنے والے جناب احمد اللہ ہیں اور حال ہی میں مذکورہ علماء پنجاب کے خیالات سے متاثر ہوئے ہیں ۔ یہ سن کر تینوں بزرگ خوش ہوئے اور احمد اللہ کو وضاحت کے ساتھ مسلک اہل حدیث سمجھایا اور جو باقی شکوک وشبہات تھے انہیں رفع کیا ۔اس کے بعد جناب احمد اللہ کا جناب عبدالکبیر کے ساتھ آنا جانا شروع ہوا ۔ دینی تعلق کے ساتھ تجارتی تعلق بھی ہوا ۔اور پھر ان لوگوں نے مل کر اس علاقے میں تحریک کا کام کیا۔

پوگل میں عمل بالحدیث کی ترویج کا دوسرا ذریعہ سیالکوٹ کے جناب **محمد اسماعیل** ہیں جن کا نکاح ایک عالم، جناب عبدالسبحان کی ہمشیرہ سے ہوا۔ جناب اسماعیل پختہ اہل حدیث تھے اس رشتہ کے توسط سے انہوں نے پوگل میں کشفی اسلامیہ سکول کھولا جہاں مروجہ تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی بند و بست کیا ، مدرسہ کے مدرس اول سردار محمد ایوب خان تھے جو بعد میں منسٹر بھی ہوئے ۔اس مدرسہ کے ذریعہ جہاں گو جر آبادی میں تعلیم کی روشنی پھیلی وہاں بچوں کو شروع ہی سے اصلاح عقائد اور سنت کے اتباع کی تلقین ہوتی رہی جس کے نتیجے میں آگے چل کر انہی سے مختلف پہاڑی بستیوں میں توحید کا نعرہ گونجنے لگا۔ یہ مدرسہ ۱۹۴۷ء تک چلتا رہا جناب احمد اللہ آخر تک اس کے صدر اور جناب محمد یوسف بالی نائب صدر رہے ۔
پوگل میں تحریک کے پھیلنے میں علماء کی باہمی رشتہ داریوں نے بہت فائدہ پہنچایا۔حسب

بیان عبدالعزیز بالی فرزند جناب یوسف بالی جناب احمد اللہ جناب محمد یوسف کے حقیقی چچا تھے۔ جناب لوی عبدالسبحان جناب احمد اللہ کے خواہرزادہ تھے اور داماد بھی۔ یہی حضرات اس علاقہ میں تحریک اہل حدیث کے روح رواں تھے۔ جناب یوسف جو جناب عبدالسبحان کے چھوٹے بھائی تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ۱۹۵۷ء میں خط وکتابت کے ذریعہ جمیعت اہل حدیث کشمیر سے رابطہ کیا اور دعوت دی کہ جمیعت یہاں تبلیغی وفد بھیجے۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں یہاں پہلا وفد صوفی احمد اور عبدالسلام ولی پر مشتمل یہاں آیا۔ ۱۹۵۹ء میں دوسرا وفد صوفی احمد اور غلام محمد بٹ پر مشتمل یہاں آیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایک اور وفد بھی موضع کتیرا کیلئے روانہ ہوا اس میں صوفی احمد جناب عبدالغنی چند رگھیری تھے۔ ان وفود نے کئی کئی روز اس علاقے میں پھر کر محنت کی۔ اس وقت علاقے میں اہلحدیث کی ۸ مسجدیں تھیں۔ اور ۱۵ ہزار کی آبادی میں تقریباً ۱۰ ہزار اہل حدیث ہیں۔ جناب یوسف ۱۹۷۸ء میں بعمر ۹۰ سال فوت ہوئے اور پوگل میں دفن ہوئے۔ (تاریخ اہلحدیث جموں وکشمیر۔ ص ۲۵۴۔ ۲۵۶)

جناب **عبدالغنی** مسلک اہلحدیث کے داعی ونقیب تھے۔ اپنے خطبات وخطابات میں جہاں علم وفن کے موتی بکھیر دیتے وہاں روحانی نشو ونما اور قلبی طمانیت کا حظ وافر بھی عطا کر دیتے۔ آپ کی تحریروں میں سادگی اور روانی ہوتی۔ گنجلک اور ابہام نہ ہوتا۔ آپ والد کی طرح متعدد کتب و رسائل کے مصنف تھے جو نظم ونثر دونوں پر مشتمل ہیں۔ حدیث رسول ﷺ سے شغف ومحبت کا یہ حال تھا کہ ۱۹۶۲ء میں فالج گرنے کے بعد بائیں بازو میں کچھ حس باقی رہی تو ایک رسالہ چہل حدیث کے نام سے مرتب فرما دیا۔ آپ پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ حلیم ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ اکل حلال اور صدق مقال کا نمونہ تھے۔ آپ مختصر مدت کے لئے جمیعت کشمیر کے صدر بھی رہے اور مسلم کے معاون مدیر اور مفتی بھی۔ ۱۹۶۵ء میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ کنی پورہ شوپیان کے آبائی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

(تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر۔ ص ۲۶۶)

جناب **غلام نبی مبارکی** بن حسن شاہ ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم وتربیت شروع میں میر واعظ خاندان کے بزرگوں سے ہوئی۔ علامہ حسین شاہ وفائی بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ منشی فاضل ادیب فاضل اور مولوی عالم کے امتحان پاس کئے۔ اسلامیہ ہائی سکول سری نگر میں کافی عرصہ عربی فارسی اردو اور دینیات کے استاد رہے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور نہائت ذہین و ذکی وحاضر جواب اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ مجالس وعظ میں رقت کا ایک سماں چھایا رہتا۔ ظرافت

اور شگفتہ مزاجی طبیعت میں ودیعت تھی جس سے محفل کو لالہ زار بنا دیتے۔ آپ کو نظم و نثر میں ملکہ حاصل تھا۔ بازار مسجد کی امامت و خطابت کے لئے میر واعظ احمد اللہ نے مامور کیا تھا۔ ۵۵ سال سے زیادہ عرصہ تک اس مسجد میں توحید و سنت اور مسلک اہل حدیث کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ فن مناظرہ سے واقف تھے۔ مرزائیوں کو کئی مناظروں میں شکست دی۔ کئی کتابوں اور رسالوں کے مصنف تھے۔ اخبار توحید اور مسلم کے سال ہا سال تک مدیر رہے۔

آپ کے والد حسن شاہ حنفی المسلک تھے بعد میں مسلک اہلحدیث اختیار کیا۔ اور جناب مبارکی صاحب نے خود بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ میرے والد حسن شاہ میر واعظ یحی کے پاس تعلیم حاصل کرتے تھے ایک روز ایک شملہ باندھا ہوا شخص آیا۔ یحی صاحب نے اس کی بڑی عزت کی اپنے دائیں جانب نہائت احترام سے بٹھایا۔ یہ شخص کشمیری بولتا تھا اور پنجابی بھی۔ حسن صاحب کا کہنا ہے کہ اس وقت ہم ہدایہ کا سبق پڑھ رہے تھے۔ جب یہ جانے لگے تو یحی صاحب نے ان سے کہا کہ ان کا تھیلہ جس میں کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں ان کے گھر تک پہنچا دو۔ یحی صاحب نے ان کو چلتے ہوئے کہ یہ ہمارا لڑکا ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ سید حسین شاہ ہے۔ جب میں نے گھر سامان رکھ دیا تو پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ میں نے کہا ہدایہ۔ بولے چھٹی کب ہوتی ہے۔ میں نے کہا چار بجے۔ بولے اچھا کل میرے پاس ضرور آنا۔ اگلے روز جب میں گیا تو پہلے مجھے چائے پلائی پھر کہنے لگے تم نے جو اسباق پڑھے ہیں ان میں سے اکثر حدیث کے خلاف ہیں۔ بس یہ الفاظ میرے دل میں اتر گئے اور حدیث پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور اب میں اکثر ان کے پاس جا کر صرف حدیث کا درس لینے لگا۔ چند روز تک یحی صاحب نے مجھے غیر حاضر پایا تو دیگر طلبا سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ فلاں شملے والے مولوی کے پاس جاتا ہے۔ فقہ کی بجائے حدیث پڑھتا ہے۔ اس پر میر واعظ یحی نے کہا کہ ہاں فقہ نہ پڑھے حدیث ہی آکر پڑھے۔ آپ کی وفات ٦ مارچ ۱۹۸۰ء کو ہوئی۔ (تاریخ اہل حدیث جموں و کشمیر۔ ص ۲٦٦۔ ۲٦۸)

میر واعظ محمد حسن بن رسول شاہ۔ رسول شاہ کے بڑے بیٹے مولوی محمد حسن المعروف حسہ لالہ کی تعلیم و تربیت اپنے خاندان کے دینی و علمی ماحول میں ہوئی۔ خصوصاً اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔ شروع ہی سے طبیعت زہد و تقوی کے ساتھ تحقیق و جستجو کے جذبہ سے معمور تھی۔ فقہی مسالک میں کافی تجسس کے بعد مسلک اہل حدیث کی جانب انہیں پلڑا جھکتا نظر آیا۔ سید حسین سے تو پہلے ہی متعارف تھے کیونکہ وہ آپ کے والد کے ہم درس تھے۔ زالڈگر کسی کسی جمعہ کو آنے لگے۔

انور صاحب کے روح پرور خطبوں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور مسلک اہلحدیث علانیہ طور پر اختیار کر لیا۔ والد محترم (جو بڑے موحد تھے لیکن خاندان کے دیگر بزرگوں کی طرح حنفی مسلک اور کبروی مشرب کی نسبتوں سے منسوب تھے) نے سنا تو طلب کیا اور ترک مسلک کی وجہ پوچھی۔ سخت ڈانٹ پلائی اور بار بار برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم سے کس نے کہا کہ رفع یدین کرو اور آمین بالجہر کہو۔ آپ نے طویل خاموشی کے بعد زبان کھولی اور کہا آپ نے۔ والد نے پوچھا وہ کیسے؟ کہا کہ آپ نے بخاری شریف پڑھائی اور رفع یدین، آمین کی حدیثیں آپ سے ازبر کر لی ہیں۔ اب اگر ان احادیث پر عمل کر رہا ہوں تو کون سا گناہ کیا۔ والد صاحب خاموش ہو گئے۔ اسی وقت حسن صاحب نے میر واعظیت کی گدی کو بلکہ اپنے گھر بار کو بھی خیر باد کہا اور پوری زندگی مسلک اہل حدیث کے فروغ و اشاعت میں صرف کی۔ (تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر۔ ص ۲۶۹)

۱۹۲۳ء انجمن اہل حدیث کشمیر قائم ہوئی جس کے پہلے صدر حاجی محمد شہداد اور سکرٹری عبدالعزیز چکن صاحب تھے۔ کچھ مدت بعد انجمن کا نام بزم توحید اہل حدیث رکھا گیا جس کے پہلے صدر جناب مبارکی تھے۔ ۱۹۴۵ء میں بزم توحید کا نام بدل کر جمعیت اہل حدیث جموں وکشمیر رکھا گیا اور صدر جناب مبارکی رہے۔ اس سے قبل ۱۹۴۰ء میں اخبار مسلم کا اجراء عمل میں لایا گیا اس کی ادارت مولوی عبدالغنی شوپیانی اور مولوی محمد نورالدین کرتے رہے۔ محی الدین احمد کافی عرصہ نائب مدیر اور منیجر رہے۔ جناب محمد نورالدین جمعیت کے ناظم اعلیٰ اور مفتی کے علاوہ تین سال صدر بھی رہے۔ ۱۹۴۶ء میں جناب عبدالغنی شوپیانی کی سربراہی میں آئین کمیٹی بنی جس میں جناب مبارکی ، محمد نورالدین ، عبدالرحمٰن نوری شامل تھے۔ کمیٹی نے آئین مرتب کیا جو جنوری ۱۹۴۶ء میں شوریٰ سے منظور ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں حاجی محمد رمضان دار کے دور صدارت میں دارالقرآن والحدیث کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے مدرس جناب عبدالحمید مقرر ہوئے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نوری ، عبدالرحمٰن ٹکری ، حکیم عبیداللہ رحمانی محمد نورالدین مدرس رہے۔ فروری ۱۹۷۸ء میں جناب عبدالرحمٰن نوری کا انتقال ہوا اسی سال جناب محی الدین گانی کے دور صدارت میں اپریل کے مہینہ میں الکلیۃ السلفیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے مدرسین محمد اسماعیل اثری جمال الدین اثری تھے اس مدرسہ سے بہت سے لوگ اب تک فراغت حاصل کر چکے ہیں فی الوقت جناب محمد یعقوب بابا اس کے عمید ہیں۔ قبل ازیں محمد اسماعیل اثری ، محمد نورالدین ، عبدالرشد طاہری غلام محمد بٹ المدنی جمال الدین اثری ، جناب بشیر احمد نہامی عمید رہے ہیں اب۔ پونچھ ، بانہال ، امناڑی ، دردہی ، گجراڑہ ، سرن کوٹ میں

بھی اس کی شاخیں قائم ہیں۔ جمعیت نے ۱۹۷۵ء میں وقف تنظیم قائم کی۔ سلفیہ مسلم ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ ٹرسٹ قائم ہوا جس کے تحت ساری ریاست میں مدارس کام کر رہے ہیں۔جمعیت میں شروع سے مذکورہ لوگوں کے علاوہ شیخ فضل کریم، غلام محمد وانی، ڈاکٹر غلام علی چکن، جناب عبداللہ طاری، حاجی محی الدین گانی، حاجی عبدالغنی ڈار، پروفیسر محمد رمضان، غلام نبی پرے، جناب شوکت احمد شاہ کام کیا ہے۔۱۹۲۳ء سے اب تک سینکڑوں مساجد تعمیر کی ہیں۔ ریاست کے ضلعی مراکز میں سو کے قریب گشتی مبلغ کام کرتے ہیں۔کئی مساجد میں لائبریریاں قائم ہیں بہت سی کتابیں مفت تقسیم ہوئی ہیں مثلاً تقویۃ الایمان، ریاض الصالحین بلوغ المرام، کتاب التوحید۔جمعیت نے بربر شاہ سری نگر میں قطعہ اراضی خرید کر ۱۹۶۰ء سے مرحلہ وار عمدہ عمارت تعمیر کی ہے۔جمعیت کا ایک دارالمواسات ہے جہاں نادار یتیم بچوں کی دینی تعلیم ہوتی ہے۔

جموں:

۱۹۲۲ء میں اخبار اہل حدیث امرتسر کے ایک نامہ نگار نے موضع بڑبن کے متعلق بتایا:

یہ موضع شہر میر پور سے بجانب مغرب چھ میل کے فاصلہ پر اقوام جٹ سے آباد ہے۔ اس علاقہ کے زمین داران پڑھ ہیں۔ بباعث ریاست اہل ہنود ہونے کے نام کے مسلمان بھی مائی ستیلا و بھوانی کے ورد زبان رکھتے اور جے ہری کے نعرے لگانے والے تھے۔علماء یہاں تقریباً موجود نہیں تھے۔ اہل حدیث کا لفظ سننا تو کیا کسی کے خواب میں بھی نہ تھا..پھر ایک اللہ کا بندہ (مولوی عظیم اللہ) دہلی سے سند حاصل کر کے اس موضع میں وارد ہوا اور آتے ہی عمل بالحدیث شروع کیا تو گاؤں میں ہلچل مچ گئی اور گردونواح میں مشہور ہو گیا کہ فلاں وہابی ہو گیا ہے یہ شفاعت کا منکر اور کرامت اولیاء سے روگرداں ہے۔آپ کو ہر طرح سے تکلیف دی جانے لگی اور مخالفین نے آپ سے کئی مباحثے کئے جن میں آپ کامیاب ہوتے رہے اور لوگوں کے دلوں میں حق واضح ہونا شروع ہو گیا اور آپ کے مذہب حقہ میں شامل ہونے لگے ملحقہ علاقہ میں بھی کئی لوگ اہل حدیث ہو گئے۔گویا علاقہ میر پور میں اہل حدیث کے افراد ہر ایک گاؤں میں نظر آنے لگے۔ شہر میر پور والے بھی انہیں کے فیض سے فیض یاب ہیں آج ہم فخر یہ کہتے ہیں کہ علاقہ میر پور علاقہ جہلم سے بڑھا ہوا ہے۔ مولانا عظیم اللہ رخصت ہو گئے مگر علاقہ میر پور میں کئی ایک گاؤں میں پرچم حدیث گاڑ گئے۔آپ سادہ مزاج تھے اور طرز گفتگو نرالا تھا۔اگر آپکا وجود نہ ہوتا تو شاید علاقہ میر پور میں جماعت اہلحدیث

کا نام بھی نہ سنتے ۔آپ کے فرزند اکبر مولوی عبدالحی آپ کے جانشین ہیں جن کے وجود سے موضع مذکور کی جماعت اہل حدیث کو فخر ہے ۔مولوی نیک محمد مدرس تقویۃ الاسلام امرتسر بھی اسی گاؤں کے رہنے والے ہیں (نور محمد میانوی جہلمی)

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔۱۰۔نومبر۱۹۲۲ء ص ۱۰)

اور ۱۹۲۳ء میں اخبار اہلحدیث امرتسر کے ایک نامہ نگار نے اکال گڑھ کے متعلق بتایا:

یہ بستی ریاست جموں ضلع میر پور میں ہے آبادی کے لحاظ سے سب اہل حدیث ہیں ۔ آج سے ۵۰ سال پہلے یہاں بدعات اور مروجہ رسوم کا زور تھا ۔ بیاہ شادی میں اہل ہنود کے قدم بقدم چلتے تھے ۔مرگ و موت میں اہل تعزیہ کو بھی مات کر دیتے تھے …پھر یہاں ایک سید صاحب (جناب مولوی نورشاہ) تشریف فرما ہوئے انہوں نے مؤثر لہجہ میں شرک کی بیخ کنی کرنی شروع کر دی ۔عوام کو ہوش آیا۔ پھر ایک نومسلم شیخ عبدالرحمٰن نے یہاں محنت کی اور حالت کافی سدھر گئی ۔ پھر مولوی عظیم اللہ بڑ بنوی یہاں تشریف لائے اور تبلیغ کے وہ جوہر دکھائے کہ تقلید کا عنقا کی طرح نام ہی رہ گیا ۔اس جگہ ان آلام ومصائب کا ذکر کرنا، جن کے جامے ان خدا کے بندوں نے زیب تن کئے ، بے جا تصور نہ ہوگا، خدا بھلا کرے ان بزرگوں کا جنھوں نے ایذا رسانیوں میں (استقامت کا ثبوت دیا) ۔کبھی مخالفین مباحثات ومناظرات پر الجھ پڑتے تو مولانا بحولہ و قوتہ ایسا دنداں شکن جواب دیتے کہ مخالفین منہ کی کھا کر الٹ جاتے ۔ (فضل دین اکال گڑھی)

(ہفت روزہ اہل حدیث ۱۳۔اپریل ۱۹۲۳ء ص ۸۔۹ ملخصاً)

۱۹۲۴ء میں جناب عبدالصمد کا ایک مضمون اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا جس میں انہوں نے جموں میں عمل بالحدیث کی ترویج پر روشنی ڈالی تھی ۔ ذیل میں اس کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ جناب عبدالصمد لکھتے ہیں:

آج (یعنی ۱۹۲۴ء) سے ساٹھ سال پہلے جموں میں کسی اہل حدیث کا پتہ نہ چلتا تھا ۔عرصہ ۵۰ سال کا ہوا دو شخص موحد مسمیان عبدالقدوس پٹولی وشاہنا کشمیری تھے ۔ یہ تحقیق نہیں کہ ان کو توحید کی سمجھ کس طرح آئی ۔اس شہر میں توحید وسنت کا آغاز جناب شمس الدین کشمیری اور جناب کرم الدین وزیر آبادی سے ہوا ۔تقریباً ۴۴ سال قبل جناب شمس الدین، میاں لال دین افسر خدمت گاران سرکار جموں کے منشی مقرر ہو کر

آئے تھے۔ اس زمانہ میں چونکہ سکول کالج نہ تھے اس لئے میاں لال دین نے اپنے پسران میاں شہاب الدین و فیروز الدین کی تعلیم بھی جناب شمس الدین کے سپرد کی اور جناب کرم الدین کو اپنی بیٹیوں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ یہ دونوں صاحب خفیہ طور پر توحید و سنت کی تبلیغ بھی کرتے تھے اور میاں شہاب الدین و فیروز الدین موحد ہو گئے تھے ان کے زیر اثر وہ دونوں جناب عبداللہ ثانی بن سید عبداللہ غزنوی کے مرید تھے۔ جناب ممدوح نے میاں شہاب الدین کی دینداری وتقوی شعاری کو وضاحت کے ساتھ ایک کتاب حدیث کے خاتمہ پر تصدیق فرمایا ہوا ہے۔

میاں لال دین خود بے علم تھے اور باوجود "مخیر" و نمازی ہونے کے بدعتی تھے۔ پھر یہ ہوا کہ شہاب الدین اور فیروز الدین چیچک سے انتقال کر گئے۔ تو بدعتی علماء نے لال دین کو کہا کہ ان دونوں کو شمس الدین اور کرم الدین نے وہابی بنا دیا تھا۔ اس پر لال دین نے غصہ ہو کر ان دونوں کو جموں سے نکال دیا۔ شمس الدین حجاز چلے گئے اور وہاں فوت ہوئے۔ کرم الدین، وزیر آباد آ گئے اور کچھ عرصہ بعد وہاں فوت ہوئے۔ اس عرصہ میں چند اشخاص موحد ہو چکے تھے۔ نیز جناب محمد حسن نواسہ جناب غلام رسول (قلعوی) اور ان کے قریبی رشتہ دار جناب عمر الدین بھی جموں تشریف لے آئے اور محکمہ ترجمہ سرکاری میں ملازم تھے ہر دو صاحب خاندان عالیہ مولانا مرحوم کے رنگ توحید و سنت سے رنگے ہوئے تھے۔

اور اس زمانہ میں حکیم نور الدین معالج شاہی خاندان جموں میں آ چکے تھے۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت سے بعض لوگوں کو توحید و سنت سے واقفیت ہو چکی تھی۔ نیز پیر حیدر شاہ خانپوری ثم وزیر آبادی کی آمد و رفت شیخ فتح محمد خلف شیخ سوداگر رئیس جموں کے پاس ہونے لگی۔ ان کے شرف صحبت سے شیخ فتح محمد وغیرہ اشخاص میں توحید و سنت کی تبلیغ ہوتی رہی۔ کوئی مسجد نہ تھی متفرق طور پر اپنے مساکن اور قیام گاہوں میں نماز باادائیگی سنن مطہرہ ادا کرتے تھے اور بعض اشخاص جو وہابیت سے منسوب ہو چکے تھے ان کا داخلہ مساجد میں ممنوع تھا کبھی کبھی حکیم نور الدین کے مکان پر بھی نماز جمعہ پڑھی جاتی تھی اور جب تک حکیم صاحب کا قیام شیخ فتح محمد کے مکان پر رہا علی العموم حکیم صاحب اور شیخ فتح محمد مسجد شیخ سوداگر میں نماز جمعہ باادائے سنن مطہرہ بلا آمین بالجہر کے پڑھا

کرتے تھے۔ دوسرے موحدین میں سے اگر کوئی صاحب شریک جماعت ہوتا تو اسی طریق پر نماز ادا کیا کرتا تھا۔ اسی حالت میں سائیں شیر علی نے ایک مکان خرید کر اہلحدیث کے چندہ سے مسجد بنائی۔ مرحوم کے بعد حنفی برادران نے مسجد پر قبضہ کرنا چاہا مگر سرکاری فیصلہ کی وجہ سے وہ ناکام رہے۔

عدم موجودگی مسجد سے موحدین (جن کو وہابی کہتے تھے) کو ادائیگی نماز مسنونہ میں سخت دشواری تھی، چنانچہ جناب محمد حسن نے ایک سال نماز تراویح دریا توی پر جو شہر سے نصف میل دور ہے پر پڑھائی، اور ایک سال نماز تراویح رمضان موچی کے کوٹھے پر۔ متفرق مقامات پھر کچھ عرصہ بعد ایک معمولی حیثیت کی مسجد تعمیر ہوئی جو بارش سے گر گئی۔ پھر بشکل ایک کوٹھے کے لکڑی ڈال کر بنایا گیا اور نماز ادا ہوتی رہی۔ پھر تاریخ خرید سے سات سال بعد بشکل موجودہ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی اور جموں، سیالکوٹ، وزیر آباد وغیرہ کے لوگوں نے چندہ دیا۔ پلاستر وغیرہ رہ گیا جو کئی سال بعد ہوا۔

جب موجودہ مسجد کی تعمیر کیلئے سامان اکٹھا ہونا شروع ہوا تو اہل محلّہ نے ریذیڈنٹ کو درخواست دی کہ یہ مسجد سائیں شیر علی نے تعمیر کرائی تھی اور وہ حنفی المذہب ہمارے پیشوا تھے اور اس پر تاریخ تعمیر سے ہمارا قبضہ رہا ہے، اب کچھ عرصہ سے وہابی لوگ اس مسجد میں خود بخود آ کر داخل ہو گئے ہیں اور وہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہماری دل آزاری ہوتی ہے انہیں نکال کر ہمیں قبضہ دلایا جائے۔ ریذیڈنسی سے درخواست پولیس میں تفتیش کے لئے آئی۔ راقم نے پولیس کو اصل حالات سے آگاہ کیا اور پھر چیف جج نے حکم دیا کہ فریقین سے حفظ امن کی ضمانتیں لی جاویں۔

پھر پنجاب و ہند سے علماء آ کر توحید و سنت کا وعظ کرتے رہے، جماعت میں بتدریج ترقی ہوئی۔ پھر پیر جماعت علی شاہ کا آنا جانا شروع ہوا وہ لوگوں کو اہلحدیث کے خلاف بھڑکاتے۔ کہتے کہ ان لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھو، یہ اولیاء کے منکر ہیں وغیرہ...

اب عرصہ ۱۲ سال سے انجمن خادم الاسلام قائم ہے جناب ثناء اللہ امرتسری کی وجہ سے تبلیغ میں سرگرمی پیدا ہوئی۔ قاضی احمد اللہ سابق استاد مرے کالج سیالکوٹ جو یہاں اسلامیہ ہائی سکول جموں میں ملازم ہیں مسجد اہل حدیث میں ہر روز صبح درس قرآن دیتے ہیں جس میں اہل حدیث و دیگر شامل ہوتے ہیں جمعہ میں خاصی رونق ہو

جاتی ہے ۔صدر انجمن اہل حدیث پنجاب کی طرف سے ایک مبلغ سید عبداللہ شاہ (ساکن مکھو ضلع فیروز پور) بغرض تبلیغ یہاں مقرر ہوئے وہ کام کر رہے ہیں ۔

راقم ،عبدالصمد عرف شاہ محمد از جموں (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء ص ۷۔۸)

بلتستان

بلتستان میں عمل بالحدیث کی ترویج کے ضمن میں جناب محمد حسین بٹالویؒ لکھتے ہیں :

اس ملک میں مدت مدید سے دو مذہب کے لوگ چلے آتے تھے ۔ایک مذہب شیعہ اور دوسرا نور بخش ۔ شیعہ مذہب کے اصول وفروع سے ناظرین واقف ہی ہیں ۔ مذہب نور بخش ایک ایسا مذہب ہے جو شیعہ سنی دونوں مذہب سے مرکب ہے ۔فروعات میں تو اس مذہب کے لوگ اکثر مسائل میں مذہب حنفی پر عمل کرتے ہیں اور بعض مسائل مذہب شیعہ بھی لے لیتے ہیں (جیسا وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے، پاؤں کا مسح کرنا) ۔ عقائد میں اکثر مسائل مذہب شیعہ کا اتباع کرتے ہیں ۔ بدعات محرم ماتم وغیرہ ان میں ویسا ہی مروج ہے جیسا شیعوں میں اور انکے دیکھا دیکھی ہندوستان کے جہلاء سنیوں میں

اس مذہب کا بانی کوئی شخص شیعہ معلوم ہوتا ہے جس نے اس ملک کے لوگوں میں جو غالباً سنی حنفی المذہب ہوں گے، شیعہ مذہب کے مسائل پھیلائے اور ایک کتاب فقہ احوط تصنیف کر کے اس کو ایک بزرگ نور بخش کی طرف (جو ان لوگوں میں مشہور ومقبول تھے) منسوب کر کے ان کے لئے دستور العمل بنا دیئے ۔

عرصہ تخمیناً ۲۰ سال سے (یعنی ۱۸۸۴ء لگ بھگ) ہمارے دوست احمد شاہ نامی سرکار انگریزی کی ملازمت کے ذریعہ اس ملک میں پہنچے تو انہوں نے اس ملک کے علماء وطلباء کے پاس اس خاکسار کا ذکر کیا ۔اور ان کو قرآن وحدیث پڑھنے کا شوق دلایا ۔ان کی ترغیب سے وہاں سے ایک نوجوان طالب علم عبدالرحیم نامی لاہور پہنچے اور ایک مدت ،متفرق اوقات خاکسار کے پاس رہ کر قرآن وحدیث وتفسیر وغیرہ پڑھ کر ہندوستان دہلی وغیرہ علماء کی خدمت میں پہنچے ۔اور ان سے کتب درسیہ میں صدرا شمس بازغہ تک عبور کیا ۔... جب وہ فارغ ہو کر تبت پہنچے تو اہل تبت شیعان ونور بخشی کی تکلیف دہی و ایذا رسانی کی برداشت نہ کر کے وہاں سے چلے آئے ۔ان کو خاکسار بذات خود جموں

میں لے کر پہنچا اور جوڈیشیل ممبر وسکرٹری کونسل سے ان کو حفظ وامن کا پروانہ دلوایا اور مطمئن کرا دیا....مولوی عبدالرحیم کو دیکھ کر تبت کے اور طلبا بھی پنجاب و ہندوستان میں پہنچے (جیسے ان کے بھائی مولوی عبدالحلیم اور مولوی ابوالحسن ومولوی محمد حسین وغیرہ) اور خاکسار سے و دیگر علماء ہندوستان سے کتب درسیہ وقرآن حدیث وفقہ وغیرہ پڑھ کر یکے بعد دیگرے تبت میں پہنچے۔اور وہاں خالص مذہب اہل سنت والجماعت کی اشاعت کی۔ پھر تو وہاں سے صدہا لوگ اہل سنت ہو گئے۔باشندگان تبت اہل تشیع ونوربخشیوں نے انکی بہت مخالفت کی، اور طرح طرح سے ان کو ایذائیں پہنچائیں۔مگر خدا کے فضل و کرم سے مذہب خالص اہل سنت نے وہاں قدم جما ہی لیا اور عرصہ بیس سال میں وہاں صدہا مسلمان سنی المذہب ہو گئے۔اور علماء اہل سنت کے وہاں وعظ ودرس ہونے لگے۔ان کی رفع تکلیف کے لئے خاکسار خادم اسلام وفداء سنت نے اپنی مہربان گورنمنٹ سے مدد لے کر سعی کی اور وہ تکالیف رفع ہوگئیں۔ ان کی مساجد بلا مزاحمت ہوگئیں اور ان کے نمبر دار جداگانہ مقرر ہو گئے۔ و لیبدلنھم من بعد خوفھم امناً کا وعدہ الٰہی پورا ہو گیا۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد۲۰۔ص ۲۲۹۔۲۳۲)

میاں نذیرحسین محدثؒ کے بلتستانی شاگردوں میں جناب **عبدالرحیم** بن عبدالعزیز (ف۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء) بلتستان کے موضع غواڑی سے کافی عمر میں پیدل براستہ کشمیر دہلی گئے۔اور مختصر عرصہ میں سید نذیرحسین سے پڑھا۔اس کے بعد آپکے معروف شاگرد حافظ عبدالمنان کے پاس زیر تعلیم رہ کر فارغ ہوئے۔اور فراغت کے بعد بلتستان آکر توحید وسنت کی تبلیغ کرنے لگے۔آپ شائد پہلے بلتی ہیں جنہوں نے کتاب وسنت کی طلب میں ہندوستان کا رخ کیا اور پہلے شخص ہیں جو اہلحدیث ہوئے۔اس دور میں یہ علاقہ مکمل طور پر شیعہ ونوربخشیہ سے بھرا ہوا تھا۔مقامی غیر سلفی لوگوں نے آپ کو بھی بہت ستایا اور آپ کو اس علاقہ میں تحریک سلفیت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

جناب **ابوالحسن** تبتّی کریسی، جناب بٹالویؒ کے رفیق تھے اور تحریک ختم نبوت میں پنجاب میں سرگرم تھے۔اور مرزا صاحب نے بٹالوی صاحب کی ذلت کی جو پیش گوئی کی تھی اس میں ابوالحسن بھی شامل تھے۔ آپ بڑے سرگرم مبلغ اور پکے متبع سنت متدین پاکباز اور عالم باعمل تھے۔تبت کے علاقہ میں آپ کی کوششوں سے توحید وسنت کا علم بلند ہوا۔(یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم

ہوتی ہے کہ تبّتی کی نسبت اس تبت کی طرف نہیں ہے جو اس وقت چین کا ایک صوبہ ہے۔ بلکہ تبت خورد کی طرف ہے جو کشمیر سے متصل علاقہ بلتستان کا ایک ٹکڑا ہے)۔ آپ نے اس دور افتادہ علاقے میں توحید وسنت اور مسلک اہل حدیث پھیلانے میں بڑی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ نہ دشمن کی طاقت سے دبنے والے تھے اور نہ ان کی سازشوں سے گھبراتے تھے۔ ایک ماہ کی علالت کے بعد بتاریخ ۱۱ ذی قعد ۱۳۵۹ھ آپ کا انتقال ہوا تو اس سانحے سے موحدین تبت کی حالت ایسی ہوئی کہ جس طرح باپ کا سایہ اٹھ جانے سے بچوں کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر مؤرخہ ۱۰ جنوری ۱۹۴۱ء میں بیان کیا گیا ہے۔

سید ابوالحسن تبّتی ردقادیانیت میں آپ بہت زیادہ سرگرم تھے۔ بلکہ اس سلسلے میں جناب محمد حسین بٹالوی کے قریبی رفیق کار تھے۔ مرزا قادیانی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے شدید ترین مخالفین کو گالیوں اور بددعاؤں سے نوازتے رہے ہیں اسی طرح جناب تبّتی پر بھی ان کی طرف سے ان نوازشات کی بارش ہوتی رہی ہے۔ مرزا صاحب نے جناب بٹالوی کے متعلق ۱۳ مہینوں میں ذلت کی جو پیش گوئی کی تھی اس میں جناب تبّتی بھی داخل تھے اور مرزا صاحب نے اس سلسلے میں حضرت بٹالوی کے ساتھ مباہلے کے لئے جو اشتہار اپنے مریدوں کی طرف سے شائع کروایا تھا اس کا جواب بھی جناب تبّتی کی طرف سے ہی لکھا گیا تھا۔ جب تیرہ ماہیہ پیش گوئی کی مدت گذر گئی اور اللہ نے آپ کو مرزا صاحب کی پیش گوئی سے محفوظ رکھا تو لوگوں نے پوچھا کہ سید صاحب کی کیا ذلت ہوئی؟ مرزا صاحب نے کہا کہ تبّتی کی الگ سے ذلت کی ضرورت نہیں، محمد حسین کی ذلت ہی اس کی ذلت ہے کیونکہ یہ شخص محمد حسین کا دوست اور تابع ہے۔ یعنی مرزا صاحب اور ان کے مرید تیرہ مہینوں کے دوران کوئی ایک بات بھی ایسی نہ تلاش کر سکے جسے وہ ابوالحسن کی ذلت قرار دے سکیں۔ اور یہ بات مرزا صاحب کی پیش گوئی کے جھوٹا ہونے اور مرزا صاحب کے مفتری علی اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔

محمد موسیٰ بن محمد علی کی ولادت ۱۸۸۰ء میں اور وفات ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ آپ جناب عبدالرحیم صاحب کے بھتیجے ہیں اور غواڑی نامی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا عبدالرحیم سے حاصل کی اس کے بعد دہلی جا کر میاں صاحب سے پڑھا۔ اور ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۱ء میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد وطن غواڑی تشریف لائے اور مدرسہ دارالحدیث کے نام

سے ایک مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ مدرسہ آج دار العلوم بلتستان کہلاتا ہے۔ یہ بزرگ سید نذیر حسین کے آخری شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔اس وقت کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ جناب موسی اپنے وعظ وخطابت میں سید نذیر حسینؒ کا حوالہ بار بار عقیدت واحترام سے دیا کرتے تھے۔آپ کی سند راقم (عبدالرحیم روزی) نے دیکھی ہے۔آپ کے شاگرد بلتستان میں بکثرت موجود ہیں۔کہا جاتا ہے کہ بلتستان میں آپ کے ذریعے اہلحدیث کا پیغام خوب پھیلا اور بہت سے لوگ اہلحدیث ہوئے۔آپ کے قائم کردہ مدرسے نام وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔دار الحدیث سے دار العلوم اسلامیہ ہوا، پھر دار العلوم بلتستان، پھر مرکزی دار العلوم بلتستان، پھر جامعہ دار العلوم بلتستان کے نام سے موسوم ہوا۔ جناب موسی کے بہت شاگرد تھے جن میں قابل ذکر حافظ کریم بخش ف ۱۹۵۸ء مفتی عبدالقادر ف۱۹۸۳ء جناب ابراہیم انصاری ف۱۹۷۲ء جناب عبدالرشید ندوی ف ۲۰۰۱ء جناب عبدالخالق اور جناب ابوعبداللہ عبدالصمد ہیں۔ جناب عبدالصمد نے ۱۳۳۲ھ میں بلغار میں ایک مدرسہ کھولا۔ یہ صاحب بھی استاد کی طرح بڑے واعظ اور کامیاب مبلغ تھے استاد کے بعد ان کے ذریعہ سے بھی سلفیت خوب پھیلی۔ جناب موسی کی وفات کے بعد مدرسہ کی نظامت ان کے چچازاد بھائی مفتی کریم نے سنبھالی۔آپ بڑے قابل عالم تھے اور جناب محمد بشیر سہسوانی کے شاگرد تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حاجی خلیل الرحمان نے نظامت سنبھالی اور کافی ترقی کی۔آپ کے دور میں مفتی عبدالقادر یہاں آئے یہ بہت ہی قابل عالم تھے۔حاجی خلیل کی وفات کے ۱۹۷۶ء میں ہوئی۔ اس کے بعد جناب عبدالرحمٰن عبداللہ نے باگ ڈور سنبھالی۔ یہ جامعہ اسلامیہ مدینہ سے فارغ تھے بڑے ہی مدبر اور کامیاب ناظم تھے۔آپ کے دور میں سعودی عرب اور کویت وغیرہ سے رابطہ ہوا اور دار العلوم نے خوب ترقی کی۔آپ کے دور میں اور اس کے بعد اب تک جامعہ اسلامیہ و دیگر سعودی جامعات سے طلبا فارغ ہو کر بطور استاد یہاں دار العلوم میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جناب عبدالرحمٰن کی وفات ۱۹۹۱ء میں ہوئی اور آپ کے چھوٹے بھائی جناب عبدالواحد فارغ مدینہ ناظم اعلی کے طور پر کام کر رہے ہیں اور مدرسہ ترقی پذیر ہے۔آج بلتستان و بیرون بلتستان اس دار العلوم کی ۵۰ کے قریب برانچیں ہیں۔ (ماخوذ از مکتوب عبدالرحیم روزی، مدرس دار العلوم غواڑی، بنام مؤلف)

ملتان

ملتان میں شائد جناب سلطان محمود سے عمل بالحدیث کا آغاز ہوتا ہے جن کے متعلق نزھۃ الخواطر میں بتایا گیا ہے آپ صالح عالم تھے۔ والد کا نام فریدالدین ہے۔آپ ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور کچھ کتابیں والد سے پڑھیں ۔ پھر جناب قادر بخش ڈیروی (تلمیذ جناب خلیل الرحمٰن خوشابی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) پڑھیں ۔ پھر بڑے مشائخ سے ملاقاتیں کیں جن میں یحی زاہد فارسی بھی ہیں جو بہت ضعیف تھے ۔ پھر آپ ملتان آ گئے زندگی کا کافی حصہ یہاں گذارا اور توحید کی خاطر یہاں آپ نے تکلیف بھی اٹھائی ۔ حدیث پر عمل کرتے تھے اور کسی امام کے مقلد نہ تھے۔ ملتان شہر میں ۴۰ برس وعظ ونصیحت میں گذارے۔ زبان میں مٹھاس بہت تھی ۔ وفات ملتان شہر میں ۱۳۲۴، ۱۳۲۵ھ کے قریب ہوئی ۔(نزھۃ الخواطر۔ ج ۸۔ص ۲۳۵۔۲۳۶)

جناب عبدالرشید عراقی نے لکھا ہے کہ آپ تیرھویں صدی کے آخری ربع میں ملتان آ گئے اور یہاں احیائے توحید و سنت کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں ۔ تصانیف میں رسالہ در ردوحدت الوجود اور رسالہ ردتقلید کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۹۰۹ء۔۱۳۲۷ھ میں وفات ہوئی ۔

جناب سلطان محمود کے ساتھ ملتان میں عمل بالحدیث کی شروعات کے سلسلے میں جناب قمرالدین کا نام ملتا ہے۔ ان کے مورث اعلی جناب عبدالقادر، حضرت اویس قرنیؓ سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ایک روائت کے مطابق عراق سے، دوسری روائت کے مطابق یمن سے، ہجرت کر کے ملتان آئے ۔اس لئے ان کے اخلاف قادری اویسی کہلاتے ہیں۔ جناب عبدالقادر وسیع المشرب تھے ۔ان کا مزار چوک شاہ عباس ملتان میں ہے۔ان کے بیٹے علی مدد تھے۔ان کے بیٹے خواجہ علی مردان اویسی کی خانقاہ چوک شہیداں ملتان میں ہے ۔خواجہ علی مردان کے بیٹے جناب قمرالدین اہل حدیث ہو گئے تھے ۔ان کے متعلق ملتان کے اتک اہل علم جناب محمد یسین شاد نے جناب تنزیل حسینی کو ایک خط میں لکھا ہے:

> تذکرہ اولیاء ملتان کے مصنف امتیاز حسین شاہ نے خاندان کے حالات تفصیل کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ جناب قمرالدین پیر علی مردان کی خالقاہ کے مجاور تھے۔اپنی جوانی کی عمر میں ہی عقیدہ توحید وسنت کی دعوت حقہ کو اختیار فرمالیا تھا۔اسی کی پاداش میں

اندرون بوہڑ گیٹ پیپل والی مسجد میں نہ صرف نماز کی ادائیگی و داخلہ سے روک دیا گیا بلکہ مسجد کی جن چٹائیوں پر انہوں نے نماز ادا کی تھی وہ بھی جلا دی گئیں ۔اسی عصبیت کی بنا پر مرقع ملتان کے مصنف نے اس خاندان کی خدمات قبوریہ کا تفصیلی حوال لکھتے وقت یہ خصوصی نوٹ دیا کہ:

جناب قمر الدین اپنے خاندان سے نظریاتی طور پر علیحدہ ہو گئے تھے۔اسی لئے بدرالدین کے بعد کسی بھی فرد کا تذکرہ نہیں کیا ۔ جبکہ اسی تذکرہ نگار نے اس وقت کے تمام اصاغرین خاندان کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔

جناب قمر الدین نے کتاب وسنت کو اپنانے کے بعد قبر پرستی کی کمائی کو حرام گردانتے ہوئے اس کا استعمال کلی طور پر ختم کر دیا ۔معاشی طور پر انتہائی تنگ دست ہو گئے ۔ تین دن فاقہ ہوا ۔اس کے بعد گورنمنٹ سیکنڈری سکول نواں شہر ملتان میں عربی مدرس کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی ۔ پیشگی تنخواہ لے کر نان جویں کا ضروری سامان خریدا ۔ اب یہ سکول گورنمنٹ پائلٹ اسکول کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ جناب قمر الدین برخوردار کے نام سے معروف تھے ، بوہڑ گیٹ کے نشیبی علاقے محلّہ کھجّی بامقابل شاہین مارکیٹ واقع قمر المساجد اہل حدیث انہی کے نام سے منسوب ہے ۔ تبدیلی مسلک کی بنا پر حالات ایسے ہو گئے کہ اندرون بوہڑ گیٹ سے رہائش ترک کر کے کڑی افغاناں مسجد عطاء کے قریب رہائش رکھ لی ۔مولانا قمر الدین کو ایک بدعتی جاگیردار نے شدید طور پر تنگ کیا چنانچہ مولانا قمر الدین کی اولاد نے چاروناچار اصل لاگت پر مکان فروخت کیا اور محلّہ قدیر آباد میں ڈیرے ڈال دیئے ۔اب بھی انکا خاندان اسی محلّہ میں آباد ہے

جناب قمر الدین کے سنین ولادت و وفات سے اطلاع نہیں ۔ جناب قمر الدین کے تین بیٹے تھے عبد الغفار ،عبد التواب اور عبد البر ۔تینوں ہی دولت علم وعمل سے آراستہ ہوئے اور جناب قمر الدین نے تینوں کو کسب علم حدیث وتفسیر کیلئے میاں نذیر حسین محدثؒ کی خدمت میں دہلی بھیجا۔

جناب عبد التواب ۱۴ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ ۔۳۱ اگست ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم والد سے پائی ۔ ان دنوں میں ملتان میں ایک بزرگ جناب سلطان محمود ملتانی تھے جن کے ساتھ قمر الدین کے گہرے مراسم تھے ۔ان کے مشورے پر

آپ نے تینوں بیٹوں کو کسب علم کے لئے دہلی بھیجا۔ اس کے علاوہ عبدالتواب کو محدث مصر شیخ احمد بن عبدالرحمان البنا الساعاتی شارح مسندالامام احمد سے سند و اجازہ حدیث حاصل تھا۔ نیز شیخ راغب الطباخ حلبی شامی نے بھی بذریعہ مکاتبت سند و اجازہء حدیث مرحمت فرمایا تھا۔ تکمیل کے بعد عبدالتواب نے تدریس حدیث تصنیف و تالیف اور دینی کتب کی نشر و اشاعت کا کام کیا۔ محلّہ قدیرآباد ملتان میں مسجد و مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس مدرسہ کے اولین مہتمم و مدرس آپ خود تھے۔ آپ کے مزاج میں سادگی تھے۔ مسجد و مکان کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ کام کرتے دیکھے گئے۔ طلبا کی ضرورتوں کے کفیل بھی ہوتے۔ عسرت کے دنوں میں بھی استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ایک شاگرد جناب عبدالاحد کا کہنا ہے جب ہم آپ کے ہاں زیرتعلیم تھے، گوبھی کے پتے ابال کر ساگ بنایا جاتا، اور آگ جلانے کے لئے لکڑی کے بجائے ہم باغ لانگے خان سے درختوں کے پتے اکٹھے کر کے لاتے اور وہ ساگ آپ خود بھی کھاتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ شامل ہوتے۔ اور ان حالات میں اگر کوئی مدد کیلئے رقم یا کوئی جنس زکوۃ عشر و غیرہ کے سلسلہ میں پیش کرتا تو قبول کرنے سے انکار فرما دیتے، حالانکہ آپ کے ہاں اکثر طلبہ کا قیام رہتا تھا، جن کا کھانا آپ کے گھر سے آتا تھا۔ (بلوغ المرام مترجم۔ اردو۔ ص ۱۰)

جناب عبدالتواب ملتان کے بڑے تاجر تھے۔ متعدد دینی کتب کی طباعت آپ کے حسنات میں سے ہے۔ مصر کے مطابع بھی آپ سے براہ راست تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کی امانت و دیانت کے باعث آپ کے قائم کردہ مکتبہ سلفیہ کی ایک ساکھ بن چکی تھی۔ نشر کتب میں مولانا کے مقاصد تجارتی سے زیادہ تبلیغی تھے۔ متعدد کتابیں مستحق طلباء و علماء میں مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ کتابوں کے ایسے شائق جو یکمشت ادائیگی سے قاصر ہوتے ان سے قسط وار قیمت لیتے اور قسط کا معاملہ انہی پر چھوڑ دیتے اور اس کا پتہ تک دریافت نہ کرتے۔ (اصحاب علم وفضل۔ ص ۱۱۹۔ ۱۲۲)

آپ نے قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ شروع کیا، چند (پہلا اور تیسواں) پارے شائع کئے۔ باقی کام ضائع ہوگیا۔ دیگر تعلیقات و تراجم میں

بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام کا اردو ترجمہ اور حواشی۔ پہلا اڈیشن مکتبہ سلفیہ ملتان سے ۱۳۴۴ھ میں

شائع ہوا۔ بعد میں کئی مرتبہ شائع ہوئی۔

ترجمہ صحیح بخاری۔صرف آٹھ پاروں تک کام ہوا۔کچھ اجزا طبع ہوئے ترجمہ وحواشی مشکوۃ۔

ترجمہ وحواشی الحزب المقبول، ترجمہ وحواشی الحزب الاعظم،

تعلیقات الصنف ابن ابی شیبہ صرف دو اجزاء ۱۳۲۴ھ میں طبع کئے،

حواشی مسند عمر بن عبدالعزیز،

تعلیق تحفۃ الودود باحکام المولود لابن قیم،

تعلیق حاشیۃ صحیح مسلم لابی الحسن السندی،

حواشی صرف بہائی، حواشی شرح مائۃ عامل،

حواشی تفسیر عزیزی سورہ مومنون تک،

تعلیق المسارعۃ الی المصارعۃ للسیوطی،

تعلیقات مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر للمروزی،

تعلیق رسالہ ذئبان جائعان لابن رجب حنبلی،

حواشی الاشارات الی بیان اسماء المبہمات للنووی،

تعلیقات علی کتاب القبل والمعانقہ والمصافحۃ لابن الاعرابی۔

جناب عبدالتواب کے تلامذہ میں عطاء اللہ حنیف، عزیز زبیدی، عبدالصبور بن عبدالتواب، ابوحفص عثمانی، عبداللہ ارشد محمود کوٹ، عبدالاحد چوٹی زیریں، عبدالرشید قریشی جھنگوی، عبدالمتین جھنگوی، محمد ابراہیم محمود کوٹ، حافظ عبدالغفار شام کوٹ، عبدالکریم ساکن بستی قدنہ، عبدالحمید، حافظ احمد یار حویلی بہادر شاہ وغیرہم شامل ہیں۔

آپ کے تینوں بیٹے عالم فاضل تھے۔ایک بیٹا عبدالصبور بہت قابل تھا جو ۱۸ سال کی عمر میں فوت ہوا اس نے ثلاثیات بخاری کی شرح انعام المنعم الباری عربی میں لکھی تھی جو ۱۳۵۸ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔دوسرے بیٹے عبدالواسع اور عبدالودود ہیں۔

سیالکوٹ

شہر سیالکوٹ میں عمل بالحدیث کی ترویج واشاعت پر جناب ابوالمسیح احمد دین امام جامع مسجد سیالکوٹ (جنہوں نے علم دین جناب حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی، جناب محمد حسین بٹالوی، اور جناب غلام حسن سیالکوٹی سے حاصل کیا۔ آپ کچہری میں سینئر سب جج کے مثل خوان رہے۔ دیانتداری میں ضرب المثل ہیں۔ ہندو مسلمان، اور مسلمانوں کے سب فرقوں میں برابر عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارغ اوقات مطالعہ اور دینی اشغال میں گزارتے ہیں اب پنشن ہوگئی ہے۔ جناب غلام حسن کے جنازہ پر تمام حضار کے سامنے جن کی تعداد کئی ہزار تھی باقاعدہ انتخاب سے باتفاق رائے اہل حدیث سیالکوٹ کے امام وسردار مقرر ہوئے۔ محمد ابراہیم میر کے رشتہ داروں میں سے ہیں، انہی کی برکت سے جناب محمد ابراہیم میر کے خاندان میں توحید وسنت کا رواج ہوا) کی ایک تحریر ۱۹۲۵ء میں ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوئی تھی جسکی تلخیص حسب ذیل ہے:

شہر سیالکوٹ میں عمل بالحدیث کا چرچا اگرچہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں شروع ہوگیا تھا لیکن ماہ ذی قعد ۱۲۹۹ھ مطابق اکتوبر ۱۸۸۲ء میں اہل حدیث نے علانیہ تبلیغ توحید واشاعت سنت اور تردید شرک وبدعت شروع کردی۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ مسجد کبوتراں والی واقع شہر سیالکوٹ میں جناب غلام مرتضی نے بالاستقلال علوم فقہ واصول کی تدریس شروع کی ہوئی تھی۔ ان کی زندگی میں ان کے ایک شاگرد رشید جناب عبداللہ نے حدیث پر عمل کرنا شروع کردیا جس سے وہ لوگوں کی ملامتوں کا نشانہ بن گئے۔ جناب غلام مرتضی کے پاس ان کی شکایات جاتیں مگر وہ جناب عبداللہ کو سنت پر عمل کرنے سے منع نہ کرتے کیونکہ مولانا مرحوم نہایت درجہ کے متدین ومتقی عالم باعمل تھے جن کی مثالیں اس زمانہ میں کم ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شہر سیالکوٹ میں امریکن مشن اور سکاچ مشن دو انگریزی مدارس تھے اور دونوں ہی پادریوں کے تھے جن میں کبھی کبھی کوئی ہندو یا مسلمان طمع نفسانی سے عیسائی بھی ہوجاتا تھا جس سے شہر میں ماتم برپا ہوجاتا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص التحیات میں شہادت کی انگلی اٹھاتا تو اس کا بھی افسوس سے ماتم کیا جاتا۔ ایسے سخت جانکاہ حالات میں جناب عبداللہ نے بلاخوف وخطر اور بلالحاظ لومۃ لائم عمل بالحدیث جاری رکھا حتی کہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اسی زمانہ کے قریب جناب حافظ عبدالمنان محدث کے ایک شاگرد جناب محمد رمضان، جو ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، سسرالی تعلق کی وجہ سے شہر میں رہنے لگے۔ جناب محمد ابراہیم میر کے والد حاجی قادر بخش نے جناب محمد رمضان کو، جو ان کے دور رشتہ دار بھی تھے، اپنے بڑے بیٹے چوہدری اللہ دتا کی تعلیم خانگی کیلئے مقرر کیا اور جناب عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی کی مسجد کے باہر میدان میں ان کیلئے ایک پختہ حجرہ بھی بنوا دیا۔ جناب محمد رمضان نو جوان عمر کے تھے، حدیث کے عاشق صادق اور اشاعت توحید و سنت میں غایت درجہ کے ساعی تھے۔ علاوہ اس کے صورت کی زیبائی کے ساتھ سیرت کی خوبی سے بھی بہرہ اندوز تھے۔ اعلیٰ درجہ کے خوش اخلاق تھے عبادت گزار شب بیدار تھے۔ اذان نہایت دلکش آواز میں کہتے۔ قرآن نہایت مؤثر الحان سے پڑھتے تھے۔ غرض جامع کمالیت صوری و معنوی تھے۔ انہوں نے جمعہ قائم کیا اور خطبہ میں وعظ کرنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ حاضرین مجلس کو ہر روز حدیث نبوی کی خوبیاں بیان کرتے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے رہتے حتیٰ کہ بعض لوگ حدیث کے شائق ہو گئے۔ ان میں سے ایک تو یہی خاکسار راقم مضمون ہے دوسرے منشی نور محمد (جناب ابراہیم میر کے حقیقی ماموں کے بیٹے) تیسرے میاں کالو (جو مولوی ابراہیم کی حقیقی خالہ کے بیٹے تھے) چوتھے حکیم خدا بخش جو منشی نور محمد کے رشتہ میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ اگرچہ ہم سب سوائے میاں کالو مرحوم کے سب اوائل عمر کے نو جوان لڑکے تھے اور اپنے اپنے والدین کے زیر تربیت تھے اور دیگر لوگوں کی نظر میں بھی حقیر تھے، لیکن محمد رمضان کے اخلاص و محبت بھری تعلیم کا اثر ایسا گہرا پڑ چکا تھا کہ ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کو تمام دنیوی عزت سے بڑھ کر سمجھ لیا تھا اس لئے ہمیں سوائے خدا کے کسی کا خوف وخطر مطلقاً نہ رہا تھا۔ ہم نے علانیہ رفع یدین و آمین بالجہر سے عمل بالحدیث کرنا شروع کر دیا اور تمام شہر اور اپنی ساری برادری بلکہ اپنے والدین کی ملامتوں کا نشانہ بن گئے لیکن ہم نے حب رسول ﷺ کے سامنے سب کو پس پشت ڈال دیا۔ بالآخر ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۱ء موضع کوٹلی لوہاراں میں جو شہر سیالکوٹ سے بفاصلہ قریباً پانچ چھ میل جانب شمال مغرب واقع ہے علماء حنفیہ اور علماء اہلحدیث میں ایک مباحثہ قرار پایا۔ لیکن افسوس مباحثہ نہ ہوا۔ البتہ دانا سمجھ دار لوگوں کو علم ہو گیا کہ فرقہ اہل حدیث حق پر ہے اور دشمنوں

نے ان کو بدنام کرنے کے لئے ان ذمہ غلط اتہامات لگا دیئے ہیں ،اس مباحثہ میں اہلحدیث کی طرف سے جناب محمد رمضان، حافظ عبد المنان محدث، سید حسن شاہ (شاگرد رشید جناب حافظ صاحب ممدوح جو موضع کوٹلی ہی کے رہنے والے تھے) اور دیگر علماء موجود تھے۔ دوسری طرف حنفیوں کی طرف سے جناب حبیب اللہ پشاوری تھے۔ اس برائے نام مباحثہ کا اثر شہر سیالکوٹ پر یہ پڑا کہ یہاں پر جناب غلام مرتضی کے لائق شاگرد جناب عبیداللہ المعروف بہ غلام حسن نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت سنت کا بیڑہ علانیہ اٹھا لیا، اور تمام لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اور ملازمت ترک کر کے اور قناعت کا جامہ پہن کر اپنے مکان پر گوشہ نشینی اختیار کی اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف باقاعدہ بلانا شروع کیا۔یعنی نماز صبح کے بعد قرآن کا درس دینا شروع کیا اور شائقین علم کیلیۓ سارا دن اور رات کا بھی کچھ حصہ علوم قرآن وسنت اور ان کے خادم علوم کی تدریس میں بلاتنخواہ وقف کر دیا۔حضرت ممدوح نہایت درجہ کے حسین تھے ۔سیرت اس سے بھی پاکیزہ تر تھی ۔اخلاق نہایت وسیع اور عظیم تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے وعظ وتقریر میں ایک خاص جذب واثر تھا۔شرم وحیا اور استغنا کی تصویر تھے۔ایسی صورت وسیرت کے ساتھ پھر تعلیم بلاعوض، بھلا سعادت مند فطرتوں میں کشش کیوں نہ پیدا ہو؟ لوگ کھچ کھچ کر آپ کے حلقہ درس میں آنے لگے اور شہر میں ایک نیا انقلاب ہونے لگا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر کے متعصب حنفی، اہل حدیث کی یہ روز افزوں ترقی دیکھ کر اس کے روکنے کی تجاویز لڑانے لگے۔آخر ۸۔اکتوبر ۱۸۸۲ء کو ایک مباحثہ قرار پایا اور امور نزاع وہی معمولی مسائل آمین بالجہر اور رفع یدین تھے۔ اہلحدیث کی طرف سے جناب غلام حسن، حافظ عبدالمنان محدث، جناب محمد بکنوی تھے (اس وقت تک جناب محمد رمضان صاحب عین جوانی میں فوت ہو چکے تھے) دوسری طرف حنفیوں کی طرف ے جناب غلام قادر بھیروی اور دیگر بزرگ تھے۔مقام مباحثہ شہر کے باہر مشرق کی طرف ایک مشہور خانقاہ بہیل شہید کا وسیع میدان مقرر ہوا۔ہجوم کا یہ عالم تھے کہ گویا اس میدان میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی ۔ سرکاری انتظام کا یہ حال تھا کہ ضلع بھر کی مسلح پولیس اور ایک رسالہ فوجی وہاں متعین تھا۔

فریق ثانی یعنی حنفیوں کی طرف سے یہ سوال پیدا کیا گیا کہ اہل حدیث پہلے اپنا مسلمان

ہونا ثابت کریں تو پھر امور مقررہ پر بحث ہوگی، اوران کے مسلمان ہونے کا ثبوت فقط یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اسماعیل (شہید) کو کافر کہہ دیں۔ یہ سوال اس قسم کا تھا کہ اسے امور زیر بحث سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ بہت سمجھایا گیا لیکن علماء حنفیہ نے اپنے جہلاء کا سہارا پکڑ کر ایک نہ سنی، اور پولیس کے مسلمان افسر کی چالاکی سے (جو خود ایک متعصب حنفی تھا) مشہور کر دیا کہ اہلحدیث ہار گئے، سوال کا جواب نہیں دیتے۔ مجمع پراگندہ حالت میں منتشر ہوگیا اور چاروں طرف سے مظلوم اہل حدیثوں پر پتھروں اور ڈھیلوں کی بعد بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ گالی گلوچ اور طعن وتشنیع کی تو کوئی حد ہی نہ رہی۔

جو لوگ مباحثہ سننا چاہتے تھے اور ان کو تحقیق حق کا شوق تھا ان کی آرزو پوری نہ ہوئی تو وہ بہت پریشان خاطر ہوئے آخر کار انہوں نے بطور خود جناب غلام حسن کی خدمت میں حاضر ہو کر تحقیقات کرنی شروع کی جس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۸۸۲ء کے اختتام سے پہلے پہلے جناب ممدوح کے اخلاص کی برکت سے شہر کے قریباً ہر محلّہ میں کثرت سے علانیہ اہل حدیث ہوگئے اور وہ جو نہ ہوئے ان کو اہلحدیث سے عداوت نہ رہی۔ جناب غلام حسن صرف دو دن کی بیماری سے ۱۸ جنوری 1918ء شب جمعہ راہی ملک بقاء ہوئے اور اپنے پیچھے علم حدیث اور اشاعت سنت کے لئے کچھ نشانات باقی چھوڑ گئے ازانجملہ ایک نشان مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ہیں۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء۔ص ۱۰۔۱۱)

اور جناب غلام حسن سیالکوٹی کے ترجمہ میں جناب محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

جناب غلام حسن سیالکوٹی کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں لیکن آپ حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کے ہم عمر تھے۔ آپ شیخ فاروقی ہیں۔ آپ کے آباء واجداد مدت سے موضع ساہووالہ ضلع سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ آبائی پیشہ طبابت وخوش نویسی تھا۔ چھوٹی عمر میں شہر سیالکوٹ میں مولانا غلام مرتضی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، جن کا حلقہ درس شہر سیالکوٹ اور گردونواح میں مشہور تھا۔ آپ کی طبیعت نہائت ذکی اور حافظہ نہائت قوی تھا۔ تھوڑی ہی مدت میں نصاب تعلیم ختم کر لیا اور اپنے استاد معظم کی وفات کے بعد ان کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے۔ علم حدیث کی سند آپ نے کتابتاً نواب صدیق حسن خان سے حاصل کی۔

طبیعت نہائت بردبار اور بامذاق تھی ۔ جو شخص آپ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتا اور ایک نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیتا مدتوں اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ حافظہ کی قوت ایسی تھی کہ جس کتاب کا بھی کوئی صفحہ ایک دفعہ دیکھ لیا پھر عمر بھر اس کو دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی ۔ طلبہ کے سبق کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے ۔ البتہ صبح کی نماز کے بعد درس قرآن کے وقت تفسیر جامع البیان سامنے رکھتے اور بڑے بڑے مشکل مسائل سادہ الفاظ میں سمجھا دیتے ۔ آپ کے طریقہ تعلیم اور حلقہ درس کی شہرت عام تھی ۔ آپ کے شاگرد دور دراز تک پھیلے ہوئے تھے ۔ بعض متشدد لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور باوجود آپ سے علم حاصل کرنے کے نماز میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوتے مگر مولانا ان سے کچھ تعرض نہ کرتے ۔ لیکن کچھ مدت کے بعد ان پر ایسا رنگ چڑھتا کہ وہ سنت کے پورے تابعدار ہو جاتے ۔

اتباع سنت میں آپ کا عمل نہائت پختہ تھا۔ تمام بزرگان دین کا نہائت ادب کرتے تھے اور اختلافی مسائل میں یا تو صورت جامعہ پر عمل کرتے یا اس صورت پر جو اقرب الی السنّہ ہو۔ اور معرکہ آراء اختلافی مسائل جن میں نص صریح سے فیصلہ نہ ہوسکتا ہو اپنی طرف سے اجتہاد کرنے سے بہت گریز کرتے تھے ۔ اور اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے سائل کے سامنے اختلاف آئمہ بیان کر کے ہر ایک کی دلیل بیان کر دیتے اور اس کو انہی کے ذمہ چھوڑ دیتے اور فرماتے کہ اپنی طرف سے قول پیدا کر کے ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی نسبت آئمہ کا قول ذکر کر دینے میں اپنی سبک دوشی ہے اور بس ۔

فتوی میں حق گوئی یہاں تک مسلم تھی کہ دیگر فرقوں کے لوگ بھی اپنے علماء کی نسبت جناب غلام حسن کی طرف زیادہ رجوع کرتے ۔ اور آپ کا طریق تفہیم اس قدر مئوثر تھا کہ شدید مخالف لوگ بھی آپ کی مجلس سے معتقد ہو کر اٹھتے ۔ سیالکوٹ کے لوگوں کی زبان پر عام طور پر مشہور تھا کہ اگر مولانا اس درجہ متقی نہ ہوتے تو اہل حدیث کا مسلک سیالکوٹ میں اتنی جلدی نہ پھیلتا ۔ آپکی تصانیف میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں ۔

☆ کتاب الصلوۃ ۔ جو سادہ طور پر سنت کے مطابق نماز کی تعلیم ہے ۔ اس کے حاشیہ پر ایک رسالہ نابالغ حافظ قرآن کی اقتداء میں نماز تراویح کے جواز میں لکھا ہے

☆ لوامع الانوار فی عقائد الابرار ۔ بعض معترضین نے اہل حدیث کے عقائد و اعمال

پر جو اعتراض کیئے ہیں اس رسالے میں ان کا جواب دیا گیا ہے۔

☆ شمس الضحی ۔بعض معترضین کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

☆ شہاب ثاقب ۔شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان کی بعض عبارتوں پر جو اعتراض کیئے گئے ہیں ان کے جواب میں ہے

☆ القول الفصیح ۔اس کتاب میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت کیا گیا ہے ۔ یہ عربی زبان میں ہے ۔ حاشیہ پر اس کا اردو ترجمہ ہے ۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق اہل حدیث اور احناف کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔مولانا ابراہیم میر کہتے ہیں کہ طرفین کی جو کتابیں اس موضوع پر میرے دیکھنے میں آئی ہیں ان میں جناب غلام حسن کی یہ کتاب سب سے زیادہ نافع اور مفید ہے۔

(تاریخ اہل حدیث ۔مؤلفہ محمد ابراہیم میر ۔ص ۴۳۹ ۔۴۴۱)

سیالکوٹ کی سرزمین کو سید الطائفہ حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین کی قدم بوسی کا شرف بھی حاصل ہے ۔جیسا کہ خود مولانا میر لکھتے ہیں :

غالباً ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء کا ذکر ہے کہ جناب محمد حسین بٹالوی کے بیٹے شیخ عبدالسلام کی شادی تھی ۔ برات غالباً بٹالہ ضلع گورداسپور سے پسرور ضلع سیالکوٹ جانے والی تھی ۔جناب بٹالوی نے حضرت شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کو بھی تقریب میں شمولیت کی دعوت دی جو حضرت میاں صاحب نے منظور فرمالی ۔ جناب ابوسعید محمد حسین بٹالوی کی برادری شیخ قانونگو دھاروال شہر سیالکوٹ میں کثرت سے آباد تھی ۔ برات اسی محلّہ میں اتری ۔حضرت میاں صاحب کی زیارت کے لئے اہل حدیث اور دیگر حضرات جوق در جوق آتے رہے اور حضرت میاں صاحب ان کو قرآن و حدیث کی تابعداری کے وعظ سناتے رہے ۔ پسرور سے واپسی پر میاں صاحب نے پھر اسی محلے میں نزول فرمایا اور مغرب کی نماز آپ نے سیالکوٹ اسٹیشن کے میدان میں ادا کی جس میں مقتدیوں کا شمار ہزاروں میں تھا۔قرائت میں آپ نے سورۃ حشر کی آخری آیات تلاوت فرمائیں ۔ جو حاضرین پر اثر انداز ہوئیں ۔اس نماز کا اثر آج تک میرے (ابراہیم) دل میں باقی ہے۔

(تاریخ اہل حدیث مؤلفہ میر ۔ص ۴۴۴ ۔۴۴۳)

سیالکوٹ میں حضرت میاں صاحب کے نزول اجلال سے کچھ عرصہ قبل ان کے شاگردوں مثلاً حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور جناب محمد حسین بٹالوی وغیرہ کی کاوشوں سے اس شہر علم و فضل

میں عمل بالحدیث کی کونپلیں پھوٹنا شروع ہو چکی تھیں ۔ حافظ صاحب وزیر آبادی اور جناب بٹالوی کے ایک شاگرد جناب احمد دین اور حافظ عبد المنان کے ایک اور شاگرد جناب محمد رمضان نے یہاں غلغلہ توحید بلند کرنا شروع کیا ہوا تھا۔

جناب محمد رمضان نے سیالکوٹ تشریف لا کر خطبات جمعہ اور تقاریر میں عمل بالحدیث کی تبلیغ شروع کر دی مخالفت بھی ہوئی اور ۱۸۸۱ء میں کوٹلی لوہاراں اور ۱۸۸۳ء میں سیالکوٹ میں احناف سے مناظروں کی بات چلی ۔ ۱۸۸۱ء میں اہل حدیث کی طرف سے جناب محمد رمضان اور حافظ وزیر آبادی مناظرے کے لئے تشریف لائے جب کہ احناف کی طرف سے جناب حبیب اللہ پشاوری تشریف لائے ۔ یہ مناظرہ تو نہ ہو سکا تاہم جناب غلام حسن سیالکوٹی اعلانیہ طور پر اشاعت سنت کے لئے کمر بستہ ہو گئے ۔۱۸۸۳ء والے مناظرے میں اہل حدیث کی طرف ۱۸۸۳ء والے مناظرے میں اہل حدیث کی طرف سے مولوی غلام حسن حافظ عبد المنان وغیرہ موجود تھے اور احناف کی طرف سے مولوی غلام قادر بھیروی مع ساتھیوں کے آئے ۔ یہ مناظرہ بھی بالفعل منعقد نہ ہوا تاہم مسلک اہل حدیث کی قبولیت میں اضافہ کا موجب بن گیا۔

(تلخیص مضمون از مولانا عبدہ مشمولہ سوانح مولانا میر ص ۴۲۔۴۴) ۔

ان بزرگوں کے بعد سیالکوٹ میں عمل بالحدیث کی تحریک کو جناب میر نے اٹھایا اور ان کی کاوشوں سے شہر اور گردونواح میں اہل حدیث کو خوب فروغ ہوا۔

جناب محمد ابراہیم میر اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں :

میرا نام محمد ابراہم ولد حاجی قادر بخش میر ہے۔ آباء و اجداد کا وطن کنڈی (کشمیر) کے علاقہ میں تھا۔ الحمد للہ کہ میری ولادت پابند شرع خاندان میں ہوئی ۔تعلیم کے لئے انگریزی سکول میں بٹھایا گیا اور سکول کے خارج کے وقت میں گھر میں قرآن شریف و مذہبی کتب کی تعلیم بھی جاری رہی ۔ چنانچہ مولانا غلام حسن سیالکوٹی کے درس میں حاضری لازمی تھی ۔ ۱۸۹۵ء میں انٹرنس یعنی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ کالج میں داخل ہو کر ایک سال ایف اے کلاس میں بھی گزار لیا تھا کہ کالج کو خیر باد کہہ کر ۱۸۹۶ء کے ماہ ستمبر میں وزیر آباد (سیالکوٹ سے جانب مغرب ۲۷ میل) حافظ عبد المنان محدث کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔انہوں نے صحیح مسلم اور الفیہ ابن مالک پھر صحیح بخاری اور سنن

ابی داؤد شرح نخبہ اور الفیہ عراقی شروع کرائی ۔الحمد للہ کہ بہت تھوڑے عرصہ میں جو کچھ مقدر تھا اس سے اپنا دامن بھرلیا ۔ بعد ازاں دہلی جا کر سید نذیر حسین محدث کی خدمت میں حاضری دی اور سند و اجازۃ سے مفتخر ہوا۔ اس کے بعد مناظرہ و مدافعت اسلامی اور تبلیغ توحید وسنت اور تصنیف کتب اور تدریس وتذکیر کے کام میں زندگی بسر کی دسمبر ۱۹۱۴ء میں والد صاحب فوت ہو گئے اور مجھے اپنے برادر بزرگ اور ہمشیرگان کے ساتھ اس قدر حصہ وراثت ترکہ میں ملا کہ کوئی پیشہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑی ۔خدا نے مال دیا تو اپنی اراضی زرعی میں سے ایک بیگہ میں جماعت اہل حدیث کے لئے عید گاہ بنائی اور اس میں پھلدار درختوں اور پھولوں کا باغ بھی لگوایا ۔والد مرحوم نے بصرف خاص جو دومنزلہ جامع مسجد اہل حدیث کیلئے بنائی تھی اسے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے دوگنا کر دیا۔

۱۹۰۶ء میں مدرسہ احمدیہ کے سالانہ جلسہ پر اہل حدیث کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد کانفرنس کے مقاصد کو تمام ہندوستان میں شائع کرنے کے لئے ایک وفد قرار پایا جس کے امیر جناب عبدلعزیز رحیم آبادی مقرر ہوئے اور ان کی معیت میں دو خادم (خاکسار اور مولانا ثناءاللہ) شریک ہوئے یہ وفد محمد پورکواڑی ضلع دربھنگہ سے چلا اور راج شاہی سے ہوتا ہوا کلکتہ پہنچا پھر بنارس سے امرتسر اور لاہور پہنچا۔ میرے اس سفر میں پورے اڑھائی ماہ صرف ہوئے کیونکہ شروع میں مجھے مولوی ابوالقاسم کی معیت میں بہت دن الہ آباد اور بنارس میں بھی تبلیغی کام کرنا پڑا۔

جناب محمد اسحاق بھٹی بتاتے ہیں کہ ان دنوں لاہور میں جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات بہت کم تھے ۔ پروفیسر عبد القیوم کے نانا جناب سلطان احمد اور والد منشی فضل الدین موچی دروازے میں رہتے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے اپنے مکان پر اہل حدیث حضرات کو جمع کیا اور حلقہ اہل حدیث کے نام سے ان کی تنظیم قائم کی جس کا صدر جناب سلطان احمد کو بنایا گیا ۔اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں اس تنظیم کا نام حلقہ احباب اہل حدیث رکھا گیا ۔۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو پنجاب کے مشہور اور جلیل القدر علمائے اہل حدیث کا اجلاس پروفیسر عبد القیوم کے نانا اور والد نے اپنے مکان پر منعقد کیا۔ان علماء میں جناب محمد حسین بٹالوی، جناب احمد اللہ امرتسری، جناب محمد علی لکھوی، حافظ عبد المنان وزیر آبادی، جناب عطاءاللہ لکھوی، جناب محمد حسین لکھوی، جناب غلام

حسن سیالکوٹی، جناب ثناء اللہ امرتسری، قاضی عبدالاحد خانپوری اور جناب محمد ابراہیم سیالکوٹی شامل تھے۔ ان سب حضرات کی رائے سے لاہور کی جماعت اہل حدیث کا نام انجمن اہلحدیث رکھا گیا اور اب تک مسجد مبارک کا انتظام جو ۱۹۲۰ء میں تعمیر کی گئی تھی اسی انجمن کے سپرد ہے۔

(سوانح مولانا میر)

اسی طرح صوبائی سطح پر نومبر ۱۹۲۱ء میں اعیان اہل حدیث صوبہ پنجاب کا اجلاس ہوا اور صدر انجمن اہل حدیث صوبہ پنجاب کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا صدر مقام لاہور اور صدر جناب ثناء اللہ امرتسری کو بنایا گیا جناب ابراہیم سیالکوٹی مشیر منتخب ہوئے۔ بعد میں انجمن کے صدر جناب عبدالقادر قصوری قرار پائے اور ناظم اعلی جناب امرتسری ہوئے۔ انجمن کے سلسلہ میں اعلان کرنے والے جناب سیالکوٹی تھے اور انہی کے قلم سے تمام کاروائی شائع ہوئی تھی۔

جناب میر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ دہلی میں حاجی عبدالرحمٰن تاجر کی دکان پر بیٹھے تھے کہ کسی نے اس امر کا تذکرہ کیا کہ اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے کوئی مدرسہ بڑے پیمانے پر نہیں ہے۔ دہلی میں جتنے مدارس اہل حدیث کے زیر اہتمام ہیں ان کے طلبہ کی سکونت و تدریس زیادہ تر مساجد میں ہے۔ چاہیے کہ ہماری ایک اعلی درجہ کی عمارت ہو جس میں مدرسہ کی جمیع ضروریات پوری ہوں اور ایک بڑے پیمانے پر تدریس کا کام کیا جائے۔ چنانچہ حاجی صاحب نے اس خدمت کیلئے ۵۰ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ بایں شرط کیا کہ میں (ابراہیم) خود دہلی میں قیام کرکے اس خدمت کی ذمہ داری لوں۔.. میں نے حاجی صاحب کی فرمائش کو منظور کرلیا۔ اور ایک سال کے بعد حاجی صاحب نے ہماری امید اور اپنے وعدے سے بڑھ کر روپیہ خرچ کرکے ایک نہائت وسیع اور عالی شان عمارت کھڑی کر دی جس پر ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ خرچ کر دیا۔ جب عمارت تیار ہوگئی تو حاجی صاحب مرحوم نے مجھے اطلاع دی۔

پھر بتایا جاتا ہے کہ تعلیمی سال کے آخر میں مولانا ابراہیم نے تمام اساتذہ اور طلبا (مدرسہ دارلحدیث سیالکوٹ) سے فرمایا کہ اب یہ مدرسہ دہلی میں ہوگا۔ لہذا شوال میں آپ لوگ دہلی آجائیں۔ سب لوگوں نے ایسا ہی کیا .. اور جناب ابراہیم میر دہلی چلے گئے تھے۔ چونکہ دہلی کا یہ مدرسہ حقیقت میں سیالکوٹ کا منتقل شدہ مدرسہ دارالحدیث تھا اور دہلی کے مدرسہ کے بانی حاجی عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی شیخ عطاءالرحمان تھے اس لئے اس مدرسہ کا نام دارالحدیث رحمانیہ تجویز ہوا جو بہت پسند کیا گیا۔ جناب میر فرماتے ہیں کہ ملک کے ہر گوشہ سے طلبہ مدرسہ رحمانیہ

میں آنے لگے ۔ یہ قبولیت یہاں تک پہنچ گئی کہ مدرسہ دیو بند اور امینیہ دہلی کے بعض فارغ التحصیل علماء بعض با مذاق اساتذہ کے اشارہ سے اس ہیچ مدان سے حجۃ اللہ اور تفسیر پڑھنے کے لئے اسی مدرسہ میں داخل ہوئے جن کی الگ جماعت بنائی گئی ۔ اس طرح اس درس گاہ کی حیثیت ایک کالج کی ہوگئی ۔ (اہل حدیث امرتسر ۵ اپریل ۱۹۲۹ء)۔ بعد میں کچھ عرصہ بعد جناب میر سیالکوٹ چلے آئے اور بعض ناگزیر حالات کی بنا پر دوبارہ دہلی نہ جا سکے ۔

تعلیم و تدریس کا سلسلہ آپ کی مصروفیات کے باعث کئی مرتبہ بند ہوا اور پھر جاری ہوا ۔ انہوں نے ایک ماہانہ رسالہ الہدی کے نام سے جاری کیا اور ایک رسالہ الہادی کا اجرا بھی عمل میں لایا گیا۔ تاہم یہ رسالے مستقل طور پر جاری نہ رہ سکے

جناب میر قرآنی علوم و معارف کے فاضل اور اسرار و رموز کے ماہر تھے ۔ انہوں نے فارغ التحصیل اور ذہین علماء کے لئے قرآن کی روشنی میں فرق باطلہ کی تردید کا تربیتی کورس شروع کیا ۔ وہ برصغیر میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے دورہ مضامین قرآن کا آغاز فرمایا۔ وہ شرکاء درس پر بہت محنت فرماتے ۔ ختم نبوت رد قادیانیت رد عیسائیت رد نیچریت پر مناظرانہ خطابات کرتے اور مجوسیوں یہودیوں آریہ سماجیوں سناتن دھرمیوں اور بدھوں کی خوب تردید کرتے ۔

جناب میر ملکی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ جناب ثناء اللہ امرتسری کی سعی و تجویز سے ۱۹۱۹ء کے آخر میں ہندوستان کے علماء کرام کی تنظیم جمیعت علماء ہند قائم ہوئی تو جناب سیالکوٹی اس میں شامل تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ ملکی سیاست میں جمیعت علماء ہند کانگریس کی ہم نوا ہوگئی تو جناب ابراہیم نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور جناب شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر جمیعت علمائے اسلام قائم کر لی ۔ جمیعت علمائے اسلام کلکتہ میں قائم کی گئی تھی اس کا صدر جناب عثمانی کو اور نائب صدر جناب سیالکوٹی کو بنایا گیا تھا ۔ متحدہ ہندوستان میں اس کا ایک ہی اجلاس ہوا تھا جو اس نواح میں پہلا بھی تھا اور آخری بھی ۔ یہ اجلاس کلکتہ میں ہوا تھا جس کی صدارت جناب ابراہیم نے کی تھی ۔ کیونکہ جناب عثمانی علالت کے باعث اس میں شریک نہیں ہوئے تھے ۔

جناب میر کم و بیش ۹۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر واضح البیان کے نام سے لکھی ۔ اتنی بسیط اور مفصل تفسیر اس سورۃ کی برصغیر کے کسی اور عالم نے نہیں لکھی ۔ سورۃ کہف کی بڑی مفصل تفسیر لکھی جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بڑی تحقیق سے لکھا۔

جناب میر کے تلامذہ میں محمد اسماعیل سلفی ۔ عبدالمجید سوہدروی ۔ حکیم صادق سیالکوٹی

۔حافظ محمد شریف سیالکوٹی ۔ عبداللہ ثانی ۔عبدالعزیز اوکاڑوی ۔ محمد صدیق فیصل آبادی ۔حافظ عبد اللہ بڈھیمالوی ۔معین الدین لکھوی اور ابوحفص عثمانی شامل ہیں ۔آپ کی وفات ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کے روز ہوئی اور حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

گوجرانوالہ

جناب محمد اسحاق بھٹی نے لکھا ہے:

گوجرانوالہ میں مسلک اہلحدیث کی اشاعت کا آغاز جناب غلام رسول قلعوی ، جناب علاء الدین، سید عبداللہ غزنوی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور میر حیدر وزیر آبادی کی کوشش سے ہوا۔

مولوی علاء الدین ملتان گاؤں اوج بھٹیاں کے رہنے والے تھے ۔۱۸۷۴ء کے پس وپیش گوجرانوالہ آئے اور کچھ دوستوں کے ساتھ ایک کھلی نماز جمعہ شروع کر دی۔لوگوں نے وہابی کہہ کر مخالفت شروع کردی اور پولیس کو بھی اپنی مدد پر لے آئے ۔ بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے کہیں نماز پڑھانا شروع کی اور ان کو روک دیا گیا ۔ وہ کہیں مسجد بنانا چاہتے تھے لیکن یہ کام مشکل معلوم ہوتا تھا کیونکہ لوگ بھی کم تھے (صرف دس ،بارہ) اور مالی وسائل بھی نہیں تھے ۔ اندریں حالات مسجد کے لئے جگہ خریدنا، پھر تعمیر کرنا اور پھر اس پر قبضہ رکھنا کارے دارد تھا۔ تاہم انہوں نے کچھ رقم اکٹھی کی اور ایک شخص سائیں رنگ علی سے درخواست کی کہ تمہارے پاس کافی زمین ہے اس میں سے تھوڑی سی ہمیں مسجد کے لئے دیدو ۔ رنگ علی خوش ہوا اور جو زمین وہ خریدنا چاہتے تھے اس پر نشان لگا دیا اور مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی ۔ادھر لوگوں نے شور مچا دیا کہ یہ مسجد مسلمانوں کی نہیں بلکہ وہابیوں کی ہوگی اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا اس لئے اسے گرا دیا جائے ۔ایک دیوار اٹھ چکی تھی جب لوگ اسے گرانے آگئے تو رنگ علی پریشان ہوا اور زمین دینے سے انکار کر دیا۔ اس زمین کے ایک حصہ دار میر حیدر تھے،مسجد بنانے والے ان کے پاس گئے کہ رنگ علی کو سمجھائیں ۔اس نے رنگ علی کو سمجھایا کہ اگر اس مسجد میں نماز جائز

نہیں تو تمہارا کیا جاتا ہے، زمین تو یہیں رہے گی ،ہمیں یہ فائدہ ہو گا کہ اس میں دو کمرے تعمیر ہو جائیں گے ۔مسجد رہی تو لوگ نماز پڑھیں گے اور ہمیں ثواب ملے گا، نہ رہے گی تو ہمیں مکان مفت میں مل جائے گا ۔ یہ بات سن کر رنگ علی خاموش ہو گیا اور مسجد تعمیر ہو گئی ۔مسجد بنانے والوں میں شیخ جھنڈو اور حاجی پیر محمد بھی تھے جو شہر کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔تعمیر کے بعد مخالفوں نے اسے مسجد ضرار قرار دیا اور لوگوں کو اسے منہدم کرنے پر اکسایا۔لیکن شہر سے باہر کے علماء نے اس فتوی کو غلط قرار دیا اور لوگوں کی زبان کسی حد تک بند ہوئی ۔ وہاں ایک پرانا کنواں بھی تھا جس سے نمازی وضو کرتے مخالفین نے تکیہ والوں سے کہہ کر وہاں سے پانی لینا اور وضو بند کردا یا۔اب میر حیدر اور کچھ دوسرے لوگوں نے مالی مدد کی اور مسجد کے اندر کنواں بنالیا یہ وہی مسجد ہے جو گوجرانوالہ کے نیائیں چوک میں جماعت اہل حدیث کی بہت بڑی مسجد ہے ۔ پرانے دور میں اسے مولوی علاء الدین کی مسجد کہتے تھے اور یہ چھوٹی تھی ۔ جناب علاء الدین یہاں خطیب و امام اور مدرس تھے ۔اس کے بعد اسے مولوی اسماعیل کی مسجد کہا گیا جب جناب اسماعیل صاحب یہاں آ گئے ۔

دیگر حضرات کے علاوہ ابتدا میں گوجرانوالہ کے محلّہ حاجی پورہ کی کشمیری برادری کے لوگوں نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔مسجد کی تعمیر کے بعد وہاں جماعت کی تنظیم کا خیال ہوا۔ وہاں امرتسر کے منشی قائم الدین نقشہ نویس تھے جو اشاعت کتاب وسنت میں بڑے سرگرم تھے انہوں نے غلام محمد ڈار کے ساتھ مل کر ۱۹۱۲ء میں انجمن اہل حدیث گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی لیکن یہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی ۔ پھر ۱۹۱۵ء میں پادری جوالا سنگھ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے گوجرانوالہ آیا اور کئی روز یہاں رہا۔ اس نے اسلام پر بڑے حملے کئے۔مسلمانوں کا کوئی عالم نہ تھا جو اس کا مقابلہ کرسکتا۔شہر کے مسلمانوں کے لئے صورت حال بڑی پریشان کن تھی ۔ پھر غلام محمد ڈار اور منشی قائم دین نے فیصلہ کیا کہ جناب ثناء اللہ کو بلایا جائے۔منشی قائم دین کے والد حکیم خیر دین امرتسر گئے اور جناب ثناء اللہ کو لے کر آئے، انہوں نے جوالا سنگھ پدری سے مناظرہ کیا اور اللہ نے فتح دی جس سے شہر کے مسلمان انتہائی متاثر ہوئے اور اہل حدیث کے متعلق بغض وعناد کے جراثیم بڑی حد تک ختم ہو گئے عام لوگ سمجھ گئے کہ اسلام کے اصل خادم یہی لوگ ہیں۔

مناظرے کے فوری بعد حاجی پورہ کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ انجمن دوبارہ قائم کی جائے اور پھر جناب امرتسری کی موجودگی میں دوبارہ انتخاب ہوا جس میں جناب غلام محمد ڈار سکرٹری منتخب ہوئے۔ ابتداء میں یہ مسجد چھوٹی تھی اور اسکے امام علاء الدین تھے۔ ۱۹۲۱ء میں جناب اسماعیل یہاں آ گئے اور یہاں مدرسہ عربیہ محمدیہ جاری کر دیا۔

محمد اسماعیل سلفی کے خاندان میں کئی پشتوں سے علم کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ کتابت اور طبابت سے اس خاندان کو دلچسپی تھی۔ مغل دور میں یہ خاندان سوہدرہ میں آباد تھا اور ان کے کچھ لوگ اچھے مناصب پر فائز تھے پھر سوہدرہ سے کولو تارڑ چلے گئے پھر حضرت کیلیا نوالہ کا رخ کیا پھر رتی سخی چلے گئے وہاں سے وزیر آباد کے قریب ڈھونیکے آ گئے جہاں کافی عزت ملی اور زمین بھی۔ جناب اسماعیل سلفی کے پردادا کا نام محکم دین تھا۔ ان کا ایک ہی بیٹا عبداللہ تھا جن کے بیٹوں میں سے ایک کا نام محمد ابراہیم تھا جو جناب اسماعیل کے باپ تھے۔ ابراہیم عبادت گذار بزرگ تھے۔ کتابت میں مہارت رکھتے تھے۔ نواب وحید الزمان کے ترجمہ قرآن کے عربی متن اور اردو ترجمے کی کتابت آپ نے کی تھی۔ تحفۃ الاحوذی کی کتابت بھی آپ نے کی۔ ان کا مکان آبادی حاکم رائیں چاہ شاہاں کے قریب تھا۔ مکان کے متصل ایک مسجد تھی ابراہیم اس میں امامت بھی کرتے تھے۔ مدرسہ محمدیہ میں آتے تو حافظ محمد اور جناب اسماعیل کا درس چل رہا ہوتا تو کسی کے پاس بیٹھ کر سماع کرتے رہتے۔ اسماعیل کی ولادت ۱۸۹۷ء کے لگ بھگ ہوئی۔ قرآن مجید اور عربی فارسی کی بعض کتابیں پڑھ کر حافظ عبد المنان وزیر آبادی کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں مزید تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے۔ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے۔ امرتسر میں مفتی محمد حسن سے بھی استفادہ کیا۔ جناب محمد ابراہیم سیالکوٹی سے بھی مستفید ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں گوجرانوالہ آ کر تدریس و خطابت کا سلسلہ شروع کیا۔

پورے پنجاب میں دو ہی لوگ تھے جنہوں نے آغاز قرآن سے آخر تک تسلسل کے ساتھ خطبات جمعہ میں قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کا التزام کیا۔ ایک جناب اسماعیل اور دوسرے ان کے شاگرد جناب حنیف ندوی تھے۔ جناب اسماعیل نے یہ سلسلہ ۱۹۲۱ء

میں شروع کیا اور ان کی وفات فروری ۱۹۶۸ء تک جاری رہا۔اس طرح انہوں نے دو دفعہ قرآن مجید ختم کر کے تیسری دفعہ کچھ حصہ کی تفسیر کی تھی ۔ جناب محمد اسماعیل پنجابی میں خطبہ دیتے لیکن تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ یکساں مستفید ہوتے ۔ایک دفعہ گوجرانوالہ میں یوں ہوا کہ لوگ متفق ہو گئے کہ وہاں اہل حدیث بریلوی اور دیوبندی شہر میں نماز جمعہ ایک ہی جگہ پڑھا کریں اور ہر مسلک کا خطیب باری باری جمعہ پڑھائے ۔ بریلوی مکتب فکر کی طرف سے مولوی بشیر حسین اور مولوی صابر حسین تھے ۔ اہل حدیث کی طرف سے جناب اسماعیل اور حافظ محمد گوندلوی کی شہرت تھی ۔ دیوبندیوں میں مولوی عبد الواحد اور جناب محمد چراغ تھے ۔ حافظ محمد گوندلوی اور مولوی چراغ عالم تو تھے لیکن خطیب اتنے بڑے نہ تھے ۔ ان دونوں نے اپنے خطبے کی باری جناب اسماعیل اور جناب عبدالواحد کو دے دی تھی ۔اب چار خطیب تھے ایک اہل حدیث ۔ جناب اسماعیل ۔ایک دیوبندی، جناب عبدالواحد اور دو بریلوی مولوی بشیر حسین اور صابر حسین ۔ پہلا جمعہ جناب اسماعیل نے پڑھایا، سب نے خطبہ سنا اور نماز انکی اقتدا میں پڑھی ۔ جناب اسماعیل نے تین یا چار اجتماعی خطبے دیئے تھے کہ بریلوی حضرات نے حیلے بہانوں سے راہ فرار اختیار کر لی کیونکہ دانش مند بریلوی عوام جناب اسماعیل کے وعظ اور دلائل سے متاثر ہونے لگے تھے ۔ پھر بعض دیوبندی حضرات نے تو مستقل جناب اسماعیل کی اقتداء میں جمعہ شروع کر دیا اور عوام میں جو تعصب پایا جاتا تھا وہ بڑی حد تک ختم ہو گیا۔ یہ سب جناب اسماعیل کی تقریروں اور مدلل انداز بیان کا نتیجہ تھا۔

ہندوستان میں مشترکہ جلسوں میں میرا مذہب مجھے کیوں پیارا ہے، قسم کے عنوانات پر تقریریں ہوا کرتی تھیں ۔گوجرانوالہ میں آریہ سماج کا ایک خاندان چوک نیائیں سے حافظ آباد جانے والی روڈ پر ایک کوٹھی میں آباد تھا ۔ اس خاندان کا سربراہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور دو تین ماہ بعد ایسے جلسے اپنی کوٹھی میں کروایا کرتا تھا ۔ جناب اسماعیل بھی جا کر تقریریں کرتے تھے ۔گوجرانوالہ میں جناب اسماعیل کا بہت احترام اور اثر و رسوخ تھا کھوکھر ارائیں اور کشمیری برادری میں ایسے گھر بھی تھے کہ ان کے بچہ پیدا ہوتا تو نام آپ سے رکھواتے ۔اس زمانے میں غلام محمد ڈار، حاجی محمد علی، مہر وزیر محمد، محمد حسین ڈار، عبداللہ اہل حدیث وغیرہ کا شمار اہل حدیث کے معزز اور اہم ارکان میں شمار ہوتا تھا ۔

جناب احمد علی لاہوری کے بیٹے عبید اللہ انور بھی آپ کے پاس پڑھنے آئے۔ دو تین ماہ پڑھتے رہے۔ جناب اسماعیل کو کتابیں خریدنے اور مطالعہ کی عادت تھی سفر میں ہوتے تو ایک آدھ کتاب مطالعہ کے لئے ضرور ساتھ ہوتی۔ وہ تہجد گذار اور قائم اللیل تھے۔ صبح سب سے پہلے مسجد میں آتے سردیوں میں فجر کی نماز کے بعد اور گرمیوں میں مغرب کی نماز کے بعد درس قرآن دیتے۔ نماز میں بڑے سوز سے قرآن پڑھتے۔ آپ نے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا اور قید و بند کی اذیتیں بھی برداشت کیں۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں کافی عرصہ لاہور سنٹرل جیل میں قید رہے۔ جب ترجمان القرآن میں جناب مودودی کا سلسلہ مضامین، مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، شائع ہو رہا تھا تو آپ کہتے تھے کہ جہاں اس ملک (ہند) کے اور بہت سے لوگ انگریزوں کی حمائت کر رہے ہیں ان میں کلامی نوعیت کی ایک حمائت یہ بھی سہی۔ گوجرانوالہ سے الاعتصام اگست ۱۹۴۹ء میں جاری ہوا جس کے ایڈیٹر جناب حنیف ندوی تھے ناشر جناب محمد عطاء اللہ حنیف تھے بھوجیانی۔ اس کے اخراجات کی ذمہ دار گوجرانوالہ کی انجمن اہل حدیث تھی۔

جناب اسماعیل معلومات کا وسیع ذخیرہ رکھتے تھے تفسیر حدیث فقہ ادبیات علم کلام سے متعلق ان کے مطالعہ میں بڑا پھیلاؤ تھا اور قلم میں زور اور اثر تھا۔ عربی فارسی اردو پر عبور تھا ان کے مضامین روزنامہ امروز میں شائع ہوتے رہے۔ جناب مسعود عالم ندوی جب دارالعروبہ چلاتے تھے تو جمعہ جناب اسماعیل کی مسجد میں پڑھتے اور امام وخطیب سے قریب بیٹھ کر غور سے خطبہ سنتے۔ جناب اسحاق بھٹی نے ایک دفعہ کہا کہ جناب اسماعیل پنجابی میں تقریر کرتے ہیں تم اردو اور عربی دان ہو، تمہارے پلے کیا پڑتا ہے؟ جناب مسعود عالم نے کہا ان کی تقریر میں پنجابی کہاں ہوتی ہے؟ یا وہ عربی بولتے ہیں یا فارسی۔ پنجابی کے اسیں اور تسیں ہوتے ہیں، وہ میں جانتا ہی ہوں۔

جناب اسماعیل ان ۳۱ علماء میں شامل تھے جنھوں نے ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء میں کراچی میں اسلامی آئین سے متعلق ۲۲ نکات کا مسودہ تیار کر کے حکومت کو دیا تھا۔ یہ اجلاس سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہوا تھا۔ انہوں نے گوجرانوالہ میں بے پناہ خدمات انجام دیں وہ محدود تنخواہ پر یہاں رہے بہت سے مقامات سے اچھی تنخواہ پر بلایا گیا نہیں

گئے مدینہ یونیورسٹی سے بہت اچھے مشاہرے پر دعوت آئی نہیں گئے۔ کہا کرتے تھے کہ علماء خود کو نیلام کی منڈی میں لے آئے ہیں ۔ جو زیادہ بولی دے وہاں چلے جاتے ہیں۔

جامعہ سلفیہ (لائل پور، حال فیصل آباد) کے قیام کے بعد انہوں نے جامعہ کی خدمت و حمائت کو فرض قرار دے لیا، خود بھی سلفی ہو گئے ۔ اس کی امداد کیلئے امراء سے بھی تعلقداری شروع کی ورنہ وہ امرا کے پاس نہیں کھٹکتے تھے۔ میاں فضل حق کو جامعہ کا صدر بنانے کی یہی وجہ تھی۔ تعزیہ کا جلوس آپ کی مسجد کے سامنے سے گذرتا تھا۔ آپ نے کبھی اعراض نہیں کیا۔ ایک دفعہ جلوس وہاں آکر رک گیا اور بڑی دیر تک وہاں ماتم کرتا رہا۔ اس اثنا میں کسی نے دو چار روڑے چلا دیئے ۔ حکومت کو شکائت ہوئی ۔ اگلے روز ڈپٹی کمشنر نے شہر کے تمام علماء کو بلا لیا۔ جناب اسماعیل سے روڑوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا روڑوں کا تو مجھے علم نہیں کہ کس طرف سے آئے ۔ میں اس قسم کی حرکت کرنے والوں اور کسی مسلک کے لوگوں کو تکلیف پہنچانے والوں کا سخت مخالف ہوں ۔ لیکن ان (شیعہ) حضرات کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ مسجد کے سامنے آ کر وہ اتنی دیر کیوں رکتے ہیں؟ یہ اس طرح وہاں ماتم کرتے ہیں کہ جیسے حضرت حسینؓ کو ہم نے شہید کیا ہے اور اسی جگہ کیا ہے ۔ یہ الفاظ سن کر ڈپٹی کمشنر بھی مسکرانے لگا اور خود شیعہ حضرات کے چہروں پر بھی مسکراہٹ چھا گئی اور بات ختم ہو گئی ۔

ابتداء زندگی میں انہیں مناظروں سے بھی دلچسپی تھی اور اس میدان میں اترے بھی لیکن جلد ہی یہ سلسلہ ترک کر دیا۔ .... (پاکستان بنا) تو جناب ثناء اللہ امرتسر سے لاہور آئے اور اس لٹے ہوئے قافلے نے چینیا نوالی مسجد میں قیام کیا.. یہیں سے جناب اسماعیل، جناب ثناء اللہ امرتسری کو گوجرانوالہ لائے ۔ گوجرانوالہ سے وہ سرگودھا چلے گئے ۔ ۱۹۴۸ء میں جناب ثناء اللہ کا سرگودھا میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد جمیعت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے جماعت کا نظم قائم ہوا اور پہلے ناظم پروفیسر عبدالقیوم منتخب ہوئے ۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری جناب اسماعیل پر ڈالی گئی ۔ ۱۹ جنوری ۱۹۶۴ء کو مرکزی جمیعت کی شوریٰ کا اجلاس شیش محل روڈ پر جناب محمد اسحاق رحمانی کی صدارت میں ہوا۔ جناب اسماعیل کو امیر اور جناب ابوبکر غزنوی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

تقسیم سے قبل مولانا ثناء اللہ مرحوم نے کسی مسئلے میں جناب ابوالاعلیٰ مودودی

سے اختلاف کا اظہار فرمایا تو جواب میں حکیم عبدالرحیم اشرف نے جناب مودودی کا دفاع کیا۔ پھر حکیم صاحب کے جواب میں جناب محمد اسماعیل نے مضمون تحریر فرمایا جو اہل حدیث کی کئی قسطوں میں چھپا۔

الاعتصام اور دیگر جرائد میں بھی انکے بہت سے مضامین شائع ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں۔ مشکوۃ مترجم ترجمہ شروع کیا مکمل نہ ہوا۔ فتاوی۔ سبعہ معلقہ (پہلے ہر شعر کی عربی میں شرح فرمائی پھر اردو میں ترجمہ کیا)، تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی مساعی جمیلہ۔ حجیت حدیث۔ اسلامی حکومت کا خاکہ۔ رسول اکرم کی نماز۔ خطبات سلفیہ۔ ۱۹۶۷ء میں فالج کا حملہ ہوا۔ ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو فوت ہوئے۔

(نقوش عظمت رفتہ۔ ص ۱۵۵۔ ۲۵۰ ملخصاً)۔

گوجرانوالہ میں عمل بالحدیث کی ترویج میں جناب نورحسین گرجاکھی کا بھی بڑا کام ہے۔ جناب نورحسین پنجابی کے بہت اچھے اور مقبول واعظ تھے جلسوں میں ان کی بہت مانگ تھی۔ شیریں بیان۔ پنجابی کے شاعر بھی تھے عیسائیوں، آریہ سماجیوں، مرزائیوں، شیعوں، بریلویوں سے مناظرے بھی کرتے تھے۔ نورحسین کی ولادت ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ لکڑی کا کام سیکھ کر مستری کے طور پر کوہاٹ کے قریب ایک ریلوے سٹیشن پر ملازم ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں شادی ہوئی تو نوکری چھوڑ کر واپس آ گئے۔ ۲۰ برس کی عمر میں جناب علاء الدین کے پاس جانا شروع کیا جو جناب غلام رسول قلعوی کے شاگرد تھے اور چوک نیائیں کی مسجد میں امام وخطیب تھے۔ ان سے قرآن سادہ اور ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ پھر مشکوۃ بھی شروع کر دی۔ چند سال میں خاصے عالم ہو گئے اور مسلک اہل حدیث پر پورے کاربند۔ مسجد میں نماز جمعہ کے جناب نورحسین اکثر وعظ کرتے جس سے آپ مقرر بھی ہو گئے۔ ۱۹۱۵ء میں شیخوپورہ آ گئے اور پرانی آبادی میں ورکاں والی مسجد میں خطبہ دیتے۔ وعظ نہائت سادہ اور آسان الفاظ میں ہوتا حافظ آباد میں ایک گاؤں ونی ہے وہاں وعظ کے لئے گئے پتہ چلا سکھوں نے اذان بند کر دی ہے، وعظ میں آپ نے بابا نانک کی بانیاں سنانا شروع کر دیں اور کہا بابا جی تو خود اذان کہتے تھے اور اب سکھ اذان سن نہیں سکتے۔ وعظ سکھوں نے بھی سنا صبح ان کے سرکردہ افراد مولانا کے پاس آئے اور کہا ہم نے اذان بند نہیں کی بلکہ مسلمانوں سے کہا تھا یا حقہ چھوڑ دو، یا اذان۔ ان لوگوں نے اذان چھوڑ دی۔ کل آپ مسلمانوں کے مہمان تھے آج ہمارے۔ رات کو آپ کا وعظ ہم کرائیں گے۔ اس کے بعد گاؤں میں

اذان ہونے لگی۔ آپ صالح بزرگ اور کامیاب مناظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مناظرے میں کامیاب کیا۔ نور تخلص کرتے تھے اور اچھے شاعر تھے۔ ۱۹۱۴ء میں شہادت حسین لکھی۔ ۱۹۱۶ء میں تحقیق الایمان لکھی۔ اختلاف آئمہ در تقلید۔ بجلی آسمانی بر ملا ملتانی۔ امام اعظم۔ گلدستہ نور۔ آسمانی گولہ بر بدعتی ٹولہ۔ ختم نبوت۔ رفع یدین، رسالہ آمین بالجہر۔ رسالہ قبر پرستی۔ رسالہ علم غیب۔ احوال گور۔ چودھویں صدی کا دجال۔ وغیرہ لکھیں۔ جناب نور حسین دسمبر ۱۹۵۱ء میں فوت ہوئے۔

(قافلہ حدیث۔ ص ۵۳۔ ۷۷)

متفرق مقامات:

موضع سیگوڑی ضلع پٹنہ

موضع سیگوڑی سے جناب شرف الدین ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

سیگوڑی ضلع پٹنہ میں پٹنہ سے جانب جنوب مشرق ۱۲ کوس پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں شرک بدعت اور تاڑی نوشی کا دور دورہ تھا۔ چالیس برس قبل میرے جد امجد شیخ چھدو میاں اور ان کے عم زاد ناصر میاں یہاں آئے۔ ناصر میاں حنفی تھے۔ ہمارے جد بالکل ان پڑھ تھے ان کا عقد ثانی پٹنہ محلّہ مہدی گنج جو کہ صادق پور کے متصل ہے ہوا تھا آپ وہاں صادق پوریوں کے مرید ہو گئے۔ اور بستی میں آ کر مذہب حقہ کی تلقین کرنے لگے تعزیہ داری وغیرہ رسموں سے رک گئے۔ لوگ خلاف ہو گئے دشمنی کی۔ تاہم ناصر میاں ان کی مدد کرتے رہے۔ پھر جماعت قائم ہو گئی اور باجماعت نماز ادا ہونے لگی شرک و بدعت اور تاڑی نوشی مٹانے میں لگے رہے مسجد کی بنیاد ڈال کر کچی عمارت بنا لی۔ مخالفین درپئے آزار ہو گئے اپنی برادری کے لوگوں نے بھی پنچایت کر کے میل ملاپ بند کر دیا ایک مرتبہ جد امجد کو اذان دیتے وقت مارا بھی اور داڑھی نوچی گئی۔ مگر وہ کام میں لگے رہے۔ پھر مولانا ابراہیم آروی کا دورہ موضع باگا ضلع آرہ میں ہوا۔ جد کی وہاں رشتہ داری تھی یہ بھی گئے اور ابراہیم سے مستفید ہوئے اپنے گاؤں میں بھی لائے ان کے وعظ سے بہت اثر ہوا مخالفین کی جماعت کے لوگ متاثر ہو کر نماز کے پابند ہوئے شرک و بدعت سے تائب ہوئے۔ بعد ازاں مولوی خدا بخش ہر ہر گنجی

آروی متصل سہسرام نے تشریف لاکر لوگوں کو راہ راست کی طرف رہنمائی ۔ موحدین کا فی ہوگئے مسجد پختہ بنالی گئی ۔ پھر جد فوت ہوگئے تو مولوی عبدالرحمٰن اعظمی نے یہاں آکر لوگوں کو متبع سنت بنایا۔ اب مدرسہ اہل حدیث بھی بن گیا جس میں تین مدرس رہنے لگے۔ (شرف الدین احمد سیگوڑی عظیم آبادی)

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۶ جولائی ۱۹۲۳ء ص۴۔۵)

موضع ہج ضلع گجرات

جناب عبدالکریم لاہور سے ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

میرے جد مولوی کرم الٰہی نے بچپن میں حافظ محمود ساکن موضع دیونا ضلع گجرات سے دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں حافظ صاحب چونکہ عامل بالحدیث تھے اور آپ کی تعلیم بھی تمام تر مطابق حدیث شریف کے تھی، آپ کو عمل بالحدیث سے زیادہ انس پیدا ہوگیا۔ جب آپ حافظ صاحب سے کچھ کتابیں پڑھ چکے تو آپ کو فیض روحانی کا شوق ہوا تو حافظ صاحب کے ایماء سے آپ پیر میر حیدر ساکن وزیرآباد کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ پھر پیر صاحب نے آپ کو قاضی حیات گل مرحوم کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہاں سے ترجمہ قرآن پڑھیں۔ آپ نے وہاں ترجمہ قرآن مجید اور کچھ طب کی کتابیں پڑھیں اور وطن آگئے ۔ رسوم غیر شرعیہ کی اصلاح شروع کی اشاعت سنت کا درس دینے لگے۔ لوگ متعجب ہوئے مخالف ہوئے اور پھر مولوی فیض اللہ موضع مچھیانہ کو برائے مناظرہ طلب کیا جس نے صرف ایک ہی سوال کیا جس کا جواب آپ نے دیا کہ جو کرامات حضرت پیران پیر پایہ ثبوت کو پہنچی ہیں ان کو میں مانتا ہوں اور جو بے ثبوت ہیں ان کو کسی حالت میں ماننے کے لئے تیار نہیں ۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ یہ وہابی ہوگیا ہے اور جب عید کی نماز پڑھانے کے لئے گاؤں سے باہر گئے تو لوگوں نے آپ کو زدوکوب کرنا چاہا مگر آپ کے دو مخلص دوستوں (میاں صاحبداد، اور اللہ داد) نے بچا کر گھر پہنچایا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کسی پر شبہ ہوتا کہ وہابی ہے، تو اس کی خیر نہ تھی۔ چنانچہ آپ کے دوست میاں محمد چھوکر خورداور مولوی عبداللہ ساکن موضع بھویہ بھی گرفتار کرلئے گئے ۔ آپ نے گھر سے نکل کر ایک غار میں اقامت اختیار کی۔ رات کو شاگرد میاں قطب دین لوگوں کے مشوروں کی اطلاع دیتا۔ آخر تین یوم کے بعد آپ ہری پور قاضی

صاحب کی خدمت میں چلے گئے ۔ چھ ماہ کے بعد جب شور وشر ختم ہوا تو گھر واپس آئے اب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کا کہنا درست ہے تو بجائے دشمنی کے حمایت کرنے لگے آپ نے توحید وسنت کی خوب اشاعت کی۔ نماز جمعہ بھی شروع کر دی جس پر مولوی فیض اللہ نے پھر جمعہ کی فرضیت کی بحث شروع کر دی لیکن وہ مناظرے میں ناکام رہا۔ آپ کی وفات جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ میں ہوئی ۔ تین بیٹے تھے (میرے والد) میاں سلطان عالم، اور مولوی عبدالغنی (شاگرد استاد پنجاب) اور میاں عبدالعزیز۔ مولوی عبدالغنی بعد میں ۱۹۱۱ء میں لاہور چلے گئے تھے ۔ (عبدالکریم پوسٹل کلرک لاہور)

(ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۹ جون ۱۹۲۳ء ۔ ص ۸۔۹)

☆ موضع ممیاں ضلع جہلم

اہل حدیث امرتسر کے ایک نامہ نگار ۱۹۲۲ء میں اس موضع کے متعلق لکھتے ہیں :

شہر جہلم سے بجانب جنوب ۱۷میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جہاں گوجر آباد ہیں ۔ اس گاؤں میں قدیم سے کوئی اہل علم نہیں ہوا، صرف معمولی پڑھے لکھے ہوتے رہے ۔ یہ گاؤں شرک وبدعت کا گڑھ تھا اور گھروں میں ہندوانہ رسوم ادا کی جاتی تھیں ۔ تین پشت سے ہمارے آباء میں پیش امامت مسجد کا کام تھا۔ میرے دادا حافظ قرآن تھے لیکن دیگر علوم سے بے خبر اور رسمی حنفی تھے ۔ والد بھی قدیمی مذہب کے پابند ۔ تاہم والد نے مجھے موضع خورد میں ایک اہل حدیث عالم کی خدمت میں برائے تعلیم دینی چھوڑا اور میں نے ان سے تعلیم حاصل کی اور حنفیت کو سلام کر کے رخصت کیا ۔ پھر دیگر مقامات پر جا کر اہل حدیث اساتذہ سے استفادہ کیا ۔ جب واپس آیا اور عمل بالحدیث شروع کیا تو ہر طرف سے مجھ مسکین پر کفر کے فتوے لگائے گئے ۔ میل ملاپ سے پرہیز کیا گیا نمازیں میرے پیچھے ترک کر دی گئیں ہر طرح ستایا گیا ۔ میرے والد نے میرے چھوٹے بھائی عبدالعزیز کو بھی موضع خورد ہی پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ برادرم پھر لاہور چلے گئے وہاں حدیث کا رنگ خاص چڑھا کر گھر تشریف لائے اور میرے ساتھ رد شرک کے وعظ کرتے رہے ۔ پھر وہ عین شباب میں فوت ہو گئے ، بندہ نے تکالیف کے باوجود کام نہ چھوڑا اور اللہ کی مہربانی سے چند نفوس مذہب اہل حدیث کے پابند ہو گئے حدیث کا پرچم لہرانے لگا اور سارے گاؤں نے ہندوانہ رسوم سے توبہ کر دی اور بعض نے مذہب اہل حدیث قبول کر کیا ۔ اب مسجد اہل حدیث جدید تعمیر ہو گئی ہے جہاں بلا کھٹکے نماز ادا کی جاتی ہے ۔ نور محمد ممیانوی (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۔ یکم دسمبر ۱۹۲۲ء ص ۶)

موضع کوٹلہ آئمہ متصل جہلم

۱۹۲۳ء میں جناب نور محمد میانوی نے اس موضع کے متعلق بتایا:

کوٹلہ، شہر جہلم سے دو تین میل بجانب شمال مشرق ہے جہاں قدیم سے رسمی حنفی آباد تھے۔ جب جہلم میں مولوی نعمان اور برہان الدین نے تبلیغ شروع کی تو موضع مذکور سے میاں عبدالمجید اور میاں محمد حیات جہلم آ کر ان کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک ہوتے اور گاؤں میں دھیمے دھیمے تبلیغ کرنے لگے لیکن کوئی نہ سنتا تمسخر ہونے لگا۔ انہی ایام میں اس گاؤں کا ایک شخص مولوی احمد اللہ کو ایام طالب علمی میں جبل پور ہند جانے کا اتفاق ہوا وہاں اس کا رشتہ دار اہل حدیث تھا اس بزرگ آدمی نے اسے بخاری کے مطالعہ کا شوق دلایا وہاں سے ہشیار پور آ کر مولوی فتح دین کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھنے کی خواہش کی اس نے پڑھایا۔ پھر وطن آ کر موضع چک متصل دھوریہ ضلع گجرات میں مولانا احمد دین کے درس میں حاضر ہو کر کتب حدیث کا دورہ مکمل کیا۔ پھر کوٹلہ میں وارد ہوا۔ اس کی وجہ سے سب لوگ مخالف ہو گئے لیکن وہ ثابت قدم رہے میاں عبدالمجید و حیات پہلے ہی اہل حدیث تھے۔ کوشش سے تھوڑے عرصہ میں کافی لوگ اہلحدیث ہو گئے۔ موضع مذکور کے نمبر دار میاں عبداللہ اہل حدیث کے سخت دشمن تھے انہوں نے مسجد میں رسمی حنفیوں کے واسطے الگ سقاوہ پانی وضو کے واسطے تیار کرایا جس میں سے اہل حدیث کو پانی لینے کی ممانعت تھی۔ مولانا احمد اللہ بہت پرتاثیر تھے انہوں نے نمبردار کے بیٹے و پوتے اور نواسے بھی اہل حدیث بنا لئے۔ یوں میدان صاف ہو گیا نصف گاؤں اہل حدیث ہو گیا۔ بقیہ کا زور دھیما پڑ گیا۔ لاچار ہو کر احناف نے تھوڑے فاصلے پر الگ مسجد بنا لی۔ میاں عبداللہ نمبر دار کے نواسہ فتح محمد و محمد، مولوی احمد اللہ سے حدیث پڑھ کر خاصے عالم ہو گئے۔ بعد ازاں ایک بزرگ حسام الدین کسی وجہ سے یہاں آئے وہ حدیث کے عاشق تھے۔ کچھ مدت یہاں مقیم رہے ان کی طرز بیان سے سارے باشندے اہل حدیث ہو گئے اور پھر کوٹلہ آئمہ کوٹلہ وہابیاں مشہور ہو گیا۔ مولوی احمد اللہ فرشتہ انسان تھے ہمیشہ سے دیہاتی لہجہ میں وعظ و تذکیر فرمایا کرتے ہیں۔ (نور محمد میانوی ضلع جہلم)۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۷ جولائی ۱۹۲۳ء۔ ص ۵)

☆ مغل سرائے

جناب محمد اشرف ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

میرے گاؤں کے نزدیک ایک گاؤں ہے جس کے اردگرد پرانے کھنڈرات ہیں جس کا نام سرائے مغل ہے۔ چند دنوں سے مولوی عبدالرحمٰن جموی کی کوشش سے ایک شخص مسمی احمد دین اہل حدیث ہوگیا ہے جس کے ساتھ چند اور شخص بھی اس مذہب کی صداقت کے اندرون خانہ قائل ہیں۔ پھر اس شخص نے جلسہ کرانے کا ارادہ کیا تو بدعتی لوگوں نے روکا اور کہا کہ فساد ہو جائے گا، تاہم گاؤں کے سکھ نمبر دار نے کہا کہ جلسہ کراؤ پھر مخالفین نے کہا کہ جلسے میں جو جائے گا اسے ۳۰ روپیہ جرمانہ ہوگا اور برادری سے الگ کردیا جائے گا۔ تاہم جلسہ ہوا جس میں اردگرد سے کافی اہل حدیث جمع ہو گئے۔ اور گاؤں میں جہاں پہلے ایک اہل حدیث تھا اب آٹھ دس ہو گئے۔ پھر بدعتیوں نے انہیں مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ تو احمد دین نے تجویز کر کے اپنی دکان کی جگہ سے نصف جگہ مسجد کے لئے دیدی تو بدعتیوں نے کہا کہ ان کی اذان اس جگہ بھی نہیں ہونی چاہیے۔ پھر نمبر دار نے انہیں دھمکایا تو بدعتیوں نے یوں کیا کہ کہ احمد دین کے گھر کے قریب کمہاروں کے گھر ہیں اور انکے گدھے بالکل نزدیک مسجد کے بندھا کرتے ہیں۔ پس جب احمد دین اذان شروع کرتا ہے تو بدعتی لوگ گدھوں کو سیٹی مارتے ہیں جس سے وہ ہینکنے لگ جاتے ہیں۔ آخر یہ بات بھی ظاہر ہوگئی تو پھر سکھ نے بدعتیوں کو دھمکایا تب مخالفین نے ارادہ کیا کہ یہ اہل حدیث لوگ ان کی مسجد کے کنویں سے وضو کے لئے پانی نہ لیں۔ اس پر احمد دین نے کہا کہ جو شخص روکنا چاہے مجھے صاف لفظوں میں کہہ دے تاکہ میں عدالت میں دعوی دائر کر کے تصفیہ کرا لوں۔ اس پر سب چپ ہو گئے۔ اب احمد دین اور ساتھی سفید جگہ پر نماز پڑھتے ہیں اور مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں

(محمد اشرف بگھیانوی۔ ڈاکخانہ مغل سرائے تحصیل چونیاں ضلع لاہور)۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۴۔ اگست ۱۹۲۳ء۔ ص ۶)

☆ ایلچپور (برار)

مرزا احمید ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

یہاں موحدین گنے چنے ہیں۔ میرے والد محمد مرزا ہی ایک اہل حدیث عالم ہیں جو عرصہ ۴۰ سال سے یہاں مقیم ہیں۔ ابتداء میں بدعتیوں نے بہت کچھ ایذا رسانی کی حتی کہ انہیں جان سے مار دینے کی کوشش کی گئی۔ تاہم انہوں نے صبر و استقلال سے کام لیا اور تدریس کا سلسلہ جاری کیا، اب چھوٹی سی جماعت بن گئی ہے اور تین چار گھر اہل حدیث کے ہو گئے ہیں۔ اب بدعتیوں نے اہل حدیث کو تکلیف پہنچانا از سر نو شروع کر دیا ہے۔ انہیں مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ عدالت میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے مطابق کاروائی کی گئی مگر مقامی حاکم نے اہلحدیث کو مسجد میں جانے کی ممانعت کی۔ ناگپور کے ہائیکورٹ میں اپیل کی گئی مگر وہ نامنظور ہوئی

یہاں صوبہ میں حالت یہ ہے قرآن کا ترجمہ پڑھنے کی لوگوں کو ممانعت کی جاتی ہے جو ترجمہ پڑھاوے یا پڑھے، وہ کٹا وہابی ہے۔ اتفاق سے کوئی موحد عالم آجائے تو مولوی صاحبان اس کو تنگ کرتے ہیں اور مسجدوں میں اس کو وعظ کہنے سے روکتے ہیں۔ اگر مسجد کے باہر وعظ کی کوشش کی جائے تو تو وہاں لوگوں کو جانے کی ممانعت کرتے ہیں۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۳۱۔ اگست ۱۹۲۳ء۔ ص ۴۔۵)

☆ رجہت

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۳۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے شمارے میں ایک نامہ نگار نے بتایا:

موضع رجہت ضلع گیا میں مولوی سید محمد اصغر حسین اہل حدیث تھے ان کے ساتھ دو تین آدمی اور ہوئے۔ اس بستی میں سب قریب قریب ایک خاندان و برادری کے قوم سادات سے ہیں اور ہم خیال مولوی احمد رضا خان بریلوی۔ یہ لوگ مولوی اصغر حسین اور ان کے ہم خیال حضرات کے ساتھ نہایت بری طرح پیش آتے۔ ان کو راستہ چلنے سے روکا، راستے میں کانٹے بچھائے، گلی میں ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار لے کر مستعد ہوئے، حملہ بھی کیا تاہم اللہ نے محفوظ رکھا۔ ان کے مکان کو قتل و غارت کی غرض سے

لوگوں نے آ گھیرا۔ خدا نے شر سے بچایا۔ حکومت وقت سے بخیال برادری وقرابت کسی قسم کی فریاد نہیں کی۔ اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا تو مجبوراً علیحدہ ایک مسجد پھونس کی بنا کر اس میں نماز پڑھنے لگے اس کو بھی آگ لگا کر جلا دیا۔ بعد اس کے پختہ مسجد کی بنا ڈالی اس کے بنانے میں بھی مزاحمت کی۔ خیر کسی طرح مسجد تیار ہو گئی چونکہ کام اس کا پختہ نہیں تھا منہدم ہو گئی اب پھر نئے سرے سے پختگی کے ساتھ تعمیر کی تیاری ہو رہی ہے

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۳۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔ ص ۴)

☆ ضلع بستی

کونڈو بونڈھیار ضلع بستی کے مقام پر اہل حدیث حضرات کا ایک جلسہ ۲۰ تا ۲۲ فروری ۱۹۲۸ء منعقد ہوا۔ جناب ثناء اللہ امرتسری صدر جلسہ تھے اور خطبہ استقبالیہ جناب عبدالغفور بسکو ہری نے پڑھا تھا۔ اس خطبے میں انہوں نے اپنے علاقے میں توحید و سنت کی ترویج کی تاریخ بتاتے ہوئے فرمایا:

سب سے پہلے جو مقدس ہستی اس علاقہ میں پیدا ہوئی وہ مولانا جعفر علی مرحوم کی ہستی ہے آپ مقام میرجھوا ضلع بستی کے رہنے والے تھے۔ آپ کی خاص صفت اشاعت توحید تھی (لیکن آپ معروف معنوں میں اہلحدیث نہ تھے۔ بہاء)

حاجی عبدالجبار سرمہ دانی والے دوسری مخلص ہستی ہیں جو اس علاقہ کی ہدایت کے واسطے پیدا ہوئی۔ آپ مقام گنور یا ریاست بلرام پور کے رہنے والے تھے۔ آپ نے توحید وسنت کی اشاعت میں جس طرح کام کیا اس کی مثال کم ہی مل سکتی ہے آپ سرمہ دانی کی دست کاری سے بقدر ضرورت کسب حلال حاصل کر کے شب و روز اپنی عمر کا حصہ توحید وسنت کی اشاعت میں صرف کرتے تھے۔ آپ کی اشاعت سے علاقہ میں خوب توحید پھیلی۔

ان کے بعد جناب اللہ بخش بسکو ہری کی برگزیدہ ہستی علاقہ ہذا کی ہدایت کا ذریعہ ہوئی۔ آپ پنجاب ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے قوم کے چھتری تھے بچپن میں یتیم ہو گئے سن شعور کو پہنچ کر مسلمان ہوئے اور شوق علم دل میں لے کر شیخ الکل سید نذیر حسین کی خدمت میں حاضر ہو شرف تلمذ حاصل کیا۔ بعد تحصیل علم دہلی سے رخصت ہو کر بسکو ہر تشریف لائے اور یہیں درس و تدریس کا کام شروع کیا تقریباً چالیس برس

تک اپنے فیوض سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہمارے علاقہ میں آپ کے لائق شاگرد زیور علم سے آراستہ ہو کر لوگوں کی ہدایت کیلئے نمونہ بنے جن میں سے آپ کے خاص شاگرد جناب دیانت اللہ سمراوی ہیں۔ مولانا مرحوم توحید و سنت پر دل سے شیدا تھے اپنی ساری عمر آپ نے جس پرہیز گاری اور احتیاط سے بسر کی اس کی مثال ملنی مشکل ہے آپ کا اکل حلال ضرب المثل بنا۔ قریباً ساٹھ سال کی عمر میں بمقام بسکوہر آپکا انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔

جناب اللہ بخش کے ہم عصر جناب سید سید محمد اظہر مرحوم ہیں آپ بہار کے رہنے والے تھے کسی وقت اس علاقہ میں تشریف لائے آپ کی بزرگی و دینداری پر اکثر لوگ فریفتہ ہو کر آپ سے بیعت ہو گئے اور اس تعلق کی بنا پر ان کے نگرانی و دینداری پر آمادی رکھنے کے لئے آپ نے ساری عمر اس علاقہ میں صرف کر دی۔ نہایت شکیل اور قد آور تھے۔ مولانا عبدالحق محدث بنارسی کے خاص شاگردوں میں سے تھے سنت کے سچے عاشق تھے جزئیات مسائل بہت مستحضر تھے۔ صحاح ستہ کے علاوہ نیل الاوطار وغیرہ کتب پر گہری نظر تھی آپ کے کتب خانہ میں بے نظیر کتابیں تھیں آپ کے ذریعہ علاقہ میں سنت کا بہت چرچا ہوا اکثر لوگ آپ کی ذاتی کوشش سے آباء واجداد کے رسوم ترک کر کے سنت پر عامل ہوئے۔ آپ نے تقریباً ایک سو سال عمر پائی۔

مولانا محمد اسحاق بانسوی: انہی بزرگوں میں مولانا محمد اسحاق تھے جو قصبہ بانسی کے رہنے والے تھے توحید و سنت کی حمایت میں شب و روز کوشاں رہتے درس و تدریس کا کام شوق سے کرتے آپ کی علمی غذا سے چند ایسی ہستیاں تیار ہوئیں جو مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ بنیں جن کا ذکر یوں ہے:

مولانا عباد اللہ یوسف پوری: آپ مولانا محمد اسحاق کے شاگرد ہیں یوسف پور علاقہ مٹکا متصل علاقہ نیپال کے رہنے والے تھے آپ بھی شیدائے سنت تھے۔ علم کا بہت شوق تھا۔ آپ کے کتب خانہ میں نایاب کتب موجود رہتیں۔ آپ کو بھی مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا آپ کی کوشش سے علاقہ نیپال میں میں جماعت اہل حدیث کی خوب ترقی ہوئی۔

دوسرے شاگرد مولانا احمد علی مقام او پڑی ڈیہہ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے علاقہ

کے ممتاز عالموں سے آپ کو توحید کا سچا عشق تھا۔ آپ کی ذات سے بھی علاقہ میں خوب دین داری پھیلی۔

تیسرے شاگرد جناب حافظ لال محمد تھے آپ شیفتہ توحید تھے بات پر تاثیر کرتے آپ نے بھی خوب تبلیغی کام کیا۔

چوتھے قابل شاگرد مولانا عظیم اللہ تھے۔ آپ کی سعی سے بھی بہت لوگ سدھرے

ان بزرگوں کی مساعی سے لوگوں میں خوب دین داری پھیلی۔ حتی کہ مخدوم پنج ساکن مرہٹہ ضلع گونڈہ پر دین داری کا وہ رنگ چڑھا کہ علاوہ گردونواح کے دور دراز مقامات پر بھی مخدوم پنج کا نام روشن ہو گیا۔ مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے کوئی خلاف سنت کام کرتا جودوسخا میں یکتا تھے مالدر تھے لیکن غریبوں کے ہمدرد۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۱۶ مارچ ۱۹۲۸ء ص ۵۔۸)

☆ سامکوٹہ

سامکوٹ ضلع گوداوری، ایسی جگہ ہے جہاں دور دور تک کوئی اہلحدیث نہ تھا۔ راجمندری سے اسحاق پٹن تک کے ڈیڑھ دوسو میل تک کے علاقہ میں کوئی اہل حدیث نہ تھا۔ سامکوٹ میں ایک قدیم مسجد قلعہ بازار میں تھی جس میں گاؤ قصاب، اور دیگر حضرات مل کر نماز ادا کرتے تھے۔ اس گاؤ قصاب برادری میں چند لوگ اہل حدیث ہو گئے آمین بالجہر وغیرہ اعمال شروع کر دیئے۔ احناف میں ایک قسم کا بے جا جوش پھیلا کہ انہیں مسجد سے ہانک دیا جائے، ان لوگوں نے اہلحدیث پر اتنے مظالم کئے کہ کہ دو چار کا خون ہو جانا کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اپنے علماء سے زبانی فتوے بھی لے لئے کہ جہاں کہیں غیر مقلد کو دیکھو قتل کر دو، اگر اس میں حنفی مارے بھی گئے تو انہیں شہادت کا درجہ ملے گا۔ احناف نے اہل حدیث کو کہنا شروع کر دیا کہ آمین وغیرہ ترک کر دو ورنہ یہ جگہ چھوڑ دو۔ اہلحدیث نے فساد وخونریزی کے خوف سے مسجد کو چھوڑ دیا حالانکہ مسجد اوائل سے گاؤ قصابوں ہی کی تھی۔ آخر جب بغیر ایک مسجد اہلحدیث کی علیحدہ بنوا لینے کے کوئی چارہ ہی نہ رہا، اور نہ کسی طرح کا امن رہا نہ احناف کے مظالم بند ہوئے تو بسبب اشد ضرورت اہل حدیث نے ایک جگہ خرید لی۔ جس پر عمارت بنانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ چوہدری محمد عبد السبحان۔ جماعت اہل حدیث۔ سامکوٹہ۔ قلعہ بازار ضلع گوداوری

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء ص ۱۶)

☆ سملی ضلع پٹنہ

۱۹۲۹ء میں جناب عبدالمالک، سملی سے لکھتے ہیں:

موضع سملی میں ایک مسجد پختہ ہے جو تقریباً ۸۰ برس کی ہے مولوی کرامت سب جج نے بنائی تھی اس وقت سے آج تک اہل حدیث اس کے امام ہیں اس طرح سے سلسلہ بسلسلہ چلے آئے مولوی فتح علی مرحوم بعدہ مولوی عبداللہ مرحوم بعدہ مولوی محمد یعقوب جو اسوقت تک امام ہیں۔ تمام احناف اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھتے رہے مگر چار پانچ سال سے ان لوگوں نے جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھنا شروع کی چونکہ بعض سر برآوردہ لوگوں سے اور اہل حدیث سے تکرار ہوگئی، اس وجہ سے ان لوگوں نے جمعیت قائم کر کے ہم لوگوں کو مسجد سے نکال دینے کا ارادہ کیا چونکہ ان کی تعداد زیادہ ہے اور ادھر کم، اس خیال سے ان احناف نے جو حقیقتاً حنفی نہیں، تاڑی شراب خوار عموماً ہیں آپس میں مشورہ کر کے ۳ شوال ۱۳۴۷ بروز جمعہ مسجد میں اہل حدیثوں پر حملہ کر دیا اور لاٹھی اور بلم مسجد کے نزدیک والے مکان میں میں پوشیدہ رکھا تھا اور اینٹ اور جوان لٹھ باز کو بھی چھپا رکھا تھا جس سے چار جوان اہل حدیث کے سخت زخمی ہوئے احناف بھی زخمی ہوئے مگر اہل حدیثوں نے مسجد کو نہ چھوڑا۔ احناف نکل بھاگے حالانکہ احناف کے آدمی عموماً بے نمازی تاڑی و شراب خور محض اہل حدیث کو ستانے کے واسطے اور حنفیوں سے ہمدردی حاصل کرنے واسطے حنفی اہل حدیث کا جھگڑا قائم کیا۔ ان مقصدوں نے ایک برس سے جھوٹے مقدمات اہل حدیثوں پر فوجداری جاری کئے مگر سب ڈسمس ہوتے گئے جس سے ہم لوگ سخت زیر بار ہوئے۔ اب اخیر نوبت یہ ہے کہ ہم لوگوں پر حملہ کر کے زخمی کیا اگر چہ طرفین سے مصالحت کی درخواست پڑی ہے مگر ان کی نیت اچھی نہیں آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ ان کے شر سے بچائے۔ عبدالمالک مدرس مدرسہ اہل حدیث سملی ضلع پٹنہ

(اخبار توحید، امرتسر ص ۱۱۔ ۱۳ ذی قعد ۱۳۴۷ھ)

☆ فتح گڈھ چوڑیاں

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا ایک اجلاس فتح گڈھ چوڑیاں ضلع گورداسپور میں ہوا جس کے صدر استقبالیہ جناب عبدالرحیم تھے۔ انہوں نے اپنے خطبے میں اپنے قصبے کی تاریخ اور اور قصبہ وگردونواح میں توحید و سنت کی تبلیغ و ترویج کی تاریخ بیان کرتے

ہوئے فرمایا:

یہ قصبہ ایک تاریخی قصبہ ہے جس کو ۱۷۶۰ء میں ایک شخص مسمی حقیقت سنگھ گھنیا نے اپنے برادر زادے کے نام پر موسوم کر کے آباد کیا۔ اس قصبہ سے نصف میل جانب شرق ایک گاؤں آباد تھا جسے چوریاں کہتے تھے، جب یہ قصبہ آباد ہوا تو وہاں کے تمام باشندوں کو یہاں لا کر آباد کیا گیا اور اس گاؤں کا نام ہمراہ کر کے اس کا نام فتح گڈھ چوریاں رکھا گیا جو بعد میں فتح گڈھ چوڑیاں ہو گیا۔ یہ ایک معمولی سا قصبہ ہے جس کی کل آبادی (۱۹۳۹ء میں) چھ ہزار ہے مگر اشاعت توحید و سنت اور دینی خدمات میں گرد و نواح کے تمام قصبوں سے اس کا درجہ بہت برتر ہے کیونکہ قصبہ ہذا کی سرزمین میں بہت سے مشاہیر اسلام اور اولیاء عظام و علماء کرام مدفون ہیں ان میں سے ایک جناب محمد مکرم تھے جو ابتداء میں ایک قریبی گاؤں سے یہاں آ کر آباد ہوئے۔ آپ بڑے متقی زاہد اور خدا ترس بزرگ تھے ان کے صاحبزادگان جناب نظام الدین، جناب احمد شاہ ہوئے۔ جناب حامد شاہ نے بھی جو پرہیزگاری و ریاضت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے توحید و سنت کی بہت خدمت کی۔ آپ کی تبلیغ کی سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بہو رانی چاند کور (جو اس قصبہ کی لڑکی تھی) کے بھائی چندا سنگھ نے قریباً ۱۸۴۵ء میں اسلام قبول کیا جس کا اسلامی نام محی الدین رکھا گیا۔ نومسلم محی الدین توحید کا شیدائی ۱۸۶۱ء میں فوت ہوا اور اپنے آخری وقت تک ملت ابراہیمی پر قائم رہا۔

جناب نظام الدین کے صاحبزادوں میں سے جناب محمد عثمان کو ابتداء ہی سے دینی تعلیم کا بہت شغف تھا۔ چنانچہ چھوٹی عمر گھر پر معمول کی تعلیم سے فارغ ہو کر دہلی پہنچے ان دنوں دہلی میں سید محمد نذیر حسینؒ درس و تدریس فرماتے تھے۔ آپ نے وہاں عرصہ کافی قیام کیا اور تمام علوم شرعیہ سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت سید صاحب مرحوم سے سند حاصل کر کے قریباً ۱۲۹۰ھ میں واپس فتح گڈھ تشریف لائے۔ حضرت سید صاحب کا قول تھا کہ میں نے صبر محمد عثمان فتح گڈھی سے سیکھا ہے۔ جب آپ نے یہاں علم حدیث بیان کرنا شروع کیا اور اسی کے مطابق مسائل بتانے لگے تو اس وقت لوگ کہتے سنے جاتے تھے کہ مولوی محمد عثمان ایک نیا مذہب لے کر آیا ہے۔ ان دنوں ان کے سب سے بڑے بھائی محمد علی شاہ صاحب مفتی تھے جو کہ حنفی المذہب اور گدی نشین

تھے ان سے بھی مولانا مرحوم کا مسائل میں بہت اختلاف رہا۔ ابتداء میں لوگوں کو ان سے بہت نفرت رہی مگر آپ حقانیت پر قائم رہے اور تمام مصائب کو برداشت کیا۔ رفتہ رفتہ لوگ ان کے زہد و تقوی کو دیکھ کر ان کی طرف راغب ہوتے چلے گئے چند سال گزرنے کے بعد قصبہ ہذا و گردونواح کے دیہات بھی توحید و سنت کے دل دادہ و شیدائی ہو گئے۔ آپ نے اپنے سسر جناب غلام رسول ساکن قلعہ میہاں سنگھ کے ہمراہ حج کیا۔ حج سے واپسی پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ۳۸ سال کی عمر میں ۱۳۰۳ھ میں انتقال فرما گئے۔ اس قلیل عرصہ میں آپ نے اشاعت توحید و سنت کے علاوہ چند کتابیں بھی تصنیف کیں ان میں ایک بڑی مفید کتاب حکم النبی بکفر من لا یصلّی، یعنی تارک صلوۃ کے کفر کا فتوی ہے۔ ان کے بڑے بیٹے جناب عبدالحی مرحوم تھے۔ آپ کو قدرت سے ایسی ذہانت عطا ہوئی تھی کہ چھوٹی ہی عمر میں حافظ حدیث کہلانے لگے۔ آپ بڑے عابد متقی پارسا اور باعمل عالم تھے آپ کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور چالیس سال کی عمر میں مارچ ۱۹۲۲ء میں جہان فانی سے چل بسے۔ آپ نے مرزائیت کی تردید میں ایک کتاب تذکرۃ العباد تصنیف کی جس کا مرزائیوں کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ اور تردید مرزائیت میں ایک اور کتاب کا مسودہ تیار کیا تھا مگر طباعت کی مہلت نہ ملی اور ویسے کا ویسا ہی پڑا رہ گیا۔ آپ کی دینی خدمات کے علاوہ ایک یادگار اسلامیہ ہائی سکول ہے۔

جناب محمد عثمان کے بڑے بھائی جناب محمد اعظم نے بھی حضرت میاں صاحب دہلوی سے علم حدیث حاصل کر کے سند حاصل کی ہوئی تھی۔ ان کے بیٹے جناب محمد فاضل نے بھی حضرت سید صاحب مرحوم سے تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی ہوئی ہے۔ آپ بڑے متقی اور باعمل بزرگ ہیں اور اس وقت (یعنی ۱۹۳۹ء میں) جامع مسجد اہل حدیث فتح گڈھ کے امام اور مفتی ہیں۔

فتح گڈھی بزرگوں میں سے جناب عبداللہ شاہ بھی قابل ذکر ہیں۔ ان کے خاندان نے بھی دینی خدمات میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ آپ بھی ابتداء ہی میں نقل وطن کر کے اس قصبہ میں آباد ہوئے۔ ان کے بیٹوں میں حاجی عمر الدین، جناب اللہ بخش نے بھی بہت خدمات دینی انجام دی ہیں۔ جناب عمر الدین کے بیٹے حافظ عزیز الدین اتقاء

صبر اور ریاضت دینی کی وجہ سے امرتسر میں خاص مشہور تھے۔ اور جناب اللہ بخش کے بیٹے جناب شمس الدین بھی پارسائی اور زہد میں خصوصی تھے۔ جناب شمس الدین کی یادگار ذرہ بے مقدار خاکسار آپ کے سامنے حاضر ہے۔

(ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۷۔اپریل ۱۹۳۹ء مطابق ۱۶ صفر ۱۳۵۸ھ۔ص ۲۔۳)

☆ بردوان ضلع بلیسا

۱۹۴۰ء میں بردوان کے اہل حدیث حضرات نے لکھا:

ہم سخت تکلیف میں ہیں، حنفیوں نے ہم پر مسجدیں بند کردی ہیں نہ جماعت سے نماز پڑھنے دیتے ہیں، نہ تنہا نماز پڑھنے دیتے ہیں۔ خدا کے گھروں کے دروازے ہم پر بند کردیئے ہیں۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ ہم سے فرما دیا گیا ہے کہ تمہارے مردے بھی ہمارے قبرستان میں دفن نہیں ہوسکتے تمہیں قبرستان میں قدم رکھنا بھی ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ ہر قسم کی ایذائیں پہونچائی جارہی ہیں۔ زندگی دوبھر کردی ہے۔ برادری سے خارج کردیا ہے۔ گالیاں سربازار دی جاتی ہیں۔ اکادکا حملے بھی ہورہے ہیں۔ تحقیر تذلیل کا کوئی پہلو باقی نہیں چھوڑا۔ سخت دکھ میں شہر میں رہنا دشوار ہوگیا ہے جس کی شکایت ہم خدائی دربار میں کرتے ہیں۔ ان سب ایذاؤں کو ہم راہ خدا میں برداشت کررہے ہیں۔ نہ مقابلہ کا ارادہ کیا۔ نہ ترک سنت کا۔ خدا ہماری مدد کرے اور انہیں بھی نیک توفیق دے۔

(اخبار محمدی دہلی۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۰ء)

بحث ونظر

☆ جناب ثناء اللہ امرتسری ایک تحریر میں اہل حدیث مناظرین کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے چند معروف مناظرین کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب دہلی جا کر حضرت میاں صاحب (سید نذیر حسین) مرحوم کو مناظرہ کا چیلنج دیا تو مرزا صاحب نے سمجھا تھا کہ (۹۰ سالہ) بوڑھا صاحب فراش مناظرہ کو کہاں نکلے گا؟ لیکن میاں صاحب ڈولی میں بیٹھ کر جامع مسجد میں بغرض مناظرہ پہنچ گئے۔ مگر تلامذہ نے آپ کی کبرسنی کا لحاظ کر کے مولانا محمد بشیر سھسوانی کو پیش کیا۔

مولانا محمد حسین (بٹالوی) مرحوم تو ایسے زبردست مناظر تھے کہ مولوی احمد اللہ مرحوم امرتسری کا بیان ہے کہ ایک مجلس مناظرہ میں ہم بھی تھے۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے فریق ثانی کو جواب لکھ کر دے دیا، اور پھر کچھ لکھنے لگ گئے۔ ہم نے کہا اب آپ کیا لکھتے ہیں؟ فرمایا میرے پرچہ کے جواب میں ادھر سے یہ جواب آئے گا، میں جواب الجواب پہلے لکھ رکھتا ہوں۔

قاصد کے آتے آتے میں خط اور لکھ رکھوں　　　میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مولانا (بٹالوی) مرحوم کا بڑا مناظرہ آج بھی ملتا ہے جس کا نام مناظرہ کاٹھ گڈھ (قریب روپڑ) ہے۔ اس مناظرہ میں علماء احناف فریق ثانی تھے۔ مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی حکم (جج) تھے۔ فریقین کا بیان اور حکم کا فیصلہ فتاوی لکھنویہ میں درج ہے۔ مرزا قادیانی کو آپ نے لدھیانہ میں جا پکڑا اور مجلس میں مناظرہ کیا۔

حافظ عبدالمنان (وزیرآبادی) مرحوم بڑے ذیشان مناظر تھے۔ سیالکوٹ کے زمانہ جاہلیت میں مولوی محمد عمر میرٹھی اور مولوی بغدادی وغیرہ نے جب حملہ کیا اور ایک طوفان بے تمیزی پیدا کر دیا تو حافظ عبدالمنان صاحب اور مولوی محمد بکنوی نے ان کا مقابلہ کر کے فتح پائی تھی۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۲ء۔ ۱۷ شعبان ۱۳۵۱ھ ص ۳)

جناب ثناء اللہ امرتسری کی اس تحریر میں میاں صاحب کی مناظرانہ حیثیت کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درس وتدریس کے علاوہ بوقت ضرورت آپ میدان مناظرہ میں بھی سرگرم رہتے تھے ۔ یہاں ہم میاں صاحب کے چند مناظرے ذکر کرتے ہیں جن میں مرزا قادیانی کے ساتھ دہلی میں ہونے والے واقعہ کا ذکر بھی ہوگا۔ اوراس واقعہ کے ضمن میں جناب بٹالوی کا ذکر بھی چل نکلے گا کیونکہ وہ بھی مرزا قادیانی کی دہلی آمد کا سن کر اکتوبر ۱۸۹۱ء میں وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۸۸۳ء میاں صاحب کے بمبئی میں ہونے والے ایک مختصر مباحثے کا ذکر ہوگا جس کے نتیجے میں احناف کے ساتھ جناب بٹالویؒ کے ایک طویل اخباری مباحثے کا بیان ہوگا۔

مباحثہ مابین سید نذیر حسین و پادری ولیم

میاں نذیر حسین محدثؒ اور دہلی کے ایک پادری مسٹر ولیم نامی کے درمیان ایک دفعہ مسئلہ تثلیث پر مناظرہ کی بات چلی تھی ۔ شائد پادری نے آپ کو دعوت مناظرہ دی تھی جس کی قبولیت پر مبنی مارچ ۱۸۵۴ء میں لکھا جانے والا خط مکاتیب نذیریہ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ از عاجز محمد نذیر حسین ۔ بخدمت مسٹر ولیم صاحب

واضح ہو کہ آپ کا خط پہنچا۔ تثلیث کے بارہ میں آپ کو مجھ سے مناظرہ کرنا منظور ہے، تو مجھے بھی کوئی تامل نہیں ہے۔ مسجد بھی موجود ہے، تشریف لائیے، مگر اسلامی طریقہ سے ۔ اندر مسجد کے جوتا نہ جائے گا، فرش پر دو زانو مثل بندگان خدا کے نشست فرمایئے ۔ میرے لئے بوریا کافی ہے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ خلاف تہذیب کوئی کلمہ کسی کے اکابر کی شان میں زبان سے نہ نکالا جائے ۔ اور جس قدر آپ کے ساتھ صاحبان تشریف لائیں، وہ سب مہذب و متین مزاج ہوں، غصہ ور نہ ہوں ۔ ورنہ ہنود کے نزدیک ایک سبکی ہوگی کہ اہل کتاب کے درمیان ایسی بے لطفی ہوگئی ۔ میں کسی کو مسلمانوں میں سے نہ بلاؤں گا، جو حاضر وقت ہوگا وہ موجود رہے گا ۔ آپ صاحبان کے لئے شربت وشیرینی و فواکہ موجود رہے گا، مگر وقت اس کے لئے صبح کا نہائت مناسب ہوگا ۔ ۱۲ جمادی الآخر ۱۲۷۰ھ

(مکاتیب نذیریہ ۔مکتوب نمبر ۴)

(یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ مناظرہ بالآخر ہوا تھا یا نہیں؟)

مباحثہ مابین سید نذیر حسین و شاہ محمد فصیح

الحیاۃ بعد المماۃ کے مصنف نے لکھا ہے:

مولوی محمد فصیح غازی پوری جب وعظ کہتے کہتے دہلی پہنچے تو وہاں کے حلقہ مقلدین میں بہت جوش پیدا ہوا.. ہر گلی کوچے میں مولوی صاحب مرحوم کے وعظ، خوش بیانی اور علم و فضل کا چرچا ہونے لگا۔ اسی کے ساتھ غیر مقلدوں پر آوازے کسے جانے لگے کہ اب نہ غیر مقلد لوگ مولانا کے سامنے آکر کہیں، تقلید واجب نہیں ہے۔، جب یہ خبر میاں (نذیر حسین) صاحب تک پہنچی تو آپ چپ رہے۔ نماز جمعہ کے لئے حسب معمول آپ جامع مسجد تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آدمیوں کا جم غفیر اور انبوہ کثیر ہے۔ اور مولوی محمد فصیح بھی موجود ہیں۔ نماز جمعہ کے بعد مولوی صاحب کا وعظ شروع ہوا۔ اثناء وعظ میں میاں صاحب نے شرح مسلّم الثبوت مولانا عبدالعلی کی منگا کر پاس رکھ لی بعد ختم ہونے وعظ کے آپ کتاب لے کر آگے بڑھے۔ مصافحہ کے بعد مولوی محمد فصیح نے پوچھا کہ یہ کون کتاب ہے؟ میاں صاحب نے کہا شرح مسلّم الثبوت مولانا بحر العلوم کی۔ پھر میاں صاحب نے کہا کہ تمام شہر میں مشہور ہے کہ آپ تقلید کو واجب ثابت کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ مولوی محمد فصیح نے بجائے لا، و نعم کہنے کے میاں صاحب سے پوچھا، ہمارے مولانا کیا لکھتے ہیں؟ میاں صاحب نے کتاب کھول کر اور عبارت پر نشان دے کر سامنے رکھ دی۔ مولوی محمد فصیح نے کہا کہ آپ ہی پڑھیں۔ میاں صاحب نے کہا بہتر ہو گا آپ بچشم خود دیکھیں اور پڑھیں، مگر مولوی صاحب کے اصرار مکرر پر میاں صاحب نے شرح مسلّم الثبوت کی عبارت ذیل پڑھ کر سنائی:

مسئلہ : غیر المجتهد المطلق و لو کا ن عا لماً یلز مه التقلید المجتهد ما فیما لا یقدر علیه من ا لا جتهادیا ت ، اے علی تحصیله و معرفته فقط لا فیما یقدر علی تحصیله با جتهاده بناءً علی التجزی فی ا لا جتهاد

اس کے بعد میاں صاحب نے فرمایا: کہ بناء علی التجزی فی الاجتہاد میں بعض مسائل میں مقلد ہوں اور بعض میں مجتہد۔ پھر آگے کی عبارت سنائی:

و لو التز م مذ هباً معیناً فهل یلز م ا لاستمرار علیه ام لا؟ فقیل نعم ۔ و

قیل لا یجب الاستمرار و یصح الانتقال و ھذا ھو الحق الّذی ینبغی ان یؤمن و یعتقد بہ لکن لا ینبغی ان یکون الانتقال للتلھی فان التلھی حرام قطعاً فی المذھب کان او فی غیرہ اذ لا واجب الّا ما اوجب اللّٰہ تعالی و الحکم لہ و لم یوجب علی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من الآئمة فایجابہ تشریع شرع جدید و لک ان یستدل علیہ بان اختلاف العلماء رحمة بالنص و ترقبہ فی حق الخلق فلو الزم العمل بمذھب کان ھذا نقمة و شدة۔

مولوی محمد فصیح غازی پوری نے ان عبارتوں کو سن کر فرمایا کہ یہی مذہب تو ہمارا بھی ہے جیسا کہ مولانا (بحرالعلوم) لکھتے ہیں۔

میاں صاحب نے کتاب لے کر علی رؤس الاشہاد کھڑے ہو کر اس عبارت کو دہرا کر اس کا ترجمہ اردو میں جملہ حاضرین کو سنا کر کہا صاحبو! مولوی محمد فصیح غازی پوری فرماتے ہیں:

یہی مذہب ہمارا ہے۔

سارے مقلدین اور مخالفین کی اس وقت حالت یہی تھی طار قلبھم۔اس کے بعد میاں صاحب نے دو روپے کی مٹھائی منگا کر مولوی محمد فصیح کے سامنے رکھ کر کہا کہ آپ کی دعوت ہے۔مولوی صاحب مرحوم اور حاضرین مٹھائی کھا کر جامع مسجد سے روانہ ہوئے۔(شاہ محمد فصیح غازیپوری ۱۲۸۵ھ۔ ۱۸۶۸ء میں فوت ہوئے۔اسلئے یہ مباحثہ اس سے پہلے کسی وقت کا ہے)۔ (الحیاۃ بعد المماۃ۔ص ۲۴۰۔۲۴۱)

مباحثہ مابین سید نذیر حسین وعلمائے احناف

میاں نذیر حسین محدث دہلوی نے علمائے احناف سے بموجودگی مولوی سید عبدالعزیز صمدنی دہلی میں ایک آمین بالجہر اور رفع الیدین کے مسائل پر ایک مناظرہ کیا تھا۔جس کا ذکر مکاتیب نذیریہ میں موجود مکتوب نمبر ۸۷ میں ملتا ہے جو حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از عاجز محمد نذیر حسین، بخدمت شریف جامع الحسنات والکمالات و الفضائل مولوی سید عبدالعزیز صاحب صمدنی سلمہ ربہ بالخیر والعافیت فی الدارین بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ واضح باد فی الواقع مارا اختلافی از تحقیق شما نیست ہرگاہے کہ زید میگوئد۔ کہ قرآن حدیث سب مولویوں کے ڈھکوسلے اور ڈرانے کی باتیں ہیں، جو چیز خدا نے کھانے پینے

کے لئے دی ہے، اس کا صرف ہر شخص کرسکتا ہے ، نکاح کے مہر اور فضول خرچی میں کیا فرق ہے؟ پس از دائرہ اسلام نا مبردہ خارج متصور است ، چرا کہ قرآن منزل من اللہ تعالی و احادیث رسول اللہ ﷺ ہموارہ واجب التعمیل و لائق التعظیم بر مومن است آنکہ نوشتہ اند (خالد کہتا ہے کہ اہل حدیث کے پیچھے نماز جائز نہیں) آں بوالفضول است تحریر یکہ درمیان علماء احناف و اہل حدیث اتفاق کثیر و جماہیر صلحا بتطبیق قرآن و حدیث درمیان آمد صحیح است و اندر بلاد و امصار بعیدہ و اقطار مدیدہ جاری ساری است ہم گنانرا بر ہدایت عمل باید ساخت و ہرگز پیرامون خود اوہام باطلہ را نیاید آورد۔ یاد باشد کہ ہنگام مناظرہ تامین بالجہر و رفع الیدین پیش ما بودند و آخر جوابے از مخالفین من نیامد و ایں مسئلہ طے شدہ کہ رفع الیدین زینت الصلوۃ و از تامین بالجہر شوکت اسلام است اللّٰھم زد فزد ۔ضیق نفس مرا بافعل بسیاری آزارد چند کاغذات استفتاء فرستادام و ایماء خود بمطابقت قرآن و حدیث ظاہر کردہ ام جواب مدلل و مسکت نویسند کہ برآں مہر خود و مواہیر دیگر علماء حق رود شائع نمائم در فرستادن استفتاء ہا تغافل نکنند و نہ بے پروائی فرمایند۔ والسلام خیر الختام

(عاجز محمد نذیر حسین بہ خدمت شریف مولوی سید عبدالعزیز صاحب صمدنی۔اللہ تعالی دونوں جہان میں خیر و عافیت کے ساتھ رکھے۔

بعد اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کے واضح ہو کہ مجھ کو آپ کی تحقیق سے اختلاف نہیں ہے جبکہ زید کہتا ہے کہ قرآن و حدیث سب مولویوں کے ڈھکو سلے اور ڈرانے کی باتیں ہیں، جو چیز خدا نے کھانے پینے کیلئے دی ہے، اس کا صرف (استعمال) ہر شخص کرسکتا ہے۔ نکاح کے مہر اور خرچی میں کیا فرق ہے ؟ تو وہ شخص مذکور ، دائرہ اسلام سے باہر ہو گیا، کیونکہ قرآن، اللہ کا اتارا ہوا ہے اور احادیث رسول کی ہمیشہ بندہ مومن پر اس کے واجب العمل اور لائق تعظیم وتکریم ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ خالد کہتا ہے کہ ہرگز اہل حدیث کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے ۔اور وہ واہی تباہی آدمی ہے، جو تحریک کہ درمیان علماء احناف و اہل حدیث اتفاق رائے سے جمہور دیندار کے مطابقت میں قرآن و حدیث کے تسلیم کی گئی وہ بنفسہ صحیح ہے، اس کا اجراء دور ونزدیک کے شہروں اور قریوں میں جاری ہے ۔ تمامی لوگوں کو اسی ہدائت پر عمل پیرا ہونا چاہیے ، اور اوہام فاسدہ کے گرد نہ پھرنا چاہیے ۔آپ کو یاد ہوگا کہ تامین بالجہر و رفع الیدین کے مناظرہ کے زمانہ میں میرے پاس آپ موجود تھے آخر کوئی جواب میرے مخالفین

سے نہ ہو سکا۔ اور یہ مسئلہ ہو چکا ہے کہ رفع الیدین زینت صلوۃ ہے اور تامین بالجہر شوکت اسلام ہے ۔ اے اللہ روز افزوں کر۔ ... چند استفتاء کے کاغذات روانہ کر چکا ہوں اور موافقت میں قرآن و حدیث کے اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں ، جواب مدلل و مسکت لکھیں...استفتا کے معاملے میں بے پروائی وغفلت نہ کریں ۔ والسلام خیر الختام)

مباحثہ کاٹھ گڑھ مابین بٹالوی ولدھیانوی

یہ مباحثہ (جیسا کہ جناب ثناء اللہ امرتسری کی مذکورہ بالا تحریر میں بتایا گیا ہے) ، جناب محمد حسین بٹالوی ثم لاہوری اور احناف کے مابین ہوا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جناب بٹالوی نے مسائل عشرہ والا اشتہار شائع کیا تو لدھیانہ کے حنفی علماء سے ان کا مناظرہ طے ہو گیا ۔ جب وقت مقررہ پر فریقین اکھٹے ہوئے تو حنفی علماء نے مسائل رفع یدین و آمین ، فاتحہ خلف الامام وغیرہ پر مناظرہ کرنے کی بجائے فضیلت علمائے حرمین کا مسئلہ کھڑا کر کے فضا کو مکدر کر دیا ۔ بعد ازاں فضیلت والے مسئلہ پر تحریری مناظرہ ہوا جس کیلئے امن و امان کا بندوبست پولیس اور ایک سکھ سردار کے ذریعہ کرایا گیا اور مباحثے کا حکم (ثالث) جناب عبدالحی لکھنوی کو مقرر کیا گیا ۔ اس مباحثے میں فریقین کے پرچے اور ثالث کا فیصلہ جناب عبدالحی لکھنوی کے فتاوی سے نقل کیا جاتا ہے ۔

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

مدعی فضیلت ساکنان حرمین شریفین مولوی عبدالعزیز صاحب

سائل مقابل مولوی محمد حسین صاحب لاہوری

مسئلہ فضیلت سکان حرمین شریفین کے باب میں ہم نے مولوی محمد عبدالحی صاحب کو منصف قرار دیا ہے ۔ الراقم ۔ محمد عبدالعزیز (لدھیانوی) (مدعی فضیلت ساکنان حرمین شریفین)

میں نے مولوی محمد عبدالحی صاحب کی منصفی مسئلہ افضلیت سکان حرمین میں تسلیم کی ۔

محمد حسین عفا اللہ عنہ (سائل مقابل)

فریقین کے پرچے

☆ محمد حسین: آپ فضیلت کلی ساکنان حرمین کے مدعی ہیں اور ہر صفت میں ان کو افضل بتلاتے ہیں یا کسی وصف خاص میں۔ محمد حسین

☆ عبدالعزیز: آپ نے مراد کلی فضیلت کیا رکھا ہے اور آپ وصف خاص کس کو کہتے ہیں اور تمسک اس مسئلہ میں آپ کس دلیل سے پکڑو گے۔

☆ محمد حسین: میں وصف کلی سے شرح کر چکا ہوں کہ ہر وصف میں یعنی علم وفہم وتقوی وفضل سکونت، اور وصف خاص سے میری مراد ایک صفت ان صفتوں سے ہے اور میرا تمسک کرنا ابھی آپ کو کہاں معلوم ہوا؟ میں تو سائل ہوں تمسک کام مدعی کا ہے، سو آپ ہیں۔ جس دلیل سے آپ تمسک کریں گے اس کا جواب دونگا۔

☆ عبدالعزیز: جب تک آپ کوئی دلیل ادلہ شرعیہ میں سے منظور نہ کرو گے پس جواب متعذر ہے کیونکہ جس دلیل کو خصم تسلیم نہیں کرتا اسکا بیان بے فائدہ ہے، اس لئے آپ کو لازم ہے کہ اپنا متمسک بیان کریں تا کہ جواب دیا جاوے۔ اور آپ نے جو کل قرآن کی آیت مذمت اہل مدینہ اور عرب کے بیان میں فرمائی تھی اس کو بھی مذمت مذکورہ میں سند جانتے ہو یا اس سے انکار ہے۔

☆ محمد حسین: میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اس وقت حاجت ہوگی جب میں آپ کے دعوی فضیلت کا منکر ہوں گا اور چونکہ ابھی تک محل نزاع مقرر نہیں ہوا، اور سرا پا تسلیم پایا نہیں گیا تو ابھی دلیل پیش کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ شاید میں آپ کے دعوی فضیلت کو مان جاؤں۔ اور جس وقت میں آپ کے دعوی کا منکر ہونگا دلیل طلب کرونگا۔ اس وقت آپ دریافت کرنا کہ تو دلیل کونسی مانگے گا۔ اور جو آیت میں نے کل دلیل پکڑی تھی وہ مذمت میں ان لوگوں کے پکڑی تھی جب آنحضرت ﷺ کے وقت میں منافق تھے۔ چنانچہ میں نے تقسیم کی تھی کہ مکے و مدینے کے لوگ کئی قسم کے ہیں، ایک وہ جو پہلے حضرت ﷺ کے کافر تھے اور دوسرے وہ جو حضرت ﷺ کے وقت میں کافر تھے۔ اور کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں بھی مدینہ میں منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پیش کی تھی۔ سو میں اب تک اسی تمسک پر قائم ہوں اور ان منافقوں کی مذمت میں وہ آیت پڑھتا ہوں

☆ عبدالعزیز: آپ نے جو کل آیت کو مقابل ہمارے مناظرہ میں بیان کیا اگر آپ کی مراد وہی تھی جو آپ فرما رہے ہو پس ظاہر ہے کہ آپ خطاء فاحش اور غلطی عظیم میں گرفتار ہوئے کیونکہ جو

حدیثیں ہم نے مقابل میں بیان کی تھیں ان کا یہ مضمون نہ تھا کہ قبل تقرر اور نصرت اسلام کے ثبوت فضیلت کا ہو۔ اگر مضمون اس حدیث کا آپ نے یہی خیال کیا ہے پس یہ امر اہل علم اور فراست سے دور اور بعید ہے۔ اور اگر مراد آپ کی بعد تقرر اسلام کے بھی ہو پس اس سے تکذیب احادیث رسول اللہ ﷺ کی لازم آتی ہے اعاذنا اللہ سبحا نہ من ذلک کلہ۔

اور آپ دو تین روز سے جو انکار فضیلت کر رہے تھے اس لئے آپ سے دریافت تمسک کی ضرورت ہے۔ آپ نے دعوی کیا، یعنی لکھا تھا

> کہ آپ کس زمانہ کے لوگوں کی فضیلت کے مدعی ہیں، اس لئے میں نے جواب میں تفصیل و تقسیم کیا تھا اور یہ میں نہیں کہتا کہ جو مضمون احادیث سے فضیلت ثابت ہے وہ مسلم نہیں۔ اور تقرر کی حد بیان کرنا آپ پر لازم ہے کہ کس وقت سے وہ تقرر پایا گیا جس وقت سے مدینہ میں منافق نہ رہے۔ جس وقت حد بیان کریں گے اس وقت میرا اقرار انکار ثابت ہوگا، پہلے ہی سے آپ کیوں فرماتے ہیں کہ تم بعد تقرر اسلام منافقوں کا وجود مدینہ میں تجویز کرتے ہو اور احادیث کا خلاف کرتے ہو۔

جواب دو اتنی بات کا۔

☆ محمد حسین: میں دو تین دن سے مطلق فضیلت کا منکر نہیں، جس کا منکر ہوں اب بھی ہوں۔ آپ فضیلت معین کریں کہ آپ کس فضیلت کے مدعی ہیں، شاید میں اس کا منکر نہ نکلوں، جب منکر پاویں اس وقت آپ مجھ سے دلیل تمسک کا سوال کریں۔

☆ عبدالعزیز: امر عجب العجائب ہے کہ آپ کے سامنے جب حدیثیں فضائل کی بیان ہوئی ہیں اور مضمون احادیث کا صریحاً دلالت کرتا ہے کہ مراد زمانہ نفاق اور کفر کا نہیں پھر بھی ایسی آیت کو مقابل میں ان احادیث کے بیان کرنا صریح غلطی ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ دعوی فضیلت میں کل سکان حرمین کا بعد استیلاء و تقرر اسلام کے ہے نہ زمانہ کفر اور نفاق میں۔ خیر اب جو کلہ آپ ادعائے مذکورہ سے کوئی وجہ نکال کر انکار کیا چاہتے ہیں اس انکار کو آپ کے ہم نے بجائے توبہ قرار دیا ہے کیونکہ الانکار من الخطا توبة اور فضائل سکان حرمین شریفین کی بالفعل بھی جو احادیث سے ثابت نہیں کئی قسم کے ہیں لیکن مابین اس مناظرے کے مدعا اور مقصود یہ ہے کہ جب علماء اطراف اور دیار میں کسی مسئلہ کا اختلاف ہو پس اس صورت میں یہ امر افضل اور بہتر ہے کہ حرمین کے علماء کو منصف قرار دیا جاوے چنانچہ مجموعہ احادیث مشتملہ استفتاء جو پیش کیا جاتا ہے اس امر پر دال ہے۔

☆ محمد حسین : آپ نے دعوی عام کیا تھا اور دلیل خاص وفضیلت زمانہ تقرر اسلام کے لائے تھے، اس لئے میں نے آپ کے عام دعوی کے مقابلہ میں تقسیم کے اور عام کے انہیں افراد کو توڑا، اور وہ آیت میری متمسک بمقابلہ آپ کے عموم دعوی کے ہے نہ بمقابلہ مخصوص احادیث کے۔ پس آپ کا سمجھنا کہ ہماری احادیث کے سامنے یہ آیت پڑھی آپ کی غلطی فہم ہے اور وہ پیدا ہوئی اس غلطی سے کہ آپ نے دعوی میں ابہام اور تعمیم کی تھی۔ خیر اب تو آپ اس تمام دعوی کو چھوڑتے ہیں تو میں آپ کے اس امر کو بجائے توبہ قرار دیتا ہوں اس لئے کہ انکار خطا سے توبہ ہے۔ اور جو آپ نے دعوی کیا ہے کہ ہم اس وصف خاص میں فضیلت کے مدعی ہیں کہ منصفی مقدمات دین میں وہ افضل ہیں اور اس دعوی پر آپ نے احادیث متضمنہ فتوی پیش کی ہیں، سو میں کہتا ہوں کہ آپ کے اس دعوی میں اولاً یہ بات تعیین طلب ہے کہ کس زمانہ کے لوگ اس فضیلت کے محل ہیں۔ آیا ہر زمانہ کے یا خاص قرون ثلاثہ کے یا آج کل کے۔ اسے تعیین فرماویں تو آپ کا فتوی دیکھا جاوے گا کہ وہ آپ کے دعوی کا مثبت ہے یا نہیں۔

☆ عبدالعزیز : ہمارا دعوی اول یہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین کو اس زمانہ میں منصف قرار دینا بروقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے چاہیے۔ واسطے اس امر کے شرط تیسری ہماری شرائط مشمولہ مثل جو قبل انعقاد شرائط سرکار کے داخل کی گئی تھی، شاہد عدل ہے کیونکہ بسبب نہ ماننے اس شرط کے یہ بحث شروع ہوئی تھی اور اس شرط کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضار مجلس اور ناظرین کو اغذات پر ظاہو کہ تو بہ کس کی طرف عائد ہوتی ہے:

شرط سوم۔ بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہے تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کو منصف مقرر کیا جاوے۔

آپ کو لازم ہے کہ آپ یا تو منصفی علماء حرمین کی منظور فرماویں یا ایک فتوی واسطے ثبوت مذمت سکان حرمین یعنی جو علماء اور اتقیاء اور مومنین وہاں کے موجود ہیں تحریر فرماویں کیونکہ آپ کا اول روز سے یہی دعوی سب کے روبرو ظاہر اور عیاں ہے تاکہ فتوی طرفین کے منصف کے پاس ارسال کئے جاویں۔

☆ محمد حسین : بے شک جناب نے اپنی شرط میں علماء کی منصفی کا ذکر کیا تھا ولیکن جب آپ نے دعوی کیا تو عام ساکنان مکہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے اور بہت ظاہر ہے کہ شرط اور شئے ہے اور دعوی مشروط، یعنی جس کے لئے شرط مقرر کی گئی ہے، اور ہے۔ یہ لازم نہیں کہ شرط میں تصریح

فضیلت علماء کی ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح سمجھی جاوے خصوصاً جب کہ الفاظ دعوی میں تعمیم ہو۔ اس سے سب کو ثابت ہوا کہ آپ ایسے دعوی عام سے رجوع کرتے ہیں۔ خیر میں اس بات کو انصاف ناظرین رقعات طرفین پر چھوڑتا ہوں اور مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں۔

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو اس فضیلت کا، جو احادیث فتوی سے ثابت ہے، محل قرار دیتے ہیں۔ ہر زمانہ کے لوگوں کو یا قرون ثلاثہ کے یا آج کل کے۔

آپ نے اس بات کا جواب تو دیا نہیں، اور مجھ سے درخواست کی کہ تم منصفی علمائے حرمین منظور کرو ورنہ ان کی مذمت میں فتوی لکھو کہ محض اجنبی بات ہے۔ میں ابھی نہ منصفی مذکور کی تسلیم یا انکار کو زبان پر لاتا ہوں نہ اس کے خلاف میں کچھ لکھتا ہوں۔ جب آپ تعیین ان لوگوں کی کریں گے جو آپ کی احادیث متضمنہ فتوی کے مصداق ہیں تو اس وقت میں نظر کرونگا۔ اگر وہ لوگ واقعی آپ کی احادیث فتوی کے مصداق ہوئے تو میں مان جاؤنگا ورنہ اس میں عذر کرونگا۔ آپ ابھی مجھ سائل سے تسلیم اپنے مجمل دعوی کی یا انکار کیوں چاہتے ہیں۔ آئندہ جواب بحرف واحد دیں کہ وہ کون سے لوگ ہیں جنکے باب منصفی میں آپ مدعی ہیں اور احادیث سے ان کی باب منصفی میں ثابت فرمائیے۔ جانبین کی عبارات کو منصف تحقیقات کرے گا۔

اور یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے کلام لا طائل ہے جس امر کے آپ مدعی تھے دلیل اس کی پیش نہ کر سکے۔ آپ کو اختیار ہے۔

جواب میں بھی التماس کرتا ہوں لا طائل ہونا کلام ہر شخص کا سپرد ناظرین ہونا چاہیے اور جو مجھے آپ مدعی بنا کر مجھ سے دلیل طلب کرتے ہیں محل تعجب ہے وہ کونسا لفظ میری اس تحریر میں ہے جس سے میرا مدعی ہونا کسی امر میں ثابت ہوتا ہے مہربانی فرما کر نشان دیں میں تو اب تک سائل ہوں اور مدعی آپ ہیں۔ پس آپ پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک فتوی بھی دکھایا تھا اب اس کو کیوں چھپاتے ہو۔ آئندہ دعوی میں تعین کرو اور اس پر کوئی حدیث اسی فتوی کی شاہد ٹھہرا کر پیش کرو۔ پھر مجھ سے دریافت کرو کہ تو اس کو مانتا ہے یا اس میں منع پیش لاتا ہے یا معارضہ کرتا ہے۔

☆ عبدالعزیز: جواب لا طائل ہونا کلام کا سپرد ناظرین کرنا نہایت انصاف ہے لہذا وجوہ لا طائل ہونے آپ کے کلام کے بیان کئے جاتے ہیں تا ناظرین کو اغذات اور ماہرین علوم پر خوب واضح اور لائح ہو جاوے۔

❁ وجہ اول: یہ قول آپ کا (ولیکن جب آپ نے دعوی کیا تھا تو عام ساکنان مکہ معظّمہ کی فضیلت کے

مدعی ہوئے) محض بے سند ہے بلکہ وقت اول ملاقات کے جو سردار صاحب کے حضور میں ہوئی تھی اور شرائط جانبین علیحدہ علیحدہ سردار صاحب کو حوالہ کی گئی تھیں اور ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط ستہ کے یہ تھی (شرط سوم ۔ بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہی تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ اور مدینہ کو منصف مقرر کیا جاوے) ۔اس شرط کو آپ نے نامنظور فرمایا بلکہ سکان حرمین شریفین کو فاسق وغیرہ الفاظ ہتک آمیز سے یاد فرمایا اور میں نے جواب میں کئی حدیثیں مثبت فضیلت پیش کیں کہ ہم بموجب ان احادیث کے علماء حرمین کو منصف قرار دیتے ہیں ۔آپ سے اس کے جواب میں بجز واقعات کے کوئی حدیث پیش نہیں ہوسکی تھی ۔ دوسرے روز روبروئے تھانہ دار اور سردار صاحب کے مجمع عام میں پھر اسی شرط کا شروع ہوا اس روز بھی آپ سکان حرمین کی مذمت کے مدعی ہوئے ۔ میں نے کھڑے ہوکر مجمع عام میں احادیث فضائل کے بیان کیں آپ نے اس کے جواب میں آیت الاعراب اشدّ کفراً و نفاقاً ۔الآیۃ ، و من اھل المدینۃ مردوا علی النّفاق ۔الآیۃ ، اور چند واقعات واسطے استدلال مذمت اہل حرمین کے پڑھیں اور میں نے روبروئے تھانہ دار اور سردار صاحب کے ہر چند آپ سے التجا کی کہ آپ ان آیات کو مثبت مذمت جان کر تحریر کر دیجئے آپ نے بالکل نہ مانا۔

❁ وجہ دوم : اور آپ کا قول (کہ شرط اور شئے ہے اور مشروط یعنی دعوی اور) برحق ہے لیکن شرط مذکور واسطے بحث مسائل مختلفہ کے کی گئی تھی ۔ جب جانبین نے اس شرط کو مبحث قرار دیا بعینہ وہی شرط دعوی ہوگئی۔ پس اس دعوی کا غیر شرط ہونا محالات سے ہے لانّ سلب الشيء عن نفسه محال

❁ وجہ سوم ۔اور قول آپ کا (کہ دعوی کے الفاظ میں تعمیم ہوئی) محض افتراء ہے، ورنہ ان الفاظ پر کو اغذات مثل میں نشان دو۔

❁ وجہ چہارم ۔اور قول آپ کا (آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو ...) بڑے تعجب کی بات ہے کہ عبارت ہماری سراسر دال ہے اوپر تعیین مدعا کے، اس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔اب آپ ارشاد فرماویں کہ تعین مدعا اگر کسی جسم کا نام ہے تو اس جسم کو حاضر کر دیں۔

❁ وجہ پنجم ۔ مذمت سکان حرمین کا جو آپ کئی روز سے ورد کر رہے تھے اب جب آپ سے دلیل اس کی طلب کی گئی تو اس کو اجنبی بات فرمانے لگے ۔اس کی مثل یہ ہے :ایک شخص اپنے لڑکے سے بروقت آپڑنے کسی واردات کے منکر اس کی ولدیت کا ہو جاوے۔

اور اب جو آپ لکھتے ہیں کہ آپ پر دلیل پیش کرنا لازم ہے برحق ہے۔سو ہم دو روز سے دلیل اپنی پیش کر رہے ہیں لیکن آپ کو مدعی مذمت زبانی ہونا اور دلیل پیش نہ کرنا بعید مناظرہ ہے

کیونکہ مناظرہ میں یہ شرط نہیں کہ جس چیز کا دعوی زبانی ہو اس کے واسطے دلیل بیان نہ کرے۔

اور آپ کئی جگہ اپنے آپ کو سائل سے تعبیر کرتے ہیں اور حالانکہ مراد سائل سے علم مناظرہ میں وہ شخص ہے کہ جو مقابلہ مدعی کا بعد قائم ہونے دلیل کے کرے۔ تسلیم کرنا دعوی کا بعد اقامت دلیل کے شان سائل سے نہیں قال فی الرشیدیه السائل من نصب نفسه لنفی الحکم پس آپ کا سائل ہونا خبر نہیں کہ کس علم سے مستنبط ہے، اس سے آگاہ کریئے۔

اب آپ کو لازم ہے کہ مذمت کی دلیل پیش کرو، اور فضیلت اہل حرمین کی جو دلیل آپ کے روبرو کئی دفعہ بیان ہو چکی تحریری میری لے لینا تا دونوں کو منصف کے پاس روانہ کیا جاوے۔ اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ صدق کو ہاتھ سے نہ دے خصوصاً مناظرہ شرعیہ میں۔ قال اللہ تعالی یا ایّها الذین آ منوا اتّقوا اللّه و کونوا مع الصّادقین۔ قال رسول اللّه ﷺ یکب النّاس فی النّار علی وجوهم الا حصا ئد السنتهم و اللّه اعلم و عمله اتمّ۔

☆ محمد حسین: اگر آپ نے انصاف لاطائل کلام ہونے کا سپرد ناظرین کیا تھا تو بیان وجوہ ایک امر لاطائل تھا، اس لئے ان کا جواب ضروری تو نہ تھا لیکن بنظر اس کے کہ عوام الناس دھوکہ نہ کھاویں، لکھا جاتا ہے:۔

❁ جواب وجہ اول۔ باوجود اس کے کہ آپ نے احادیث فضائل مدینہ پڑھی ہیں اور شرط ثالث میں منصفی علماء کی چاہتے تھے ولیکن دعوی آپ کا یہ تھا کہ مکہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی خبث رہنے نہیں پاتا۔ وہاں کے سبھی لوگ اچھے ہوتے ہیں۔ جس کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی اور کہا کہ مکہ اور مدینہ پر کئی زمانے آئے۔ ایک زمانہ قبل نبوت یا ہجرت ہونے کے کہ اس میں کفر ظاہر تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کا زمانہ کہ اس وقت بھی بعض منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پڑھی تھی پھر وہ زمانہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد ہوا، اس میں بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہو گئے تھے جن کو حضرت صدیق اکبر نے مارا، اور بعض نے اکابر صحابہ کو جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ پھر خلفاء کے مابعد کا زمانہ ہوا جس میں یزید پلید کے لشکر سے حرکتیں بے جا، زنا و قتل، مدینہ میں سرزد ہوئیں اور مکہ میں عبدالملک نے چڑھائی۔ ان دلائل سے میں نے آپ کے اس عام دعوی کو توڑا جو آپ فرماتے ہیں کہ مکہ میں جو رہتے ہیں، اچھے ہوتے ہیں۔ میرا صریح کلام یہ ہے کہ ہمارے دین و ایمان کا رکن ہے ولیکن وہاں کے سبھی لوگ ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ اب فرمایئے آپ کی درخواست منصفی سے یہ گمان لازم آتا یا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے بروقت بیان فضائل ساکنان مکہ کے ان

ساکنان میں قید علماء وفضلاء کی لگا دی ہو اور میرا نہ لکھنا ان آیات کو جو میں نے منافقوں کی مذمت میں بیان کی تھیں اس لئے تھا کہ بدون تقرر مشروط اور تقرر مبحث مقصود کے لکھنا لکھانا محال ۔اب جو آپ پہلے دعوی کا ثبوت لکھ چکیں گے اور مجھے آپ کے خلاف میں کچھ دعوی ہوگا تو پھر وہی آیتیں لکھدونگا۔

جواب وجہ دوم۔ وہ شرط اگر چہ پیچھے کر ایک دعوی ہوگئی ہے ولیکن بوقت اول دعوی کے وہ مغائر تھی۔

جواب وجہ سوم: آپ کا افتراء کہنا محض افتراء ہے اور جو آپ کا غذات مسل میں اس کا نشان چاہتے ہیں محل تعجب ہے۔ وہ تو گفتگو زبانی تھی ،مسل کہاں ہے جس سے نشان دوں۔ مثل تو وہی ہوئی جس میں آپ مدعی فضیلت ساکنان حرمین کے باب منصفی ہوئے۔

جواب وجہ چہارم ۔آپ کی کسی لفظ سے تمام تحریر میں بوجھی اس بات کی نہیں آتی ہے کہ آپ حرمین کے ساکنان ہر زمانہ کے بہتری کے باب میں منصفی میں مدعی ہیں یا خاص قرون ثلاثہ کے یا آج کل کے لوگوں کے جس سے کہ میرا سوال ہے۔جس جگہ وہ عبارت ہے جس سے یہ بات سمجھی جاوے،وہاں ایک سطر تحریر فرماویں۔

جواب وجہ پنجم ۔ میں مذمت عام ساکنان حرمین کا مدعی نہیں ہوا کہ سبھی وہاں کے برے ہیں ۔تمام لوگ مسلمان و ہنود حاضرین مجلس جانتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ وہاں بھلے لوگ بھی ہیں اور برے بھی ہیں۔اور کہتا ہوں کہ اس جگہ کے اچھے ہونے سے وہاں کے سبھی لوگوں کا اچھا ہونا لازم نہیں آتا ہے۔اور یہ بھی میرا کہنا بطور دعوی کے نہیں تھا بلکہ بطور نقض کے آپ کے دعوی میں تھا۔ اور وہ بھی پہلے زبانی گفتگو میں ہو چکا اور جب سے گفتگو تحریری شروع ہوئی ہے میں کسی امر کا مدعی نہیں رہا ۔آپ سے تعین دعوی اور اس کی دلیل کا سوال کرتا ہوں اور اس بات پر مستعد ہوں کہ جب آپ اپنے دعوی پر دلیل قائم کریں تو پھر میں نظر کروں کہ آپ کے کلام میں تقریب تام ہے یا نہیں ۔اگر دلیل سے آپ کا دعوی ثابت پاؤں تو مان جاؤں، ورنہ سائل بن جاؤں اور اس کی نفی کے درپئے ہوجاؤں اور اس کا ردّ لکھوں ۔اس اعتبار سے میں سائل مصطلح ہوسکتا ہوں ۔ جناب من! جب میں آپ کے دعوی کے اوکھاڑنے کے درپئے ہوگیا تو سائل ہونگا یا نہیں؟ علاوہ یہ کہ وہ تعریف سائل مصطلح فن مناظرہ کے ہے اور لغتاً ہر بات پوچھنے والے کو سائل کہتے ہیں جیسا کہ میرا سوال اول اسی اطلاق سے سوال ہوسکتا ہے اور ایسے ہی سائل سے بھی مجیب کو دلیل طلب کرنا نہیں آتا ۔اور جو آپ

نے کہا ہے کہ تسلیم کرنا دعوی کا بعد قائم ہونے دلیل کے شان سائل سے نہیں ہے معلوم نہیں میری کس بات کے جواب میں ہے، میرا سائل رہنا بعد قائم ہونے دلیل اور تسلیم دعوی کے میرے کس کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔

یہ تو جواب ہے آپکے اعتراض کا۔ اگر آپ کے کلام کے ضمیمہ کو دیکھتا ہوں تو اس میں بھی مجھے کئی وجہ سے کلام ہے، ولیکن میں اس جگہ اس بحث نوعی کو فضول جانتا ہوں اسی واسطے جب آپ نے جملہ السّائل من نصب نفسه میں سین سے پڑھا تھا اور ترجمہ بھی اس کا یہ کیا تھا کہ نسبت کرے، تو درگذر کر کے زبانی آپکو اس غلطی پر متنبہ کر دیا اور آپ ہی کے قلم سے سین کو صاد بنوا دیا۔ اگر مجھے لفظی بحث منظور ہوتی تو خاموش رہتا اور آپ کی تحریر کے جواب میں تفصیل وتطویل کرتا۔

یہ جوابات آپ کے وجوہات کے ہیں۔ اب مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں۔ آپ نے پھر وہی بات کی اور اپنے دعوی کی دلیل پیش نہ کی اور مجھ سائل سے دلیل مانگی۔ اور جو آپ فرماتے ہیں کہ ہم دو تین دن سے دلیل پیش کر رہے ہیں یہ بڑی دلاوری کی بات ہے کہ آپ برملا خلاف واقعہ اظہار کرتے ہیں اس کی کیا مثال دوں؟ شرم آتی ہے۔ دلیل مانگتا ہوں آپ اپنے فتوی کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر دور سے دیتے ہیں۔ ہر چند آپ سے سبھی لوگ یہاں تک کہ سردار صاحب بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ فتوی دیں اور اپنے دعوی کا ثبوت پیش کریں، آپ فتوی میرے ہاتھ نہیں دیتے۔ پھر کس طرح فرماتے ہیں کہ میں دو تین روز سے دلیل پیش کر رہا ہوں، اور مجھ سے دلیل مذمت چاہتے ہیں، یہ محال ہے۔ میں اس گفتگو میں (جس میں تحریر ہوتی ہے) مذمت کا مدعی نہیں۔ جو پیچھے زبانی کہا تھا سو دوسری بات ہے جس کی تشریح جواب دفعہ اول میں گذری۔ اس گفتگو تحریری کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور باوجود اس میں اسی جواب میں اس اپنی دلیل کو لکھ بھی چکا ہوں۔ اب تو ضد چھوڑ یئے اور اپنے دعوی کا تحریری ثبوت دیجئے جس کا آپ نے وعدہ آخر تحریر میں کیا۔ میں اس کو دیکھ کر تسلیم کروں یا رد کروں، پھر اس کو منصف کی طرف پہونچا ویں۔ اگر اس امر کے سوا کوئی اور بات پیش کریں گے، یعنی پھر وہی باتیں لاطائل کریں گے اور اپنا ثبوت پیش نہ کریں گے تو میری طرف سے اس بات میں خطاب سے اعراض ہے۔ میں ایسی باتوں کو لائق جواب نہیں جانتا۔ اس بات کا انصاف ناظرین پر ہے۔ اور جو آپ نے اپنے اخیر پرچہ میں آیت اور حدیث لکھی ہیں اسی پر خود بھی عمل کرتے تو اتنی فضول باتیں بعید از مطلب اور مخالف واقع زبان وقلم سے نہ نکالتے اتامرون النّاس بالبرّ و تنسون انفسکم بھی قرآن ہی کی آیت ہے۔ اور اگر اس سلسلہ میں

سوائے ایسے قیل وقال کے آپ کو کوئی بات نہیں آتی تو آپ دوسرے مسئلہ میں بحث کریں یعنی رفع یدین وآمین بالجہر اور مثل اس کے۔ اور اگر وہ بھی منظور نہیں تو میری طرف سے سلام۔

☆ عبدالعزیز: اگر چہ جواب دینے کی حاجت نہیں لیکن بنظر فائدہ عام کے جواب بطور اختصار لکھا جاتا ہے۔

۱۔ لکھنا وجوہ کا واسطے اصل لا طائلیت کے نہیں ہوا بلکہ واسطے وضاحت لا طائلیت کلام خصم کے لکھی گئیں۔

۲۔ ہم نے کہیں تحریراً یا تقریراً یہ دعوی نہیں کیا کہ ساکنان حرمین شریفین قبل اسلام بھی بہتر تھے ورنہ کوئی تحریر سند میں پیش کرو یا حضار مجلس سے گواہی دلوا دو جیسا کہ ہم نے گواہ تحریری شرط ثالث کی پیش کئے اور جو واقعات قتل ابن زبیر اور یزید کے پیش کئے ان کا مقابل میں احادیث نبویہ کے مثل الدین لبا رز الی الحجاز کما تا رز الحیّة الی حجرھا وغیرہ کے جو صحاح ستہ اور مشکوۃ میں موجود ہیں پیش کرنا شان محمدیہ سے بعید ہے آپ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بجز قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کے کوئی دلیل نہیں ہے اب واقعات کو کیوں بیان کرتے ہو۔ علاوہ بریں آنکہ واقعات مذکورہ سے بجز مظلومیت ان کی کے اور کچھ ثبوت نہیں ہوتا۔ یعنی عبدالملک وغیرہ نے مکہ اور مدینہ پر چڑھائی کر کے سکنائے حرمین کو بہت ستایا بلکہ ان شدائد سے فضلیت سکنائے حرمین کی عنداللہ ثابت ہوئی لقولہ علیہ السلام اشدّ البلاء الانبیاء ثمّ الامثل فالامثل اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ ہم انکی عصمت کے مدعی نہیں ہوئے تاہم پر کوئی اعتراض لازم آوے اور جو آپ نے حدیث زنا کرنے ماعز کے بطور اہانت سکنائے حرمین کے بیان کی تھی جو حقیقت میں طعن صحابہ پر ہے اس کے جواب میں میں نے بھی کہا تھا کہ ہم ان کی معصومیت کا دعوی نہیں کرتے۔ اور اب آپ جو فرماتے ہیں کہ بعضے لوگ وہاں کے اچھے ہیں، اگر مراد اس سے علماء ہیں تو ان کی منصفی سے منحرف کیوں ہوتے ہو۔ اگر ذی علم مراد نہیں تو اس کی سند قرآن وحدیث سے پیش کرو۔

۳۔ اگر دعوی سے آپ نے اپنی عبارت میں دعوی عام فضیلت کا مراد لیا ہے تو اسکا مشروط ہونا ساتھ شرط ثالث ہماری کے محالات سے ہے فلزومہ شرطیۃ لنفسہ و لغیرہ و ان اختلج فی صدرك بعد ذلک شئے فا قرأ قولہ تعالی: انّ اللّٰہ علی کل شیء قدیر۔ فیتا مل فانّہ دقیق و با لتّا مل حقیق۔

آپ جو فرماتے ہیں کہ دعوی سے میں نے دعوی تقریر عام آپ کا مراد رکھا ہے

باوجودیکہ یہ افتراء محض ہے لیکن واسطے ہمارے سند کامل مل گئی یعنی اب آپ دعوی تقریر کے سند ہونے کے مقر ہوئے۔ پس اب آپ پر دلیل دعوی مذمت تقریری اپنے کی تحریراً واسطے ملاحظہ منصف کے ضروریات سے ہوئی المرء یؤخذ باقرارہ

۴۔ اور آپ جو فرماتے ہیں کہ ایک سطر واسطے تعیین دعوی اپنے کے نشان دو، سو چھٹی تحریر ہماری میں یہ درج ہے۔ دیکھ لو ہمارا دعوی اول سے یہی ہے کہ علمائے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا اس زمانہ میں منصف ماننا وقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے چاہیے۔

۵۔ اطلاق کرنا لفظ سائل کا مقابل لفظ مدعی کے لغویۃً کو لغو کرتا ہے اور کہنا آپ کا کہ شاید میں تسلیم کرلوں آپ کے سائل ہونے کو باعتبار مایؤل الیہ کے باطل کرتا ہے والّا ہر محارب کو قتیل کہنا، اگرچہ وہ مقتول نہ ہو، درست ہوتا و ھو کما تری۔

اور آپ جو لکھتے ہیں کہ میں نے سین کا صاد بنوایا، آپ حلفاً بیان کیجئے کہ جب آپ نے ہماری تحریر نقل کی تھی تو اس میں صاد تھا یا سین، اس میں تو صاف صاد ہی تھا۔

اور آپ جو فرماتے ہیں کہ فتوی ہمارے ہاتھ نہیں دیتے یہ کس علم مناظرے کی کتاب میں درج ہے کہ جو شخص دلائل اپنے زبانی بیان کر چکا ہو اس کو تحریر کر کے بھی دینا خصم کو ضروریات سے ہے جب آپ نے بمقابلہ احادیث فضیلت کے، جو میں نے مجمع عام میں پڑھی تھیں، معارض بن کر دلائل مذمت کے موافق زعم اپنے کے بیان کئے پس تحریر دلائل کے واسطے ملاحظہ منصف کے ضرور درکار ہے سو ہم کئی دن سے کہہ رہے ہیں کہ مذمت کا فتوی مدلل کر کے تم بھی پیش کرو تا دونوں شامل مسل ہو کر منصف کے پاس روانہ کئے جاویں۔ آپ جو بار بار زبان پر لاتے ہیں کہ گفتگو فضیلت حرمین کی فضول ہے یہ بات آپ کی بالکل بے سند ہے کیونکہ اکثر فساد عوام کالانعام میں اس واسطے زیادہ برپا ہوتے ہیں کیونکہ متبعین مذاہب سند عمل درآمد علمائے اور اتقیائے سنائے حرمین شریفین کی پکڑتے ہیں اور آپ کے فرقے کے لوگ سکنائے مکہ کی مذمت کر کے لوگوں کی طبیعت کو اشتعال دلاتے ہیں اگر آپ کو دینا فتوی مذمت کا واسطے ملاحظہ منصف کے منظور نہیں تو ہم فتوی اپنا شامل مسل کر کے منصف کے پاس روانہ کر دیتے ہیں اور ختم گفتگو کر کے حضار مجلس کو پیام سلام کا دیتے ہیں۔

(جناب عبدالحی لکھنوی فریقین کے مذکورہ بالا پرچے ملاحظہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

خلاصہ تنازع یہ ہے کہ

☆ مدعی نے فضیلت ساکنان حرمین کا دعوی کیا۔

☆ سائل نے اس کے جواب میں کہا کہ حرمین کے لوگ منافق وکافر بھی تھے چنانچہ آیت و من اھل المدینۃ مردوا علی النّفاق۔ الآیۃ ۔ الاعراب اشدّ کفراً و نفاقاً۔اس پر دال ہیں۔ بروز مباحثہ سائل نے استفسار کیا کہ آپ فضیلت کلی کے مدعی ہیں یا کسی وصف خاص میں۔

☆ اس کے جواب میں مدعی نے کہا کہ مراد فضیلت کلی سے اور وصف سے کیا ہے؟ اور آپ تمسک اس مسئلہ میں کس دلیل سے پکڑ و گے؟

☆ سائل نے شرح کی کہ فضیلت کلی عبارت ہے فضیلت سے ہر وصف میں جیسے علم وفہم تقوی وفضل وسکونت وغیرہ اور وصف خاص ایک صفت، ان صفتوں سے۔ اور یہ کہا کہ میرا تمسک کرنا آپ کو ابھی کہاں معلوم ہوا، میں تو سائل ہوں آپ مدعی ہیں آپ جس دلیل سے تمسک کریں گے میں جواب دونگا۔

☆ مدعی نے کہا کہ جب تک آپ کوئی دلیل ادلہ شرعیہ میں سے منظور نہ کریں گے جواب متعذر ہے اس لئے آپ کو لازم ہے کہ آپ اپنا تمسک بیان کریں تا جواب دیا جاوے اور آپ نے جو کل آیت مذمت اہل مدینہ میں اور مذمت عرب میں پڑھی تھی اس کو بھی مذمت میں سند جانتے ہیں یا اس سے رجوع ہے۔

☆ سائل نے کہا کہ میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اس وقت حاجت ہوگی جب میں آپ کے دعوی فضیلت کا منکر ہونگا اور چونکہ ابھی تک محل نزاع مقرر نہیں ہوا اور میرا انکار یا تسلیم مانا نہ گیا تو ابھی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں، شائد میں آپ کے دعوی کو مان لوں۔ جس وقت میں آپ کے دعوی کا منکر ہونگا اس وقت آپ دریافت کیجئے گا کہ تم کون سی دلیل مانگتے ہو۔ اور آیت سے جو میں نے کل دلیل پکڑی تھی وہ مذمت میں ان لوگوں کے تھی جو آنخضرت ﷺ کے وقت میں منافق تھے، چنانچہ میں نے تقسیم کی تھی کہ مکہ و مدینہ کے لوگ کئی قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو پہلے آنخضرت ﷺ کے کافر تھے، دوسرے وہ جو آنخضرت ﷺ کے زمانہ میں کافر تھے۔ اور یہ کہا تھا کہ آنخضرت ﷺ کے وقت میں بھی مدینہ میں منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پیش کی تھی۔

☆ مدعی نے کہا کہ آپ نے جو آیت مقابل ہمارے مناظرہ میں بیان کی تھی اگر مراد آپ کی

وہی تھی جو آپ فرما رہے ہیں، پس آپ سے خطا ہوئی کیونکہ جو حدیثیں ہم نے فضائل میں بیان کی تھیں ان کا یہ مضمون نہ تھا کہ قبل زور اور نصرت اسلام کے ثبوت فضیلت کا ہو پس یہ اہل علم سے بعید ہے اور اگر مراد آپ کی بعد تقرر اسلام کے بھی ہو پس اس سے تکذیب احادیث کی لازم آتی ہے اور آپ دو تین روز سے جو انکار فضیلت کا کر رہے ہیں اس لئے آپ سے دریافت تمسک ضرور ہے۔

☆ سائل نے کہا کہ چونکہ آپ نے دعوی معین نہ کیا تھا کہ کس زمانہ کے لوگوں کی فضیلت کے مدعی ہیں اس لئے میں نے تفصیل و تقسیم کی تھی اور یہ میں نہیں کہتا کہ جو مضمون احادیث سے ثابت ہے مسلّم نہیں۔ اور تقرر اسلام کی حد بیان کرنا آپ پر لازم ہے کہ کس وقت سے وہ زمانہ پایا گیا جب آپ حد بیان کریں گے اس وقت میرا اقرار یا انکار آپ کو ثابت ہوگا، پہلے سے آپ کیوں فرماتے ہیں کہ تم بعد تقرر اسلام کے منافقوں کا وجود مدینہ میں تجویز کرتے ہو۔ میں دو تین روز سے مطلق افضلیت کا منکر نہیں۔ آپ وصف معین بیان کریں کہ کس فضیلت کے مدعی ہیں شاید اس کا میں منکر نہ ہوں۔ جب آپ منکر پاویں اس وقت مجھ سے دلیل لائق تمسک کا سوال کریں۔

☆ مدعی نے کہا، کیا یہ عجب العجائب ہے کہ آپ کے سامنے جب حدیثیں فضائل کی بیان ہوئیں اور مضمون احادیث کا صریحاً دلالت کرتا ہے کہ مراد زمانہ نفاق و کفر کا نہیں پھر بھی ایسی آیت مقابل احادیث کے بیان کرنا صریح غلطی ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ دعوی فضیلت کل سکان حرمین کا بعد استیلاء و تقرر اسلام کے ہے، نہ زمانہ کفر و نفاق میں۔ خیر اب چونکہ ادعاء مذکور سے انکار کیا چاہتے ہیں انکار کو بجائے توبہ کے قرار دیا۔ اور فضائل حرمین شریفین کے بالفعل بھی جو احادیث سے ثابت ہیں کئی قسم کے ہیں لیکن مقصود یہ ہے کہ جب علماء اطراف و دیار میں کسی مسئلہ کا اختلاف ہو پس اس صورت میں یہ امر افضل و بہتر ہے کہ حرمین کے علماء کو منصف قرار دیا جاوے چنانچہ مجموعہ احادیث مشتملہ استفتاء جو پیش کیا جاتا ہے اس امر پر دال ہیں۔

☆ سائل نے کہا چونکہ آپ نے دعوی عام کیا تھا اور دلیل خاص فضیلت زمانہ تقرر اسلام کے لائے تھے اس لئے آپ کے دعوی کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی تھی اور وہ آیت بمقابلہ آپ کے عموم دعوی کے تھی نہ خصوص دعوی کے۔ خیر آپ اس دعوی عام کو چھوڑتے ہیں تو میں آپ کے اس امر کو بجائے توبہ کے قرار دیتا ہوں۔ اور جو آپ نے اب دعوی کیا ہے کہ ہم اس وصف میں مدعی ہیں کہ منصفی مقدمات دین میں وہ افضل ہیں اور اس دعوی پر آپ نے احادیث متضمنہ فتوی پیش کی ہیں، سو میں کہتا ہوں کہ اس دعوی میں یہ بات تعین طلب ہے کہ کس زمانہ کے لوگ افضلیت کے محل ہیں

ہر زمانہ کے یا خاص قرون ثلاثہ کے یا آج کل کے۔ آپ تعین فرماویں تو آپکا فتوی دیکھا جاوے گا

☆ مدعی نے کہا ہمارا دعوی اول سے یہی ہے کہ علماء حرمین کا اس زمانہ میں منصف قرار دینا بروقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے چاہیے واسطے اس امر کے شرط تیسری ہمارے منجملہ شرائط مشمول مسل جو قبل انعقاد شرائط سرکار کے داخل کی گئی تھیں شاہد عدل ہیں کیونکہ بسبب نہ ماننے اس شرط کے یہ بحث شروع ہوئی تھی اور وہ یہ تھی (شرط سوم۔ بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہی تو واسطے انفصال کے علماء مکہ اور مدینہ کو منصف قرار دیا جاوے) اب آپ کو لازم ہے کہ یا منصفی علمائے حرمین کی منظور کریں یا ایک فتوی ثبوت مذمت سکان حرمین میں یعنی جو علماء اور اتقیاء اور مومنین وہاں کے موجود ہیں تحریر فرماویں۔

☆ سائل نے کہا بے شک آپ نے شرط میں منصفی کا ذکر کیا تھا لیکن جب آپ نے عام دعوی کیا تو عام ساکنان مکہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے اور بہت ظاہر ہے کہ شرط اور امر ہے، اور مشروط، یعنی دعوی جس کے لئے شرط مقرر کی گئی تھی، اور۔ اور امر یہ لازم نہیں کہ شرط میں تصریح فضیلت علماء کی ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح سمجھی جاوے۔ اس سے سب کو ثابت ہوگا کہ آپ اس دعوی عام سے رجوع کرتے ہیں۔ خیر میں اس بات کو انصاف ناظرین پر چھوڑ کر مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو اس فضیلت کا، جو احادیث فتوی سے ثابت ہے، محل قرار دیتے ہیں۔ ہر زمانہ کے لوگوں کو یا قرون ثلاثہ کے یا آج کل کے۔ جب آپ تعین کیجئے گا، میں نظر کرونگا، اگر وہ لوگ واقعی آپ کی احادیث فتوی کے مصداق ہیں تو میں مان جاؤنگا ورنہ اس میں عذر کرونگا۔ آپ ابھی مجھ سائل سے تسلیم اپنے مجمل دعوی کی بار دگر کیوں چاہتے ہیں۔

☆ مدعی نے کہا کہ جانبین کی عبارت کو منصف خود تحقیقات کر لے گا اور یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے کلام لا طائل ہے جس امر کے آپ مدعی تھے اس کی دلیل پیش کیجئے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔

☆ سائل نے کہا میں ابھی التماس کر چکا ہوں کہ لا طائل ہونا کلام ہر شخص کا سپرد ناظرین ہونا چاہیے اور جو آپ مجھے مدعی بناتے ہیں اور مجھ سے دلیل طلب کرتے ہیں، محل تعجب ہے۔ وہ کون لفظ میری اس تحریر میں ہے جس سے میرا مدعی ہونا کسی امر میں ثابت ہوتا ہے، میں تو اب تک سائل اور آپ مدعی ہیں۔ پس آپ پر دلیل پیش کرنا لازم ہے چنانچہ آپ نے ایک فتوی بھی دکھایا تھا اب اسکو کیوں چھپاتے ہو۔ آئندہ دعوی میں تعین کرو اور اس پر ایک حدیث فتوی کی شاہد ٹھہرا کر مجھ سے

دریافت کرو کہ تو اس کو مانتا ہے یا نہیں۔

☆ بعدازاں مدعی نے وجوہ لاطائیت کلام سائل کا بیان کرنا شروع کیا چند وجوہ سے:۔

ایک یہ قول سائل کا (ولیکن جب آپ نے دعوی کیا تھا تو عام کیا تھا) محض بے سند ہے کیونکہ جب اول ملاقات سردار صاحب کے حضور میں ہوئی تھی اور شرائط جانبین علیحدہ علیحدہ سردار صاحب کو حوالہ کی گئیں تھیں اور ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط ستہ کے یہ تھی کہ (شرط سوم: بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہی تو واسطے انفصال کے علماء مکہ و مدینہ منصف مقرر کئے جاویں) اس شرط کو آپ نے نا منظور فرمایا بلکہ سکان حرمین کو فاسق وغیرہ الفاظ سے یاد فرمایا۔ میں نے جواب میں کئی حدیثیں فضیلت کی پیش کیں کہ ہم بموجب ان احادیث کے علمائے حرمین کو منصف قرار دیتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں بجز واقعات کے کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ دوسرے روز روبرو سردار صاحب کے مجمع عام میں پھر اسی شرط کا تکرار شروع کیا۔ اس روز بھی آپ سکان حرمین کی مذمت میں مدعی ہوئے۔ میں نے کھڑے ہو کر مجمع عام میں احادیث فضائل کے بیان کئے آپ نے اسکے جواب میں آیت الاعراب اشدّ کفراً و نفاقاً وآیت و من اھل المدینۃ مردوا علی النّفاق اور چند واقعات بیان کئے۔

دوسرے یہ کہ قول آپ کا (شرط اور شئے ہے اور مشروط اور ہے) حق ہے لیکن شرط مذکور واسطے بحث مسائل مختلفہ کے کی گئی تھی جب جانبین نے اس شرط کو مبحث قرار دیا وہی شرط دعوی ہوگئی۔

تیسری وجہ یہ قول آپ کا کہ دعوی کے الفاظ میں تعمیم تھی، محض افتراء ہے ورنہ ان الفاظ کو مسل میں نشان دیجئے۔

چوتھی وجہ یہ کہ قول آپ کا کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو عبارت ہماری سراسر دال ہے اوپر تعین مدعی کے، اس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔

پانچویں وجہ یہ کہ مذمت سکان حرمین کا جو آپ کئی روز سے ذکر کر رہے تھے اب جب دلیل آپ سے طلب کی گئی تو اس کو اجنبی بات فرمانے لگے اور اب کئی جگہ آپ اپنے کو سائل سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ مراد سائل سے علم مناظرہ میں وہ شخص ہے جو مقابلہ مدعی کا بعد قائم ہونے دلیل کے کرے تسلیم کرنا دعوی کا بعد اقامت دلیل کے شان سائل نہیں قال فی الرّشیدیہ السّائل من نصب نفسہ لنفی الحکم۔ اب آپ کو لازم ہے کہ مذمت کی دلیل پیش کیجئے اور فضیلت کی دلیل جو بیان ہوچکی تحریری میری لے لینا تا دونوں منصف کے پاس روانہ کی جاویں۔

☆ بعد اس کے سائل نے جواب میں کہا کہ آپ کی وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ شرط

ثالث میں منصفی علماء کی چاہتے تھے لیکن آپ کا دعوی یہی تھا کہ مکہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی خبیث رہنے نہیں پاتا، وہاں کے سب لوگ اچھے ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی تھی اور کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ پر کئی زمانہ آئے۔ ایک زمانہ قبل نبوت کہ اس میں کفر ظاہر تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کا زمانہ کہ اس وقت میں بعض منافق موجود تھے جس پر آیت پڑھی تھی۔ پھر وہ زمانہ جو حضرت ﷺ کے بعد ہوا، تو اس میں بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ پھر خلفاء کے مابعد کا زمانہ ہوا جس میں یزید پلید کے لشکر سے حرکتیں بے جا سرزد ہوئیں اور مکہ پر عبدالملک نے چڑھائی۔ ان دلائل سے میں نے آپ کے دعوی عام کو توڑا۔

اور جواب وجہ دوم کا یہ کہ اگر چہ شرط پیچھے کو ایک دعوی ہو گئی تھی ولیکن اول دعوی کے وہ مغائر تھی۔

اور جواب وجہ سوم کا یہ ہے کہ آپ کا افتراء کہنا محض افتراء ہے وہ زبانی گفتگو تھی کہ جس میں دعوی عام تھا مسل کہاں تھی جس میں نشان دیا جاوے۔ مسل تو پیچھے ہوئے جس میں آپ مدعی فضیلت ساکان حرمین کے باب منصفی میں ہوئے۔

اور وجہ چہارم کا جواب یہ ہے کہ آپ کی کسی لفظ سے تمام تحریر میں بو بھی اس بات کی نہیں آتی کہ آپ حرمین کے ساکنان ہر زمانہ کے بہتری کے باب منصفی میں مدعی ہیں یا خاص قرون ثلاثہ کے یا آج کل کے لوگوں کی۔

اور جواب وجہ پنجم کا یہ ہے کہ میں مذمت عام ساکنان حرمین کا مدعی نہیں ہوا تمام لوگ حاضرین مجلس جانتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ وہاں بھلے لوگ بھی ہیں اور برے بھی ہیں اور کہتا ہوں کہ اس جگہ کے اچھے ہونے سے وہاں کے سبھی لوگوں کا اچھا ہونا لازم نہیں آتا اور یہ بھی میرا کہنا کچھ بطور دعوی کے نہ تھا بلکہ بطور نقض کے آپ کے دعوی میں تھا اور جب سے گفتگو تحریری شروع ہوئی میں کسی امر کا مدعی نہیں ہوا۔

آپ سے تعین دعوی اور دلیل کا سوال کرتا ہوں اور سائل لغۃً ہر بات پوچھنے والے کو کہتے ہیں اس نظر سے اطلاق سائل کا مجھ پر ہوسکتا ہے۔ اور جو آپ فرماتے ہیں کہ میں دو تین روز سے دلیل پیش کر رہا ہوں، بڑی دلاوری کی بات ہے کہ آپ برخلاف واقع اظہار کرتے ہیں۔ میں جب دلیل مانگتا ہوں آپ اپنے فتوی کو ہاتھ میں رکھ کر دور سے دکھا دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ فتوی مجھے دیجئے میں اس کو قبول کروں یا رد کروں، آپ نہیں دیتے۔

☆ بعد اس کے مدعی نے کہا کہ ہم نے کہیں تقریراً یا تحریراً یہ دعوی نہیں کیا کہ ساکنان حرمین

قبل تقرر اسلام بھی بہتر تھے اور واقعات قتل ابن زبیر اور یزید کے مقابل احادیث نبویہ پیش کرنا شان محمدیہ سے بعید ہے۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بجز قرآن وحدیث واجماع صحابہ کے کوئی دلیل نہیں پھر واقعات کو کیوں بیان کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے ان واقعات سے بجز مظلومیت اہل حرمین کے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ ہم ان کی عصمت کے مدعی نہیں ہوئے تاہم پر کوئی اعتراض لازم آوے۔ اور اب جو آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہاں کے اچھے ہیں، اگر مراد اس سے علماء ہیں تو ان کی منصفی سے منحرف کیوں ہوئے۔ اور ہمارا دعوی اول سے یہی ہے کہ علمائے مکہ اور مدینہ کا اس زمانہ میں منصف ماننا وقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے چاہیے۔ اور آپ جو فرماتے ہیں کہ فتوی ہمارے ہاتھ نہیں دیتے یہ کس کتاب میں مناظرہ کے درج ہے کہ جو شخص اپنے دلائل زبانی بیان کرے اس کو تحریر کر کے بھی خصم کو دینا ضرور ہے۔ فقط۔

تقریر فیصلہ:

چونکہ متخاصمین اس فقیر سراپا تقصیر کے انصاف ومحاکمہ پر راضی ہوئے یقین ہے کہ جو امر میں انصافاً بلا لحاظ احد الجانبین تحریر کرونگا اس کو دونوں پسند فرماویں گے اور بعد نظر غائر وفکر وافر کے میری تحریر کو محض انصاف واظہار حق تصور فرماویں گے۔ بناءً علیہ امتثالاً للامر میں متوجہ انصاف ہوتا ہوں اور امر مکنون کو ظاہر کرتا ہوں۔

مخفی نہ رہے کہ متخاصمین کے تقریرات امور زائدہ پر کہ بمراحل داب مناظرہ سے دور ہیں مشتمل ہیں ان سب سے قطع نظر کر کے بعد معائنہ تقریرات طرفین کے جو امور واضح ہوئے اس کو درج صحیفہ ہذا کرتا ہوں۔

- اول: مدعی کو لازم تھا کہ اولاً دعوی کی تنقیح کما حقہ فرماتے۔ اور دعوی فضیلت سکان حرمین کا علی سبیل التعین عموماً یا خصوصاً فرماتے اور سکان کی تقیید ساتھ علماء کے اور فضیلت کا تعین غرض باب انصاف میں ہے اور تعین زمانہ فضیلت کرتے تا سائل کو موقع تطویل بحث کا نہ ملتا اور بوجہ صرف ہو جانے زمانہ تقریر کے امور غیر مقصود میں امر مقصود فوت نہ ہوتا۔
- دوم: اگر چہ مدعی نے بوقف تقریر دعوی عامہ بلا تعین کیا ہو مگر قرائن حالیہ ومقالیہ تقریرات سابقہ وشرائط سالفہ کے لحاظ سے یہ امر بدیہی ہے کہ غرض ان کی اثبات فضیلت علماء اسلام حرمین تھے اسلام مسلم دلیل ساطع اس امر پر ہے کہ وہ کفار اور منافقین اہل حرمین کو افضل نہیں کہہ سکتا اور

عقل عاقل مقتضی اس امر کی ہے کہ یہ دعوی سوائے مجنون یا زندیق وملحد کے کسی سے نہیں ہوسکتا۔ پس گو دعوی مدعی عام ہو کہ شامل جملہ ساکنان حرمین ہو مگر قرائن واضحہ عقلیہ دال اس امر پر ہیں کہ وہ خاص ساتھ ساکنان حرمین بعد تقرر اسلام کے بلکہ ساکنین مسلمین کے بلکہ علمائے مسلمین حرمین کے ہے۔ علی الخصوص مابین متخاصمین کے قبل اس تقریر کے مذاکرہ مشروط ہو چکا تھا۔ اور شرط ثالث میں یہ مضمون مندرج تھا کہ بعد گفتگو کے اگر تکرار جانبین باقی رہے تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ و مدینہ کو منصف قرار دیا جائے اور اگر چہ وہ شرط محل بحث واقع ہوگئی اور وقت مباحثہ کے مدعی نے دعوی مطلقاً کیا لیکن قرینۂ سابقہ سے ظاہر ہے کہ غرض اس کی اس دعوی سے اجراء اسی شرط کا تھا۔ پس بالضرورۃ دعوی اس کا خاص ہوا، اگر چہ اس نے بوقت دعوی برخلاف داب مناظرہ اجمال کیا۔ پس ایسی حالت میں سائل کو ہرگز نہیں لازم تھا کہ بغرض نقض دعوی عامہ کے آیت الاعراب اشدّ ... و من اھل المدینۃ وغیرہ کی تلاوت کریں یا قصص فتنہ بیان کریں، اس واسطے کہ سائل کہ مدعی سے تعین دعوی و تعریفات مفردات دعوی وغیرہ اس وقت کرانا چاہے جب علم اس کا نہ ہو اور اگر باوجود علم کے طلب کرے گا تو یہ مکابرہ یا مجادلہ ہوگا جیسا کہ ابحاث باقیہ وغیرہ میں مصرح ہے اور ما نحن فیہ میں علم اس امر کا کہ دعوی خاص ساتھ علمائے حرمین کے ہے بدلالت حال و مقال کے ہر کس و ناکس کو حاصل ہے۔ پس مقابلہ سائل کا ایسی صورت میں خارج از مناظرہ ہے۔

❁ سوم ۔ ہرگز سائل کو بمقتضائے مناظرہ نہیں لائق تھا کہ آیات مذمت کفار و منافقین حرمین کے تلاوت کرتے مگر بعد اس کے کہ ان سے یہ امر خلاف داب مناظرہ ہوا مدعی کو دلیل مذمت سکان حرمین سائل سے طلب کرنا اور سائل کو مدعی مذمت ٹھہرانا خلاف داب مناظرہ ہے۔ اس وجہ سے کہ ہر ذی عقل اس امر کو جانتا ہے کہ غرض سائل کی اس تلاوت وغیرہ سے صرف نقض عموم و اطلاق دعوی مدعی تھا، نہ ادعائے مذمت سکان حرمین یا منقصت علمائے حرمین۔

❁ چہارم ۔ یہ کہ سائل نے جو بمقابلہ اطلاق دعوی کے وقائع یزید و عبدالملک بن مروان بیان کئے، وہ خارج از بحث ہیں اس وجہ سے کہ ان وقائع میں کوئی امر شرارت و خباثت اہل حرمین سے نہیں ہوا تھا بلکہ ان پر غلبہ مفسدین کا ہوا تھا۔

❁ پنجم ۔ تعین دعوی جو مدعی نے بعد چند تقریرات کے کیا، یعنی یہ کہ دعوی فضیلت علمائے حرمین کا باب انصاف میں ہے، اگر چہ یہ امر ان کی شرط سابق سے معلوم تھا مگر وقت بحث کے ابتداء سے اس کی توضیح ضرور تھی کہ سائل کو موقع سوال کا نہ ہوتا اور وقت دعوی کے اس کا اجمال اس غرض

سے کہ جب خصم انکار اس دعوی کا کرے گا حضار مجلس سے کہد یا جاوے گا کہ دیکھئے یہ مکہ اور مدینہ کے لوگوں کی فضیلت سے جو نصوص صریحہ سے ثابت ہے انکار کرتے ہیں اور خلاف احادیث اعتقاد رکھتے ہیں، شان ارباب مناظرہ سے نہیں ہے۔

ششم۔ باوجود استفسار سائل کے مرۃً بعد اخری مدعی نے صاف بیان نہ کیا کہ دعوی فضیلت علمائے حرمین کا من حیث الانصاف آج کل کے علماء کے باب میں ہے یا قرون ثلاثہ کے علماء کے باب میں یا بہ نسبت ہر زمانہ کے ہے۔ یہ امر خلاف داب مناظرہ ہے۔ جب سائل استفسار امر ضروری کا کرے، مدعی پر اس کا جواب صاف دینا لازم ہے اور اس میں لیت ولعل کرنا خالی مجادلہ ومکابرہ سے نہیں ہے۔ مدعی نے اس کا حوالہ اپنی تقریرات سابقہ پر کیا حال آنکہ کسی تقریر مدعی سے اس کا حال نہیں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ شرط ثالث کے عنوان سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ کے علمائے حرمین کے افضلیت انصافیہ کے قائل ہیں مگر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر خاص اسی زمانہ کے ساتھ ہے یا ہر زمانہ میں از ابتدائے تقرر اسلام پایا گیا یا قرون ثلاثہ میں یہ وصف ہو کے معدوم ہو گیا پھر اس زمانہ میں اعادہ معدوم ہوا۔ جب تک کہ مدعی تعین دعوی صاف صاف نہ کرے دعوی کیونکر متقرر ہو گا اور سائل کس طرح دلیل میں نظر کر سکے گا۔

ہفتم۔ بحث کرنا اس امر میں کہ سائل سائل نہیں خارج از مناظرہ ہے اگر اصطلاحاً سائل نہ ہو تو لغتاً سائل ہونے میں شبہ نہیں۔

ہشتم۔ سائل کلیہ قول کہ مکہ و مدینہ میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں، صحیح ہے لیکن منصفی میں افضل ہونا اس کا اثبات ذمہ مدعی کے ہے کہ سائل کے اس کہنے سے یہ نہیں لازم ہے کہ افضلیت من حیث الانصاف کا بھی قائل ہووے۔

نہم۔ فضیلت عرب بحیثیت عرب ہونے کے اور فضیلت اہل حرمین شریفین کے عموماً اور علمائے حرمین کے خصوصاً بحسب تضاعف ثواب عبادات وکثرت قبولیت حسنات ومغفرت سیئات و بحسب فضیلت موطن ومسکن متفق علیہ ہے اور اس کا ثبوت بہت سے احادیث صحیحہ واخبار صریحہ سے ہوتا ہے کسی مسلم کی شان سے نہیں ہے کہ ان فضائل کا انکار کرے اور کثرت ثواب طاعات ومغفرت خطیئات وقبولیت عبادات وفیضان رحم الٰہی قرب جناب نبوی ﷺ وافضلیت مسکن وموطن میں کسی کو اہل حرمین پر فضیلت دے۔

باقی امر انصاف وتحقیق مسائل خلافیہ میں اور تنقید وتدقیق دلائل متخالفہ میں، پس یہ

موقوف ہے اوپر جودت طبیعت وفرط ذکاوت و وسعت نظر وحسن فکر و وسعت علم وکمال فہم وترک تعصب مذہبی وقطع تعلق ہوائے قلبی کے۔ پس جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ علمائے حرمین ہر زمانہ کے یا کسی زمانہ خاص کے ان سب صفات کے ساتھ متصف رہے ثبوت افضلیت بحسب الانصاف مشکل ہے اور ماہران کتب تواریخ حرمین شریفین مثل العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین و تاریخ المدینہ وغیرہ وناظران تراجم علمائے متقدمین ومتاخرین پر مخفی نہ رہے گا کہ اجتماع ان سب صفات کا ہمیشہ تمام علمائے حرمین میں نہیں پایا گیا بلکہ بعد قرون صحابہ کے جس قدر شیوع علم وقوت فہم بلاد شام ومصر وغیرہ میں پایا گیا حرمین میں اس قدر نہیں پایا گیا۔

دہم: مدعی نے جو احادیث اثبات دعوی کے واسطے ذکر کی ہیں، ثبوت دعوی ان سے محل تامل ہے۔

حدیث اول صلوۃ فی مسجدی ہذا خیر من الف صلوۃ ما سواہ الّا المسجد الحرام۔ مثبت فضیلت مسجد نبوی ومسجد حرام ہے اور اس سے فضیلت ساکنان حرمین بحسب تضاعف ثواب عبادات وبحسب شرافت سکونت ثابت ہے اور اس میں کسی مسلم کو نزاع نہیں اور اس فضیلت سے فضیلت من حیث الانصاف لازم نہیں ہے بلکہ من حیث العلم بھی ضروری نہیں ہے۔

اور حدیث دوم سے یعنی انّ اللہ حبس عن مکۃ الفیل۔ الحدیث.. شرافت ذاتیہ بلدہ مکہ معظّمہ کی ثابت ہے۔ نہ فضیلت علمیہ سکّان او۔

حدیث سوم۔ یعنی واللّٰہ انک لخیر ارض اللّٰہ الی اللّٰہ۔ الحدیث۔ سے بھی فضیلت ذاتیہ زمین حرم مکہ کی اور فضیلت اہل حرمین بجہت شرافت مسکن ثابت ہے نہ فضیلت علمیہ۔

اور حدیث چہارم یعنی انّ الدّین لیارز الی الحجاز بحسب تصریح شراح حدیث اس زمانے سے خبر ہے کہ جس میں استیلاء کفرہ تمام اقالیم میں ہو جائے اور قوت دین تمام بلاد میں سے منتفی ہو جائے گی اس وقت دین حجاز کی طرف مائل ہوگا اور وہاں سے زائل نہ ہوگا۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ دین حرمین قوی رہے گا اور جس طرح سے مداہنت امور دینیہ و استحداث بدعت شرعیہ اور بلاد میں ہوگا اس قدر حرمین میں نہ ہوگا۔ علی کلّ تقدیر اس حدیث سے فضیلت علماء من حیث الانصاف نہیں ثابت ہوگی کیونکہ بقائے دین اور قلت مداہنت دین شئے دیگر ہے اور فضیلت انصاف امر دیگر۔

اور حدیث پنجم میں یعنی لا یرید اہل المدینۃ بسوء لاذا بہ اللّٰہ فی النّار وعید ہے اس پر جو

اہل مدینہ کو ایذا پہنچائے جیسے عسکر یزید وعبد الملک بن مروان سے سرزد ہوا، فضیلت علماء سے کچھ بحث نہیں، اور مجرد افضل نہ سمجھنا اہل حرمین کو من حیث العلم والانصاف کسی طرح سے داخل ایذا نہیں ۔ہاں جو شخص اہل مدینہ سے عداوت کرے اور ان کو ایذا دے اور تحقیر اہل حرمین کی کیا کرے اور ان کے مذمت کے بیان میں سرگرم رہے وہ البتہ اس وعید میں داخل ہے۔

اور حدیث ششم یعنی لا یدعھا...ر غبۃً ؟؟؟؟ میں کہ مدینہ سے نکل جانے کا اور مدینہ میں رہنے پر شفاعت ہونے کا ذکر ہے، مبحث سے کچھ علاقہ نہیں۔

اور حدیث ہفتم میں یعنی انّ ابراھیم ....الخ ۔ذکر برکت مکہ مدینے کا تول وناپ وغیرہ میں ہے فضیلت علمیہ سے اس کو کیا علاقہ ہے؟

اور حدیث ہشتم سے یعنی من استطاع ان یّموت بالمدینۃ فلیفعل فضیلت موت کی مدینے میں ثابت ہے اور یہ فضیلت علمیہ پر موقوف نہیں۔

اور حدیث نہم سے یعنی انّما المدینۃ کالکیر ،شرافت مدینے کی اس طور کی ثابت ہوئی کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ وہاں منافق اور خبیث الباطن بعد تقرر اسلام کے نہیں رہ سکتا اور یہ نہیں ثابت ہے کہ وہاں کا ہر عالم علمائے بلاد سے من حیث العلم افضل ہوتا ہے۔اور بعض شراح حدیث نے اس حدیث کو بھی زمانہ ظہور علامات قیامت کبری پر محمول کیا ہے کہ اس وقت میں مدینے میں سوائے مسلم کامل کے کوئی نہ رہ سکے گا۔پس عموماً فضیلت نہ ثابت ہوئی۔

اور حدیث دہم یعنی انّ اللّٰہ سمّی المدینۃ طابۃ کو کچھ دخل مقصود میں نہیں ہے، نام مدینے کا طابہ ہونا اور چیز ہے اور وہاں کے سکان کا افضل ہونا اور چیز ہے۔

اور حدیث یازدہم یعنی آخر قریۃ من قری الاسلام خرابا المدینۃ بھی مقصود سے بیگانہ ہے کیونکہ خبر اس امر کی ہے کہ بوقت خراب عالم وقرب قیامت مدینہ سب بلاد کے بعد خراب ہوگا اس کو فضیلت سے کیا علاقہ ہے۔

اور حدیث یبغض العرب فتبغنی اور حدیث من غش العرب لم یدخل شفاعتی اور حدیث لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب اور احبو العرب لثلاث، ایسی ایجاب حب عرب وحرمت ایذاء وطہارت ملک عرب نجاست شرک سے ثابت ہے۔اصل مقصود سے اس کو کچھ ربط نہیں اور احادیث جو فتوی مدعی میں فضائل یمن وشام کے مذکور وہ بھی بالکل مطلب سے بیگانہ ہیں کہاں فضیلت علمائے حرمین من حیث الانصاف کہاں فضیلت یمن وشام۔

الحاصل جو احادیث کہ مدعی نے پیش کیں کوئی ان میں سے مثبت دعوی نہیں ہے البتہ فضیلت ذاتیہ بلاد حجاز وقوت دین و بقائے اسلام در مدینہ تا زمانہ آخر وفضیلت اہل حرمین بجہت تضاعف ثواب والزام محبت اہل حرمین و وعید موذی ایشاں یاں ثابت ہوتی ہے اور اس میں کسی مسلم کو انکار نہیں ہوسکتا۔

یازدہم۔ ناظرین کتب فقہ وحدیث پر ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ سے تا ایں زمان مجتہدین و فقہاء ومحدثین مسائل فرعیہ و دلائل حدیثیہ میں مختلف رہا کئے اور فیما بین اصحاب مذاہب کے مناظرات ہوا کئے مگر کہیں یہ نہیں ثابت ہے کہ مختلفین نے رفع خلاف کے واسطے اہل حرمین کو منصف مقرر کیا ہو اور ان کی تحقیق کو لازم التسلیم سمجھا ہو۔

دوازدہم: کتب اصول میں مصرح ہے کہ امام مالک کے نزدیک اجماع اہل مدینہ حجت ہے اور عمل صحابہ وتابعین مدینہ ان کے نزدیک سند مستند ہے اور سوائے انکے اور آئمہ مثل امام ابوحنیفہ وغیرہ اس میں مخالفت کرتے ہیں اور مجتہدین اہل مدینہ کو مساوی باقی مجتہدین کے سمجھتے ہیں ۔ پس اگر فضیلت اہل حرمین من الانصاف والتحقیق احادیث سے ثابت ہوتی تو اس مسئلہ میں مخالفت نہ ہوتی۔

الغرض دعوی اس امر کا کہ علمائے حرمین تمام علمائے بلاد سے من حیث العلم والانصاف افضل ہیں قرون ثلاثہ میں یا ہر زمانہ میں اب تک حیز ثبوت تک نہیں پہونچا۔ ہاں وہاں کے علماء بلکہ کل سکان کی فضیلت من حیث الثواب والشرافہ وغیر ذلک کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ آرے اس قدر ثابت ہے کہ دو طائفہ علماء کے فرض کئے جاویں کہ مساوی وسعت علم وتحقیق وانصاف وتدقیق میں ہوں اور ایک طائفہ ان میں سے حرمین کا ہو تو وہ افضل دوسرے طائفہ سے ہے مگر یہ امر خارج از مقصد ہے۔ حرّرہ الرّاجی عفو ربہ القویّ ابو الحسنات محمّد عبد الحی تجاوز اللّٰہ عن ذنبہ الجلی و الخفی۔

(مجموعہ فتاوی، عبدالحی لکھنوی، جلد دوم۔ کتاب المتفرقات۔ ص ۳۲۸ تا ۳۵۱)

مباحثہ بمبئی ۱۸۸۳ء : پس منظر و پیش منظر

جناب محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

.... جوں جوں ہم اور ہمارے ہم درد محبّ القوم و الوطن مسلمانوں کے باہمی اتفاق بہم پہنچانے میں کوشش کرتے ہیں، اس کی تائید و ترغیب میں پرزور مضامین قید رقم میں لا کر اخباروں اور رسائل میں چھپواتے ہیں، اور اس اتفاق و اتحاد کے وسائل (انجمنیں، سوسائیٹیاں) قائم کرتے ہیں، تو ں توں ہمارے ہی فاسد اعضاء بعض مسلمان شوریدہ بخت در پئے تفرقہ و فساد و باہمی بغض و عناد ہوتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بناتے ہیں۔ کینہ و عداوت و تفرقہ و مہاجرت کا سبق پڑھاتے ہیں۔ رات دن بذریعہ تحریر و تقریر علیحدگی و نفاق کی منادی سناتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو (جو اصول میں ان کے موافق ہیں، صرف فروعات میں مخالف ہیں) دین سے خارج سمجھ کر ان کو اپنی مسجدوں سے نکال دو، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھو، ان کے پاس بیٹھنا، ساتھ چلنا، کھانا پینا موقوف کرو۔ وعلی ہذا القیاس۔

اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ صرف معمولی فروعی اختلاف پر یہ احکام نہیں لگائے جا سکتے اور اگر لگائے بھی جاتے ہیں تو وہ عام لوگوں میں چل نہیں سکتے، تو وہ اس تفرقہ کو قائم کرنے اور ان احکام شقاق و نفاق کو جاری کرنے کیلئے جھوٹ و افتراء سے کام لیتے ہیں۔ اپنے مسلمان اور سنی بھائیوں کی نسبت ایسی باتیں خلاف واقع اور ناحق شائع کرتے ہیں جو انکو دائرہ اسلام سے خارج کریں، یا اہل سنت و جماعت کے احاطہ سے نکال دیں۔ جیسے ان کا یہ افتراء کہ خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے، اور یہ افتراء کہ انبیاء کو خطا کار یا گنہ گار کہنا جائز ہے، اور یہ افتراء کہ آنحضرت ﷺ خاتم المرسلین نہیں، اور یہ افتراء کہ رجعت (جس کے شیعہ قائل ہیں) برحق ہے، اور یہ افتراء کہ چاروں اماموں کے پیرو (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) اور چاروں طریقہ کے متبع (چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی) سب کافر ہیں، اور یہ افتراء کہ خنزیر کی چربی حلال ہے اور معاذ اللہ ..... نے وہ پنیر شام جس میں وہ چربی تھی، کھایا ہے، اور یہ افتراء کہ مردوں کو بالیاں، پازیب، زیور وغیرہ پہننا درست ہے، اور یہ افتراء کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی وغیرہ سے استنجا کرنا بدعت اور دوزخیوں کا کام ہے، اور یہ افتراء کہ وضو میں

بجائے پاؤں دھونے کے ان پر مسح کرنا فرض ہے۔ وغیرہ جن کی تفصیل میں تطویل ہے۔..

یہ بازار فتنہ وفساد کا دہلی میں مدت سے گرم تھا۔ ۱۸۸۱ء میں جی۔ جی۔ ینگ، کمشنر دہلی نے ہمیشہ کے مقدمات دیوانی وفوجداری (جو اس تفرقہ وفساد کے نتائج تھے) کے سننے سے تنگ آ کر اس بازار کو سرد کرنا چاہا، اور جانبین کے علماء ومقتداؤں کو بلا کر دوستانہ طور پر سمجھایا کہ آپ لوگ عوام کے فتنہ کو بند کریں، اور باہم اتفاق واتحاد اہل اسلام کو قائم رکھیں۔ تسپر فریقین کے سرآمد علماء نے، جو اس وقت مرجع افتاء تھے، توجہ فرمائی اور ایک تحریر پر تاثیر خوش تقریر قید قلم میں لا کر اپنے اپنے فریق کے علماء وفضلاء کے دستخطوں ومواہیر سے مسجل ومزین فرما کر کمشنر کے پاس تصدیق وشہادت (نہ کسی مسئلہ کے تصفیہ وتحقیق) کیلئے پیش کی۔ اس تحریر کو بتمامہ ہم رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۳ جلد ۵ میں درج کر چکے ہیں۔ (اور ہم تاریخ اہل حدیث جلد ۲ میں نقل کر چکے ہیں۔ بہاء)۔......اس پر درج ذیل علماء کے دستخط ثبت ہیں:

فریق عامل بالحدیث۔ سید محمد نذیر حسین (اہل حدیث کے رئیس العلماء ہیں اور حدیث کے مدرس ومفتی)؛ حفیظ اللہ (حافظ، مولوی، واعظ مشہور شہر دہلی کے)۔ سید شریف حسین (سید نذیر حسین کے بیٹے)۔

فریق عامل بالفقہ۔ محمد شاہ، محمد عبداللہ (مدرسہ مولوی عبدالرب کے مدرس جو فی الحال پنجاب یونیورسٹی کالج کے مدرس دوم ہیں)؛ محمد عبدالرب (واعظ مشہور دہلی وسہارن پور)؛ محمد عبدالحق (مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی)، محمد رحیم بخش (مسجد فتح پوری دہلی کے امام)؛ سید محمد یوسف؛ محمد ابراہیم (قاضی القضاۃ)

فریق ثالث (غیر جانبدار)۔ انہ کان منصورا، سید محمد (امام مسجد جہاں نما)۔

اس تحریر پر ان علماء کے علاوہ اور بہت سے فضلاء وعلماء فریقین وثالث طرفین کے دستخط ومواہیر ثبت ہیں مگر ہم نے ایک خاص غرض سے (جس کو ہم عنقریب ظاہر کریں گے) صرف ان علماء کی مہریں نقل کی ہیں جن کا علماء ومقتداء ہونا اس وقت اپنے اپنے فریق میں مسلّم ومشہور ہے۔

یہ تقریر سراپا تنویر ان مردہ دلوں پر جو حسد وعناد وشر وفساد پلائے گئے ہیں، زہر ہلاہل بن کر گری، اور وہ صلح جو اس تحریر کی تاثیر سے پیدا ہوئی تھی ان کو موت سے بھی بدتر معلوم ہوئی۔ پس وہ اس عہد کے توڑنے اور اس صلح کے فسخ کرانے کی تدابیر کے درپئے ہو گئے۔

ایک مدت کے بعد پہلے تو انہوں نے یہ تدبیر فساد اور باہمی جنگ وجدال کی نکالی کہ ایک تحریر من جانب مولوی سید شریف حسین خلف الرشید مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی بنام جناب مولوی ولایت علی حنفی فرخ آبادی (مدرس مدرسہ جناب مولوی محمد سعید صاحب عظیم آبادی بمقام پٹنہ)

اس مضمون کی روانہ کی جس کی تفصیل نقل سے باوجودیکہ نقل کفر کفر نباشد ، مسئلہ مشہور ہے ، ہمارے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں۔ اور قلم وزبان کو مارے شرم وحیا کے طاقت بیان نہیں ہے۔ اور اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ تمہارے اکابر مذہب و مشائخ طریقت کے فلاں وفلاں (جن کے نام نامی کا ذکر بھی اس مقام میں گستاخی و بے ادبی سے خالی نہیں) سب کے سب کافر و مرتد و جہنمی گذرے ہیں اور ہمارے علماء مذہب فلاں فلاں ایسے اور ایسے عالم اور مجتہد ہیں۔ اسی قسم کے اور کفریات واکاذیب اس تحریر میں درج ہیں (جن کا صدور مسلمان کی شان سے بعید ہے)۔

اس خط کو دیگر مفسدوں نے خود ہی دہلی ، دیوبند، سہارن پور، گنگوہ، لودہیانہ، لاہور وغیرہ بلاد ہندوستان و پنجاب میں پھیلایا۔ اور عام لوگوں کو جوش دلایا کہ گروہ عاملین بالحدیث، عاملین بالفقہ کو ایسا برا سمجھتے ہیں۔ لہذا ان سے دشمنی وعناد عاملین بالفقہ کا مذہبی فرض ہے۔ ہر چند اس خط اور اس کی اشاعت نے بعض سادہ مسلمانان ضلع سہارن پور ولودہانہ پر کچھ اثر کیا، انہوں نے بلا تحقیق اس پر اعتماد کر کے عاملین بالحدیث کو مسجدوں سے نکالنا شروع کر دیا اور اپنا دشمن ومخالف سمجھا، مگر اکثر بلاد کے علماء وصلحاء وعقلاء اور رؤساء نے اس کو دروغ بے فروغ سمجھ کر اس کی طرف اعتناء نہ کیا۔ الغرض اس جعلی خط کا اثر پورا پورا نہ ہوا۔

یہ دیکھ کر ان ہی حضرات نے ، یا انکے اور ہم خیال بھائیوں نے انہی دہلی کے مفسدوں کے مشورہ ومعاونت سے ایک اور فتوی بطور رسالہ اس مضمون کا تیار کیا کہ گروہ عاملین بالحدیث، اہل سنت والجماعت سے خارج وگمراہ ہیں۔ ان میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو بعض موجب کفر ہیں بعض موجب فساد، ونماز کی مفسد، لہذا ان کے ساتھ ملنا بیٹھنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، درست نہیں ۔اور اس کی ذیل میں اس تحریر معاہدہ مصدقہ کمشنری دہلی کی بے اعتباری یوں بیان کی کہ کمشنر دہلی نے ان دونوں فریق کا باہم ملاپ واتفاق کرایا تھا، وہ فتوی نہیں اور لائق اعتبار نہیں ہے۔ اور اس پر تین دلائل پیش کیئے :

اول یہ کہ کمشنر کو مذہبی امور میں دخل اور فتوی پر مہر کرنے سے کیا کام؟

دوم یہ کہ اس میں سوال (چہ فرمائیند علماء دین) و جواب (بحوالہ کتب) کہاں ہے؟

سوم یہ کہ اس پر دستخط کرنے والے سب علماء نہیں۔ بعض طرفین کے مولوی ہیں ۔

اس رسالہ پر انہوں نے جھوٹی سچی مہریں کرا کر ایک مولوی صاحب کے (جن کے اسم و رسم سے ہم واقف نہیں، لہذا ہم ان کی نسبت کسی قسم کی رائے قائم نہیں کر سکتے کہ وہ دیدہ دانستہ اس فساد وغلط

بیانی کے متصدی و پیش امام ہوئے یا وہ کسی مفسد کے دھوکہ میں آ گئے، یا وہ اس رسالہ کے مضامین ہی سے بے خبر محض ہیں) نامزد کر کے ایک گلابی رنگ کے چوورقہ پر مطبع فیض محمدی لکھنو میں چھپوایا۔

وہ چو ورقہ رسالہ ہندوستان و پنجاب کے اکثر شہروں میں مشتہر ہو رہا ہے اور اس کی دستاویز سے (کہ یہ دہلی کا مہری فتویٰ ہے) ناواقف لوگوں کو دن رات بہکایا اور جوش دلایا جاتا ہے کہ گروہ عاملین (بالحدیث) کافر و مرتد و خارج از ملت ہیں، ان کے ساتھ ملنا، بیٹھنا، کسی کام میں شریک ہونا مسجدوں میں ان کو آنے دینا، جائز نہیں۔

...اہل اسلام سے جو صاحب علم وانصاف ہیں وہ خود جانتے ہیں کہ گروہ عاملین بالحدیث کو عاملین بالفقہ سے اصول اعتقاد و امہات مسائل میں (بجز چند مسائل فرعیہ عملیہ کے جن میں کسی جانب صواب یا خطا کا یقین نہیں ہوسکتا) اختلاف نہیں ہے۔ دونوں اکثر مسائل و اصول میں ایک ہیں۔ اور جن کو کسی مسئلہ میں کچھ اشتباہ یا قلت اطلاع ہو وہ بشرط استطاعت اس گروہ کے معمولہ و متمسکہ کتب حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) کو (جن پر ان کا عملاً و اعتقاداً اعتماد اور استناد ہے) مطالعہ کر کے دیکھیں کہ آیا ان کتب میں ان باتوں کا، جو ان کے ذمہ لگائی جاتی ہیں (اور وہ منقول ہو چکی ہیں)، کہیں اثر و نشان ہے۔ جس کو یہ بھی استطاعت نہ ہو وہ اسی فیصلہ و قرارداد فریقین کو جو عدالت کمشنری دہلی میں گویا رجسٹری ہو چکا ہے ملاحظہ فرماویں، جس میں باتفاق علماء فریقین صاف تسلیم کیا گیا ہے کہ اِن کا، ان کا، اختلاف صحابہ کی مانند صرف بعض مسائل فرعیہ میں ہے، اصول میں نہیں ہے۔ اصول میں یہ سب اہل سنت و جماعت ہیں۔ ایک کی دوسرے کے پیچھے نماز درست ہے۔ اور جو اس فیصلہ کی بے اعتباری پر اس تحریر، سراپا تزویر میں تین دلائل قائم کئے ہیں ان کو وہ محض مغالطات و دھوکہ سمجھتے ہیں۔

دلیل اول کو اس لئے کہ کمشنر نے اس میں تصدیق مسائل کے لئے دستخط نہیں کئے، بلکہ بغرض شہادت واقعہ۔ گویا اس فیصلہ کو رجسٹری کر دیا ہے تاکہ مفسدین کو اس میں انکار کی گنجائش نہ رہے اور ظاہر ہے کہ کوئی امر شرعی بیع یا نکاح یا ہبہ یا طلاق عدالت میں رجسٹری کرانے سے غیر شرعی اور باطل نہیں ہو جاتا۔

دلیل دوم کو اس لئے کہ دینی مسائل و فتاوی کے صیغہ و پیرایہ کا سوال و جواب پر انحصار نہیں۔ دیکھو قرآن مجید یا صحیح بخاری یا ہدایہ میں کہیں چہ می فرمائیند علماء دین کا لفظ نہیں ہے۔ پھر کیا وہ مسائل جو ان کتابوں میں ہیں، شرعی مسائل متصور نہ ہوں گے؟

دلیل سوم کو اس لئے کہ اس فیصلہ پر جن لوگوں کی مہریں ہیں وہ سبھی علماء نہیں ہیں، تو بعض تو بلا اختلاف علماء ہیں، جن کے نام نامی ہم نے اس مقام میں اسی بات کے بتانے کے لئے نقل کئے ہیں اور ان کا علماء ہونا اس تحریر پر تزویر میں بھی تسلیم کیا گیا ہے بلکہ انہی علماء کی مواہیر سے اپنی تحریر کو علماء دہلی کا مہری فتوی بنایا ہے اور عام لوگوں میں جو دہلی کے فتوی پر اعتماد کرتے ہیں، معتبر کیا ہے۔ اور تصدیق مسئلہ کے لئے بعض مصدقین کا علماء ہونا کافی ہے اور اس کو غیر علماء کا مان لینا اور اس کی تصدیق کرنا اس کو شرعی ہونے سے خارج و بے اعتبار نہیں کرتا۔

اس تدبیر سے کس و ناکس کو، عالم ہو خواہ عامی، ان باتوں کے کذب ہونے کا یقین ہو سکتا ہے۔ اور معزز خیر خواہان اسلام و اتفاق جویان اہل اسلام خصوصاً اسلامی انجمنوں کے اعیان کی توجہ سے اس یقین کے اظہار اور ان اکاذیب کی بے اعتباری کے اشتہار سے وہ اس مرض فرقہ وفساد و بغض وعناد اہل اسلام سے دور ہوسکتا ہے۔ اور جن کے دل میں پھر بھی یہ مرض رہے ان کے لئے دو نسخہ اور تیار ہے۔

اول : ہزار روپیہ کا اشتہار ذیل

خاکسار بذریعہ اشتہار یک ہزار روپیہ نقد سکہ رائج الوقت کا اس شخص کو وعدہ انعام دیتا ہے جو ان مفتریات و بہتانات کا جو اہل حدیث کے ذمہ لگائے جاتے ہیں (اور وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۶ بصفحہ ۱۲۹ منقول ہیں) ان کی ان کتب معمولہ ومتمسکہ سے (جو شرقاً وغرباً وسلفاً وخلفاً ان کی متمسک بہا ہیں) ثابت کرے یا ان کا داخل مذہب اہل حدیث ہونا اس اصول و قانون سے جو انتباہ حضرت شاہ ولی اللہ و میزان شعرانی و ایقاف ملاّ حیات سندھی اور اشاعۃ السنہ نمبر ۶ جلد ۴ میں بصفحہ ۱۸۴ بیان ہوا ہے، ثابت کرے۔

المشتہر ابوسعید محمد حسین لاہوری

دوم: جھوٹی باتوں کے قائل پر لعنت کی بوچھاڑ

جس کو اہل حدیث میں ان باتوں کے پائے جانے کا دعوی ہو وہ اس اشتہار کا جواب دے یا کسی سے دلوائے اور ہزار روپیہ انعام پائے۔ اور لعنت، ہر دم حاضر ہے۔ جہاں اور جس وقت چاہو اہل حدیث کہنے کو حاضر ہیں کہ جو ان باتوں کا قائل ہو اس پر ہزار لعنت ہے۔ اور جو ناحق کسی پر بہتان باندھے، اس پر ہزار نہیں تو پانچ سو ہی سہی۔ پانچ سو کی آپ کو رعایت کی گئی۔ ان کے

مخالف اپنے دعوی و یقین میں سچے ہیں تو اس پر (بالجہر نہ سہی آہستہ ہی) آمین کہیں۔

... ہم نے اپنی مدت العمر میں جہاں تک کتب (حدیث و تفسیر و فقہ و اصول عقائد وغیرہ اسلامی علوم کا) عبور کیا، ان میں یہی مسئلہ پایا کہ جس مسلمان سے کوئی کلمہ کفر وارتداد یا فعل موجب حد وسزا شرعی سرزد ہو، اس کو اس سے انکار کرانا و بتاویل مکر جانے کی تلقین کرنا اور اس انکار و تاویل کو (بفرض وقوع اس قول وفعل کے) توبہ قرار دینا، اور جس کے قول میں ننانوے وجوہ کفر ہوں اور ایک وجہ اسلام، اس کو اس ایک وجہ اسلام کے اعتبار و لحاظ سے دائرہ اسلام میں جگہ دینا، اور بلحاظ وجوہ کفر، اسلام سے خارج نہ کرنا لازم ہے۔ مگر یہاں اس قضیہ کا عکس ہوتا ہے۔ جس شخص سے کوئی فعل وقول موجب کفر سرزد نہ ہوا ہو، اس کو خواہ مخواہ اس کا قائل و فاعل قرار دیا جاتا ہے۔ اور جس کے قول یا فعل میں ننانوے وجوہ اسلام ہوں اور ایک وجہ کفر، اس کو ایک وجہ کفر کے لحاظ سے کافر ٹھہرایا جاتا ہے۔ پھر اس طرفہ پر یہ طرہ چڑھایا جاتا ہے کہ جو اس کافر کے کفر میں شک کرے، وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ اور جو اس شک کرنے والے کے کفر میں تردد کرے، وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اس تدبیر سے اصلی کافر جو ان باتوں کے مرتکب قرار دیئے جاتے ہیں فیصدی پچاس نکلتے ہیں اور جو ان کے کفر میں شک یا شک کنندہ کے کفر میں شک کرنے کے سبب کافر بنتے ہیں، وہ فیصدی نوے پیدا ہوتے ہیں۔

ان لوگوں کو واجب یہ تھا کہ اس اتفاقی مسئلہ (جس کا خلاف ہم نے آج تک کسی کتاب حدیث وفقہ اور کسی مذہب شافعی و حنفی میں نہیں دیکھا) پر عمل کر کے تاویلی و نادانستہ کفر کے مرتکب کو مسلمان بناتے اور مسلمانوں کا عدد بڑھاتے۔ انہوں نے اپنے فاسد خیالوں سے اس کا خلاف تراش کر اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو کافر بنایا اور مسلمانوں کا نمبر اور بھی گھٹایا۔

ایک شخص دوسرے سے پوچھتا ہے کہ آپ کے اعتقاد میں خدا کا جھوٹ بولنا جائز ہے؟

۔ اور آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا غیر مسلّم ہے؟

اور آپ کے مذہب میں منی شکر میں ملا کر کھانا درست ہے؟

دوسرا اس سے یہ سوال کرتا ہے کہ آپ کے اعتقاد میں امام فروعی مذہب، پیغمبر اسلام میں نبوت میں شریک ہے؟

اور اس کا قول پیغمبر کے قول سے تمہارے نزدیک مقدم ہے؟

تمہارے مذہب میں عورت کی اندام نہانی کی رطوبت شکر میں ملا کر نوش جان کرنا مباح ہے؟ وعلی

ہذاالقیاس۔

پھر ہنوز ایک شخص دوسرے کو جواب دینے نہیں پاتا کہ وہ اس کے سکوت و وقف ہی سے بحکم الخاموشی نیم رضا اس کو ان باتوں کا قائل اور اس قائل ہونے کے سبب سے کافر قرار دیتا ہے۔ اور اگر وہ ان باتوں سے برملا انکار کرے تو اس انکار کو وہ نفاق اور تقیہ قرار دیتا ہے۔ غرض بہرصورت اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے کافروں میں ملا کر جہنم میں پہنچا کر لوٹتا ہے۔

مباحثہ بمبئی

جناب محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کاروائی ایک وہ ہوئی ہے جب مولانا و شیخنا مولوی سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی جن کا اس وقت (امیر المؤمنین و امام المحدثین ہونا نہ سہی) کلمہ گو ہونا تو مسلّم روزگار ہے، بارادہ حج بیت اللہ، بمبئی میں وارد ہوئے، تو وہاں کے خیر خواہان اسلام و ترقی جویان مسلمانان علماء و مشائخ جن کے پیش امام مولوی خلیل الرحمٰن لودہانوی ہیں (جن کے اسم و رسم سے میں واقف نہیں) اس قسم کے چند سوالات لے کر مولانا ممدوح کے گرد ہو گئے۔ اور اس امر کے فکر میں لگے کہ انہیں ان باتوں کا قائل ٹھہرا کر کافر بنائیں اور رجسٹر اسامیوار مسلمانوں سے ان کا نام خارج کر کے ایک نمبر گھٹائیں۔

مولانا ممدوح نے جب ان سوالات کو سنا تو برملا فرمایا کہ یہ سب مجھ پر بہتان ہے اور ان باتوں کا معتقد کافر ہے۔ چنانچہ اشتہار مطبوعہ مطبع حسنی بمبئی میں جو اس گروہ کے پیش امام مولوی خلیل الرحمٰن نے مشتہر کیا ہے، یہ جواب منقول وموجود ہے۔

مگر یاروں نے اس جواب کو نہ مانا اور صرف اس بہانہ سے کہ جناب ممدوح نے اس انکار کو بطور اقرار نامہ لکھ کر رجسٹری کیوں نہیں کرا دیا (یعنی تحریری جواب کیوں نہیں دیا)، آپ کو ان باتوں کا قائل ٹھہرا ہی دیا اور ان سوالات کو اخباروں میں خوب مشتہر کرا دیا۔

اس کاروائی میں پہلے تو عموماً مسلمانوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ ان کی اور ان کے مذہب اسلام کی نسبت ایسی باتیں عالم میں شائع ہوئی ہیں جن پر عیسائی و ہنود ہنسی اڑاتے ہیں۔ پھر ان خیر خواہان اسلام پر جنہوں نے یہ باتیں تجویز کر کے پیش کیں۔ پھر ان مسلمان اخبار نویسوں پر جنہوں نے یہ باتیں بلا تردید اپنے اخباروں میں شائع کر دیں۔ سب سے زیادہ افسوس اڈیٹر اخبار نور الانوار پر ہے جس نے اس تشہیر کے ساتھ یہ بات بھی اخبار میں شائع کی (چنانچہ مشیر قیصر مطبوعہ ۲۔

اکتوبر ۱۸۸۳ء اس سے ناقل ہے) کہ مولانا ممدوح نے ان سوالات کا جواب ناکافی دیا، یا نہیں دیا۔

اس سے ان اخباروں کے مقلدین ناظرین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مولانا ممدوح ضرور ان باتوں کے قائل ہیں۔ و بناء علیہ ایک جم غفیر اہل اسلام کو (جن کی تعداد اس اخبار نور الانوار میں اسّی ۸۰ لاکھ بتائی ہے) دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں۔

میں ان حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ کیا ان کے نزدیک کافی وشافی جواب یہی تھا کہ وہ ان باتوں کو مان لیتے اور کھلم کھلا کافر بنتے۔ یا ان کے رد و انکار میں قلم اٹھا کر ان کو شہرہ آفاق کرتے اور اقوام غیر سے اسلام پر ہنسی کراتے، جیسی ان حضرات نے کرائی ہے۔ باطل باتوں کا شائع کرنا (ردّ کے ساتھ کیوں نہ ہو) اچھا نہیں ہے۔ اس لئے مولانا ممدوح نے زبانی جواب متضمن انکار پر اکتفا کیا۔ آپ نے تو صریح انکار کیا، اگر آپ ان کے جواب میں محض سکوت ہی اختیار کرتے تو یہ بھی بحکم آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی۔ اور جواب جاہلاں باشد خموشی ایک نوع کا کافی جواب تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات کا جواب تقریری یا تحریری ہی دیا جائے۔...

ہم حسبةً للّٰہ و نصیحةً لخلق اللّٰہ اپنی درماندہ اور متنزل قوم کے بعض حالات (جو اس کے تنزل اور درماندگی کے آثار و علامات ہیں) اس غرض سے کہ اب بھی ہمارے اخوان اپنا آپ سنبھالیں، یا اور بھی خواہان و ترقی جویان قوم ان کی دستگیری کریں، نہایت افسوس کے ساتھ قید قلم میں لاتے ہیں۔ جو اس بیان کو مسلمانوں کی توہین سمجھیں یا اس کو محض چھیڑ خانی خیال کریں وہ از راہ کرم پہلے ایک دفعہ جلد ششم اشاعة السنة نمبر ا ص ۹ و نمبر ۵ ص ۱۲۶ و ۱۲۸ و نمبر ۷ ص ۱۹۰ وغیرہ دیکھیں اور نوٹ مندرجہ صفحہ ۲۴۳ کو بھی ملاحظہ کریں، پھر جو مناسب سمجھیں تجویز کریں۔ ان مقامات کے ملاحظہ سے پہلے ہمارے دل و زبان پر کچھ حکم نہ لگاویں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس حکم پر آخر میں خود نقصان اٹھاویں یا دیگر مسلمانوں کو ضرر پہنچاویں۔ ان حالات سے کچھ بطور نمونہ ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں لعلّ قومی یتفکّرون۔

جس طرز و انداز پر آج کل بعض مسلمانوں کے مناظرات و مذہبی تالیفات ہو رہی ہیں اگر وہ چندے اسی طرز پر رہے تو (خدانخواستہ باشد) اسلام و مسلمانوں کا کام تمام ہوگا۔ روز بروز مسلمانوں میں شقاق و نفاق بڑھتا جائے گا۔ ترقی اسلام و اتفاق قومی کا (جو کہ ہوا خواہان قوم جویاں ہیں) کہیں سراغ نظر نہ آئے گا۔ مسلمانوں کا زور ترقی، باہمی خانہ جنگی میں صرف ہو کر تمام ہوگا۔ مذاہب غیر کو بے روک ٹوک عروج ہوگا۔ پھر مسلمانوں کو پیر پٹخنے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے بھی

ترقی کا (مذہبی یا دنیاوی) موقعہ کہاں ملے گا۔اقوام مذہب غیر سے ہمسری و مقابلہ کا حوصلہ نہ رہے گا آج کل جدھر دیکھو اور جہاں جاؤ یہی پاؤ گے کہ مسلمان باہم لڑ رہے ہیں۔ایک دوسرے کے مذہب کی عیب شماری کر رہے ہیں۔ایک دوسرے کے عیوب مذہب کو بذریعہ تحریرات، رسائل و اخبارات میں شہرہ آفاق کرتے ہیں۔جس سے مسلمانوں کے تمام مذاہب اقوام غیر کی نظروں میں تمام جہاں کے مذاہب سے ردی و بدتر معلوم ہوتے ہیں۔

(نوٹ۔ اگر کوئی سوال کرے کہ تم بھی تو انہی میں داخل ہوئے جب کہ اس رسالہ میں کسی مسلمان فرقہ یا شخص کے عیب بیان کرنے لگے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر ہمارا اور ان کا فعل باہم مشابہ ہے،مگر اس میں،اس میں بوجوہ ذیل فرق ہے۔

اول۔ ان کا مقابلہ اپنے مخالف گروہ سے ہے۔ ہمارا مقابلہ کسی مخالف گروہ سے نہیں ہے۔

دوم۔ ان کا مقصود و ادعاء فصل ہے، ہمارا مدعا وصل ہے۔ وہ اپنے گروہ مخالف سے مخالفت کو بڑھانا اور ان کو تہ تیغ کر کے ان پر فتح پانا چاہتے ہیں، ہم سب گروہوں کی مخالفت کو گھٹانا اور سب کو باہم ملانا چاہتے ہیں۔

سوم۔ان کا فعل ان دو دشمنوں کی مانند ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں لشکر کشی و شمشیر زنی کریں۔ ہمارا فعل اس گروہ مصالحت جو کی مانند ہے جو اپنے زور شمشیر سے دونوں کو جنگ سے ہٹا دے۔اور جو لڑائی سے باز نہ آوے اس پر تلوار چلاوے۔جس کی اس آیت میں اجازت ہے:

و ان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا الّتى تبغى حتى تفىء الى امر اللّٰه

(الحجرات) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو انکی باہم صلح کراؤ۔ پھر بھی اگر ایک گروہ دوسرے پر تعدی کرے تو اس سے تم خود لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کریں۔

بایں ہمہ وجوہ فارقہ، پھر بھی ہمارے فعل کو کوئی باہمی بدگوئی قرار دے تو یہ اس کی خوش فہمی اور مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں حسن ظنی و اسباب صلح کلی کو راہ نہیں ملتی اس تقدیر خدا کو کون بدلے)

تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ہمارے (علاتی) بھائی (حنفیوں) نے ہمارے (عینی) بھائی اہل حدیث پر چند الزام قائم کئے اور وہ بذریعہ اخبارات و اشتہارات (جیسے اخبار نور الانوار کانپور۔ و اخبار مشیر قیصر لکھنو۔ و اشتہارات مطبوعہ مطبع حسینی بمبئی۔جن میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ اہلحدیث کے نزدیک، معاذ اللہ، منی اور رطوبت اندام نہانی عورت پاک ہے خواہ اسے شکر میں ملا کر کھاویں، اور سؤر کی چربی اور خون اور اس کی کھال اور بال اور اس کا گوہ موت پاک ہے،خواہ ان کو کوئی کھاوے یا پیوے یا اس

کی کھال کا مصلی یا ڈول بناوے) اور ایک خط جعلی اور ایک گلابی چو ورقہ رسالہ (موسومہ بجامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد) تمام دنیا میں شائع کئے ۔ چنانچہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ و ۷ جلد ۶ میں ازانجملہ چند الزامات منقول ہو چکے ہیں (ہم کو ان الزامات کی نفی یا اثبات سے کچھ بحث نہیں اور نہ ہم کسی جانب مدعی یا طرفدار ہیں ۔ صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمان آپس میں اس قسم کی بحث کر رہے ہیں ۔ جس سے بحث و مقصود ہم بعد اختتام نقل الزامات ظاہر کریں گے)

اس کے جواب میں اہل حدیث کی طرف سے اب چار جنگی رسالہ تیار ہو کر عالم میں منتشر و مشتہر ہو رہے ہیں اور پانچویں رسالہ کی تیاری ہو رہی ہے ۔

اول رسالہ کا نام **کاشف المکاید فی رد من منع عن المساجد** ہے جو دہلی مطبع انصاری میں چھپ کر شائع ہوا ہے ۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جو باتیں تم نے ہمارے ذمہ لگائی ہیں وہ تمہارے مذہب میں پائی جاتی ہیں ۔ اس مقام میں ازانجملہ چند باتیں اس رسالہ سے منقول ہوتی ہیں ۔

۱ ۔ خدا کا جھوٹ بولنا اور وعید میں خلاف ورزی کر سکنا، تمہارے ہی مذہب کی کتاب شرح عقائد میں بصفحہ ۳۷ موجود ہے ۔

۲ ۔ انبیاء علیہم السلام سے خطا و زلات کا سرزد ہونا تمہاری ہی مرقاۃ میں ملا علی قاری اور شرح فتوح الغیب شیخ عبدالحق و مباحثہ مولوی محمد قاسم مرحوم واقع شاہ جہان پور کے صفحہ ۲۶ و ۲۸، ۳۹ میں موجود ہے اور اکثر کتب اصول مذہب حنفی نور الانوار، حسامی وغیرہ میں پایا جاتا ہے ۔

۳ ۔ الف و لام خاتم النبیین کو عہد خارجی ٹھہرانے سے اگر انکار رسالت نکلتا ہے تو اس جرم کے مرتکب تمہارے ہی مولوی عبدالحی لکھنوی ہیں جنہوں نے رسالہ دافع الوسواس عن اثر ابن عباس میں اس الف و لام کو عہد خارجی کے لئے ٹھہرایا ہے ۔

۴ ۔ خبر واحد کا مثبت اعتقاد ہونا، جس سے تم نے انکار معجزات نکالا ہے، تمہاری ہی شرح مسلّم الثبوت تالیف مولوی عبدالعلی لکھنوی میں موجود ہے، بلکہ تمہارے مولوی ٹونکی نے تو حاشیہ شرح نخبہ میں اس کے مثبت وجوب عمل ہونے سے بھی انکار کیا ہے ۔

۵ ۔ اجماع بلا سند کا لائق اعتبار نہ ہونا، تمہاری ہی کتب اصول (تلویح، مسلّم الثبوت ۔ تحریر ابن الہمام و شرح تحریر عبدالعلی) میں زور شور سے بیان کیا گیا ہے ۔

۶ ۔ نجاست افتادہ پانی کو (بشرطیکہ برتنے والے کی رائے میں نجاست کا اثر دوسری جانب نہ پہنچا ہو) پاک

کہنا تمہارے ہی امام کا مذہب ہے جو درمختار میں بصفحہ ۲۳ منقول ہے۔

علاوہ براں تمہارے مذہب میں گائے بھینس کے پیشاپ کو پاک کہا ہے اور ہدایہ مطبوعہ مطبع مصطفائی اور اس کے حاشیہ میں بصفحہ ۲۶ کہا ہے کہ اگر تھوڑا سا پیشاب پانی میں مل جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اور تمہارے مذہب میں پیشاب کے ساتھ مردار کے چمڑے پر قرآن لکھنا جائز ہے۔ دیکھو فتاوی قاضی خان مطبوعہ نول کشور ص ۳۶۴۔ اور فتاوی سراجیہ مطبوعہ نولکشور جلد ۲ صفحہ ۳۱ اور فتاوی عالم گیریہ مطبوعہ دہلی ص ۱۳۴ وغیرہ۔

۷۔ شیر خوار لڑکے کے پیشاب کو اور انسان کے بول کی طرح ناپاک نہ ٹھہرانا، صرف اس پر پانی ڈال دینا تمہارے ہی امام کا مذہب ہے جو مسند امام ابی حنیفہ کے صفحہ ۱۰۳ میں منقول ہے۔

علاوہ براں تمہاری درمختار میں بصفحہ ۳۶ لکھا ہے کہ اگر انگلی کو نجاست لگ جائے تو وہ چوس لینے سے پاک ہو جاتی ہے، جس میں صاف اجازت ہے کہ گوہ موت والی انگلی کو منہ میں ڈال کر چوس لیا کریں۔ اور اسی کے صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے کہ عورت کی اندام نہانی کی رطوبت پاک ہے، جس سے تمہارے اصول پر نکلتا ہے کہ اس میں شکر ملا کر چاٹ لیا کریں۔

۸۔ بلا انزال دخول سے غسل واجب نہ ہونا، تمہاری ہی درمختار کے صفحہ ۱۹ میں بیان کیا گیا ہے، جہاں کہا ہے کہ اگر کوئی صغیرہ یا بہیمہ سے جفت ہو تو بلا انزال، غسل واجب نہیں ہوتا۔ صرف عضو تناسل کا دھونا واجب ہے۔

۹۔ وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح جائز کہنا، تمہارے ہی... بھائیوں کا کام ہے (دوسرے اور تیسرے رسالہ کے مؤلفوں نے اس کا نام ونشان بھی بتایا ہے جو آگے آئے گا) ہم تو اس مسئلہ کے قائل کو ضال ومضل جانتے ہیں۔

۱۰۔ مال تجارت میں، اگر وہ یتیم کا مال ہو، زکوۃ کو واجب نہ کہنا تمہارا ہی مذہب ہے۔ ہمارے مقتداء مولانا سید محمد نذیر حسینؒ نے تو ایک فتوی مطبوعہ مطبع حنفی دہلی واقعہ ۱۹ شعبان ۱۲۹۸ھ میں صاف فرمایا ہے کہ مال تجارت پر زکوۃ واجب ہے۔

۱۱۔ خنزیر کو پاک کہنا تمہارے ہی طحاوی حاشیہ درمختار کے باب المیاہ اور کتاب الصید میں بیان ہوا ہے۔ اور تمہاری منیہ میں لکھا ہے کہ خنزیر کا چمڑہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور تمہاری درمختار کی کتاب الحظر والاباحۃ میں لکھا ہے کہ سورنی کا دودھ بکری کے بچے کو پلایا جاوے تو وہ حلال ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دودھ پاک ہے۔

ہمارے علماء مولانا مولوی سید محمد نذیر حسینؒ وغیرہ نے تو صاف فتوی دیا ہے کہ اگر کسی چیز میں خنزیر کی چربی مل جاوے تو وہ چیز حرام ہے (دیکھو فتوی مطبوعہ مطبع حنفی دہلی جس کا اوپر ذکر ہوا)
اسی قسم کے الزامات اس رسالہ میں اور بھی ہیں جن کی تفصیل میں تطویل ہے۔

دوسرے رسالہ کا نام عمارۃ المساجد بھدم اساس جامع الشواہد ہے۔ جو مطبع گلزار بنارس میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ اس کا ماحصل بھی رسالہ کاشف المکاید کا ماحصل ہے۔

علاوہ براں اسی میں الزام نمبر ۳ میں مولوی محمد قاسم مرحوم کو بھی شامل کر لیا اور کہا ہے کہ انہوں نے بھی رسالہ تحذیر الناس میں الف ولام کو عہد خارجی قرار دیا ہے۔

اور الزام نمبر ۸ کی تائید میں کہا ہے کہ تمہارے ہی بحر الرائق اور فتاوی برہنہ میں لکھا ہے کہ عضو تناسل پر لف حریر یعنی باریک کپڑا لپیٹ کر جماع کرنے سے بدون انزال غسل واجب نہیں ہوتا۔ اور اپنی کتاب ہدایت القلوب القاسیہ میں اس مسئلہ عدم وجوب غسل بدون انزال کے پائے جانے سے سخت انکار کیا ہے۔

اور الزام نمبر ۹ کی تائید میں صاف ظاہر کیا ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح تجویز کرنے والہ فتاوی ابراہیمی کا مؤلف تمہارا ہی حنفی بھائی مولوی ابراہیم ہے جو آج کل ضلع اعظم گڈھ میں اہلحدیث پر لے دے کر رہا ہے۔

اور الزام نمبر ۱۱ کی تائید میں لکھا ہے کہ تمہاری ہی کتاب غایت الاوطار و فتح المعین میں پنیر شام (جس کا خنزیر کی چربی سے تیار ہونا مشہور تھا) استعمال ہونا بیان کیا ہے۔ اور تمہارے ہی ایک بھائی حنفی نے اس کو شائع کیا ہے۔

اس الزام کے ضمن میں مؤلف رسالہ نے تمام کتب مذہب حنفی کی بے اعتباری بیان کی ہے۔ اور اس مذہب کے آئمہ، امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ وغیرہ پر سخت جرح وطعن کیا ہے جس کی نقل و بیان سے ہمارے قلم عاجز ہیں۔ اس جرح وطعن کے ثواب کا کامل حصہ ہمارے خیال میں ان خیر خواہان مذہب حنفی کو ضرور ملے گا جنہوں نے ناحق اہل حدیث پر تہمتیں لگا کر (نوجوانان اہل حدیث) کو چھیڑا اور اس کے مقابلہ میں اپنے اماموں کو برا کہلوایا۔ سب سے زیادہ حصہ اس ثواب کا ہمارے دوست اڈیٹر اخبار مشیر قیصر لکھنؤ کو ملے گا جنہوں نے ہماری بار بار کی معذرت کو (کہ امام ابو حنیفہ کی توہین اس گروہ کے علماء سے کسی نے نہیں کی) نہ سنا۔ اور اپنے اخبار گوہر بار میں مضامین توہین اہل حدیث کو کہ . یہ فرقہ جدید ہے . اور ۔ اس گروہ کے علماء امام ابو حنیفہ کی توہین کرتے ہیں۔ اور . ان کے

مسائل مذہب ایسے ہیں ۔اور .ان کے سرگروہ مولوی نذیر حسین مکہ میں پکڑے گئے۔ وغیرہ وغیرہ شائع کر کے خواہ مخواہ ایک نوجوان کو اپنے امام مذہب کا طاعن ومخالف بنا ہی لیا۔اب بھی وہ ہمارے مہربان دوست اس چھیڑ چھاڑ کو چھوڑ دیں ۔لوگوں کو بلا فائدہ اشتعال دے کر اپنا اور اپنے امام کا مخالف نہ بنائیں ۔ورنہ خدا جانے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا۔

ان الزامات کے علاوہ دس بارہ الزام اوراس رسالہ میں حنفیہ پر قائم کئے گئے ہیں جو اسی قسم سے ہیں بلکہ ان سے بھی افحش ہیں ۔

ازانجملہ ایک یہ کہ تمہاری کتاب غایۃ الاوطار مطبوعہ صدیقی صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ کتے کو بغل میں لے کر نماز پڑھنی جائز ہے۔ایک یہ کہ اسی کتاب کے صفحہ ۹۹ میں ہے کہ کتے کی کھال کی جاءنماز وڈول بنانا جائز ہے۔..

تیسرے رسالہ کا نام جامع الفوائد ہے جو دہلی میں مطبوع ہو کر شائع ہوا ہے۔اس کا ماحصل بھی ان دو رسالوں کا ماحصل ہے۔

علاوہ براں اس میں الزام نمبر۶ کی تائید میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کتاب مسند مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۳ میں ہے کہ پانی، کپڑا، زمین، جسم کی طرح ناپاک نہیں ہوتے ۔

اور تمہارے ردالمحتار کے صفحہ ۵۱ میں ہے کہ امام ابو یوسف نے اس حمام کے پانی سے غسل کیا جس میں چوہا مرا ہوا تھا۔

تمہاری طحطاوی میں بصفحہ ۲۴۵ بحرالرائق سے منقول ہے کہ بارش کا پانی گندگیوں پر چلتا ہے۔اگر گندی زمین پاک زمین سے زیادہ نہیں تو پانی پاک ہے۔

اور اسی میں بصفحہ ۲۴۵ ہے کہ چھت پر نجاست پڑی ہے اور نہایت ہی تھوڑا پانی اس پر چلتا ہے وہ پانی پاک ہے۔

اور طحطاوی کے صفحہ ۱۵۸ میں درمختار سے منقول ہے کہ پرنالہ میں مردار پڑا ہے یا کوئی پیشاب کررہا ہے۔اس پانی میں کوئی وضو کر لے تو جائز ہے جب تک کہ نجاست کا اثر معلوم نہ ہو۔

اور فتاوی تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ سؤر کے بال پانی کو ناپاک نہیں کرتے ۔

اور الزام نمبر ۷ کی تائید میں لکھا ہے کہ تمہاری ہی فقہ حنفی کے فتاوی خلاصہ اور عتابیہ میں ہے کہ شیرخوار کا پیشاب پاک ہے،لڑکی کا ناپاک ہے اس واسطے کہ وہ دبر کو لگ کر آتا ہے۔چلپی اور اشباہ اور بحرالرائق اور کبیری وغیرہ میں ہے کہ چوہے اور چمگادڑ کا اور بعضوں کے نزدیک بلی کا اور

امام محمد کے نزدیک گائے بھینس بکری وغیرہ کا پیشاب پاک ہے۔

اور ردالمختار کے صفحہ ۱۲۰ میں نعوذ باللہ پیشاب سے الحمد کا لکھنا بھی جائز لکھا ہے۔

اور الزام نمبر ۱۰ کی تائید میں لکھا ہے کہ حنفیوں کے نزدیک زیورات و جواہرات مروارید فیروزہ، لعل، الماس وغیرہ پر (خواہ کروڑ ہا روپیہ کے ہوں) اور گھوڑے خچر اور اونٹ سواری بار برداری میں اور مکانات کرایہ میں (خواہ کروڑ ہا روپیہ کے ہوں)....کے مال میں (خواہ کروڑ ہا روپیہ کا ہو) زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اور ہمارے مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب تو صاف فتوی دیتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے (دیکھو جناب ممدوح کا فتوی مطبوعہ مطبع حنفی دہلی)

اور الزام نمبر ۱۱ کی تائید میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ حنفیہ ہی کا ہے اور ان کی کتابوں میں ایسے مسائل اور بہت ہیں۔

پھر ملا علی قاری کی مرقاۃ سے ایک طولانی عبارت عربی نقل کی، جس کا حاصل یہ ہے کہ بانات (جس کا خنزیر کی چربی سے بننا مشہور ہے) پاک ہے۔ ایسا ہی وہ لونگیاں جن کا بول سے رنگا جانا مشہور ہے، پاک ہیں۔ ایسا ہی جو پنیر فارسیوں اور مجوسیوں کے ملک سے آتا ہے (اس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ اس میں مردار کی چربیاں ملاتے ہیں)، بسم اللہ پڑھ کر کھالینا حلال ہے۔ وغیرہ

اور کتب فقہ منیہ وقنیہ وتاتارخانیہ و درمختار کی اور روائتیں نقل کی ہیں جن میں ذکر ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اور اس کی کھال اور بال سے کام لینا جائز ہے اور اسکے دودھ سے پلی ہوئی بکری حلال ہے۔

چوتھے رسالہ کا نام صیانۃ المؤمنین عن تلبیس المبتدعین ہے جو مطبع بحرالاسلام بنگلور میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ اس کا ماحصل بھی رسائل مذکورہ بالا کا ماحصل ہے۔

علاوہ براں اس میں حنفیہ کی اس بات کہ: گروہ اہل حدیث گمراہ فرقوں سے ہیں اور اہل سنت سے خارج ہیں۔ کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ حنفیہ مرجئہ ہیں۔ اور بحکم فتوی سید عبدالقادر جیلانی، اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ اور اس کی تائید میں حضرت ممدوح کی غنیۃ الطالبین کی عبارت عربی معہ ترجمہ نقل کی ہے۔ اور انہی حضرت سے یہ بھی نقل ہے کہ اہل حدیث ہی اہل سنت و جماعت ہیں۔ انہی کا نام اہل سنت و جماعت ہے اور انہی کا دوسرا نام اہل حدیث ہے۔

یہ ان چاروں رسائل کا خلاصہ مطالب ہے۔ اس خلاصہ کے بیان سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہمارے حنفی بھائی جو اپنے مخالفوں کے رسائل و تحریرات نہیں پڑھتے اور آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے

کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ و بناء علیہ اوروں کی عیب شماری میں اپنی فتح سمجھتے ہیں، اور اپنے خیال میں وہ اس کاروائی سے ایک طرفی ڈگری حاصل کئے بیٹھے ہیں، ذرا آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالیں اور یہ جان لیں کہ ہماری تحریرات (گلابی چو ورقہ واخبارات) نے کیا بد اثر پیدا کیا ہے۔ اور ہمارے مذہب کو مخالفوں کی نظروں میں کیسا حقیر کر رکھا ہے۔ اب بھی ہم اس چال کو چھوڑ دیں اور اپنے مخالفوں سے جو در حقیقت انہی کے موافق اور اسلامی بھائی ہیں مصالحت اور اتفاق سے سلوک کریں۔

ہم نے تو اس گلابی چو ورقہ اور اس کے ہم رنگ تحریرات کے فساد کو بہت جلد بند کرنا چاہا تھا۔ اور ان کے جواب میں صرف اس بات پر اکتفا کیا تھا کہ یہ مسائل (جو ان تحریرات میں بیان ہوئے ہیں) محض غلط وافتراء ہیں۔ جو ان مسائل کو اہل حدیث کی کتب معتبرہ سے ثابت کرے وہ ہزار روپیہ انعام پاوے۔ مگر جب کہ ہمارے حنفی بھائیوں نے ہماری اس بات کو غنیمت نہ سمجھا، بلکہ فضول شیخی قرار دیا چنانچہ اکمل الاخبار دہلی نمبر ۴۶ جلد ۱۸ مطبوعہ ۱۳ نومبر ۱۸۸۳ء ومظہر العجائب مدراس نمبر ۴۸ جلد ۵ مطبوعہ ۲۹ نومبر ۱۸۸۳ء میں ہمارے اس جواب کی نسبت اس قسم کے الفاظ درج ہوئے ہیں، تو اس سے ہمارے دوسرے بھائیوں اہل حدیث کو اشتعال پیدا ہوا اور یہ خیال آیا کہ یہ عجیب جرأت ہے جو: چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

اور مثل: الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، کا مصداق ہے کہ خود ہی ہم پر تودہ تودہ اتہامات کا افتراء باندھیں اور ہم جب ان مفتریات سے انکار کریں تو اور ہم کو ڈانٹیں۔ پس ناچار انہوں نے بھی قلم اٹھایا اور جواب ترکی بہ ترکی دیا اور جو نہ کہنا تھا سو بھی کہہ دیا۔

ہر چند ہم کو اس خانہ جنگی و باہمی تبرا بازی سے دونوں گروہوں پر سخت شکایت اور نہایت رنج وافسوس ہے، مگر ایمان وانصاف اور عقل ہم کو اس بات کے کہنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اس میں زیادہ تر قصور ہمارے حنفی بھائیوں کا ہے جنہوں نے فیصلہ مصالحت دہلی محکمہ کمشنری کے بعد نئے سرے سے آتش فساد وعناد کو سلگایا۔ پہلے ایک جعلی خط مشتہر کیا۔ پھر چو ورقہ گلابی کو شہرہ آفاق کیا۔ پھر بذریعہ اخبارات واشتہارات اہل حدیث پر تہمتوں والزاموں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ پھر ہمارے انکار واشتہار کو غنیمت سمجھ کر سکوت وصبر اختیار نہ کیا، اس کو لاف وگزاف قرار دے کر اس گروہ کے نوجوانوں کو اکسایا جس کا نتیجہ یہ نکلا جو بیان ہوا۔

اب بھی ہمارے حنفی بھائی (علماء والا مقام۔ واڈیٹران نیک نام) اپنی زبان اور قلم کو تھام لیں اور حسبةً للّٰہ و نصیحةً لخلق اللّٰہ اس خانہ جنگی کو موقوف کر دیں۔ اس قسم کے مضامین کبھی زبان

و بیان میں نہ لاویں اور نہ ان کو اخباروں میں جگہ دیں۔ اب تک جانبین سے متعدد رسائل شائع ہوئے ہیں، خدا جانے آئندہ کس قدر رسالے اور اشتہار نکلیں گے اور ان جنگی رسالوں کے کتنے کمپ تیار ہوں گے۔ کیونکہ بظاہر کوئی ایک فریق دوسرے سے علم میں، تحریر میں، تقریر میں، زر میں، زور میں کم نہیں ہے۔ پھر ایک دوسرے سے دبے تو کیونکر دبے۔ دونوں ہی فریق مونچھیں نیچی کر لیں اور ہتھیار ڈال دیں تو کام چلے۔

ہمارے حنفی بھائیوں کا یہ خیال کہ اہل حدیث ہندوستان میں مٹھی بھر ہیں اور حنفیہ پانچ کروڑ (چنانچہ ہمارے لائق ہمعصر اڈیٹر اکمل الاخبار اپنے اخبار کی جلد ۱۸ مطبوعہ ۱۳ نومبر ۱۸۸۳ء میں یہ الفاظ درج فرما چکے ہیں اور اڈیٹر اخبار نور الانوار اس سے متفق ہیں) نہایت دھوکہ دینے والہ خیال ہے۔ وہ لوگ اس خیال پر غرور پر آیت کم من فئةٍ قليلةٍ غلبت فئة كثيرة کو غور سے پڑھیں۔ اور مصرع: نتواں حقیر بے چارہ شمرد ، میں فکر و تدبر کریں اور یہ بھی خیال کریں کہ وہ عدد میں ان سے کم ہیں، مگر سامان میں ان سے کم نہیں۔ گروہ حنفیہ مخاصمین میں کون زبردست و بے مثل عالم ہے جس کی نظیر اہل حدیث میں اس وقت موجود نہیں۔ ان میں کون خوش تقریر و تحریر مؤلف یا اڈیٹر ہے جس کا شریک اہل حدیث میں موجود نہیں ہے۔ وعلی ہذا القیاس۔ لہذا ان پر فتح و فیروزی حلوائے بیدود نہیں ہے۔ ونظر براں بحکم الصلح خير ان دونوں فریق کا باہم مصالحت کرنا اور ایک کا دوسرے کے آگے جھک جانا ہی مناسب ہے۔ آئندہ اختیار ہے۔

....ہمارے کرم فرما اڈیٹر اخبار مشیر قیصر لکھنو اکثر گروہ اہل حدیث کے اعیان و علماء سے اس قسم کی چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں جس سے نہ کچھ اسلام کی منفعت پہنچتی ہے نہ حنفی مذہب کو رفعت حاصل ہوتی ہے۔ صرف ان کا اخبار عوام اور جنگ جو عام اقوام کا دلچسپ ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں اس قسم کے چند مضامین آپکے اخبار کے بطور تمثیل پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اپنے اخبار ۲ مئی ۱۸۸۱ء میں خاکسار کی نسبت یہ چھاپ دیا کہ ان کا تشدد غیر مقلدوں میں حد سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اور یہ لوگ حضرت امام ابوحنیفہ کو نہایت سوء ادب سے یاد کرتے ہیں۔

جس کا جواب ہم نے آپ کے اخبار ۳۱ مئی ۱۸۸۱ء میں یہ دیا تھا کہ یہ بات محض غلط ہے۔ ہم لوگوں کو امام الآئمہ فخر الامۃ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی جناب میں کمال حسن عقیدت ہے۔ جس کو جناب نے بھی اپنے اڈیٹوریل ریمارک میں تسلیم کر لیا تھا اور اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

۲۔ اپنے اخبار ۲۷ فروری ۱۸۸۳ء میں نواب صاحب بھوپال کی نسبت ایک مضمون بعنوان مقلدین پر چوٹ لکھ مارا اور اس میں یہ درج کرایا کہ نواب صاحب نے مقلدین کی توہین میں یہ شعر لکھا ہے

مقلد تا خراب بادہ آراء پرستی شد   بکوئی آشنایان سنن بیگانہ می آید

جس کا جواب ہم نے ضمیمہ اشاعۃ السنۃ نمبر ا جلد ۳ میں یہ دیا تھا کہ یہ سبھی مقلدوں کے حق میں نہیں کہا گیا۔ خاص کر ان ہی ضدیوں اور ہٹ دھرم لوگوں کی نسبت کہا ہے جن کو خود حنفیہ کے محققین مولوی عبدالحی لکھنوی وغیرہ نے بھی برا کہا ہے۔

اور ایک جواب اس کا مولوی سید جمال الدین ڈاکٹر کھوڑی ضلع ساگر نے بھی دیا تھا جو اخبار جریدہ روزگار نمبر ۴ جلد ۹ میں بھی چھپا ہے۔

ایک جواب اس کا مولوی عبدالکریم ہوشنگ آبادی نے دیا تھا جو کسی پرچہ میں اسی جریدہ روزگار میں چھپا تھا۔ پھر اسکا جواب مشیر قیصر نے بڑی سختی سے دیا جسکا آخری جواب مولوی عبدالکریم ہوشنگ آبادی نے جریدہ روزگار نمبر ۴۵ جلد ۹ میں چھپوایا جس میں اڈیٹر مشیر قیصر کی سختی و چھیڑ چھاڑ کا ثبوت دیا۔

۳۔ آپ نے اخبار ۲۵ ستمبر ۱۸۸۳ء میں یہ چھاپ دیا کہ مولوی نذیر حسین محدث دہلوی بمبئی پہنچے تو وہاں کے علماء اس قسم کے سوالات کہ : آپ کے مذہب میں خنزیر کا گوہ موت اور اس کی چربی اور خون اور بال کھال پاک ہے ۔ لے کر آپ سے مباحثہ کے خواستگار ہوئے۔

۴۔ پھر اپنے اخبار ۲۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں بتقلید اخبار نور الانوار یہ چھاپ دیا کہ مولانا ممدوح نے ان سوالات کا جواب کافی نہ دیا، جس کا جواب ہم نے آپ کے اخبار ۱۶۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں چھپوایا اور آپ نے بھی وہ جواب تسلیم کر لیا۔

۵۔ آپ نے اخبار ۱۶۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں گروہ اہل حدیث کی نسبت یہ مشتہر کیا کہ : یہ نیا فرقہ ہے. اس کا اصول حنفی مذہب سے لوگوں کو پھیرنا اور امام ابوحنیفہ کی توہین کرنا ہے۔

جس کا جواب ہم نے اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ جلد ۶ اور آپ کے اخبار کے نمبر ۴۵ مورخہ ۶ نومبر ۱۸۸۳ء میں یہ دیا تھا کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے طعن و توہین کو بے دینی جانتے ہیں۔ ہمارے یا کسی اور عالم گروہ اہلحدیث کی کلام میں آپ نے امام کی توہین پائی ہے تو اسکی نشان دہی کریں۔ اس کے جواب میں

۶۔ آپ نے اسی پرچہ اخبار ۶ نومبر ۱۸۸۳ء میں ایک لفظ . قلت حدیث. ہماری کلام میں اور ایک لفظ مزجاۃ نواب صدیق حسن کے کلام میں امام ابوحنیفہ کی نسبت نکال کر درج کیا۔ جس کا جواب ہم

نے اس اخبار کے نمبر ۴۷ مطبوعہ ۲۰ نومبر ۱۸۸۳ء میں یہ دیا کہ یہ الفاظ کمال نیک نیتی اور مقام مدح امام والا مقام میں استعمال کئے گئے ہیں، بد نیتی اور طعن کے طور پر نہیں کئے گئے۔ جس پر بھی آپ کا دل خوش نہ ہوا، اور ہم کو اپنی مخالفت وطعن وتوہین امام کے الزام سے بری نہ کیا۔ ہمارے جواب کے حاشیہ میں ننھے ننھے دو حرفی ایسے نوٹ لکھے ہیں جن سے آپ کی ناخوشی وسوءظنی مترشح ہوتی ہے ۔مگر ایک منصف ومحقق حنفی اڈیٹر اخبار جریدہ روزگار نے اپنے پرچہ نمبر ۴۶ جلد ۹ مطبوعہ ۱۷ نومبر ۱۸۸۳ء میں ایک منصفانہ محاکمہ لکھا اور اس میں ہمارے حق میں فیصلہ کیا اور ثابت کردیا کہ یہ کلمات امام صاحب کی توہین کے کلمات نہیں ہیں۔

۷۔ آپ نے کسی پرچہ ماہ اگست ۱۸۸۳ء میں نواب صدیق حسن کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے تصویر پر انعام دیا یا دلوایا ہے اور اس کے ضمن میں ہم پر یہ اعتراض کیا کہ ہم نے ان کو بایں حالت مجدد کہا ہے۔ جس کا جواب ہم نے اشاعۃ السنۃ نمبر ۵ جلد ۶ میں دیا۔ جس پر اور بھی آپ کو غصہ آیا اور آپ نے

۸۔ پرچہ نمبر ۴۵ جلد ۶ میں نواب صاحب کے حق میں جو عرفاً وشرعاً عقلاً نہ کہنا چاہیے تھا، سو کہا۔

۹۔ اخیر میں آپ نے اخبار نمبر ۴۸ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۸۸۳ء میں سرگروہ اہل حدیث حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی نسبت بتقلید اخبار نور الانوار یہ مشتہر کیا کہ جناب ممدوح بارادہ حج مکہ معظّمہ میں پہنچے تو پاشا نے چھ مسلح سپاہی بھیج کر ان کو پکڑوا منگوایا اور ان کو قید کرنا چاہا۔ آخر انہوں نے لامذہبی سے توبہ کی اور حنفی مذہب ہونے کا اقرار کیا تو ان کو چھوڑا۔ اور مولوی رحمت اللہ نے ان کی ضمانت دی تو ان کو مدینہ جانے دیا۔ ان کے مدینہ سے واپس آنے پر ان کا مقدمہ ہوگا۔

ہماری رائے میں مکہ والوں سے بھول ہوئی۔ اور افسوس ہے کہ ہمارے لائق اڈیٹران نے بھی ان کو یہ رائے وصلاح نہ دی کہ سید صاحب ممدوح کو حرم محترم میں شہید کردیتے۔ اتنی قیل و قال کیوں کی؟ سیدوں کا شہید کرنا تو بڑا کار ثواب ہے۔ چنانچہ پہلے مسلمانوں نے ان کے جدامجد حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا۔ یہ پکے مسلمان تھے تو انہی کی پیروی کرتے، ثواب کماتے۔ نواسہ کو نانا کے ساتھ ملاتے۔

... اس قسم کی اور چھیڑ چھاڑ آپ کے اخبار گہربار میں اہل حدیث کے حق میں پائی جاتی ہے جن سب کی تفصیل سے تطویل متصور ہے۔

اور اڈیٹر اخبار نور الانوار کانپور ہمیشہ گروہ اہل حدیث سے نہ صرف معمولاً چھیڑ چھاڑ

رکھتے ہیں بلکہ حد سے بڑھ کر ان کی تحقیر و توہین کرتے رہتے ہیں۔ اور اس امر کو کمال دیانت و حمایت اسلام جانتے ہیں۔ ان کے اس قسم کے مضامین ہم کہاں تک شمار کریں۔ تمثیل کے لئے وہی مضامین کافی ہیں جو اڈیٹر مشیر قیصر نے آپ سے نقل کئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بحث و خطاب سے ہم کو تسلیم و اصلاح کی امید کم ہے، بلکہ یہ خوف ہے کہ بجائے اس کے ہم ہدف سہام، سبّ (گالیاں) و ملام بنیں۔ لہذا سکوت بہتر ہے۔

اور اڈیٹر اخبار مظہر العجائب مدراس نے اپنے اخبار ۱۵ مارچ ۱۸۸۳ء میں مضمون مقلدین پر چوٹ، شائع کیا اور عامہ حنفیہ کو اہلحدیث کی طرف سے بدظن و ناراض کیا۔

اور اخبار یکم نومبر ۱۸۸۳ء میں چودھویں صدی کے حالات میں شاعرانہ مضمون لکھا۔ اس میں اوائل تیرھویں صدی کی نو ایجاد چیزوں سے مذہب وہابیہ کا ایجاد قرار دیا۔ اور اس کے اواخر کی ایجادوں سے مذہب نیچری کا ایجاد شمار کیا۔ اور یہ فرمایا کہ بمصداق: اول با آخر نسبتے دارد، نیچریوں کو وہابیوں سے کمال مناسبت ہے۔ جس وقت انسان پکا وہابی بن جاتا ہے اور غیر مقلدین کے کھلے میدان میں آجاتا ہے، تو ضرور بے دینی اختیار کرتا ہے۔ اس کی شہادت میں سید احمد خان کا اوائل میں آمین و رفع یدین کرنا اور اخیر میں نیچری ہو جانا، بیان کیا۔ پھر اوائل صدی میں عبدالوہاب نجدی کا ظاہر ہونا اور حرمین وغیرہ مشاہد مسلمانوں پر بے ادبی کے ساتھ سلوک و تسلط کرنا بیان کیا۔ آخر میں نواب صدیق حسن کی نسبت یہ اتہام قائم کیا کہ وہ ہندوستان کے وہابیوں کے سرگروہ ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تردید میں کتابیں تصنیف کر کے بصرف زرخطیر مصر و قسطنطنیہ کے مطابع میں چھپواتے ہیں

اور اخبار ۲۲ نومبر ۱۸۸۳ء میں نواب صدیق حسن کی توہین میں ایک مضمون اخبار مشیر قیصر سے نقل کیا جس کا ذکر اس اخبار کے مضمون نمبر ۸ میں ہو چکا ہے۔

اور اخبار ۲۹ نومبر ۱۸۸۳ء میں بتقلید اخبار نور الانوار خبر مکہ کو جس میں اہلحدیث کے مؤاخذہ کا ذکر ہے، مشتہر کیا اور ہمارے اشتہار کا جواب اکمل الاخبار سے نقل کر دیا۔ وعلی ہذا القیاس۔

اور اخبار اکمل الاخبار دہلی و ارمغان دہلی و کشف الاخبار بمبئی و آفتاب پنجاب لاہور و طوطی ہند میرٹھ و کوہ نور لاہور وغیرہ ہیں۔ ان میں سے بھی جس اخبار کو ملاحظہ کرو گے اس میں مسلمانوں کے باہم لڑانے والے مضامین ضرور پاؤ گے۔ اس مقام میں اخبار اکمل الاخبار سے ایک اس قسم کا مضمون نقل کرتے ہیں کیونکہ اس پر ہم کسی قدر بحث کرنا مدنظر رکھتے ہیں۔

آپ اخبار نمبر ۴۶ جلد ۱۸ مطبوعہ ۱۳ نومبر ۱۸۸۳ء میں ہمارے اشتہار مندرجہ اشاعۃ السنہ

نمبر ۵ جلد ٦ کے جواب میں ہمارے وعدہ ایک ہزار روپئہ انعام کو فضول شیخی قرار دے کر فرماتے ہیں کہ ان عقاید و عملیات کو جو گلابی چو ورقہ میں اہل حدیث کی طرف نسبت کئے گئے ہیں، اپنی کتابوں میں (جن کا حوالہ اس رسالہ میں ہے) ملاحظہ کرو۔ اور اگر تم کو ان کتابوں میں وہ مسائل نظر نہ آویں تو ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ۔ اس کے بعد زر انعام، جس میں سے پانچ سو روپئہ از راہ ترحم تم کو معاف کئے گئے، بذریعہ منی آرڈر یا ہنڈوی بھیج دو۔ اور اس میں گورنمنٹ کو یہ صلاح دیتے ہیں کہ مخالفین گروہ اہل حدیث ہندوستان میں پانچ کروڑ آدمی ہیں اور اہل حدیث مٹھی بھر۔ ان مٹھی بھر مفسدوں اور باغیوں کے کہنے سے ان پانچ کروڑ کو گورنمنٹ کچھ نہ کہے اور نہ پوچھے۔ صرف ان مٹھی بھر لوگوں کو ان عقائد سے توبہ کراوے اور ان کی کتابوں کو جلاوے۔ وہ توبہ نہ کریں تو ان کو سزا دے یا ان کو مسلمانوں کی مسجدوں سے نکال دے اور جدا کرے۔

یہ ان ملکی ریفارمروں کی کاروائیوں کی مختصر رپورٹ ہے جو پہلے ان ہی حضرات کے سامنے، پھر اور ترقی خواہان اور اتفاق جویان ملک کے آگے پیش کی جاتی ہے، جس سے ہماری غرض و مقصود یہ ہے کہ یہ حضرات والا مقام اور دیگر خیر خواہان اسلام و ترقی جویان اہل اسلام خصوصاً وہ سوسائیٹیاں و اخبارات جو ترقی قومی کا دم بھرتی ہیں، اور اتفاق اسلامی کو اپنا اعلیٰ مقصد و اصل مدعا قرار دیتی ہیں، اس پر اپنی اپنی رائے ظاہر کریں، کہ آیا یہ روش جو ان اخباروں کے اڈیٹروں نے اختیار کیا ہے، اس سے اسلام یا خاص کر مذہب حنفی کی ترقی و رفعت متصور ہے یا اس سے مسلمانوں میں باہم عناد و فساد پھیلنے اور اہل حدیث کا دشمن مذہب حنفی، اور حنفیوں کا دشمن اہل حدیث ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیا جب عامہ اہل حدیث ان اخباروں کو دیکھ کر یہ یقین کر لیں گے کہ ان کے مقتداء و پیشوا مولوی سید محمد نذیر حسین محدث سے اہل مکہ نے یہ سلوک کیا ہے جو ان حضرات خیر خواہان مذہب حنفی نے بیان کیا ہے تو اہل مکہ کو مشرکین مکہ کی مثل (جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مکہ سے نکال دیا اور حدیبیہ کے سال میں روک دیا تھا) یا ان مروانیوں کی طرح (جنہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو مکہ میں شہید کیا) یا ان یزیدیوں کی طرح (جنہوں نے حضرت امام حسین کو کربلا میں شہید کیا تھا) قرار نہ دیں گے؟ اور کعبہ شریفہ کے حج کو جو اس جور و تعدی و رفع امن کے سبب اپنے ذمہ ساقط سمجھ کر اس فرض اتفاقی کو ترک نہ کریں گے؟ اور جب وہ مذہب اہل حدیث کی نسبت ان حضرات کے یہ الفاظ سنیں گے کہ یہ مذہب جدید ہے یا یہ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت ہے، تو اس کے مقابلہ میں وہ چاروں مذاہب اور چاروں مصلوں کو محدث و بدعت قرار نہ دیں گے؟ اور جب وہ اپنے اکابر علماء کی توہین کے الفاظ ان اخباروں میں

پڑھیں گے تو وہ از راہ حمیت جاہلیت حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کو (خدا ان کو اپنی رحمت میں ڈھانک لے) صلوتیں وتبرے نہ سنائیں گے؟ اس جانب سے یہ باتیں وقوع میں نہ بھی آئیں تو کیا جانب ثانیہ (حنفیہ) جن کی خاطر یہ مضامین ان اخباروں میں درج ہوتے ہیں اس جم غفیر کلمہ گوؤں کو دائرہ اسلام سے خارج اور معابد ومشاہد اسلام سے علیحدہ نہ کریں گے؟ اور درپئے ان کے قتل وایذا کے نہ ہوں گے؟ اور یہ امور خواہ کسی جانب سے واقع ہوں، ترقی واتفاق قومی کے مزاحم ومانع نہ ہوں گے؟ اور موجب خلل نظام عام ورافع امن کافہ انام قرار نہ پائیں گے؟۔

ہماری رائے ناقص میں تو اس کاروائی سے نہ اسلام کا فائدہ ہے نہ حنفی مذہب کی ترقی متصور ہے۔ بلکہ اس سے ان کے برعکس نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔۔اور اسی وجہ سے ہم کو اپنے ان دوستوں پر سخت افسوس وشکایت ہے کہ انہوں نے ایسے مضامین مفاسد خیز، فتنہ انگیز کو اپنے نامی اخباروں میں مشتہر کیا۔

سب سے زیادہ اپنے دوست اڈیٹر مشیر قیصر پر افسوس ہے کہ باوجودیکہ وہ ایک مہذب و انصاف پسند ومتین آدمی ہیں۔ چنانچہ ان کے بعض مضامین اخبار اور بعض خطوط، جو ہمارے نام آئے ہوئے ہیں، ہمارے اس خیال کے مصدق ہیں۔ اور وہ اس گروہ اہل حدیث کو مسلمان بھی جانتے ہیں۔گلابی چوورقہ والوں کی طرح کافر وخارج از ملت نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس گروہ کے بعض اعیان و علماء کی تعریف بھی کر چکے ہیں۔علی الخصوص مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی شان میں وہ اپنے اخبار نمبر ۴۲ جلد ۷ مطبوعہ ۱۶۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء کے صفحہ ۲ کالم ۲ و ۳ میں یہ الفاظ لکھ چکے ہیں:۔

اس جماعت کے زبردست عالم چند شخص سمجھے جاتے ہیں

۱۔مولانا نذیر حسین محدث دہلوی۔۲۔مولانا محمد حسین لاہوری۔نواب صدیق حسن خان

مولانا نذیر حسین سے تو ہم خوب واقف ہیں کہ وہ اعلی درجہ کے عالم اور بزرگ ہیں۔ خصوصاً علم حدیث آپ کا مستند ہے۔آپ کو وہابیت کی طرف منسوب کرنا نہایت درجہ افسوس کی بات ہے۔مگر وجہ اس کی یہ ہوئی کہ جناب ممدوح کی بعض تصانیف سے ایسا پایا گیا ہے کہ آپ تقلید کو پسند نہیں کرتے۔ ہم نہیں کہتے کہ ایسے عالم کا ایسا خیال عوام میں شائع کرنا کہاں تک درست وبجا ہے، مگر اتنا کہیں گے کہ خیر اگر اتنا بڑا عالم غیر مقلد ہو جائے تو عام لوگوں کو اس پر نکتہ چینی کرنا کسی طرح زیبا نہیں ہے۔

نیز سوالات علماء بمبئی کو اسی پرچہ میں لغو وسفاہت قرار دے چکے ہیں چنانچہ لکھا ہے:

. ہم بڑے افسوس اور حیرت سے یہ بات کہتے ہیں کہ جو باتیں علماء بمبئی نے اس جلسہ میں بیان کی ہیں وہ محض لغو ہیں۔ اگر کوئی ایک شخص ان کو لکھتا تو اسی کی عقل مندی ثابت ہوتی، جس حالت میں کہ یہ فعل ایک جماعت کیساتھ منسوب کیا گیا ہے تو کمال افسوس ہوتا ہے۔ مانا کہ فرقہ غیر مقلدین بالکل نیا ہے اور ہماری، ان کی فروعات میں کچھ مخالفت ہو، مگر آخرش یہ لوگ اہل اسلام کہلاتے ہیں اور مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں، پھر انکی نسبت بے دھڑک بلا حوالہ کتاب یہ کہہ دینا کہ وہ کتے اور سؤر وغیرہ کو پاک سمجھتے ہیں، محض بے دلیل بات ہے۔ ایسے معزز جلسہ کا کام یہ تھا کہ فرقہ مذکور کی تصانیف سے کچھ باتیں اخذ کر کے اس پر جرح و قدح کرتے، نہ یہ کہ عام بازاری گپوں پر اکتفا کر کے ایسے خرافات خط میں درج کئے .... جبکہ ایک حوالہ بھی کسی کتاب کا نہیں دیا تو پھر کیوں کر کوئی تسلیم کر سکتا ہے۔ سوا اس کے کہ اپنی سفاہت ثابت ہو۔ اخبار مشیر قیصر ۱۶۔ جلد ۷ اکتوبر ۱۸۸۳ء...

پھر پرچہ اخبار نمبر ۴۷ جلد ۷ مطبوعہ ۲ نومبر ۱۸۸۳ء میں بعض تصانیف نواب بھوپال میں پانچ مسائل (طہارت آب، پیشاب بچہ، قصر نماز، زکوۃ مال تجارت، مرد کے لئے سونے کے سوا اور چیز کی حلت) کا پایا جانا کسی عالم مجہول الاسم سے نقل کر کے آپ نے فرمادیا:

اگر یہ خبر صحیح ہے تو تعجب ہے کہ علماء بمبئی کے سوالات پر جناب مولانا صاحب لاہوری نے کیوں برا مانا۔ چونکہ مندرجہ بالا خط ایک عالم نے لکھا ہے جو بہت بڑے محدث ہیں اس واسطے اس پر کسی طرح کا شک بھی نہیں ہوسکتا۔ ہم کو امید ہے کہ مولانا صاحب لاہوری یہ شبہات رفع فرماویں گے۔

اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ان مسائل کو ان سوالات سے (جن کو ہم لغو و سفاہت قرار دے چکے ہیں اور کسی مسلمان کو اس کا قائل نہیں جانتے) کیا تعلق ہے کہ ان مسائل کے نواب صاحب کی کتابوں میں پائے جانے سے وہ سوالات پھر مطبوع طبع سامی ہو گئے اور ان سوالوں پر ہمارے برا ماننے کی اب وجہ پوچھنے لگے۔

اور پرچہ اخبار نمبر ۴۸ جلد ۷ مطبوعہ ۲۶ نومبر ۱۸۸۳ء میں آپ نے مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی پر مکہ میں مؤاخذہ ہونے کا قصہ بتقلید اخبار نور الانوار ان الفاظ سے بیان کیا کہ

محمد عمر مؤذن نے مولوی نذیر حسین صاحب کی لامذہبی و آئمہ مجتہدین کو برا کہنے کا ماجرا پاشا شریف مکہ سے جا کر بیان کیا تو وہاں سے چھ سپاہی ترک مسلح آئے اور ان کو معہ ہمراہیان

گرفتار کر کے لے گئے۔ پاشا مکہ نے بواسطہ شیخ العلماء مفتی سید احمد دجلان کے مولوی رحمت اللہ نزیل مکہ سے ان کا حال غیر مقلدی کا دریافت کر کے ان کو قید کرنے کا حکم دیا، جب اس واقعہ کو وکیل کونسل نے سنا تو پاشا موصوف سے آ کر کہا کہ یہ لوگ رعایا ہند سے ہیں، ان کا فیصلہ ہمارے سپرد کرو تو مناسب ہے۔ جواب ملا کہ اگر تم ان کی ضمانت کرو تو کیا مضائقہ ہے۔ اس پر وکیل مذکور نے انکار کیا۔ پس پاشا نے ان کو حوالات میں بھیج دیا اور کہا کہ تم کو ہم بحراست ترکوں کے جدہ میں بھیج دیں گے۔ مطوف نے عرض کیا کہ یہ لوگ مدینہ طیبہ جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ پاشا نے جواب دیا کہ یہ لوگ تو صاحب مدینہ علیہ التحیۃ والسکینہ کو مردہ جانتے ہیں وہاں جا کر کیا کریں گے؟ اس پر انہوں نے مع ہمراہیاں شریف مکہ کے سامنے غیر مقلدی سے توبہ کی اور حنفی مذہب کا اقرار کیا اور انعقاد محفل میلاد کو مستحسن جانا۔ بعد اس کے حکم ہوا کہ اگر مولوی رحمت اللہ ان کی ضمانت کریں تو یہ لوگ مدینہ شریف جا سکتے ہیں۔ بعد مراجعت کے معاملہ کا علماء حرم محترم کی تجویز سے فیصلہ ہوگا۔

اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ہم پہلے ہی ممدوح کو ترک تقلید وعمل بالحدیث کی اجازت کا سرٹیفکیٹ دے چکے ہیں پھر ان کی نسبت لفظ لا مذہبی (جو عمل بالحدیث وترک تقلید سے عبارت ہے) اور اس کے لوازم وغیرہ کہاں سے نکالتے ہیں۔ اور ایسے واہی مضمون کو جس میں ایسے نالائق الفاظ ہیں، کیوں درج اخبار کرتے ہیں اور اس کو نیا اور حنفیہ پسند اور اخبار کو حنفیہ کا دلچسپ بنانے والا سمجھ کر نقل کرنا ضروری تھا تو ان نالائق الفاظ کی نسبت تو اپنی عدم رضا کا اظہار کیا ہوتا۔

ہم نہیں جانتے کہ ہمارے دوست کی قوۃ حافظہ پر نسیان کا غلبہ ہے کہ کل کا لکھا ہوا مضمون یاد نہیں رہتا، یا عدم استقلال وسرعت انتقال آپ کی طبیعت میں داخل ہے۔

بہر حال ان مضامین مخالف نفس الامر واعتقاد کے درج اخبار کر دینے سے ہم کو اس دوست پر سخت افسوس وشکایت ہے۔ آئندہ وہ اس شکایت کا ازالہ کریں خواہ اس پر اور ناراض ہوں اور تیز ہوں۔ مگر یہ یقین کر لیں کہ ادھر سے بھی شکایت دوستانہ بند نہ ہوگی۔ آپ جہاں تک چاہیں اس سلسلہ شکایت کو پہنچائیں۔

... ہمارے دوست قدیم ومحبّ صمیم اڈیٹر اخبار مشیر قیصر نے ہم پر اور ہمارے گروہ واعیان گروہ پر کئی طعن واعتراض کئے ہیں۔ ازانجملہ بعض کے جواب تو ہم اسی اخبار میں دے چکے ہیں اور جو باقی ہیں ان کے جوابات نمبروار معروض ذیل ہیں۔

اول ۔ جواب طعن توہین امام ابوحنیفہ

اس اعتراض کا جواب ہم اپنے خیال میں ادا کر چکے ہیں اور آپ کے اخبار گہر بار میں چھپوا چکے ہیں۔مگر چونکہ آپ نے اس جواب کو کافی نہیں سمجھا اس لئے اس جواب کو اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔اور جو اس پر بعض منصف و محقق لوگوں نے محاکمہ کیا ہے اس کو بھی عرض خدمت ناظرین کرتے ہیں ۔ان تحریرات کو دیکھ کر کسی اور منصف یا محقق نے بھی ہمارے دوست مشیر قیصر کا ساتھ دیا اور ان کی رائے سے اتفاق کیا تو ہم اس کے جواب میں اور بھی کچھ کہیں گے ۔ ورنہ اپنے اس جواب کو کافی جواب اور اس محاکمہ بعض محققین کو منصفانہ محاکمہ قرار دے کر اس باب میں آئندہ سکوت اختیار کریں گے ۔ ہمارا دوست اس کو مانے خواہ نہ مانے ۔

ہمارے رقیمہ مندرجہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ جلد ۶ کو ہمارے دوست نے از راہ لطف و کرم اپنے اخبار نمبر ۴۵ جلد ۷ مطبوعہ ۶ نومبر ۱۸۸۳ء میں نقل کیا اور اس کے جواب میں بالفاظ ذیل ہم کو مخاطب و مشرف فرمایا۔

(مشیر قیصر کا کہنا ہے کہ) ہمارے دعوی کے اثبات کے لئے ظفر مبین وغیرہ کافی ہیں اور اس کا استثنا کیا معنی ؟ دوسرے ،نواب صاحب کی تصانیف میں مزجاۃ وغیرہ کے الفاظ اور بہت سے مطاعن ملاحظہ ہوں ۔تیسرے ، آپ کو یاد ہوگا کہ جناب نے جو ایک جواب مضمون اس اخبار میں چھپوایا تھا اس میں قلت حدیث کے طعن صاف موجود تھے جس پر سائل نے نکتہ چینی کی تھی ۔ یہ گذارش تو مجمل ہوئی اگر موقعہ ہوا تو کبھی مفصل بھی عرض کیا جائے گا ۔

اس کے جواب میں خاکسار (محمد حسین) نے رقیمہ ذیل لکھا جس کو آپ نے اپنے اخبار مشیر قیصر نمبر ۴۷ جلد ۷ مورخہ ۲۰ نومبر میں از راہ مرحمت و عطوفت درج فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

میرے معزز کرم فرما مولوی غلام محمد خان صاحب اڈیٹر اخبار مشیر قیصر لکھنو

السلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔ آپ نے اپنے اخبار مطبوعہ ۶ نومبر (۱۸۸۳ء) میں جو میرے خط کا جواب دیا ہے وہ میرے شرط کے موافق نہیں ہے ۔اس میں کتاب متضمن توہین امام والا مقام (ابوحنیفہؒ) کی نشان دہی کی شرط یہ تھی کہ وہ کسی عالم کی تالیف ہو اور آپ نے ایسی کتاب کی نشان دہی کی ہے جس کے موقف کو آپ اور سب آپ کے ہم مذہب خصوصاً اس کتاب کے جواب دہ، عالم نہیں جانتے ۔ پھر آپ الٹا ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس کتاب کے مستثنی

ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ خیال ہو کہ وہ شخص گروہ اہل حدیث میں عالم تسلیم کیا جاتا ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں۔ بتائیے اس گروہ کے کس اہل علم نے اس کو عالم کہا یا لکھا ہے؟ اس شخص کے بعض رسائل اردو کی تقریظات کو آپ ملاحظہ فرماویں گے تو ان میں صاف تصریح پاویں گے کہ وہ شخص عالم نہیں ہے۔

ہماری کلام میں لفظ توہین امام بتانے کی شرط تھی کہ آپ اس لفظ کے ماقبل و مابعد کلام کی دو چار سطریں دیکھ لیں، مبادا اس میں اس لفظ کا توہین نہ ہونا ثابت کیا گیا ہو۔ آپ نے اس شرط کا بھی لحاظ نہ کیا۔ ایک جگہ لفظ قلت حدیث بحق امام صاحب استعمال کرنا اپنی یاد سے بتا دیا۔ ہماری اصل کلام کی طرف مراجعت فرما کر اس کے ماقبل و مابعد کو نہ دیکھا۔

اسی روش پر آپ نے نواب والا جاہ سید صدیق حسن کی کلام میں لفظ مزجاۃ بحق امام استعمال کرنا بیان فرمایا۔ آپ کی دیگر تالیفات (جلب المنفعۃ وغیرہ) کو جس میں اس کلام کا محل وقوع بیان ہوا ہے، ملاحظہ نہ کیا۔ آپ کے پاس ضمیمہ اخبار سفیر ہند (جس میں ہمارا اصل کلام منقول ہے اور اس میں لفظ قلت وارد ہوا ہے) موجود نہ تھا اور نواب والا جاہ سید صدیق حسن کا رسالہ جلب المنفعۃ بھی ملاحظہ سامی سے نہیں گذرا تو آپ نے اپنا ہی پرچہ اخبار نمبر ۴۰ جلد ۵ مطبوعہ ۳۱ مئی ۱۸۷۸ء (جس میں اس ضمیمہ کا ماحصل منقول ہے) دیکھ لیا ہوتا، اور نواب والا جاہ کے رسالہ جلب المنفعۃ کا ماحصل ہمارے رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ جلد ۶ کے صفحہ ۲۰۱ میں ملاحظہ فرمایا ہوتا، اسکے بعد جو خیال میں آتا سو بیان کیا جاتا۔ پس و پیش دیکھنے سے پہلے یادداشت کے بھروسہ پر ایک بات کا یقین کر لینا، اور دوسرے کے افہام یا الزام کے لئے اس کو اخبار میں مشتہر کر دینا آپ کی شان سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس مقام میں آپ کے پرچہ مشیر قیصر نمبر ۲۰ جلد ۵ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی تسکین خاطر نہ ہوئی تو اصل عبارت ضمیمہ اخبار سفیر ہند مطبوعہ ۲۳ مارچ ۱۸۷۸ء اور رسالہ جلب المنفعۃ نقل کریں گے۔

آپ نے اس پرچہ کے صفحہ ۶ میں ہمارا ایک خط نقل کیا ہے جس میں عبارت ذیل درج ہے:

میرا اعتقاد جناب امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی نسبت تو یہ ہے کہ وہ فقہ و اجتہاد میں امام تھے اور تقوی و زہد و دیانت و امانت میں اور آئمہ دین کے ہم سر۔

یہ بات میں آج نہیں کہتا، قدیم سے یہی کہہ رہا ہوں اور یہی اعتقاد رکھتا ہوں۔ اس کی تائید و تصدیق میں ضمیمہ اخبار سفیر ہند امرتسر نمبر یازدہم مطبوعہ ۲۳ مارچ ۱۸۷۸ء کی نقل پیش کرتا

ہوں اور اس کی ایک کاپی بھی پیش خدمت ہے۔ اس ضمیمہ میں بصفحہ ۴۳ مرقوم ہے کہ امام ابو حنیفہ کی (بہ نسبت آئمہ ثلاثہ) حدیث میں قلت ان کے تقوے و ورع و دیانت و امامت و فقہ و اجتہاد میں خلل انداز نہیں۔ اور نہ کسی طرح ان کی جناب میں طعن یا سوءظنی کا باعث ہو سکتی ہے۔ ہمارے الٹی سمجھ والے حنفی بھائی میری ان باتوں کو (جو ان کی برأت و حمایت کے لئے کہی ہیں) الٹا طعن اور اہانت نہ سمجھنے لگیں اور میری حسن ظنی کو، جس پر خدا گواہ ہے و کفی باللہ شھیدا، سوءظنی نہ خیال کر بیٹھیں

پھر اس کی تائید میں امام شعرانی کا کلام پیش کیا ہے اور اس کے بعد جناب مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی، جو سرآمد فضلائے حنفیہ ہیں اور آپ کے شہر (لکھنو) میں رونق افروز ہیں، کا کلام نقل کر کے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی جناب میں میرا وہی اعتقاد ہے جو ان حضرات کا اعتقاد ہے۔ پھر بھی میں مطاعن اور متشدد سمجھا جاؤں اور سوء ادبی کا مرتکب یا مجوز خیال کیا جاؤں تو یہ کیا انصاف ہے؟

اس خط و عبارت کو آپ نے نہ صرف بطور معمول نقل کیا ہے بلکہ اس کی تائید و تسلیم میں اپنے اڈیٹوریل میں فقرات ذیل زیب رقم فرمائے ہیں:

جناب مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب لاہوری

مولانا صاحب لاہور کے ایک نامی فاضل اور علماء مشاہیر سے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک مباحثہ کی تقریر پر راقم نے ان کے بعض معتقدوں کی نسبت کچھ رائے دی تھی اس کی نسبت ایک خط مولانا صاحب کا صادر ہوا۔ ہم کو اس خط پڑھنے سے نہایت خوشی ہوئی۔ ہم اس کو خط و کتابت کے صیغہ میں بجنسہ درج کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا آپ کی نسبت خیال ہے ہم اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کی ذات فی الواقع اس زمانہ میں مغتنم ہے۔

ہماری اس کلام اور آپ کی اس تائید صداقت نظام کو پڑھ کر امید ہے کہ آپ کو اور جملہ ناظرین کو یقین ہوگا کہ وہ حرف قلت بحق امام مذہب بطور توہین نہیں نکلا بلکہ بمقام مدحت و مدافعت و بغرض برئت و حمایت امام (اس طعن سے کہ وہ دیدہ دانستہ حدیث کا خلاف کرتے تھے) سرزد ہوا ہے۔

جناب کو اور جناب کے اہل مذہب کو مناسب ہے کہ اس یقین کو لوح خاطر سے دور نہ فرماویں اور ہم کو ویسا ہی معتقد و مداح امام والا مقام تصور فرماویں۔ خواہ مخواہ ان ملاؤں کی طرح جن کا

ذکر اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ جلد ۶ کے صفحہ ۱۹۳ میں ہو چکا ہے، ہم کو امام صاحب کا منکر و مخالف، عیب جو قرار نہ دیں۔ اور یہ خیال کریں کہ علمائے اہل حدیث یا ان کے عوام کا فہ انام کو امام صاحب کا معتقد و مداح قرار دینے میں امام صاحب کی شان وشوکت اور ان کے اتباع و مذہب کی عزت و عام اسلام کی ترقی و رفعت متصور ہے یا خواہ مخواہ لوگوں کو ان کے طاعن و مخالف بنانے میں۔

اخیر میں آپ سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ آپ اس رقعہ کو اخبار میں درج فرمائیں۔ آپ کی اس پر توجہ نہ ہوئی تو اور ناظرین حنفیہ کی تو ضرور ہوگی اور ان کی سوء ظنی ہماری طرف سے دور ہوگی۔ جس میں صلاح عام واتحاد فیما بین اہل اسلام متصور ہے۔ وباللہ التوفیق۔

راقم آپ کا دلی دوست اور امام الآئمہ ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا دلی معتقد ابوسعید محمد حسین لاہوری۔

اس خط میں جو امام شعرانی اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کی کلام اور نواب صاحب بھوپال کے رسالہ جلب المنفعۃ کا حوالہ دیا گیا ہے اس مقام میں ان کا بعینہ نقل کرنا مناسب ہے تاکہ ناظرین کو ہمارے دعوی کی پوری تصدیق ہو اور ہمارے دوست معترض (اڈیٹر مشیر قیصر) کی کلام پر رائے دینے کا موقع ملے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے میزان کبری کے صفحہ ۷۱ میں امام ابوحنیفہ کے مخالف و طاعن کا یہ اعتراض نقل کیا کہ آپ قیاس کو حدیث نبوی پر مقدم کرتے ہیں۔ پھر اسکے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ اعتراض اس متعصب شخص سے صادر ہوا ہے جس کو اپنے دین کی پرواہ کم ہے، اور وہ پرہیزگار نہیں۔ اور خدا تعالی کے اس قول، کان آنکھ دل سبھی سے سوال ہونے والہ ہے، اور اس قول، انسان جو کچھ منہ سے نکالتا ہے اس کے لکھنے کو فرشتہ منتظر و تیار رہتا ہے، اور آنحضرت ﷺ کے اس قول (جو معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ان کی زبان کی کہی ہوئی باتیں ہی ڈالیں گی) سے غافل ہے۔ اور امام ابوجعفر نے بسند متصل تا بامام آپ سے نقل کیا ہے کہ آپ فرمایا کرتے کہ بخدا اس شخص نے ہم پر افتراء کیا جو کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں۔ کیا نص کے ہوتے بھی قیاس کی حاجت ہے۔

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام اباحنیفه الی انّه یقدم القیاس علی حدیث رسول اللّٰه ﷺ اعلم انّ هذا الکلام صدر من متعصب علی الاما م مشهور فی دینه غیر متورع فی مقا له غا فلاً عن قوله تعا لی انّ السّمع و البصر و الفؤاد کلّ اولئک کان عنه مسئو لاً۔

و عن قوله تعا لی ما یلفظ من قول الّا لدیه رقیب عتید ۔

و عن قوله ﷺ لمعاذ و هل یکب النّاس فی النّار علی و جوههم الّا حصائد السنتهم

و قد روی ا لاما م ابو جعفر الشیر بازی نسبة الی قریة من قری بلخ بسنده المتصل الی الاما م ابی حنیفه ر ضی اللّه عنه انّه کان یقول کذ ب و اللّه و افتری علینا من یّقول انّنا نقدم القیاس علی النص۔ و هل یحتا ج بعد النص الی قیاس ۔

اس جواب کی تائید میں آپ نے بصفحہ ۷۲ وہ کلام جس کا ہم نے حوالہ دیا ہے اور اس میں یہ پایا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو دیگر آئمہ کی نسبت احادیث کم پہنچی ہیں، فرمایا ہے۔ آپ کا اصل کلام یہ ہے:

و اعتقادنا و اعتقا د کل منصف فی الاما م ابی حنیفه ر ضی الله عنه بقرینة ما رویناه آ نفاً عنه من ذم الرأی و التبری منه و من تقدیمه النصّ علی القیاس انه لو عا ش حتی دونت احادیث الشریعة بعد رحیل الحفّا ظ فی جمعها من البلاد و الثّغور و ظفر بها لاخذ بها و ترك کلّ قیاس کان قاسه و کان القیاس قلّ فی مذهب غیره بالنسبة الیه لکن لما کانت ادلّة الشریعة مفرقة فی عصره من التّابعین و تبع التّابعین فی المدائن و القری و الثّغور کثر القیاس فی مذهبه بالنّسبة الی غیره عن الآ ئمة ضرورة لعدم و جود النّص فی تلک المسا ئل الّتی قاس فیها بخلاف غیره من الآ ئمة فان الحفّا ظ کانوا قد رحلوا فی طلب الاحادیث و جمع ما فی عصرهم من المدا ئن و القری و دونها فجاویت احا دیث الشّریعة بعضها بعضاً فهذا کا ن سبب کثرة القیاس فی مذهبه و قلّته فی مذهب غیره ۔

(میزان شعرانی ص ۷۲)۔(ہمارا اور تمام منصفوں کا اعتقاد امام ابوحنیفہ کی نسبت بقرینہ ان باتوں کے جو ہم نے ان سے نقل کی ہیں (یعنی رائے سے بیزار ہونا اور حدیث وقرآن کو قیاس پر مقدم کرنا) یہ ہے کہ اگر وہ جیتے رہتے یہاں تک کہ حدیث نبوی جمع ہوئیں بعد سفر کرنے حفاظ حدیث کے اس کے جمع کرنے کیلئے شہروں اور سرحدوں میں۔ اوران احادیث کو امام ابوحنیفہ

پاتے تو ان کو لے لیتے۔ اور تمام قیاسوں کو، جو کر چکے تھے، چھوڑ دیتے۔ اور ان کے مذہب میں قیاس کم ہوتا جیسے دوسروں کے مذہب میں ان کی نسبت کم ہے۔ ولیکن جب کہ دلائل شریعت (یعنی احادیث) ان کے زمانہ میں تابعین و تبع تابعین کے ساتھ شہروں اور بستیوں اور سرحدوں میں متفرق تھے تو ان کے مذہب میں بہ نسبت دیگر اماموں کے قیاس زیادہ ہوا ضرورت کے سبب۔ اس لئے کہ جن مسائل میں انہوں نے قیاس کیا ان میں نص نہ پائی۔ بخلاف دیگر اماموں کے کہ ان کے زمانہ میں حدیث کے حافظوں نے شہروں اور بستیوں میں حدیث جمع کرنے کو سفر کئے اور احادیث کو جمع کیا)۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی اسی عبارت میزان کبری کو اپنے رسالہ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر کے صفحہ میں نقل کیا ہے اور اس کی تائید میں فرمایا ہے:

اقول تفرّق النّاس من قدیم الزّمان الی هذا الآوان فی هذا الباب الی الفرقتین۔ فطائفة قد تعصّبوا فی الحنفیة تعصّباً شدیداً و التزموا بما فی الفتاوی التزاماً شدیداً و ان وجدوا حدیثاً صحیحاً و اثراً صریحاً علی خلافه زعموا انه لوکان هذا الحدیث صحیحاً لاخذ به صاحب المذهب و لم یحکم بخلافه و هذا جهل منهم بما روت الثّقات عن ابی حنیفه من تقدیم الاحادیث و الآثار علی اقواله الشّریفة فترك ما خالف الحدیث الصّحیح رأی سدید هو عین تقلید الامام لا ترك تقلید ۔ و طائفة زعموا انّ الامام قاس علی خلاف الاجتهاد و هجر ما ورد به الشرع و الآثار فظنّوا فی حقّه ظنوناً سیئةً و اعتقدوا عقایداً قبیحةً و مطالع المیزان لهم منافع و لاوهامهم دافع فیتخذ العاقل مسلك البین و یهجر طریقة الطائفتین ۔ (میں کہتا ہوں لوگ پرانے زمانے سے اب تک دو فرقے ہو رہے ہیں۔ ایک فرقہ تو حنفیوں میں سخت متعصب ہے انہوں نے فتاووں کو پکڑ رکھا ہے اور وہ اگر کوئی حدیث صحیح ان کے خلاف پاتے ہیں تو کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارے مذہب کا امام اس کو لے لیتا اور اس کے برخلاف حکم نہ دیتا۔ اور انکی یہ بات ان کی جہالت ہے اس بات سے جو ثقہ لوگوں نے امام ابوحنیفہ سے نقل کی ہے کہ وہ اپنے اقوال سے حدیث کو مقدم سمجھتے تھے۔ پس قول امام خلاف حدیث کو چھوڑ دینا بہت درست رائے ہے۔ اور یہ عین تقلید امام ہے، نہ ترک تقلید۔ اور

ایک فرقہ یہ خیال کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیثوں کو عمداً چھوڑ کر اپنا قیاس کیا ہے۔ سو انہوں نے ان کے حق میں بدظنی کی اور ان کی نسبت برا اعتقاد جمایا۔ کتاب میزان کبری کا مطالعہ دونوں فریق کو نافع ہے اور ان کے وہموں کو دفع کرنے والہ۔ سودانا کو چاہیے کہ بیچ کی چال اختیار کرے اور ان دونوں فریق کی راہ چھوڑ دے)۔

اور سید صدیق حسن نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مناقب وفضائل رسالہ جلب المنفعۃ میں بہت بیان کئے ہیں۔ جس کلام کا ہم نے اپنے خط میں حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے جو اس رسالہ کے صفحہ ۶۲ میں مرقوم ہے۔ آپ چاروں اماموں کا ذکر خیر کر کے فرماتے ہیں:

غرضکہ ایں ہر چہار امام مجتہد از مردم زمان خیریت اند ومتصف بودند بفضائل کثیرہ ومناقب شریفہ۔ وہر یکے در وقت خود نظیر خویش در علم وعمل وفضل وکمال نداشت تا آنکہ مقلدین ایشاں و تابعین آنہا کتابہا در محامد ومکارم ایشاں ساختہ وپرداختہ اند۔ مثلاً در مناقب امام ابوحنیفہ شانزدہ کتاب مستقل تالیف یافتہ کہ نامش در اتحاف النبلاء مذکور است وقریب بست وہشت کس از اہل علم ذکر شریفش در کتب خود ایراد کردہ اند وہر کہ در ترجمہ وے ذکر قلت علم نحو یا ضعف او در حدیث نوشتہ مقصودش بآن عبارات نہ اظہار طعن وجرح است بلکہ بیان واقع۔ زیرا کہ مطاعن را در ساحت فضل او گذر نیست وجرح چنیں بزرگواراں اگر از راہ نفسانیت آید واز راہ تعصب خیز ومحاربہ باشد با خدا چہ دشمنی اولیاء خدا موجب سخط او سبحانہ تعالی ست و وے منتقم است از کسیکہ بنظر استخفاف یا استکراہ وسوءظن یا بے ادبی بسوئے وے یا امثال وے نظر میکند و گرفتیم کہ وے قلیل النحو بود یا قلیل الروایت ایں معنی ماحی دیگر علوم وفضائل وے کہ متفق علیہ جماعۃ اہل اسلام ست نمی تواند شد آن کیست کہ در وے فعلی یا نقصی من وجہ نبودہ ست صحابہ کہ افضل امت اند باجماع امت در ایشاں ہم کسے گزشتہ کہ قلیل العلم بود واز بسیاری احادیث خبر نداشت پس اگر امام اعظم ہم در رنگ آں اصحاب کہ از ایشاں جز دو سہ (۳) یا چند حدیث مروی نشدہ روایت حدیث کم کرد کدام قباحت ست وعلم نحو از ایجادات مرتضوی ست رضی اللہ عنہ ہمگی صحابہ مزاولت ایں علم بروجہ حادث نکردہ اند بلکہ خود اناں را برنام ونشان ایں علم وقوف ست وبہم نہ دادہ ہر کہ امثال ایں امور را مجہول براز در آن امام مقبول میکند سخت نامعقول است وے ہیچ قدر خیر قرون نشناخت وقیاس غائب بر حاضر ساخت رد تقلید وے با تقلید دیگر ے وانکار بران لاسیما نزد مصاومت سنت صحیحہ وخلاف حدیث محکم امرے دیگر ست وانتفاض

برآئمہ عالی قدر امر دیگر۔

اول حق صریح ست وثانی باطل قبیح باانکہ عذر ہائے صحیح از طرف ایشاں و دیگر آئمہ مجتہدین در اول کتاب از زبان شیخ الاسلام سابق شدہ و با آنہمہ معاذیر حالا گنجائش کدام تقصیر در فضل کبیر ایشان باقی ست شک نیست کہ بعض مقلدین حنفیہ دریں باب چنان رغم کنند کہ منکر تقلید ایشان مزوری ایشان است حالانکہ چنیں نیست و لازم مذہب مذہب نباشد وگر جاہلے کہ عاقل از مزایائے حضرت امام ہمام ست و عاطل از زیور انصاف چنیں کردہ وگفتہ باشد جزانکہ نامہ اعمال خودرا سیاہ کردہ چیزے دیگر نیست

و اذا اتتک مذ مّتی من نا قص فھی شھادۃ لی با نّی کا مل

اس خط و جواب کو جو ان شہادات وتائیدات اکابر حنفیہ و اہل حدیث سے مؤید و مستند ہے ہمارے دوست مشیر قیصر نے نقل تو کیا اور اس کی تصدیق و تائید میں ایک دو جملہ مدحیہ (مرحبا! میں اس کی مکرر تصدیق کرتا ہوں وغیرہ) سے ہم کو ممتاز بھی فرمایا، مگر اصل اعتراض توہین امام سے ہم کو بری نہ کیا۔ اور ہمارے خط کے ذیل میں بطور نوٹ دو ایک جگہ یہ حاشیہ لگا دیا کہ تمام حنفیہ اس قلت حدیث کو جو خلاف واقع ہے اور امام صاحب کی نسبت کہا گیا ہے، توہین سمجھتے ہیں۔ چاہے آپ کی یہ غرض نہ ہو۔ جناب نے اس قلت کو تسلیم کر لیا تو (امام صاحب کی) حمایت کیا ہوئی؟

خاکسار اس کے جواب میں تطویل پسند نہیں کرتا۔ صرف ناظرین کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہمارے دوست کا یہ کہنا کہ تمام حنفیہ اس کو توہین سمجھتے ہیں، ایک ایسی بات ہے جس کو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تمام حنفیہ سے آپ کی مراد اس وقت کے ناواقف ہیں تو ان کی بات لائق اعتبار نہیں۔ اگر علماء مراد ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ کون ایسا عالم ہوگا جو اس امرِ واقعی کو توہین سمجھے گا۔ میرے دوست اڈیٹر مشیر قیصر اپنے ہی شہر کے معزز حنفی مولوی محمد عبدالحی لکھنوی کو (جو سو حنفیوں بلکہ ہزاروں کے برابر ہیں) دیکھ لیں۔ انہوں نے کس تشریح کے ساتھ میزان شعرانی کی عبارت نقل کی ہے، اس کے موافق اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ کیا وہ جناب کے نزدیک حنفیہ میں نہیں ہیں؟ یا اہل علم نہیں؟ یا ان کے فیصلہ پر آپ کو اعتماد نہیں؟ یہ باتیں ہم کیونکر تسلیم کریں جب ہم ان کی نسبت آپ کے اخبار نمبر ۴۹ جلد ۶ مؤرخہ ۴ دسمبر ۱۸۸۳ء میں یہ الفاظ اس وقت پڑھ رہے ہیں:

جناب مولوی عبدالحی صاحب اس ہفتہ میں حیدرآباد دکن تشریف لے جانے والے تھے۔ آپ کے تشریف لے جانے سے لکھنو میں اندھیرا ہو گیا۔ نہ صرف جامع مسجد کے نمازیوں کو صدمہ

ہے بلکہ تمام اہل علم اور بیسیوں فارغ التحصیل طلبہ سناٹے میں ہیں۔ کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شائد اس مرتبہ آپ کا قیام حیدر آباد میں زیادہ ہو .

ان الفاظ جناب کو پڑھنے کے بعد ہم کبھی یقین نہیں کر سکتے کہ آپ مولوی محمد عبد الحی کو عالم حنفی المذہب نہیں جانتے، یا ان کے فیصلہ واقرار کا اعتبار نہیں کرتے۔ لا جرم یہی کہنا پڑے گا کہ جو آپ نے فرمایا کہ تمام حنفی اس اعتراف قلت حدیث کو توہین سمجھتے ہیں، بے سوچے سمجھے آپ کی قلم سے نکل گیا ہے، یا ہم اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔

اب ہم اس فیصلہ ومحاکمہ کو نقل کرتے ہیں جو اڈیٹر اخبار جریدہ روزگار نے ہمارے اس خط کے شائع ہونے سے پیشتر خط اول مندرجہ نمبر ۴۴ مشیر قیصر اور نمبر ۶ جلد ۶ اشاعۃ السنہ ہی کو دیکھ کر جریدہ روزگار نمبر ۴۶ جلد ۹ مطبوعہ ۱۶ نومبر ۱۸۸۳ء میں شائع کیا ہے۔ لکھا ہے:

بحمد اللہ مشیر قیصر مطبوعہ ۶ نومبر (۱۸۸۳ء) میں ایک خط جناب مولانا مولوی محمد حسین صاحب لاہوری کا مع رائے اڈیٹر مشیر قیصر نظر سے گذرا۔ چونکہ اہل اخبار کا کام دیانت داری، راست شعاری، انصاف پسندی ہے، ہم نے بنظر منصفانہ ان دونوں تحریروں میں غور کیا تو بحسب شہادت واعتراف مولوی صاحب لاہوری یہ بات کھلم کھلا نظر آئی کہ طرف ثانی کی، جن کی یہ فہرست ہے:

اول۔ گروہ اہل حدیث ایک فرقہ جدید ہے۔

دوم۔ یہ لوگ تصانیف میں جناب امام اکرم سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کرتے ہیں۔

سوم۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب کی تصانیف میں ایسی باتیں لکھی جاتی ہیں جن سے کروڑ ہا آدمیوں کی دل شکنی متصور ہے۔

ان تینوں مطاعن کے دفع میں جناب مولوی صاحب نے نہایت صاف دلی، انصاف شعاری سے اپنے مذہب کو چھپانے (بتانے کے لئے ہونا چاہیے۔ چھپانے، کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے) کیلئے جو کچھ نوک ریز قلم فرمایا ہے قرین صدق معلوم ہوتا ہے، سچ ہے کہ ان لوگوں کی تصانیف مشہورہ میں ایسی باتیں موجود نہیں۔ ہم نے ان کے ذی علم اتباع سے جو قطعہ مدراس میں سکونت گزیں ہیں، بارہا دریافت کیا تو وہ لوگ بھی معاندین وطاعنین امام پر لا حول پڑھا کئے۔ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا مسلک یہ نہیں۔ ہاں جناب مشیر قیصر کا استدلال ظفر مبین سے بادی النظر میں تو مناسب معلوم ہوتا ہے مگر بعد تحقیق یہ بات بخوبی ثابت

ہوتی ہے کہ طعن کسی فرقہ پر بطور عموم اس وقت میں درست ہے کہ جب اس کے پیشوا مجوز ومقرو محرران امور کے ہوں ۔ صاحب ظفر المبین کچھ ایسے ذی منزلت فاضل جماعت اہل حدیث کے پیشوا نہیں ۔ نہ کوئی ذی علم عامل بالحدیث ان کی افراط وتفریط کو پسند کرتا ہے، جو انکے باعث سب اہل حدیث ہدف نشانہ ملامت بنیں ۔ استثنا مولوی صاحب لاہوری کا ہمارے صواب دید میں باموقع بات ہے۔ اگر جناب مہتمم صاحب مشیر قیصر کارفرمائے اندک تدبیر ہوں تو ضرور اس کی راستی کا نور ان کے پیش نظر ہوگا۔

اللہ اللہ ایسے زمانہ میں کہ علم کا قحط، فہم کا کال مرۃً بعد اخری رونما ہوا، وجود اہل علم وفہم کا ایک دولت غیر مترقبہ تصور کی جاتی ہے ۔ خصوصاً جس ذی علم کے عمدہ تصانیف فارسی عربی وہندی سے بیخ کنی شرک واستیصال بدعت واثبات توحید واقامت سنت وترویج وتشییع علوم وفنون متنوعہ وابطال مذاہب باطلہ فلاسفہ ونیچریہ ومعتزلہ، جہمیہ ہو، نہائت ہی مغتنم ہے۔

بجائے شکر ان کے احسانات کے، ان سے الٹا گلہ کہ انہوں نے اپنی تصانیف میں مزجات کا لفظ لکھا ہے غیر صحیح ہے۔ اس لئے کہ اول تو لفظ مزجاۃ بحسب لغت ومحاورہ طعن پر دلالت نہیں کرتا۔ قطع نظر اس کے یہ طعن بہ نسبت نواب صاحب کے اس وقت صحیح ہوتا جب آئمہ متقدمین حدیث سے کوئی اس کو نہ لکھتا ہو ۔ بخاری، نسائی اور کتنے حضرات کا نام لیں ، یہ سب کے سب اپنی تصانیف میں ایسے الفاظ زیب رقم فرماتے ہیں جن کی نقل نواب صاحب نے بھی کی ہے۔ پس ہماری دانست میں اس طرح کا لفظ اٹھانے میں صاحب مشیر قیصر کیوں مساعی جمیلہ صرف فرما کے ایسے تراجم آئمہ حدیث سے پیش نہیں کرتے جن میں امام رضی اللہ کا سب سے اعلم بالحدیث ہونا مذکور ہو ۔ اگر ایسے تراجم بسعی مہتمم صاحب مشیر قیصر درجواب ناقلین لفظ مزجاۃ پیش کریں، تو ہم بھی جو ایک مضبوط حنفی ہیں، اس کا شکریہ ادا کریں گے۔ اگر یہ بات متعذر ہے تو سکوت بہتر ہے ۔ صاحب اشاعۃ السنہ کی تحریرات رایقہ وقت بوقت ہماری نظر سے گذرا کرتی ہیں آج تک ان کی کسی منصفانہ تحریر میں بہ نسبت امام جلیل القدر کے بے ادبی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ پھر قلت حدیث پر نکتہ چینی کا جواب وہی ہے جو گذرا۔ ہم معاصر صاحب مشیر قیصر کی خدمت میں عاجزانہ التماس کرتے ہیں کہ آپ براہ انصاف شعاری تاریخ ابن خلکان میں ترجمہ امام محمد رضی اللہ دیکھئے ۔ حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

جواب طعن تو ہین امام والا مقام ہنوز چھپ کر شائع نہ ہوا تھا کہ جناب مشیر قیصر اپنا پرچہ نمبر ۴۵ جلد ۷ مطبوعہ ۲۵ دسمبر ۱۸۸۳ء، جس میں وہ ہمارا طاعن امام وتوہین کنندہ ہونا اپنے خیال میں ایسا ثابت و مدلل کر چکے ہیں کہ اس کے صلہ میں ایک ہزار روپیہ انعام کے خواستگار ہیں، لے کر آموجود ہوئے۔ اس کے جواب میں جو کچھ ہم نے بطور خط اس دوست کے نام لکھا ہے، اسی سلسلہ اور اسی موقع پر درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ ناظرین منصفین کو خیال و دلائل فریقین پر پوری اطلاع ہو اور اس پر اپنی منصفانہ رائے ظاہر کرنے کا آسانی سے موقع ملے۔ وہ خط یہ ہے:

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔ میرے معزز کرمائے اڈیٹر اخبار مشیر قیصر صاحب سلام علیکم ۔ آج آپ کے اخبار نمبر ۴۵ مطبوعہ ۲۵ دسمبر ۱۸۸۳ء میں مولوی وکیل احمد صاحب کا دوسرا مضمون میری نظر سے گذرا جس میں مولوی صاحب نے میری اس بات کا کہ:

علماء اہل حدیث میں امام ابوحنیفہ صاحب کا طاعن وتوہین کنندہ کوئی نہیں ہے۔

جواب دیا ہے اور اپنے خیال میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ. اس گروہ کے علماء امام صاحب کی توہین ضرور کرتے ہیں.

میں اس مضمون کا جواب مفصل لکھنا چاہتا ہوں مگر اس سے پہلے ایک مجمل جواب کو پیش کرتا ہوں اگر مولوی صاحب مذکور نے اس اجمالی جواب کی طرف توجہ کی اور جو اس کے اخیر میں شروط خطاب معروض ہوں گی، ان کی پابندی آپ سے ہوئی تو آئندہ جواب مفصل ہوگا ورنہ سلام عرض کیا جائے گا۔

جواب اجمالی: مولوی صاحب مذکور نے علماء اہل حدیث کے طاعن وتوہین کنندہ ہونے کے ثبوت میں فرمایا ہے کہ اشرف الاشراف لوگوں کی توہین پانچ قسم ہوتی ہے۔

اول ان کے اوصاف کمال کو مٹانا۔

۲۔ ان کے اوصاف کمال کو عیب دار قرار دینا۔

۳۔ ان کے مسلک و مذہب پر معترض ہونا۔

۴۔ ان کے حق میں لوگوں کے اقوال طعن وتوہین نقل کرنا۔

۵۔ ان کے پیروان وتابعین کی توہین کرنا۔

اس کے بعد فرمایا ہے کہ ان سبھی اقسام کی توہین بحق امام صاحب علماء اہل حدیث نے کی ہے۔

قسم اول ودوم کی توہین امام تو مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب نے کی ہے جبکہ معیار الحق

میں امام صاحب کے تابعی ہونے سے انکار کیا اور ان کے بوقت شب ہزار رکعت پڑھنے پر تعجب کیا اور اس کو مٹایا اور بدعت ٹھہرایا۔

قسم سوم کی توہین امام خود تم (محمد حسین) نے کی ہے، جب کہ مسائل مذہب حنفی پر معترض ہوئے اور ان کے خلاف میں انعامی اشتہار جاری کئے۔

قسم چہارم کی توہین امام ایک اور شاگرد مولانا سید محمد نذیر حسین نے کی ہے چنانچہ رسالہ قلب الاطمینان میں اس نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ و امام غزالیؒ و شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی توہین و تحقیر کی ہے۔ پھر اس قسم کی توہین کے رد میں اور امام بخاریؒ کے معترض ہونے کے جواب میں مولوی صاحب مذکور نے فرمایا۔ اگر کہا جاوے کہ صرف اعتراض موجب تحقیر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اعتراض سے تحقیر نہیں ہوتی (یہ بعینہ جناب کے الفاظ ہیں، ناظرین ان کو یاد رکھیں۔ یہ آپ ہی کے جواب میں کام آنے والے ہیں۔ محمد حسین)۔

قسم پنجم توہین امام صاحب مولانا محمد اسماعیل مرحوم نے تنویر العینین میں اور مولوی سید محمد نذیر حسین نے معیار الحق میں کی ہے کہ ان کے پیروان کو برا کہا ہے۔

خاکسار ملتمس ہے کہ خدا کے فضل و تائید سے مولوی صاحب کے بیان سے یہ تو کس و ناکس کو ثابت ہوگا کہ گروہ اہل حدیث کے ان علماء نے، جن کو مولوی صاحب نے طاعن امام ٹھہرایا ہے، امام صاحب کی خود توہین نہیں کی۔ مولوی صاحب نے ان کے قولوں اور فعلوں سے یہ توہین استنباط کی ہے۔ پھر یہ استنباط صحیح بھی ہوا، تو ان علماء کی طرف توہین امام کا الزام نہ ہو سکے گا جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ انہوں نے اسی غرض و نیت سے وہ اقوال کہے اور افعال کئے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی یہ غرض و نیت نہ ہو، گو ان کے قول و فعل سے یہ توہین نکلتی ہو۔ اور اگر یہ استنباط غلط نکلا تو ان پر یہ الزام توہین صریح اتہام متصور ہوگا

جہاں تک غور و انصاف سے کام لیا جاتا ہے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ استنباط مولوی صاحب صحیح نہیں ہے۔ اور منجملہ ان اقسام توہین کے کسی قسم سے (بجز قسم چہارم جس کے وقوع میں ہنوز تامل ہے اور درصورت واقع، اس کے حکم میں تفصیل ہے جو عنقریب مذکور ہوگی) توہین ثابت نہیں ہوتی اور توہین امام کا الزام علماء حدیث پر کسی وجہ سے قائم نہیں ہوسکتا۔

میں پہلے توہین قسم سوم کا توہین نہ ہونا ثابت کرتا ہوں اور بمقتضائے نفسی پہلے خود کو توہین امام والا مقام سے بری کرتا ہوں۔ اس کے بعد دیگر اقسام توہین کا توہین نہ ہونا ثابت کرونگا۔

میں صاف اور صریح اقرار کرتا ہوں کہ بے شک میں امام والا مقام کے بعض مسائل پر معترض رہا ہوں اور اب بھی ہوں اور آئندہ بھی تا زیست رہوں گا، مگر میں اس امر کو امام صاحب کی توہین نہیں سمجھتا بلکہ اس میں عین ان کی وقعت اور ان کی وصیت کی متابعت تصور کرتا ہوں۔ کسی کے کلام میں بحث ونظر کرنا (مخاصمانہ ہی کیوں نہ ہو) عین اس کی وقعت کی دلیل ہے۔ جس شخص کو کوئی حقیر سمجھتا ہے اس کے کلام کی طرف بطور رد وقدح بھی التفات نہیں کرتا۔ اور آپ کے اس معنی کی وصیت اکابر حنفیہ نے نقل کی ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی حنفیؒ (امام شعرانی کو حنفی کہنے پر جھٹ اعتراض نہ کیجئے گا، اس کو اکابر علماء نے حنفی کہا ہے) نے میزان کبری میں اور شیخ عبدالحق دہلوی حنفی نے تحصیل التعرف فی معرفة الفقه و التصوف میں جناب امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے

و کان یقول حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی و کان اذا افتے یقول رأی ابی حنیفه و هو احسن ما قدرنا علیه فمن جاء باحسن منه فهو اولی بالصّواب ۔ کہ کسی کو حلال نہیں ہے کہ میرے قول پر فتوے دے جب تک کہ یہ جان نہ لے کہ میں نے کہاں سے کہا ہے۔ اور جب آپ فتوے دیتے تو فرماتے جو کچھ ہم کہتے ہیں یہ ہماری رائے ہے، ہماری قدرت کے موافق یہی بہتر ہے۔ جو اس سے بہتر پاوے وہ پیش کرے ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔

اور اسی وصیت امام پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں اتباع امام خصوصاً ان کے تلامذہ والا مقام کا عمل پاتا ہوں۔ وہ بہت سے مسائل میں امام صاحب کے مسلک پر معترض ہو کر مخالف ہو گئے۔ حتی کہ انہی کی مذہبی کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہوا کہ امام صاحب کے شاگردوں نے دو تہائی مذہب میں امام صاحب کا خلاف کیا ہے۔ اور اگر آپ اس فعل کو توہین سمجھتے ہیں اور سب علماء ان کو امام صاحب کا طاعن وتوہین کنندہ خیال کرتے ہیں تو لیجئے میں آپ کو اس خیال کی غلطی آپ ہی کے کلام بلاغت نظام سے (جس کو میں ابھی نقل کر چکا ہوں اور ناظرین سے اس کی یاد دہی کی التجا کر چکا ہوں) ثابت کر دکھاتا ہوں، اور اس کلام کو پھر نقل کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ صرف اعتراض موجب تحقیر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اعتراض سے تحقیر نہیں ہوتی۔

اس منصفانہ کلام پر (جس نے مجھے امام صاحب کی توہین کے الزام سے بچایا) میں مولوی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ مگر ساتھ ہی اس کے اس بات کا سخت شاکی ہوں کہ آپ نے یہ کلام تحریر فرمایا تھا تو توہین قسم سوم کو کیوں نہ کاٹ دیا؟ اب بھی مولوی صاحب کی منصفانہ طبیعت سے امید ہے کہ اس قسم کی توہین کو اپنے مضمون سے نکال ڈالیں گے اور مجھے توہین امام سے برائت کا سرٹی فیکیٹ عطا فرمائیں گے۔

بقیہ اقسام توہین سے قسم چہارم توہین میں تو میں زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتا ۔ جب تک اس رسالہ (قلب الاطمینان) کو جس میں وہ توہین پائی جاتی ہے دیکھ نہ لوں ۔ وہ رسالہ اگر چھپ چکا ہے تو مولوی صاحب مجھے اس کے مؤلف اور مطبع کے نام سے مطلع فرماویں، میں خود رسالہ منگوا کر دیکھ لوں گا ۔ اور اگر وہ ایک ہی قلمی نسخہ ہے جو مولوی صاحب کے پاس ہے تو اس کو آپ بذریعہ رجسٹری ہی ارسال فرمادیں، میں اس کو دیکھ کر واپس کردونگا ۔ اور جو اس کی نسبت مناسب سمجھوں گا، کہونگا۔

ہاں بالفعل اتنا کہتا ہوں کہ اگر اس رسالہ کے مؤلف نے امام صاحب پر کوئی علمی محدثانہ یا فقیہانہ اعتراض کیا ہے یا اس قسم کا اعتراض کسی اور محدث امام کا نقل کیا ہے، تو اس میں کچھ توہین نہیں ہے ۔ صدر اول سے آج تک اہل علم ایک دوسرے پر اس قسم کے اعتراض کرتے چلے آئے ہیں ۔ دور نہ جاؤ اپنے ہی مذہب کے اعیان واکابر کی خبر لو ۔ حضرت امام طحاوی (جو رئیس الحنفیہ ہے) کو دیکھو، کس زور شور سے اپنی کتاب معانی الآثار میں امام والا مقام پر اس قسم کے اعتراض کرتا ہے، جب امام کے قول کی تائید سے رہ چکتا ہے ۔ اسکے اس قسم کے الفاظ ہم اس مقام میں نقل کریں تو شائد آپ ہم پر فتوی کفر لگا دیں۔

امام طحاویؒ نے اپنی اسی روش پر صاف کہد یا ہے کہ کیا میں امام ابوحنیفہ کا ہر بات میں مقلد ہوں؟ ہرگز نہیں ۔ ہر بات میں مقلد تو وہی ہوگا جو متعصب ہوگا یا غبی ہوگا ۔ یہ بات ان کی مصر میں اڑ گئی اور بمنزلہ ضرب المثل ہوگئی ۔ یہ قول آپ کا حافظ ابن حجرؒ نے کتاب لسان المیزان میں نقل کیا ہے اور ان سے محمد حیات سندھی رسالہ ایقاف میں لائے ہیں: نقل الحافظ ابن حجر فی لسان المیزان عن الطّحاوی انّه قال او کلما قال ابو حنیفه اقول به ۔ و هل یقلّد الّا غبی او عصبی ۔ فطارت هذه الکلمة بمصر حتی صارت مثلاً

اور اگر اس رسالہ (قلب الاطمینان) کے مؤلف نے امام صاحب پر اس قسم کے اعتراض وطعن جوان کی دیانت وامانت واستقامت میں خلل انداز ہوں، خود کئے یا اوروں سے بلا ردّ و قدح نقل کئے ہیں، تو اس نے بہت برا کیا ہے۔ اس رسالہ کو دیکھ کر میں اس کے مؤلف کی خبر دیکھ لوں گا اور آپ سے بڑھ کر امام والا مقام کی حمایت ونصرت کرونگا اور اس شخص سے وہی معاملہ کروں گا جو کہہ چکا ہوں۔

اور قسم اول کا توہین نہ ہونا خود آپ ہی کے کلام سے ثابت ہے۔ آپ نے امام جلال الدین سیوطیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے کل جسم دکھائی نہ دینے کی روایت کو رد کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے معجزہ اثر قدم کو بھی نہیں مانا۔ بایں ہمہ انکار فضائل آپ نے ان کو توہین وانکار سے بری کرنے کے لئے فرمایا کہ

نفس بحث ایسے علماء سے جو آنحضرت ﷺ کے ثنا خوان ہیں یا امام کے مداح، نہ مستلزم انکار فضائل سرور عالم ہے نہ مستلزم انکار۔

اور یہ آپ کا عین اس بات سے اقرار ہے کہ جس امر کو (خواہ وہ کیسا ہی وصف کمال ہو) کوئی آنحضرت ﷺ خیرالانام یا کسی امام میں ثابت نہ جانتا ہو، اس کی نفی وانکار سے وہ انکار وتوہین کنندہ نہیں بنتا۔

اس کے بعد جو آپ نے مؤلف معیار کو نفی تابعیت میں امام کا توہین کنندہ بنانے اور اس کے اس فعل کو فعل امام سیوطی کے مخالف ومغائر ٹھہرانے پر یہ دلیل بیان کی ہے کہ مؤلف معیار نے امام صاحب کی تقلید کو شرک قرار دیا ہے اور ان کے مسائل مستخرجہ کو مخالف قرآن وحدیث لکھا ہے، لہذا ان کا تابعیت امام کو مٹانا بجز توہین اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

یہ خود دعوی بلا دلیل ہے جس کا ثبوت ہنوز آپ کے ذمہ ہے۔ امام صاحب کے بعض مسائل پر معترض ہونا اور ان کو کسی حدیث کے مخالف سمجھ کر ترک کرنا (ہم ابھی بیان کر چکے ہیں) عین متابعت امام ہے۔ اور جس تقلید (بمقابلہ نصوص) کو مؤلف معیار الحق نے شرک کہا ہے اس کو کسی امام اور محقق پیرو امام نے جائز نہیں کہا۔ پس ایسی تقلید کو شرک قرار دینے میں امام کی توہین کیونکر متصور ہے۔ یہ توہین امام تو آپ ہی کے خیال ومقال سے نکلتی ہے، مؤلف معیار الحق کے کلام میں تو اس کا نام ونشان پایا نہیں جاتا۔ آپ مرد میدان بنیں تو مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی کلام سے کوئی لفظ نکال کر دکھائیں جس میں حقیقۃً امام کی توہین پائی جاتی ہو، آپ کے فہم و

استنباط کو اس میں دخل نہ ہو۔

ہم معیار الحق میں جا بجا امام صاحب کی تعریف و تنزیہہ پاتے ہیں۔ تو ہین و تحقیر کا تو کوئی لفظ نہ اس کتاب میں ہے نہ مولانا ممدوح کی کسی اور تالیف میں۔

معیار الحق کے خطبہ ہی میں امام صاحب کو معہ باقی تینوں اماموں کے دین اسلام کے عناصر قرار دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ یہ چاروں امام قوام دین اسلام کے لئے بمنزلہ عناصر اربعہ ہیں ان کے معادن دین ہونے سے بجز معاند کوئی منکر نہیں۔ و علی سائر امّة سیما الآئمة الاربعة الّذین هم قوام دینه کالعناصر الاربعة و لا ینکر غیر المعاند کون کلّ واحدٍ منهم معاونا و ظهیرا۔ (خطبہ معیار الحق)

ہر چند فضائل سے امام صاحب کے ہم کو عین عزت اور فخر ہے اس لئے کہ وے ہمارے پیشوا ہیں اور ہم ان کے امر حق میں پیرو ہیں (اس لفظ سے پھر نہ کہیں تو ہین نکال لیجئے گا۔ اجتہادی مسائل حق وخطا دونوں میں دائر ومتردد ہوتے ہیں۔ حق دائر ہونے کا مسئلہ چھوٹی بڑی کتب اصول میں مرقوم ہے۔ محمد حسین)۔ لاکن ان فضائل سے جو فی الواقع بھی ہوں، اور ساتھ اسناد صحیح کے ثابت ہوں۔ نہیں تو جھوٹی تعریف شبہ رفض کا ہے کیونکہ وہ لوگ اسی مرض سے ہلاک ہو گئے ہیں، اور رافضی ٹھہرائے گئے ہیں۔ اس لئے ہم پر ضرور ہوا کہ اس باب کی بھی تحقیق لکھیں کیونکہ اس میں کچی کچی باتیں جو پایہ تحقیق سے نزدیک علماء محققین ثقات کے دور ہیں، پھر رہی ہیں۔ اور اس میں امام صاحب کے تابعی ہونے کا دعوی کیا ہے اور واسطے اثبات اس دعوی کی احادیث موضوعہ اور معلقہ اور قصے واہیات وارد کئے گئے ہیں۔ اور اس میں کچھ امام صاحب کی کسر شان اور مذمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی فضیلت تابعی (ہونے) پر موقوف نہیں۔ ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت ہونا اور متقی اور پرہیز گار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں، اور آیہ کریمہ انّ اکرمکم عند اللّٰه اتقاکم زینت بخش مراتب ان کے کی ہے اور اکثر آئمہ نقل امام صاحب کے تابعی ہونے کے قائل نہیں۔ چنانچہ آگے بیان اس کا آئے گا.

(معیار الحق)۔

اس مدح صریح کے ہوتے مؤلف معیار الحق کو طاعن امام قرار دینا، اور اس کی نفی تابعیت کو توہین پر حمل کرنا، اور اس کے فعل کو امام سیوطیؒ کے فعل سے مغایر ٹھہرانا، انصاف کے فتوی سے کب جائز ہے؟

اور قسم دوم توہین، تب توہین ہوسکتی ہے جب کہ کوئی ایک امر کو عیب قرار دے کر کسی شخص میں ثابت کرے۔ اور جس حالت میں وہ امر معیوب کی اس شخص سے نفی ثابت کرتا ہے اور اس شخص کو اس امر معیوب کے لائق نہیں سمجھتا، تو یہ عین اس شخص کی توقیر وتعظیم ہے نہ تحقیر وتوہین۔

غایۃ مافی الباب یہ کہ اس شخص کو کسی امر کو معیوب سمجھنے میں خطا پر کہا جاوے، سو یہ امر دیگر ہے اور توہین امر آخر۔ معیار الحق میں جو امام صاحب سے عبادت شاقہ کی نفی کی ہے تو اسی طرز و اصول پر کی ہے جس میں امام صاحب کی تعظیم وتوقیر مفہوم ہوتی ہے بلکہ صریح طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۶ میں صاحب تنویر کا یہ دعوی کہ امام صاحب رات بھر میں ہزار رکعت پڑھتے تھے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے وغیرہ وغیرہ نقل کر کے کہا ہے:

. یہ سب واہیات ہے اور موجب ذم کام ہے نہ یہ کہ مدح کا باعث ہو۔ اور جناب امام کی تو یہ شان نہیں کہ ایسی تکلیف شاق اور بدعات کو ان کی طرف نسبت کیا جاوے۔

اس کے بعد اس میں ان امور کا بدعات ہونا ثابت کیا ہے۔ ولیکن ہم کو اس مقام میں یہ بحث نہیں کہ وہ اس ثبوت میں حق پر ہیں یا خطا پر۔ اس عبارت سے اتنا تو کس و ناکس کو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ان امور کو عیب سمجھ کر امام صاحب کو ان سے بچاتے ہیں اور بری کرتے ہیں۔ اور یہ عین توقیر ہے، نہ توہین۔

قسم پنجم توہین، تو آپ کی محض تخمین ہے۔ نہ معیار الحق میں اتباع امام کی کہیں توہین پائی جاتی ہے نہ تنویر العینین میں۔ جن کی وہاں توہین ہے وہ امام صاحب کے اتباع ہی نہیں۔ اگر ایسے مدعیان اتباع

بمصداق بدنام کنندہ نکونامی چند، حقیقی اتباع ہو سکتے ہیں اور ان کی توہین سے توہین متبوع (امام والا مقام) متصور ہے تو اس توہین سے روئے زمین کے مسلمان بلکہ رسول امین، بلکہ خود رب العالمین نہیں بچ سکتے۔ کل مسلمان اور خدا و رسول نے ایسے لوگوں کی توہین کی ہے جو بعض انبیاء علیھم السلام کے اتباع کہلاتے ہیں مگر وہ درحقیقت، اور خدا و رسول کے نزدیک ان کے حقیقی اتباع نہیں ہیں۔ میں ابھی ان کا نام نہیں لیتا کیونکہ آپ کے فتوی توہین وتکفیر سے ڈرتا ہوں۔ اس جواب اجمالی کی طرف آپ کی توجہ ہوئی اور شروط جواب مفصل کی جو میں عنقریب عرض کرنا چاہتا ہوں آپ نے پابندی کی تو میں ان کے نام بھی ذکر کروں گا۔

جواب مفصل کے لئے شرائط:

اول ۔آپ اپنے قلم کو الفاظ تحقیر وتوہین مخاطبین (جیسے لفظ لا مذہب وغیر مقلد وغیرہ) سے روکیں ۔ کچھ ہنر ہے تو دکھاویں ۔سبّ وشتم کی بوچھاڑ سے تنگ آمد بجنگ آمد کا پہلے ہی سامان نہ کھڑا کریں۔

لفظ لا مذہب کا سبّ (گالی) ہونا تو ظاہر ہے ۔کسی ہندو یا عیسائی سے پوچھو گے تو وہ بھی آپ کی تسلی کر دے گا ۔لفظ غیر مقلد بھی اسی کا ہم رنگ ہے ۔اس کی وجہ آپ دریافت کرنا چاہیں تو آپ مشیر قیصر نمبر ۲۰ جلد ۵ مطبوعہ ۳۱ مئی ۱۸۸۱ء کا صفحہ سات ملاحظہ فرمائیں ۔اور اگر آپ ان الفاظ کو توہین نہیں سمجھتے اور نیک نیتی سے ان کو اپنے مخاصمین کے حق میں استعمال فرماتے ہیں تو ہم کو بھی اجازت دیں کہ ہم بھی ان الفاظ کو ان آئمہ کے حق میں، جن کو ترک تقلید اور عمل بالحدیث میں اپنا ہم مشرب بلکہ مقتداء ورہبر سمجھتے ہیں ، استعمال کریں ۔ پھر ہم پر توہین آئمہ کا فتوی نہ لگایا جاوے ۔

میں آپ کے اس مضمون دوم کا جس میں لفظ لا مذہب بحق اہل حدیث استعمال کیا گیا ہے یہ جواب اجمالی بھی نہ لکھتا اگر میرا وہ مضمون جو آپ کے مضمون اول کے جواب میں لکھا جا کر مطبع مشیر قیصر میں پہنچ چکا ہے، شائع ہوتا اور آپ کے ملاحظہ سے گذرتا، اور اس کے بعد یہ لفظ آپ کی قلم سے نکلتا ۔مگر چونکہ آپ نے یہ لفظ قبل ملاحظہ اس مضمون کے لکھا ہے اس لئے اس دفعہ صبر کیا اور آپ کے مضمون دوم کے جواب میں قلم اٹھایا۔آئندہ ایسا لفظ آپ تحریر میں لاویں گے تو میں یقیناً جان لوں گا کہ آپ کو احقاق حق اور تحقیق مسائل منظور نہیں ہے ۔صرف سبّ وشتم سنا کر ہم کو بھگانا مدنظر ہے ۔اس صورت میں، میں پہلے ہی سے بھاگنے کو تیار ہوں اور میدان آپ کے لئے چھوڑتا ہوں ۔

جناب من ! گالیاں دینی سب کو آتی ہیں، کس کے منہ میں زبان نہیں ہے۔مگر ہماری یہ عادت نہیں اور نہ ضروری مضامین سے ہم کو اس کی فرصت ہے۔شخصی بحث ہی کو ہم مدت سے چھوڑ چکے ہیں ۔ یہ جو لکھ رہے ہیں یہ بھی اسی وقت تک ہے کہ آپ کی طرف سے ہم کو کچھ سمجھنے سمجھانے کی توقع باقی ہے ۔ جب یہ امید قطع ہوگی تو اتنی قیل وقال بھی ہماری آپ کی نہ رہے گی

شرط دوم ۔ یہ کہ آپ اس اجمالی جواب کو کافی وصحیح نہ سمجھیں اور اس پر بوجہ معقول نکتہ چینی کریں۔ اور اگر اس جواب سے آپ کی طمانیت خاطر ہوگئی تو جواب مفصل کی کچھ حاجت نہیں۔اور اگر آپ نے اس پر بلا وجہ نکتہ چینی کی تو بھی جواب مفصل کی ضرورت نہیں ۔

التماس بخدمت اڈیٹر مشیر قیصر

جناب من! جو آپ نے اس مضمون کے اخیر میں اس کی نسبت اپنا منصفانہ حکم دیا اور یہ ارشاد کیا ہے:

امید ہے کہ جناب مولوی محمد حسین صاحب لاہوری اب اپنا وعدہ ایک ہزار روپئہ کا پورا کریں گے، کیونکہ اب تو جناب مولوی وکیل احمد صاحب نے انہیں کے علماء نامی کی تصانیف سے توہین آئمہ ثابت کر دی۔

میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ کیسا وعدہ؟ اور کس نے کیا؟ اور کیسا ہزار روپئہ؟

جناب نے ناحق اور بلا وجہ مجھ پر یک طرفہ ڈگری کر دی۔ میرا جواب دعوی تو سنا ہوتا۔ میری کلام کو جس میں توہین کے ثبوت پر وعدہ انعام تھا، بچشم خود ملاحظہ فرما کر یہ فیصلہ فرمایا جاتا۔

اگر جناب نے میرے اس اشتہار کو (جو اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۶ کے ٹائٹل پیج میں چھپا ہے) اس وعدہ کا متضمن سمجھ لیا ہے، تو نہایت افسوس کی بات ہے اور جیوں (منصفوں) سے ایسی غفلت نہایت مستبعد ہے۔ جناب من! اس میں تو گلابی چو ورقہ کے مسائل ثابت کرنے پر ایک ہزار روپئہ دینے کا وعدہ ہے۔ اس کو توہین آئمہ کے اثبات سے کیا علاقہ؟ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ میرے دوست جو بات کہا کریں، سوچ سمجھ کر فرمایا کریں۔ جو کچھ خیال میں آوے اس کو بے تامل حوالہ قلم نہ کر دیا کریں۔ اور نصیحت شیخ سعدی،

مزن بے تامل بگفتار دم

کو ہر وقت پیش نظر رکھا کریں۔ اور نہیں تو ہمارے اشاعۃ السنہ اور اپنے ہی اخبار کے اوراق کو الٹا پلٹا کر دیکھ لیا کریں۔ یا بحث مسائل میں بالکل دخل دہی چھوڑ دیں۔ جو کچھ کسی نے بھیجا اس کو بلا تائید و تصرف چھاپ دیا۔ بحث مسائل کے لئے معمولی اڈیٹری اخبار کافی نہیں ہے۔ اس میں بہت سا علم وفہم و سوچ و تامل بکار ہے۔ یا آپ یہ کام کیا کریں کہ جو کچھ آپ مسائل کے متعلق لکھیں وہ اپنے ہی شہر کے علماء کو دکھا لیا کریں۔ ہم نے جو کچھ عرض کیا نصیحۃً کہا۔ آئندہ آپ کا اختیار ہے اس کو مانیں خواہ نہ مانیں۔ مگر اس شعر کی طرف توجہ کریں

نصیحت کہ خالی بود از غرض   چو داروئے تلخ ست دفع مرض

آپ کا خیر خواہ بلا خفا۔ ابو سعید محمد حسین لاہوری۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۸۳ء

(جناب بٹالوی اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:) نکتہ چینی مندرجہ اخبار نمبر ۴۷ مشیر قیصر کا جواب یہ ہے کہ یہ پانچ مسائل جن پر آپ کو اور آپ کے محدث نا معلوم الاسم کو تعجب ہوا ہے، وہ مسائل ہیں کہ بعض ان مسائل اور اس قسم کے اور مسائل کے آئمہ مجتہدین مسلم الا جتہاد آئمہ مذہب حنفی و امام شافعی وغیرہ بھی قائل ہیں۔ چنانچہ آپ کے حریف مصنفین رسائل اربعہ بجواب گلابی چو ورقہ اس قسم کے بہت سے مسائل بیان کرتے ہیں اور وہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۸ جلد ۶ میں بصفحہ ۲۲۵ وغیرہ منقول ہو چکے ہیں۔

اس قسم کے چند مسائل ہم بھی اس مقام میں بیان کرتے ہیں مگر ابھی ان مسائل کے قائل آئمہ مجتہدین کا نام نہیں لیتے تاکہ ہم بھی گلابی چو ورقہ کے مؤلفین اور ان کے حریفوں اور مقابلین کے عداد میں شمار نہ کئے جاویں۔ جب ہمارے معترض ان مسائل سے مجتہدین کے قائل ہونے سے انکار کریں گے تب ہم ان کے نام بتا دیں گے۔ وہ امر طعن متصور ہوگا تو ان لوگوں کا فعل ہوگا جنہوں نے ہم کو نام بتانے پر مجبور کیا۔ بخدا ہم پسند نہیں کرتے کہ ایسی باتیں اکابر کی نسبت شہرت پائیں اور ان کے سبب مخالفین اسلام، اسلام کو ہنسی میں اڑائیں وہ مسائل یہ ہیں:۔

۱۔ کتے یا بھیڑیے یا گیدڑ کا حلال ہونا۔

۲۔ کتے کے گوشت و چمڑے کو ذبح کرکے پاک بنالینا۔

۳۔ شراب اتفاقی حرام کا دوا کے لئے پی لینا۔

۴۔ شراب جو بہت پینے سے نشہ دے، تھوڑی سی بہ نیت تقویت پی لینا۔

۵۔ شراب کو سرکہ بنالینا۔

۶۔ اجرت زنا کا (جو اجارہ مقرر کرکے لی جاوے) حلال ہونا۔

۷۔ قیمت شراب یا خنزیر سے جو کافر کے ملک ہو جاوے، مسلمان کو نفع اٹھانا۔

۸۔ زکوۃ سے بھاگنے کی نیت سے مال اپنا بیوی کی ملک کر دینا اور جب بیوی کی ملک میں مدت وجوب ادائی گزرنے لگے، تو اپنی ملک کر لینا۔

۹۔ باپ کی موطوءہ لونڈی کو بیٹے پر اس حیلہ سے حلال کر دینا کہ لونڈی کے بیان کا اعتبار نہیں۔

۱۰۔ لونڈی زرخرید کی استبراء (عدت) کو ہبہ کے حیلہ سے ساقط کرنا۔

۱۱۔ روزہ ستہ شوال کو جو شہرہ آفاق ہیں، مکروہ اور اہل جفا و جہالت کا کام کہنا۔

۱۲۔ گیہوں اور جو کو ایک جنس قرار دے کر اس کی بیع میں کمی بیشی کو جائز رکھنا۔

۱۳۔ کسم کا رنگا ہوا کپڑا امرد کے لئے حلال کرنا۔

۱۴ استسقاء کی نماز سے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، انکار کرنا۔

۱۵۔ سجدہ شکر کو جو حدیثوں میں بکثرت وارد ہے، مکروہ کہنا۔

اور جب اس قسم کے مسائل سے آئمہ مجتہدین کے اجتہاد کو بٹہ نہ لگا تو ان سے کسی مجدد (زید یا عمر) کے مجدد ہونے کو، اگر اس سے دین کی تجدید ہوئی ہو، کیونکر بٹہ لگ سکتا ہے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ مجدد معصوم نہیں ہوتا اور بجز حضرات شیعہ (جو امامت کے لئے عصمت کو شرط ٹھہراتے ہیں) کوئی عصمت کو شرط تجدید نہیں ٹھہرا سکتا۔ جس شخص (زید وعمر) نے دنیا کو علوم قرآن و حدیث سے بھر دیا ہو، اور سینکڑوں بدعتوں اور رسوم بد کو اپنے جائے تسلط سے موقوف کیا ہو، اس سے اگر دو چار دس بیس خطاء یا گناہ بھی سرزد ہوں تو اس کا بنظر ان ہزاروں حسنات و اوصاف مجددیت کے مجدد ہونا ان دو چار خطاؤں یا گناہوں سے باطل نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے مجدد ہونے کا ابطال ہی کسی کو مطلوب ہو تو اس کی صفات کمال کے تحقق و وجود میں بحث کریں۔ مثلاً یوں کہے کہ اس نے کوئی کتاب تالیف نہیں کی۔ یا وہ دین کی کتاب نہیں ہے۔ یا اس نے کوئی بدعت و رسم بد دور نہیں کی۔ جن رسوم کو اس نے مٹایا ہے وہ اچھی رسمیں تھیں۔ وعلی ہذا القیاس۔ (اس نفی و انکار کو کوئی مانے خواہ نہ مانے) اس کے مجدد ہونے کے ابطال کے لئے ایسے اصول و قواعد وضع نہ کرے جس سے تمام جہان کے اگلے پچھلے مجددوں کا مجدد ہونا باطل ہو جائے۔

سوالات علماء بمبئی کے جواب سے گریز کرنیکے طعن کا جواب

جناب بٹالوی لکھتے ہیں کہ:

اس طعن کا جواب بھی ہم تو اپنی طرف سے ادا کر چکے ہیں اور ہمارے دوست اڈیٹر مشیر قیصر بھی اس کو مان چکے ہیں۔ اور سوالات علماء بمبئی کو سفاہت اور بے ہودگی قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ نمبر اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ۶ میں بصفحہ ۲۴۲ ان کے اصل کلمات منقول ہو چکے ہیں۔ مگر ان دنوں آپ کو پھر ایک خیر خواہ اسلام طالب وفاق و اتفاق اہل اسلام (مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری جن کے اوصاف و محامد سے ہم بجز ان ہی الفاظ کے اور علم نہیں رکھتے) نے آاکسایا اور اس طعن کی تجدید کے لئے آمادہ کر دیا۔ آپ نے مولوی صاحب موصوف کا ایک مضمون ہمارے مضمون، ترقی معکوس (جس میں سوالات علماء بمبئی کا جواب تھا) کے مقابلہ میں اپنے اخبار نمبر ۵۱ جلد ۱۸ مطبوعہ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۳ء میں

چھپا دیا ہے۔ جس کا ما حصل یہ ہے کہ

۱۔ علماء بمبئی نے مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے سامنے جو سوالات پیش کیے تھے ان سب کا پتہ وحوالہ کتب اہل حدیث میں موجود ہے۔ مولانا ممدوح میدان مناظرہ میں ثابت قدم رہتے تو وہ سبھی حوالہ و پتے بتا دیتے۔

۲۔ اب بھی حوصلہ ہے تو آپ (محمد حسین) آئیں۔

۳۔ مولانا ممدوح اب بھی تقریری اور شفاہی نہیں تو تحریری جواب ان مسائل کا دیں۔

۴۔ مسلمانوں کو ترقی معکوس پر پہنچانا اور مسلمانوں کو کافر بنانا اہل حدیث کا کام ہے پھر اس کا جرم ہم پر کیوں لگایا جاتا ہے؟

اس کا جواب خاکسار نے اپنے اسی دوست اڈیٹر مشیر قیصر کے نام خط میں ادا کیا ہے اور وہ خط اسی اخبار میں درج ہونے کے لئے مدت سے مطبع مشیر قیصر میں بھیجا ہوا ہے۔ دیکھئے میرے مکرم دوست اس خط کو اپنے اخبار میں چھاپتے اور اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ اس مقام میں ہم خط کی نقل کرتے ہیں۔

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

میرے معزز کرم فرمائے مولوی غلام محمد صاحب اڈیٹر اخبار مشیر قیصر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے اخبار نمبر ۵۱ جلد ۷ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۳ء میں ایک تحریر مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری کی میرے دیکھنے میں آئی۔ میں اس کے اکثر مطالب کو نفس الامر اور واقعات کے مطابق نہیں پاتا۔ اسلئے مناسب سمجھتا ہوں کہ اسکے مطالب کی نسبت اپنے خیالات کو ظاہر کروں۔ اور آپکے اخبار گہر بار کو ان کے اظہار اشتہار کا ذریعہ بناؤں۔

اس میں حضرت شیخنا و مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا بمبئی میں وارد ہونا اور علماء بمبئی کا چند سوالات لے کر مناظرہ کرنے مستعد ہونا اور اس کاروائی پر خاکسار کا معترض ہونا ذکر کر کے فرمایا:

شاگردی کا حق تب ادا ہوتا جب کہ مولوی (محمد حسین) صاحب بمبئی تشریف لے جاتے اور ھل من مبارز فرماتے۔ اب بھی حوصلہ ہو تو تشریف لائیں۔

خاکسار ملتمس ہے کہ میں آج کل کے اکثر تقریری مناظرات کو (جن میں مناظرہ بمبئی بھی داخل ہے) مجادلات سمجھتا ہوں اور ان میں نہ صرف اپنے یا اپنے شیخ مسند الوقت کی شمولیت کو،

بلکہ جمیع اخوان مسلمین، معرضین عن اللّغو کے اقدام شمول کو حث عظیم خیال کرتا ہوں۔

۲۔ آپ نے فرمایا ہے (جس کا ماحصل یہ ہے) کہ علماء بمبئی کا اپنے سوالات میں کتب اہلحدیث کا حوالہ نہ دینا ان کی اولوالعزمی و نیک نیتی پر مبنی تھا۔ انہوں نے قبل از انکار یا اقرار سید محمد نذیر حسین ان کی کتابوں کا حوالہ دینا خلاف تہذیب ومخالف داب مناظرہ سمجھا۔ ورنہ ان کے پاس سامان سب تیار تھا۔ مولانا میدان مناظرہ میں ثابت قدم رہتے تو وہ سبھی کچھ بتا دیتے۔

خاکسار محمد حسین ملتمس ہے۔

یہ تجویز صرف آپ کی حسن ظنی و نیک نیتی و اولولعزمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ان سوالات کا پتہ نشان تو روئے زمین پر کہیں نظر نہیں آتا۔ نہ علماء بمبئی کے پاس ان سوالات کا کچھ ثبوت ہے، نہ اہلحدیث کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر واثر وارد ہے۔

آپ اس حسن ظنی کو نفس الامر کے مطابق سمجھتے ہیں تو علماء بمبئی کے وکیل ہو جائیں ان سے سوالات کا پتہ ومحل دریافت کریں۔ پھر جو چاہیں ہم سے، خواہ مولانا ممدوح سے، لکھا لیں یا منوا لیں۔ یا علماء بمبئی کو بمبئی میں چھوڑ دیں اور مولانا ممدوح کو بھی ایک طرف رہنے دیں۔ آپ خود میدان مناظرہ میں صف آرا ہو جائیں اور مجھ سے اسی اخبار گھر بار مشیر قیصر میں (جو اکثر دیسی اخبارات کی نسبت بے تعصب ومہذب کہلاتا ہے) بحث کر لیں۔

ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گو

مگر شور وشغب وانتشار وتشتت سے بچنے کے لئے سبھی سوالات سے یک بارگی تعرض نہ کریں بلکہ یکے بعد دیگرے طے کریں۔ بہتر ہے کہ سب سے پہلے سوال ہفتم علماء بمبئی کا کہ کتے کا گوہ اور موت پاک ہے (جو ان کے خیال میں نہایت لطافت ونفاست وتہذیب وعلمیت پر مشتمل ہے) کسی چھوٹی، بڑی، نئی، پرانی، معتبر، غیر معتبر (دیکھئے ہم آپ کو کیسی وسعت دیتے ہیں) کتاب اہل حدیث سے پتہ وحوالہ دیں۔ اس کے بعد اور سوالات کا ثبوت پیش کریں۔

اس سوال کے طے کرنے کے پہلے آپ اور سوال کا ثبوت پیش کریں گے تو ہم اس کو بے جا الجھاؤ سمجھ کر اس کا جواب نہ دیں گے۔ مگر اپنے بیان وثبوت میں دو شرطوں کے پابند رہیں۔ اول یہ کہ جو بات اہل حدیث کے ذمہ لگا دیں وہ انکی کلام کا منطوق ہو نہ صرف مفہوم۔ ان کا اصل مذہب ہو نہ اس کا لازم

کیونکہ مفہوم کلام بسا اوقات ایسا بھی ہوا کرتا ہے جس کا متکلم کلام ارادہ نہیں کرتا اور نہ

اس کو پسند رکھتا ہے اور لازم مذہب بھی عین مذہب نہیں ہوا کرتا۔ دیکھو خدا تعالی نے قرآن مجید میں لحم خنزیر کو حرام فرمایا ہے۔ اس کے بہت سے مفہوم ایسے ہیں جو خدا تعالی کی مراد نہیں ہیں۔ وعلی ہذا القیاس۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو بات آپ اہل حدیث کے ذمہ لگاویں وہ ایسی نہ ہو جو آپ کی کتب میں پائی جاتی ہو، ورنہ اس مصرع کا مصداق بننا پڑے گا میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اس بات کا جواب آپ ہی کو دینا پڑے گا۔

یہ تو شرطیں ہیں۔ اب ایک مصلحت ومشورہ کی بات کہنے سے بھی دریغ نہ کروں۔

آپ جو کچھ لکھیں اشاعۃ السنۃ نمبر ۸ و ۹ جلد ۶ (جو زیر طبع ہے) کے ملاحظہ کے بعد لکھیں، شائد اس سے آپ کی یہ حسن ظنی اور رنگ بدلے اور اس باب میں بحث کی حاجت ہی باقی نہ رہے۔

۳۔ آپ نے فرمایا ہے کہ مولانا ممدوح حج سے واپس آئے تو علماء بمبئی کا جواب ضرور تحریری دیں۔ خاکسار ملتمس ہے کہ یہ بات تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ علماء بمبئی یا آپ ان کے وکیل ہو کر یا اصالۃً ان سوالات کی کتب اہل حدیث سے نشان دہی کریں، پھر جو چاہیں جناب ممدوح سے، خواہ ہم سے، لکھوالیں۔

یہاں ایک اور لطیفہ عرض کرنا مناسب نظر آ گیا کہ اگر ہر لغو و بے ہودہ بات کا جواب دینا لازم ہے، اور ایسا سوال کرنا بھی جائز ہے، تو آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم اسی قسم کا ایک سوال آپ سے کریں۔ پھر آپ ہم کو اس بات کا جواب دیں۔ اس کے بعد مولانا ممدوح بھی ان سوالات کے جواب میں وہی بات لکھ دیں گے جو وہ زبانی فرما چکے ہیں۔

مگر میں معافی مانگ کر یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ سوال اسی قسم سے ہوگا جس قسم سے علماء بمبئی کے سوالات ہیں۔ اور ہم نے ان کے نظائر اپنے مضمون ترقی معکوس کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں (جو مشیر قیصر نمبر ۴۲ کے صفحہ ۶ کے تیسرے کالم میں منقول ہیں)۔ پھر اس سوال کو گستاخی و سوء ادبی و بد تہذیبی قرار نہ دیا جاوے۔

۴۔ آپ نے بجواب ہمارے مضمون ترقی معکوس، قضیہ معکوسہ بنایا اور اس میں فرمایا ہے کہ یہ ارشاد (الزام تکفیر مسلمانان) شائد اس وقت صحیح ہوتا جب لا مذہب اہل سنت سے مقدم ہوتے، یا اہل سنت اس فرقہ محدثہ کے پیچھے پڑتے اور برا بھلا کہنے میں ہدایت کرتے۔ یہاں

قضیہ معکوس ہے، محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اہل سنت کو مشرک اور عبدالاوثان کہا ہے

خاکسار اولاً یہ التماس کرتا ہے کہ اگر آپ ہم کو بحث وخطاب سے عزت بخشنا چاہتے ہیں تو آئندہ قلم ہدایت رقم کو ایسے غیر مہذبانہ الفاظ (لا مذہب، فرقہ جدیدہ وغیرہ) سے (جن سے گروہ اہل حدیث کے نوجوانوں کو اشتعال پیدا ہوگا اور اس کے مقابلہ میں آپ کے مذہب اور اس کے واضعین کے حق میں ان کی قلم سے برا بھلا نکلے گا) روکیں، اور اس بیت صائب کو پیش چشم رکھیں

دہن خویش بدشنام میالا صائب   کیں زر قلب بہرکس کہ دہی باز دہد

کوئی کسی کو کافر، ملحد، دہریہ، لا مذہب، بد مذہب اور مشرک ہی کیوں نہ سمجھتا ہو مگر جب اس سے تخاطب کرنا چاہے تب اس کو تہذیب شرافت وانسانیت ان الفاظ کو بولنے کی کبھی اجازت نہیں دیتے

اس دفعہ تو ہم نے (صرف اس خیال سے کہ جو آپ سے ہم کو شرف تخاطب حاصل ہوا ہے یہ بس غنیمت ہے اس کے ساتھ دو چار گالیاں مل گئیں تو ان پر بھی صبر مناسب ہے) صبر کیا۔ چنانچہ کسی ایسے ہی ہمارے جیسے طالب صادق نے کہا ہے

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ   گرد گلہ توتیائی چشم گرگ

آئندہ آپ ایسے الفاظ قلم میں لائیں گے تو ادھر سے بجز سلام علیک کچھ جواب نہ پائیں گے۔ اور اگر آپ کا اصل مطلب یہی ہے کہ دو چار گالیاں دے کر مخاطب کو بھگا دیں تو لیجئے ہم ابھی سے بھاگ جاتے ہیں۔ آپ اسی کو فتح سمجھ لیں۔ اسی طرح علماء بمبئی نے ہمارے مولانا وشیخنا کو بھگایا تھا۔ آپ بھی ان ہی کا اقتداء کریں۔

ثانیاً ملتمس ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے قول وفعل سے اہل حدیث ہندوستان پر کسی وجہ سے الزام عاید نہیں ہوسکتا۔ اس کو اہل حدیث ہندوستان سے کوئی خاص تعلق ونسبت نہیں ہے۔ جیسے کہ مقلدین مذہب حنفی سے اس کو نسبت ومشابہت ہے کہ یہ لوگ حنفی مذہب کے مقلد ہیں، وہ حنبلی مذہب کا مقلد تھا۔ اہل حدیث تو نہ کسی خاص کے مذہب کے مقلد ہیں نہ کسی خاص شخص کے، وہ تو کتاب وسنت کے پیرو اور خدا ورسول کے مقلد ہیں وبس کما قال قائلھم

زائر نجات خواہی آئین عشق سرکن   از مصطفیٰ شنیدن واز دیگران بریدن

اور خاص کر اس مسئلہ تکفیر مخالفین اہل قبلہ میں تو وہ اس سے مخالفت مذہب ظاہر کر چکے ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل شہید ہی کو دیکھو، وہ اپنے مخالفین کو کافر تو کہاں مبتدع بھی نہیں کہتے۔

جس کے آپ بھی قول آئندہ میں اقراری ہیں ۔نواب صاحب بھوپال کا رسالہ حطه فی احوال الصّحاح السّته کا صفحہ ۷۳ ملاحظہ کرو جس میں بہ نسبت محمد بن عبدالوہاب صاف لکھاہے و مسائله مشهورة و فیها المقبول و المردود و اشهر ما ینکر علیه خصلتا ن کبیر تا ن۔ ا لا ولی تکفیر اهل الا رض بمجرّد ظنّییا ت لا دلیل علیها۔ و الثّانیه التّجاوز علی سفک الدّم المعصوم بلا حجّة و اقا مة برها ن کہ محمد بن عبد الوہاب کے مسائل مشہور ہیں ، ان میں سے کوئی مقبول ہے کوئی مردود ۔اس کی جن خصلتوں کو لوگ برا جانتے ہیں ان میں دو بڑی مشہور خصلتیں ہیں، ایک تمام زمین والوں کو صرف لیٹی (بناوٹی) باتوں سے کافر کہنا ، دوسرے بلا دلیل بیگناہوں کی خون ریزی پر جرأت کرنا۔

اس خاکسار کا رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۹ جلد ۴ کو مطالعہ فرماؤ گے تو اس میں محمد بن عبدالوہاب پر بہت لے دے پاؤ گے ۔ بایں ہمہ تحاشی وتبری محمد بن عبدالوہاب کے قول وفعل سے اہل حدیث ہندوستان پر الزام قائم ہوسکتا ہے تو آپ کا گروہ اس الزام کا زیادہ تر مستحق ہے ۔ وہ (اہلحدیث) آپ کو کہہ سکتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب تمہارا ہی مقلد بھائی تھا جس نے مسلمانوں کو کافر بنایا اور مسلمانوں کا نمبر گھٹایا۔

۵ آپ نے فرمایا ہے ایضا ح الحقّ الصریح فی احکام المیت و الضریح میں دنیا کے محدثین وفقہاء واولیاء اللہ اور علماء کے افعال وعقائد بدعت ٹھہرائے گئے ہیں ۔ہم نے مانا کہ صاحب ایضاح نے اطلاق لفظ مبتدع کا ان پر جائز نہیں رکھا مگر یہ حضرات مرتکب بدعت ہوئے تو پھر مبتدع کا اطلاق خود بخود ہوگا ۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص مارتا ہو اور اسے ضارب نہ کہیں ۔

خاکسار ملتمس ہے جن افعال وعقائد کو مولانا محمد اسماعیل شہید نے کتاب ایضاح الحق میں بدعت قرار دیا ہے، وہ نئی دنیا کے محدثین فقہاء واولیاء کے عقائد ہوں تو ان کا کوئی منصف ومحقق حامی نہیں ۔ پرانی دنیا کے محدثین فقہاء واولیاء وعلماء سے تو ایک شخص بھی وہ اعتقاد نہیں رکھتا جس کو انہوں نے بدعت قرار دیا ہے۔آپ تمام دنیا کے حالات کہاں جانتے ہیں اور کب بیان کرسکتے ہیں؟ یہ تو زبانی دعوی ہیں ۔

آپ ہم کو وہ اعتقاد واقوال دو چار ہی محدثین یا فقہاء یا اولیاء یا علماء قرون ثلاثہ سے

(جن میں ہمارے سرتاج چاروں امام مذہب اور اکثر اصحاب متون حدیث اور بیسیوں متقدمین اولیاء و علماء داخل ہیں) بہ نقل صحیح ثابت کر دیں۔ پھر دیکھیں ہم اس کتاب ایضاح الحق کی کیسی خبر لیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ: گو مولوی اسماعیل صاحب نے ان لوگوں کو مبتدع نہیں کہا، مگر ان کے افعال کو بدعت کہنے سے ان کا مبتدع ہونا نکلتا ہے۔

ہمارے مدعا کا عین مؤید ہے۔ اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ مولوی اسماعیل صاحب نے مسلمانوں کو مبتدع نہیں کہا۔ چہ جائے کہ کافر کہا ہو۔

رہا یہ کہ ان کے اقوال کو بدعت کہنے سے ان کا مبتدع ہونا نکلتا ہے۔ سو یہ (مبتدع ہونا نکالنا) آپ لوگوں کا فعل ہے۔ مولوی محمد اسماعیل مرحوم تو اس کو پسند نہیں کرتے۔

غایۃ مافی الباب یہ کہ اس میں آپ ان کی علمی غلطی تجویز کریں۔ سو یہ بات دوسری ہے۔ یہ ہم نے علی سبیل التنزل کہا ہے اور سچ پوچھو تو اس میں بھی مولوی صاحب غلطی پر نہیں ہیں۔

بے شک لغۃً و عقلاً قیام مبدء حمل مشتق کا موجب ہوتا ہے اور یہی عامیانہ خیال ہے۔ اور اسی پر مارنے والے کو ضارب کہنے کی مثال پھبتی ہے۔ مگر شرعاً (بحکم کتاب و سنت و مذاہب فقہاء امت) وہ بات کلیۃً صحیح نہیں ہے۔ جلد اول صحیح بخاری صفحہ ۹ سطر ۱۵ میں باب المعاصی من امر الجاهلية و لا يكفر صاحبها بارتكابها الّا بالشّرك ملاحظہ فرمایئے (گناہ کفر کے کام ہیں، مگر ان کے مرتکب کو بجز مرتکب شرک، کافر نہ کہا جائے گا) اور فقہاء و متکلمین رحمھم اللہ اجمعین کی تصانیف میں مسئلہ عدم تکفیر اہل قبلہ دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد مولانا اسماعیل شہید کو جو کہنا ہو سو کہیے۔ مولانا مرحوم ان سب کے مخالف نکلے تو ہم پھر آپ کے ساتھ ہیں۔

۶۔ آپ نے فرمایا ہے:

پھر صاحب ایضاح الحق نے ایضاح میں تقلید شخصی کو بدعت حقیقہ لکھا ہے اور تنویر العینین میں شرک۔ مولانا سید محمد نذیر حسین نے معیار میں ان کی ہاں میں ہاں ملایا ہے اور صاحب ظفر المبین نے آمنا و صدقنا کہا ہے۔

خاکسار ملتمس ہے جس تقلید شخصی (اعتقاد وجوب و بمقابلہ نصوص) کو مولانا محمد اسماعیل مرحوم نے شرک یا بدعت قرار دیا ہے، اور مولانا سید محمد نذیر حسین نے اس میں ان کا اتباع کیا ہے، وہ ایسی

تقلید ہے جس کو کسی محقق حنفی، حنبلی، شافعی، مالکی محدث فقیہہ ولی متقی نے اختیار نہیں کیا۔ بلکہ بہتیروں نے اس کو برا کہا ہے۔ دس، بیس، تیس، چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر جس قدر اعیان و اکابر مذہب (جنھوں نے ایسی تقلید کو برا کہا ہے) کے نام نامی آپ چاہیں، میں گن سناتا ہوں۔ اور اگر آپ کو اپنی کمیٹی کے صدر نشین مولوی محمد عبدالحی صاحب کے کلام پر اعتماد ہے، تو انہی کے رسالہ النافع الکبیر اور فوائد بہیہ سے اس تقلید کی برائی ثابت کر دکھاتا ہوں۔ پھر اگر مولوی محمد اسماعیل مرحوم اور حضرت شیخنا المحدث الدہلوی نے بھی اس کو برا کہا، تو کیا برا کیا۔

اب رہی ظفر المبین اور اس کے مؤلف شیخ محی الدین۔ سو وہ جانیں آپ جانیں۔ ہم ان کے ذمہ دار و جوابدہ نہیں ہیں۔ اس کی وجہ ہم اخبار مشیر قیصر نمبر ۴۷ جلد ۴ مطبوعہ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۳ء میں چھپوا چکے ہیں۔ آپ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۷۔ ان افادات کے خاتمہ پر بطور نتیجہ آپ نے فرمایا ہے کہ

باوجودیکہ مخالفین کی طرف سے اس قسم کی زبان درازیاں ہوتی ہیں، مگر اہل سنت نے جواب میں صرف اس قدر ثابت کیا ہے کہ تقلید شخصی شرک و بدعت نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا کہ لامذہب مشرک یا مبتدع ہیں۔ کیوں نہ ہو خود ہی برا بھلا کہنا اور الٹا الزام رکھنا، اب انصاف سے ارشاد ہو کہ یہاں ترقی معکوس ہے یا قضیہ معکوس۔

خاکسار ملتمس ہے کہ جناب کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بے کینہ وصاف سینہ ہیں۔ آپ نے اپنے بھائیوں کے اس قسم کے رسائل جن میں اہل حدیث کو کافر و مشرک و واجب القتل کہا گیا ہے، ملاحظہ نہیں فرمائے۔ گلابی چوورقہ (جامع الشواھد فی اخراج الوھابین عن المساجد) جن میں اہل حدیث کو کافر و مبتدع کہا گیا ہے اور اس سے پہلے رسالہ انتظام المساجد باخراج اھل الفتن و المفاسد جس میں اہل حدیث کو مشرک کے ساتھ ان پر قتل کا فتوی بھی دیا ہے، اور اس سے پہلے رسائل مثل تنویر الحق، توفیر الحق، تحفۃ العرب والعجم، مدار الحق، انتصار الاسلام، اور افاضل کلکتہ کی بعض تالیفات جناب ملاحظہ فرماتے تو جناب کی طبیعت انصاف طینت سے امید ہے کہ یہ بات کبھی زبان پر نہ لاتے۔ اور علماء اہل حدیث کا اپنے سنی بھائیوں کو مشرک و مبتدع نہ کہنا، تو آپ مان ہی چکے ہیں۔

ان عاجزانہ التماسوں اور دوستانہ گذارشوں سے امید ہے کہ آپ کو یقین ہوگا کہ مضمون ترقی معکوس نہایت صحیح و درست ہے اور اس کا نقیض قضیہ معکوس صحیح نہیں ہے۔ آئندہ اس کا

اختبار (اختیار نہ پڑھئے گا) آپ کے اور جملہ ناظرین کے اختیار میں ہے۔

آپ کا خیر خواہ بلا اشتباہ۔ ابوسعید محمد حسین لاہوری اڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنہ۔

(منقول از ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۶ مع ضمیمہ۔ مختصراً)

محاکمہ: مباحثہ بمبئی کے متعلق ڈاکٹر ابومحمد جمال الدین نے لکھا:

مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی بقصد زیارت بیت اللہ شریف وارد بمبئی ہوئے تو وہاں بعض علماء نے ایک تحریر (جس میں مولانا ممدوح کو ایسے گندے مسائل کا قائل ٹھہرایا تھا جن کا اسلام میں کوئی بھی قائل نہ ہوگا) مولانا ممدوح کے روبرو پیش کی اور خواستگار مناظرہ ہوئے۔ مولانا ممدوح نے جواب دیا کہ: ہمارے ایسے عقائد نہیں ہیں، بلکہ ایسے گندے عقاید والوں کو ہم برا جانتے ہیں۔

یہ کیفیت خود اس اشتہار سے واضح ہے جو علمائے بمبئی نے اخباروں میں طبع کرائی اور ۲۵ ستمبر ۱۸۸۳ء کے مشیر قیصر میں بھی چھپا ہے۔ تاہم ۸ دسمبر ۱۸۸۳ء کے مشیر قیصر میں مولوی وکیل احمد نے علمائے بمبئی کی حمایت میں اہل حدیث کو قائل مسائل خبیثہ کا ٹھہرایا اور محمد حسین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

شاگردی کا حق تب ادا ہوتا جب کہ مولوی صاحب بمبئی تشریف لے جاتے اور ھل من مبارز فرماتے۔ اب بھی حوصلہ ہو تو تشریف لاویں۔

اس پر جناب محمد حسین نے مشیر قیصر مطبوعہ ۸ جنوری ۱۸۸۴ء، اور اشاعۃ السنہ نمبر ۹ جلد ۶ میں یہ جواب تحریر فرمایا:

آپ خود میدان مناظرہ میں صف آراء ہو جاویں اخبار مشیر قیصر کے ذریعہ سے بحث کر لیں، ہمین میدان ہمیں گو۔ مگر شور وشغب سے بچنے کے لئے ایک ایک مسئلہ کو طے کر لیں اور پہلے سوال ہفتم بمبئی کہ کتے کا گوہ اور موت پاک ہے، کسی چھوٹی بڑی، نئی، پرانی، معتبر نا معتبر (دیکھئے ہم آپ کو کیسی وسعت دیتے ہیں) کتاب اہلحدیث سے پتہ حوالہ دیں۔ اس سوال کو طے کرنے سے پہلے آپ اور سوال پیش کرینگے تو ہم اسکو بے جا الجھاؤ سمجھ کر اسکا جواب نہ دیں گے۔

جناب وکیل احمد نے جناب محمد حسین کے مطالبہ پر سوال ہفتم علماء بمبئی کے ثبوت میں قلم نہ اٹھایا بالکل سکوت فرمایا، اگرچہ انہوں نے اس معاملہ میں تحریرات طول طویل کیں مگر جس کا ثبوت ان کے ذمہ ہے اس سے عاجز وقاصر رہے، جس سے بڑی فاش شکست جناب وکیل احمد و

علمائے بمبئی کی ہوئی اور ان کے تمام انصار و معاونین بھی دریائے حیرت میں غرق ہوئے اور ہمیشہ تک اس کی جواب دہی کی فکر میں رہیں گے۔..

جب جناب وکیل احمد سوال ہفتم علمائے بمبئی کی نشان دہی سے حسب مطالبہ محمد حسین عاجز وساکت ہوئے تو اس دعویٰ ہی سے دستبردار ہو گئے اور مشیر قیصر مطبوعہ یکم اپریل ۱۸۸۴ء میں جو کچھ انہوں نے لکھا اس کا خلاصہ درج ہے:

> ہم پر اور علمائے بمبئی پر ان سوالات مشعرہ علماء بمبئی کی نشان دہی لازم نہیں کیونکہ علماء بمبئی نے بعض معتقدین مولانا سید محمد نذیر حسین کو ان مسائل خبیثہ کا قائل دیکھ کر مولانا ممدوح سے شبہ رفع کرنے کو دریافت کیا۔ جب مولانا ممدوح نے ان عقاید سے انکار کیا تو ہم ان کو بری سمجھتے ہیں۔ ہم اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ اہل حدیث مسائل خبیثہ کے قائل ہیں، پھر ہم پر نشان دہی ان مسائل کی کب لازم ہے۔

اس بیان مولوی وکیل احمد سے ظاہر ہے کہ یہ صورت سوال تھی، نہ کوئی مناظرہ تھا، نہ یہاں کسی کی فتح و شکست مدنظر تھی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بیان ان کا اس وقت صحیح سمجھا جاتا جب کہ وہ قبل مطالبہ محمد حسین خود اس کو مناظرہ نہ جانتے اور فاضل ممدوح کو یہ کہہ کر: حق شاگردی ..الخ ۔ میدان مناظرہ میں نہ بلاتے۔ اور علما بمبئی اخباروں میں مولانا سید محمد نذیر حسین کا ساکت ہو جانا اور ہار جانا وغیرہ نہ مشتہر کراتے۔ اور جب کہ پیشتر مطالبہ محمد حسین کے خود مولوی وکیل احمد نے مولانا نذیر حسین کو ساکت تصور کر کے ان کی طرف سے محمد حسین سے میدان مناظرہ میں آنے کی درخواست کی تو اب. اپنے سابق قول سے پھر جانا مولوی وکیل احمد کو مناسب نہیں۔

اور پیشتر اس کے مولوی وکیل احمد نے اخبار مشیر قیصر مطبوعہ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۳ء میں علماء بمبئی کی طرف سے (مسائل کا حوالہ نہ بتلانے میں) یہ عذر فرمایا تھا کہ مولانا محمد نذیر حسین مناظرہ میں ثابت قدم رہتے تو علماء بمبئی پتہ و نشان بتلا دیتے، پہلے سے بتلا دینا خلاف تہذیب تھا۔

تعجب ہے کہ مولوی وکیل احمد اپنی پہلی بات کو بہت جلد بھول جاتے ہیں یا حسب موقع ومصلحت جس کا لکھنا مناسب سمجھتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔ خیر اب اگر اہل حدیث کے دامن کو مسائل خبیثہ مستفسرہ علماء بمبئی سے بے لوث خیال فرمانے لگے تو یہ ان کی دوسری شکست ہے کیونکہ اسی مقصد کے واسطے محمد حسین نے اپنی تحریرات میں زور مارا ہے کہ اہل حدیث ان مسائل خبیثہ سے پاک ہیں، وہ خود آپ نے تسلیم کر لیا اور معترف ہوئے۔ اب کچھ جھگڑا اور تنازعہ باقی نہیں رہا۔ ہم اس

مولوی وکیل احمد کے اعتراف کوغنیمت اور قابل تحسین سمجھتے ہیں بلکہ ہم یہ بھی آرزو رکھتے ہیں کہ وہ اپنے دیگر ہم مذہبوں کو بھی سمجھا دیں اور اس سچی بات کا معتقد بنا دیں خصوصاً علماء بمبئی کو جنھوں نے بزعم خود مولانا سید محمد نذیر حسین کو ساکت کر دیا و نیز ان مجہول الاسم عالم و محدث کو جنھوں نے مشیر قیصر مطبوعہ ۲۰ نومبر ۱۸۸۳ء میں بزعم خود ان مسائل کو اہل حدیث کی کتابوں میں نکال دیا، اور اڈیٹر مشیر قیصر کو جنھوں نے نہایت اعتقاد سے مجہول الاسم صاحب کی تحریر کو طبع فرمایا اور ان کو عالم اور بہت بڑے محدث کا خطاب دیا۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۷۔ ص ۱۴۴۔ ۱۴۸ مختصراً)

مباحثہ دہلی ۱۸۹۱ء: پس منظر و پیش منظر

جناب محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مباحثہ لدھیانہ میں فاش شکست پائی (یاد رہے کہ مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی اور جناب محمد حسین بٹالوی کے درمیان ۱۲ روز تک تحریری طور پر ہوا تھا۔ اس کی مکمل روداد ہم تحریک ختم نبوت جلد ۴ میں صفحہ ۴۴ تا ۲۸۳ پر نقل کر چکے ہیں۔ بہاء) تو پہلے اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں اس مضمون کا دعوی کیا کہ میں پھر بمقام لاہور مباحثہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا جواب اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں اس کو یہ دیا گیا کہ ہم آپ کے مناظرہ کیلئے ہر وقت حاضر و مستعد ہیں، لاہور میں کریں، خواہ پشاور میں۔ اور اگر خاص مسکن و مولد قادیان میں ہو تو نہایت مناسب ہے تا کہ مقولہ صادقہ: دروغ گورا تا بخانہ بایدرسانید، پر بھی عمل ہو جائے۔ اس جواب سے اس کے دانت کھٹے ہوئے تو پھر آپ دہلی پہنچے اور وہاں جا کر ایک شیخ وقت اور مستند العصر سید محمد نذیر حسین محدث کے مقابلے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اس میں آپ یہ سوچ بیٹھے کہ شیخ وقت تو اپنی بزرگی اور ہماری نااہلی کی نظر سے مجھے مخاطب نہ بنائیں گے، اور ابوسعید محمد حسین اتنی دور نہ آئیں گے۔ ہینگ لگی نہ پھٹکری اور میدان ہاتھ میں آیا۔ مگر بدقسمتی سے ایک نابینا کے کہنے سے اس اشتہار میں، جس میں حضرت شیخ وقت سے مباحثہ کا دعوی کیا تھا، مولوی عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی (جو شیخ وقت کے تلامذہ سے ہیں) کا نام بھی درج کر دیا۔ لہذا پہلے تو مولوی صاحب ہی ان کی خدمت گذاری کو حاضر و مستعد ہو گئے۔ پھر خادم قوم دہلی پہنچا، اور اپنے شیخ و شیخ الکل کی طرف سے مباحثہ کیلئے مستعد ہو گیا۔ خاکسار کے دہلی پہنچنے سے پہلے تو مرزا غلام احمد قادیانی، مولوی عبدالحق سے مباحثہ کرنے کو بظاہر مستعد تھے اور اس کو شروط ناجائز (ا۔ ڈپٹی کمشنر کی خاص اجازت میرے

نام سے آوے۔۲۔جلسہ میں یورپئین افسر موجود ہو۔۳۔گفتگو یوں ہو کہ فریقین اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے لوگوں کو سنا ویں، یہ نہ ہو کہ سوال و جواب زبانی ہوں۔اور دو منشی ان کو لکھتے جائیں) کی آڑ کھڑی کر کے ٹلا رہے تھے۔مگر جب یہ خادم دہلی پہنچا تو آپ مولوی عبدالحق کے مکان پر بنفس نفیس حاضر ہو کر مظہر و ملتمس ہوئے کہ میں آپ سے گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔مجھے حافظ احمد نابینا نے دھوکہ دیا، کہ آپ کا نام بھی اشتہار میں شامل کر دیا۔میں تو غیر مقلدوں سے بحث کرنا چاہتا ہوں، آپ تو ہمارے بھائی ہیں۔مولوی عبدالحق نے یہ سمجھا کہ گرانے سے بھگانا اچھا ہوتا ہے، اور آپ کو یہ جواب دیا کہ تم بذریعہ اشتہار اس مباحثہ سے انکار کرو گے تو ہم بھی دست بردار ہو جائیں گے۔اس پر مرزا قادیانی نے ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار جاری کیا اور مولوی عبدالحق سے گفتگو کرنے سے انکار کیا اور صرف حضرت شیخ الکل سے مباحثہ کا دعوی قائم رکھا۔مگر بدقسمتی سے ان کے ساتھ اس خاکسار کا نام بھی شامل کر دیا۔اس اشتہار میں آپ نے یہ مضمون لکھا:

اس عاجز کے اشتہار ۲۔اکتوبر میں حضرت مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب کا نام بھی درج کیا تھا، مگر عندالملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب ایک گوشہ گزین آدمی ہیں، اور ایسے جلسوں سے، جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہو، طبعاً کارہ ہیں اور اپنے کام تفسیر قرآن میں مشغول ہیں، اور شرائط اشتہار کے پورا کرنے سے مجبور ہیں کیونکہ گوشہ گزیں ہیں حکام سے میل ملاقات نہیں رکھتے اور بباعث درویشانہ صفت کے ایسی ملاقاتوں سے کراہت بھی رکھتے ہیں۔لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب، جو اب دہلی میں موجود ہیں، ان کاموں کا اول درجہ کا جوش رکھتے ہیں۔لہذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر ہیں تو میرے ساتھ بپابندی شرائط بحث کر لیں۔

مگر مرزا قادیانی کا یہ حیلہ کارگر نہ ہوا۔ادھر مولوی عبدالحق نے ان کے عذر اور وجہ انکار کو جھوٹا سمجھا اور ۹۔اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مطبع یوسفی دہلی میں اس عذر کا جواب مشتہر کیا کہ:

گو مولوی عبدالحق حکام سے نہیں ملتے، مگر بالائی انتظام کرنے کیلئے اوپر کے لوگ موجود ہیں۔قادیانی صاحب ۱۱۔اکتوبر کو ٹاؤن ہال میں آئیں۔اور ان سے مباحثہ کر لیں، ورنہ جھوٹے سمجھے جائیں گے۔

اور ادھر خاکسار نے قادیانی کے اقرار مباحثہ کے جواب میں اشتہار ۷۔اکتوبر ۱۸۹۱ء

مشتہر کیا اور اس میں یہ درج کیا:

آپ نے خاکسار اور ہمارے شیخ و شیخ الکل دونوں کو مقابل و مباحث بنانا چاہا ہے۔ اور یہ بات ظاہر و مسلّم کل ہے کہ آخر گفتگو کے وقت ایک ہی شخص بولے گا، نہ یہ کہ دونوں مل کر آپ سے کلام کریں گے۔ لہذا یہ قرار پایا ہے کہ پہلے خاکسار آپ سے گفتگو کرے۔ پس اگر آپ کو ساکت اور لاجواب کر دے تو حضرت شیخنا کو کسی تکلیف کی ضرورت نہ رہے۔ اور اگر خاکسار آپ کے جواب سے ساکت ہو جاوے، تو پھر شیخ الکل سے آپ کے استفادہ کی نوبت پہونچے اور یہی امر بحکم عقل مناسب ہے۔ شاگردوں کے ہوتے ایک شیخ اور امام وقت کو زیبا نہیں ہے کہ وہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب و مناظر بناویں۔

اس اشتہار کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ

اگر آپ اپنی ہی شرطیں بلاکم وبیش منظور کرانا چاہتے ہیں، تو ہم اس امر کیلئے بھی حاضر ہیں۔ لیجئے بتاریخ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء بوقت ۹ بجے دن کے چاندنی محل تشریف لاویں۔ اور خاکسار سے گفتگو کرلیں۔ ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں اور آپ کی سبھی شرطیں منظور ہیں۔

یہ اشتہار چھاپ کر متعدد وسائل سے مرزا قادیانی کے پاس بھیجا گیا اور قادیانی نے اس اشتہار کے مضمون سے کوئی عذر و انکار نہ کیا تو اس سے اس کی رضا و تسلیم سمجھ کر چاندنی محل میں فرش وغیرہ کا انتظام کرایا گیا، اور بنظر احتیاط ایک خط بھی خاکسار اور مولوی عبدالحق کی طرف سے ان کے نام بھیجا گیا، جس کا یہ مضمون تھا:

کل کے اشتہار میں مولوی عبدالحق نے ٹاؤن ہال میں مباحثہ کے لئے آپ کو بلایا تھا۔ آج باتفاق چاندنی محل قرار پایا ہے۔ آپ وقت مقررہ پر ضرور تشریف لاویں کیونکہ فرش وغیرہ پر بہت سا روپیہ صرف ہو چکا ہے۔

اس خط کے بعد مرزا قادیانی نے اشتہار ۶۔ اکتوبر کے عہد و قرار کو توڑ دیا اور خاکسار کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اسی بات پر اصرار اختیار کیا کہ میں خاص مولوی نذیر حسین سے گفتگو کرونگا۔ مولوی ابوسعید محمد حسین کی گفتگو سے مجھے بالطبع نفرت ہے، ہاں وہ مولوی سید نذیر حسین کے مددگار رہیں، ان کو لکھنے میں مدد دیں یا کوئی بھولی بات یاد دلا دیں تو مضائقہ نہیں۔ اور اس اصرار کے پورا ہونے کی شرط سے جلسہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں حاضر ہونا منظور کیا۔ جناب حضرت شیخ الکل نے اس کے اس اصرار کو منظور کرلیا اور حسب قرارداد ۱۱۔ تاریخ کو چاندنی محل میں

پہونچ کرمنظوری شروط واصرار قادیانی کا متضمن خط اسکے نام بھجوایا۔اس خط کے پہونچنے پر قادیانی نے اپنے اس اقرار کوبھی توڑا اور مجلس میں آنے سے صاف نکار کیا اوراس مضمون کا خط لکھا:

چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جوش عوام کا حد سے بڑھا ہوا ہے۔اور میں دیکھتا ہوں کہ اس جوش کی حالت میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہے۔ابھی ایک شخص مجھے کہہ گیا ہے کہ میں خیر خواہی کی رو سے کہتا ہوں کہ عوام کی نیت فساد پر ہے۔لہذا یہ تجویز قرار پائی ہے کہ غلام قادر صاحب، ڈپٹی کمشنر کے پاس جاکر اطلاع دیں،تو پھر ایک تاریخ مقرر کرکے جلسہ ہو۔

اس پر جلسہ برخواست ہوا اور کس و ناکس سکنائے دہلی نے جان لیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو مباحثہ منظور نہیں ہے اور وہ صرف حیلہ و بہانہ سے مباحثہ کو ٹلاتا ہے۔اس واقعہ کی مفصل کیفیت اشتہار ۱۲۔اکتوبر میں مشتہر ہوچکی ہے۔

اس سے پہلے بھی ایک دفعہ حضرت شیخ الکل نے مرزا قادیانی کے اس اصرار کو توڑا اور خود بنفس نفیس اس کے شبہات کو دور کرنا چاہا۔یکم ربیع الاول مطابق ۵۔اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک خط اس مضمون کا اس کے پاس بھیج دیا کہ آپ بے تکلف میرے مکان پر آجائیں،اوراپنے شکوک کا ازالہ کرالیں۔اس خط کے جواب میں بھی اس نے آنے سے انکار کیا،اور یورپین افسر کے موجود ہونے کی شرط کو آڑ بنایا۔

حضرت شیخ الکل اوراس خاکسار (محمد حسین) کے علاوہ بہت سے علماء دہلی نے قادیانی کو مباحثہ کی طرف بلایا،اوراس کی جملہ شروط کو منظور کرکے اس سے مباحثہ کرنا چاہا۔

ازانجملہ ایک مولوی عبدالمجید واعظ دہلی ہیں جنہوں نے کئی اشتہاروں میں قادیانی کو مدعو کیا اوراس کے ثبوت دعوی پر ایک ہزار روپئہ انعام بھی دینا منظور کیا۔

ازانجملہ ایک مولوی رحیم بخش مدرس مدرسۃ القرآن ہیں جنہوں نے بمنظوری جملہ شرائط قادیانی اپنے مدرسہ میں ان کو بلایا۔

ازانجملہ مولوی محمد علی خاں ہیں جنہوں نے ۱۰۔اکتوبر ۱۸۹۱ء کو بمنظوری جملہ شرائط مسجد فتح پوری میں قادیانی سے مباحثہ کا اشتہار دیا۔

ازانجملہ مولوی عبدالحمید ہیں جنہوں نے مرزا قادیانی کے عذرات کو اپنے اشتہار ۷۔اکتوبر میں یوں توڑا کہ آپ اپنے کوٹھے کی چھت پر بیٹھ کر گفتگو کریں۔میں اس کے مقابل کوٹھے کی چھت پر بیٹھ کر گفتگو کرونگا اور بیچ میں بازار حائل رہے گا اور کسی قسم کا اندیشہ آپ کو باقی نہ رہے گا۔

اور اسی قسم کے اور اشتہار بھی مرزا قادیانی کے مقابلے میں نکلے جن کی تعداد ۱۴ سے زائد ہے، مگر آپ نے کسی شخص سے مباحثہ اور مقابلہ کا حوصلہ نہ پایا اور اپنے گھر سے، جس کے دروازہ پر پولیس کا پہرہ بٹھا رکھا تھا، قدم باہر نہ رکھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے اس گریز اور فرار اور چاندنی محل کے جلسہ میں آنے سے انکار کا شہر دہلی میں شہرہ ہوا.... پھر آپ نے ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار نکالا جس میں دو درجن سے زائد گالیاں حضرت شیخ الکل کو دیں۔ پھر اس کے اخیر میں یہ فریب کا بھرا مضمون درج کر دیا:

اگر شیخ الکل مجھے غلطی پر سمجھتے ہیں تو مجمع عام میں میرے خیالات و دلائل کے جھوٹا ہونے پر قسم اٹھالیں۔

اب حضرت شیخ الکل و خاکسار اور بعض اہل شوری حضرت شیخ الکل، مرزا قادیانی کو مجلس عام میں حاضر ہونے اور اس سیاہی کے دھبہ کو اتارنے کا موقعہ دینا پسند نہ کرتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ وہ اپنے اقرار پر قائم نہ رہے گا۔ نہ مباحثہ کرے گا اور نہ حضرت شیخ الکل کی قسم پر راضی ہوگا۔ اس نظر سے اس کے اشتہار ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کا جواب اعلام عام اہل اسلام، کے ضمن میں یہ دیا گیا کہ قادیانی اس بدگوئی اور سخت زبانی کے ساتھ جناب شیخ الکل کے خطاب کے لائق نہیں رہا۔ ہاں خاکسار اور حضرت شیخ کے دیگر تلامذہ، جس کو وہ پسند کرے، سے گفتگو کر لے۔ اگر مباہلہ ہی کرنا ہے تو صوفی عبدالحق امرتسری سے کرے یا مولوی عبدالمجید سے۔ یہ اعلام ۸ صفحہ پر ہے جو ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو چھپ کر شائع ہوا۔ مگر عوام الناس اور بعض خواص نے حضرت شیخ الکل کو جامع مسجد میں جانے پر آمادہ کر لیا۔ تب حضرت شیخ الکل نے جامع مسجد میں پہونچ کر نواب سعیدالدین احمد خان رئیس لوہارو، مولوی عبدالمجید و میر بشارت حسین کوتوال شہر کی وساطت سے مرزا قادیانی کو (جو مسجد میں ذرا فاصلے پر دوسری جانب موجود تھا) یہ پیغام بھیجا کہ میں آپ کے عقائد باطلہ کے غلط اور ناحق ہونے پر قسم کھانے کو تیار کر ہوں، ہمارے سامنے آؤ اور اپنے عقائد و دلائل بیان کرو۔ مرزا قادیانی نے اس سے صاف انکار کیا۔ پھر اسے مباحثہ کی طرف بلایا گیا تو اس سے بھی فرار اختیار کیا۔ اس کی مفصل کیفیت تحریر مطبوعہ ۲۱۔ اکتوبر محررہ مولوی عبداللطیف خلف الصدق مولوی عبدالمجید سے نقل کی جاتی ہے، اس کے صفحہ ۶ میں ہے:

بعد ادائے نماز فریضہ جناب مولوی عبدالمجید و سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس و جناب نواب سعیدالدین احمد خان منجانب جناب مولانا ممدوح، مرزا صاحب کے پاس گئے

اور کہا کہ حسب قرارداد جناب مولانا صاحب آپ لکھ دیں کہ اگر جناب مولانا (نذیر حسین) صاحب نے میرے دلائل بحلف رد کر دیئے تو میں اسی مجمع میں توبہ کرلونگا۔ مرزا صاحب خاموش رہے، تاہم اسکے بعض حواری گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ایک سال کے بعد توبہ کریں گے، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اگر مرزا صاحب کی بددعا کا اثر نہ ہو (یعنی اگر ایک سال کے اندر مولانا صاحب کو نصیب دشمناں بخار آ گیا، یا دردسر ہو گیا، تو توبہ نہ کریں گے)۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ہنس کر کہا کہ یہ تو کوئی کام کی بات نہیں، آپ کی یہ بات کوئی بھی منظور نہیں کرسکتا۔ مولوی عبدالمجید نے سٹی سپرنٹنڈنٹ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم آپ کو ثالث مقرر کرتے ہیں، آپ ان سے دریافت کریں کہ بموجب تحریر جناب مولانا صاحب آپ اپنے عقائد کا ثبوت بیان کر سکتے ہیں؟ اور درصورت عدم تسلیم مولانا صاحب کی قسم اور حلف پر اس وقت توبہ کریں گے یا نہیں؟ صاحب بہادر، مرزا قادیانی اور ان کے اعوان کو عرصہ تک سمجھاتے رہے کہ تم کیوں بات بڑھاتے ہو، ایک بات مختصر کہو۔ مرزا صاحب نے کہا کہ ہم صرف حیات و ممات مسیح میں گفتگو کرنی چاہتے ہیں اور کچھ نہیں۔ مولوی عبدالمجید نے کہا کہ اس مسئلہ حیات و ممات کا بھی اور آپ کے کل عقائد کا ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کیوں ایک ہی مسئلہ کا فیصلہ کریں جب آپکے بہت سے عقائد خلاف اہل اسلام ہیں۔ بڑا دعوی تو آپ کو مسیحائی کا ہے، آپ اس کا کچھ ثبوت دے سکتے ہیں؟

نواب سعید الدین و بخشی اکرام اللہ رجسٹرار و مجسٹریٹ و نواب سید سلطان مرزا آنریری مجسٹریٹ اور تمام معززین و اراکین جلسہ نے کہا کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب کی طرف سے وہی معمولی جواب آتا رہا۔ مولوی عبدالمجید نے کہا کہ پبلک کی رائے پر آپ کیوں فیصلہ نہیں کرتے۔ مرزا کے حواریوں نے کہا کہ پبلک تو آپ کے ساتھ ہے۔ صاحب بہادر نے مرزا سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ مسیح موعود ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ثبوت پیش کریں۔ فرض کرو کہ مسیح مر گئے تو اس حالت میں سب لوگ برابر ہیں، آپ کو کیا زیادہ حق ہے کہ مسیح سمجھا جائے؟ بہرصورت آپ کو اپنے دعوی کا ثبوت دینا ضرور ہے۔ مرزا صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر اس کے حواری غلام قادر نے صاحب بہادر سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھئے صاحب یہ لوگوں کو سناتے ہیں۔ صاحب

بہادر نے کہا کہ کیوں نہ سنائیں ۔ خواجہ محمد یوسف وکیل علی گڈھ نے منجانب مرزا صاحب، مولوی عبدالمجید کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت ایک شخص مسلمان ہوتا ہے کیوں اسے مسلمان نہیں کرتے ۔مولوی عبدالمجید نے کہا کہ اگر توبہ کرے تو ہمارا بھائی ہے۔ خواجہ یوسف نے کہا میں ابھی ان سے توبہ لکھوائے لیتا ہوں، وہ لکھ دینگے کہ جو قرآن و حدیث کے خلاف میں نے لکھا ہے وہ مردود ہے اور میں مسلمان ہوں ۔مولوی عبدالمجید نے کہا کہ اگر وہ بغیر کسی مغالطہ کے ایسا لکھیں تو ہم ابھی منظور کرتے ہیں ۔ پھر مرزا صاحب توبہ نامہ لکھنے لگے مگر ویسا ہی لکھا جیسا کہ ۱۲۔اکتوبر کے اشتہار میں شائع کر چکے ہیں (یعنی محض انکار کہ ہم نے یہ باتیں کہی ہی نہیں ۔ نہ یہ کہ کہی ہیں اور ان سے توبہ کرتا ہوں)۔مولوی عبدالمجید نے کہا کہ یہ تو مرزا صاحب پہلے بھی لکھ چکے ہیں،لکھنا تو یہ چاہیے تھا کہ جو عقائد خلاف اہل اسلام میں نے فتح اسلام ،توضیح مرام ، ازالہ اوہام میں لکھے ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں ۔خواجہ یوسف نے کہا کہ مرزا صاحب نے کوئی امر خلاف اہل اسلام نہیں لکھا مگر سمجھنے کا فرق ہے۔مولوی عبدالمجید نے کہا، اچھا مرزا مرزا صاحب اس میں گفتگو کرلیں کہ ان کے عقاید خلاف قرآن و حدیث ہیں یا نہیں؟ ہم ابھی ان کی کتابیں پیش کرتے ہیں ۔قادیانی نے کہا کہ ہم گفتگو نہیں کرتے ۔

اراکین جلسہ نے مرزا قادیانی سے کہا کہ یہ جلسہ اس لئے ہوا ہے کہ آپ اپنے عقائد کا ثبوت بیان کریں، اور مولانا سید محمد نذیر حسین تسلیم کریں یا بحلف ان کا خلاف قرآن و حدیث ہونا بیان کریں تو آپ توبہ کریں ۔ مرزا قادیانی نے کہا ہم صرف حیات و ممات مسیح میں تحریری ثبوت چاہتے ہیں اور کوئی گفتگو نہیں کرتے ۔ اراکین جلسہ نے کہا کہ یہ مجمع تحریروں کے لئے منعقد نہیں ہوا، یہ کام تو گھر بیٹھے بھی ہو رہے ہیں ۔ جب آپ ثبوت دعویٰ نہیں بیان کرتے ،تو خلقت کو رخصت کر دینا چاہیے۔آخر میں نواب سعید الدین احمد نے اراکین جلسہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اچھا کچھ نہیں تو مرزا صاحب صرف ممات مسیح میں اپنے دلائل بیان کریں۔مرزا صاحب نے کہا ہم تو صرف سید نذیر حسین سے تحریری ثبوت چاہتے ہیں ۔ اراکین جلسہ نے کہا اگر آپ گفتگو اور فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو مولانا صاحب اور ان کے تلامذہ تیار ہیں، خلاف مقصود تحریروں کے لئے یہ جلسہ نہیں ہے ۔خواجہ یوسف نے پبلک کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں مرزا صاحب

کی ایک تحریر سناتا ہوں ۔مولوی عبدالمجید نے کہا کہ آپ اس بات کے مجاز نہیں ۔خواجہ صاحب نے کھڑے ہوکر کہا کہ آپ نہ بولیں ، میں سناؤں گا۔مولوی عبدالمجید نے کہا آپ سنائیں، ہم ہر جملہ کا رد کریں گے۔صاحب بہادر نے خواجہ یوسف کو روک دیا اور کہا کہ آپ ایسا نہیں کرسکتے ۔پھر مولوی عبدالمجید سے کہا کہ آپ لوگوں کو پکار کر کہہ دیں کہ رخصت، سب لوگ جاؤ، مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے ۔مولوی صاحب نے کہا صاحبو! جلسہ برخواست ۔مرزا صاحب اپنے دعووںکا ثبوت بیان نہیں کرتے ۔صاحب بہادر نے کہا کہ مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی کہہ دیجئے کہ جلسہ برخواست ۔اس پر مولوی صاحب اور انسپکٹر صاحب نے مولانا کے پاس آکر کہہ دیا کہ جلسہ برخواست ،مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے ۔اس کے بعد صاحب بہادر وانسپکٹر صاحب نے مرزا صاحب سے کہا کہ تشریف لے چلئے ۔اب بیٹھنا بے کار ہے۔مرزا صاحب اس کو بسا غنیمت سمجھے اور مع حوارئین کے جلدی سے کھڑے ہوگئے۔صاحب بہادر نے پولیس مینوں کی حفاظت میں ان کی گاڑی تک پہنچا دیا۔...

جناب بٹالوی بتاتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے دوران قیام جامع مسجد دہلی جب یہ بات ہوئی کہ اگر آپ گفتگو اور فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو سید نذیر حسین اوران کے تلامذہ تیار ہیں،اس وقت مولوی عبدالمجید تو وہاں موجود ہی تھے اور نواب سید سلطان مرزا، جناب میاں صاحب کے پاس آئے اور خواستگار ہوئے کہ آپ اپنے شاگرد کو مباحثہ کے لئے میرے ساتھ بھیج دیں اور پھر حسب الحکم شیخ الکل خاکسار کا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر قادیانی کی مجلس میں پہونچے اور بآواز بلند فرمانے لگے کہ مرزا صاحب آپ کو مناظرہ کا دعوی ہے، تو لیجئے یہ مولوی صاحب حاضر ہیں ان سے مباحثہ کرلیں۔مرزا قادیانی خاکسار کی صورت دیکھتے ہی سرد ہوگئے اور زرد پڑ گئے اور مباحثہ سے انکار کرگئے۔

اس ہزیمت کے بعد مرزا قادیانی نے مولوی محمد بشیر بھوپالی سے، جوحسب استدعا قادیانی بھوپال سے مباحثہ کیلئے آئے تھے، گفتگو ٹھہرائی، تو آپ نے اپنے خط ۲۲۔ اکتوبر میں ان سے یہ شرط کرلی کہ اس جلسہ میں ابوسعید محمد حسین اور مولوی عبدالمجید شامل نہ ہوں ۔پھر چندروز ان سے گفتگو کرکے اس کو ناتمام چھوڑا (اس بحث سے پہلے یہ شرط ٹھہر چکی تھی کہ جوشخص طرفین سے ترک بحث کریگا اس کا گریز سمجھا جاوے گا،آپ نے بحث کو ناتمام چھوڑا تو باعتراف خود گریز کیا) اور رات کے تین بجے پنجاب کا قصد کیا (جناب محمد بشیر بھوپالی سے مرزا غلام احمد قادیانی کے مباحثے کی روداد تحریک ختم نبوت جلد ۶ میں

صفحہ۸۸ تا ۷۱نقل کی گئی ہے ۔ بہاء) کے ۔ اثنا ئے راہ میں پٹیالہ جانے کا آپ کو اتفاق ہوا تو وہاں مولوی محمد اسحاق پروفیسر عربی مہندر کالج نے آپ کو جا پکڑا اور خوب رگیدا ۔ پھر لودھانہ میں آپ کا ورود ہوا تو وہاں میر عباس علی نے (جو آپ کے سب سے پہلے حواری تھے) آپ کو سخت ملزم کیا اور مختصر گفتگو کر کے لاجواب کر دیا جس کی مفصل کیفیت مطبع دبدبہ اقبال ربی لدھیانہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے ۔ یہ متعدد شکستیں پا کر آپ افسردہ اور پژمردہ ہو کر قادیان پہنچے تو چاروں طرف سے نعرہ لعنت و ملامت آپ پر بلند ہونے لگا اور آپ کی ہزیمت و شکست کا شہرہ عام ہو گیا اور اس سے آپ پر ہموم و افکار کا غلبہ ہوا تو اس غم کو غلط کرنے اور اس شہرت و بدنامی کو حواریوں کی نظر میں کم کرنے کی غرض سے آپ نے آسمانی فیصلہ لکھ مارا جس میں کوئی نئی بات نہیں ہے، صرف وہی پرانی باتیں ہیں جو شروع زمانہ دعوی الہام سے آپ کہتے چلے آئے ہیں ۔فرق یہ ہے کہ ان کا پیرایہ بدلا گیا ہے ..

اس مقام میں دو باتیں اس کے متعلق کہنی ضروری ہیں ۔ اول یہ کہ اس فیصلہ میں پچھلے مباحثات میں قادیانی نے اپنی فتح مندی ظاہر کر کے آئندہ مباحثہ کرنے کا بھی دعوی کیا تھا ۔ فیصلہ آسمانی میں تو صرف شیخ الکل کا نام درج کیا مگر زبانی جلسہ فیصلہ (جس میں پڑھ کر سنایا) اور اس سے آگے پیچھے خاکسار کا نام بھی لیا اور اپنا مباحث بنانا چاہا ۔ اس بات کو سکنائے بٹالہ اور سیکھوان نے بیان کیا ہے جس پر لاہور و امرتسر وغیرہ شہروں میں یہ چرچا پھیل گیا کہ قادیانی اب لاہور آئینگے اور مباحثہ کرینگے ۔ یہ چرچا سن کر یہ خاکسار اپنے وطن بٹالہ سے لاہور آ پہنچا اور مباحثہ کیلئے مستعد ہو بیٹھا ۔ خدا خدا کر کے قادیانی صاحب اوائل فروری ۱۸۹۲ء میں لاہور تشریف لائے اور منشی میراں بخش میونسپل کمشنر کی کوٹھی میں فروکش ہوئے ۔ ان کے آنے سے دوسرے ہی دن خاکسار کا پیام مباحثہ پہنچا، تو آپ نے اور آپ کے حواریوں نے انکار کیا ۔ مگر آپ کی اس بہادری کو دیکھو کہ اس انکار پر بھی آپ نے دوسری مجلسوں میں دعوی مباحثہ نہ چھوڑا ۔ تب ایک نوٹس مباحثہ خاکسار اور تین دیگر علماء شہر لاہور کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا ۔ وہ نوٹس آپ نے نہ لیا، تو چھپوا کر آپ کے دروازہ پر چسپاں کیا گیا ۔ پھر تو آپ نے قیام لاہور کو موجب ہلاکت سمجھا اور مالک مکان سے کرایہ (جو پیشگی دے چکے تھے) واپس لے کر اسی نوٹس کے روز، رات کے نو بجے سیالکوٹ کا راستہ لیا ۔ وہاں جا کر بھی پرائیویٹ جلسوں میں مباحثہ کا دعوی نہ چھوڑا تو وہاں نوٹس نمبر۲ ان کے نام ۱۷ ۔ فروری کو بھیج کر ۲۲ تاریخ تک جواب کا انتظار کیا ۔ جواب نہ آیا تو خاکسار حسب درخواست رؤساء و سکنائے سیالکوٹ، وہاں پہنچا ۔ نوٹس پہنچنے کے دن سے آپ کو یہ الہام ہو چکا تھا کہ اب سیالکوٹ

سے کوچ کرنا مناسب ہے۔ خاکسار کے پہونچنے پر تو وہ الہام قطعی واجب العمل ہو گیا اور آپ نے رات کی ٹرین میں وہاں سے کوچ کیا۔ روانگی سے پیشتر معزز اشخاص کا ڈیپوٹیشن جن میں غلام حیدر سررشتہ دار ضلع وغیرہ شامل تھے ان کے پاس پہنچا اور مباحثہ کے لئے بہت کہا مگر انہوں نے اس عذر سے انکار کیا کہ ابوسعید محمد حسین میری تکفیر کا فتوی دے چکے ہیں اور مجھے گالیاں دیتے ہیں میں ان سے بحث نہیں کرتا۔ وفد نے کہا کہ وہ فتوی ہنوز عام میں مشتہر نہیں ہوا اور جن گالیوں کا آپ اندیشہ کرتے ہیں ان کا مجلس مناظرہ میں صدور ہوا تو اس پر فی گالی سو روپیہ جرمانہ دینے کو وہ حاضر ہیں۔ مگر پھر بھی انہوں نے مباحثہ منظور نہ کیا۔ ملک قطب الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سیالکوٹ نے لوکل حکام سے اجازت لے کر مباحثہ کی یہ تجویز نکالی تھی کہ فریقین جدا جدا بیٹھیں اور اپنا سوال و جواب بذریعہ تحریر پیش کریں، جس کا مناسب ہونا ایک وکیلوں کی جماعت دیکھے، اور درصورت غیر مطابقت راقم کو واپس کر دے اور اس کو الزام یافتہ قرار دے۔ اور اس تجویز سے خاکسار کے سیالکوٹ پہونچنے سے پہلے قادیانی نے بھی رضامندی ظاہر کی تھی، مگر اس عاجز کے پہنچنے کے بعد انہوں نے رضامندی سے انکار کیا اور بوریا بندھنا اٹھایا اور کوچ بولا۔ ایک سبب جلد کوچ کرنے کا مرزا صاحب نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہمارے دیر کرنے سے ہماری زمین خراب ہو رہی ہے، مگر جب آپ نے کوچ کیا تو کپورتھلہ کا راستہ لیا جہاں ان کی کوئی زمین نہیں ہے۔ وہاں بھی خاکسار کا ایک اشتہار موسوم بددعا نامہ، جس میں کپورتھلہ پہنچ کر آپ سے مباحثہ کرنے کا دعوی کیا گیا ہے، آپ کے پاس بھیجا گیا۔ وہاں ادھر سے یہ اشتہار پہنچ گیا اور ادھر علمائے کپورتھلہ اور اسکے قرب و جوار مولوی نظام الدین ومولوی عبدالقادر وغیرہ نے آپ کو جا پکڑا (جس کی کیفیت اشتہار کپورتھلہ میں شائع ہوئی ہے) تو آپ نے معمولی راستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ جالندھر کا قصد کیا۔ جالندھر کے بعض احباب نے قادیانی کے مقابلہ کیلئے خاکسار کو بلایا تو یہ عاجز بشرط منظوری مباحثہ از جانب قادیانی جالندھر جانے کو تیار ہوا۔ مگر جالندھر سے ایک خط مرسلہ ماسٹر فتح دین خان و حاجی بدرالدین اس مضمون کا پہنچا کہ وہ آپ سے گفتگو کرنے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اب یہ امر پنجاب کے مشہور شہروں میں زبان زد عامہ خلائق ہے کہ مرزا قادیانی کو ابوسعید محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف اور قطعی انکار ہے۔ اس سے ناظرین اہل انصاف یقین کر سکتے ہیں کہ اس فیصلہ آسمانی اور اپنے بیان زبانی میں اس کا دعوی مباحثہ صرف ابلہ فریبی اور طفل تسلی ہے اور حقیقت میں اس کو مباحثہ منظور نہیں ہے۔

دوسرے، ایک بات لائق اطلاع عامہ ناظرین یہ ہے کہ مباحثہ میں اس نے پہلے دن

سے یہ شرط قائم کر رکھی ہے کہ مباحثہ تحریری ہو، نہ تقریری، اور تحریری بھی اس طرز سے کہ آپ جو جی میں آوے اور جس قدر جی چاہے اور جتنے وقت میں ہو، لکھتے جاویں کوئی اس سے مزاحمت نہ کرے۔ اور بوقت قرأت تحریر والا بھی اس پر کوئی ایک کلمہ تک منہ سے نہ نکالے اور اس مجلس میں کوئی منصف بھی نہ ہو جو اپنے منصب کے موافق اس تحریر پر کوئی اعتراض کر سکے۔ اور پرچے بھی محدود ہوں اور مباحثہ کا بند کرنا بھی آپ ہی کے اختیار میں ہو۔ اس شرط سے کس و ناکس (بشرطیکہ عقل انسانی رکھتا ہو) سمجھ سکتا ہے کہ اس شرط سے آپ کا مقصود صرف یہ ہے کہ آپ جو چاہیں کہتے جائیں اور فریق ثانی فضول گوئی سے تنگ آ کر مباحثہ ترک کرے اور اس مجلس میں آپ کا نام ہو جاوے کہ آپ نے اتنے اوراق لکھے اور فلاں عالم سے اتنے دن مباحثہ کرتے رہے اور اس سے آپ کی شہرت ہو۔ یہ مقصود ان کا ہرگز نہیں کہ کسی مسئلہ میں حق ظاہر ہو یا علمی تحقیقات سے لوگوں کو نفع پہنچے۔

ایک شرط آپ نے مباحثہ لدھیانہ میں زک اٹھا کر یہ قائم کر رکھی ہے کہ مبحث مقصود سے پہلے تمہیدی امور اصول موضوعہ پیش نہ ہوں، جس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ آپ کی فضول گوئی و آزادی کو کوئی مانع نہ ہو۔ جس حدیث یا اجماع یا دلیل عقلی یا قاعدہ اصول یا صرف یا نحو یا معانی و بیان کو آپ چاہیں دلیل مانیں جس کو نہ چاہیں اس کو دلیل سے خارج کریں۔ اور جس آیت اور حدیث کے جو معنی چاہیں اختیار کریں، جس معنی کو چاہیں رد کریں۔ ماضی سے مضارع مراد لیں اور مضارع سے ماضی۔ حقیقت کو مجاز ٹھہراویں اور مجاز کو حقیقت۔ وعلی ہذا القیاس

بناء علیہ طالب حق کو بغرض و امید احقاق حق آپ سے مناظرہ کرنا عبث اور محض فضول ہے۔ کوئی ان سے مباحثہ کرنا چاہے تو اس کو یہ امید قطع کر کے صرف اس غرض سے مباحثہ کرنا چاہیے کہ وہ اس کو ملزم کرے اور اس کے علم و دیانت و حق طلبی کی قلعی کھولے۔ اسی غرض سے یہ عاجز مدت سے اس کے تعاقب میں ہے اور اپنے دوسرے اسلامی بھائیوں کو بنظر خیر خواہی یہ کہنا مناسب سمجھتا ہے کہ اس خدمت کو اسی عاجز کے سپرد کر دیں اور خود اس سے سبک دوش ہو رہیں۔ خاکسار اس کے الزام اور افحام کے طریق و انداز سے بخوبی واقف ہو چکا ہے اس لئے وہ اپنے سب بھائیوں کی طرف سے کافی ہے۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۴۔ ص ۲ تا ۱۲)

مقدمات

☆ **فیصلہ سب ڈپٹی مجسٹریٹ گریڈیہہ** (متعلق لفظ وہابی)

بعدالت سب ڈپٹی مجسٹریٹ Gireedeeh (Jharkhand)

زین العابدین ۔فریق اول : شیخ شفاعت علی، شیخ امیرالدین ۔فریق ثانی

دفعات ۲۹۸، ۵۰۴ قانون تعزیرات ہند

وہ واقعات جن کی بنا پر یہ مقدمہ پیدا ہوا، حسب ذیل ہیں:

گذشتہ سال کے اگست مہینہ میں اس شہر کے مسلمانوں کے دوفرقوں، حنفی اوراہلحدیث، کے درمیان کچھ جھگڑا پڑ گیا۔جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل حدیث نے زین العابدین کی رہنمائی میں اس مٹھائی کوجس کو ناظر کلال نے ان کی مسجد میں بھیجا تھا، کھانے سے انکار کر دیا۔ یہاں دومسجدیں ہیں، ایک نئ دوسری پرانی ۔ پرانی میں صرف حنفی نماز پڑھتے ہیں اورنئ میں زیادہ تر اہل حدیث اور چند حنفی بھی ۔معلوم ہوتا ہے کہ ناظر کلال برابر دونوں مسجدوں میں مٹھائیاں بھیجا کرتا تھا تاکہ بعد نماز جمعہ وہ نمازیوں کے درمیان تقسیم کردی جائیں۔اہل حدیث اصولاً ان کو چھونا پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ ان روپئوں سے خریدی جاتی ہیں جن کی تحصیل کا ذریعہ ان کے نزدیک ناجائز ہے (ناظر شراب بیچتا ہےاورسود بھی کھاتا ہے)۔اس مرتبہ بھی جیسا کہ ہوا کرتا ہے مٹھائیاں آئی تھیں لیکن زین العابدین اور چندلوگوں نے اس کے کھانے سے انکار کردیا۔معلوم ہوتا ہے کہ اس حرکت سے شفاعت کو رنج ہوا جوخودکومولوی کہتا ہے اور دوسرے فرقہ کا سرداراور ناظر کا پرجوش حامی ہے۔

شیخ شفاعت کا بیان ہے کہ زین العابدین نے کہا کہ مٹھائیاں نہیں کھانی چاہییں کیونکہ ان کوایک غیر پارسا شخص نے بھیجا ہے۔اس کلام پر جب اس (شفاعت) نے زین العابدین کوٹوکا تو وہ جواب میں کہنے لگا کہ اس فرقہ کے اسی سرداراوران کی مخالفتوں کواس زبردست بھڑکانے والے نے مجھ کو مارا تھا، اس لئے ہم کوبھی اسے مارنا چاہیے۔لیکن وہ (شفاعت) بھاگ گیا۔

زین العابدین کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے دستور کے مطابق مٹھائی کھانے سے انکار کردیا تھا۔ اور بعد نماز بابومیاں روٹی والا نامی شخص کی چائے کی دکان پر جمع تھے کہ اتنے میں شفاعت اورامیرالدین بہت سے لوگوں کے ہمراہ وہاں آئے اورشفاعت نے پوچھا کہ ان میں سے

کس کس نے مٹھائی کھانے سے انکار کیا تھا۔ زین العابدین نے جواب دیا کہ میں ان کے چھونے سے انکار کر دیا تھا اور اس کو اپنی زبان روکنے کے لئے کہا۔ اس پر شفاعت نے اس کو دھمکایا کہ جہاں وہ (زین العابدین) دکان سے باہر نکلا میں اسکی گردن ماروں گا۔ وہاں ایک تہلکہ پڑ گیا اور جو ان میں سے زیادہ صلح پسند تھے انہوں نے بیچ میں پڑ کر دونوں کو علیحدہ کر دیا۔ بعد میں شفاعت اور زین العابدین دونوں تھانہ پہنچے اور وہاں دونوں کا بیان لکھ لیا گیا، لیکن پولیس نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ شفاعت نے آ کر پھر مجسٹریٹ کے پاس نالش دائر کر دی۔ اس کے مقدمہ کی شنوائی ہوئی اور زین العابدین اور اس کے ہمراہی عمداً حملہ کرنے کے جرم پر گرفتار کئے گئے۔ اپنے اظہار کے میں شفاعت اور امیر الدین نے مندرجہ ذیل بیانات دیئے:

ا۔ گریڈیہہ میں ایک دوسری مسجد بھی ہے یعنی نئی مسجد جہاں دونوں فرقے (حنفی اور وہابی یا اہلحدیث) نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں۔

ب۔ عدالت کے اس سوال پر کہ : میری مسجد سے تمہاری کیا مراد ہے؟ (اس نے کہا کہ)

ا۔ ہم لوگوں کے درمیان دو فرقے ہیں: حنفی اور وہابی۔ میں اول الذکر فرقہ کا ہوں اور مجرم مؤخر الذکر کا۔ نئی مسجد میں حنفی اور وہابی دونوں نماز پڑھنے کو جاتے ہیں۔ پرانی مسجد میں فقط حنفی کو نماز پڑھنے کی اجازت ہے (یہ امیر الدین کا بیان ہے)

یہ دونوں بیانات موجودہ مقدمہ کے، جو ملزمین شفاعت اور امیر الدین کے خلاف ہے، الزام کی بنا ہے۔ مدعی کا دعوی ہے کہ باوجود اس علم کے جو ان کو تھا کہ وہابی کی اصطلاح اہلحدیث کے درمیان حقارت اور ملامت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور یہ اصطلاح ان پر صادق نہیں آتی، انہوں نے (ملزمین نے) عمداً انکے (اہلحدیث کے) مذہبی احساسات کو صدمہ پہونچانے کی غرض سے اس اصطلاح کو ان (اہلحدیث) سے منسوب کیا۔ لہذا مقدمہ صرف دو سوالوں تک محدود ہو جاتا ہے:

ا۔ کیا اہلحدیث کا فرقہ وہابی کی اصطلاح کو حقارت اور ملامت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۲۔ آیا ملزمین نے اس کو عمداً اس غرض سے استعمال کیا کہ فریادی کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچے؟

ا۔ حنفی اور اہلحدیث فرقوں میں بلحاظ کتب و رسوم کیا فرق ہیں، میں اس پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ جہاں تک کہ بیانات کا تعلق ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہلحدیث چاروں اماموں کی تعلیموں اور تفسیروں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن بعض تفصیلی امور میں چاروں سے مختلف الرائے ہیں۔ عبادت کے سادہ تر طریقوں پر ان کا اعتقاد ہے۔۔

عبدالوہاب نجدی جن کے ساتھ یہ فرقہ منسوب ہے ان کی تعلیم ایسی تھی جو زندگی کو سادگی و پرہیزگاری کے ساتھ گذارنے کی ترغیب دیتی تھی۔ علی الخصوص یہ اپنے ہم عصر ہم وطنوں کے ڈھیلے اور تعیش پسند اطوار کے خلاف ایک صدائے احتجاج تھی۔ اوائل میں ان کی یہ تحریک خالصتاً مذہبی رنگ کی تھی اور انگلستان کی پیوریٹن Puritan تحریک سے مشابہت رکھتی تھی۔ بعد میں اس کے تابعین ان کی تحریک کو اپنے اپنے حسیات کے مطابق تاویلیں کرنے لگے۔ اور ان کے ہاتھوں یہ مذہبی تحریک سیاست کے میدان میں بھی داخل ہوگئی۔ سالہائے مابعد میں انہوں نے سوائے خدا اور رسول کے کسی دوسرے کی حکومت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے بدلے ان پر مظالم بھی توڑے گئے اور شاہ کش و تباہ کن کی حیثیت سے ان کا پیچھا کیا گیا اور رفتہ رفتہ یہ جماعت نیست و نابود ہوگئی۔

ممکن ہے کہ عبدالوہاب کی تعلیم کے بعض اصولوں کو اہل حدیث کے فرقہ نے اختیار کر کے اپنے میں ضم کر لیا ہو لیکن جب وہابی کی اصطلاح بدنام ہوگئی تو انہوں نے من حیث المجموعی اپنے سارے تعلقات اس سے منقطع کر ڈالے۔ یہ واقعہ کب پیش آیا؟ آیا آغاز میں یہ دونوں ایک ہی تھے؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے۔ لیکن واقعہ کی موجودہ صورت کے لحاظ سے اہل حدیث کسی حال میں بھی وہابی فرقہ کے ساتھ منسوب نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ صرف ان کے دشمن ہی اس لفظ کو ان سے منسوب کر کے ان کا اذیت پہونچانا بہتر سمجھتے ہیں۔

کم از کم ہندوستان میں ۱۸۷۰ء کے مشہور و معروف وہابی مقدمہ کے بعد کوئی مسلمان وہابی کہلانا نہیں چاہتا ہے (بعض معلومات کیلئے میں نے انسائکلو پیڈیا برٹانیکا دیکھی ہے) اور یہ امر کہ عام طور پر مسلمانوں کی جماعت جانتی ہے کہ اہل حدیث کا فرقہ اپنے کو وہابی کہے جانے کے خلاف اور اس پر معترض ہے، مدعا علیہ کے گواہوں کے اظہار سے واضح ہے۔ علاوہ ازیں اس سوال پر بحث کی جا سکتی ہے کہ کم از کم جاہل اور ان پڑھ لوگ، جیسے کہ مدعی اور اس کے گواہ ہیں، جو لفظ وہابی کے مفہوم سے بھی ناواقف ہیں، اس پر معترض نہیں ہو سکتے ہیں۔ ایسے امور میں لوگوں کے بلاواسطہ علم کا سوال نہیں پیش ہوتا ہے بلکہ عام لوگوں میں ان امور کا لحاظ رکھا جاتا ہے جن کو اچھا یا برا سمجھنے کی انہیں تعلیم دی گئی ہے۔ ہر شخص کو لازم ہے کہ دوسرے کے تعصّبات و اعتقادات کی عزت کرے۔ گو وہ کتنا ہی غیر معقول کیوں نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ علی الخصوص شفاعت اور اس کا ساتھی امیر الدین اس کا علم رکھتے تھے کہ اہلحدیث کا فرقہ اجتماعی حیثیت سے وہابی کہے جانے پر معترض ہے۔ شہر میں اس کے حامیوں

کی ایک بڑی جماعت ہے اور اہل حدیث تھوڑے ہیں ۔ یہ پہلا اتفاق نہیں ہے کہ جس میں اس نے خود کو اپنی جماعت کا زبردست حامی جتلایا ہے ۔ ایک برس بھی نہیں گزرا ہے کہ ایک ایسا ہی مقدمہ پیش آیا تھا جس میں زین العابدین کا باپ فریادی تھا ۔ اس مقدمہ کا آپس میں سمجھوتہ ہو گیا ۔

پھر نماز جمعہ کے بعد جو جھگڑا پیش آیا، اس میں اس کے اصلی الفاظ خواہ کچھ بھی ہوں لیکن جہاں تک کہ اس اظہار کا، جو میرے سامنے ہے، تعلق ہے، اس سے صاف واضح اور ظاہر ہے کہ زین العابدین اور اس کی جماعت کا ناظر کلال کی مٹھائی کھانے سے انکار کرنا، فریق دوم کی بہ نسبت شفاعت کے لئے زیادہ رنج دہ تھا ۔

میرے سامنے جو ان کا اظہار لیا گیا ہے اس میں شفاعت اور امیر الدین دونوں کا بیان ہے کہ چونکہ مجسٹریٹ نے ان سے دریافت کیا تھا کہ اہل حدیث کون ہیں، اس لئے ہم نے یہ کہا تھا کہ ان کو وہابی بھی کہتے ہیں ۔ بظاہر یہ توجیہ قابل قبول نہیں معلوم ہوتی ہے ۔ دونوں نے بذات خود اس لفظ کا استعمال کیا، شفاعت نے اگزامنشن ان چیف examin in chief میں اور امیر الدین نے عدالت کے کئی ایک سوال کے جواب میں، جو ان الفاظ میں نہیں ادا ہو سکتا تھا ۔ اسکے متعلق ایک اور سوال بھی ہے ۔ اگر وہابی اہل حدیث کا عرفی نام ہوتا تو اظہار لینے کا طریقہ اہل حدیث یا وہابی ہوتا، نہ کہ وہابی یا اہل حدیث ۔

یہ چند باتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت ملزموں نے اس لفظ کا استعمال کیا اس وقت ان کی دماغی حالت کیا تھی ۔ بہر حال ارادہ خواہ اچھا ہو یا برا، ایک استدلالی امر ہے ۔ اور وہ باتیں جن کا میں نے شمار کیا ہے اس امر پر استدلال کرتی ہیں کہ ان لوگوں نے اس لفظ کا استعمال نیک ارادہ سے نہیں کیا ۔

علاوہ ازیں ملزموں نے کبھی اس سے احتراز کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ انہوں نے اس کا استعمال کسی زور یا دباؤ سے نہیں کیا، گو وہ اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں ۔ اور نہ کبھی اس طرز عمل کی انہوں نے معافی چاہی ۔ ان کی عذر داری برابر کسی ایسی شہادت کی محتاج رہی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ وہابی کی اصطلاح بہت معنوں میں ہے ۔

یہ بحث کی گئی ہے کہ چونکہ زین العابدین عدالت میں پہلے نہیں آیا کرتا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے جذبات مجروح نہیں ہوئے اور بالخصوص اس وجہ سے کہ جس وقت اس اصطلاح کا استعمال کیا گیا اس نے اعتراض کا ایک جملہ بھی زبان سے نہ نکالا ۔ وقتی اعراض سے یہ استدلال

نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے طرز عمل سے اس وقت متاثر نہ ہوا ہو۔ اس تعویق کی وہ تسلی تشفی بخش توجیہہ کرتا ہے کہ وہ دوسرے مقدمہ میں مصروف تھا اور اس کے بعد پوجا کی چھٹی بیچ میں حائل آگئی۔ اس نے عرضی دعوی عدالت کے کھلتے ہی دائر کیا۔

اس موقع پر اس طرز عمل کا نتیجہ زیادہ اہم نہیں ہوا صرف اس وجہ سے کہ فریادی کی جماعت بلحاظ تعداد زیادہ تھی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے احساسات کو گزند ضرور پہنچا۔ ان وجوہ کی بنا پر میں شیخ شفاعت اور امیر الدین کو حسب دفعہ ۲۹۸ قانون تعزیرات ہند ملزم ٹھہراتا ہوں اور دونوں میں سے ہر ایک کو پچاس روپیہ جرمانہ اور دو ہفتہ قید سخت کی سزا دیتا ہوں۔ اگر جرمانہ وصول نہ ہو تو دو ہفتہ قید سخت کی سزا مزید کر دی جائے

دستخط۔ ایف۔ ہیلو۔ سب ڈپٹی مجسٹریٹ۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۳ء

(مسلم پریس نمبر ۲۳ ذکر سٹریٹ کلکتہ۔ کاپی از لائبریری اہل حدیث کا سگنج۔ عنایت کردہ ڈاکٹر لائق علی خان بوساطت ڈاکٹر عبدالوہاب کا سگنج)

☆ **فیصلہ مجسٹریٹ ھوڑہ، درباره لفظ وہابی وغیرہ**

مستغیث عبدالکریم بنام شیخ لطیف۔ حسب دفعہ ۵۰۴ مجموعہ تعزیرات ہند

حالات مقدمہ ہذا مستغیث کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہیں:

عبداللطیف کی بہن کے نکاح کی بابت کچھ گفتگو شیخ اسلام کے بیٹے سے ہوئی تھی، مگر عبداللطیف نے اپنی بہن کا نکاح شیخ اسلام کے بیٹے کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا، اور بات ٹوٹ گئی اس پر ایک پنچایت کی مجلس ۲۱ مارچ ۱۹۱۷ء کو اسلام اور عبداللطیف کے جھگڑے کو طے کرنے کی غرض سے منعقد ہوئی۔ مستغیث منشی عبدالکریم، شیخ یوسف اور مظہر علی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ پنچایت کے ممبر تھے۔ پنچائت کا فیصلہ عبداللطیف ملزم کے خلاف صادر ہوا جس کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ شیخ اسلام کو اسّی (۸۰) روپئے بصورت ہرجہ وخرچ دے۔ اس پر عبداللطیف اور اسکے طرف دار شیخ میرا وغیرہ خفا ہوئے اور مستغیث کو اور پنچائت کے دوسرے ممبروں کو جو اس کے ساتھ پنچایت میں شریک تھے بے ذات، بے دین، لا مذہب، کافر، وہابی کہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ الفاظ گالیاں سخت توہینی کلمے ہیں اور توہین کی غرض سے ارادةً استعمال کئے گئے ہیں اور اس کے ذریعہ مستغیث کا

اشتعال طبع کیا، حالانکہ وہ جانتے اور سمجھتے تھے کہ ایسے اشتعال طبع سے وہ نقض امن عامہ کا باعث ہوگا۔ مستغیث کا بیان ہے کہ اس موقع پر اس کو اپنے جذبات کے روکنے میں سخت مشکل پیش آئی۔

یہ مقدمہ محمڈن میرج رجسٹرار (گواہ مستغیث نمبر ۳) کے سپرد کیا گیا کہ بعد تحقیقات رپورٹ پیش کریں اور ان کی رپورٹ پر عبداللطیف ملزم کے نام حسب دفعہ ۵۰۴ مجموعہ تعزیرات ہند سمن جاری کیا گیا۔ اس مقدمے کی تھوڑی سی سماعت بابو پی مکرجی آنریری مجسٹریٹ کے اجلاس میں ہوئی تھی مگر ملزم کی درخواست تبدیلی پر دسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس مقدمے کو میری منتھی میں بتاریخ ۱۷ مئی ۱۹۱۷ء منتقل کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ نے اچھی خاصی مقامی کھلبلی پیدا کر دی ہے۔ ایک وقت مصالحت کی گفتگو بھی آئی تھی اور یہ کہا جاتا ہے کہ آنرایبل مسٹر اے رسول (جواب فوت ہو چکے ہیں)، از راہ مہربانی ثالثی کرنے پر راضی ہوئے تھے، مگر کچھ ہوا، ہوا یا نہیں۔ بہت سی گواہیاں طرفین کے گواہوں کی گذریں اور چند گواہ وارنٹ کے ذریعہ حاضر کیئے گئے۔ ان کاروائیوں نے خواہ مخواہ اس مقدمے کی سماعت اس عدالت میں دراز کر دی۔

اب میں مستغاث علیہ کے بیانات کی طرف جو اس مقدمے کی نسبت میرے رو برو ہوئے ہیں، ملتفت ہوتا ہوں۔ پنچایت تک کے واقعات کو فریقین تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی اسلام کے لڑکے اور لطیف کی بہن کے مابین نکاح کی گفتگو تھی اور لطیف نے نسبت توڑ دی، جس سبب سے ایک پنچایت منعقد ہوئی۔ ان واقعات کو طرفین تسلیم کرتے ہیں۔

مستغاث علیہ کا یہ بیان ہے کہ پنچایت کے رو برو اس نے یہ کہا تھا کہ چونکہ شیخ اسلام دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہے لہذا وہ اپنی بہن کا نکاح شیخ اسلام کے بیٹے سے نہیں کرے گا۔ اس بات نے مستغیث عبدالکریم کو برہم کر دیا، جس نے شیخ اسلام کی طرفداری کی اور یہ جھوٹا مقدمہ اسی شکست امید اور غصہ کا نتیجہ ہے۔

درج ذیل باتوں سے ملزم انکار کرتا ہے:۔

۱۔ مستغیث پنچایت کے سرداروں میں سے ہے۔

۲۔ کہ وہاں کوئی ہتک آمیز کلمہ مستغیث کی شان میں استعمال کیا گیا۔

یہ قابل لحاظ ہے کہ ملزم مستغیث کی پنچایت میں موجودگی کو تسلیم کرتا ہے بہت سے گواہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ مستغیث اس پنچائت کا سردار (سرپنچ) تھا، اور یہ کہ ملزم نے

مستغیث کو وہابی، بے ذات، بے دین، کافر کہا۔

مستغیث کے گواہ نمبر ۱ نمبر ۲ نمبر ۵ نمبر ۶ بعض پنچایت میں حاضر تھے اور اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ مستغاث علیہ نے مستغیث کو اسی طرح گالیاں دیں جیسا کہ مستغیث نے بیان کیا ہے۔ بعد ازاں محمڈن میریج رجسٹرار نے (جو اس مقام پر تحقیقات کے لئے گئے تھے) یہ اظہار دیا کہ ملزم نے اس کا اقرار کیا ہے کہ ان لوگوں نے مستغیث کو کافر، بے دین، بے ذات، وہابی کہا ہے اور پھر ایسا کہیں گے۔ ان کی سچائی کی تصدیق نائب قاضی گواہ مستغیث نمبر ۷ اور مولوی رفیق احمد بی اے گواہ مستغیث نمبر ۱۰ نے (جو ان کے ہمراہ اس مقام پر تحقیقات کے دن گئے ہوئے تھے)، کی ہے۔ میرے نزدیک ان معزز گواہوں کی تصدیق کو اعتبار نہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، اور میں اس اقرار کو اعتبار کرتا ہوں جو ان کے روبرو کیا گیا ہے۔

گواہان مستغیث نمبر ۱ نمبر ۲ نمبر ۳ نمبر ۵ نمبر ۶ کے خلاف عذر کیا جاتا ہے کہ یہ اسی انجمن سے تعلق رکھتے ہیں جن سے مستغیث تعلق رکھتا ہے مگر یہ عذر بھی واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ جرح میں زیادہ تر اس امر کے ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل توہینی الفاظ نہیں، نہ اس کی کہ مستغیث کا بیان ان الفاظ کے استعمال کئے جانے کی نسبت غیر معتبر ہے۔

مستغاث علیہ کی طرف سے دو گواہ پیش ہوئے جن کی نسبت کہا جا رہا ہے کہ وہ پنچایت کی مجلس میں موجود تھے۔ ایک نور محمد گواہ مستغاث علیہ نمبر ۵، اور دوسرا امیر میاں گواہ مستغاث علیہ نمبر ۶۔ پہلا گواہ (نمبر ۵) یہ نہیں کہتا ہے کہ ملزم نے اس موقع پر کلمات توہین استعمال نہیں کئے۔ اس نے یہ اظہار دیا کہ لطیف نے اس موقع پر یہ کہا تھا کہ شیخ اسلام کی چال چلن اور رسومات ہمارے مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ گواہ مستغاث علیہ نمبر ۶، اس بیان میں گواہ مستغاث علیہ نمبر ۵ کی تصدیق کرتا ہے اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ملزم نے گالی نہیں، اور شیخ اسلام (جس کی تحریک سے پنچایت بٹھائی گئی تھی) اپنے دعوی سے دستبردار ہو گیا۔ میرے نزدیک مستغاث علیہ کے گواہ نمبر ۶ کے غیر مصدقہ بیان کے متعلق مسئلہ بدزبانی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اگر ہم واقعات و احتمالات متعلقہ مقدمہ ہذا پر غور کریں تو ہمیں اس کے بیانات پر اعتبار کرنا سخت مشکل نظر آتا ہے۔ ملزم نے خود اس کا اقرار کیا ہے کہ نسبت کو اس نے توڑ دیا اور شیخ اسلام نے رنجیدہ ہو کر پنچایت بٹھائی۔ اسکے طور اطوار پر ملزم نے مجمع میں نکتہ چینی کی اور علانیہ نسبت کے توڑ دینے کا سبب اسی کو ٹھہرایا گیا۔ ہم بآسانی سمجھتے کہ اس کی نسبت یہ کہہ کر توڑ دینا کہ وہ ایک غیر معروف فرقے سے تعلق رکھتا ہے ایک دغا بازی کی

چال تھی ۔ یہ ایک مسئلہ تھا مذہبی چھٹائی بڑائی کا ۔ اس سے شیخ اسلام کا غصہ ٹھنڈا ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی تھی ۔ یہ تو اس کی توہین پر مزید توہین تھی ۔ کیا یہ امر اس کو پنچایت کے روبرو اپنے دعوی سے دست بردار ہونے پر مائل کرسکتا تھا؟ یقیناً نہیں ۔ بر خلاف اسکے یہ تو اور بھی اس کے دل کو صلح یا دست برداری دعوی کی طرف سے سخت کر دے گا ۔ پھر علاوہ اسکے اگر دست برداری دعوی کی بات ہوتی تو کیا ملزم کے بیان تحریری میں اس کا ذکر ضرور نہ ہوتا ، اس کے متعلق بیان تحریر میں کچھ بھی ذکر نہیں ہے اور نہ اس کا ذکر ہے کہ پنچایت نے کیا فیصلہ کیا ۔ بلکہ ملزم نے اپنے بیان تحریر میں یہ بتایا ہے کہ پنچایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستغیث جو شیخ اسلام کا ایک طرف دار ہے خفا ہو گیا اور ایک جھوٹی نالش شیخ اسلام کے حصول مفاد کی امید سے رجوع کر دی ۔ کیا اس سے یہ مترشح نہیں ہوتا ہے کہ قصہ دست برداری دعوی کا سراسر جھوٹا ہے ۔ مستغیث اور اس کے گواہوں کا بیان زیادہ قرین قیاس اور ممکن الوقوع ہے ۔

پنچایت کی مجلس میں بہت لوگ شریک تھے ۔ گواہ مستغیث نمبر ۶ حاضرین کی تعداد ایک سو اور ایک سو اسّی کے درمیان بیان کرتا ہے ۔ اور گواہ مستغاث علیہ نمبر ۶ ، تعداد ۴۰ ، اور ۵۰ کے اندر بتاتا ہے جس سے اس سخت کھلبلی کا حال ظاہر ہوتا ہے جو مقامی لوگوں نے اس مقدمہ میں پیدا کی ہے ۔ میں اس سے یہ استنباط کرسکتا ہوں کہ سخت اشتعال طبع پیدا ہو گیا تھا کیونکہ ذات ، درجہ اور مذہب کی چھٹائی بڑائی کا مسئلہ چھڑ جانے پر یہ ایک امر طبعی ہے ۔ جب پنچایت کا فیصلہ عبداللطیف کے خلاف صادر ہوا تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے کہ اس نے اور اس کے طرف داروں نے ، جو سب چھوٹے درجے کے لوگ ہیں ، جن کو جذبات کے روک رکھنے کی مشق نہیں ، اپنے نفس پر قدرت نہ رکھ سکنے کے باعث کلمات بد پنچائت کی شان میں استعمال کئے ۔ پڑھے لکھے لوگوں نے بھی جذبات قومی وتعصب سے مغلوب ہو کر ایسی حرکتیں کی ہیں اور اس سے زیادہ برا بھلا کہا ہے ۔ اس مقدمے کے احتمالات اور حالات کو پیش نظر رکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ لطیف نے مستغیث کو وہابی ، بے ذات ، بے دین ، لا مذہب اور کافر کہا ۔

ذی علم وکیل نے اس پر بحث کی کہ وہ کلمات جن کے کہنے کا الزام ملزم پر لگایا جاتا ہے ، توہینی نہیں ہیں ۔ اس کے اچھے معنی بھی لئے جاسکتے ہیں ۔ لفظوں کے معنی اور خاص کر لفظ وہابی کی نسبت طرفین کی طرف سے مولویوں اور شمس العلماؤں کی بھی گواہیاں گذریں ۔

بے ذات کے معنی ہیں جس کی کوئی ذات نہیں ۔ بے دین کے معنی ہیں جس کا کوئی دین

نہیں ۔ لا مذہب جس کا کوئی مذہب نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج ہو ۔ کافر کے معنی بے ایمان ۔ یہ سارے کے سارے گالی کے الفاظ اور حد درجے توہینی کلمات ہیں ۔ اور اس کے معنی سب جانتے ہیں ۔ اردو انگریزی لغت کوئی بھی کیوں نہ ہو، ان الفاظ کے معانی مخصوصہ کو ظاہر کر دے گا ۔ لفظ وہابی پر عالمانہ بحثیں ہوئیں جس سے یہ دکھانا منظور تھا کہ اس سے ایک مصلحین کی جماعت مراد ہے جن کا مسلمانوں میں وہی درجہ ہے جو ڈیسنٹرز (مختلفین) کا عیسائیوں میں ۔ عبدالوہاب نجدی اس اصلاح کا امام (سرخیل) تھا ۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں ان کا دور دورہ تھا ۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں نے تعلیمات قرآن کو برباد کر دیا ہے اور حد درجے کی بدکاریوں میں پھنس کر تباہ ہو رہے ہیں ۔ ان برائیوں کی مخالفت میں (جن کے اس کے زمانے میں مسلمان علانیہ مرتکب تھے) اپنی آواز بلند کی اور عملی اصلاح اخلاق پر زور دیا ..اور ہر قسم کے رسوم و اعمال کو جن سے زمان وسط کے مسلمانوں نے اصل دین کو دبا رکھا تھا، ردّ کر دیا (مقتبس از ہنٹرز انڈین مسلمانز) ان کے عزم تبلیغ حق میں، چاہے کتنے ہی کثیر تعداد میں کفار مارے کیوں نہ جائیں اور چاہے اپنی جانوں کی بھی کتنی ہی گراں قربانیاں کیوں نہ کرنی ہو، پروا نہ کرنے نے، ان کے ماتھے پر خوفناک مذہبی جنون کا ٹیکا لگا دیا ۔ اس کے پیرو جو وہابی کے نام سے مشہور ہوئے جلد تربیت یافتہ فوجیں بن گئیں ۔ وہ دینی جوش، ناروا داری اور فوجی جرأت میں آلیور کرام ویل کے آئرن سائڈ سے مماثلت رکھتے ہیں ۔ اسلام کے ان پیوریٹنس نے ترکی گورنمنٹ سے (جو اس وقت مکہ پر قابض تھی) جنگ کی اور فتح پر فتح نصیب ہوئی ۔ اور وہ مکہ کے مقدس شہر پر قابض ہو گئے ۔ مسلمانوں کے بزرگوں کی قبروں کو لوٹا اور بے حرمتی کی اور بیت اللہ کو بھی نہ چھوڑا (مقتبس از ہنٹر کی انڈین مسلمانز ۔ صفحہ ۵۸) ان واقعات نے عالم اسلام کو اضطراب اور خوف سے مملو کر دیا ۔ وہابیوں کے ان اصول اور افعال کو خوش حال مسلمان نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جس نے قوی دشمن پیدا کر دیئے جو ان سے بے رحمانہ لڑائی لڑے ۔ محمد علی پاشا آخر کار اس اصلاح کو برباد کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔

ان مختصر حالات سے جو اوپر مذکور ہیں، ظاہر ہے کہ دین دار مسلمانوں اور وہابیوں کے درمیان نفاق و عداوت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا ۔ اول الذکر وہابیوں کو مرقد نبوی ﷺ کی بے حرمتی کرنے والا سمجھتے ہیں اور میرے خیال میں ایک دین دار مسلمان کو وہابی کہنا صریح توہین ہے ۔

مزید برآں ملزم نے وہابی کا لفظ دوسرے برے القابوں کے ساتھ استعمال کیا ہے، اس سے میرے دل میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ ملزم نے اس لفظ کو کس معنی میں استعمال کیا ہے ۔ میں

سمجھتا ہوں کہ یہ برے القاب نقض امن عام کے موجب ہیں اور یہ الفاظ ملزم نے ارادۃً فساد کرنے کی نیت سے استعمال کئے ہیں اور جو ضرور ہی واقع ہوتا مگر مستغیث کے قابل تعریف ضبط نفسی نے نہ ہونے دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرے نزدیک ملزم نے بالارادہ بے ذات، بیدین، کافر، لا مذہب، وہابی کے دشنامی القاب استعمال کر کے مستغیث کی توہین کی ۔ لہذا وہ دیدہ دانستہ ایسے اشتعال کا باعث ہوا جس سے مستغیث نقض امن کر گزرتا۔ انہی وجوہات سے میں ملزم کو حسب دفعہ ۵۰۴ مجموعہ تعزیرات ہند کا مجرم قرار دیتا ہوں اور پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا دیتا ہوں اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں تیس دن کی قید بامشقت کی سزا اس کو بھگتنی ہوگی اور چار روپئے بارہ آنے خرچ کی بابت ادا کرنا ہوگا۔ دستخط۔ جے سی، کنڈوا۔ آنریری مجسٹریٹ۔ ھوڑا۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء

☆ مقدمہ گیا۔ ۱۹۳۵ء

۱۹۳۵ء میں انجمن اہلحدیث گیا کی طرف سے درج ذیل روداد شائع ہوئی:

گیا صوبہ بہار میں مشہور مقام ہے.. ۹۔۱۰ سال سے یہاں اہلحدیث کا دینی مدرسہ بنام فیض العلوم جاری ہے جو حاجی محمد سعید ساکن کھریانوالہ ضلع گیا نے ایک مکان دیا اس میں چل رہا۔ مہتمم حکیم سید محمد ظہیر صاحب ہیں جو حافظ عبداللہ غازی پوری کے شاگرد ہیں ۔تقریباً ۲۲ سال یہاں ہیں طبابت کرتے ہیں ۔سبھی لوگ ان کے علم وفضل کے معترف ہیں علوم عربیہ کا درس بھی دیتے ہیں ۔ انجمن اہل حدیث کے ناظم مولوی محمد فرخ حسین ہیں ۔ یہاں ایک مولوی نور الھدی ہیں، پیری مریدی کرتے ہیں ۔ گیا میں آل انڈیا مومن کانفرنس ہوئی تو انہیں ناگوار گذری حالانکہ یہ بھی مومن برادری سے تعلق رکھتے ہیں ۔ شائد خیال تھا کہ کانفرنس کی وجہ سے ان کے مرید ہاتھ سے نکل جائیں گے ۔اس لئے اس نے خود ایک جلسہ کیا جس میں مولوی حشمت علی بریلوی کو بلا کر رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی، اسماعیل شہید وغیرہ بزرگوں کی خوب توہین تکفیر کی ۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام جو اہل حدیث سے پہلے بدظن تھے اعلانیہ سب وشتم سے پیش آنے لگے۔

ایک روز جناب مولوی فرخ حسین مغرب کی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھ رہے تھے کہ جیسے ہی دوسری رکعت میں آمین کہا، ایک شخص نے ،جو ان کی بغل میں کھڑا تھا، اپنی نماز توڑ کر مولوی صاحب کو حالت نماز میں دوطمانچے مارے اور نماز ہی کی حالت میں مغلظات وفحش کلامی کرتا رہا۔ یہ مسجد گھسیار ٹولہ گیا میں مولوی عبدالقادر مرحوم کی مسجد کے نام سے مشہور ہے اور حکیم سید ظہیر کے

مطلب اور اہل حدیث کے مدرسہ سے بالکل متصل ہے اور اہل حدیث اس میں تیس چالیس سال سے نماز پڑھتے آرہے ہیں۔

ادھر دیوبندیوں نے دیکھا کہ ان کے علماء کی توہین کی جارہی ہے تو مولوی نورالہدی کو مناظرہ کی دعوت دی۔ دعوت نامہ پر یہاں کے کبار دیوبندی علماء کی بجائے دو غریب غیر ذمہ دار افراد کے دستخط کرا دیئے۔ مولوی نورالہدی نے خود اس کا جواب نہ دیا بلکہ کسی اور سے لکھوا دیا جس کا خلاصہ یہ تھا:

فلاں وفلاں کوئی شخص قابل اعتبار نہیں بلکہ فلاں وفلاں علماء دیوبندی اپنے اپنے دستخط سے لکھیں تو البتہ لائق التفات ہوسکتا ہے۔

اس کے جواب میں اشتہار نکلا کہ:

آپ یعنی نورالہدی کا مناظرہ سے فرار ثابت ہوا اور فلاں اور فلاں وفلاں علماء یہ سب کے سب پکے حنفی صوفی منش سیدھے سادے لوگ ہیں ان میں سے تو بعض کے یہاں مولود بھی ہوا کرتا ہے۔ ایک حکیم صاحب کی وجہ سے سب کو وہابی کہا جائے، یہ کس شریعت کا دستور ہے۔

یعنی وہابی دراصل حکیم ظہیر صاحب ہیں و بسبب وہابیت کے جو کچھ لعن طعن وسبّ وشتم کیا جاسکتا ہے اس کے محل و مستحق صرف وہی ہیں اور انہی کی جماعت و ہم خیال ہیں، ہم تو پکے حنفی ہیں، ہم کو وہابی نہ کہنا چاہیے۔

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔ جنوری ۱۹۳۵ رمضان ۱۳۵۳ھ)

جون ۱۹۳۵ء میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی:

گیا میں جماعت اہل حدیث کے ایک معزز عالم محمد اسحاق مرحوم نے ایک مسجد بنوائی تھی اہل حدیث اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب محمد اسحاق کا انتقال ہوگیا تو احناف نے اہلحدیث کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور مسجد پر قبضہ کرلیا۔ اہلحدیث کچھ دنوں تتر بتر رہے پھر مولوی عبدالقادر مرحوم نے اپنی مسجد گھسیار ٹولہ میں اہل حدیث کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اہل حدیث تقریباً ۳۲ سال سے اسی مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ پڑھتے آرہے تھے کہ یکا یک مومن کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اتفاق سے اس کانفرنس کے اکثر نمائندے اہل حدیث ہیں۔ بس پھر کیا تھا؟ بریلوی احناف کے واعظوں اور پیروں نے اہل حدیث کے خلاف ادھم مچایا۔ مومن کانفرنس کو

وہابیوں کی کانفرنس قرار دیا حالانکہ یہ کانفرنس اہل حدیث کی کانفرنس نہ تھی، ایک برادری کی کانفرنس تھی۔ اور پھر مولوی فرخ حسین کو مسجد میں مارا گیا اور اس مسجد میں اہل حدیث کو نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ اہل حدیث نے شہر کے تمام طبقوں سے درخواست کی لیکن کسی نے ساتھ نہ دیا۔ شہر کے وکیلوں نے تاہم مسجد میں علی الاعلان کہہ دیا کہ اہل حدیث کو نماز پڑھنے دو لیکن پیروں وغیرہ نے ان کی نہ مانی۔...

وکلاء نے جو بقرعید کی نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد متنازعہ میں جمع ہوئے تھے عام مسلمانوں کو سمجھایا کہ اہل حدیث کو مسجد میں نماز پڑھنے سے جو آپ نے روک دیا ہے، یہ سخت گناہ و فعل ناجائز ہے۔ وہ لوگ آپ کے بھائی اور مسلمان ہیں۔ آمین زور سے کہنا کوئی ناجائز فعل نہیں ہے، سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اگر آپ لوگ ایسی زبردستی کریں گے تو ہم بھی آمین زور سے کہنا شروع کر دیں گے وغیرہ۔ لیکن لوگوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور یہ آوازیں آئیں کہ دینی مسائل اور فتاووں سے آپ کو کیا سروکار۔ آپ کا قانون بار لائبریری تک محدود رہنا چاہیے آپ لوگوں کو ہمارے مذہبی معاملات میں دخل کا کوئی حق نہیں۔ تب مجبور ہو کر تقریباً چھ ماہ بعد ۸ مئی ۱۹۳۵ء کو مقدمہ من جانب جماعت اہل حدیث بغرض استقرار حق عبادت بعدالت منصفی بتوکل علی اللہ داخل کر دیا گیا۔ (مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔ جون ۱۹۳۵ء)

عرضی دعوی: (مقدمہ گیا)

بعدالت جناب منصف اول، مقام گیا۔ بمقدمہ نمبر ۵۳۔ ۱۹۳۵ء۔ حقیت

محمد فرخ حسین ولد گمانی عرف عبدالحفیظ۔ شیخ محمد رمضان علی ولد شیخ عبداللہ و الفت حسین ولد ریاض علی۔ حافظ اشرف علی ولد مجیب علی مرحوم۔ محمد ظہور ولد خادم علی۔ ساکنان محلّہ بنیا پور کھرو گیا پرگنہ ضلع گیا و موضع کھریانواں و مدن پور حال مقام یاں گیا پرگنہ و ضلع گیا تھانہ ٹاؤن گیا۔ مدعیان

بنام: سید حاجی محمد تقی متولی ولد اسم لامعلوم۔ حافظ عبداللطیف پیش امام ولد اسم لامعلوم۔ و تراب علی قصاب ولد اسم لامعلوم۔ ادرکی ولد منی قصاب۔ و بشیر میاں ولد وزیر علی۔ نصیر میاں ولد وزیر علی۔ و اسماعیل ولد اسم لامعلوم۔ و عبدالغفور ٹوپی فروش ولد اسم لامعلوم۔ و چامو ولد اسم لامعلوم۔ و قاسم ولد اسم لامعلوم۔ غلام رسول ولد قاسم۔ امام بخش جٹھا ولد اسم لامعلوم۔ خدا بخش سبزی فروش ولد اسم لامعلوم ساکنان محلّہ قصاب ٹولہ و کھسیار ٹولہ و دیگھی تالاب پرگنہ و ضلع گیا۔ مدعا علیہم

مدعیان مذکورین حسب ذیل عرض پرداز ہیں:۔

۱۔ مدعیان مسلمانان اہل سنت والجماعت فرقہ اہل حدیث باشندگان ومقیم شہر گیا کے ہیں۔

۲۔ منجملہ مساجد شہر گیا کے ایک مسجد محدود بحدود اربعہ ذیل واقع محلّہ گھسیارٹولہ معروف بمسجد مولوی عبدالقادر واقع ہے اور مسجد مذکور میں ہر مسلمان مدعیان کو پورا حق واختیار واستحقاق مطابق عقاید و طریقہ اپنے نماز ادا کرنے کا ہے۔ مدعا علیھم خواہ کسی شخص کو کوئی حق واستحقاق فدویان مدعیان خواہ کسی دوسرے مسلمان کو نماز ادا کرنے میں روکنے خواہ دیگر ترکیب سے مخل ہونے کا نہیں ہے۔ و ہمیشہ مدعیان و دیگر اہلحدیث نماز بلاکسی مزاحمت کے زمانہ دراز سے مسجد مذکور میں ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

۳۔ مدعا علیھم نمبر ایک تا پندرہ باشندگان ومقیم شہر گیا کے ہیں اور اشخاص شورہ پشت ہیں وخود کو اہل سنت والجماعت پابند فرقہ حنفیہ کے قرار دیتے ہیں۔ فرقہ اہلحدیث وفرقہ حنفیہ میں اصولی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ ہر دو فرقے فروع اہل سنت والجماعت کے ہیں صرف فروعی مسائل میں اختلاف ہے کہ جن فرض نمازوں میں سورہ فاتحہ امام زور سے پڑھتا ہے اس میں اہل حدیث ختم سورہ مذکور پر لفظ آمین زور سے کہتے ہیں وحنفی آہستہ آمین کہتے ہیں۔

۴۔ حال میں بمقام گیا چند علماء متعصب باہر سے آئے ہوئے تھے اور ان لوگوں نے خلاف میں اہلحدیثوں کے ناجائز شور وشغب فرقہ حنفیہ میں کیا جس کا اثر جاہل حنفیوں پر پڑا۔ چنانچہ بتاریخ ۱۲ نومبر ۱۹۳۴ء جب کہ فدوی مدعی نمبر ا حسب دستور مسجد مذکور میں نماز فرض مغرب کی جماعت کے ساتھ پڑھ رہا تھا تو مدعا علیہ نمبر ۵ نے اپنی نماز توڑ کر فدوی مدعی نمبر ا کو دو تھپڑ لگا دیا اور گالی وغیرہ بکنے لگا۔ بعدہ مدعا علیھم نمبر ۲ تا ۱۵ نے اعلان کیا کہ اگر اب اہل حدیث مسجد مذکور میں نماز پڑھیں گے تو ان کے ساتھ برا سلوک کیا جائے گا۔ چنانچہ از تاریخ ۲۲ ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء مدعا علیھم نے مدعیان ودیگر اہل حدیث کو ادائیگی نماز سے مسجد مذکور میں ایک دم روک دیا۔

۵۔ مدعا علیہ نمبر ا متولی مسجد مذکور کے ہیں۔ اگرچہ مدعا علیہ نمبر ا نے کوئی مزاحمت ساتھ مدعیان خواہ دیگر اہل حدیث کے نماز پڑھنے میں نہیں کیا ہے مگر غالباً بوجہ خوف دیگر مدعا علیھم کے سکوت کو راہ دیا ہے۔ ودیگر مدعا علیھم کو منع حتی کہ فہمائش کرنے سے بھی باز رہے۔ اس لئے ان کو بھی فریق مقدمہ ہذا کا کیا جاتا ہے۔

۶۔ بوجہ مزاحمت ودھمکی مدعا علیھم کے جس سے ہر آئینہ احتمال نقص امن وہنگامہ وفساد کا ہے مدعیان

و دیگر اہل حدیث جن کو ہنگامہ وفساد سے احتیاط ہے مسجد مذکور میں نماز ادا کرنے سے مجبور ہیں و مجبوراً مدرسہ اہل حدیث میں نماز پڑھتے ہیں تو اب ادائیگی جماعت سے محروم ہیں اس لئے حاجت ارجاع نالش ہذا کی ہوئی۔

۷۔ از روئے مذہب اہل سنت والجماعت کے کہ جس میں دونوں فرقے حنفی و اہل حدیث داخل ہیں نماز با جماعت مسجد میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے وترک سنت مؤکدہ مستلزم گناہ ہے۔ علاوہ اس کے مسجد وقف للہ یعنی مِلک اللہ کی ہے اور کسی شخص کی مِلک نہیں ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو مساوی حق حاصل ہے کہ اپنے عقیدہ کے مطابق نماز ادا کرے اور کسی شخص کو حق حال نہیں کہ اس میں مزاحمت کرے۔ ان وجہوں سے افعال شکایتی مدعا علیھم محض ناجائز و خلاف شرع و خلاف قانون ہیں۔ (حاشیہ نمبر ۴ میں قانون مساجد نامی دستاویز ملاحظہ فرمائیں۔ بہاء)

۸۔ مدعیان مقدمہ ہذا من جانب فرقہ اہل حدیث شہر گیا بطور نمائندگان فرقہ اہل حدیث دائر کرتے ہیں و نیز مدعا علیھم مقدمہ ہذا کو نمائندگان فرقہ حنفیہ قرار دیتے ہیں۔

۹۔ ظہور بنائے دعوی مقدمہ ہذا بتاریخ ۱۲ نومبر ۱۹۳۴ء و ۲۲ دسمبر ۱۹۳۴ء جس روز مدعا علیھم نے افعال شکایتی مذکورین کیا۔ اس پر مقدمہ؟ حد اقتدار سماعت عدالت ہذا و بعلاقہ تھانہ صدر قصبہ گیا کے پیدا ہوا۔

۱۰۔ مالیت مقدمہ ہذا کی واسطے اقتدار سماعت عدالت ہذا و نیز واسطے ادائیگی کورٹ فیس کے دوسو روپئہ قرار دی جاتی ہے مبلغ سترہ روپئے آٹھ آنے کورٹ فیس ادا کر کے مدعیان مستدعی دادرسی امور ذیل کے ہیں:

۱۔ عدالت سے تجویز فرمایا جائے اور قرار دیا جائے کہ مدعیان و دیگر افراد اہل حدیث کو حق حاصل ہے کہ مسجد مذکور میں اپنے عقیدہ کے مطابق عام جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھیں اور مدعا علیھم یا کسی اور شخص کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ عام جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یا جس وقت جماعت نہ ہو انفراداً نماز پڑھنے میں مزاحمت یا اعتراض کرے یا باز رکھے۔

۲۔ تجویز امور بالا باجرائے حکم امتناعی و دوامی مدعا علیھم و دیگر احناف کو منع فرمایا جائے کہ مسجد مذکور میں مدعیان و دیگر اہل حدیث کے نماز ادا کرنے میں کوئی مزاحمت نہ کریں۔

۳۔ مدعیان کو تمامی خرچہ عدالت مدعا علیھم سے دلا دیا جائے۔

۴۔ علاوہ بایجاب دادرسی ہائے صدر اور جو دادرسی بہ تجویز عدالت مناسب متصور ہو بحق مدعیان صادر

فرمائی جائے

حدود مسجد نمبر ۳۴ وارڈ ۳ ڈاکٹر وزیر علی روڈ

پورب ۔ سڑک سرکاری، پچھّم ۔ مکان شیخ شرافت حسین ۔ اتر ۔ مکان شیخ شرافت حسین ۔ دکھن ۔ مکان مسماۃ بی بی کنیز خاتون زوجہ سید بدرالدین موسومہ جنرل ہوٹل

(مسلم اہلحدیث گزٹ دہلی ۔ اگست ۱۹۳۵ء)

☆ جواب عرضی دعویٰ منجانب حنفیان مدعا علیہم

بعدالت جناب منصف اول صاحب بہادر مقام گیا مقدمہ نمبر ۵۳ ۔ ۱۹۳۵ء حقیت محمد فرخ حسین وغیرہ مدعیان ۔ بنام حاجی تقی وغیرہ مدعا علیہ نمبر ۱ تا ۱۵ ۔

حسب دفعات ذیل ہیں:

۱ ۔ یہ کہ جس عنوان غلط و بیان جھوٹ سے مقدمہ ہذا دائر کیا گیا ہے ہرگز قابل چلنے کے نہیں ہے اور یکسر قابل ڈسمس ہے ۔

۲ ۔ یہ کہ مدعیان کو کوئی ظہور بناء دعویٰ واسطے دوران مقدمہ ہذا پیدا نہیں ہوا ۔ ظہور بناء دعویٰ قائم کردہ مدعیان محض غلط و تمام تر جھوٹ و سراپا افتراء و فتنہ و فساد ہے ۔

۳ ۔ یہ کہ مدعیان کا بیان مندرجہ دفعہ نمبر ۱، کہ مدعیان اہل سنت و الجماعت فرقہ اہل حدیث کے باشندگان مقیم شہر گیا کے ہیں، بالکل جھوٹ ہے ۔ مدعیان نے دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو اہل سنت والجماعت ظاہر کیا ہے تاکہ سنیوں کی مسجد میں نماز پڑھنے کا حق حاصل ہو جائے ورنہ درحقیقت یہ لوگ وہابی ہیں اور بسبب اپنے عقائد باطلہ کے مذہب اہل سنت سے خارج ہیں بلکہ مسلمانان اہل سنت کو یہ لوگ مشرک قرار دیتے ہیں چنانچہ تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ و مذہب ہے کہ حضور اقدس ﷺ شفیع المذنبین ہیں اور حضور کی شفاعت پر ہر مسلمان کو ایمان لانا ضروری ہے ۔ مگر مدعیان کا مذہب و عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو شفیع سمجھنے والا ابوجہل کے برابر مشرک ہے ۔ چنانچہ ان کا یہ عقیدہ ان کی مذہبی کتاب تقویۃ الایمان میں موجود ہے اور مدعیان کا کتاب تقویۃ الایمان کے ہر ایک مضمون پر پورا پورا ایمان و اعتقاد ہے ۔ جب مذہبی اور اعتقادی اختلافات اہل سنت اور مدعیان کے درمیان ہیں تو وجہ تکرار و فتنہ و فساد و شور پشتی مدعیان کو مسلم ہے ۔ عدالت ہذا کو مقدمہ ہذا ڈسمس کرنے کے لئے کافی دلیل و مستحکم وجہ ہے ۔

۴۔ واضعان قوانین نے دفعہ ۲۴، ایکٹ ۱۸۷۱ء عدالت ہائے دیوانی بنگالہ میں وعدہ کیا ہے کہ جملہ امور متعلقہ رواج با قاعدہ مذہبی میں شرع محمدی پر عمل کیا جائے گا۔ عدالت کو حسب دفعہ نمبر ۵۷ (۱) ۔ایکٹ ۱۸۷۲ء ایکٹ شہادت لازم ہے کہ قانون دینی مسلمانان پر لحاظ عدالتی کرے اور مسلمانوں کا مذہبی و دینی قانون یہ ہے کہ اہل باطل کو مسجد سے روکنا اور مسجد کو ان سے بچانا واجب ہے اور یہ مسئلہ کچھ مذہب حنفی ہی کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ جملہ بد مذہبوں کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ شیعوں کے نزدیک ان کی مسجدوں میں سنیوں کا کوئی حق نہیں اس لئے کہ وہ سنیوں کو اہل باطل جانتے ہیں۔سنیوں کے نزدیک شیعہ اہل باطل ہیں۔اسی طرح تمام اہل سنت کو وہابی ابوجہل کے برابر مشرک جانتے ہیں اور اہل سنت وہابیوں کو اہل باطل جانتے ہیں لہذا ہمارے دینی اسلامی قانون کے مطابق سنیوں کو وہابیوں کی بنوائی ہوئی مسجد میں جانے کا کوئی حق نہیں اور وہابیوں کو اہل سنت کی مسجدوں میں کوئی حق نہیں ہے۔مقدمہ ہذا کو ڈسمس کر دینے کے لئے عدالت کے سامنے یہ بھی ایک مستقل اور مستحکم وجہ ہے۔

۵۔ یہ کہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ مسجدیں صرف اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں اگر کلمہ گویاں اسلام کے تمام فرقوں کو جن کے اعتقادات میں باہم شدید اصولی اختلافات موجود ہیں ایک مسجد میں باہم جمع ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے تو طرح طرح کے فتنے قائم ہوں گے ۔فسادات پیدا ہوں گے۔مثلاً اہل سنت کا ایمان ہے کہ جس طرح کتاب الہی دلیل شرعی ہے اسی طرح حدیث نبوی بھی حجت شرعی ہے حدیث کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر ہے اسی طور پر وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو شفیع یعنی سفارشی مانے وہ ابوجہل کے برابر کافر ہے و مشرک ہے۔اور مسلمانان اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کو شفیع روز قیامت نہ مانے وہ قرآن کا منکر اور بد مذہب گمراہ جہنمی ہے۔اسی طرح کی بہت زیادہ بنیادی اعتقاد میں اختلافات کلمہ گویان اسلام کے فرقوں کے درمیان موجود ہیں۔ یہ چند اختلافات محض بطور نمونہ عرض کئے گئے ہیں۔تو اگر ان تمام مختلف العقاید لوگوں کو ایک ہی مسجد میں جمع ہونے کی اجازت دی جائے تو مسجدیں اکھاڑے بن جائیں اور باہمی تصادم سے نماز پڑھنے کی بھی فرصت نہ ملے۔ ہر فرقہ کا آدمی اپنے اپنے اعتقاد کے موافق اپنی اپنی مسجدوں میں نماز پڑھا کرے تاکہ فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ رہے اور جملہ کلمہ گویان اسلام کا اسی پر عمل بھی ہے اور صدیاں گذر گئیں کہ سنیوں کی مسجدیں الگ اور شیعوں کی مسجدیں الگ ہیں۔سنی، شیعوں کی مسجدوں میں نہیں جاتے اور شیعان، سنیوں کی مسجدوں

میں نہیں جاتے ۔ اگر مدعیان کو اپنے مذہب کے مطابق حاضری مسجد کا ثواب حاصل کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ سنیوں کی مسجد پر قبضہ کریں بلکہ وہابی فرقہ کی مسجد علیحدہ بنوائیں اور اس میں شوق سے اپنی جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کریں ۔ البتہ ایک ہی مذہب و اعتقاد کے لوگ جن کے درمیان عملیات میں اختلاف ہے وہ ایک ہی مسجد میں جمع ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ یہ ایک مشہور امر ہے کہ تمام ممالک اہل اسلام مثلاً روم (ترکی) ومصر و شام اور خود عرب میں پیروان طریقہائے حنفیہ و شافعیہ و مالکیہ وحنبلیہ ایک مسجد میں جاتے ہیں اور ایک جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور جب حنفی لفظ آمین آہستہ کہتے ہیں ، شافعی اس کو بآواز بلند کہتے ہیں اور باہم جھگڑا نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ یہ اختلاف محض ایک عمل اور طریقہ عبادت میں ہے ۔ اعتقادات اور اصول مذہب میں حنفیوں شافعیوں مالکیوں اور حنبلیوں کے درمیان ذرہ برابر اختلاف نہیں ۔ مدعیان کی اگر یہی خواہش ہے کہ سنیوں کی مسجد میں آ کر نماز پڑھیں تو ان کو چاہیے کہ مذہب اہل سنت کے مخالف جس قدر اعتقادات ہیں جو وہابیوں کی مذہبی کتاب تقویۃ الایمان وغیرہ میں مندرج ہیں ان سب سے تحریراً و تقریراً توبہ کرلیں ۔ پھر نہ صرف مسجد متنازع فیہ بلکہ سنیوں کی مسجدیں ان کے لئے کھلی ہیں ۔ اہل سنت کی جس مسجد میں چاہیں شوق سے نماز پڑھیں ۔ مقدمہ ہذا کو ڈسمس کرنے کے لئے عدالت کے سامنے یہ ایک اجماعی وعقلی دلیل بھی ہے ۔

۶ ۔ مدعیان نے دفعہ ۳ میں ظاہر کیا ہے کہ فرقہ حنفیہ و اہل حدیث میں اصول اختلاف نہیں ہے ۔ صرف آمین زور سے اور آہستہ کہنے میں اختلاف ہے جو صرف ایک جزوی عمل ہے اعتقاد سے اور اصول مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ اس لئے اہل حدیث کو حنفیہ کی مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے کا حق ہے ۔ مگر مدعا علیہم عرض کرتے ہیں کہ یہ بیان عدالت کو محض دھوکہ دینے کے لئے دیا گیا ہے ورنہ اہل سنت مسلمانوں اور اہل حدیث وہابیوں میں آمین بالسر پر ہرگز جھگڑا نہیں ہے جس کا ثبوت ہندوستان میں کراچی بمبئی کلکتہ رنگون کی کثیر مسجدیں ہیں جن میں برابر بلا اختلاف حنفی شافعیوں کے ساتھ اور شافعی حنفیوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں اور آمین پر کبھی جھگڑا نہیں ہوتا ۔ اور خود گیا میں اسی مسجد متنازع فیہ میں اگر کوئی شافعی صاحب آ کر نماز پڑھیں آمین زور سے کہیں رفع یدین کریں تو مدعا علیہم کو بلکہ کسی سنی مسلمان کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ اہل حدیث وہابیوں اور اہل سنت مسلمانوں کے درمیان سخت شدید مذہبی اعتقادی بنیادی اصولی اہم اختلافات بکثرت موجود ہیں ۔ مثلاً وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بڑے

بھائی کے برابر کرنا چاہیے۔ اسی طرح یہ لوگ تمام انبیاء اور اولیاء کو ذرہ ناچیز سے کمتر بتاتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہر مخلوق کو جس میں اولیاء اللہ اور انبیاء کرام بھی شریک ہو گئے اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل جانتے ہیں۔ اسی طرح وہابی کسی نبی یا ولی کو پکارنے والے کو یا کسی نبی یا ولی کی روح کو ثواب پہنچنے کے لئے منت ماننے والے کو، نذر و نیاز کرنے والے کو، انہیں اپنا سفارشی یعنی شفاعت کرنے والا سمجھنے والے کو ابوجہل برابر کافر و مشرک کہتے ہیں۔ اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے۔ رسول ﷺ کو کچھ خبر نہیں۔ اسی طور پر وہابی ہر پیغمبر کو اپنی امت کا سردار مثل چودھری بنا کر توہین کرتے ہیں۔ مدعاعلیہم نے حنفیہ اہل سنت اور وہابی اہلحدیث کے درمیان اصولی و اعتقادی اختلافات کے مختصراً یہ چند نمونے پیش کئے ہیں، بوقت ضرورت ان کے علاوہ اور بھی کثیر مذہبی اختلافات پیش کئے جائیں گے۔ مسجد عبادت گاہ ہے یعنی جس فرقہ کی جو مسجد ہو اس فرقہ کا کوئی شخص بلا وجہ شرعی اس مسجد سے روکا نہیں جا سکتا۔ تو سنیوں کی مسجد میں کل سنی نماز پڑھنے کے لئے جا سکتے ہیں اور آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا یا نہ اٹھانا (حاشیہ نمبر ۵ میں دہلی اور مراد آباد سے جاری ہونے والے اشتہارات در بارہ سنیت رفع الیدین وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ بہاء)، یہ محض جزئیات چھوٹے امور متعلقہ مراسم کے ہیں اور ان سے ان اصول میں کچھ فرق نہیں آتا۔ جو مسلمانان اہل سنت کے اعتقادات مذہبی کے خاص ارکان ہیں۔ اس لئے آمین زور سے کہنے والا بوقت رکوع رفع یدین کرنے والا محض ان دونوں باتوں کی بنا پر اہل سنت سے خارج نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ سنی ہی مسلمان متصور ہوگا۔ اسی طرح جو شخص آمین آہستہ کہتا ہو، رفع یدین نہ کرتا ہو، نماز بالکل حنفیوں کی طرح پڑھتا ہو، لیکن عقائد باطلہ کو بھی مانتا ہو ان کو صحیح تسلیم کرتا ہو وہ بھی وہابی ہے، مذہب اہل سنت سے خارج ہے اور سنیوں کی کسی مسجد میں آنے کا اس کو بھی کوئی حق نہیں ہوسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ آمین بالجہر و رفع یدین مخاصمت و منازعت کا سبب ہرگز نہیں بلکہ مخالفت و مزاحمت کی بناء عقائد پر ہے۔ اب ظاہر ہو گیا کہ مدعیان نے دفعہ نمبر۳ میں عدالت کو دھوکہ دینا چاہا اور جب مدعیان کے عقائد اہل سنت کے عقاید کے درمیان اصولی و بنیادی اختلافات موجود ہیں تو خود مدعیان کے اقرار کی بنا پر مدعیان کو سنیوں کی کسی مسجد میں کوئی حق نہیں ہے۔ مقدمہ ہذا کو ڈسمس کرنے کے لئے عدالت کے سامنے یہ ایک مستقل و مضبوط و واقعی و بدیہی وجہ پیش کر دی گئی ہے۔

۷۔ یہ کہ مدعیان نے دفعہ نمبر ۷ عرضی دعوی میں ظاہر کیا ہے کہ مسجد مِلک اللہ کی ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو مساوی حق ہے کہ اپنے عقیدہ کے مطابق نماز ادا کرے اور کسی شخص کو حق

حاصل نہیں کہ اس میں مزاحمت کرے۔ قانونی کتابوں میں اس قسم کی جو عبارتیں موجود ہیں ان کا صحیح مفہوم و مطلب صرف اس قدر ہے کہ سنی مسلمانوں کے چار فرقے ہیں حنفی شافعی مالکی حنبلی جن کے درمیان اصولی اختلاف کچھ نہیں۔ اسی طرح وہابیوں کے تین فرقے اس وقت موجود ہیں: مقلد وہابی، نجدی وہابی، اہل حدیث وہابی، جن کے درمیان اصولی اختلاف کچھ نہیں۔ اسی طرح شیعوں کے کچھ ایسے فرقے ہیں جن کے درمیاں اصولی اختلاف نہیں۔ تو اگر کوئی سنی مسلمان مسجد بنائے اس میں سنیوں کے چاروں فرقوں یعنی حنفیوں شافعیوں مالکیوں حنبلیوں کو نماز پڑھنے سے روکنے کا کسی مسلمان کو حق نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی وہابی مسجد بنائے تو اس میں مقلد وہابی، نجدی وہابی، اہلحدیث وہابی، تینوں فرقوں کے تمام افراد کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر شیعہ مسجد بنائے تو شیعوں کے جس قدر ایسے فرقے ہیں جن کے درمیان باہم اصولی اختلاف نہیں ان سب کو مسجد میں جانے نماز پڑھنے کا مساوی حق ہے کوئی شیعہ ان سے مزاحمت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس عبارت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ سنی مسجد میں شیعوں کو مساوی حق ہے اور شیعہ کی مسجد میں وہابیوں کو مساوی حق حاصل ہے۔ قادیانی مسجد میں سنیوں کا برابر کا حق ہے اور داؤدیوں کی مسجد میں آغا خانیوں کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ یہ مراد لینا تو مذہب و عقل و قانون سب کے خلاف ہے جیسا کہ مدعا علیھم دفعہ بالا میں عرض کر چکے ہیں کہ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص جملہ عقائد ضروریہ دینیہ اسلامیہ پر ایمان رکھتا ہو تمام ضروریات مذہب اہل سنت کو مانتا ہو لیکن چاروں اماموں سے کسی کی تقلید نہ کرتا ہوا سے اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اس کو کافر مرتد نہیں کہا جا سکتا اگرچہ وہ اہل سنت سے خارج اور گمراہ و بد مذہب ضرور ہے اس لئے کہ اجماع امت متقدمین ہو گیا جو شخص حنفی شافعی مالکی حنبلی، ان چاروں مذہبوں سے خارج ہو وہ بد مذہب ناری ہے لیکن جو شخص حضور پر نور پیغمبر اسلام ﷺ کی تنقیص شان کرے، حضور کی توہین کرے، بارگاہ رسالت میں گستاخی سے پیش آئے، وہ یقیناً اسلام سے خارج ہے۔ اور مدعا علیھم عرض کر چکے ہیں کہ مدعیان مذھباً وہابی ہیں اور وہابی لوگ ہمارے پیغمبر ﷺ کی شان میں توہین کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کی تعظیم بڑے بھائی کی تعظیم کے برابر بتاتے ہیں۔ خدا کے روبرو ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ٹھہراتے ہیں۔ خدا کے ساتھ حضور ﷺ کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل جانتے ہیں وغیرہ ذلک۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے کلمات بارگاہ رسالت میں یقیناً سخت ستاخی اور شدید توہین ہیں۔ ان عقائد کفریہ کی بنا پر وہابی لوگ مسلمان ہی نہیں۔ پھر ان کو مسلمان کی کسی مسجد میں آنے کا کیا حق شرعاً و قانوناً ہو سکتا ہے؟ مقدمہ ہذا کو ڈسمس کرنے

کے لئے عدالت کے سامنے یہ بھی ایک نہایت زبردست وجہ پیش کی گئی ہے۔ (حاشیہ نمبر ۶ میں آیات القرآن، اور اثبات التوحید اور وزیرآبادی اشتہار سے ان اعتراضات کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ بہاء)

۸۔ مدعا علیھم دفعات بالا میں عرض کر چکے ہیں کہ تمام کلمہ گویان اسلام کے جس قدر فرقے اختلافات اصولیہ پر مبنی ہیں ان سب کی غرض یہی ہے کہ ہر فرقہ والا خاص اپنے ہی فرقہ کے تمام اشخاص کے لئے مسجد بناتا ہے اور خاص اپنے ہی فرقہ کے تمام افراد کے نماز پڑھنے کے لئے مسجد کو وقف کرتا ہے تو ہر فرقہ کی مسجد کا اسی فرقہ کے تمام افراد کے مخصوص ہے اور واقف کے شرط کا وقف کے بارہ میں لحاظ کرنا ایسے ہی ضروری ہے جیسا کہ شارع کی نص کا۔

(پہلا مقدمہ)۔ واقفین کا عرف یہ ہے کہ ہر واقف مسجد کو مخصوص اپنے فرقہ کے تمام افراد کے لئے وقف کرتا ہے۔

دوسرا مقدمہ۔ واقف کا عرف وہی حکم ہے جو اس شرط کا ہے۔

تیسرا مقدمہ؛ وقف کی شرط کا اس وقف کے بارہ میں وہی حکم ہے جو نص شرعی کا ہے۔ یعنی اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

ان تینوں مقدموں کے ملانے سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکل آیا کہ سنی مسلمانان کی مسجد کو تمام سنی مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دینا، اہل حدیث وغیرہ تمام مخالفین اہل سنت فرقوں کو اس مسجد سے روک دینا شرعاً واجب ہے۔ پہلا مقدمہ مشاہدہ سے اور سینکڑوں برس کے تمام کلمہ گویان اہل اسلام کی عبادت خارجیہ سے ثابت ہے اور باقی دو مقدمہ منصوصات فقہاء ہیں۔ مقدمہ ہذا کو ڈسمس کرنے کے لئے یہ بھی ایک قوی اور پختہ دلیل پیش کی گئی ہے۔

۹۔ یہ کہ بیان مدعیان مندرجہ دفعہ نمبر ۳ عرضی دعوی اس قدر صحیح ہے کہ مدعا علیھم سائلان باشندگان زمانہ قدیم سے شہر گیا کے ہیں اور حنفی اہل سنت والجماعت ہیں اور علی الخصوص محلّہ گھسیارٹولہ جہاں مسجد مذکور واقع ہے۔ باقی بیان مدعیان بدفعہ مذکور بالکل اتہام باطل بغرض فروغ دہی بیانات خود افتراء و بے جا الزام ناحق ہے۔ مدعا علیھم زمانہ نا یادگار سے محلّہ مذکور میں رہتے چلے آتے ہیں اور کبھی کسی زمانہ ماقبل میں یعنی گذشتہ کسی صدی میں کوئی واقعہ کسی قسم کا کسی عنوان بیان سے مسجد مذکور میں نہیں ہوا۔

۱۰۔ یہ کہ مدعیان کی کوئی مسجد گیا میں نہیں ہے۔ مدعیان غلط دعوی بیان بذریعہ مسجد ہذا، مسجد مذکور میں اپنا حق اختیار کرنا چاہتے ہیں اور مدعا علیھم سائلان کے صحیح و جائز قبضہ اقتدار میں خلل انداز ہونا

چاہتے ہیں اور اپنا حق و قبضہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۱۱۔ یہ کہ بیان مدعیان بدفعہ نمبر ۴ عرضی دعوی محض بے بنیاد و محض افتراء ہے صرف بغرض قائم کرنے غلط وتمہیدی ظہور بیان دعوی کے کیا گیا ہے۔ چونکہ مدعیان کی اس شہر میں کوئی مسجد نہیں ہے اس لئے وہ اپنی نمازیں مدرسہ اہل حدیث میں ادا کرتے ہیں۔ اب بنّیت فاسد و بر بیانات باطلہ مسجد مذکور میں حق و اختیار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۱۲۔ یہ کہ بیان مدعیان مندرجہ دفعہ نمبر ۶ عرضی دعوی بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے مدعیان نو وارد ہیں اور جب سے گیا میں آنا شروع کیا ہے ہمیشہ سے نماز اپنے مدرسہ اہل حدیث میں نماز پڑھتے ہیں اور ثواب جماعت مسجد ہی میں مختص نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی نماز با جماعت ہو ثواب با جماعت کا حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ خود بیان مدعیان سے ظاہر ہے کہ مدعیان مدرسہ اہل حدیث میں نماز ادا کرتے ہیں۔ پس خود بیان سے مدعیان کے صاف ظاہر ہے کہ مدعیان اور مدعا علیھم میں تفرقہ مدارس و مساجد کا ہے اور بیان مدعیان مجبوراً مدرسہ اہل حدیث میں نماز پڑھتے ہیں سراسر غلط و جھوٹ ہے۔

۱۴۔ مسجد مندر و گرجا وغیرہ کوئی معبد یعنی عبادت گاہ ہو سب خدا کی مِلک و املاک ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جن میں اصولی اختلاف ہو وہ لوگ ایک دوسرے کی عبادت گاہ میں اپنا حق ثابت کریں جیسے کہ شیعہ سنی جن میں بہت سے اصولی اختلافات ہیں ایک دوسرے کی مسجد میں اپنا حق ثابت نہیں کرتے۔ علی ہذا القیاس عیسائیوں میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے الگ الگ معبد ہوتے ہیں ایک دوسرے کے معبد استعمال نہیں کرتے۔ اسی طرح ہندوؤں میں سناتن دھرم، آریہ سماج، بدھ مت، و گبری و ستمبری کے مندر علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور ایک فرقہ کا ہندو دوسرے فرقہ کے مندر کو اپنی پوجا کیلئے استعمال نہیں کرتا باوجودیکہ یہ چاروں فرقے ہندو ہی کے ہیں۔

۱۵۔ اسی طرح وہابی غیر مقلدین اہل سنت والجماعت میں اصولی اختلافات واقع ہیں اور اسی بنا پر مدعیان کا مسجد مذکور میں نماز پڑھنا شرعاً جائز نہیں۔ اور نہ رواجاً صحیح ہے۔ قانوناً بھی ایسی جگہ جہاں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو صحیح نہیں۔

۱۶۔ بیان مدعیان مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعوی بالکل غلط و جھوٹ ہے ہرگز مدعیان نمائندگان اہلحدیث نہیں ہیں۔ فدویان عرض کرتے ہیں حکیم ظہیر الدین جو فرقہ وہابی مقام گیا کے صدر ہیں مدعی مقدمہ ہذا نہیں۔ اسلئے کذب بیانی مدعیان کی ثابت ہے اور مقدمہ ہذا بلا لحاظ دیگر امور کے قابل ڈسمس۔

۱۷۔ یہ کہ بعض مدعا علیھم مرد مان میلی واختباری مدعیان کے ہیں اور محض تے تیباً ؟؟؟ مدعا علیھم قرار دیئے گئے ہیں۔ ہرگز ان لوگوں کا بیان مفید بحق مدعیان ومضر بحق مدعا علیھم نہیں ہوسکتا اور مدعا علیھم کوکوئی پابندی ان لوگوں کے بیان کی نہیں ہے اور نہ قانوناً وانصافاً ہوسکتا ہے۔
۱۸۔جس طرح مدعیان نمائندگان فرقہ وہابی اہل حدیث کے نہیں ہیں اس طرح مدعا علیھم بھی نمائندگان فرقہ اہل سنت والجماعت کے نہیں ہیں اور عربی تعلیم سے ناواقف ہیں اس لئے مقدمہ ہذا بلا لحاظ دیگر امور کے قابل ڈسمس ہے۔
۱۹. یہ کہ مقدمہ ہذا بموجب دفعہ ۴۲ قانوناً دادرسی مانع بوجوہات بالا مقدمہ مدعیان یکسر قابل ڈسمس و مدعا علیھم مستحق دلا پانے خرچہ جواب دہی کا مدعیان سے ہیں۔
التماس۔فدویان شیخ مھنگو۔ وقاسم۔ و بشیر۔ و دارکی مدعا علیھم معروضہ تاریخ ٦ جولائی ۱۹۳۵ء۔

☆ ۲۰۔ اگست ۱۹۳۵ء کو اہل حدیث کی طرف سے مہلت کی درخواست آئی اور احناف کی طرف سے ایک اور تحریری بیان داخل ہوا۔اس مرتبہ صرف ایک اور مدعا علیھم داخل ہوا۔ یہ دوسرا تحریری بیان بھی مثل سابق طول طویل ہے اور اس کے مضامین قریباًوہی ہیں جو پہلے بیان کے ہیں اور اس میں چند مزید اتہام اہل حدیثوں پر لگائے گئے ہیں کہ یہ لوگ اپنی پھوپھی سے نکاح درست جانتے ہیں اور ان کے یہاں خون شراب اور سؤر کی چربی ناپاک نہیں ہے۔اور غیر مقلدوں کا مسئلہ یہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو، نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک رنگ مزہ، یا بو نہ بدلے۔اگر پاؤ بھر پانی میں دو چار تولہ بھی اپنا یا کتے کا پیشاب پڑ جائے تو غیر مقلدین کے نزدیک پانی پاک رہے گا اور اس سے وضو اور غسل صحیح ہے۔
احناف کی طرف سے سابق میں ۳۷ گواہوں کے نام سے اسم نویسی داخل ہوئی تھی اس مرتبہ ۱۱ گواہوں کے نام سے اور اسم نویسی داخل کی گئی۔ جملہ ۴۸ گواہ ہوئے جن میں سے پندرہ سولہ مولانا لوگ ہیں جو سب کے سب بریلوی عقیدہ کے ہیں۔اور اہلحدیث کی طرف سے سولہ گواہوں کے نام اسم نویسی داخل ہوئی ہے۔آئندہ تاریخ سماعت یکم نومبر مقرر کی گئی ہے۔
(مسلم اہلحدیث گزٹ دہلی۔ستمبر ۱۹۳۵ء)

☆ مقدمہ گیا کی تاریخ ۲۴ مارچ (۱۹۳۶ء) تھی، لیکن اس روز پیشی نہ ہوئی اور پھر تاریخ ۱۲ جون مقرر ہوئی ہے۔ مولوی حشمت علی مقدمہ مذکور میں درخواست دے کر مدعا علیہ بنے اور احناف کی طرف سے مقدمہ کی پیروی اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ بیان تحریری علیحدہ انہوں نے داخل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل حدیث، رسول اللہ ﷺ کی سخت توہین کرتے ہیں اس لئے مسلمان نہیں۔ اور توہین کی وجہ یہ دکھائی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں جانتے اور نعوذ باللہ چمار سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں اور بڑے بھائی کی ایسی تعظیم کرتے ہیں۔ اور جب مسلمان ہی نہیں تو یہ لوگ ہماری سنیوں کی مسجد میں نہیں آ سکتے۔

(مسلم اہلحدیث گزٹ دہلی۔ اپریل ۱۹۳۶ء)

☆ بالآخر ۲۶ ستمبر کو فیصلہ سنا گیا جو مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی جنوری ۱۹۳۷ء میں بایں الفاظ منقول ہے:

فیصلہ مقدمہ باجلاس بابو کنھیا سنگھ منصف سویم گیا

ٹائٹل سوٹ ۳۱۔ سنہ ۱۹۳۶ء

محمد فرخ حسین وغیرہ مدعیان۔ بنام حاجی سید محمد تقی وغیرہ مدعا علیھم

نام وکلاء مدعی۔ مولوی عبدالمجید۔ مولوی عبدالجبار

نام وکلاء مدعا علیھم۔ مولوی شاہ قسیم الدین۔ مولوی سید شرف الدین

مولوی عبدالقادر مرحوم کی مسجد واقع محلّہ گھسیارٹولہ میں نماز ادا کرنے کے لئے شہر گیا کے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان موجودہ جھگڑا اور تکرار ہے۔ مدعی سب جو اپنے کو مسلمان اہل سنت والجماعت اہل حدیث قرار دیتے ہیں اپنے اور نیز جو ان کی جماعت میں شامل ہیں ان سب کے حقوق کی دادرسی چاہتے ہیں کہ وہ مسجد مذکورہ میں نماز باجماعت جماعت عام میں پڑھنے کے مستحق ہیں۔ اور مدعا علیھم یا دوسرے کسی شخص کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں کہ وہ انہیں جماعت کے ساتھ، یا گاہے بصورت عدم جماعت، انفراداً نماز ادا کرنے سے روکے یا ذرا بھی اعتراض اور مزاحمت کرے۔ مذکورہ بالا استحقاق کے موافق فیصلہ ہونے پر وہ مزید ایسے حکم کے آرزومند ہیں جس کی رو سے ان کے حقوق کا استحفاظ کلی بھی ہو جائے اور مسجد مذکور میں مدعیوں یا دیگر اہل حدیثوں کے نماز پڑھنے میں مدعا علیھم یا کوئی اور حنفی مزاحم ہونے سے ہمیشہ ہمیشہ باز رہے۔ بنائے دعوی تاریخ ۱۲ نومبر ۱۹۳۴ء کا ہوا۔ جس روز مدعی نمبر ا حسب معمول مسجد مذکور میں مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ

ادا کر رہا تھا کہ مدعا علیہ نمبر ۵ نے اپنا تحریمہ توڑ کر اسے دو طمانچے مارے اور گالیاں بھی دیں۔ اس کے بعد ہی مدعا علیہم از ۲ تا ۱۵ نے اعلانیہ اظہار کیا کہ اب سے اگر کوئی اہل حدیث اس مسجد میں نماز پڑھے گا تو اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے گا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تاریخ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۴ء سے مدعا علیہم نے ان مدعیوں کو اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے واقعی باز رکھا۔ مدعیوں کا دعوی ہے کہ وہ خود اور نیز مدعا علیہم جو اپنے کو حنفی نامزد کرتے ہیں دونوں مذہب اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہیں اور اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق نماز با جماعت ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے جس کا ترک کرنا (گناہ) اس لئے وہ لوگ بزور دلائل یقین دلاتے ہیں کہ ہم مدعا علیہم کے ساتھ مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ مزید برآں وہ اپنے دعوی کا مدار اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت مستقل پر رکھتے ہیں۔ مدعا علیہم اہل سنت والجماعت حنفیہ کے پیرو ہیں۔ ان سے بحیثیت اپنی جماعت کے نمائندہ ہونے کے استحقاق طلب کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں تین بیانات تحریری داخل کئے گئے ہیں۔ ایک مدعا علیہم نمبر ۴، ۵، ۱۱، اور ۱۶، دوسرا مدعا علیہ نمبر ۶، اور تیسرا مدعا علیہ نمبر ۱۶ کی طرف سے۔ رفع الزام اور صفائی پیش کرنے میں یہ سب کل کے کل متفق ہیں۔ لیکن ان کے بیانات تحریری طول طویل لفاظی اور بے سروپا بکواس ہیں۔ تاہم اصل بنیاد جس پر وہ مدعیوں کے دعووں کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے جو کچھ بھی سمجھ آ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مدعیان اور ان کا سارا فرقہ ان عقائد کی (جن کی تفصیل بیانات تحریری میں درج ہے) پیروی کرتا ہے جو کفریہ ہیں جس سے وہ مسلمان کہلانے کے شایان شان اور مستحق نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ جب مسلمان ہی نہیں تو اس تکراری مسجد میں نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ حسب ذیل امور قابل تجویز ہیں:

۱۔ یوں جو مقدمہ قائم کیا گیا ہے، آیا وہ چلنے کے بھی لائق ہے؟

۲۔ آیا یہ مقدمہ بہ سبب عدم اطلاع مطابق دفعہ نمبر ا زیر قانون نمبر ۸ حسب ضابطہ دیوانی ناقص ہے؟

۳۔ آیا یہ مدعیان مسجد مذکور میں نماز ادا کرنے کے لئے داخل ہو سکتے ہیں؟

۴۔ آیا یہ مدعیان کسی دادرسی کے، خواہ وہ جو بھی ہو، مستحق ہیں؟

۵۔ آیا مدعیان مسلمان ہیں؟ آیا وہ عقائد جو بیانات تحریری میں ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں صحیح ہیں؟ اگر وہ صحیح ہیں تو کیا وہ عقائد ان مدعیوں کو مسلمان ہونے سے خارج کرتے ہیں؟

تجاویز: مقدمہ کی سماعت کے وقت بار ثبوت کا سوال پیش ہوا۔ بموجب حکم نمبر ۳۴ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۶ء میں نے ہدایت کی کہ پہلے مدعیان سرسری طور پر اپنا مسلمان ہونا ثابت کریں۔ اور اس کے

بعد مدعا علیھم ان عقاید کی بنا پر جو انہوں نے خود بیانات تحریری میں درج کئے ہیں، ان مدعیوں کا مسلمان ہونے سے خارج ہونا ثابت کردیں۔ مدعیوں کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ تازہ شہادت پیش کر کے تردید کرنے کا حق محفوظ رکھیں۔ چنانچہ مدعیوں نے اپنے مسلمان ہونے کی شہادتیں پیش کیں اور اپنے لیڈر (مولانا) عبدالرحمٰن، گواہ نمبر ا منجانب مدعی نمبر ا۔ گواہ نمبر ۲ کا اظہار کرایا، مدعا علیھم نے ان دونوں پر جرح کی۔ اثنائے جرح میں ان عقائد کو جو مدعیوں کی طرف منسوب کئے گئے تھے اور جنہیں بیانات تحریری میں عقاید کفریہ قرار دیا گیا تھا، ان سب کو مدعی نمبر ا سے ایک ایک کر کے دریافت کیا گیا۔ مدعی مذکور ان سب سے قطعی بری الذمہ ہو کر مبرا ہو گیا۔ نیز اس نے پیغمبر (ﷺ) کی شان میں کل توہین آمیز کلمات کے روادار ہونے سے انکار کیا اور دعویٰ سے کہا کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق حضور (ﷺ) تمامی مخلوق سے افضل و اعلیٰ ترین مخلوق ہیں اور آنحضرت (ﷺ) کی شفاعت پر ہمارا ایمان ہے۔ جب اس نے پیش کردہ عقائد پیرو ہونے اور اپنی جماعت پر ان الزاموں کے عائد ہونے کی صحت سے صریح انکار کیا تو مدعا علیھم کے لائق وکیل نے باہمی تصفیہ کی اطلاع دے کر تاریخ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء کو ایک روز کی مہلت مانگی۔ چنانچہ دوسرے روز پر مقدمہ اٹھا رکھا گیا۔ لیکن دوسرے روز مدعا علیھم وقت پر حاضر ہی نہ ہوئے۔ مدعی نمبر ا جرح سے سبک دوش کر دیا گیا۔ اس کے بعد مدعا علیھم کی طرف سے ایک عرضی پیش کی گئی کہ مدعیوں نے چونکہ جملہ عقائد سے جو ان کی طرف منسوب کئے گئے تھے، مبرا ہونے کا اظہار کیا ہے، اس لئے مدعا علیھم کسی عنوان بیان سے مقدمہ ہذا کو لڑنا نہیں چاہتے۔ اس کے جواب میں مدعیوں نے مخالفانہ عرضی پیش کی۔ مدعا علیھم نے اس کا جواب الجواب داخل کیا۔ یہاں ان کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مدعیوں کے دو گواہوں کی گواہیاں گذر جانے کے بعد مدعا علیھم مقدمہ سے ہٹ گئے اور مدعیان عدالت سے حسب روداد فیصلہ کے لئے سرگرم اور مصر رہے۔

پس دو گواہوں کی شہادتوں سے یہ بات مسلّم ہو جاتی ہے کہ مدعیان مسلمان ہیں اور بیان تحریری میں جو عقاید ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ان کے وہ معتقد نہیں۔ اس لئے مطابق قرآن پاک مدعیوں کو unfettered right (بلا قید و شرط و بغیر کسی پابندی کے حق) حاصل ہے کہ وہ اس تکراری مسجد میں داخل ہوں اور وہاں نماز با جماعت یا انفراداً، جب جماعت نہ ہوتی ہو، ادا کریں۔ اور یہی میرا فیصلہ ہے۔

اس مقدمہ میں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اگر کوئی شخص مطابق تحریری بیان عقائد مذکورہ

کا پیرو ہو تو، آیا وہ مسلمان ہوگا یا نہیں۔ اس لئے اس کے متعلق فیصلہ کرنا از بس ضروری ہے۔
بہرکیف میں اپنے فیصلہ پر قائم ہوں کہ کل مدعیان مسلمان ہیں اور کل حق وانصاف کے مستحق ہیں
جن کی انہوں نے استدعا کی ہے چنانچہ جملہ امور تنقیح بحق مدعیان فیصل کیا جاتا ہے
حاصل کلام مقدمہ ہذا میں ڈگری مع خرچہ بموجودگی مدعا علیھم نمبر ۴، ۵، ۶، ۱۱، ۱۲، ۱۶
اور یک طرفہ بمقابلہ بقیہ مدعا علیھم اور ہم جماعت ان کے صادر کی جاتی ہے۔
اعلان کیا جاتا ہے کہ مدعیان مسجد مذکور میں داخل ہوکر نماز با جماعت یا انفراداً ادا کرنے
کا حق رکھتے ہیں اور مدعا علیھم یا دوسرے اشخاص، جو اپنے کو حنفی کہتے ہیں، ان سبھوں کو ان مدعیوں یا
دوسرے اہل حدیث کے ساتھ تکراری مسجد کے اندر نماز ادا کرنے میں مزاحم ہونے سے ہمیشہ کے
لئے ممانعت کی جاتی ہے۔
دستخط۔ بابو کنھیا سنگھ منصف سوم۔ گیا۔ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء۔

☆ جناب ثناء اللہ امرتسری پر قاتلانہ حملے کا عدالتی فیصلہ

برصغیر کے اہل حدیث حضرات پر ان کے مخالفین کے ظلم وستم کی ایک مثال آل انڈیا
اہل حدیث کانفرنس کے بانی ناظم اعلی جناب ثناء اللہ امرتسری پر قاتلانہ حملہ ہے جب حق و
صداقت کی اس شمع کو بھرے بازار میں بجھا دینے کی کوشش کی گئی۔ جناب امرتسری پر ان کے مسکن
امرتسر میں اس وقت قاتلانہ حملہ کیا گیا جب وہ تبلیغی سلسلے میں ایک تقریر کرنے کے لئے ایک
جلسہ گاہ پہنچ کر ٹانگے سے اتر رہے تھے۔ ان پر ٹوکے سے وار کئے گئے اور انہیں شدید زخمی حالت میں
ہسپتال پہنچایا گیا۔ بعد میں قاتل کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا تو عدالت نے حسب ذیل فیصلہ دیا:

بعدالت مسٹر وشن بھگوان ایم اے پی سی ایس۔ اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر

فوجداری مقدمہ...
مستغیث سرکار بنام ملزم قمر بیگ ولد نعمت بیگ مغل عمر ۲۰۔۲۲ سال۔ لوہار۔ سکنہ امرتسر
بجرم۔ ۳۰۷ تعزیرات ہند۔ تاریخ ارجاع۔ ۱۱ فروری ۱۹۳۸ء
قمر بیگ ولد نعمت بیگ مغل عمر ۲۰۔۲۲ سال لوہار سکنہ امرتسر پر جرم زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہند عائد کیا

گیا ہے کیونکہ مولوی ثناء اللہ لیڈر جماعت اہل حدیث پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔

مولوی ثناء اللہ حملہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو قریباً دن کے چار بجے وہ تانگہ میں سوار ہو کر کٹڑہ مہان سنگھ میں جہاں کہ انہوں نے مسجد مبارک میں اہل حدیث فرقہ کو مخاطب کر کے تقریر کرنی تھی، جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ بابو عبدالمجید، اسماعیل اور رضاء اللہ تھے۔ تانگہ سے اترنے کے بعد انہوں نے ڈاکٹر محمد اسحاق سے مصافحہ کیا جب کہ اچانک ملزم نے یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگا کر مولوی صاحب کی پیٹھ کی طرف سے ٹوکہ (گنڈاسہ) سے سر کی پچھلی اور داہنی طرف ضرب لگائی۔ مولوی صاحب حملہ آور کی طرف پھرے تو حملہ آور نے دوسری ضرب لگائی جو پیشانی اور چہرہ پر لگی۔ مولوی صاحب نے قمر بیگ کو اپنے حملہ آور کے طور پر شناخت کر لیا تھا۔ تب وہ گر گئے اور تھانہ بی ڈویژن میں لے جائے گئے جہاں کہ انہوں نے ابتدائی رپورٹ دی جو کہ ایگز بیٹ پی اے ہے۔ ان کی پگڑی اور کلاہ (پی (۱) اور (۲) سر کی پچھلی طرف سے چوٹ لگنے کے سبب کاٹے گئے اور پولیس نے اپنے قبضہ میں لے لئے۔ تھانہ سے وہ ہسپتال میں لے جائے گئے جہاں پر ان کا ڈاکٹری معائنہ کیا گیا۔ حملہ کا باعث انہوں نے یوں بیان کیا کہ:

> مخالف پارٹی المعروف بہ خادمان عرس نے زیر اہتمام محمد الدین دار بتواریخ یکم دوئم سوئم نومبر ۱۹۳۷ء مسجد جان محمد مرحوم میں جلسے کئے اور ان جلسوں میں مولوی ثناء اللہ اور ان کی پارٹی کے خلاف نفرت پھیلائی۔ وہ اس کو زیادہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے لیکن ان کو گمان ہے کہ ملزم جس کو وہ اس سے پیشتر جانتے بھی نہ تھے غالباً مخالف پارٹی کا رکن ہے۔

مولوی ثناء اللہ کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں: ڈاکٹر محمد اسحاق گواہ استغاثہ، عبدالرؤف گواہ استغاثہ، اسماعیل گواہ استغاثہ، اور رضاء اللہ گواہ استغاثہ۔ اور عبدالمجید گواہ جو کہ ہندوستان سے باہر حج کو چلے گئے۔ ان کی گواہی جو مسٹر شوری مجسٹریٹ نے زیر دفعہ ۵۱۲ ضابطہ فوجداری قلم بند کی تھی اس مسل (فائل) میں منتقل کر دی گئی ہے۔ انہوں نے بھی ملزم کو حملہ آور گردانا ہے اور استغاثہ کی کہانی سے جو دوسروں نے بیان کی ہے اتفاق کرتے ہیں۔

بابو رام تانگہ ڈرائیور گواہ استغاثہ نمبر ۶ جو کہ مولوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو مسجد مبارک تک تانگہ میں لے گیا تھا وہ بیان نہیں کر سکتا کہ آیا ملزم ہی حملہ آور تھا۔

سردار گوربچن سنگھ گواہ استغاثہ نمبر ۸ مجسٹریٹ فرسٹ کلاس ہیں جنہوں نے سب جیل کے

اندر ۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء کو شناخت پریڈ کروائی تھی اور جنہوں نے فرد شناخت پی ڈی تیار کیا تھا بیان کرتے ہیں کہ ثناء اللہ، اسماعیل اور رضاء اللہ نے درست طور پر ملزم کو شناخت کیا مگر بابو رام نے ایک دوسرے آدمی کو پہچانا۔ سب انسپکٹر گوربچن سنگھ گواہ استغاثہ نمبر ۹ نے ابتدائی رپورٹ پی اے قلم بند کی اور مولوی صاحب کی کلاہ اور پگڑی کو قبضہ میں لے لیا اور ٹوکہ (گنڈاسہ) پی ۳ جو کہ عبدالمجید نے پیش کیا تھا اسے بھی قبضہ میں لے لیا اور اس نے ثناء اللہ کے زخموں کی بھی فرد تیار کی جو پی ڈی ہے۔ ڈاکٹر پوری گواہ استغاثہ نمبر ۱۰، اسسٹنٹ سرجن سول ہسپتال امرتسر نے ثناء اللہ کے زخموں کا ملاحظہ اسی دن شام کے سوا چھ بجے کیا تھا اور انہوں نے مندرجہ ذیل زخم پائے:

۱۔ ایک گہرا زخم آٹھ انچ۔ سوا دو انچ جو کہ ہڈی تک گہرا اور سر کے پچھلے حصہ میں تھا اور سر کے دائیں طرف سے شروع ہوتا تھا۔ قطار میں اس زخم کے ساتھ اور چوتھائی انچ کے فاصلہ پر ایک اور گہرا زخم ...تھا جو کہ ہڈی تک گہرا تھا۔ ہڈی میں کٹ (قطع) کا نشان تھا جو سلاخ سے معلوم ہوتا تھا۔

۲۔ ایک گہرا زخم ناسک کے بائیں اور اوپر کی طرف تھا اور ہڈی تک گہرا تھا جو کہ زیادہ گہرے کٹ کا نشان رکھتا تھا اور نچلے حصہ میں زخم کی گہرائی چوتھائی انچ تھی۔

۳۔ ایک گہرا زخم، ترچھا تھا اور بائیں ابرو کے اندر کی طرف لگا ہوا تھا۔

یہ زخم ڈاکٹر صاحب کی رائے کے مطابق ٹوکہ سے لگائے جا سکتے ہیں اور وہ تازہ تھے۔ لیکن پنڈت دیوی دیال پروسیکیوٹنگ انسپکٹر گواہ استغاثہ نمبر ۱۱ بیان کرتے ہیں کہ ملزم ان کے روبرو تاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۳۸ دن کے دس بجے کلکتہ کے دو سپاہیوں نے پیش کیا اور ان کے پاس چٹھی پی۔ ایچ۔ کمشنر آف پولیس کلکتہ کی تھی اور ملزم نے اپنا منہ چادر سے لپیٹا ہوا تھا کیونکہ اس کی شناخت ہونی تھی اس لئے گواہ نے اس کو تلقین کی تھی کہ وہ چہرہ کو چھپائے رکھے اور اس معاملہ کے بارے میں چٹھی پی۔ ایھ۔ پر ایک نوٹ دیا تھا۔

ملزم حملہ سے انکار کرتا ہے اور اپنی غیر حاضری ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس دن جس دن حملہ ہوا تھا کلکتہ میں تھا اور امرتسر سے وہ پہلی نومبر کو رات گاڑی میں روانہ ہو گیا تھا۔

کل گیارہ گواہ صفائی میں گزرے ہیں پہلے چھ گواہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مولوی ثناء اللہ پر حملہ ہوتے دیکھا تھا اور ملزم حملہ آور نہیں ہے اور ہتھیار جو استعمال کیا گیا تھا وہ ٹوکہ نہیں تھا بلکہ لوہے کی کھری والا جوتا تھا مگر ملزم کی غیر حاضری ثابت کرنے کی خاطر تین گواہان نے صفائی پیش کی ہے۔ رحیم بخش گواہ صفائی نمبر ۷ بیان کرتا ہے کہ اس کا لڑکا باٹا نگر میں جو کلکتہ کے نزدیک

ہے قیام پذیر ہے اور ساڑھے چاہ گزر چکے ہیں کہ ملزم (قمر بیگ) شہر امرتسر سے گیارہ بجے رات کی گاڑی میں روانہ ہوا تھا۔ گواہ نے ملزم کو کچھ چیزیں اپنے لڑکے کو دینے کے لئے دی تھیں بعد میں اس نے اپنے لڑکے سے ان اشیاء کی رسید حاصل کی تھی۔ بابو معراج الدین ہیڈ بکنگ کلرک امرتسر گواہ صفائی نمبر ۸ اپنی روزانہ کیش بک سے ظاہر کرتا ہے کہ پہلی نومبر ۱۹۳۷ء کو تھرڈ کلاس کی ساڑھے آٹھ ٹکٹیں فروخت ہوئی تھیں جو کہ ۱۱ بجے والی گاڑی کے لئے جاری کی گئی تھیں۔

غلام رسول گواہ صفائی نمبر ۹، امرتسر کا ایک درزی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ ملزم اس کے گھر ۳ نومبر کو پہنچا اور ۴ نومبر کو ملزم نے اپنے آپ کو ۴ دن کے لئے غیر حاضر کیا تھا اور جب وہ واپس آیا تو اس نے گواہ کے ساتھ ۲۰ دن گزارے۔

پچھلے دو گواہ بشیر احمد اور جیون فہرست گواہان صفائی میں درج نہیں تھے۔ ان کو سماعت کے آخری روز ملزم کا باپ لایا تھا اور ملزم کی عرض پر ان کی گواہی بھی قلم بند کی گئی۔

بشیر احمد بیان کرتا ہے کہ قریباً پانچ ماہ گزرے ہوگے کہ دن کے ساڑھے چار بجے وہ ڈاکٹر محمد اسحاق کی بیٹھک پر شطرنج کھیل رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک آدمی دوڑے ہوئے آیا اور بیان کیا کہ کسی شخص نے مولوی ثناء اللہ پر جوتے سے حملہ کر دیا ہے۔ شطرنج کے کھلاڑی مسجد مبارک کی طرف دوڑے جہاں انہوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو زخمی حالت میں زمین پر لیٹے دیکھا۔ میں (یعنی گواہ) واپس آ گیا مگر ڈاکٹر محمد اسحاق کو وہاں مولوی صاحب کے ساتھ تانگہ میں چھوڑ آیا۔

جیون گواہ صفائی بیان کرتا ہے کہ پانچ یا چھ ماہ گزرے ہوں گے کہ دو پہر کے وقت وہ ڈاکٹر محمد اسحاق کے مکان کے آگے سے گزر رہا تھا تو اس نے ملزم کو ڈاکٹر محمد اسحاق سے گالی گلوچ ہوتے دیکھا۔ گواہ مذکور کے دریافت کرنے پر ڈاکٹر محمد اسحاق نے بتایا کہ ملزم نے اس کی ایک قیمتی دوائی کی شیشی توڑ دی ہے اور یہ کہ ڈاکٹر محمد اسحاق ملزم کو کسی مصیبت میں مبتلا کرائے گا جس سے اس کا بچنا ناممکن ہوگا۔

میں نے اس مقدمہ کو غور وخوض کے ساتھ دیکھا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ الزام ملزم پر ثابت ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اسماعیل گواہ استغاثہ مولوی صاحب کے دفتر میں نوکر ہے۔ عبدالمجید انجمن اہل حدیث (جس کا مولوی ثناء اللہ صدر ہے) کا سکرٹری ہے، اور عبدالرؤف بھی اہلحدیث ہے اور رضاء اللہ، مولوی صاحب کا پوتا ہے، ملزم اور ان کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ملزم کو حملہ سے پہلے جانتے بھی نہیں تھے۔ ان تمام نے بلا شبہ ملزم کو ہی مولوی ثناء اللہ کا

حملہ آور بیان کیا ہے اور ملزم نے گواہان استغاثہ کے متعلق کوئی بھی ایسی بات ظاہر نہیں کی کہ انہوں نے کیوں ملزم کو جھوٹے طور پر اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق کی بابت ملزم نے دشمنی ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کی یہ کوشش بالکل ناکام رہی۔ اور قیمتی دوائی کی شیشی ٹوٹ جانے کا سبب، جو جیون گواہ صفائی نمبر ۱۱ نے بیان کیا، صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ بات بعد میں بنائی گئی ہے۔ جرح کے دوران میں پوچھا گیا تو وہ بالکل کسی مختلف بات کی بابت تھا۔ اس پر جرح کے سلسلے میں یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ صفائی کی طرف سے اس وقت بتایا گیا تھا، یہ تھا کہ ڈاکٹر محمد اسحاق کے لڑکے کے سسر نے پولیس کی مدد سے ڈاکٹر کے گھر کی تلاشی کرائی تھی۔ نعمت بیگ ملزم کے باپ نے بھی گھر کی تلاشی کے سلسلے میں مدد کی تھی۔ ڈاکٹر محمد اسحاق کو اتنے الفاظ میں پوچھا گیا تھا کہ آیا اس نے اس وقت نعمت بیگ کو بدلہ لینے کی دھمکی دی تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ جیون گواہ صفائی کو صفائی کے گواہوں کی فہرست میں نہیں رکھا گیا تھا، لیکن ملزم کے باپ کی طرف سے ۲۸ مارچ کو پیش کیا گیا تھا۔ اصل میں جب پہلی مارچ کو ملزم سے پوچھا گیا تھا کہ کیا وہ اپنی مبینہ شکایات، جو کہ اس کو ڈاکٹر محمد اسحاق کے خلاف ہیں، پوری تفصیل سے بتانے کو تیار ہے۔ ملزم نے جواب دیا کہ وہ اس وقت اپنی شکایات بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ استغاثہ کے کسی بھی گواہ کا جھوٹا الزام دینے کا کوئی مقصد نہیں ہوسکتا۔

استغاثہ کے مضمون کی تصدیق ڈاکٹری گواہی بھی کرتی ہے اور جو کچھ صفائی کے گواہوں کی طرف سے بتایا گیا ہے اس سے اختلاف رکھتی ہے۔ میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ڈاکٹر پوری کی رائے کے مطابق سر کے پچھلے حصے پر زخم کھری والے جوتے سے نہیں لگایا جا سکتا تھا، بلکہ یہ زخم ٹوکے سے لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے دو گہرے زخم ایک ہی لائن میں ایک دوسرے سے سوا انچ فاصلے پر دیکھے تھے۔ میں نے ٹوکا (پی ۳) دیکھا ہے جس کی تیز دھار کے دو دندے ہیں۔ یہ دندے غالباً زخموں کے درمیان کے فاصلہ کی وجہ ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح سے زخم نمبر ۲ اور نمبر ۳ جو کہ ڈاکٹری شہادت کے مطابق ایک ضرب سے لگائے جا سکتے ہیں، چشم دید گواہوں کے بیان کے مطابق دوسری ضرب لگنے سے پہلے بابو عبدالمجید نے ملزم کے وار کرنے والے بازو کو پکڑ لیا تھا جس سے یہ ظاہر ہے کہ کیوں دوسری ضرب سے زیادہ نقصان نہ پہنچایا۔

صفائی کی کہانی میں بعض اور ناممکنات بھی ہیں۔ صفائی کے چھ گواہوں نے بتایا کہ انہوں نے اوروں کے ساتھ حملہ دیکھا تھا۔ ان میں سے کچھ حملہ آور کے پیچھے دوڑے لیکن پھر بھی

حملہ آور بھاگ گیا جو کہ ناممکن ہے۔ گواہوں میں سے کسی نے بھی سوائے اس کے کچھ نہیں بتایا کہ حملہ آور ملزم سے زیادہ موٹا اور لمبا تھا۔ یہ بات بعد میں بنائی گئی ہے۔

غیر حاضری کی شہادت بالکل مہمل ہے۔ یہ بات کہ ساڑھے آٹھ تیسرے درجہ کی ٹکٹیں یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو جاری کی گئی تھیں، بذات خود یہ ظاہر نہیں کرتی کہ ملزم ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ٹکٹیں لیں۔

رحیم بخش گواہ صفائی نمبر ۷ ملزم کا ہمسایہ ہے اس لئے وہ اس کو بچانا چاہتا ہے۔ اس طرح کلکتہ والا گواہ غلام رسول ملزم کے باپ کا ایک دیرینہ دوست ہے، وہ میری تسلی نہیں کر سکا کیونکہ اس کو نومبر کی ۳ تاریخ یاد ہے جس دن کہ ملزم کا کلکتہ پہنچنا بیان کیا جاتا ہے۔

گواہ صفائی نمبر ۱۰ بشیر احمد، جو کہ سمن کے ذریعہ طلب نہیں کیا گیا، کی شہادت بھی مضحکہ خیز ہے۔ اس نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ عموماً وہ اپنی دکان ۶ بجے سے پہلے نہیں چھوڑتا لیکن اس دن وہ دکان سے ۴ بجے چلا گیا کیونکہ اس کے مہمانوں نے اسے گھر بلایا تھا لیکن بجائے مہمانوں کے پاس جانے کے وہ ڈاکٹر محمد اسحاق کی بیٹھک پر شطرنج کھیلنے چلا گیا۔

وکیل صفائی نے میری توجہ مولوی ثناء اللہ کے ابتدائی بیان اور دوسرے بیان جو کہ انہوں نے عدالت میں دیا، کے اختلاف کی طرف دلائی۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ان کو صرف ایک ضرب لگی لیکن ان کا عدالتی بیان اور دوسرے گواہوں کی شہادت ہے کہ ان کو دو نمایاں ضربیں لگیں۔ کیفیت پولیس، جو کہ مولوی ثناء اللہ کی رپورٹ کے نیچے لکھی گئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پولیس افسر جس نے رپورٹ مرتب کی تھی اس نے خود بھی دو زخموں کی موجودگی نوٹ کی ہے اور زخموں کی فرد میں جو کہ اسی پولیس افسر نے تیار کی تھی دونوں زخموں کا واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر نے اس دن سوا چھ بجے ان زخموں کا ملاحظہ کیا اس لئے اس بات میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں زخم شروع ہی سے موجود تھے۔ یا تو مولوی صاحب دوسری ضرب لگنے کے بیان کرنے کو ابتدائی رپورٹ میں درج کروانا بھول گئے ہونگے کیونکہ اس وقت ان پر ایک تکلیف دہ حالت طاری تھی یا ابتدائی رپورٹ لکھنے والے افسر نے سہواً چھوڑ دیا ہوگا۔ اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرہ بھر بھی تامل نہیں کہ مولوی ثناء اللہ پر حملہ کرنے والا ملزم کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اس کا ارادہ مولوی صاحب کو قتل کرنا تھا۔ ملزم نے حملہ کا آغاز یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگا کر کیا۔ یہ نعرہ ایک تنگ دل متعصّبانہ خیالات رکھنے والے کا ہوتا ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ ایک نیکی کا کام کر رہا ہے۔

اس نے پہلی ضرب اپنے دونوں ہاتھوں سے ثناء اللہ کے اہم ترین حصہ پر لگائی اور جب مضروب اس کی طرف پھرے اس نے دوسرا وار کیا ۔ پہلے وار کی شدت کلاہ اور پگڑی نے، جو کہ مولوی صاحب نے پہنی ہوئی تھی، کم کر دی اور دوسرے وار کا زور عبدالمجید گواہ کی مداخلت نے کم کر دیا۔

ان حالات کے باوجود دونوں صورتوں میں ہڈی کٹ گئی ۔ جرم، جس کا ملزم مرتکب ہوا ہے، دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہند کی زد میں آتا ہے ۔ میں ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ملزم قمر بیگ کو مجرم گردان کر ۴ سال قید بامشقت کا حکم صادر کرتا ہوں ۔ (سنایا گیا)۔

دستخط ۔ وشن بھگوان ۔ اڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سر ۔ ۶، اپریل ۱۹۳۸ء

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی ۔ جون ۱۹۳۸ء)

جناب عبداللہ ثانی بعد میں ایک موقع پر اس مقدمے کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو ایک حملہ آور نے جناب ثناء اللہ امرتسری کے سر پر گنڈاسے سے وار کیا۔ ملزم کچھ دن امرتسر میں چھپا رہا، اس کے بعد فتح گڈھ کے قریب چک سکندر میں رہا، وہاں سے کلکتہ پہنچا۔ وہاں سے گرفتار کر کے ۲۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو بذریعہ پولیس امرتسر لایا گیا۔ ثبوت پختہ عدالت ماتحت میں پیش ہوا۔ فرد جرم کے بعد ملزم کی پارٹی نے گواہان صفائی پیش کئے جنھوں نے حلفیہ بیان دیا کہ کسی اور شخص نے کسی اور چیز سے ضرب لگائی ہے۔ ان گواہوں کو مجسٹریٹ نے ایک جھوٹی کہانی قرار دے کر دفعہ ۳۰۷ میں ۶۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو چار سال سخت قید کی سزا دی۔ اس پر مجرم کی طرف سے اپیل ہوئی جس کا فیصلہ ۲۹۔ ۲۹۔ اگست ۱۹۳۸ء کو ہوا اور سیشن جج نے جرم بحال رکھا اور شہادت صفائی کو ناقابل اعتبار قرار دیا۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء ص ۴۔۵)

جناب عبداللہ ثانی کے کی مذکورہ بالا تحریر میں سیشن جج کے فیصلے کا ذکر ہوا ہے، جو یوں درج ذیل ہے:

سیشن جج نے روداد مقدمہ لکھنے کے بعد اپنا فیصلہ بالفاظ ذیل لکھا:

میری رائے میں استغاثہ نے اپنا کیس ثابت کر دیا ہے اور فاضل مجسٹریٹ (اے۔ڈی۔ایم) ملزم مذکور کو زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہند سزا دینے میں بالکل

حق بجانب تھے۔.... ملزم نوجوان لڑکا ہے اور مولوی ثناء اللہ اور ان کی جماعت کے مخالفین کا بہکایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے حالات پیش آمدہ کے ماتحت چار سال قید با مشقت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ میں ملزم کے جرم کو زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیرات ہند بحال رکھتے ہوئے اس کی قید چار سال با مشقت کو تخفیف کر کے قید دو سال با مشقت میں تبدیل کرتا ہوں۔

سنایا گیا۔ دستخط: آئی۔ یو۔ خان۔ سیشن جج امرتسر۔ ۲۹۔ اگست ۱۹۳۸

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۳ ستمبر ۱۹۳۸ء ص ۱۲)

☆ متھرا

متھرا کی شبینہ مسجد میں اہل حدیث حضرات کو اگست ۱۹۶۷ء میں آمین بالجہر کہنے سے روکا گیا اور مسجد کے صدر دروازہ کو مقفل کر دیا گیا جس کی وجہ سے کچھ وقت تک اس مسجد میں اذان و جماعت نہ ہوسکی۔ مسجد میں تالا لگانے کا مقصد یہ تھا کہ اہل حدیث حضرات سنت رسول ﷺ کے مطابق آمین بالجہر کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکیں۔ اہل حدیث نے متھرا کے اڈیشنل منصف کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور ان کی طرف سے جناب نصیر بیگ، جناب مرزا بشیر بیگ اور ننھے خان مدعی ہوئے۔ احناف کی طرف سے سید فرزند علی مدعا علیہ تھے۔ متھرا کے اڈیشنل منصف جناب پی سی ماتھر نے ۱۸ نومبر ۱۹۷۰ء کو اہل حدیث کے حق میں درج ذیل فیصلہ دیا:

مقدمہ نمبر ۴۶۲۔ سنہ ۱۹۶۷ء مابین اہل حدیث و اہل فقہ ...مع خرچ کے ڈگری کیا جاتا ہے حنفیوں کے خلاف۔ حنفی مسلمانوں کو شبینہ اور عام مسجدوں میں اہل حدیث کو نماز پڑھنے اور امام کے پیچھے الحمد کے بعد آمین بالجہر کہنے سے روکنے سے مستقل طور پر منع کیا جاتا ہے۔

دستخط۔ پی سی ماتھر اڈیشنل منصف متھرا۔ ۱۸ نومبر ۱۹۷۰ء

اس کے بعد احناف نے ۱۹۷۱ء میں متھرا کے سول جج کی عدالت میں اپیل کی۔ جس کی نقل فیصلہ یوں ہے:

مقدمہ دیوانی اپیل نمبر ا، سنہ ۱۹۷۱ء مابین محمدی مذہب و حنفی مذہب

اپیل صرف اس حد تک منظور کی جاتی ہے کہ دعوی حنفیوں کے خلاف ڈگری کیا جاتا ہے۔

جو مسلمان حنفی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو مستقل حکم کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ اہل حدیث کو

نماز پڑھنے اور امام کے الحمد پڑھنے کے بعد لفظ آمین زور سے کہنے کو شبینہ مسجد یا دیگر عام لوگوں کی متھرا ضلع بھر کی مسجدوں میں نہ روکیں۔ کہیں پر بھی اہل حدیث مسلمان ہونے کے ناطے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اہل حدیث پہلی عدالت منصفی کا خرچہ دعویٰ لڑنے والے حنفیوں سے وصول کریں۔ فریقین اس اپیل کا خرچہ اپنا اپنا خرچہ برداشت کریں گے۔

دستخط جی ڈی چوپڑا سول جج متھرا۔ ۳۰۔ اگست ۱۹۷۲ء

اس کے بعد احناف نے الہ آباد ہائی کورٹ میں سول جج کے فیصلہ کے خلاف ۱۹۷۲ء میں اپیل کیا۔ ۲۸ فروری ۱۹۸۰ء کو اس اپیل پر جج نے فیصلہ سنایا جس کی تلخیص ہندی سے اردو میں ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کاسگنج نے بایں الفاظ کی ہے:

نمبر ۲۹۲۳، سنہ ۱۹۷۲ء۔

الہ آباد ہائیکورٹ کے معزز جج ایتا بھ بینر جی نے مقدمہ سنا اور ۲۸ فروری ۱۹۸۰ء کو فیصلہ سنایا۔

ہائیکورٹ میں احناف کے وکیل مسٹر محمد یعقوب صدیقی نے جج کے سامنے یہ نقطہ رکھا کہ:

مدعیان کے ذریعہ پیش کیا گیا مقدمہ متھرا عدالت میں چلنے کے لائق نہ تھا اور نچلی اپیل کی پہنچ بھی غلط تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ نچلی عدالت نے مدعا علیہم شبینہ مسجد کے خلاف ہی سٹے جاری کرنے میں غلطی نہیں کی بلکہ متھرا ضلع کی دیگر مسجدوں کے بارے میں بھی غلطی کی جس کے لئے کوئی رعایت بھی نہیں مانگی گئی تھی۔ وکیل صاحب نے مدعیان کے اپنے حقوق، زور سے آمین کہنے کے سوال پر کہا کہ یہ مذہبی رو سے غلط ہے اور مسجد میں نماز ادا کرتے وقت ان کے ذریعہ آمین زور سے کہنا ان کے حقوق میں دخل ہوگا۔

ہائی کورٹ میں اہل حدیث کے وکیل جناردن سہائے نے جواب میں کہا کہ اہل حدیث نے جو زور سے آمین کہنے کی طرح ڈالی ہے وہ دیگر مسلمانوں میں بھی جاری تھی اور اس بات کو اسلام کی مذہبی کتابوں کے مؤلفوں کے ذریعہ بھی ثابت کیا۔

معزز جج ایتا بھ بینر جی نے کہا کہ میں نے وکیل مسٹر جناردن سہائے کو سنا جنھوں نے عدالت کی فل بینچ کے ذریعہ فیصلہ شدہ تین مقدموں کا ذکر کیا جس میں جسٹس محمود کے بیان پر یقین کیا گیا۔ وہ تین مقدمے یہ ہیں:

۱۔ اس عدالت کی ۵ ججوں کی بینچ کے سامنے ۱۸۸۲ء میں مقدمہ۔ یعنی ملکہ معظّمہ بنام رمضان۔ آئی۔ ایل آر۔ ۷۔ الہ آباد ۴۶۱۔

۲۔ یہ معاملہ دوبارہ پھر اس عدالت کی فل بینچ کے سامنے رکھا گیا۔ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ۔ آئی ایل آر۔۱۲۔الہ آباد۔۴۹۴۔

۳۔ یہ معاملہ پھر اس عدالت میں فل بینچ کے سامنے رکھا گیا۔ جنگو بنام احمد اللہ۔ آئی ایل آر۔ ۱۳۔الہ آباد۔۴۱۹۔

یہ تینوں نظیریں دیکھنے کے بعد جج نے فیصلہ دیا کہ متنازع مسجد میں زور سے آمین کہنے کی بابت نچلی عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے، وہ صحیح ہے۔ میں اس بارے میں کوئی قانونی غلطی نہیں پاتا ہوں۔ اور یہ کہنا کہ یہ مقدمہ نچلی عدالت میں چلنے کے لائق نہیں تھا، اس عدالت کے ذریعہ دیئے گئے فل بینچ کے فیصلہ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ کی رو سے نچلی عدالت کو اختیار حاصل تھا۔ لہذا یہ اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ اس عدالت کے ذریعہ اس پر اچھے فیصلے کئے جا چکے ہیں کہ لفظ آمین نماز میں سورہ فاتحہ کے آخر میں کہا جا سکتا ہے لیکن دوسروں کے لئے مخل نہ بنیں ۔ اس لئے میں اس اپیل میں کوئی وزن نہیں پاتا ہوں اوپر مذکورہ نقاط کی روشنی میں یہ اپیل ناکامیاب ہوتی ہے اور خارج کی جاتی ہے۔ لیکن مقدمہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے مقدمہ کے خرچہ کے معاملہ میں کوئی حکم نہیں ہوگا۔ بتاریخ ۲۸ فروری ۱۹۸۰ء۔

(اس مقدمہ کی پیروی متھرا جماعت اہل حدیث کے حافظ مشتاق احمد نے کی تھی۔ اور نائب منصف اور سول جج کے فیصلے، حافظ مشتاق احمد کی تالیف: علمائے احناف کے متفقہ فتوے، طبع مصطفائی، آگرہ ۱۹۷۳ء سے منقول ہیں، اور الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کی ہندی نقل حافظ مشتاق احمد کے بیٹے حافظ عبدالوہاب متھراوی سے حاصل ہوئی ہے)

☆ ڈیرہ دون

آمین بالجہر کی پاداش میں ڈیرہ دون کی مسجد میں اہل حدیث کو نماز سے روک دیا گیا تھا جس پر اہل حدیث نے مقدمہ دائر کیا جس کا فیصلہ اہل حدیث کے حق ہوا تو مولانا احمد حسن شوکت نے اپنے اخبار شحنہ ہند میرٹھ میں لکھا:

دہرہ دون کا مقدمہ آمین بالجہر فتح ہوگیا جیسی ہم نے پیش گوئی کی تھی مسٹر میکفرسن مجسٹریٹ دہرہ دون نے ویسا ہی انصاف کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ ہم اپنا وہ حکم واپس لیں گے جو اہل حدیث کو مسجد متنازعہ فیہ میں نہ جانے کی نسبت تھا۔ اور صاحب پولیٹیکل ایجنٹ کی چٹھی جو امیر

یعقوب خان کی حمائت میں آئی تھی واپس کریں گے۔ کمپاس کے نقشوں سے ثابت ہوگیا کہ یہ پرانی مسجد ہے۔ امیر صاحب کا اس میں کوئی حق نہیں اور حق بھی ہو تو تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔ ہم تمام اہل حدیث بالخصوص پیر جی خدا بخش و محمد حنیف صاحب سوداگران و اراکین مجلس اسلامیہ دہرہ دون کو اس بین فتح یابی کی مبارکباد دیتے ہیں۔

☆ سیتا مڑھی

مسجد سیتا مڑھی شہر کے کورٹ بازار کی ایک مسجد ہے میں حافظ نصر اللہ (نابینا) امام تھے وہ اہل حدیث ہو گئے تو احناف نے انہیں تکلیفیں دیں اور مسجد سے نکال دیا۔ اس پر عدالت میں مقدمہ دائر ہوا جس کا فیصلہ ۷ فروری ۱۹۰۶ء کو اہل حدیث کے حق میں فیصلہ ہوا۔

(سوانح مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی)

☆ ضلع شاہ آباد۔ (آرہ)

ضلع شاہ آباد (آرہ) کے قصبہ ڈمراؤں بارہ مسجدیں اور ایک عید گاہ تھی۔ اس گاؤں میں حاجی الٰہی بخش مرحوم کے خاندان والے بہت زمانہ سے عامل بالحدیث تھے ان کی صحبتوں سے مستفیض ہو کر اور شخصوں نے بھی اس طریقہ کو اختیار کیا ان میں سے ایک شخص مسمی مولا بخش تھے جو جامع مسجد ڈمراؤں کے امام تھے۔ ۱۸۹۸ء تک مابین اہل حدیث و احناف کوئی تنازعہ نہ تھا۔ برابر امام مذکور کی اقتداء کے ساتھ جامع مسجد ڈمراؤں میں احناف و اہل حدیث نماز جمعہ باہم مل کر ادا کرتے تھے۔ پھر احناف نے مولوی ابوالبرکات غازی پوری کے اشتعال سے جمعہ کے روز عین خطبہ کے وقت امام مذکور کو ممبر سے ہاتھ پکڑ کر اتارنا اور بزور جماعت اہل حدیث کو مع امام کے مسجد مذکور میں نماز پڑھنے و امامت کرنے سے روکنا چاہا۔ اس پر عدالت میں مقدمہ دائر ہوا اور اہل حدیث بارہ برس مسلسل ہائی کورٹ تک مقدمہ لڑتے رہے اور ہر جگہ ڈگری اہل حدیثوں کی ہوتی رہی۔ یہ وہی مقدمہ تھا کہ جناب مولانا عبداللہ غازی پوری و مکرمنا مولوی عبدالعزیز محدث رحیم آبادی و علماء کرام شہر آرہ کے شب و روز کوشاں و سرگرداں رہتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں ہائیکورٹ سے جب اہلحدیثوں کو ڈگری ہوئی تو جامع مسجد مذکور کو حنفیوں نے چھوڑ دیا اور اپنا جمعہ دوسری مسجد میں قائم کر لیا اور اس مسجد میں جماعت اہل حدیث اپنے امام کے ساتھ برابر نماز پڑھتے رہے۔ چھ سات برس کے بعد حنفیوں نے پھر اس مسجد میں قدم رکھا کہ ہم لوگ بھی اپنے امام کے ساتھ اس مسجد میں جمعہ کی نماز

ادا کریں گے۔ تاہم یہاں کے آنریری مجسٹریٹ کے سامنے آپس میں مصالحت ہوگئی کہ بارہ سے ایک بجے تک اہل حدیث اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھیں اور ایک بجے کے بعد حنفی اپنے امام کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ایک کاغذ پر مسودہ تیار کر کے دونوں طرف کے ذی اثر لوگوں کے دستخط کرا لئے گئے۔ چونکہ احناف جمعہ ادا کرنے کی نیت سے اس مسجد میں نہیں آئے تھے مصالحت ہو جانے کے بعد پھر اپنی اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے لگے جس میں ڈگری کے بعد جمعہ قائم کیا تھا۔ مگر برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی صورت سے اہل حدیثوں کو زک دی جائے اور ان کو تنگ کیا جائے۔ ۱۹۲۴ء میں پھر ای ڈگری شدہ مسجد میں ایک مولوی صاحب غازی پوری تشریف لائے اور مولود کا بہانہ کر کے کلا حناف ڈمراؤں و اطراف کو جمع کیا اور کہا کہ تم اس قدر کثیر تعداد میں ہو اور وہابی معدودے چند۔ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے کہ مسجد کو چھوڑ دیا۔ تم لوگ آمادہ ہو جاؤ اور آئندہ جمعہ کو ان وہابیوں کو بزور مسجد سے نکال دو۔ یوں سارا شہر اہل حدیثوں کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ اس حالت کو دیکھ کر اہل حدیث کی طرف سے ایک درخواست سب انسپکٹر پولیس کو دی گئی کہ جمعہ کے روز سخت بلوہ کا اندیشہ ہے لہٰذا مناسب کاروائی کی جائے۔ احناف نے بھی پنج شنبہ کو پیش بندی کے طور پر سب ڈویشنل مجسٹریٹ بکسر کو اطلاع دی کہ ہم لوگ برابر جامع مسجد میں اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اس جمعہ کو اہل حدیث فساد کرنا چاہتے ہیں۔ جمعہ کے دن مجسٹریٹ نے سب انسپکٹر پولیس کو حکم بھیج دیا کہ جو جس طرح نماز پڑھتا ہو پڑھاؤ اور فساد کو روکو۔

روز جمعہ دن کے ۱۱ بجے احناف ڈمراؤں ونواح مسجد میں جمع ہونے لگے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے سب انسپکٹر پولیس بھی آ پہنچا اہل حدیث معدودے چند خدا کے بھروسہ پر مسجد میں داخل ہوئے۔ پولیس نے مصالحت نامہ کے مطابق حکم دیا کہ بارہ بجے سے ایک بجے تک اہلحدیث اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھیں اور بعد ایک بجے کے احناف۔

اہلحدیث کا امام ممبر پر گیا اور احناف مسجد چھوڑ کر باہر چلے گئے اور سب ڈویشنل مجسٹریٹ بکسر کو تار دیا۔ تین بجے مجسٹریٹ ڈمراؤں پہنچ گئے اور تحقیقات کے بعد دونوں فریق سے کہا کہ تم لوگ بتاریخ ۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو اپنا اپنا ثبوت میرے اجلاس میں پیش کرو۔

تاریخ مقررہ پر فریقین نے مجسٹریٹ کے اجلاس میں ثبوت پیش کیا۔ اس کے بعد مجسٹریٹ نے اللہ کی مہربانی سے حسب دفعہ ۱۴۴ نوٹس احناف پر جاری کیا۔ احناف نے فیصلہ کو قبول نہ کرتے ہوئے کلکٹر ضلع کے صدر مقام آرہ میں اپیل کیا۔ مقدمہ کی تاریخ ۱۸ ستمبر تھی اس مقدمہ کی

پیروی میں کل احناف ڈمراؤں اورنواح کے آرہ نے جس میں حنفی وکیل ومختار بھی شامل ہیں کوشش بلیغ ہرصورت سے مالی وجسمانی کی ۔ کلکٹر نے ۱۹ستمبرکو فیصلہ سنایا کہ مجسٹریٹ کے فیصلہ کو بحال رکھتے ہوئے اپیل کو خارج کیا جاتا ہے ۔(عبدالرحمٰن عفی عنہ باگوی آروی ،از ڈمراؤں)۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۲دسمبر۱۹۲۴ء ۔ص۴۔۵)

☆ کلکتہ

کلکتہ میں حنفیوں نے اہل حدیث کی مسجد پر حملہ کر کے نقصان پہنچایا اور عدالت میں مقدمہ دائر ہوا۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۹مئی ۱۹۳۱ء ص۱۴)

مقدمہ در محمدی :

جناب ثناء اللہ امرتسری بتاتے ہیں کہ کلکتہ میں جناب محمد دہلوی پر چلنے والے مقدمے کا فیصلہ ہوگیا ہے ۔اس مقدمے کے دو جزو تھے۔ایک چو ورقہ ٹریکٹ درمحمدی جو دفعہ۱۵۳ الف کے ماتحت رکھا گیا دوسرا مولوی صاحب کی تقریر کا جو دفعہ ۲۹۵ کے تحت رکھی گئی تھی ۔کتاب کا حصہ زیادہ خطرناک تھا جو بعد تحقیق صاف ہوگیا یعنی کتاب قابل اعتراض نہ رہی اور مولوی صاحب اس میں بری ہوئے ۔رہا حصہ تقریر،سواس میں ۵۰۰ روپئہ جرمانہ ہوا۔جس کی وجہ بھی غالبًا یہ ہوئی کہ فریق مخالف کی شورش اور ایجی ٹیشن دیکھ کر جج اور اسیسروں کو خیال ہوا کہ اگر بالکل چھوڑ دیا تو سخت فساد ہو گا اس لئے بغرض تبرید جرمانہ کر دیا۔(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۹ مئی ۱۹۳۱ء ص ۱۵۔۱۶)

☆ الہ آباد ۔ ۱۹۲۹ء

الہ آباد میں اہل حدیث کی ایک پرانی مسجد تھی جسے حنفیوں نے اپنے قبضہ میں کرلیا تھا ۔ اس پر سلسلہ مقدمہ شروع ہوا جو ہائی کورٹ تک پہنچا۔ ہائی کورٹ میں ۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو پیشی تھی لیکن اہلحدیث کے وکیل نے بوجہ محنتانہ نہ ملنے کے مقدمہ میں سعی سے پہلوتہی برتنی شروع کر دی جس کے نتیجہ میں تاریخیں آگے کو بڑھتی جاتی ہیں ۔

(ہفت روزہ اہل حدیث یکم فروری ۱۹۲۹ء ۔ص ۱۵؛ اخبار محمدی دہلی ۔ یکم مارچ ۱۹۲۹ء ص ۱۳)

☆ پھوارہ ضلع دربھنگہ ۱۹۳۴ء

جماعت اہل حدیث پھوارہ ضلع دربھنگہ کا ایک خط شائع ہوا جس میں بتایا ہے:

ضلع دربھنگہ میں ڈویژن مدھوبنی میں مقام پھوارہ مسلمانوں کی ایک بڑی بستی ہے جہاں ہزار گھر سے اوپر چند محلے مسلمانوں کے آباد ہیں جس میں تقریباً سوا سو گھر غریب اہل حدیث ہیں۔ محلّہ کی ایک مسجد میں مدت سے دونوں فریق اہل حدیث و احناف نماز پڑھتے چلے آئے۔ گزشتہ رمضان میں ایک حنفی مولوی نے لوگوں سے کہا کہ وہابیوں کے پیچھے اور ان کے ساتھ شامل ہونے سے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ چند اہل حدیثوں نے مولوی صاحب مذکور سے اس کا ثبوت طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تم لوگوں کو کچھ نہیں کہتا۔ مجھ کو جو کچھ کہنا تھا اپنے بھائیوں سے کہہ دیا، تم کو کیا؟ پھر دن عشاء کی نماز ایک اہل حدیث حافظ شروع کر کے قرأۃ پڑھ رہا تھا پیچھے سے ایک حنفی آیا اور اس اہل حدیث امام کو کھینچ کر پیچھے کر دیا کہ ہمارا امام خود نماز پڑھاوے گا۔ اچانک واقعہ تھا، شور و غل ہو گیا۔ بالآخر تنگ آ کر اہل حدیثوں نے حکومت کے یہاں درخواست دی۔ ڈپٹی مجسٹریٹ تحقیقات کو آئے اور بعد تحقیقات دونوں فریق سے مچلکہ ضمانت لے کر یہ فیصلہ کر دیا کہ مسجد کا امام حنفی رہے گا اور اہل حدیث اپنے طریق پر نماز وغیرہ ادا کریں گے، کسی فریق کو کوئی حق نہیں کہ کسی کو روک ٹوک کرے۔ کچھ دنوں بعد پھر برادران احناف نے ان غریبوں کے ساتھ نزاع شروع کر دی۔ اول اذان سے روکا، پھر یہ جھگڑا کیا کہ یہ لوگ اور ان کے لڑکے آمین چلا کر کہتے ہیں۔ رفع یدین کرنے والے کی ٹانگیں کھینچ کر اوندھے منہ گرا دیا جاتا۔ آمین بالجہر کہنے والے کا ان پکڑ کر مل دیئے جاتے ..ایک روز صبح کی نماز کے وقت حنفیوں نے مسجد کے دروازہ پر اہل حدیث نمازی کو روک دیا کہ تم وہابیوں کو مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔ اس پر شور و غل ہونے لگا۔ بعض تو دوسری مسجد کو چلے گئے اور کچھ لوگ اڑ گئے کہ ہم ضرور نماز پڑھیں گے۔ پھر کیا تھا حنفیوں نے مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور مارتے پیٹتے اہل حدیثوں کو محلّہ سے نکال دیا اور ان غریب اہل حدیثوں پر اس قدر اینٹیں برسائیں کہ ان کے آنگن اینٹوں سے بھر گئے۔ دو تین مکانوں کو توڑ تاڑ دیا۔ گھروں میں گھس گئے جو کچھ پایا لوٹ لے گئے۔ پھر اہل حدیث حکومت کے پاس گئے اور مقدمہ چلا۔ پھر حنفیوں نے ایک عالم مولوی محمد یعقوب حنفی مدرس دوم مدرسہ احمدیہ مدھوبنی کو لا کر وعظ کرایا۔ مولوی صاحب نے احناف کو کہا کہ یہ غیر مقلدین لا مذہب بد دین ہیں، ان کو تم زہریلے سانپ سمجھو۔ جہاں پاؤ، مارو

پیٹو۔صبح کو اہل حدیث پھر حکومت کو اس کی اطلاع دی گئی۔تب حکومت کی طرف سے نمازیوں کی حفاظت کے لئے پولیس تعین کی گئی جس نماز کے وقت پولیس غیر حاضر ہو جاتی غریب اہل حدیثوں کو سوئیاں چبھوئی جاتیں اور کہا جاتا کہ آمین بالجہر کا مزہ چکھو وغیرہ۔ اور مسجد کے نزدیک ایک کنواں ہے کنویں کا پانی لینے سے روکتے۔ایک دن ایک غریب اہل حدیث عورت پانی لینے کے لئے گئی حنفیوں نے اس کے گھڑے توڑ دیئے۔عورت مذکور واویلا کرنے لگی۔ برادران احناف اسے گھسیٹ کر بستی میں لے جا کر مانے لگے۔عورت کے اقرباء دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے اور فساد شروع ہو گیا جس میں کئی لوگ زخمی ہوئے۔اور نتیجتًا تین چار مقدمے فریقین میں چلنے لگے۔ باہر کے لوگوں کے ذریعہ صلح کی کوشش ہوئی اور منشی زید وائس چیرمین نے بڑی کوشش کی۔زلزلہ عظیم کے باعث حکومت نے بھی ترس کھایا اور صلح کی منظوری اس صورت پر کی کہ ہم مسجد کے لئے چندہ کرتے ہیں پبلک چندہ میں مدد دے۔ مجسٹریٹ وڈپٹی مجسٹریٹ وچیئر مین، حکام ڈویژن نے چندہ کر کے ایک مسجد الگ بنوانی شروع کر دی اور صلح کرا دی اور یہ فیصلہ صادر کیا کہ نئی مسجد میں اہل حدیث نماز و غیرہ ادا کریں گے اور پرانی حنفیوں کے قبضہ میں رہے گی۔

ہمارے اطراف میں اگر کوئی حنفی کسی اہل حدیث کے یہاں کھانا کھا لے تو اس پر مبلغ ۱۴ روپے جرمانہ اور اگر کوئی لڑکے لڑکی کا نکاح کر دے تو اس پر مبلغ ایک سو روپیہ جرمانہ مقرر ہے۔ یہ احناف کا اہل حدیثوں کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک ہے۔

منجانب۔حافظ عبدالرزاق ارم اینڈ کو۔محمد حسین۔محمد صدیق۔عبدالحمید۔محمد احمد، حافظ محمد یعقوب۔مولوی محمد حسین۔ جماعت اہل حدیث پھوارہ ضلع دربھنگہ۔ (مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔اکتوبر ۱۹۳۴ء)

☆ کیندر پاڑہ

جناب ابوالقاسم خالد العربی لکھتے ہیں:

عاجز کٹک سے جب کیندرہ پاڑہ پہنچا، اس وقت جامع مسجد کیندرا پاڑہ کے متولی نے مجھ کو ایک انگریزی چو ورقہ خط لا کر دیا۔ یہ خط منجانب سکرٹری کمیٹی احناف تھا۔اس خط کا مضمون درج ذیل ہے:۔

۱۔عامل بالحدیث کو جامع مسجد میں کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲۔رفع یدین جامع مسجد ہذا میں نہ کرے ۳۔آمین بالجہر نہ کرے۔۴۔ سینے پر ہاتھ نہ باندھے۔

۵۔ کسی قسم کی کتابیں نہ پڑھے۔ ۶۔ بغیر اجازت سکرٹری احناف کے وعظ نہ کرے۔ ۷۔ جامع مسجد کے پیش امام کی رپورٹ یہ تھی کہ عامل بالحدیث کے پیچھے ہم حنفیوں کی نماز جائز نہ ہوگی۔

مقلد دوستو! کیا تم امام اعظم کے مقلد ہو، یا جامع مسجد کے پیش امام کے؟.. مسجد کس کی؟ اللہ کی یا کمیٹی کی۔ آنحضرت ﷺ کے وقت میں تو عیسائی بھی مسجد نبوی میں اپنے طریق پر عبادت کرتے۔..اپنی بحرالرائق کو دیکھو جلد دوم ص ۳۶ میں لکھا ہے: لا یجوز لا حدٍ مطلقاً ان یمنع مؤمناً من عبادة یا تی بھا فی المسجد۔ کہ ہرگز کسی شخص کو کسی وقت جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو کسی قسم کی عبادت سے مسجد سے روکے..... جامع مسجد میں حدیث شریف کی تلاوت ہوا کرتی تھی اس وجہ سے اب کمیٹی کی طرف سے حکم صادر ہوتا ہے کہ مسجد کے اندر کسی قسم کی کتابیں پڑھی نہ جائیں۔ پھر مسجد کس کام کے لئے ہے؟ مرثیہ خوانی کرنے کیلئے۔.. بارہا ہم نے اس پیش امام سے پوچھا کہ عامل بالحدیث کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟ مگر ہنوز جواب نہیں دیا گیا۔

(اخبار محمدی دہلی۔ یکم مارچ ۱۹۳۵ء ص ۱۶۔۱۷)

اخبار محمدی دہلی میں اس کے بعد یہ خبر شائع ہوئی:

کیندر پاڑہ کی جامع مسجد میں حنفیوں نے ایک کمیٹی منعقد کی کہ آئندہ بغیر اجازت کمیٹی کے سکرٹری صاحب کے مسجد میں کوئی شخص قرآن وحدیث کی تلاوت نہیں کرسکتا، یا کوئی واعظ بغیر اجازت اس مسجد میں وعظ نہیں کرسکتا۔ وغیرہ

بذریعہ منادی ونوٹس کے آگاہ کرایا گیا کہ یہ مسجد خاص حنفیوں کی ہے۔ اس میں عامل بالحدیث نماز نہیں پڑھ سکتے۔ بے چارے غریب اہل حدیث جو کہ قدیم سے تا ایں دم اس مسجد میں نماز پڑھتے آئے تھے اور ان کو اپنی نماز ادا کرنے کیلئے دوسری مسجد نہ تھی ایک دن ادائے نماز کیلئے وہاں جانے کا قصد کیا مسجد کے دروازے پر پہنچتے ہی حنفیوں نے از حد زدوکوب کیا۔ برموقعہ یہاں کے ڈپٹی مجسٹریٹ کے پہنچ جانے سے بے چارے اہل حدیث بچ گئے۔ فوجداری عدالت میں نمبر ۲ مقدمہ دائر ہوا اور جس میں ایک سیاح دستار بند مولوی صاحب کو جو یہاں تشریف لائے تھے حنفیوں نے اپنی طرف سے گواہی میں پیش کیا۔

۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو مولانا صاحب نے کورٹ میں کھڑے ہوکر حلفیہ بیان فرمایا کہ میرا نام محمد امین خان ولد فیض طلب خان سکنہ بانس بریلی حال ساکن کندرا پاڑہ ہے

میں الہ آباد یونیورسٹی کا پاس شدہ مولوی ہوں ۔ میں ہند کے اطراف و جوانب میں مذہب اسلام کا مبلغ ہوں ۔ میں ہند کے ہر گوشہ میں اہل حدیثوں کو دیکھا ہے وہ لوگ علیحدہ مساجد میں نماز پڑھا کرتے ہیں ۔ وہ لوگ خارج از اسلام ہیں ۔ جو لوگ چاروں آئمہ کے مقلد ہیں ، وہ مسلمان ہیں ۔ اہل حدیث کسی امام کے مقلد نہیں ، اس لئے وہ مرتد و مشرک و کافر ہیں ۔ چاروں آئمہ کے چار مصلے ہیں ۔ ان چار مصلوں کے سوا اور کوئی مصلی نہیں ۔

جرح از اہل حدیث ۔

س ۔ تم اپنے مولوی پاس ہونے کا سرٹیفیکیٹ کورٹ میں داخل کرو ۔

ج ۔ میرے پاس سرٹیفیکیٹ موجود نہیں ہے ۔

س ۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے کتنے صدی بعد آئمہ نمودار ہوئے اور کس صدی میں پیدا ہوئے ؟

ج ۔ میں یہ بات نہیں کہہ سکتا ۔

س ۔ عرب کے موجود سلطان (عبدالعزیز) غیر مقلد ہیں یا نہیں؟

ج ۔ عرب کے سلطان غیر مقلد ہیں ۔ پھر دوبارہ کہا: نہیں وہ حنبلی ہیں ۔

س ۔ حنبلی رفع یدین و آمین بالجہر کہتے ہیں یا نہیں؟

ج ۔ ہاں حنبلی رفع یدین و آمین بالجہر کہتے ہیں ۔ اور پھر کہا: نہیں نہیں وہ نہیں کرتے ۔

س ۔ اہل حدیث مسجد میں جماعت کے ساتھ ، خواہ نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب ۔ ہم حنفیوں کی جماعت میں نماز نہیں پڑھ سکتے ۔ یا الگ بھی نہیں پڑھ سکتے ۔ اور مسجد میں جا نہیں سکتے ۔

س ۔ تم صحاح ستہ پڑھے ہو؟ اہل حدیثوں کو مسجد میں نہ جانا اور جماعت میں شریک نہ ہونا کس جگہ لکھا ہے؟

ج ۔ صحاح ستہ میں نے پڑھی ہے ، اس میں لکھا کہ جو شخص نماز میں آمین بالجہر اور رفع یدین کرے وہ شخص کافر ہے ۔

س ۔ تم اس کی دلیل دکھا سکتے ہو؟ کہاں لکھا ہے؟

ج ۔ ہاں صحیح بخاری سے اس کی دلیل پیش کرونگا لیکن اس وقت میرے پاس وہ کتاب موجود نہیں ہے ، مگر اہل حدیث لوگ مرتد و مشرک ہیں ۔

الحمدللہ مذکورہ ہر دو فوجداری مقدموں کا فیصلہ مورخہ ۱۱و۱۲ فروری ۱۹۳۵ء کو صادر ہوا کہ ایک حنفی کو ایک صد روپے جرمانہ اور تین آدمیوں کو پچاس پچاس روپے اور دو حنفیوں کو دس دس روپے جرمانہ ہوا۔ اب صدر کورٹ میں اپیل دائر ہونے والی ہے۔

(اخبار محمدی دہلی ۱۵ مارچ ۱۹۳۵ء ص ۱۶۔۱۷)

پھر اخبار محمدی دہلی میں یہ خبر شائع ہوئی:

کیندر پاڑہ میں اہل حدیث زدوکوب کر کے مساجد سے نکالے گئے تو ماتحت عدالت میں چارہ جوئی ہوئی۔ ماتحت عدالت میں اہل حدیث کو فتح ہوئی۔ مخالفوں نے ضلع مجسٹریٹ کی عدالت میں اپیل کی وہاں سے بے نیل ومرام واپس ہوئے البتہ جرمانہ میں کسی قدر تخفیف ہوگئی، پھر مخالفوں نے ضلع جج کے ہاں اپیل دائر کردی۔

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔ جولائی ۱۹۳۵ء)

پھر مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی میں یہ خبر شائع ہوئی:

کیندر پاڑہ ضلع کٹک میں ضلع جج کے کورٹ میں جو موشن مخالفوں نے دائر کیا تھا وہاں بھی احناف ناکام رہے۔ موشن نامنظور ہوا اور تحت کورٹ کی رائے قائم رہی۔ اب مخالفین ہائیکورٹ میں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

(مسلم اہلحدیث گزٹ دہلی۔ اگست ۱۹۳۵ء)

چند ماہ بعد یہ خبر شائع ہوئی:

کیندر پاڑہ والے مقدمہ میں اہل حدیث لیگ کلکتہ والوں کی حمایت اور محبوب علی خان بھدرک اور اہل چھپوا کی کوشش و جانفشانی سے ماتحت کورٹ سے ہائی کورٹ تک فتح پائی۔ جماعت مخالفین پر ڈھائی سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ اس اثنا میں ایک دن ہم لوگ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجدوں میں داخل ہوئے۔ تاہم احناف نے پھر پرانے حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں، اور اہل حدیث نے دق ہوکر اپنے حق کا دعوی دیوانی عدالت میں کیا ہے۔ (میر محمد شریف خازن جماعت اہل حدیث کیندر پاڑہ ضلع کٹک اڑیسہ)۔

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔ نومبر ۱۹۳۶ء)

تقریباً دو سال بعد ابوالوحید محمد عبداللہ عقیل مئوی کی جانب سے یہ رپورٹ شائع ہوئی:

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قبیل عصر میں کیندراپاڑہ وارد ہوا تو معلوم ہوا کہ دو تین روز

سے احناف نے اہل حدیثوں کو محلّہ (فقیر آباد) کی مسجد میں داخل ہونے کی قطعی ممانعت کر دی ہے نیز جامع مسجد متصل کلکٹری میں شرکت جماعت سے مزاحم ہیں، حالانکہ جامع مسجد مذکور میں حسب خواہش ہر طرح نماز ادا کرنے کی نہ صرف اہلحدیث کو ڈگری حاصل ہے بلکہ عمل درآمد بھی جاری ہے تاہم احناف کی کثرت وقوۃ نے اہل حدیث کو ایسا ہی تختہ مشق بنا رکھا ہے جیسا کہ ظالم مظلومین کو بنایا کرتے ہیں۔ فصبر جمیل

واقعہ وحقیقت یہ ہے کہ کیندرا پاڑہ کے مٹھی بھر اہل حدیثوں کی نہ صرف عزت و آبرو اور جان و مال ہی اس وقت غیر مامون اور غیر محفوظ ہے بلکہ خود ان کا وجود بھی سخت نرغے اور خطرے میں ہے۔ مزید براں تونگری حیثیت سے یہاں صرف دو شخص (میر محمد شریف اور میر ولی محمد) جماعت کے قوت بازو تھے لیکن متواتر مقدمات کے باعث یہ ہر دو شخص مقروض وتنگ دست اور فاقہ مست ہو چکے ہیں تاہم برادران احناف کو سیری نہیں۔ چنانچہ ہفتہ عشرہ سے ایک چوری کے جعلی مقدمہ میں میر محمد شریف کو جاں بلب کر رکھا ہے جس کے ناقابل برداشت صدمہ میں آپ کو صاحب فراش بھی کر دیا ہے۔ کیندرا پاڑہ کی جماعت میں فی الحال ایک شخص شفاعت اللہ ہے جو شب و روز سرگرداں کوشاں ہراساں اور حیران پریشان رہتا ہے دوسرے صاحب مولوی ضیاء الحق بھی قابل ذکر اور ہمدرد جماعت ہیں..

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۶ دسمبر ۱۹۳۸ء ص ۱۱۔۱۲)

چند ماہ بعد اخبار اہل حدیث امرتسر میں بتایا گیا:

اہل حدیثان کیندہ پاڑہ نے مسجد میں نمازیں مسنونہ طریق پر ادا کرنے کے لئے عدالت سے ڈگری حاصل کی تھی جب ہم پنج وقتہ نمازیں ادا کرنے کے لئے مسجد مذکور میں پہنچے تو کثرت جماعت بریلوی نے ہماری شدید مخالفت کی اور شرکت جماعت سے منع کیا۔ تاہم ہم نمازیں مسنون طریق پر پڑھیں۔ چند روز اسی طرح کی حالت رہی آخر ایک روز جمعہ کے دن امام مسجد نے یہ بات ٹھانی کہ ہم ہرگز اہل حدیث کو جماعت میں شامل نہیں ہونے دیں جب خطبہ کا وقت ہو گیا تب بھی اس بات پر ضد کرتا رہا کہ اہل حدیث رفع یدین اور آمین نہ کریں کیونکہ ہماری نماز ناقص ہو جاتی ہے۔ حتی کہ وقت گزرنے چلا تو ہم نے لاچار ایک اہل حدیث کو منبر پر بھیجا۔ پہلے ہم نے نمازیں

پڑھیں بعد میں انہوں نے پڑھیں ۔ یہ حالت ابھی تک جاری ہے مگر ہم مسجد میں دیگر پنج وقتہ نماز سے محروم ہیں اور شرکت جماعت سے مزاحم ہیں جمعہ کے دن ہماری نماز کے وقت وہ لوگ غوغا مچاتے ہیں امام مسجد ہمارے خلاف عوام کو اشتعال دلاتا رہتا ہے ۔ یہاں ہماری جان عزت آبرو اور مال سخت خطرہ میں ہے ۔ ہم برادران یوسف کے تختہ مشق بنے ہوئے ہیں ۔ محمد داؤد احمد ۔ کیندراپاڑہ ضلع کٹک اڑیسہ

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۔ ۱۴ ۔ اپریل ۔ ۱۹۳۹ء ص ۱۲)

باری

جناب حکیم عبدالحنان بہاری لکھتے ہیں :

قصبہ باری پرانا قصبہ ہے ۔ یہاں قدم قدم پر مسجد ہے ۔ تمام مکانات سنگ سرخ کے بنے ہوئے ہیں ۔ دو قلعے ہیں ۔ ایک قلعہ پر راجہ دھول پور کا قبضہ ہے ، اور ریاست کی کچہری اسی میں ہے ۔ دوسرا قلعہ ایک اسلامی خاندان کا ہے ۔ یہاں کے ایک شخص محمد علی خان آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس علی گڈھ میں شریک ہوئے ۔ تقاریر سن کر اہلحدیث ہوگئے اور نماز سنت کے موافق پڑھنی شروع کردی اور تبلیغ سنت کا خوب کام کیا ۔ اب حال یہ ہے کہ اس قصبے میں سو گھر لوہاروں کے اہل حدیث ہیں ، پٹھانوں میں بھی چند گھر اہل حدیث ہیں ۔ یہاں جماعت کی ترقی میں مولوی عبدالمجید کا بھی بڑا دخل ہے انہوں نے سٹیشن کے قریب ایک مدرسہ بھی بنایا ہے ۔ مدرسہ کی بنیاد رکھتے ہوئے لوگوں نے مخالفت شروع کردی ۔ مقدمے ہوئے ، زمین چھیننے کی کوشش ہوئی ۔ ڈرایا دھمکایا گیا ۔ خود راجہ نے موقع کا معائنہ کیا اور اہل حدیث کے حق میں فیصلہ کیا ۔ اب اس زمین پر مدرسہ محمدیہ اہل حدیث کی عمارت کھڑی ہے حافظ حمید اللہ دہلوی نے اپنی جیب خاص سے تقریباً پانچ ہزار روپیہ اس عمارت کے لئے دیئے تھے ۔ مولوی عبدالمجید کا حسن اخلاق ہے کہ قلعہ کے وہ خان صاحب جو شروع میں اس مدرسہ کے سخت خلاف تھے بعد میں اس کے بہی خواہ بن گئے اور ان کے لڑکے اہل حدیث ہوگئے ۔

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی ۔ نومبر ۱۹۳۵ء)

☆ دھولپور

جناب حکیم عبدالحنان بہاری لکھتے ہیں:

دھول پور لشکر گوالیار ہندو ریاست ہے ۔مسلمان بھی اہم عہدوں پر ہیں ۔ یہاں کی حکمران رانی سمجھدار عورت ہے ۔ ایک دفعہ اہلحدیث جلسہ کرنا چاہتے تھے کہ مسلمان حکام نے اس جلسہ کو اس بہانہ سے روکنا چاہا کہ علماء اہل حدیث کی تقریروں سے نقض امن کا خطرہ ہے۔ رانی نے کہا محض اس وجہ سے کہ اہل حدیث کی تقریروں سے دوسرے بے زار ہوتے ہیں ان کے جلسہ کو روکا نہیں جا سکتا کیونکہ اگر اس اصول پر جلسہ روک دیا گیا تو کل ہر فریق بیزاری کا بہانہ کر کے دوسرے فریق کے جلسہ کو روک سکتا ہے ۔ باقی رہا نقض امن تو پولیس کا فرض ہے کہ وہ انتظام کرے کہ کسی کو فساد کی جرأت نہ ہو۔ آخر اہل حدیث کا جلسہ ہوا۔ (مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی ۔نومبر ۱۹۳۵ء)

☆ کیکڑی

حکیم عبدالحنان بہاری لکھتے ہیں:

کیکڑی ، ضلع اجمیر کا بہت بڑا قصبہ ہے ۔ یہاں اہلحدیث اور حنفیوں میں مسجد کے لئے خوب مقدمہ بازی ہوئی ۔آخر کسی حاکم نے اس طرح جھگڑا نپٹایا کہ ایک مسجد اہلحدیث کو دے دی اور ایک حنفیوں کو۔ نہ اہل حدیث حنفی کی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں اور نہ حنفی اہل حدیث کی مسجد میں ۔

چونکہ اہل حدیث کو روکنا خلاف شرع سمجھتے ہیں اس لئے کسی حنفی کو آنے سے نہیں روکتے لیکن حنفی اپنی مسجد میں کسی اہل حدیث کو نماز نہیں پڑھنے دیتے۔عیدگاہ کے متعلق سرکاری فیصلہ یہ ہے کہ اہل حدیث عید و بقر عید کی نماز عیدگاہ میں آکر پہلے پڑھ لیں ۔ دس بجے تک نماز و خطبہ ختم کر دیں ۔ دس بجے کے بعد احناف کا قبضہ ہوگا۔

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی ۔ نومبر ۱۹۳۵ء)

☆ فیض آباد

جناب محمد یوسف شمس فیض آبادی لکھتے ہیں:

مقدمہ وقف مکان مدرسہ اہل حدیث فیض آباد کا مختصر نوٹ اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا ہے۔ مدرسہ اہل حدیث میں خاکسار کی جانب سے ایک مکان قیمتی ۴ ہزار روپئہ کا وقف ہے جس کی آمدنی سے ایک چھوٹا سا مکتب ۲۲۔۲۳ سال سے چل رہا ہے۔ چند دنوں سے جمیعۃ انصار اللہ فیض آباد کی طرف سے ایک بڑے شاندار مدرسے اور خصوصاً دارالمناظرین کے افتتاح کا اعلان شائع ہوا۔ اہل بدعت اپنی متفقہ قوت اور اپنی کثرت تعداد کے سہارے مکان مذکور کے ایک حصہ پر قابض ہو گئے اور وقف سے انکار کر کے اسے اپنی جائداد بتا رہے ہیں۔ مدرسۃ القرآن کی طرف سے منشی رام کرشن وکیل تھے اور مدرسۃ القرآن و انصار اللہ کے خلاف فریق مخالف کی طرف سے سید رحمت حسین وکیل تھے جنہوں نے اپنے مؤکل کی طرف سے وقف سے انکار کر کے مکان کو اس کی ذاتی جائداد ٹھہرایا۔ (اخبار محمدی دہلی ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء ص ۸)

ایک سال بعد اہل حدیث امرتسر میں یہ خبر شائع ہوئی:

انجمن اہل حدیث فیض آباد کا وقف خطرے میں:

یہ وقف ایک معقول جائیداد کا ہے جس پر اہل بدعت نے قبضہ جما رکھا ہے۔ ان پر انجمن اہل حدیث نے کرایہ کا دعوی کیا منصفی میں ڈگری ملی ایک سو چالیس روپئہ کی ڈگری اور مکان پر قبضہ دلایا گیا مگر اہل بدعت نے اپنی متفقہ قوت اور اپنی جماعت کی کثرت کے زور پر ججی میں اپیل دائر کر کے ہر طرح کی جائز و ناجائز کوشش کو کام میں لا کر اپیل منظور کرائی جس میں وقف سے انکار اور اپنی ملکیت کا اظہار کیا گیا ہے ..اب لکھنو کے چیف کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی ہے مگر مصارف کے لئے ہاتھ میں کچھ نہیں خطرہ ہے کہ خرچ نہ ہونے کام بگڑ جائے (محمد یوسف شمس محمدی کالج روڈ فیض آباد)

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۸ جون ۱۹۳۷ء۔ص ۱۴)

☆ رائے درگ

جناب حکیم عبدالحنان بہاری نے لکھتے ہیں:

رائے درگ پہاڑوں سے گھرا ہوا بڑا قصبہ ہے یہاں کے مسلمان عموماً حنفی ہیں۔ بہت ایسے ہیں جنہوں نے کبھی مسجد کی صورت نہیں دیکھی۔عاشور خانے ہر جگہ ہیں۔ یہ علاقہ شاہان بیجا پور کے ماتحت رہا اور وہ عموماً رافضی تھے اس لئے یہاں کے مسلمان دعوی حنفیت وسنیت کے باوجود رافضیوں سے قریب ہیں۔قصبہ رائے درگ میں رافضی نما حنفیوں کی تعداد دو ہزار ہو گی لیکن ۲۵ عاشور خانے (امام بارے) ہیں ۔ یہاں اہلحدیث کی ابتداء یوں ہوئی کہ شیخ نورالدین نامی ایک شخص کے ہاتھ تقویت الایمان کا ایک نسخہ لگا اور اس کی حالت بدل گئی۔ کچھ عرصہ بعد مولوی فتح احمد مدراسی، جو مولوی قادر بادشاہ مدراسی کے شاگرد تھے، یہاں آئے۔ وہ نیک موحد اور پاک طینت تھے۔انہوں نے کتاب وسنت کی اشاعت کی۔ تاہم وہ جلد فوت ہو گئے اور چند روز بعد شیخ نور الدین بھی فوت ہو گئے۔شیخ نورالدین کے شاگردوں میں حضرت سرمست حسین تھے جو نہایت صالح اور پکے موحد تھے انہوں نے اپنے بیٹے سید اسماعیل کو پہلے خود پڑھایا، پھر کرنول مولوی محمد عمر کے پاس بھیج دیا۔مولوی محمد عمر گو حنفی تھے مگر توحید کے دلدادہ اور اہلحدیث سے محبت کرتے تھے ۔ (ان کے والد اہلحدیث تھے شائد اسی کا اثر تھا) وہاں سید اسماعیل نے کچھ پڑھا۔ پھر مولوی فقیر اللہ مدراسی کے پاس آ گئے ، انہوں نے مدرسہ غزنویہ امرتسر بھیج دیا جہاں مولوی عبدالغفور، مولوی محمد حسین ہزاروی، مولوی اصحاب الدین سے پڑھا۔تعلیم مکمل کر کے رائے درگ آ گئے اور یہاں مسلمانوں کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ احناف جو تقریباً رافضی تھے خلاف ہو گئے ۔ان کے خلاف کی وجہ رفع یدین یا آمین نہ تھا بلکہ محرم کی رسوم کی روک ٹوک تھی ۔مقدمہ بازی شروع ہوئی ۔اسی دوران ایک دفعہ عید کی نماز پڑھ کر حنفیوں نے اعلان کیا کہ بھائیو! جب تک ان وہابیوں کو نہیں مارو گے یہ لوگ ٹھیک نہیں ہو سکتے ۔اس اعلان کے سنتے ہی چند جوان کھڑے ہوئے ۔ان جوانوں کے سیندھی پینے کے لئے اسی عید گاہ میں چندا ہوا تا کہ یہ پی کر بدمست ہو کر اہل حدیث پر حملے کریں چنانچہ خوب مار پیٹ ہوئی ۔جب اہل حدیث

تھانے میں فریادی ہوئے تو کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ پھر حکام بالا کو درخواست دی کہ امن کا انتظام کیا جائے۔حکام بالا نے آکر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اہلحدیث کو سر بازار مارا جاتا ہے مگر مقامی پولیس کچھ نہیں کرتی۔اس پر حاکم نے تمام پولیس کو وہاں سے بدل دیا یوں امن ہوا۔مقدمہ جو مسجد کیلئے چل رہا تھا اس کا فیصلہ اہل حدیث کے حق میں ہوا۔

(مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔ مئی ۱۹۳۷ء)

☆ اندور ۱۹۴۰ء

اندور ایک مسجد پر مخالفین اہل حدیث نے قبضہ کرنے کے متعلق دعوی دائر کیا، جو خارج ہوکر اہل حدیث کا قبضہ بحال رہا۔ (عبدالحمید از اندور)

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۸۔اکتوبر ۱۹۴۰ء۔ ص ۱۴)

☆ رتلام ۱۹۴۰ء

اخبار اہل حدیث امرتسر میں درج ذیل خبریں شائع ہوئی:

اہل حدیث کو آمین بالجہر کا حق:

ریاست رتلام میں ایک مقدمہ عرصہ سے جاری ہے جس میں فاضل جج نے یہ تنقیح قائم کی ہے:

۱۔آیا مدعیان (اہل حدیث) مسجد فلاں میں آمین بآواز بلند بولنے کے مستحق ہیں؟

۲۔ آمین دروان نماز میں بآواز بلند بولنے والا مسلم مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کیا جا سکتا ہے؟ (ثبوت بذمہ فریقین) (عبدالغنی کسیرہ بازار رتلام)

(ہفت روزہ اہل حدیث ۱۴۔اپریل ۱۹۳۹ء۔ص ۱۲)

☆ رتلام میں آمین بالجہر کے متعلق مقدمہ بارہ سال تک چلا اور عدالت نے ایک تنقیح میں جماعت اہل حدیث کا حق آمین بالجہر تسلیم کر لیا۔

(عبدالغنی اینڈ برادرس۔ رتلام)

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۸۔اکتوبر ۱۹۴۰ء۔ص ۱۴)

☆ **دہلی**

حوض قاضی دہلی میں دو مسلمان کسی مسئلے پر جھگڑ پڑے۔ ان میں ایک سنی تھا دوسرا اہلحدیث۔ جب سنی نے اپنے دلائل بودے اور پھس پھسے پائے، اور اس کو ہار نظر آئی تو اس نے اہل حدیث کے طمانچہ رسید کیا۔ اتنے میں ایک ہندو افسر ادھر سے آ نکلا۔ اس نے دونوں سے تنازعہ کا سبب دریافت کیا۔

سنی نے کہا یہ وہابی ہماری فقہ اور ہمارے اماموں کے اقوال و فرمودات کو نہیں مانتا۔

وہابی نے کہا ہم صرف خدا کے کلام قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے کلام حدیث پر عمل کرتے ہیں کیونکہ یہی دو چیزیں اسلام کی جڑ بنیاد ہیں۔

افسر نے سنی سے پوچھا کیا تم قرآن و حدیث کو نہیں مانتے؟ سنی نے کہا مانتے ہیں۔

افسر نے پوچھا کیا تم ان پر عمل نہیں کرتے؟ سنی بولا ہم فقہ پر عمل کرتے ہیں۔

افسر نے پوچھا: فقہ کیا ہے؟ سنی نے جواب دیا ہمارے اماموں فقیہوں اور عالموں نے مسائل سے متعلق چھان بین کر کے جو قیاس قائم کئے جو رائے زنی کی وہی فقہ ہے۔

تب ہندو افسر نے سنی سے کڑک کر کہا:

تم جھوٹے اور مکار ہو۔ جب تم خدا اور رسول کی کتابوں پر عمل نہیں کرتے تو تم مسلمان کیوں کہلاتے ہو؟ چھوڑ دو اس وہابی کو ورنہ ابھی پولیس کے سپرد کرتا ہوں۔

اخبار دھرم رکھشک۔ دہلی یکم جون ۱۹۵۲ء

(منقول از پندرہ روزنور توحید لکھنو۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۲ء ص ۷)

حواشی

☆ حاشیہ نمبر ا : **شاہ ولی اللہ وابناء ہ کی مساعی کے حدود**

شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان نے اصلاح و تبلیغ کا بہت کام کیا لیکن اندھیرا اس قدر تھا کہ وہ اپنی مقدور بھر مساعی کے باوجود ہندوستان میں شرک و بدعت اور تقلید جامد کے خلاف اور عمل بالسنّت کے حق میں کوئی مؤثر تحریک نہ اٹھا سکے حتی کہ خود ان کے خاندان میں بھی کئی معاملات حسب سابق چلتے رہے۔ چنانچہ سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ :

میری تمام ننھیال کو شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان سے عقیدت تھی مگر میری والدہ کو شاہ غلام علی سے بیعت اور عقیدت تھی۔ شاہ صاحب کے ہاں منت اور نذر نیاز کا کہیں پتہ نہ تھا... میری والدہ نے خود کوئی منت یا نذر نیاز کبھی نہیں مانی۔ تعویذ گنڈے پر اور تاریخوں یا دنوں کی سعادت و نحوست پر ان کو مطلق اعتقاد نہ تھا لیکن اگر کوئی کرتا تو اس کو منع بھی نہ کرتیں اور یہ کہتیں کہ اگر ان کو منع کیا جائے اور اتفاق سے وہی امر پیش آ جائے جس کے خوف سے وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ ایسا نہ کرنے سے یہ ہوا، اگر ایسا کیا جاتا تو نہ ہوتا۔

سرسید کا بیان ہے کہ: میری ننھیال والے اگر چہ عام توہمات میں مبتلا نہ تھے مگر شاہ عبدالعزیز کے ہاں جو کچھ ہوتا تھا اس پر سب اعتقاد رکھتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز اور ان کے ہاں کے اور بزرگ بچوں کو ایک گنڈا دیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ایک تعویذ ہوتا تھا جس میں ایک ہندسہ یا حرف سفید مرغ کے خون سے لکھا جاتا تھا اور جس بچہ کو دیا جاتا تھا اس کو بارہ برس کی عمر تک انڈا یا مرغی کھانے کی ممانعت ہوتی تھی۔ سید حامد اور سید محمود کو بھی ان کی ننھیال والوں نے وہ گنڈے پہنائے تھے۔ باوجود اس کے میری والدہ جب کبھی وہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور کھانے میں انڈا یا مرغی ہوتی تو وہ بے تامل ان کو کھلا دیتیں۔ (حیات جاوید۔ ص ۴۴)

خواجہ الطاف حسین حالیؒ نے بتایا ہے:

معتبر ذریعہ سے سنا گیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں ایک شریف مسلمان مولوی

نے جو درمیان دوآب کے کسی ضلع میں منصف یا صدر امین تھے ایک روز کسی یورپئین حاکم کے بنگلہ پر اس کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھالیا۔ یہ خبر فوراً مشہور ہوگئی۔ مولوی صاحب کی برادری نے ان کو ذات سے خارج کر دیا۔ انہوں نے ہر چند اہل برادری کے سامنے آیتیں اور حدیثین پڑھیں مگر کسی نے التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ مولوی صاحب کے مخالف اور کچھ موافق دہلی میں شاہ (عبدالعزیز) صاحب سے مسئلہ پوچھنے کو آئے۔ جب شاہ صاحب کے مدرسہ کے دروازہ پر پہنچے تو شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین اندر سے نکلتے تھے۔ ان لوگوں نے پہلے انہی سے مسئلہ پوچھا۔ شاہ رفیع الدین نہائت صاف گو اور آزاد طبع آدمی تھے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جنہوں نے مولوی کو ذات سے خارج کیا انہوں نے جھک مارا۔ اس نے کوئی کام شرع کے خلاف نہیں کیا۔ مگر کسی نے ان کا کہنا نہیں مانا اور بڑے صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے صورت حال سن کر ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ اس مولوی نے ایسا کام کیا کہ قریب کفر کے پہنچ گیا ہے۔ جو لوگ مولوی کے مخالف تھے وہ یہ سن کر خوش ہوگئے۔ مگر اس کے طرف داروں نے پوچھا کہ حضرت اب وہ کسی طرح مسلمان بھی ہوسکتا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کفر کے قریب پہنچ جانے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا اس لئے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا۔ مگر احتیاطاً اس کو پانچوں کلمے اور آمنت باللہ پڑھواؤ اور قدم شریف کا پانی پلواؤ اور پھر برادری میں شامل کرلو۔ اگر شاہ صاحب اس انداز پر تقریر نہ کرتے تو غالباً ان کا کہنا بھی کوئی نہ مانتا اور ان مولوی کو برادری میں شامل نہ کیا جاتا۔ (حیات جاوید۔ حاشیہ ص ۶۴۵)

منشی محمد جعفر تھانیسریؒ بتاتے ہیں:

شاہ عبدالعزیز نے ۲۷ رجب کو یہ خواب دیکھا (جن دنوں سید احمد حج پر گئے ہوئے تھے) کہ ایک بڑا فراخ وسیع میدان ہے اس میں سفید فرش مثل براق نہائت عمدگی و تاب آب سے بچھا ہوا ہے۔ اس فرش پر بہت سے آدمی نورانی چہرہ اور عمدہ شکلوں والے لباس فاخرہ پہنے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ اسی فرش پر میں (عبدالعزیز) بھی بیٹھ گیا۔ ناگاہ تھوڑی دیر بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ جانب قبلہ سے نمایاں ہوکر رونق افروز اس مجلس میں ہوئے۔ اور میں (عبدالعزیز) آپ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھا اور اس موقع کو غنیمت جان کر چند ذیل کے سوال کئے۔ اول سوال کیا کہ یہ چاروں مذاہب میں سے کون سا

مذہب آپ کو پسند و مختار ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجھہ نے یہ جواب دیا کہ ان چاروں مذہب میں سے کوئی مذہب بھی مجھ کو پسند نہیں ہے، اور ان میں سے کوئی مذہب میرے طور طریقے پر نہیں ہے، ان سب میں افراط وتفریط ہوگئی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ان مشہور طرق اولیاء اللہ میں سے کون سا طریقہ حضور کے طریقہ پر ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجھہ نے یہ جواب دیا کہ ان میں سے بھی کوئی طریقہ میرے طور پر نہیں ہے۔ ہر طریقے میں کچھ نہ کچھ چیزیں نامرضی وخلاف طور میرے لوگوں نے ایجاد کر لی ہیں۔ اس وجہ سے سب کے سب ہمارے طور طریقے سے دور جا پڑے ہیں کیونکہ ہمارے عہد میں صرف تین طور کے شغل حصول تقرب الٰہی کے لئے یعنی ذکر اللہ۔ تلاوت قرآن مجید ونماز تھے۔ اب ان لوگوں نے ذکر کو شغل مقرر کرلیا ہے اور تلاوت قرآن اور نماز کا جو اصل اشغال حصول تقرب الٰہی کے تھے، ترک کر دیا.

(سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری۔ مطبوعہ صوفی پرنٹنگ پریس پنجاب۔ ص ۶۱۔۶۲ منقول از اہل حدیث ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۷)

اس خواب کے باوجود شاہ عبدالعزیز علانیہ طور پر عامل بالحدیث نہ ہوئے۔ نہ ہی وہ مروجہ تصوف کی رسوم کو توڑ سکے جیسا کہ سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ سید احمد بریلوی جب شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو:

تعلیم سلوک کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے حسبِ معمول تصور شیخ کی تعلیم کی۔ سید صاحب نے نہائت ادب سے عرض کیا. حضرت اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ اس میں صورت سنگی اور قرطاسی ہوتی ہے اور اس میں صورت خیالی جو دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اور اس کی طرف توجہ اور اس سے استعانت ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے حافظ کا یہ شعر پڑھا

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوئد کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ ورسم منزلہا

سید صاحب نے فرمایا: شرک کی کسی طرح ہمت نہیں ہوسکتی۔ ہاں کتاب وسنت واجماع امت سے کوئی سند لائیں اور اچھی طرح سے اطمینان ہو جائے کہ دونوں ایک چیز نہیں تو خطرہ دور ہو سکتا ہے۔ (سیرت سید احمد شہید۔ جلد اول۔ ص ۱۲۱)

شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ ولی اللہؒ کے مزار کے پاس جو مسجد بنوائی تھی شاہ اسحاقؒ دہلوی اسے اچھا نہ جانتے تھے۔ (جماعت مجاہدین ص ۳۰۷۔ بحوالہ ارواح ثلاثہ)

شاہ عبدالعزیزؒ کے ایسے ہی ایک عمل پر ان کی وفات کے بعد دہلی میں مناظرہ بھی ہوا تھا۔ جسے جناب محمد حسین بٹالویؒ نے اپنے ماہنامہ اشاعۃ السنہ میں یوں نقل کیا ہے:

نواب محمد میر خان کی ترغیب سے مولوی مخصوص اللہ اور مولوی موسیٰ اور مولوی رشید الدین نے جامع مسجد دہلی میں بعد نماز جمعہ مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالحی کے سامنے چند تحریری سوالات پیش کیے۔ مولانا محمد اسماعیل نے تو ان کو فوراً ایک نظر سے دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ میاں جی کی دستور صبیان کے سوالات ہیں۔ پھر مولانا عبدالحی نے ملاحظہ کر کے فرمایا کہ ان کے جوابات میں دونگا۔ میں آج وطن مالوف کا عزم رکھتا ہوں وہاں جا کر ان کے جوابات لکھ بھیجونگا مولوی مخصوص اللہ نے فرمایا کہ پہلے ان کے جوابات تحریر فرمائیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے اسی جلسہ میں قلم دوات منگا کر جواب تحریر کر دیا اور یہ فرمایا کہ اس پر کچھ اور شبہ ہو تو بیان کرو۔ فریق ثانی نے صاف کہا کہ بس یہی پوچھنا تھا۔ پس مناظرہ ختم ہوا۔

وہ سوالات یہ ہیں جو مع جوابات نقل کیے جاتے ہیں:

سوال اول: جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ را در فضل و علم چہ اعتقاد دارید۔

سوال دوم۔ جناب مبرو بوسہ قبر والد خود می دادند شما در حق ایشاں چہ میگوئید

سوال سوم۔ اذان بعد دفن میت عندالقبر جائز است یا نہ

سوال چہارم۔ مذہب شما حنفی است یا نہ۔

سوال پنجم۔ بدعت منقسم بسوئے حسنہ و سیّئہ است یا نہ۔

جواب از مولوی عبدالحی۔

اول۔ اینکہ علم و فضل مولانا ممدوح مغفور از طحاوی و کرخی زیادہ تر بل ہم جنب صاحبین در فقہہ و در ممارست و تبحر حدیث و تفسیر از صاحبین بیشتر باعتقاد خود میدانم و اللّٰہ اعلم بالصّواب۔ باز گفتند کہ مولانا موصوف در حق من چہ فرمودند میدانید و یاد دارید یا نہ۔ مولوی مخصوص اللہ وغیرہ گفتند میدانم کہ مولانا مرحوم در حق شما فرمودند کہ نصف علم من بمولوی عبدالحی است و دیگر نصفی ہمہ شاگردان من شریک اند۔ مولوی عبدالحی صاحب باز گفتند کہ ہمہ شاگردان مولانا قابل مناظرہ من نیستند آری مجادلہ می توانند کرد۔ فقط

جواب سوال دوم: اینکہ علمائے سابقین نوشتہ اند کہ بوسہ دادن قبر را عادت یہود و نصاریٰ است در تحریرات ملا علی قاری و شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ ملاحظہ نمایند۔ باز بعض مقابلین گفتند کہ مولانا

ممدوح بوسہ قبر والد ماجد خود میدارند۔ مولوی عبدالحی گفتند آں صاحبان را یاد است یا نہ کہ روزی مولانا برائے زیارت قبر والد خود در قبرستان رفتہ بودند و بوسہ دادند حافظ محفوظ بآواز بلند گفت کہ اے صاحبان حاضرین بہ بینید کہ شیخ وقت خود بوسہ قبر دادہ۔ پس مولانا سخن حافظ شنیدہ فرمودند کہ بوسہ قبر بلا ریب عادت یہود و نصاری است و حال من این ست کہ وقتیکہ دود قبر والد می آیم از بس متغیر حال و بدحواس مے شوم در حالت بدحواسی و اضطراری ایں امر از من صادر میشود و فعل متغیر الحال و بدحواس ...... بوسہ قبر روا نیست۔

جواب سوال سیوم۔ اینکہ اذان .... معہود بالسنہ نیست پس مکروہ خواہ بود بنا بر ایں در ظاہر الروایت و در دیگر کتب متداولہ معتبرہ حنفیہ اثرے پدید نیست۔ مولوی مخصوص اللہ صاحب گفتند بر تلقین ست قیاس میکنم مولوی عبدالحی گفتند بناء فاسد علی الفاسد است زیرا کہ حنفیہ وغیرہ حدیث تلقین را ضعیف گفتند و قابل احتجاج ندانستند واللہ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم۔ اینکہ من بر مذہب حنفی مثل طحاوی کرخی امب اسناد صحیح کار بند میشوم نہ مثل حاطب اللیل ..؟۔

جواب سوال پنجم اینکہ بدعت شرعیہ منقسم نیست کل بدعۃ ضلالۃ کما رواہ مسلم شما بحر الرائق وغیرہ بہ بینید و حضرت مجدد الف ثانی در سوسہ مکتوب خود ایں را تصریح کردہ و در فتح الباری بحث حدیث شر الامور محدثاتھا ملاحظہ بکنید۔ آری بدعت لغویہ منقسم است کما لا یخفی علی الماھر بالشّریعۃ۔ و اللّٰہ اعلم با لصّواب۔

(ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۷۔ نمبر ۳ تا ۵۔ بابت مارچ اپریل مئی ۱۸۸۴ء۔ ص ۷۹۔۸۱)

☆ حاشیہ نمبر ۲

کلمۃ الحق

(جناب محمد اسماعیل پانی پتی نے لکھا ہے کہ:

یہ مضمون سرسید احمد خان نے ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں لکھا تھا۔ اس زمانے میں پیری مریدی اور اولیاء و صوفیا کی بیعت کا بڑا زور شور تھا۔ مذہب سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کیلئے ضروری تھا کہ وہ صوفیاء کے کسی نہ کسی سلسلے میں کسی نہ بزرگ کی بیعت کرے۔ بے پیرے بے مریدے انسان کی سوسائٹی میں کچھ وقعت اور عزت نہ

ہوتی تھی مگر پیروں نے بھولے بھالے مریدوں کو پھانسنے کے لئے عجیب عجیب گورکھ دھندے بنا رکھے تھے۔صوفیوں نے بیعت کرنے کے نرالے طریق گھڑ رکھے تھے جو سراسر خلاف سنت اور خلاف شریعت تھے اور قرآن وحدیث میں ان کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ چند چالاک اور عیار لوگوں نے تقدس کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح مسلمانوں کو لوٹنے کا زبردست کاروبار جاری کر رکھا تھا اور اس کا آلہ کار انہوں نے پیری مریدی اور بیعت کو بنا رکھا تھا۔اس ٹٹی کی آڑ میں وہ بےفکری کے ساتھ شکار کھیلتے تھے اور سو فیصدی کامیاب ہوتے تھے۔نہ انہیں کوئی پوچھنے والا تھا، نہ احتساب کرنے والا، بلکہ مخلص مرید اپنے ہشیار پیروں کے پھندے سے خود نکلنا نہ چاہتے تھے اور احمقوں کی جنت میں بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ پیر جی کی فرمائش پر اپنا تن، من، دھن قربان کر دینے کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ بیعت کا حقیقی مقصد تزکیہ نفس ہوتا ہے، مگر اس سے پیر اور مرید دونوں خالی تھے۔ اطاعت خدا و رسول حقیقی صوفیاء وفقراء کا اصل اصول تھا، مگر اس وقت کے عام صوفیوں کو نہ خدا سے کوئی غرض تھی، نہ رسول سے کوئی واسطہ تھا۔ وہ احکام شریعت بجالانے سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے اور ،حالت جذب، میں جو کچھ وہ کہہ دیتے، مریدین اور معتقدین اس کو خدا کے فرمان اور رسول کے حکم سے بھی زیادہ عزت و وقعت دیتے۔خدا کا ارشاد ٹالا جا سکتا تھا، رسول کا کہنا نظر انداز کیا جا سکتا تھا، مگر پیر جی کا ارشاد کسی حالت میں بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔یہ تھی ہمارے معاشرے کی حالت اس وقت، جب کہ سرسید نے یہ مضمون لکھا۔اس میں سرسید نے بڑے زوردار الفاظ میں نہایت مدلل طریقے سے پیری مریدی اور بیعت کے مروجہ طریقوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور ان کے نقائص اور خرابیاں کھول کر بتائی ہیں۔

جناب محمد اسماعیل پانی پتی بتاتے ہیں کہ یہ قابل قدر اصلاحی مضمون نایاب تھا اور ۱۸۴۹ء میں ایک مرتبہ چھپ کر کچھ عرصے بعد دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔سرسید احمد نے دوبارہ اس مضمون کو تصانیف احمدیہ جلد اول حصہ اول میں شامل کر کے ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں شائع کیا جسے لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ۱۸۸۳ء کے مطبوعہ نسخہ سے انہوں نے مضمون مقالات سرسید میں نقل کیا۔اب ہم اسے قدرے اختصار کے ساتھ یہاں نذر قارئین کرتے ہیں۔بہاء)

سرسید احمد خان **کلمۃ الحق** میں لکھتے ہیں:

اللّٰھم صلّ علی محمّد و آل محمّد و بارك و سلّم۔

الٰہی تو اپنی اور اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت نصیب کر اور انہیں کی سنت پر چلا اور انہیں کی سنت پر مار۔آمین یا ربّ العالمین۔ امّا بعد:

یہ کلمۃ الحق پیری اور مریدی کے بیان میں ہماری زبان سے نکلا ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں پیری مریدی کا ایک ایسا جھگڑا لگا ہے جس کے سبب ہزاروں آدمی دھوکے میں پڑے ہیں۔ جہاں ایک نئی صورت کا آدمی دیکھا، کوئی تو اس کو قطب کہتا ہے اور کوئی ابدال اور کوئی ولی اور کوئی غوث۔ اور پھر وہ کیسی ہی باتیں کرتا ہو، اس پر کچھ خیال نہیں کرتے۔ اگر کوئی کہے کہ میاں یہ تو شرع کے خلاف باتیں کرتا ہے، تو یوں جواب دیتے ہیں کہ اجی تم نہیں جانتے، طریقت کا اور ہی رستہ ہے، فقیروں کی باتیں ہی جدا ہیں۔ شریعت تو ظاہر کیلئے ہے۔ یہ ولی، اللہ کے ہیں جو کریں سو بجا ہے، اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالی کی راہ اسکی اطاعت بغیر ملتی ہی نہیں

دریں راہ جز مرد داعی نرفت　　　　گم آن شد کہ دنبال راعی ترفت

جو ذرہ بھی شریعت کی راہ سے بھٹکا، وہی راہ بھولا۔ اگر کوئی آسمان پر اڑے اور زمین میں گھسے اور ایک بال بھر شریعت سے پھرا ہو، وہ گمراہ ہے۔ ولی وابدال، غوث اور قطب ہونا کچھ کرشمہ اور کرامات نہیں ہے، بھوت، پریت، دیو، جن، نٹ، بھان متی بھی بہت سے شعبدے اور تماشے دکھاتے ہیں۔ ولی وابدال، غوث وقطب وہی ہے جو پورا پورا شریعت پر چلے۔ قال اللہ تعالی:

قل ان کنتم تحبّون اللّه فاتّبعونی یحببکم اللّه (اللہ نے سورہ آل عمران میں فرمایا کہ اے نبی تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو، تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کیسی ہی عبادت اور بندگی کرے، مگر اللہ اس کو جب ہی دوست رکھتا ہے جب شریعت محمدیہ کا تابع ہو جاوے۔ دیکھو جوگی بیراگی.. اور فقیر کیسی کیسی صحبتیں کرتے ہیں اور مصیبتیں بھگتتے ہیں اور جوگ اٹھاتے ہیں، مگر جب شریعت کے برخلاف ہیں تو سب اکارت ہے اور شریعت کی تابعداری یہی ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول نے کہا اس کو کیا، اور جس سے منع کیا اس کو نہ کیا قال اللہ تعالی:

و ما آتا کم الرّسول فخذوه و ما نها کم عنه فا نتهوا (یعنی اللہ تعالی نے سورہ حشر میں فرمایا: اور جو دے تم کو رسول، وہ لے لو اور جس سے منع کر دے، وہ مت کرو)

یعنی رسول ﷺ نے جو حکم تم کو پہنچائے ہیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے منع کر دیا ہے ان کو مت کرو کہ یہی شریعت کی تابعداری ہے۔ بڑا تابعدار شرع کا وہی ہے کہ ہر بات میں جو اس کے سامنے آوے غور کرے کہ اس میں اللہ اور اللہ کے رسول کا کیا حکم ہے۔ جو حکم ہو، وہی کرے اور پھر جی میں ملال نہ لاوے۔ قال اللہ تعالی:

فلا و ربّک لا یؤمنون حتّی یحکّموك فیما شجر بینهم ثمّ لا یجدوا

فی انفسھم حر جاً ممّا قضیت و یسلّموا تسلیماً ۔(یعنی اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں اپنے رسول کو فرمایا کہ تیرے پروردگار کی قسم ان کو ایمان نہ ہوگا جب تک آپس کے جھگڑے میں تجھی کو حاکم نہ بدیں، پھر نہ پاویں اپنے دل میں تیرے انصاف سے کچھ ملال، اور اس کو مان لیں ٹھیک جان کر)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پورا ایمان جب ہی نصیب ہوتا ہے جب سب کام شریعت کے سپرد کردے اور جو اس میں حکم نکلے خندہ پیشانی سے قبول کرے اور یوں جانے کہ یہی حق ہے اور یونہی ٹھیک۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا یؤمن ا حد کم حتّی یکو ن ھواہ تبعاً لّما جئت بہ (یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ کوئی تم میں سے مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا ارمان شریعت کے تابع نہ ہو)

یعنی اس کی خواہش شریعت ہی ہو جاوے اور اس کو یہی ارمان ہو کہ جو شریعت میں ہے وہی کروں اور جب شریعت کا حکم بجالاوے تو یوں جانے کہ میرے دل کا بڑا ارمان نکلا، کیونکہ وہ تو شریعت کو دل سے چاہتا تھا، جب پورا مسلمان ہوتا۔ نہ یہ کہ ایک کام کرنے کو تو اپنا دل چاہتا ہوں اور خواہ نخواہ کھینچ تان کر اس کو شرع میں لاوے اور کہے کہ اگرچہ حضرت ﷺ کے وقت میں یا حضرت کے خاص لوگوں کے وقت میں تو نہ تھا، مگر اس میں کیا قباحت ہے، اس کو تو فلانے بزرگ نے کیا ہے اور بڑے بڑے مشائخ کرتے آئے ہیں۔ کیونکہ ایسی باتیں کہنی اور کرنی شریعت کی تابعداری نہیں ہے، بلکہ شریعت کو اپنے نفس کے تابع بنانا ہے۔ خدا پناہ میں رکھے اس بات سے۔ حضرت ﷺ کی شریعت پر عمل کرنا اور آپ کی سنت پر چلنا، یہ تو بڑے درجے کی بات ہے، حضرت ﷺ کی سنت تو ایسی نعمت ہے کہ اگر کوئی اس کو دوست ہی رکھے تو دونوں جہان کی نعمت اس کو ملتی ہے۔

عن انس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من ا حبّ سنّتی فقد ا حبّنی و من احبّنی کان معی فی الجنّۃ ۔(یعنی مشکوۃ کے باب الاعتصام بالسنۃ میں حضرت انسؓ سے ایک بڑی حدیث نقل کی ہے کہ اس کا یہ ٹکڑا ہے اور اس حدیث میں جناب پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت انس کو کمال شفقت سے بیٹا خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اے میرے بیٹے جس نے میری سنت کو دوست رکھا، اس نے بے شک مجھ کو دوست رکھا اور جس نے مجھ کو دوست رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا)۔

اے مسلمانو! ذرا غور کرو کہ اگر اس مع کے لفظ پر ہزار جان نثار کی جاوے تو بھی کم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں ہونا ایسی بشارت ہے کہ قسم اس خدائے لایزال کی جس نے دونوں عالم پیدا کئے کہ اگر دونوں عالم اس کے مقابل کچھ بھی حقیقت رکھتے ہوں۔ کیا اچھے نصیب اس کے کہ جس کو حضرت ﷺ کا ساتھ نصیب ہو۔ افسوس تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔ جو نعمت ہے وہ حضرت ﷺ کی سنت میں ہے، واللہ اور کسی میں نہیں۔ کسی میں نہیں۔ کسی میں نہیں۔ پھر آدمی کو لازم ہے کہ حضرت ﷺ ہی کی سنت پر چلے اور شریعت ہی کی اطاعت کرنے پر سعی کرے اور جو حضرت ﷺ کی شریعت اور حضرت ﷺ ہی کی سنت پر چلتا ہو، اسی کو پیر اور ولی اور ابدال اور غوث اور قطب جانے۔ اور جو حضرت ﷺ کی شریعت سے باہر ہو، اس کو شیطان سے بدتر جانے، گو وہ زمین میں تیرتا ہو اور آسمان پر اڑتا ہو۔ اور صحابہ کرام کا یہی حال تھا کہ جو کوئی (کیا عبادت میں، اور کیا ذکر میں، اور کیا فکر میں) ایک سرمو بھی سنت کے خلاف کرتا تھا اس کو بہت ہی برا جانتے تھے۔

فی شرعة الاسلام و قد کانت الصّحابة ینکرون اشدّ ا لانکار علی من ا حد ث امراً او ابتدع رسماً لم یعهد فی عهد النّبوّة قلّ ذلک او کثر صغر ذلک او کبر کان فی المعا ملة او فی العبادة او فی الذّکر

(یعنی شرعة الاسلام میں یہ بات لکھی ہے کہ صحابہ نہایت برا جانتے تھے اس شخص کو جو نئی بات نکالتا تھا، یا نئی رسم شروع کرتا تھا جو حضرت کے وقت میں نہ تھی، خواہ وہ نئی بات تھوڑی ہوتی تھی، یا بہت بڑی ہوتی تھی، یا چھوٹی، اور خواہ دنیا کے معاملوں میں ہوتی تھی، خواہ دین کے، خواہ اللہ کے یاد کرنے میں)۔

اب خیال کرو کہ جب صحابہ عبادت کرنے اور اللہ کی یاد کرنے میں بھی نئی بات کو برا جانتے تھے تو پھر اگر کوئی شخص نئی نئی باتیں خلاف سنت رسول اللہ نکالے اور ان کو عبادت جانے اور یوں کہے کہ خدا اس سے ملتا ہے، تو بالکل جھوٹا ہے اور مکار۔ خدا کے ملنے کو سوائے سنت رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی رستہ ہی نہیں

عن عبد اللّه ابن مسعود قال خطّ لنا رسول اللّه ﷺ خطّاً ثمّ قال هذا سبیل اللّه ثم خطّ خطوطاً عن یمینه و عن شماله و قال هذا سبل علی کل سبیل منها شیطان یدعوا الیه و قر أ : و انّ هذا صرا طی مستقیماً فاتّبعوه و لا تتّبعوا السّبل فتفرّق بکم عن سبیله

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب اعتصام بالسنہ میں عبداللہ بن مسعود سے حدیث نقل کی ہے کہ انہو

ں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ نے ہمارے لئے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ تو اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں خط کھینچے اور فرمایا یہ اور راستے ہیں ان میں سے ہر رستے پر شیطان ہے کہ اس کی طرف بلاتا ہے اور کلام اللہ کی آیت پڑھی جس کا یہ ترجمہ ہے: اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ میری راہ سیدھی ہے، پھر اسی پر چلو اور رستوں پر مت جاؤ، تاکہ اس کی راہ سے نہ بھٹکو)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ راستہ جس سے خدا ملتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت ہے اور اس کے سوا سب راہیں شیطان کی ہیں۔ ان آیتوں اور حدیثوں کی نقل کرنے سے ہمارا مقصود صرف اتنا ہے کہ ہر مداری سدھاری کو تم پیر مت بناؤ اور اس کے کرشمے اور کرامات پر نہ جاؤ، بلکہ جو شخص سنت محمدیہ کا تابع ہو اسی کو ولی اور غوث اور قطب اور ابدال سمجھو، گو اس سے ایک بھی کرامت نہ ہو، کیونکہ کرامت ہونا ولی ہونے کی نشانی نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور شریعت کا تابع ہونا ولی ہونے کی علامت ہے۔ مطلب ساری تقریر کا یہ ہے کہ پیر وہی ہے جو سر سے پاؤں تک سنت میں ڈوبا ہوا ہو، نہیں تو خاک بھی نہیں۔

ان باتوں کو سن کر بعضے لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہاں یہ بات تو تم سچ کہتے ہو کہ جو کچھ ہے وہ شریعت اور سنت ہی ہے، مگر فقیروں کی اور ولیوں کی بعض باتیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ نہ کرے دل صاف ہی نہیں ہوتا اور ولایت حاصل ہی نہیں ہوتی اور اللہ کے دربار میں خاص مرتبہ ملتا ہی نہیں، اور نرا شرع پر چلنے سے تو ملانے (مولوی) کا ملانا (مولوی) ہی رہ جاتا ہے اور دل صاف نہیں ہوتا۔

یہ کہنا اور سمجھنا پوری گمراہی ہے کیونکہ جناب پیغمبر ﷺ نبی آخر الزمان ہیں اور اب کوئی نبی نہیں ہونے کا اور نہ کوئی شریعت اترے گی۔ پھر اگر اس شریعت سے بھی اللہ نہ ملے گا اور دل صاف نہ ہوگا تو پھر کس سے ملے گا اور کاہے سے ہوگا۔ بلکہ جو شخص یوں سمجھے کہ مرید ہوئے بغیر اور پیر کی صحبت اٹھائے بغیر اور جو ذکر کے طریقے چاروں سلسلوں میں ہیں اسی طرح پر ذکر اور شغل کرنے بغیر، صرف شریعت محمدیہ پر چلنے اور قائم رہنے سے ولیت کا رتبہ اور اللہ کے دربار میں خاص مرتبہ حاصل نہیں ہوتا، تو اس نے گویا محمد رسول اللہ ﷺ کی اچھی طرح تصدیق نہیں کی۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کے تو یہی معنی ہیں کہ دل سے یوں ہی جانے کہ جو حضرت ﷺ کا بنایا ہوا رستہ ہے، وہی سیدھا اور سچا ہے اور اسی سے سب مرتبے غوث اور قطب اور ابدال کے حاصل ہوتے ہیں۔ ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور سنت پر چلنے سے دونوں جہان کی نعمت ملتی ہے، نہ کسی پیر کی حاجت نہ کسی فقیر کی اور نہ کسی نئے ذکر اذکار اور نہ کسی نئے شغل کی۔ جو ہمارے حضرت ﷺ نے ہم کو بتا دیا ہے وہی کافی ہے۔ حسبنا کتاب اللّٰہ و سنّۃ

رسولہ (یعنی ہم کو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی بس ہے)۔ ہمارا دین تو پورا ہو چکا ہے اب اس میں نہ بڑھانے کی حاجت اور نہ گھٹانے کی درکار۔ قال اللہ تعالیٰ:

الیوم اکملت لکم د ینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (اللہ نے سورہ مائدہ میں فرمایا کہ اب پورا کر دیا میں نے تمہارے لئے دین تمہارا، اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت، اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے دین اسلام)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمارا دین پورا ہو چکا قیامت تک اس میں کچھ گھٹنے بڑھنے کا نہیں۔

قال فی التفسیر النیشابوری : و فی ا خیر زما ن البعثة حکم ببقاء الاحکام علی حا لھا من غیر نسخ و زیادۃ و نقص الی یوم القیامة (تفسیر نیشا پوری میں یہ بات لکھی ہے کہ جب زمانہ نبوت کا اخیر ہونے کو ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ شرع کے احکام جیسے ہیں، ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے، قیامت تک، نہ ان میں سے کچھ ردّ و بدل ہوگا اور نہ کم زیادہ)۔

پھر اگر کوئی شخص نئی نئی باتیں نکالے، ان کی کچھ اصل نہیں، کیونکہ شرع کے جوں کے توں قیامت تک رہنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ اور اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و اتممت علیکم نعمتی (یعنی پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمت ہے وہ شریعت محمدیہ ہی میں پوری ہوئی ہے، پھر جو کوئی اس پر چلے گا اسی کو یہ نعمت ملے گی اور جو بہت چلے گا اس کو بہت ملے گی۔ اب یہ خیال کرنا کہ جب تک مرید نہ ہو اور مشائخوں کی طرح ذکر و شغل نہ کرے اس کو اللہ کی نعمت اور اس کے دربار میں مرتبہ نہیں ملتا،، بالکل غلط ہے۔ اللہ کی نعمت شریعت محمدیہ ہے جو اس پر چلے گا، خواہ پیر ہو خواہ مرید، خواہ بوڑھا ہو، خواہ جوان، خواہ جولاہا ہو، خواہ پیرزادہ، خواہ شیخ ہو، خواہ سید، خواہ مغل ہو، خواہ پٹھان، اسی کو ملے گی اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کی نعمت سے دین کا پورا ہونا اور اللہ کی ہدایت ہونی مراد ہے۔

فی التفسیر النیشا بوری : اتممت علیکم نعمتی ای بذ لک الاکمال لانّہ لا نعمة اتمّ من نعمة ا لاسلام (یعنی تفسیر نیشا بوری میں اتممت علیکم نعمتی کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ دین کے پورا ہونے سے میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے، کیونکہ دین کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں)

و فی التّفسیر البیضاوی : اتممت علیکم نعمتی بالھدایة و التّوفیق او بکمال الدّین (تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ ہدایت اور توفیق دینے اور دین کے پورا کرنے سے میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)۔

اور جن پر اللہ نے اپنی نعمت پوری کی ہے وہ نبی اور ولی ہیں کیونکہ سب تفسیر والوں نے الحمد کی تفسیر میں انعمت علیھم کے یہی معنی لکھے ہیں کہ جن کو اللہ نے نعمت دی ہے وہ نبی ہیں اور صدیق اور شہید اور ولی۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ اللہ کی نعمت ہے اور جو اس پر چلتا ہے اس کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے اور جس کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے وہ ولی ہوتا ہے یا صدیق یا شہید، کچھ پیرو پیرزادہ ہونے پر موقوف نہیں۔ اللہ تعالی نے خود ہی فرمایا ہے: انّ اولیاءہ الاّ المتقّون۔ (نہیں اولیاء اس کے مگر متقی لوگ)۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ (یعنی اللہ کی رحمت ہے جس کو چاہے دے)۔

شاہ ولی اللہ نے قول جمیل میں لکھا ہے کہ کوئی یوں نہ جانے کہ ان صوفیاء کے اشغال بغیر خدا ملتا ہی نہیں، بلکہ صحابہ اور تابعین نے نمازیں پڑھ کر اللہ کے دربار میں عاجزی کر کے اور موت کو یاد رکھ کر اور جن باتوں پر اللہ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے، اور جن پر عذاب دینے کا اقرار کیا ہے ان کا دھیان رکھ کر، اور کلام اللہ پڑھ کر، اور اس کے معنوں میں غور کر کے، اور جن حدیثوں سے مسلمان کا دل نرم ہوتا ہے ان کو سن کر، یہ مرتبے حاصل کئے تھے۔ اے مسلمانوں اب تم اپنے دل میں سوچ لو کہ جو بات حضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو بتائی اور جس کی بدولت صحابہ اس مرتبہ کو پہنچے، اس کو اختیار کرنا بہتر ہے یا کسی نئی بات کو؟

سچی بات سب کو کڑی لگتی ہے، ان سچی باتوں کو سن کر بعضے لوگ یوں کہیں گے کہ لو صاحب یہ تو پیروں سے پھرے ہوئے ہیں اور معتزلیوں کی سی باتیں کرتے ہیں اور اگلے پیروں پر طعنہ مارتے ہیں اور ان کے وظیفوں کو برا جانتے ہیں۔ نعوذ باللّٰہ منھا ہمارا یہ اعتقاد نہیں۔ ہم نہ کسی پر طعنہ مارتے ہیں اور نہ کسی کے وظیفے کو برا جانتے ہیں، مگر اتنی بات بے شک کہتے ہیں کہ کیسا ہی بڑا پیر ہو، اس کی باتیں جو شریعت محمدیہ کے موافق ہیں ان کو اپنے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور اس شخص کو اپنا سرتاج سمجھتے ہیں۔ اور جو باتیں اس کی شرع کے برخلاف ہیں، ان باتوں کو پرِکاہ کے برابر بھی نہیں جانتے، کیونکہ ہم تو محمد رسول اللہ ﷺ کے آگے کسی کا وجود ہی نہیں جانتے۔ پھر جو کوئی حضرت ﷺ کی شریعت کے مخالف کہے گا، یا کرے گا، ہم تو اس کو غلط ہی سمجھیں گے۔ نہ اس کے پیر ہونے کا خیال کریں گے اور نہ پیرزادہ اور نہ اخوند ہونے کا دھیان رکھیں گے اور نہ اخوند زادہ۔ الٰہی تو ہم کو اپنے حبیب ﷺ کی سنت پر قائم رکھ اور انہی کی سنت کا اتباع نصیب کر اور ہماری زبان سے حق بات نکلوا اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے دہشت نہ دے۔ آمین یا رب العالمین۔

اب تم نے پیر کے معنی تو سمجھے، اب مرید ہونے کے معنی سمجھو کہ اگر مرید ہونے سے دنیا گھسیٹنی

ہے اور اگر خانقاہ بنا کر ڈنڈوت کروانی ہے، تو وہ بات تو جدا ہے، اور اگر خدا کا ملنا چاہیے تو وہ بغیر سنت رسول اللہ ﷺ کے ملتا ہی نہیں۔ پھر دیکھو کہ سنت رسول اللہ میں مرید ہونا پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر پایا جاتا ہو تو اسی طرح مرید ہو جس طرح حضرت ﷺ مرید کرتے تھے، کچھ زیادتی کمی اپنی طرف سے مت کرو، کیونکہ جو باتیں سنت ہیں وہ جب تک ہی سنت رہتی ہیں کہ جس طرح حضرت ﷺ نے کیا ہے، اسی طرح جوں کا توں سنت سمجھ کر کرے۔ اور اگر اس سے ایک سرمو بھی اختلاف کیا تو وہ حضرت ﷺ کی سنت نہ رہی، بلکہ اپنے نفس کی سنت ہوگئی۔ اب سنو کہ مرید ہونا، بیعت کرنے کو کہتے ہیں اور حضرت ﷺ سے چھ طرح کی بیعت ثابت ہے۔ ایک بیعت الاسلام، یعنی مسلمان ہوتے وقت بیعت کرنی۔

عن عمرو بن عا ص قال اتیت النّبیّ ﷺ فقلت ابسط یمینک لابایعک فبسط یمینه فقبضت یدی فقال ما لک یا عمرو؟ قلت اردت ان اشتر ط قال فا شتر ط ما ذا ۔ قلت ان یغفر لی۔ فقال اما علمت یا عمرو انّ ا لاسلام یهد م ما کان قبله و انّ الهجرة تهد م ما کا ن قبلها و انّ الحج یهدم ما کا ن قبله ۔

(یعنی مشکوۃ شریف کی کتاب الایمان میں عمرو بن العاص سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ اپنا داہنا ہاتھ بڑھائیے، تاکہ مسلمان ہونے کو آپ کا مرید ہوں۔ جب حضرت ﷺ نے اپنا داہنا بڑھایا تو میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے عمرو تجھ کو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط کرنی چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا شرط کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ بات چاہتا ہوں کہ میری گذشتہ باتیں بخشی جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرو کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام لانا بے شک پہلی باتوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت اگلی باتوں کو دور کر دیتی ہے اور حج پہلی باتوں کو نیست کر دیتا ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ کے وقت میں مسلمان ہونیکے وقت بیعت ہوتی تھی۔

دوسری بیعت خلافت، یعنی جس کو اپنا سردار بنایا اس کے حکم بجالانے کیلئے بیعت کر لی۔ چنانچہ بخاری شریف میں ایک حدیث موجود ہے جس کا یہ ٹکڑا ہے:

فلما اجتمعوا تشهد عبد الر حمن ثمّ قال اما بعد یا علی انی قد نظر ت فی امر النّاس فلم ارهم یعد لو ن بعثمان فلا تجعلن علی

نفسک سبیلاً ۔ فقال ابا یعک علی سنّۃ اللّٰہ و رسولہ و الخلیفتین من بعدہ فبایعہ عبد الرّحمن و بایعہ النّاس، المھاجرون والانصار وامراء الاجناد و المسلمون (بخاری حدیث نمبر ۷۲۰۷)

(یعنی جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے خطبہ پڑھا اور پھر کہا کہ اس کے بعد یہ بات ہے کہ اے علیؓ میں نے غور کیا لوگوں کے حال میں، پھر میں نے عثمانؓ کے برابر کسی کو نہ دیکھا، پھر تم بھی انکار مت کرو، پھر علیؓ نے کہا کہ بیعت کرتا ہوں میں تجھ سے، یعنی عثمان سے اللہ اور اللہ کے رسول اور دونوں خلیفوں کی سنت پر۔ پھر بیعت کی ان سے یعنی عثمانؓ سے عبد الرحمٰنؓ نے اور بیعت کی ان سے اور لوگوں نے اور مہاجرینؓ نے اور انصارؓ نے اور لشکروں کے سرداروں نے اور مسلمانوں نے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے وقت میں بیعت خلافت کی ہوتی تھی۔

تیسری بیعت الہجرۃ، یعنی ہجرت پر بیعت کرنی۔ چوتھی بیعت الجہاد، یعنی جہاد پر بیعت کرنی۔

عن مجاشع قال اتیت النّبیّ ﷺ باخی بعد الفتح قال فقلت یا رسول اللّٰہ ﷺ جئتک باخی لتبا یعہ علی الھجرۃ، قال ذھب اھل الھجرۃ بما فیھا۔ فقلت علی ایّ شیء تبایعہ۔ قال ابا یعہ علی الاسلام و الایمان و الجھاد فلقیت ابا معبد بعد وکان اکبر ھما فسألتہ فقال صدق۔ (یعنی صحیح بخاری کے باب مقام النبی ﷺ بمکۃ زمن الفتح میں مجاشع سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ میں پیغمبر خدا ﷺ کے پاس اپنے بھائی کو لایا مکہ کی فتح کے بعد۔ پھر میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس سے ہجرت پر بیعت لیں۔ آپ نے فرمایا ہجرت والے گئے اس سمیت جو ہجرت میں تھی۔ پھر میں عرض کیا کہ کس چیز پر اس سے آپ بیعت لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے بیعت لوں گا اسلام پر اور ایمان پر اور جہاد پر۔ اور مجاشع سے جس نے یہ حدیث نقل کی ہے اس نے یہ بھی کہا کہ پھر میں اس کے بعد ابو سعید سے ملا وہ ان دونوں میں سے بڑا تھا، پھر میں نے ان سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ مجاشع نے سچ کہا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ کے وقت میں ہجرت اور جہاد پر بیعت ہوتی تھی۔

پانچویں بیعت التوثیق فی الجہاد ہے یعنی جہاد میں مضبوط رہنے اور مر جانے پر بیعت کرنی

عن یزید ابن ابی عبید قال قلت لسلمة بن الاکوع ۔ علی ایّ شیء بایعتم رسول اللّٰہ ﷺ یوم الحدیبیّہ ۔ قال علی الموت

(یعنی صحیح بخاری میں یزید ابن عبید سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ میں نے سلمہؓ بن الاکوع سے پوچھا کہ تم نے کس چیز پر پیغمبر خدا سے حدیبیہ کے دن بیعت کی تھی ۔ انہوں نے کہا کہ مرنے پر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ کے وقت میں جہاد میں مضبوط رہنے اور مرنے پر بیعت ہوتی تھی ۔

چھٹی بیعت التمسک بحبل التقوی، یعنی پرہیزگاری کرنے اور شریعت پر چلنے کیلئے بیعت کرنی ۔

عن عبیدہ بن صامت قال بایعنا رسول اللّٰہ ﷺ علی السّمع و الطّاعة و المنشط و المکرہ و ان لا ننتازع الامر اھلہ و ان تقوم او تقول بالحق حیثما کنا لا تخاف فی اللّٰہ لومة لائم

(یعنی صحیح بخاری میں عبیدہ ابن صامت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ ہم نے بیعت کی رسول خدا ﷺ سے اوپر کہا ماننے اور حکم بجالانے کے اور مرغوب و نامرغوب پر اور اس پر کہ نہ جھگڑیں گے سردار سے، اور یہ کہ جہاں کہیں ہو حق بات پر قائم رہیں گے اور حق بات کہیں گے، نہ ڈریں گے اللہ کی راہ میں ملامت کرنیوالے کی ملامت سے)۔

عن جریر ابن عبد اللّٰہ قال بایعت النّبیّ ﷺ علی السّمع و الطّاعة فلقانی ما استطعت و النّصح لکلّ مسلم

(یعنی صحیح بخاری میں جریر بن عبد اللہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے بیعت کی رسول خدا ﷺ سے اوپر کہا ماننے اور حکم بجالانے کے، پھر سکھائی مجھ کو وہ چیز جس کی مجھے طاقت تھی، اور ہر مسلمان کیلئے خیر خواہی)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ کے وقت میں گناہوں سے بچنے اور سنت پر چلنے اور احکام شرعی کے بجالانے پر بیعت ہوتی تھی ۔

یہ چھ طرح کی بیعتیں تو ثابت ہوئیں اور ان سے سوا ساتویں طرح کی کوئی بیعت ثابت نہیں ۔

شاہ ولی اللہ نے بھی قول جمیل میں انہی چھ بیعتوں کا ذکر لکھا ہے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے وقت میں بعضے اسباب سے ان میں سے بھی کوئی بیعت مروج نہ تھی ۔ ایک مدت بعد صوفیہ نے

چھٹی قسم کی بیعت کو جاری کیا ہے۔ اب سمجھ لو کہ گناہوں سے بچنے اور سنت رسول اللہ ﷺ پر چلنے اور اگلے گناہوں سے توبہ واستغفار کرنے کے لئے اگر کوئی شخص صرف سنت رسول اللہ سمجھ کر کسی نیک بخت پرہیزگار لکھے پڑھے عالم آدمی سے بیعت کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ سنت و مستحب ہے۔ مگر یہ بات کہ ہم فلانے سلسلے میں مرید ہوئے، اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ یہ بیعت تو دراصل توبہ ہے، پھر یہ کہنا کہ ہم نے فلانے فلانے خاندان میں توبہ کی، یا فلانے سلسلے میں توبہ کی، اس کے کچھ معنی نہیں۔ ہمارے زمانے میں تو یہ حال ہو گیا ہے کہ مرید ہو کر پیر کو اپنا حمایتی جانتے ہیں اور شجرہ لے کر اس کو معافی کا پروانہ سمجھتے ہیں اور یوں جانتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب ہمارے نزع کے وقت میں بھی کام آویں گے اور قبر میں بھی حمایت کو دوڑیں گے اور اڑے کام نکالیں گے۔ یہ سمجھنا بالکل گمراہی ہے۔ قبر میں اپنے اعمال کے سوا کچھ کام نہیں آتی، شجرہ لے جانے سے کیا فائدہ؟ اپنا نامہ اعمال درست کرنا چاہیے جو قبر میں بھی کام آئے اور قیامت میں بھی۔ اور قیامت میں اللہ آپ انصاف کرے گا۔ پھر جب تک اللہ ہی فضل نہ کرے، وہاں نہ پیر کی حمایت چلے گی نہ فقیر کی۔ وہ ایسا برا وقت ہوگا کہ کوئی کسی کی سدھ نہ لے گا، اپنی نفسی نفسی میں گرفتار ہوں گے، نہ پیر کو مرید کی خبر رہے گی، نہ مرید کو پیر کی۔ وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو قادریہ خاندان میں مرید ہے یا نقشبندیہ میں یا چشتیہ خاندان کا مرید ہے یا سہروردیہ کا۔ وہاں صرف یہ بات پوچھی جاوے گی کہ کہو کیا لایا، نیکی یا بدی، متابعت رسول اللہ ﷺ کی تھی یا نہیں؟ پھر اللہ ہی کے فضل سے پیر کا بھی چھٹکارا ہے اور مرید کا بھی

قدسی ندانم چوں شود سودائے بازار جزا　　او نقد آمرزش بکف من جنس عصیاں دربغل

مطلب ساری تقریر کا یہ کہ اگر تم مرید بھی ہو تو اسی طرح ہو جس طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ثابت ہوا ہے اور اگر ذکر اشغال بھی کرو، تو اسی طرح کرو جس طرح کہ حضرت ﷺ سے ثابت ہوا ہے۔ کوئی بات اپنی طرف سے مت بڑھاؤ، کیونکہ دین کی بات میں زیادتی کمی کرنی بدعت ہے اور جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے۔

خدا کے نام لینے میں بے شک برکت ہے مگر وہ برکت جب ہی تک ہے جب کہ اللہ کا نام اسی طرح لیا جاوے جس طرح کہ خدا اور خدا کے رسول نے بتایا ہے۔

فی التّاتارخانیه و الطوالع و قد صحّ انّه قیل لابن مسعود ان قوماً اجتمعوا فی المسجد یهللون ویصلّون علی النّبیّ ﷺ و یر فعون اصوا تهم فذهب الیهم ابن مسعود و قال ما عهد نا هذا علی عهد رسول اللّه ﷺ و ما ارا کم الاّ مبتدعین فما زال یذ کر ذلک حتّی

اخرجھم من المسجد و فی البحر الرا ئق لان ذکر اللّٰہ تعا لی اذا قصد بہ التّخصیص بوقت دو ن وقت او بشیء دون شیء لم یکن مشروعاً حیث لم یرد بہ لانّہ خلاف المشروع ۔

(یعنی تا تا رخانیہ اور طوالع میں یہ بات لکھی ہے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ ابن مسعودؓ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہیں اور لا الہ الّا اللّٰہ پڑھ رہے ہیں اور پیغمبر خدا پر درود بھیج رہے ہیں، اور پکار پکار کر پڑھتے ہیں۔ پھر ابن مسعودؓ ان کے پاس گئے اور کہا کہ یہ بات پیغمبر خدا ﷺ کے وقت میں نہ تھی اور میں تم کو نہیں جانتا، مگر بدعتی۔ اور یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ ان کو مسجد میں سے نکلوا دیا۔ اور بحر الرائق میں لکھا ہے کہ یہ بات اس لئے ہوئی کہ اگر اللہ کی یاد کرنے کو کوئی وقت یا کوئی چیز خاص کی جاوے جو شرع میں نہیں آئی تو وہ جائز نہیں، کیونکہ خلاف شرع ہے)۔

اب خیال کرو کہ کلمہ پڑھنا اور درود بھیجنا کتنے بڑے ثواب کا کام ہے، مگر جب وہ لوگ اس طرح نہیں پڑھتے تھے جس طرح کہ سنت رسول اللہ میں ثابت ہوا ہے تو حضرت ابن مسعودؓ نے ان کو بدعتی کہا اور مسجد سے نکال دیا۔ پس اب جتنے ذکر اور اذکار شغل اشغال مشائخ کے ہیں تین حال سے خالی نہیں:

- یا یہ کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق ہیں، ان کو تو سر آنکھوں پر رکھنا چاہیے۔
- یا یہ کہ شرع محمدیہ اور سنت مصطفویہ میں اس طرح پر ذکر اور شغل کرنا جائز نہیں، بلکہ مباح ہے، تو ان ذکروں کا بھی مضائقہ نہیں۔ مگر جو ذکر کہ سنت سے ثابت ہوئے ہیں ان ذکروں کے سامنے ان ذکرو ں کی اتنی بھی حقیقت نہیں جیسے آفتاب کے آگے ذرہ، بلکہ جس شخص کو اللہ تعالی نے نور ایمان کا اور محبت اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کی دی ہے وہ اس بات کا مزا جانتا ہوگا کہ بدعت کیسی ہی ہو، حسنہ ہو سیئہ ہو، اس کا چھوڑنا اور اس سے پرہیز کرنی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر قائم رہنا اور آپ ہی کی سنت پر چلنا، اور کیسی ہی چھوٹی سنت ہو اس پر جان دینی دونوں جہانوں کی نعمت سے اعلی اور اولی اور افضل ہے، کیونکہ سنت پر چلنے سے نور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور اللہ کے دربار میں رتبہ بڑھ جاتا ہے اور بدعت کرنے سے ایک سنت اٹھ جاتی ہے۔ پھر فرض کرو کہ اگر بدعت کرنے میں، گو وہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو، اگر ہم کو گٹھڑیاں کی گٹھڑیاں چھکڑے بھر بھر کر ثواب ملتا ہو اور سنت پر چلنے سے ایک تل بھر، تو ہم کو وہ تل بھر کافی ہے اور وہ بہت سا ثواب درکار نہیں۔ حالانکہ یہ بات فرضی ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ اگر تمام جہان کے جتن کئے جاویں تو بھی ایک ادنی سنت کے ثواب برابر نہیں ہوسکتا۔ افسوس تم پروانے سے بھی بدتر ہو گئے۔ دیکھو وہ شمع کا عاشق ہے اور

اس کو آفتاب سے کچھ غرض نہیں ۔ تم تو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ہو، پھر تم کو بدعت حسنہ اور سیئہ سے کیا کام ۔ جو حضرت ﷺ نے کہا اور کیا وہی کرو اور نئی بات سے کچھ غرض نہ رکھو، خواہ وہ حسنہ ہو خواہ سیئہ ۔ کیا مسلمان ہو کر تمہیں اچھا لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت تم میں سے اٹھ جاوے؟

عن غضیف بن الحارث الثما لی قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ما ا حد ث قوم بدعة ا لّا رفع مثلھا من السّنّة فتمسک بسنّة خیر من احدا ث بدعة (مسند احمد ۔ حدیث نمبر ۱۷۰۹۵)۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنۃ میں غضیف ابن حارث ثمالی سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے نہیں نکالی کسی قوم نے کوئی بدعت، مگر اٹھائی جاتی ہے ویسی سنت، پھر پکڑ نا سنت کا بہتر ہے نکالنے بدعت سے)۔

و عن حسّان قال ما ابتدع قوم بدعة فی دینھم الّا نزع اللّٰہ من سنّتھم مثلھا ثمّ لا یعید ھا الیھمالی یوم القیا مة ۔

(یعنی مشکوۃ شریف کے اسی باب میں حسان سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ نہیں نکالی کسی قوم نے اپنے دین میں کوئی بدعت، مگر چھین لیتا ہے اللہ ان سے ویسی ہی سنت ۔ پھر نہیں ہاتھ لگتی ان کے وہ سنت قیامت تک)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں سنت ہیں، اگر ان کو چھوڑ کر کوئی نئی بات نکالی جائے اور فرض کرو کہ بدعت حسنہ، بلکہ احسن ہی ہو، مگر ایک سنت رسول اللہ ﷺ کی اس بدعت سے اٹھ جاتی ہے ۔ پھر ہم کو یقین نہیں آتا کہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اٹھ جانے پر راضی ہو ۔

❁ تیسری صورت یہ ہے کہ اس طرح پر ذکر کرنا شرع محمد یہ اور سنت مصطفویہ میں جائز نہیں، بلکہ بدعت اور ناجائز ہے، پھر اس طرح پر ذکر کرنا ہرگز نہیں چاہیے ۔ خواہ اس کے کرنے کو پیر کہے، خواہ پیرزادہ ۔ اور خواہ اس کے کسی پیر نے کیا ہو یا پیرزادے نے، ہرگز اس پر کان نہ دھرے اور شیطانی وسوسہ جانے ۔

معلوم نہیں کہ لوگوں نے جناب پیغمبر خدا ﷺ میں کس چیز کی کمی دیکھی کہ کوئی نئی بات نکالنے کے محتاج ہوئے ہیں، سنت رسول اللہ تو وہ چیز ہے کہ اور اعمال سے قطع نظر، اگر صرف ایک نماز ہی پانچوں وقت دل لگا کر اور دھیان جما کر اور یوں تصور کر کر کہ یہ اللہ تعالی موجود ہے جس کے سامنے میں نہایت ذلت سے کھڑا ہوں، پڑھی جاوے تو ایسا رتبہ اللہ کے دربار میں حاصل ہوتا ہے کہ نہ کسی ذکر سے ہو، نہ شغل سے ۔ اسی واسطے بزرگان متقدمین اہل سنت میں سے کسی نے کہا ہے کہ نماز معراج مومنین کی ہے

دو بامداد گر آید کسے بخدمت شاہ — سیوم ہر آئینہ در وے کند بلطف نگاہ

فکیف ربّی و ھو ارحم الرّا حمین یعنی جب دنیا کے بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ اگر دو دن کوئی ان کو سلام کرے تو تیسرے دن اس پر مہربانی کرتے ہیں، پھر جب اللہ کے دربار میں دل سے حاضری کیا کرے گا تو میرا رب کیونکر نہ مہربانی کرے گا۔ وہ تو سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ نہ یہ کہ نماز تو پڑھتے ہیں مسجد میں اور دھیان ہے صنم خانے میں، اور اس پر سنت محمدیہ پر نام دھرتے ہیں کہ نرا شرع پر چلنے سے ملانے کا ملانا ہی رہ جاتا ہے۔ افسوس اس مسلمانی پر

گر مسلمانی ہمیں است کہ دارد حافظ — وائے گر از بس امروز بود فردائے

ان باتوں کو سن کر بعضے لوگ یوں کہنے لگتے ہیں کہ اس حضوری ہی کے حاصل کرنے کو تو مرید ہوتے ہیں اور فقیروں کے پاس جاتے ہیں اور وہ جو بتاتے ہیں ذکر اشغال کرتے ہیں، حالانکہ یہ سب سے بڑی نادانی ہے، کیونکہ یہ بات بھی تو سنت رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ جب تم دھیان جما کر سنت طور پر نماز پڑھنی شروع کرو گے، ایک دن دھیان نہ جمے گا، دو دن نہ جمے گا، تیسرے دن خود بخود جمنے لگے گا۔ یہ تو آپ کی بدیا ہے جو کرے گا وہ پائے گا۔ دیکھو بھٹیارے کا تنور کیسا گرم ہوتا ہے کہ اس کے سامنے ٹھہرا نہیں جاتا، مگر جب اس کو عادت پڑ جاتی ہے تو وہ بے تکلف اندر ہاتھ ڈال کر روٹیاں لگاتا ہے۔ جن فقیروں کے خیال میں تم پھنسے ہو وہ بھی تو کرتب ہی کی بات ہے۔ کیونکہ جس طرح وہ شغل بتاتے ہیں اگر اسی طرح نہ کرو تو بھی تم کو خاک نہیں ملتا، پھر تم کو کیا بلا ہو گئی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کو تو چھوڑتے ہو اور نئی بلا میں پھنستے ہو۔ حاصل یہ ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کو مت چھوڑو۔ پیر بھی بنو تو سنت ہی پر بنو اور مرید بھی بنو تو سنت ہی پر بنو۔ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو اور جو مطیع سنت رسول اللہ ﷺ ہو اس کی محبت اختیار کرو کہ تم کو بھی نیک صحبت کی برکت پہنچے اور تم کو بھی اتباع سنت نصیب ہو، کیونکہ صحبت نیک میں بڑی تاثیر ہے۔

عن ابی موسی قال قال رسول اللّٰہ ﷺ مثل الجلیس الصّالح و السوء کحامل المسک و نا فخ الکیر۔ فحامل المسک اما ان یحذیک و اما ان تبتاع منه و اما ان تجد منه ریحاً طیبۃً ۔ و نا فخ الکیر اما ان یحرق ثیابک و اما ان تجد منه ریحاً خبیثۃً ۔(بخاری کے باب المسک میں ابی موسی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اچھے اور برے آدمی کی صحبت کی مثال عطار جیسی اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ پھر

عطار یا تو تجھے بھی اس خوشبو میں سے دے گا، یا تو اس میں سے خرید ے گا، یا اس میں سے کچھ خوش بو تجھ کو پہنچ ہی رہے گی۔ اور بھٹی دھو نکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا، یا تجھ کو بد بو پہنچے گی)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت نیک ایک عجب چیز ہے۔ آدمی کو صحبت نیک اختیار کرنی چاہیے اور اگر کوئی صحبت نیک نہ ملے تو پھر حدیث اور قرآن کی صحبت سے بہتر کوئی صحبت نہیں ۔ آدمی دن رات حدیث وقرآن پڑھا کرے اور اس کے معنوں پر غور کرے، وہ صفائی باطن اور تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی چیز سے نہیں ہوتا۔ الحمد للہ کہ تم نے مرید ہونیکے معنی جانے ۔اب یہ بھی جان لو کہ مرید کسے کہتے ہیں:

عن سفیان ابن عبد اللّٰہ الثّقفی قال قلت یا رسول اللّٰہ ﷺ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسأل عنه احداً بعدك۔ و فی روایةٍ غیرك۔ قال قل آمنت باللّٰہ ثمّ استقم ۔(یعنی مشکوۃ شریف کی کتاب الایمان میں سفیان بن عبداللہ الثقفی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ میں نے پیغمبر ﷺ کی جناب میں عرض کیا کہ آپ مجھے ایسی بات اسلام کے مقدمے میں فرماویں کہ آپ کے بعد اس کے پوچھنے کی حاجت نہ رہے(اور ایک روایت میں ہے کہ اور کسی سے پوچھنا نہ پڑے)۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ یوں کہو کہ اللہ پر ایمان لایا ہوں اور پھر اسی پر قائم رہ)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورا مرید وہی ہے کہ جو اللہ کی راہ پر قائم رہے اور باقی سب زٹل ہے۔ الحمد للّٰہ اولاً و آخراً و الصّلوۃ و السلام علی رسوله ظاھراً باطناً (منقول از مقالات سرسید ۔ ص ۲۶۷ تا ۲۹۰)

☆ حاشیہ نمبر۳: سید عبداللہ غزنوی کا سفر دہلی

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ سید عبداللہ غزنویؒ اور حافظ محمد لکھویؒ اور جناب غلام رسولؒ آف قلعہ میہاں سنگھ نے اکٹھے دہلی کا سفر کر کے میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ سے کسب فیض کیا تھا۔ اور بتایا جاتا ہے کہ جب یہ طلباء دہلی پہنچے تو ان کی ملاقات ایک بوڑھے قلی سے ہوئی جس نے ان کا سامان اٹھا کر انہیں میاں صاحب کے مدرسہ میں پہنچایا۔ مدرسہ پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ قلی درحقیقت میاں نذیر حسین صاحبؒ تھے تو یہ طلباء بہت نادم ہوئے مگر میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا پہلا سبق طلبہ کو خدمت خلق کا ہوتا ہے

۔جناب محی الدین احمد قصوری کہتے ہیں:

(جب شاہ افغانستان نے سید عبداللہ غزنوی کو ملک بدر کر دیا تو وہ غزنی سے امرتسر چلے آئے) معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہنچتے ہی ان (عبداللہ غزنوی) کے روابط مولانا غلام رسول قلعہ والوں اور مولانا حافظ محمد لکھوکی والوں کے ساتھ بہت بڑھ گئے اور تینوں بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ حدیث کی سند حضرت میاں نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ سے لی جائے۔ چنانچہ تینوں نے لکھ کر حضرت میاں صاحب سے اجازت مانگی اور اجازت آنے پر فوراً (دہلی) روانہ ہو گئے۔اس وقت تک ابھی ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔لوگ گھوڑے گاڑیوں پر پڑاؤ پڑاؤ ہوتے ہوئے دہلی پہنچتے تھے ۔جس وقت یہ تینوں بزرگ دہلی گاڑیوں کے اڈے پر پہنچے،تو ایک بزرگ آدمی کو وہاں موجود پایا جس نے ان سے پوچھ کر کہ کہاں کا قصد ہے، ان کا اسباب اٹھا لیا اور کہا کہ میں آپ لوگوں کو وہاں پہنچا دونگا۔وہ بزرگ ان تینوں بزرگوں کا سامان اٹھا کر میاں نذیر حسین صاحب کی مسجد میں لے گیا۔ان کا اسباب وہاں رکھا اور خود غائب ہو گیا۔یہ حیران کہ اس مزدور نے پیسے بھی نہیں لئے اور کہاں چلا گیا ہے۔جب کافی وقت گذر گیا تو انہوں نے کسی صاحب سے دریافت کیا کہ میاں صاحب کہاں ہیں اور کب تک آئیں گے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میاں صاحب ہی تو تھے جو آپ کا سامان لائے ہیں اب وہ غالباً گھر آپ کے کھانے کا کہنے گئے ہیں۔ یہ تینوں بزرگ دل ہی دل میں بڑے نادم ہوئے چنانچہ جب حضرت میاں صاحب واپس تشریف لائے اور کھانا بھی لے آئے تو انہوں نے بہت ہی معذرت شروع کی۔میاں صاحب نے فرمایا، آپ تحصیل حدیث کے لئے تشریف لائے ہیں تو حدیث بجز اس کے کیا ہے کہ خدمت خلق۔یہی حدیث کا پہلا سبق ہے۔ (قصوری خاندان۔ ص۱۰۲۔۱۰۳)

یہ روایات اور کئی جگہ نقل ہوئی ہے اور عام طور پر قبول کی جاتی ہے، تاہم ان تینوں بزرگوں کا اکٹھے سفر کر کے دہلی تشریف لے جانا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس بات کی وضاحت کے لئے چند اہل علم کی تحریروں سے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

لکھوی خاندان کے ایک سوانح نگار جناب خدا بخش واعظؒ، جناب عبدالرحمٰن محی الدین بن محمد لکھویؒ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ:

۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے، سترہ سال کی عمر میں والد آپ کو دہلی لے گئے جہاں مولوی بشیر الدینؒ، مفتی صدر الدینؒ، مولوی عبدالرحمٰنؒ، اخوند صاحبؒ مدرس مدرسہ دار البقاء، مولوی

نوازش علیؒ سے پڑھا اور ۱۸۵۷ء کے غدر سے چھ ماہ قبل واپس وطن آئے۔اس عرصہ میں حافظ محمد لکھویؒ بھی دہلی میں ساتھ رہے۔علم حدیث آپ (محی الدین) نے باپ سے پڑھا۔ ۱۸ سال کی عمر تک دہلی میں تعلیم پائی۔ پھر لکھو کے آ کر پڑھانے لگے۔

(تحفہ واعظ۔منظوم سوانح عمری محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی)

حافظ محمد لکھویؒ کے پوتے جناب محمد علی لکھویؒ لکھتے ہیں کہ ان کے دادا نے دہلی جا کر حضرت میاں صاحبؒ سے مشہور واقعہ دہلی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) سے چھ ماہ قبل پچاس برس کی عمر میں علم حدیث کی سند حاصل کی۔ (ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۱۸ مارچ ۱۹۲۱ء)۔

اور جناب محمد علی لکھویؒ نے اپنے والد جناب محی الدین عبدالرحمٰن کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے ہوئی۔سترہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار (حافظ محمد لکھویؒ) اور ایک خادم حافظ احمدؒ کے ہمراہ دہلی گئے۔ اور مولوی بشیر الدین قنوجیؒ ؛ اور مفتی صدر الدین دہلویؒ صدر الصدور ،مولوی عبدالرحمٰنؒ ،اخوند صاحب مدرس مدرسہ دار البقاء،اور مولوی نوازش علیؒ سے تحصیل علم کی۔...سند حدیث آپ نے وطن آ کر اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی ، اور والد کے مدرسہ میں تدریس شروع کی۔سخت محنت کے باعث بیمار ہو گئے اور اطباء کے مشورہ پر تدریس چھوڑ دی۔اسی اثنا میں آپ کو علم آخرت اور سلوک کا شوق پیدا ہوا۔تین سال کی ریاضت کے بعد بالہام ربانی بسوئے غزنی سید عبداللہ غزنویؒ کی ملاقات کیلئے بہمراہی ایک خادم پا پیادہ تشریف لے گئے۔غزنی میں سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔

(ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۳۹ء۔ اپریل ۱۹۲۱ء۔ ص ۹۔۱۰ ملخصاً)

جناب معین الدین لکھوی اپنے دادا جناب محی الدین عبدالرحمٰنؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اپنے اس لڑکے (محی الدین) سے حافظ محمد لکھوی کو اس قدر دل بستگی تھی کہ ان کی تعلیم کیلئے پچاس برس کی عمر میں خود ان کے ساتھ دہلی پہنچے۔اور استاذ الکل سید نذیر حسین صاحب کے حلقہ درس میں داخل کیا۔اور تکمیل تک ساتھ رہے۔ (ص ۱۴۵۔ غیر منقسم پنجاب کا ایک عظیم مصلح)

جناب محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری لکھتے ہیں:

میاں نذیر حسین صاحب سے استفادہ کے بعد حافظ محمد صاحب عمل بالحدیث پر گامزن ہوئے اس سے قبل ان کی جتنی تصانیف ہیں وہ فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔آپ تقریباً ایک سال میاں صاحب کے درس میں رہے۔ .....(مزید لکھتے ہیں) : حافظ محمد جب دہلی سے ۱۲۷۲ھ میں واپس

تشریف لائے تو اپنے بیٹے مولوی محی الدین کے تعاون سے ایک دینی مدرسہ بنام جامعہ محمدیہ جاری کیا۔ یہ ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۸۵۶ء کا زمانہ تھا۔ (فیوض محمدیہ۔ص ۶۶، ۱۰۹)

ان اقتباسات کے بعد جناب غلام رسول قلعوی کی تحریر ملاحظہ فرمالیں جسے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں: جس میں بتایا گیا ہے کہ سید عبداللہ غزنوی نوشہرہ میں:

صبح کے وقت اپنے دوستوں سے فرمانے لگے کہ یہاں سے شاہجہان آباد یعنی دہلی جانے کا پختہ ارادہ ہے۔کوئی شخص ہم کو نہ روکے۔اور آپ یکہ میں سوار ہوکر ہفتہ میں لاہور پہنچے اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔..۔ پھر امرت سر سے سوار ہوکر آٹھ روز میں دہلی پہنچے اور مولوی صاحب سید محمد نذیر حسین کے مدرسہ میں آئے۔اور میں نے آپ کے ساتھ بخاری کا سننا شروع کیا.. یہاں تک کہ ۱۲۷۲ھ میں رمضان کی سولہویں تاریخ دہلی میں غدر مچ گیا اور رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔فقیر عید فطر کی نماز پڑھ کر رخصت ہوا۔(سوانح عمری عبداللہ غزنوی ص ۱۰۰۔۱۰۵)

سید عبداللہ غزنوی کے دوست جناب غلام رسول قلعوی کی یہ تحریر نہایت اہم ہے کیونکہ اس میں جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں کئی ایک میں وہ خود سید عبداللہ کے ساتھ تھے، اور خاص طور پر سفر دہلی اور دہلی میں تحصیل علم میں وہ ان کے ساتھ تھے۔ اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۵۶ء میں سید عبداللہ غزنوی نوشہرہ سے یکہ پر بیٹھ کر ایک ہفتہ میں (بمعیت جناب غلام رسول) امرتسر پہنچے۔ چند روز یہاں قیام کیا اور پھر یکہ پر بیٹھ کر براستہ سرہند دہلی چلے گئے۔(شائد امرتسر میں قیام ہی کے دوران انہوں نے میاں صاحب سے بذریعہ خط دہلی حاضری کی اجازت لی ہوگی)۔اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سید عبداللہ (اور جناب غلام رسول) جن دنوں میاں صاحب سے دہلی میں پڑھ رہے تھے، وہاں جنگ شروع ہوگئی (دہلی میں جنگ آزادی کا سلسلہ شوال، ذی قعد، ذی الحج ۱۲۷۳ھ اور محرم، صفر ۱۲۷۴ھ کا ہے۔اور دہلی پر ستمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزی قبضہ ہوا) ۔اور جب دہلی کے اجڑنے پر میاں صاحب صاحب کا مدرسہ بھی بند ہوگیا تو سید عبداللہ راہ داری حاصل کر کے امرتسر آ گئے۔یعنی یہ واقعہ اواخر ۱۸۵۷ء ہے ۔امرتسر میں انہوں نے ایک سال قیام فرمایا۔اس کے بعد ۱۸۵۸ء کے اواخر میں وہ افغانستان واپس چلے گئے۔(۱۲۸۴ھ میں سید عبداللہ افغانستان سے مستقلاً پنجاب آ گئے تھے۔ پہلے کچھ عرصہ امرتسر رہے۔ پھر انہیں شہر بدر کر دیا گیا اور وہ خیردی میں رہے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں شہر میں آ جانے کی اجازت مل گئی تو وہ امرتسر میں آباد ہوگئے)

جناب غلام رسولؒ کے میاں صاحب سے کسب فیض کا زمانہ اس سند میں مذکور ہے جو میاں صاحب نے جناب غلام رسول کو عطا فرمائی تھی۔اس سند کی نقل درج ذیل ہے:

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم۔ الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوۃ و السّلام علی خیر خلقہ محمّد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد:

فیقول العبد العاجز محمد نذیر حسین عا فاہ اللہ فی الدا رین انّ المولوی عبد اللّٰہ المعروف بغلام رسول السا کن فی موضع گو جرا نوا لہ لقینی ۱۲۷۳ الھجریہ و سمع منّی طرفاً من صحیح البخاری و مقدمہ صحیح مسلم فو جد تہ صاحب الفریھۃ الوفادۃ و الطبعۃ النقادۃ و حاشر المکا رم بالرم و الکلم فعلیہ ان یّشتغل بتد ریس الاحادیث و اقراء کتب الصحا ح الستۃ البخاری و مسلم و ابی دا ؤد و الجا مع التر مذی و النسا ئی و ابن ما جہ وغیرھا من ملحقات الصحاح کالمشکوۃ والشمائل و حصن الحصین و الجا مع الصغیر و جمع الجوا مع و کنز العما ل و کتب البھیقی و غیرھم کتب الاحا دیث لا نہ اھل للشروط المعتبرۃ عند اھل الحدیث و متفضل؟ بذ لک اطاب اللہ بقائہ و یسّر لنا لقائہ و انّی حصلت القر أۃ و السّماعۃ والاجازۃ لھذہ الکتب المذکورہ عن الشیخ الاورع البارع المختص بالمآ ثر الجلیہ و المفا خر العلیہ علی... الاطلاق مولانا محمد اسحاق رحمہ اللّٰہ تعا لی و ھو حصل القرأۃ وا لاجازۃ لھذہ .... عن الشیخ الاجل الاکر م الشیخ عبد العزیز المحد ث الدھلوی و ھو حصل القرّأۃ والاجازۃ لھذہ الکتب عن الشیخ مسند الوقت بقیۃ السلف و حجۃ الخلف ولی اللّٰہ المحدّث الدھلوی ر حمہ اللہ تعا لی و باقی سندہ مکتوب عندہ۔ حررہ ۱۲۷۹ الھجر یۃ المقدّسہ فی التاریخ العشر من الربیع الثا نی۔ الرا قم العا جز۔ (مہر میاں صاحب)

سند کا عکس، مکا تیب حضرت شیخ الحد یث، کے صفحہ ۲۰۳ پر مطبوع ہے۔ یہ سند ۱۲۷۹ھ میں لکھی گئی اور اس میں بتا یا گیا ہے جناب غلام رسول کا دہلی میں زمانہ تعلیم ۱۲۷۳ھ ہے۔ چونکہ دہلی میں جنگ جاری تھی، امن وامان ختم ہو چکا تھا، اور تعلیم نامکمل چھوڑ کر افترا تفری میں جناب غلام رسول کو دہلی سے نکلنا پڑا تھا اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ بعد میں (یعنی ۱۲۷۹ھ میں) یہ سند لکھی گئی۔ اور چونکہ سید عبداللہ اور جناب غلام رسول نے اکٹھے میاں صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ

سیدعبداللہ کا دہلی میں زمانہ تعلیم بھی ۱۲۷۳ھ ہے۔

دوسری طرف بتایا جاتا ہے کہ جناب محی الدین اپنے والد حافظ محمد لکھوی مرحوم کے ہمراہ ۱۲۷۰ھ میں دہلی گئے۔ اور میرے خیال کے مطابق یہی وقت ہے جب حافظ محمد لکھویؒ نے میاں صاحب محدث دہلوی سے استفادہ کیا اور وہ ان کے پاس سال بھر کے لگ بھگ رہے۔ جیسا کہ جناب محمد علی لکھوی لکھتے ہیں کہ حافظ محمد لکھوی نے:

> پھر دہلی جا کر حضرت میاں صاحب مرحوم سے مشہور واقعہ دہلی سے چھ ماہ قبل پچاس برس کی عمر میں علم حدیث کی سند حاصل کی۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۸ مارچ ۱۹۲۱ء)۔

نیز فیوض محمدیہ میں بھی لکھا ہے کہ حافظ محمد لکھوی ۱۲۷۲ء میں میاں صاحب سے پڑھ کر آئے۔ تو اپنے صاحبزادے محی الدینؒ کے تعاون سے ایک دینی مدرسہ بنام جامعہ محمدیہ جاری کیا۔ یہ ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۸۵۶ء کا زمانہ تھا۔ اور یوں سیدعبداللہ غزنویؒ کے ساتھ ہم سفر اور ہم جماعت ہونے کی بات نادرست ہو جاتی ہے کیونکہ جس وقت سیدعبداللہ دہلی گئے ہیں اس وقت حافظ محمدؒ لکھوی دہلی سے واپس پنجاب تشریف لا چکے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمد لکھویؒ ۱۸۵۷ء سے کچھ عرصہ قبل اپنے بیٹے کی تعلیم کی غرض سے دہلی میں قیام کر چکے تھے اور خود بھی میاں صاحبؒ دہلوی سے کسب فیض کر چکے تھے۔ ان حالات میں ۱۸۵۷ء والے تعلیمی سفر میں یہ کہنا کہ میاں صاحبؒ ان کا سامان اٹھا کر لے گئے اور انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ حمّال (قلی) کون ہے، درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ حافظ محمد لکھویؒ سے یہ کس طرح ممکن تھا کہ اپنے استاد کو (تین آدمیوں کا) سامان اٹھانے دیں اور پھر اس حمّال کی اصل شخصیت سے بھی بے خبر رہیں۔ ہاں اگر حافظ محمد لکھویؒ سیدعبداللہ کے سفر دہلی میں ان کے ساتھ موجود نہ ہوں تو باقی دونوں بزرگوں (یعنی سیدعبداللہ غزنوی اور جناب غلام رسول قلعوی) کے ساتھ اس واقعہ کا پیش آنا خلاف قیاس نہیں ہے۔

☆ حاشیہ نمبر۴:

قانون مساجد

ہندوستان کی عدالتوں میں رفع الیدین و آمین بالجہر کے جھگڑوں کی بنا پر اخراج عن المساجد کے مقدمات چل رہے تھے تو عدالتوں کی رہنمائی کے لئے قانون مساجد کے عنوان سے ایک دستاویز مرتب کی گئی تھی جس میں مساجد کی حیثیت اوران میں تمام مسلمانوں کے حق عبادت کی نشان دہی کرنے والی قرآنی آیات، احادیث رسول اور فقہاء کرام کی آراء کو اکٹھا کر کے انگریزی ترجمے کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا اورشائد اسے بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں الہ آباد ہائی کورٹ میں کسی مقدمے کے دوران پیش بھی کیا گیا تھا۔اس دستاویز کی ایک مطبوعہ کاپی ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کے ذریعے ڈاکٹر لائق علی خان آف کاسگنج سے حاصل ہوئی ہے۔ اس دستاویز پر حافظ محمد عبداللہ کا نام مرتب کی حیثیت سے درج ہے، جو شائد حافظ محمد عبداللہ غازی پوری ثم آروی ہیں۔انگریزی ترجمہ جناب ایس ایم امیر علی مترجم ہائی کورٹ (شائد الہ آباد) کا تصدیق شدہ ہے،تاہم میں نے حسب ضرورت چند ترامیم کی ہیں۔ یہ اہم دستاویز صفحات ذیل میں نذر قارئین کی جاتی ہے:، ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ و من اظلم ممّن مّنع مسا جد اللّٰه ان یّذ کر فیھا اسمه ۔(پارہ ۱ ۔بقرہ ع ۱۴)۔

(اوراس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے)

Who is more unjust than he who prohibits the mosques of God, that His name should be remembered therein.

۲۔ و انّ المسا جد للّٰه (پارہ ۲۹ سورہ جن۔ع ۲) (اور بلاشبہ مسجدیں خالص اللہ کی ہیں)۔

Verily the mosques are set apart unto God .

۳۔ و اذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه ؟ عن ملکه بطریقه و یاذن للنّاس بالصّلوة فیه فاذا صلّی فیه وا حد زال عند ابی حنیفهؒ عن ملکه اما الافراز فلانّه لا یخلص للّٰه تعالی الّا به و امّا الصّلوة فیه فلانّه لا بدّ من التّسلیم عند ابی حنیفهؒ و محمدؒ و یشترط تسلیم نوعه و ذلک فی المسجد

بالصّلوۃ فیه او لانّه لما تعذر القبض یقام تحقق المقصود مقامه ثمّ یکتفی بصلوۃ الواحد فیه فی روایة عن ابی حنیفه و کذا عن محمد لانّ فعل الجنس متعذر فلیشترط ادناہ و عن محمدؒ انّه یشترط الصّلوۃ بالجماعة لانّ المسجد بنی لذالک فی الغالب (ھدایه ج ۱ صفحه ۶۲۴،مصطفائی لکھنئو کتاب الوقف)

جب کوئی شخص کوئی مسجد بنائے تو مسجد مذکور سے اس کے بانی کی ملک زائل نہ ہوگی (یعنی شرعاً مسجد نہ ہوگی) مگر دو شرط سے۔ایک یہ کہ بانی مذکور، مسجد مذکور کو مع اس کے راستے کے اپنی ملک سے جدا کردے۔دوسرے یہ کہ بانی مذکور مسجد مذکور میں عموماً لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔اس کے بعد اگر ایک شخص بھی مسجد مذکور میں نماز پڑھ لے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد مذکور اس کے بانی کی ملک سے نکل جائے گی (یعنی مسجد مذکور شرعاً مسجد ہو جائے گی) مسجد مذکور کو مع اس کے راستے کے اپنی ملک سے نکال دینا اس لئے ضروری ہے کہ مسجد کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا شرط ہے اور مسجد مذکور بغیر اس کے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوسکتی اور نماز پڑھنا مسجد مذکور میں اس لئے ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک مسجد ہو جانے کے لئے تسلیم بھی شرط ہے اور ہر نوع کی تسلیم اس نوع کے مناسب ہوتی ہے۔اور مسجد کے مناسب تسلیم یہ ہے کہ اس میں نماز پڑھ لی جاوے اور نیز مسجد مذکور میں نماز پڑھنا اس لئے ضرور ہے کہ چونکہ مسجد کا قبضہ متعذر ہے اسلئے مسجد بنانے سے مقصود ہے (یعنی نماز) وہ قبضہ کے قائم مقام ہو جائے گی۔پھر ایک روایت میں امام ابوحنیفہؒ سے اور اسی طرح امام محمدؒ سے یہ ہے کہ مسجد مذکور میں ایک شخص کا نماز پڑھ لینا مسجد ہونے کے لئے کافی ہے اس لئے کل آدمیوں کا مسجد مذکور میں نماز پڑھنا متعذر ہے پس کم سے کم ایک شخص کا نماز پڑھ لینا مسجد ہو جانے کے لئے شرط ہوگا۔اور امام محمدؒ سے دوسری روایت میں یہ ہے کہ نماز باجماعت پڑھنا شرط ہے اس لئے کہ مسجد کی بناء غالباً اسی لئے ہوتی ہے)۔

If a person builds a mosque, his right of property in it is not extinguished so long as he does not separate it, with its passage, from the rest of his property and gives general admission to people to come and worship in it: in that case when a single person says his prayer in it, his (i,e, founder's) right of property is extinguished according to Abi Hanifa. The utter separation of it (from the rest of the appropriator's property) is indispensible for this reason, that the mosque cannot become dedicated solely to God until that be effected; and the performance of prayer in it is a condition; because, as a consignment is requisite in this way, since consignment must be carried into execution

in whatever way may be proper to the nature of the appropriation, and the mode of consignment proper to a mosque is public worship, or, the performance of prayer is a condition, because as it can not be conceived that God Himself take possession of a mosque; it follows that which is the design must stand as a substitute for taking possession of it. It is proper in this place to observe that if a single person says his prayers in the mosque it suffices, (according to one report from Abu Hanifa and Muhammad) because, as it is impossible that all men should perform their prayers in it, the circumstances of a single individual performing his prayers is the condition. It is also reported, from Abu Hanifa and Muhammad, that the performance of prayer by whole congregation is a necessary condition, because a mosque is founded with a view to public worship.

۴ ۔ قال بعضهم صلوته لا يكتفى و هو الصحيح لانّ الصّلوة انّما يشترط لاجل قبض العامة و قبضه لا يكتفى فكذلك صلوته (فتاوى قا ضى خا ن۔ ج ۴ ص ۲۹۲ مطبوعه لکھنئو۔ کتا ب الوقف ۔ با ب الر جل يجعل داره مسجداً۔)(بعض فقہاء نے کہا کہ اکیلے بانی مسجد کا نماز پڑھ لینا مسجد ہو جانے کیلئے کافی نہیں ہے اور یہی قول صحیح ہے اسلئے کہ نماز اسلئے شرط ہوئی ہے کہ عامہ مسلمین کا قبضہ ہو جائے اور اکیلے بانی مسجد کا قبضہ کافی نہیں پس اسی طرح اکیلے بانی مسجد کی نماز بھی کافی نہیں)۔

Some (of the faqihs i'e.' the Expounders of Mohammadn Eccelestical law) are of opinion that saying of prayers in a mosque on the part of its founder alone does not suffice for its being consecrated as a mosque. And this is the correct dogma inasmuch as the consecration of a mosque has been based upon saying prayers in it solely with a view that the general body of Mussalmans may have possession over it. The individual possession of the founder of the mosque is not sufficient for its consecration. Similarly the saying of prayers in it on the part of its founder alone is not sufficient for its consecration .

۵ ۔ : لو صلّی الوا قف و حده، لصحیح انّه لا یکفی لانّ الصّلوۃ انّما تشتر ط لاجل القبض للعامّۃ و قبضته لنفسه لا یکفی فکذا صلوته (رد المحتار ج ۳ ص ۵۷۲ ۔ مطبوعه مصر ۔ کتا ب الوقف) ۔(اگر تنہا واقف نماز پڑھ لے تو قول صحیح یہ ہے کہ اکیلے واقف کا نماز پڑھ لینا کافی نہیں، اسلئے کہ نماز اسی لئے شرط ہوئی ہے کہ عامہ مسلمین کا قبضہ حاصل ہو جائے اور خود اکیلے واقف کا قبضہ کافی نہیں پس اسی طرح اکیلے اس کی نماز بھی کافی نہیں)۔

If the appropriator of the mosque alone said his prayer in it, then, the correct dogma is that his saying prayers alone in it does not suffice for the consecration because its consecration has been based upon saying prayers in it solely with a view that the general body of Mussalmans may have possession over it. The individual possession of its appropriator is not enough for its dedication. Similarly the sayning of prayers in it on the part of its appropriator alone is not enough for its dedication

۶ ۔ و قال ابو یوسف یزول ملکه بقوله جعلته مسجداً لانّ التّسلیم عنده لیس بشرط لانّه اسقاط الملک العبد فیصیر خا لصاً للّٰه تعا لی بسقوط حقّ العبد (هدا یه جلد اول ص ۶۲۴) (اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ بانی مسجد کی ملک اس کے مجرد اس قدر کہہ دینے سے کہ میں نے اس کو مسجد قرار دیدیا زائل ہو جاتی ہے اس لئے کہ تسلیم امام ابو یوسف کے نزدیک شرط نہیں اس لئے کہ مسجد قرار دینا بندہ کی ملک کو ساقط کر دینا ہے ۔ پس مسجد مذکور بوجہ ساقط ہونے ملک بندہ کے خالص اللہ تعالی ہو جائیگی)۔

Abu Yusuf maintains that the founder's right of property is destroyed immediately upon his saying "I constitute this is a mosque"; - because he does not hold consignment to be a condition, since according to him appropriation singnifies a relinguishment of right on the part of the individual; the thing appropriated, therefore, appertains solely to God merely in consequnces of the right of the individual ceasing.

۷۔ و من جعل مسجد تحته سردا ب او فوقه بیت و جعل باب المسجد الی الطّریق و عزله عن ملکه فله ان یبیعه و ان ما ت یور ث عنه لانّه لم یخلص للّٰه تعا لی لبقاء حق العبد متعلقاً به (هدا یه جلد اول۔ ص ۶۲۴)(اور جس شخص نے کوئی ایسی مسجد بنائی جس کے نیچے کوئی تہ خانہ یا اس کے اوپر کوئی گھر بنایا (نہ مصالح مسجد کیلئے) اور مسجد مذکور کا دروازہ

راستہ کی طرف کر دیا اور مسجد مذکور کو اپنی ملک سے نکال دیا تو اس صورت میں بانی مسجد مذکور کو جائز ہے کہ مسجد مذکور کو بیچ ڈالے اور اگر مر جائے تو مسجد مذکور اس صورت میں اس کے وارثوں کی ملک ہو جائے گی اس لئے کہ اس صورت میں مسجد مذکور خالص اللہ تعالی کی نہیں ہوئی کیونکہ بندہ کا حق بھی اس کے ساتھ متعلق ہو کر ہنوز باقی ہے)۔

If a person erects a building of two stories, making the lower story a mosque, and the upper story a dwelling, with the door of the mosque towards the public road, and detaches the mosque from his property (in the manner before described) he is nevertheless at liberty to sell it;' or if he dies.the mosque is an inheritance; - as the mosque does not, in this instance, appertain solely to God, because of the individual's right in it still subsisting.

۸۔ و کذا لک ان اتخذ وسط داره مسجداً و اذن للناس بالد خو ل فیه یعنی له ان یبیعه و یورث عنه لانّ المسجد ما لا یکو ن لا حدٍ فیه حقّ المنع و اذا کا ن ملکه محیطاً بجوا نبه کان له حق المع فلم یصر مسجداً لانّه ابقی الطّر یق لنفسه فلم یخلص للّه تعا لی۔ (هدا یه جلد اول ۔ ص ۲۲۵)۔(اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر کوئی مسجد بنائے اور عموماً لوگوں کو اس مسجد کے اندر (نماز پڑھنے کے لئے) داخل ہونے کا حکم دیدے یعنی اس صورت میں بھی بانی مسجد مذکور کو مسجد کا بیچنا جائز ہے اور بانی مذکور کے مر جانے کے بعد مسجد مذکور اسکے وارثوں کی مِلک ہو جائے گی اس لئے کہ مسجد ایک ایسی جگہ کا نام ہے جس میں کسی شخص کو روکنے کا حق نہ ہو اور جب بانی مذکور کی مِلک، مسجد مذکور کے تمام جوانب کو گھیرے ہوئے ہے، تو بانی مذکور کو اس کے روکنے کا حق ہے ۔پس مسجد مذکور مسجد نہیں ہوئی اور نیز اسلئے کہ بانی مذکور نے راستہ کو اپنے لئے باقی رکھ لیا ہے پس مسجد مذکور خالص اللہ تعالی نہیں ہوئی)۔

If a persom converts the centre hall of his house into a mosque, giving general admission into it, still it does not stand as mosque, but remains saleable and inheritable; - because a mosque is a place in which no person possesees any right of obstruction; - and whenever a man has such a right with respect to the parts, he possesses the right of obstruction, then, this place, therefore, cannot be a mosque;- because he has reserved the thoroughfare for himself and consequently it does not appertain solely to God.

۹۔: و من اتّخذ ارضه مسجداً لم یکن له ان یّرجع فیه ولا یبیعه ولا یورث عنه

لا نّه یحرز عن حق العباد و صار خا لصاً للّه تعا لی و هذا لانّ ا لاشیاء کلّها للّه تعا لی و اذا اسقط العبد ما ثبت من الحقّ رجع الی اصله فانقطع تصرّفه عنه کما فی الاعتاق۔ (هدا یه۔ جلد اول ص ۲۲۵)۔(اور جس شخص نے اپنی زمین کو مسجد قرار دیدی تو اب اس کو جائز نہیں کہ اس میں رجوع کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کو بیع کرے اور نہ مسجد مذکور شخص مذکور کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ملک ہوگی اس لئے کہ مسجد مذکور بندہ کے حق سے محفوظ ہوکر خالص اللہ کے لئے ہوگئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کل چیزیں (اصل میں) اللہ کی ہیں اور جب بندہ اپنا وہ حق جو اس کو (شرع کی رو سے) حاصل ہو گیا تھا ساقط کر دیا تو اب وہ حق اپنے اصل کی طرف رجوع کر گیا (یعنی خالص اللہ تعالی کا حق ہو گیا) پس بندہ کا تصرف اس سے منقطع ہو گیا جیسا کہ غلام آزاد کرتے ہیں)۔

If a person appropriates ground for the purpose of erecting a mosque, he can not afterwards resume or sell it, neither can it be inherited, because this ground is altogether alienated from the right of the individual, and appertains solely to God. The reason of this is that all things are the property of the Almighty originally, and when an individual relinguishes his right in the ground, it reverts to its original state, and his power over it terminates; in the same manner as a master's power over a slave terminates in consequence of manumission and can not be resumed.

۱۰۔ قال اللّه تعالی و انّ المساجد للّه مع العلم بانّ کلّ شیء له تعا لی فکان فائدة هذه الاضا فة اختصا صه به و هو با نقطاع حقّ کلّ من سواه عنه۔(فتح القدیر شرح هدا یه۔جلد ۲ ص ۸۵۲۔ نو لکشور لکهنئو۔ کتاب الوقف۔ فصل۔ المسجد خا لص للّه سبحا نه لیس لا حدٍ فیه حق)۔ مسجد خالص اللہ کی ہے اس میں اور کسی کا کچھ بھی حق نہیں ہے اسلئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ بلاشبہ کل مسجدیں خالص اللہ کی ہیں۔ اور یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں تو پھر فرمایا کہ کل مسجدیں خالص اللہ کی ہیں، اس فرمانے کا فائدہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ کل مسجدیں اللہ کے ساتھ ایک خاص خصوصیت رکھتی ہیں اور یہ خاص خصوصیت اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ ہر ایک شخص جو غیر خدا ہے اس کا حق ہر ایک مسجد سے منقطع ہو جائے)۔

A mosque exclusively appretains to God, and, and no body has any right thereto. For this reason, God says, "Verily all the mosques appertain unto God." Every body knows

that all things belong exclusively to God. Such being the case, the meaning of God's commandment indicated above can not be other than this, that all the mosques have a particular connection with God and this particular connection can not be acquired by this means that the connection of any one but God with all the mosques ceases to exist.

۱۱۔ و کذلک انّ اتّخذ وسط داره مسجداً واذن للنّاس فیه اذناً عاماً له ان یبیعه و یورث عنه لانّ المسجد لیس لاحد حقّ المنع عنه و اذا کان ملکه محیطاً بجوانبه الاربع کان له حقّ المنع و لم یصر مسجداً و لانّه ابقی الطّریق لنفسه فلم یخلص للّه تعا لی (فتح القدیر ص ۸۵۳)۔(اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر کوئی مسجد بنالے اور لوگوں کو اس کے اندر جانے کی اجازت دیدے تو اس صورت میں اس کو جائز ہے کہ مسجد مذکور کو بیع کر ڈالے اور مسجد مذکور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ملک ہو جائے اسلئے کہ مسجد ایک ایسی جگہ کا نام ہے جس سے کسی شخص کو روکنے کا حق نہیں ہے اور جب بانی مذکور کی مِلک مسجد مذکور کی چاروں طرف کو گھیرے ہوئے ہے تو بانی مذکور کو اس سے روکنے کا حق ہے، پس مسجد مذکور مسجد نہیں ہوئی ۔اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بانی مذکور نے رستہ کو اپنے لئے باقی رکھ لیا ہے پس مسجد مذکور خالص اللہ کی نہیں ہوئی)

If a person converts the centre hall of his house into a mosque giving general admission into that case he will be at liberty to sell that mosque and on his death the said mosque will become the property of his heirs. Because a mosque is a place in which no person possesses any right of obstruction and wherever a man has such right with respect to the surrounding parts, he possesses the right of obstruction. This place therefore can not be a mosque because he has reserved a thoroughfare for himself and consequently it does not appertain solely to God.

۱۲۔لانّ المسجد لا بدّ ان یکو ن خالصاً للّه تعالی لقوله تعا لی و انّ المساجد للّه ای مختصة به تعالی ولا یخلص له تعالی الّا به (درر غرر۔ جلد اول ص ۲۶۱ کتا ب الوقف مطبوعه مصر)۔(اس لئے کہ مسجد کو ضرور ہے کہ خالص اللہ کے لئے ہو کیونکہ اللہ فرما تا ہے: بلاشبہ کل مسجدیں خالص اللہ کی ہیں۔ یعنی کل مسجدیں اللہ کے ساتھ ایک خاص خصوصیت رکھتی ہیں۔ پس مسجد بغیر اسکے کہ اس کو بانی مسجد مع اس کے راستہ کے اپنی مِلک سے نکال دیوے، خالص اللہ کی نہیں ہوسکتی)۔

In the case of a mosque, it is essentially necessary that it should solely appertain to God, because, God the Great says: "All the mosques are set apart unto God" i.e.' all the mosques are solely dedicated to God, the Great. Hence, it follows that unless the founder of a mosque utterly separates it, together with its passages, from the rest of his property, it cannot be solely dedicated to God.

۱۳۔ کما لو جعل وسط داره مسجداً و اذن للصلوٰة هیث لا یکو ن مسجداً و له بیعه و یو ر ث عنه لا ن ملکه محیط بجوا نبه فکا ن له حق المنع و المسجد لا یکو ن لا حد فیه حق المنع قا ل اللّه تعا لی و من ا ظلم ممن منع مسا جد اللّٰه ان یذ کر فیها اسمه (درر غرر۔ جلد اول ۔ص ۲۶۴)۔(جس طرح اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر کوئی مسجد بنائے اور اس میں نماز پڑھنے کا حکم دیدے تو اس صورت میں بھی مسجد مذکور شرعاً مسجد نہ ہوگی اور شخص مذکور کو مسجد مذکور کا بیع کرنا جائز ہے اور اس کے مر جانے کے بعد مسجد مذکور اس کے وارثوں کی ملک ہو جائے گی اس لئے کہ شخص مذکور کی مِلک مسجد سے تمام جوانب کو گھیرے ہوئے ہے تو اس کو روکنے کا حق ہے اس لئے کہ مسجد ایک ایسی جگہ کا نام ہے جس میں جسی شخص کو روکنے کا حق نہیں۔ اللہ فرماتا ہے: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے)۔

As for an instance, if a person converts the centre hall of his house into a mosque, but remains saleable and inheritable, and, on his demise, it becomes inheriatble by his heirs as his assets because a mosque is a place in which no person possesses any right of obstruction;- and whenever a man has such a right with respect to the surrounding parts, he possesses the right of obstructin; this place, therefore cannot be a mosque, God, the Great, Says:- "Who is more unjust than he who prohibits the mosques of God, that His name should be remembered therein".

۱۴۔ المسجد لیس بمِلک لاحدٍ۔ (بحر الرا ئق، مطبوعه مصر، جلد ۲ ص ۳۶۔ فصل کره استقبال القبلة با لفر ج فی الخلاء و استد باره)۔(مسجد کسی کی ملک نہیں)

A mosque is not the exclusive property of any person.

۱۵۔ لا یجوز لاحدٍ مطلقاً المنع مومنا عن عبادة یا تی .. ممّا فی المسجد لانّ

المسجد ما بنی الا لھا من صلوۃ و اعتکاف و ذکر شرعی و تعلیم علم و تعلمه و قرأۃ قر آ ن ۔(بحر الرائق جلد ۲ ص ۳۶)۔(کسی شخص کو کسی حالت میں یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو کسی عبادت سے جس کو وہ مسجد میں کرتا ہے، روک دے۔ اس لئے کہ مسجد تو عبادت یعنی نماز اور اعتکاف اور ذکر شرعی و علم دین کے پڑھنے پڑھانے اور قرآن کی تلاوت ہی کے لئے بنائی گئی ہے)۔

No one can, in any case, obstruct any Musalaman fom saying his prayers in any mosque because a mosque is a place which is solely dedicated for saying prayers in it, i.e, for worshipping in it, for making Etkaf and the religious Zikr in it, and for acquiring and teaching the religious knowledge in it, and for reading the Quran in it.

۱۶۔ و فی شرح السّیر الکبیر للسرخسی و کذا کلّ ما یکون المسلمون فیه سواء کالنّزول ..... و الجلوس فی المساجد للصّلوۃ والنّزول بمنی و عرفات للحجّ حتّی لو صبر فسطاطا فی مکان کان ینزل غیره فهوا حقّ و لیس للاخر ان یحوله (رد المحتار،مطبوعه مصر، جلد اول ص ۴۸۹ ، کتا ب الصلوۃ مطلب فیمن سبقت یده الی مباح)۔(امام سرخسی کی کتاب شرح سیر کبیر میں ہے کہ ایسا ہی حکم ہے ہر ایک ایسی جگہ کا جس میں کل مسلمان برابر یکساں ہیں، جیسا کہ مہمان سرائیں اترنے کے لئے اور مسجدیں نماز پڑھنے کے لئے اور منی یا عرفات حج کے لئے، کہ ان جگہوں میں سے کوئی جس جگہ اترا یا بیٹھ گیا اس جگہ سے اس کا کسی دوسرے شخص کو ہٹانا جائز نہیں، حتی کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ میں خیمہ زن ہو جائے جہاں کوئی دوسرا اترا کرتا تھا تو خیمہ زن شخص اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے بہ نسبت اس دوسرے شخص کے اور اس دوسرے شخص کو جائز نہیں ہے کہ خیمہ زن کو اس جگہ سے ہٹا دے)

The book called the "Sharah Sair Kabir written by Imam Sarkhasai says:- "The same rule applies to all those places to which all the Mussalamans have right i.e., it is applicable to Searais (inns) which are set apart as the temporary residences for travellers and to the mosques which are dedicated for saying prayers therein and to the Mina or Arafat which is reserved for making Hajj (pilgrimage). It is unlawful for any one to turn out any one who be found staying or sitting at any of the above places. If any man pitches his tent on a place where another person used to halt before, then, the man, who has so pitched his tent there, is more entitled to the use of the said ground than the one

who used to halt there before, and it is unlawful on the part of that man to turn out the man who has so pitched his tent there.

۱۷۔ و یکرہ ان یّغلق باب المسجد لا نہ یشبہ المنع عن الصّلوۃ (ھدا یہ جلد اول صفحہ ۲۴ ، کتا ب الصلوۃ)۔ (مسجد کا دروازہ بند رکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ نماز سے روکنے کے مانند ہے)

It is improper to keep the door of a mosque closed because doing so is like preventing people from saying their prayers.

۱۸ قولہ : لانّہ یشبہ المنع عن الصّلوۃ و ھو حرام۔ قال اللّٰہ تعالی ومن اظلم ممّن مّنع مساجد اللّٰہ ان یّذ کر فیھا اسمہ (فتح القدیر، مطبوعہ لکھنئو، جلد اول ص ۱۷۹ : کتا ب الصّلوۃ ۔ فصل فی نھی استقبا ل القبلۃ بالفر ج فی الخلا ء)(۔ مسجد کا دروازہ بند رکھنا اس لئے مکرو ہے کہ یہ نماز سے روکنے کے مانند ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے ۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے)

The reason why it is improper to keep the door of a mosque closed, is because so doing is like stopping people from saying their prayers in it, and it is unlawful to prohibit people from saying their prayers in it. God says: "Who is more unjust than he who prohibits the mosques of God, that His name should be remembered therein".

۱۹۔ و یکرہ غلق با بہ لا نّہ مصلّی المسلمین فلا یصحّ منعہ عنھم (درر غرر ۔جلد او ل ص ۸۱ ۔ کتا ب الصلوۃ با ب ما یفسد الصلوۃ و ما یکرہ فیھا) ۔ (مسجد کا دروازہ بند رکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ مسجد عام مسلمین کی نماز کی جگہ ہے پس مسجد کو مسلمانوں سے روکنا صحیح نہیں ہے)۔

The reason why it is improper to keep the door of a mosque closed, is because a mosque is a place of worship for all Mussalmans. Hence, it is improper to prohibit the Mussalmans from going into the mosque.

۲۰۔ یکرہ ان یّغلق با ب المسجد لانّہ یشبہ المنع من الصلوۃ۔ ش ۔ ای لانّ الاغلاق یشبّہ المنع فیکرہ لقولہ تعالی: و من ا ظلم ممّن مّنع مساجد اللّٰہ ان یّذ کر فیھا اسمہ۔ (عینی شرح ھدا یہ،مطبوعہ لکھنئو، جلد اول ص ۸۱۵ ۔ کتا ب الصّلوۃ ۔ فصل فی اکراہ استقبال القبلۃ بالفر ج فی الخلاع) ۔(مسجد کا دروازہ بند رکھنا مکروہ ہے اس لئے کہ

مسجد کا دروازہ بند رکھنا نماز سے روکنے کے مانند ہے، پس مکروہ ہوگا اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے)۔

It is improper to keep the door of a mosque closed because doing so is like stopping people from saying their prayers in it. Hence, it is improper to do so. It is on this account that God says:- "Who is more unjust than he who prohibts the mosques of God, that His name should be remembered therein.

۲۱۔ و یکرہ ان یّغلق با ب المسجد کذا فی الجامع الصّغیر لانّہ منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ ۔(کبیری، مطبوعہ حسنی، صفحہ ۲۲۵ ۔ فصل فی ا حکام المسجد الثا لث فی مسا ئل متفر قۃ)۔(مسجد کا دروازہ بند رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ جامع صغیر میں ہے اس لئے کہ یہ اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکنا ہے کہ ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے)۔

It is stated in Jami'h Saghir that the reason why it is improper to keep the door of a mosque closed, is because by doing so it is to prohibt the mosques of God, that His name should be remembered therein.

۲۲ و غلق باب المسجد لانّہ یشبہ المنع من الصّلوۃ قال اللہ تعا لی: و من اظلم ممّن مّنع مساجد اللّٰہ ان یّذکر فیھا اسمہ۔ و الاغلاق یشبہ المنع فیکرہ (بحر الرا ئق،مطبوعہ مصر ، ج ۲ ص ۳۶ ۔ فصل کرہ استقبا ل القبلۃ بالفرج فی الخلاء و استد بارھا ۔ ۔) مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ نماز سے روکنے کے مانند ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان میں اللہ کا م ذکر کیا جاوے اور مسجد کا دروازہ بند رکھنا نماز سے روکنے کے مانند ہے پس وہ مکروہ ہوگا)۔

It is improper to keep the door of a mosque closed because doing so is like stopping people from saying their prayers in it. God say:- "Who is more unjust than he who prohibits the mosques of God, that His name should be remembered therein. As keeping the door of a mosque closed is like stopping people from saying their prayers in it, so it is improper to do that.

۲۳۔ ا ذا جعل ارضہ مسجداً وبناہ و اشھد انّ لہ ابطالہ و بیعہ فھو شرط باطل

و یکون مسجداً کما لو بنی مسجداً لاھل المحلّة وقال جعلت ھذا المسجد لاھل ھذہ المحلة خاصةً کان لغیر اھل تلک المحلّة ان یّصلّی فیہ۔(فتاوی عالمگیری،مطبوعہ ھگلی، جلد ۲ ص ۵۴۸ ۔ البا ب الحا دی عشر فی المسجد و ما یتعلق بہ):۔ جب کوئی شخص اپنی زمین کو مسجد قرار دے کر اس مسجد کو تیار کر ڈالے اور لوگوں کو اس بات کا گواہ کر دے کہ مسجد مذکور کے باطل کرنے اور بیچ ڈالنے کا اس کو اختیار ہے، تو اس شخص کی یہ شرط باطل ہے۔ اور اس مسئلے کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی محلّہ والوں کے لئے مسجد بنائے اور یہ کہدے کہ میں نے یہ مسجد خاص اسی محلّہ والوں کے لئے بنائی ہے نہ دوسروں کے لئے، تو دوسرے اس مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں)۔

If any person sets apart his land for the purpose of a mosque and builds a mosque therein, and tells the people that he has the power of extinguishing and selling the said mosque, this condition will be void. Similarly, if one builds a mosque for the people of a particular quarter, and says that he has built that mosque especially for the people residing in that puarter and not for other people, even then, other people can say their prayers therein (and his such a condition is also void).

۲۴۔ المسجد حقّ اللّٰہ تعا لی و حقّ عا مة المسلمین و الواحد فی استیفاء حق اللّٰہ تعالی وحقّ العا مة یقوم مقام الکل ۔(فتاوی قا ضی خاں، مطبوعہ لکھنئو ۔ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ ۔ کتا ب الوقف با ب الر جل یجعل دارہ مسجداً)۔(مسجد اللہ کا حق ہے یا کل مسلمانوں کا حق ہے اور اللہ کے حق اور کل مسلمانوں کے حق کے قبضہ حاصل کرنے میں ایک شخص، کل کے قائم مقام ہوتا ہے)

The mosque forms the right of God, and all the Mussalmans. In order to acquire the right of God and of all the Mussalmans and to obtain possession thereof, a single person represents all the Mussalmans.

۲۵۔ المراد بحقّ اللّٰہ تعا لی ما یتعلّق بہ النّفع العام من غیر ا ختصا ص باحدٍ فنسب الی اللّٰہ تعالی لعظم لخطرہ و شمول نفعہ و الّا فباعتبار التخلیق الکل سواء فی ا لاضافة الی اللّٰہ تعا لی و للّٰہ ما فی السّما وا ت و ما فی الار ض و باعتبار التضر د ا و الانتفاع ھو متعال عن الکل و معنی حق العبد ما یتعلق بہ مصلحتہ خا صتہ کحر مة ما ل الغیر (تلو یح ۔۔ مطبوعہ

افضل المطابع ۔ص ۳۷۲)۔(اللہ کے حق سے وہ حق مراد ہے جس سے نفع عام متعلق ہو، بلا اسکے کہ اس میں کسی شخص کی کوئی خصوصیت ہو۔ ایسے حق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف محض اس حق کے عظیم الشرف اور عمیم النفع ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے ورنہ تخلیق کے اعتبار سے کل چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خصوصیت میں یکساں ہیں۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور ضرر و نفع پانے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سب سے برتر و پاک ہے اور بندہ کے حق سے وہ حق مراد ہے جس سے کوئی خاص مصلحت متعلق ہو جیسے مال غیر کی حرمت)۔

By the right of God is meant the right which concerns the public interest irrespective of anybody's particular interest. As such, a right is most notable and valuable in itself and is conducive of the public interest, so, it is attributed to God; otherwise, all the things, in view of their being created by God are equal and on the same level in their relations with Him because everything which is in the Skies and on the erath belong to Him. Moreover, nothing can injure or benifit God as He is the most High and Glorious. The right of mankind means the right dependent upon some particular object. As for instance, the unlawful possession of the property of another person.

۲۶۔ : حقّ اللّٰہ تعالی ما یتعلّق بہ النّفع العام للعالم فلا یختصّ بہ ا حد و ینسب الی اللّٰہ تعالی تعظیماً او لئلا یختص بہ ا حد من الجبابرۃ کحرمۃ البیت الّذی یتعلّق بہ مصلحۃ العالم باتخاذہ قبلۃ لصلوتھم و مثابۃ لاعتذار اجرا مھم و کحر مۃ الزّ نا لما یتعلق بھا من عموم النفع فی سلا مۃ الا نسان و صیا نۃ الفرش و ارتفاع السّیف بین العشا ئر بسبب التنازع بین الز ناۃ (کشف ا لاسرار شرح اصو ل ا لا ما م فخر ا لاسلا م ۔مطبوعہ مصر۔جلد ۴ صفحہ ۱۲۵۴ با ب معرفۃ اقسا م ا لا ثبا ت و العلل و الشرو ط ۔)۔اللہ کے حق سے وہ حق مراد ہے جس سے نفع عام دنیا جہان کا متعلق ہو۔ پس اس کے ساتھ کسی شخص کو کوئی خصوصیت نہ ہو۔ ایسے حق کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے یا اس لئے کہ کوئی بڑا جابر شخص اس کے ساتھ اپنی کوئی خصوصیت مدنظر نہ رکھے جیسے بیت اللہ جس سے عام مصلحت دنیا جہان کی متعلق ہے اس کو اپنی نمازوں کا قبلہ اور اپنے جرائم کی معذرت کرنے کے لئے جمع ہونے کی جگہ بنائیں۔ اور جیسے زنا کی حرمت اس لئے کہ اس میں بھی نفع عام متعلق ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کی سلامتی اور انساب کی حفاظت رہتی ہے، و نیز زانیوں کے درمیان تنازع واقع ہونے کی وجہ سے جو قبائل وعشائر

کے درمیان تلواریں میان سے نکل پڑتی ہیں اس کی وجہ سے ان کا نکلنا موقوف ہو جاتا ہے)۔

By the right of God is meant the right which relates to the public benefit of the people of the world, so that no one may have any particular concern with it. To ascribe such a right to God is simply to manifest His Greatness and Glory or is simply to indicate that no person, however powerful he may be, has any individual concern therein. As for instance, the respect of Holy Ka'ba which relates to the public benefit of the people of the world, because it is Qibla towards which all the people turn their face while saying their daily prayers, and further because it is the place where all people assemble to solicit God's pardon for all their past sins. As for instance, the unlawfulness of adultry which, too, relates to the public interest because it (i.e., the Devine Commandments declaraing adultry unlawful) serves to ensure the safety of the people and to check the birth of illegimate issue and to stop the drawing of swords from their scabbards which is often done by the people of one family against those of the other owing to the outbreak of quarrels among the adulterous persons (in those families).

۲۷۔ : وحقّ العبد ما يتعلّق به مصلحة خا صة كحرمة مال الغير فانّه حقّ العبد ليتعلّق صيا نة ما له بها فلهذا يباح مال الغير باباحة المالك ولا يباح الزّنا باباحتها و لا با با حة ا هلها۔ (كشف الا سرار۔ ج ۴ ص ۱۲۵۵)۔(بندہ کے حق سے مراد وہ حق ہے جس سے کوئی خاص مصلحت متعلق ہو جیسے مال غیر کی حرمت کہ یہ بندہ کا حق ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے اس کا مال محفوظ رہتا ہے اور اسی لئے مال غیر اس کے مالک کے مباح کر دینے سے مباح ہو جاتا ہے اور زنا، نہ عورت کے مباح کر دینے سے ہوتا ہے اور نہ عورت کے اہالیان کے مباح کرنے سے)۔

By the right of mankind is meant the right which relates to some exclusive interest. As for instance, the prohibition against the possession of other person's property which is the right of mankind, because it (the prohibition) serves to protect other person's property. It is on this account that if an owner of a property permits other person to use and appropriates his property. But the case is otherwise with respect to adultry, because,

in this case, by the permission of a woman or of her relatives, adultry can not become lawful.

۲۸ ۔ شرا ئط الواقف معتبرة اذا لم تخا لف الشر ع (فتح القدیر۔مطبوعہ لکھنئو۔ ج ۲ ص ۸۳۳)۔ (واقف کی شرائط واجب الاعتبار ہیں جب مخالف قانون شرع نہ ہوں)۔

The conditions made by a Wakif (appropriator) are valid when they are not contrary to the Mohammadan Law .

۲۹۔ : قام رسول اللّٰہ ﷺ فی النّا س فحمد اللّٰہ واثنی علیہ ثمّ قال امّا بعد: فما بال ر جال یشترطون شروط لیست فی کتا ب اللّٰہ ما کان من شرط لیس فی کتا ب اللّٰہ فھو باطل و ان کان مأة شر ط۔(مشکوۃ المصا بیح ۔ص ۳۴۱ مطبوعہ دہلی:کتا ب البیوع ۔ با ب بعد با ب النھی عنھا من البیو ع)۔(رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہوکر پہلے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسی شرطیں کرتے ہیں جو اللہ تعالی کی کتاب (قانون خداوندی) میں نہیں ہیں جو ایسی شرط کہ اللہ تعالی کی کتاب میں نہ ہو، وہ شرط باطل ہے اگر چہ وہ سو شرط ہی کیوں نہ ہو)

The Holy Prophet (pbuh) stood up in the mist of the Muslims and, first of all, thanked and praised God and, thereafter, he said:- "Pity is on those persons who make such conditions which are not in the Book of God (the Law of God). Such conditions which are not in the Book of God (Quran) are void, no matter there be 100 such conditions..

۳۰ ۔ التّعامل فی بلد لا یدلّ علی الجواز ما لم یکن علی الاستمرار من الصّدر الاوّل فیکون ذلک دلیلاً علی تقریر النّبیّ ﷺ ایا ھم علی ذلک فیکون شرعاً منہ فاذا لم یکن کذ لک لا یکو ن فعلھم حجّة ا لّا اذا کان کذلک من النّاس کا فة البلدا ن کلّھا فیکو ن اجماعاً و ا لاجماع حجّة ا لا تری انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر والرّبالایفتی بالحلّ (رد المحتار۔مطبوعہ مصر۔ ج ۳ صفحہ ۳۸۷)۔ (کسی ایک جگہ کا دستور جواز کی دلیل نہیں ہوسکتا جب تک وہ دستور صدر اول یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے برابر نہ چلا آتا ہو کیونکہ وہ دستور جو برابر چلا آتا ہو اس بات کی دلیل ہوگا کہ نبی ﷺ نے اس عہد کے لوگوں کو اس دستور پر قائم وثابت رکھا ہے۔ پس دستور مذکور شرع محمدی سمجھا جائے گا۔ اور جب دستور ایسا

(یعنی بصفت مذکورہ بالا) نہ ہوتو (وہ اورلوگوں کا فعل ہوگا) اور لوگوں کا فعل حجت نہیں ہے۔ ہاں اورلوگوں کا فعل اس وقت البتہ حجت ہے جب کہ وہ دستور کل لوگوں کا ہے تمامی ممالک و بلاد میں۔ پس وہ دستور ایسی حالت میں اجماع ہو جائے گا اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کچھ لوگ خمر کی خرید وفروخت اور سود کے لینے پر دستور جاری کرلیں تو کیا اس کی وجہ سے ان دونوں کی حلت کا فتویٰ دے دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں)

The mere existence of a local custom or usage can be no good ground for declaring such custom as a lawful thing, unless and until it be proved that such a custom has, all along, been prevailing since the time of the Prophet (pbuh); because the fact that a custom has, all along, been prevailing, afford, in itself, a good ground for believing that the Prophet (pbuh) got such a custom observed and followed by the people of his own time. Hence a custom, so sanctioned by the Prophet (pbuh), will only be taken as the Mohammadan Law; but a custom not sanctioned by the Prophet, will be taken as an act done by other persons, and an act of other persons is not fit to be relied upon. Verily, the act of other persons is fit to be relied upon, only in the case when it be practically done by all the people of all countries. In that case only, such a custom shall have effect of an "Ijma". An "Ijma" (i.e. the unanimous verdict of all scholars on any point) is fit to be relied and acted upon. If some persons introduce the usury custom and the system of buying or selling wine, do you think that, owing to their introducing such a custom, those two things (i.e., usury and wine) which are strictly forbidden, will be declared lawful? Certainly not i.e. they shall, never, be declared lawful.

۳۱۔:و ارکعوا مع الرّاکعین (قرآن مجید۔ پارہ ۱۔ بقرہ۔ ع ۵)۔(اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرتے ہیں) (یعنی نماز پڑھو ان لوگوں کے ساتھ جو نماز پڑھتے ہیں)

"And bow down yourselves with those who bow down" (i.e., say your prayers with those who say their prayers).

۳۲۔ المراد صلّوا مع المصلّین۔ ای فی جماعتھم (تفسیر کبیر۔مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۴۹۴)۔(اس آیت سے مراد یہ ہے کہ نماز پڑھو ان لوگوں کے ساتھ جو نماز پڑھتے ہیں)۔

The purport of the afforsaid passage of the Quran, is that you should say your prayers with those who say their prayers..

۳۳ ۔ عبرعن الصّلوۃ با لرّکوع احتراز عن صلوۃ الیھود (۔ تفسیر بیضاوی۔ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۷ ۔ و تفسیر ابو السعود ۔ مطبوعہ مصر۔ ج ۱ ص ۵۱۲)۔ (نماز کو رکوع اس لئے فرمایا تا کہ یہودیوں کی نماز سے پرہیز کریں)

The reason why God has commanded the Mussalmans to bow down themselves with those who bow down, is because the Mussalamans should avoid saying their prayers like Jews.

۳۴ ۔ای کونوا مع المؤمنین فی احسن اعمالھمم وھو الصّلوۃ عبر عن الصّلوۃ با لرّکوع لانّ صلوۃ الیھود لیس فیھا رکوع (تفسیر جا مع البیا ن۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۱۰)۔ (مذکورہ بالا آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ رہوان کی نماز میں جوان کے بہترین اعمال سے ہے۔نماز کورکوع اس لئے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں ہے)

The purport of the afforsaid passage of the Quran, is that the Divine Worship, which is one of the most important and sacred duties of the Massalaman, should be performed by them with Mussalmans only. The reason why God has commanded the Mussalmans to bow down in their prayers is because the Jews do not bow down in their prayers.

۳۵ ۔ :قال رسول اللہ ﷺ الصّلوۃ وا جبۃ علیکم خلف کل مسلم برّاً کان او فاجراً (مشکوۃ ۔مطبوعہ احمدی دہلی۔ ص ۹۲)۔ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز تم پر واجب ہے ہر مسلمان کے پیچھے، نیک ہو وہ مسلمان یا بد)

The Apostle of God (pbuh) said:- " It is lawful for you to offer your prayers behind all the Mussalmans, whether pious or impious."

۳۶۔ قال الحسن صلّ وعلیہ بدعتہ (صحیح بخاری، با ب اما مۃ المفتو ن والمبتدع۔ مطبوعہ مصر۔ ج ۱ ص ۸۵)۔(حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا مبتدع کے پیچھے نماز پڑھ لو،اس کی بدعت اس کی گردن پر ہے)

Hasan Basri said:- "Offer your prayers behind a Mubtadi' (innovator), the responsibility

of the Bid'at of a Mubtad'i lies on his shoulders (i.e., he alone is responsible to God for his own actions.)

۳۷ ۔ انّ الحسن سئل عن الصّلوة خلف اهل البدعة فقال الحسن صلّ خلفهم و علیه بدعته (فتح الباری۔ ج ا۔ با ب امامة المفتو ن...)۔(حسن بصریؒ سے مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مبتدع کے پیچھے نماز پڑھ لواس کی بدعت اسکی گردن پر ہے)

When questioned about the lawfulness of the performance of prayers behind a Mubtadi' (innovator), Hasan Basri said:- "Offer your prayers behind a Mubtad'i, irrespective of his Bid'at (innovation) for which he alone is accountable to God."..

۳۸ ۔ عن عبید اللّه بن عدی بن خیار انّه دخله علی عثمان بن عفّان وهو محصور فقال انک امام عامة و نزل بک ما تری و یصلّی لنا امام فتنة و نتحرج فقال الصّلوة احسن ما یعمل النّاس فاذا احسن النّاس فاحسن معهم و اذا سأؤا فاجتنب اساء تهم ۔ ۔ (صحیح بخاری ،مطبوعه مصر، ج ا ص ۸۵ با ب امامة المفتو ن و المبتدع :ص ۳۰۹) ۔ و المبتدع ۔ (مطبوعه دہلی)۔(جس وقت باغیوں نے حضرت عثمانؓ کوگھیر رکھا تھا اس وقت عبیداللہ بن عدی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ آپ سب لوگوں کے امام ہیں اوراس وقت نا قابل برداشت مصیبت میں ہیں اور ہم کو باغیوں کا امام نماز پڑھا تا ہےاور ہم کواس کے پیچھے نماز پڑھنے میں گناہ کا ڈرلگتا ہے ۔اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ لوگ جس قدر کام کرتے ہیں ان میں نماز سب سے اچھا کام ہے، پس جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ شامل ہوکر اچھا کام کراور جب برا کام کریں تو ان کی برائی سے الگ رہ)۔

When Usman bin Affan, the Caliph, was besieged by Kharjis (rebels) Ubaidullah bin Adi, went to him and said:- "You are the Imam (leader) of all the Mussalmans and you are now in such a great distress while the Imam of the rebellious sect is acting as an Imam (leader) in our prayers. I am afraid, lest I may become sinner by saying prayers behind him.". Thereupon, Osman said :- "Of all the acts that the Mussalmans do, prayers are the best; so, when the Mussalmans do good things, you should take part therein, but when they do bad things you should abstain from joining them."

۳۹ ۔ قال من دعا الی الصّلوۃ فاجیبوہ ۔ (۔ فتح الباری ۔ ج ۱ ۔ با ب اما مۃ المفتو ن)
(عثمانؓ نے ،فرمایا جو شخص تم کو نماز کی طرف بلائے اس کا بلانا قبول کرلو)

39. Usman, the Caliph, said, "If any one calls you to prayers, respond to his call (i.e., you should go to him to say your prayers with him)"..

۴۰ ۔ الصّلوۃ خلف کل برّ و فاجر من المؤمنین جائزۃ ۔(فقہ اکبر۔ مطبوعہ لکھنئو۔ ص ۸)۔ (نماز ہر مسلمان نیک و بد کے پیچھے جائز ہے)

It is lawful to offer prayers behind every Mussalman, whether pious or impious.

۴۱ ۔ الصّلوۃ خلف کل برّ و فاجر ای صا لح و طا لح من المؤمنین جائزۃ لقولہ ﷺ صلّو خلف کل برّ وفاجر ۔(شرح فقہ اکبر۔ مطبع حنفی ۔ص۸۹)۔ (نماز ہر ایک مسلمان نیک و بد کے پیچھے جائز ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو)

It is lawful to offer prayers behind every Mussalman, whether pious or impious. It is for this reason that the Apostle of God (pbuh) has commanded the Mussalmans to say their prayers behind all the Mussalmans pious or impious.

۴۲ ۔ : فمن تر ك الجمعۃ و الجما عۃ خلف ا لا ما م الفا جر فھو مبتد ع عند اکثر العلماء (شر ح فقہ اکبر۔ ص ۸۹) ۔ (پس جو شخص کہ جمعہ و جماعت فا جر امام کے پیچھے ترک کرے وہ اکثر علماء کے نزدیک مبتدع ہے)۔

He who fails to say his Friday prayers behind a Fajir (Impious) Imam and to join in a congregational prayers conducted by him, is a Mubtadi' (innovator) according to majority of the Umema (learned men).

۴۳ ۔ :و کان ابن مسعود و غیرہ یصلّو ن خلف الولید بن عقبۃ بن ابی معیط و کان یشرب الخمر۔ (شر ح فقہ اکبر۔ ص ۹۰) ۔ (ابن مسعود وغیرہ ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ وہ شرابی تھا)

Ibn Mas'ud and others used to say their prapers behind Walind, son of Ukba, although he was addicted to wine.

۴۴ ۔ سئل ابوحنیفہ عن مذھب اھل السنّۃ و الجماعۃ فقال ان نفضل

الشیخین ای ابا بکر و عمر و نحبّ الختنین ای عثمان و علیاً و نری المسح علی الخفّین و نصلّی خلف کل برّ و فاجر(شرح فقه اکبر۔ ص ۹۰)۔ (امام ابوحنیفہؒ سے اہل سنت و جماعت کے مذہب کی بابت سوال کیا گیا۔آپ نے فرمایا مذہب اہل سنت کی حسب ذیل علامتیں ہیں۔ شیخین یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کو افضل جاننا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے محبت رکھنا۔موزوں پر مسح کرنے کو جائز جاننا ۔ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لینا)۔

When questioned about the characteristics of the religion of Ahl al Sunnah wal Jama'at, Imam Abu Hanifah said. "The main features of distinguishing the religion of the Ahl al Sunnah wal Jama'at from that of the people of the other sect, are the following:- 1. To attribute superiority to the two Holy Shaikhs (Abu Bakr and Umar); 2 . To entertain good feelings towards the two Son-in-Laws of the Holy Prophet (pbuh) (Ali and Usman); 3. To believe in the lawfulness of the performance of Masah upon Mozas (a kind of shoes) and 4. To offer prayers behind every one, pious or impious.

۴۵ ۔ و فی صحیح البخاری انّ ابن عمر کان یصلّی خلف الحجّا ج و کفی به فاسقاً کما قاله الشّافعی قال المصنّف انّه افسق اهل زمانه وقال الحسن البصری لو جاء ت کل امّةٍ بخبیثا تها و جئنا بابی محمد (حجّا ج) لغلبنا هم (بحر الرائق، مطبوعه مصر، جلد ۱ ص ۳۶۹ باب الامة) (صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ابن عمر، حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ وہ پورا فاسق تھا جیسا کہ شافعی نے فرمایا۔اور مصنف کنز الدقائق نے فرمایا کہ حجاج اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر فاسق تھا اور حسن بصری نے فرمایا اگر کل امتیں اپنی اپنی ساری برائیاں پیش کریں اور ہم اکیلے ابومحمد (حجاج) کو پیش کریں تو بالضرور ہم کل امتوں پر غالب ہو جائیں گے)

It is narrated in Sahih Bukhari, that Ibn Umar used to say his prayers behind Hajjaj (son of Yusuf) who was a great Fasik (sinner). Imam Shafi' has also narrated the same thing. The author of the Kanz al Daqa'iq, says:- Hajjaj was the worst of all the sinners of his time". Hasan Basri says :- "If the whole lot of the followers of the Prophet explain the past sins committed by them respectively and I relate only the sins committed by Abu Muhammad (Hajjaj) individually, even then, I am sure that Hjajaj's sins will

comparatively be far greater than those of all the followers of the Prophets."

۴۶ ۔ روی الشّیخان انّ ابن عمر کان یصلّی خلف الحجاج و کذا کان انس یصلّی خلفه ایضاً و احتمال الخو ف یمنعه انّ ابن عمر کا لا یخافه لانّ عبد الملک کان ممتثلاً لما یأمره به ابن عمر فیه و فی غیر ہ و من ثم کا ن یجعل امر الحج له و یامر الحجا ج با تبا عه فیه۔(مرعا ۃ المفا تیح شر ح مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۹۳ با ب ا لا مۃ الفصل الثا نی)۔ (بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ ابن عمر، حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔اسی طرح انس بھی حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ احتمال کہ ابن عمر حجاج سے ڈرتے تھے اسی وجہ سے حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اس احتمال کو یہ امر مانع ہے کہ (خود خلیفہ) عبدالملک، ابن عمر کا حکم مانتا تھا جو کچھ یہ اس کو حکم دیتے تھے حجاج و غیر حجاج کے بارے میں اس کو وہ بجالا تا تھا اور اسی وجہ سے عبدالملک حج کا کام انہیں کے متعلق کرتا تھا اور حجاج کو حکم دیتا تھا کہ اس بارے میں ان کی پیروی کرے)

Bukhari and Muslim Say:- "Ibn Umar used to say his prayers behind Hajjaj. Anas also used to say his prayers behind him. It can not, at all, be conceived that Ibn Umar said his prayers behind Hajjaj because he feared him. Certainly not. Ibn Umar did not fear Hajjaj. On the contrary, Abdul Malik, the Caliph, himself, obeyed the orders of Ibn Umar and carried out all his directions he used to give him with reference to Hajjaj and other persons. The duties, relating to the performance of Haj (pilgrimage to Makkah), were entrusted with Ibn Umar by the said Abdul Malik who had directed Hajjaj to do what Ibn Umar required of him to do in connection with the said pilgrimage".

۴۷ ۔ قال رسول اللّه اذا ر أیتم الرّ جل یتعاهد المسجد فا شهدوا له بالا یما ن فانّ اللّه یقول انّما یعمرمساجد اللّه من آمن باللّه و الیوم ا لآخر(مشکوۃ المصا بیح مطبوعه دہلی ۔ با ب المسا جد و موا ضع الصلوۃ ۔ صفحه ۲۱)۔(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کا تعہد اور خبر گیری رکھتا ہے تو تم اس کے حق میں گواہی دو کہ وہ مسلمان ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسجدوں کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں)۔

The Apostle of God (pbuh) has said:- "If you see any person visiting (preserving) a mosque, you should testify to his being a Mussalaman, because God says:- "He only

shall visit the mosques, who believes in God and the last day."

۴۸ جمیع اهل الاهوا بعد کونهم من اهل القبلة حکم وقفهم و وصا یا هم حکم اهل الاسلام الا تری الی قبول شهاداتهم علی المسلمین فهذابحکم باسلامهم (۔ فتح القدیر، مطبوعه لکهنئو، جلد ۲ ص ۸۳۳ کتاب الوقف)۔(کل اہل اہوا (اہل بدعت) بعد اس کے کہ وہ اہل قبلہ سے ہیں ان کے اوقاف اور وصایا کا حکم وہی ہے جو اہل اسلام کے اوقاف اور وصایا کا حکم ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کی شہادت مسلمانوں کے خلاف میں مقبول ہے ۔ پس یہ یعنی ان کی شہادت کا مسلمانوں کے خلاف میں مقبول ہونا، اس بات کا فیصلہ ہے کہ اہل اہوا یعنی اہل بدعت مسلمان ہیں)۔

All the Ahl-i-Hawa (Ahl-i- Bid'at) (i.e., innovators) rank amongst the Ahl-i-Qibla, (i.e., those who turn their faces towards the Holy Kaba whilst saying their prayers). The ordinance about their Waqk (endowment) and teastamentary Wills and Bequests are similar to those concerning the Mussalmans. Do you not see that evidence they give against the Mussalamans is trustworthy? Hence, it follows that their evidence against Mussalmans is trustworthy, then, these Ahl-i-Hawa are, undoubtedly, the Mussalmans

۴۹ ۔ و الثّالث قوم لهم منعة و حمیة خرجوا علیه بتاویل یرون انّه علی باطل کفرا و معصیة توجب قتاله بتاویلهم وهؤلاء یسمّون بالخوار ج یستحلون دماء المسلمین و اموا لهم و یسبون نساء هم و یکفرون اصحاب رسول اللّه ﷺ و حکمهم عند جمهور الفقهاء و جمهور اهل الحد یث حکم البغا ة (فتح القدیر، جلد ۲ ، صفحه ۷۵۴ کتا ب السیر ۔ با ب البغاة)۔(امام برحق کی اطاعت سے نکل جانے والوں کی) تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو قوت وشوکت رکھتے ہیں امام برحق کی اطاعت سے کسی تاویل کی وجہ سے نکل گئے ہیں ان کے اعتقاد میں امام برحق کسی باطل یعنی کفر یا کسی اور ایسی معصیت پر ہے جو ان کی تاویل کی رو سے امام مذکور کے ساتھ جنگ کرنے کو موجب ہے یہ لوگ خوارج کہلاتے ہیں ۔ یہ لوگ ہم مسلمانوں کی جان و مال کو حلال جانتے ہیں اور ہم مسلمانوں کی عورتوں کو بندی کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو کافر کہتے ہیں ان کا حکم جمہور فقہاء اور جمہور اہل حدیث کے نزدیک وہی ہے جو باغیوں کا ہے)

The third class of persons, who revolt against the Rightful Imam, are poweful and owing to some differences on religious matters, they have revolted against the Rightful

Imam. Their belief is that the said Imam has done something wrong i.e., he is guilty of blashphemy or has committed a sin. In consequence of such a difference of opinion which they hold about fundamentals or matters of fait, they deem themselves justified in waging war against the said Imam. Such people are called the Kharjies. They consider it lawful to kill the Mussalaman and to usyrp the Mussalman's properties. They enslave the woman of the Mussalmans and call the companions of the Prophet (pbuh) infidels. A majority of Faqihs and Ahl-i-Hadis maintain that the ordinance concerning Baghis (rebels) are applicable in the case of these Kharjies.

۵۰ ۔ و ذهب بعض اهل الحد یث الی انّهم مرتدّون ((فتح القدیر،جلد ۲ ، صفحه ۴۸۴ کتا ب السیر ۔ با ب البغاة) (اور بعض اہل حدیث خوارج کو مرتد یعنی خارج از اسلام کہتے ہیں)

Some Ahle Hadith are of the opinion that the Kharjis are Murtads (apostates)

۵۱۔ قال ابن المنذر لا اعلم احداً وا فق اهل الحد یث تکفیرهم و هذا یقتضی نقل اجماع الفقهاء ۔(فتح القدیر جلد ۲ صفحه۴۸۵ ۔ کتا ب السیر باب البغاة) (ابن المنذر نے کہا ہے میں نہیں جا نتا کہ کسی نے اہل حدیث کی موافقت کی ہو خوارج کی تکفیر میں ۔ ابن المنذر کا یہ کلام مقتضی ہے اجماع فقہاء کی نقل کا عدم تکفیر خوارج پر)۔

Ibn al Munzar says:- "I do not know whether any one has agreed with the Ahl Hadith in their view about the infidelity of the Kharjies." Ibnul Munzur's remark agrees with what is gathered and ascertained to be the Ijma (general concordance) of the Faqihs on the subject of Kharjies not being the infidels.

۵۲ ۔ و ذکر فی المحیط ان بعض الفقهاء لا یکفر احداً من اهل البدع و بعضهم یکفرون بعض اهل البدع و هو من خالف ببدعته دلیلاً قطعیاً ونسبه الی اکثر اهل السنة ؟؟ نقل ا لاول اثبت نعم یقع فی کلام اهل المذهب تکفر کثیر و لکن لیس کلام الفقهاء الّذین هم المجتهدون بل من غیرهم ولا عبرة بغیر الفقهاء والمنقول عن المجتهدین ما ذکرنا و ابن المنذر اعرف بنقل مذا هب المجتهدین۔ (فتح القدیر جلد ۲ صفحه ۴۸۵ ۔ کتا ب السیر باب البغاة)۔ (اور محیط میں ہے کہ

بعض فقہاء کسی اہل بدعت کی تکفیر نہیں کرتے اور بعض فقہاء اہل بدعت کی، جس کی بدعت کسی دلیل قطعی کے مخالف ہو تکفیر کرتے ہیں۔ اور صاحب محیط نے اس کو اکثر اہل سنت کی طرف نسبت کیا ہے اور نقل اول یعنی عدم تکفیر اثبت ہے۔ ہاں اہل مذہب کے کلام میں بہت سے اہل بدعت کی تکفیر واقع ہوتی ہے لیکن یہ تکفیر ان فقہاء کے کلام سے نہیں ہے جو مجتہدین ہیں بلکہ غیر مجتہدین کے کلام سے ہے اور غیر فقہائے مجتہدین کا کلام معتبر نہیں ہے۔ اور مجتہدین سے وہی منقول ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے یعنی عدم تکفیر اور ابن المنذر نقل مذاہب مجتہدین سے زیادہ تر واقف ہے)۔

It is narrated in the book, called the Mohit, that, 1. some Faqihs do not call any Ahl-i-bid,at (innovator) infidel, and that, 2. some Faqihs call some Ahl-i-bid,ats infidels, only in the case when they have a clear, decisive and convincing argument and proof to find their bid'ats (innovations) are going against any Standard Principles of the Islamic Faith. The author of the said book maintains that most of the Ahl-i-Sunnat hold the same view as the latter narration, just indicated above; while the former narration, stated above, is, unquestionably, the correct view of some of the Faqihs on this point (i.e., the truth is that some Faqihs do not call any Ahl-i-bid'at infidel). The author of the book, the Fathul Qadir maintains that some authors of some books have, no doubt, called many Ahl-i-Bid'at infidels, that the Faqihs, who are the Mujtahids do not call them infidels and that the opinion of those men who are not the Mujtahids and Faqihs is not fit to be relied and acted upon in this behalf. He concludes his remarks by saying "I have stated above the opinion of the Mujtahids on this point, that, the Mujtahids, do not call any Ahl-i-bid'at infidel. As regards Ibnul Munzur, I should say that he is well acquinted with what is gathered and ascertained to the opinion of the Mujtahids on the religious matters.

۵۳ ۔ و ما ذکره محمد بن الحسن فی اوّل الباب من حدیث الکثیر الحضرمی یدلّ علی عدم تکفیر الخوارج (فتح القدیر جلد ۲ ص ۷۸۵)۔ (اور جو امام محمد نے شروع باب میں کثیر حضرمی کی حدیث نقل کی ہے اس سے عدم تکفیر خوارج ثابت ہے)۔

The Hadis (tradition) narrated by Kaisar Hazrami and quoted by Imam Muhammad bin

Hasan in the first chapter of his book, evidently, shows, that the Kharjies are not to be called infidels.

۵۴ ـو ممّا یدلّ علی عدم تکفیرھم ما ذکرہ محمّد ایضاً حیث قال و بلغنا عن علیؓ انّہ بینما ھو یخطب یوم الجمعۃ اذ حکمت الخوارج من ناحیۃ المسجد فقال علی کلمۃ حق ارید بھا الباطل لا نمنعکم مساجد اللّٰہ ان تذکروا فیھا اسم اللہ ... (الی قولہ) و لھذا قال علی کلمۃ حق ارید بھا باطل یعنی تکفیرہ و معنی قولہ حکمت الخوارج ندا ؤ ھم بقولھم الحکم للّٰہ و کانت یتکلّمون بذلک اذا اخذ فی الخطبۃ لیشوشوا خاطرہ فانّھم کانوا یقصدون بذلک نسبتہ الی الکفر لرضاہ بالتحکیم فی صفین (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۴۸۵)۔(اور عدم تکفیر خوارج کی ایک یہ دلیل بھی ہے جس کو امام محمد نے ذکر کیا کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علیؓ جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں خوارج گوشہ مسجد سے آواز بلند بولے الحکم للّٰہ یعنی حکم بس اللہ ہی کا ہے اور اس سے خوارج کا مقصود حضرت علیؓ کی تکفیر تھی۔ خوارج حضرت ممدوح کو پریشان خاطر کرنے کے لئے یہ کلمہ عین اس حالت میں جب آپ خطبہ شروع فرماتے، استعمال کیا کرتے تھے اسپر حضرت ممدوحؓ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا یہ کلمہ تو حق ہے مگر اس سے مراد غلط لی گئی ہے پھر حضرت ممدوحؓ نے خوارج کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ ہم لوگوں کو اللہ کی مسجدوں سے کہ تم ان میں اللہ کا نام ذکر کرو، نہیں روکیں گے)

There is another authority, showing that the Kharjies are not to be called infidels, and this authority is quoted by Imam Muhammad in his book on the basis of a story related to him to the effect as follows:

"When Ali was delivering his Friday sermon in his mosque, the Kharjies from a corner of the mosque, cried aloud "God's comandment is enough,". The Kharjies said so with an object of declaring Ali infidel and to disturb him in his sermon. They said so just at the time when he had commenced delivering his sermon. On hearing that, Hazrat Ali said,- "What is said by these men is very true, but they have drawn wrong inferences therefrom, "Saying so, he turned to the Kharjies, and said, - "I shall not prevent or turn you out from the mosque wherein you remember the name of God."

۵۵ ۔ الحق عدم التکفیر اهل القبلة و ان وقع الزا ماً فی المبا حث (فتح القدیر ۔ کتا ب النکا ح ص ۲۸) ۔ (حق عدم تکفیر اہل قبلہ ہے اگر چہ باہمی ردو کد میں الزاماً تکفیر واقع ہو گئی ہے)

The truth is that the Ahl-qibla (thosewho turn their faces towards the Holy Kaba while saying their prayers), should not be called infidels, no matter whether any one has tauntingly called them so in course of a discussion.

۵۶ ۔ فی جمع الجوا مع و شر حه ولا نکفر احداً من اهل القبلة ببدعة کمنکری صفات اللّٰه و خلقه افعال عباده و جواز رؤیته یوم القیامة و منّا من کفرهم اما من خر ج ببدعة من اهل القبلة کمنکری حدوث العالم و البعث و الحشر للاجسا م و العلم با لجز ئیا ت فلا نزاع فی کفرهم لانکارهم بعض ما علم مجیئالرسو ل به ضرورة (بحر الرا ئق ۔ جلد اول با ب ا لامة ص ۳۷۱) ۔ (جمع الجوامع اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ ہم کسی اہل قبلہ کی کسی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جیسے اللہ تعالی کی صفات اور اس کے خالق افعال عباد ہونے کے اور قیامت میں اس کے جائز الرؤیت ہونے کے منکرین، اور بعض لوگ ہم میں سے ان کی تکفیر بھی کرتے ہیں ہاں وہ اہل بدعت جو اپنی بدعت کی وجہ سے اہل قبلہ سے خارج ہو گئے جیسے حدوث عالم اور بعث و حشر اجسام اور علم جزئیات کے منکرین، ان کے کفر میں نزاع نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ بعض ایسی چیزوں کے منکر ہیں جن کا ضروریات دین اسلام سے ہونا معلوم ہو چکا ہے)

The book called the "Jamaul Jawami' " and its commentary contain the following remark by the author:- "I do not brand any Ahl-i-Qibla with infidelity on account of any bid'at found in them, i.e., if they entirely reject all eternal attributes of God or if they deny that God is the author of the actions of all mankind or if they deny that God could be seen on the Judgment-Day. Some of us do not hesitate in pronouncing their judgment about the infidelity of those sorts of people as well, but the fact is that the Ahl-i- Bid'at who on account of their bid'at are excluded from the rank of Ahl-i-Qibla, namely, those who do not believe that every thing which the world contains is the new thing created by God and is liable to perish and those who do not believe that the dead bodies shall come unto life again on the Judgment-Day to account for what they have

done on the surface of the erath and those who reject any part of the fundamental principles of Islam, are the persons who can truly be called infidels because they do not believe in the things which have been proved to be the essentials of the Islamic faith.

۵۷ ۔ مر تکب الکبیرة من اهل الصلوة ای من اهل القبلة مؤمن (۔شرح مواقف ،مطبوعه لکھنئو : المقصد الرا بع، ص ۷۲۳) (بڑے گناہ کا مرتکب جب کہ اہل نماز یعنی اہل قبلہ سے ہو مسلمان ہے)

He, who performs his prayers i.e., he, who is one of the Ahl-i-Qibla, is a Mussalman, no matter whether he is guilty of a great sin. .

۵۸۔جمهور المتكلّمين والفقهاء على انّه لايكفر ا حدمن اهل القبلة(شرح مواقف، المقصد الخا مس، ص ۷۲۶)۔ (جمہور متکلمین اورفقہاءاس پر ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر جائز نہیں ہے)

A majorty of authors and Faqihs maintain that it is unlawful to brand any Ahl-i-Qibla with infidelity.

۵۹ ۔ فان الشيخ ابا الحسن قال في اول كتاب مقالا ت ا لاسلا م اختلف المسلمون بعد نبيهم ﷺ فى اشياء ضلّ بعضهم بعضاً وتبراء بعضهم عن بعض فصاروا فرقا متبا ينين ا لا انّ ا لاسلام يجمعهم و يعمهم (۔شرح مواقف، مطبوعه لکھنئو، ص ۷۲۶)۔ (شیخ ابوالحسن اشعری نے کتاب مقالات الاسلام کے شروع میں فرمایا۔مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کے بعد چند مسئلوں میں اختلاف کیا،بعض نے بعض کو گمراہ کہا،بعض بعض سے بیزار ہوئے ،بالآخر مختلف فرقے ہوگئے مگر اسلام سب کو جامع اورسب کو شامل ہے)

Shaikh Abul Hasan Ash'ari, in the beginning Chapter of his book called the "Maqalatul Muslimin" says:- "After the death of the Prophet (pbuh) the Mussalmans dissented from one another on some religious dogmas and some of them called others Apostates and some of them hated others, with the result that they, ultimately, formed themselves into various sects. Notwithstnading that, all of them belong to the Islamic religion and are included in it.

۶۰ ۔ حكى الحا كم صا حب المختصر فى كتا ب المنتقى عن ابى حنيفة انه لم

يکفر احدا من اهل القبلة وحكى ابوبكر الرازى مثله عن الكرخى وغيره (شرح مواقف۔ مطبوعه لكهنئو۔ ص ٧٢٦)۔(حاکم، صاحب مختصر، نے کتاب منتقی میں امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے اور ایسا ہی ابوبکر رازی نے کرخی وغیرہ سے نقل کیا ہے)

Hakim, the author of the book named Mukhtasar quotes, in his another book, the Muntaqa, a narration from Abu Hanifah to the effect that the said Imam Abu Hanifa did not brand any Ahl-i-Qibla with infidelity. Similar narrations are also quoted by Abu Bakr Razi from Karkhi and others, as the authorites on this subject.

٢١۔ هو تصديق محمد ﷺ فى جميع ما جاء به عن اللّه تعالى ممّا علم مجيئه ضرورة ۔(در مختار بر حا شيه رد المختار۔ مطبوعه مصر ۔جلد ٣ ص ٤٣٧)۔وہ (یعنی ایمان) محمد ﷺ کی تصدیق کا نام ہے ہر ایسی چیز میں جس کا ضروریات دین اسلام سے ہونا معلوم ہے یعنی جس چیز کو حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے لائے ہیں جس کا لانا ضرورۃً یعنی بلا احتیاج کسی نظر واستدلال کے معلوم ہو چکا ہے)

Faith means a sincere belief in the Prophet (pbuh) and in all the fundamental principles of the religion, revealed to the world as those communicated to him by God; the revelation whereof has already been thought necessary, and which needs no demonstration and positive proof..

٢٢ ۔ معنى التّصديق قبول القلب و اذعانه لما علم بالضرورة انه من دين محمّد بحد يث تعلمه العامة من غير افتقار الى نظر واستدلال كالوا حدا نية و النبوة و البعث و الجزاء و وجوب الصّلوة و الزكوة و حرمة الخمر ونحو ها

(رد المحتار ۔مطبوعه مصر۔ جلد ٣ ص ٤٣٧ ۔ با ب المر تد)

تصدیق مذکور کے معنی ہیں کل ضروریات دین محمدی کو دل سے مان لینا اور قبول کر لینا۔ اور ضروریات دین محمدی سے وہ امور مراد ہیں جن کا محمد ﷺ کے دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو چکا ہے اس طرح پر کہ عوام بھی ان امور کو بلا احتیاج کسی طرح کی نظر واستدلال کے جانتے ہیں چنانچہ اللہ تعالی کی وحدانیت اور انبیاء کی نبوت اور بعث و جزا اور نماز و زکوۃ کی فرضیت اور خمر کی حرمت اور ان کے مانند اور چیزیں)۔

By the above expression "Sincere Belief" means one's belief in all the Fundamental Principles of the Muhammadan Religion from very bottom of his heart, and it, further,

means his acceptance of those principles as binding upon him. The Fundamental Principles of Muhammadan Religion mean the things which have already been held and known to be the essentials of the Muhammadan Faith and they are the matters which are also generally admitted and believed by all persons, without a rhyme or reasoning. as for instance, the Unity of God, the Divine Mission of all the Prophets, the Resurrection Day, the obligatory performance of daily prayers and the indispensable obligation about the giving of Alms and the authoritative injunction declaring wine as unlawful and other things like these, all of which are unquestionably believed by everyone to be the essentials of the Islamic Faith.

٦٣ ۔ فی الخلا صة وغیرها اذا کانت فی المسئلة وجوه توجب التکفیر و وجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الّذی یمنع التکفیر تحسیناً للظّن بالمسلم (۔ بحر الرائق۔ جلد ۵ ص ۱۳۴ ۔ باب احکام المرتدین) ۔ (خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جب کسی صورت میں چند وجوہات ایسی ہوں جو موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ ایسی ہو جو مانع تکفیر ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی ایک وجہ کی طرف مائل ہو جو مانع تکفیر ہے مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے لئے)۔

In the book, called the, Khulasa, "and in other books, it is laid down that if there be several grounds for calling a person an infidel and there be only one ground for not calling him so, then, it is incumbent upon the Mufti (law officer) to base his judgment upon that particular ground which does not hold good for calling that person an infidel and and which be sufficient, in itself, for entertaining a good will towards a Mussalman.

٦٤ ۔ والّذی تحرر انه لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفره ا ختلاف و لو روا یة ضعیفة فعلی هذا فاکثر الفاظ التکفیر المذ کورة لا یفتی بالتکفیر بها و لقد الز مت نفسی ان لا افتی بشیء منها۔(۔ بحر الرائق۔ جلد ۵ ص۱۳۵)۔(اور وہ امر جو خوب چھن چکا ہے، یہ ہے کہ کسی ایسے مسلمان کی تکفیر کا فتوی نہ دیا جائے جس کے کلام کا اچھے محمل پر حمل کرنا ممکن ہو، یا جس کے کلام کے کفر ہونے میں کچھ بھی اختلاف ہو اگر چہ عدم کفر ہونے کی جانب میں ضعیف ہی روایت کیوں نہ ہو۔ پس اس بنا پر اکثر الفاظ تکفیر جو بالا مذکور ہوئے ان

پر تکفیر کا فتوی نہ دیا جائے اور میں نے تو اپنے اوپر قطعاً لازم کرلیا ہے کہ ان الفاظ میں سے کسی پر بھی فتوی نہ دونگا)۔

What has decidedly been held to be the true religious dogma, is that no Fatwa should be given concerning the infidelity of any Mussalman on account of his uttering such words or exprsseion which, somehow or other, may be interpreted in a good sense, or which may be taken by only a minority of persons as tantamounting to an infidelity, no matter whether there be only the weak unimportant narration or authority on the subject of not calling him an infidel. For this reason, no Fatwa of infidelity should be pronounced with reference to a Mussalman on account of his giving vent to the expressions of the nature, indicated above. I have made it my firm motto and principle not to pronounce a Fatwa of infidelity against any Mussalman owing to his utterances of the nature, as alluded to the above.

۲۵ ۔ ولا نکفر مسلماً بذ نب من الذّنو ب و ان کا نت کبیرة اذا لم یستحلها ولا نز یل عنه اسم ا لا یمان و نسمّیه مومناً حقیقة (فقه اکبر ،مطبوعه لکھنئو ۔ ص ۸) (ہم تکفیر نہیں کرتے کسی مسلمان کی کسی گناہ کی وجہ سے اگر چہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جب کہ گناہ کو وہ حلال نہیں جانتا ۔ و نیز ہم اس گنہگار مسلمان کو حقیقۃً مسلمان کہتے ہیں)۔

I should not call any Mussalman an infidel on account of his committing any sin, however great that sin may be, when he believes in unlawfulness of that sin. I shall not abstain from calling that sinful Mussalman as a Mussalman, and, as a matter of fact, I call that sinful Mussalman as a Mussalman.

۲۶ ۔ قال رسول اللّه ﷺ ثلث من اصل الایمان الکفّ عمّن قال لا اله ا لّا اللّه لا تکفره بذ نب ولا تخرجه من الاسلا م بعمل (مشکوة المصا بیح۔مطبوعه احمدی دہلی۔ با ب الکبا ئر و علا مات النفاق ۔ الفصل الثا نی ۔ص ۹)۔(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین باتیں ایمان کی جڑھ ہیں جن میں سے ایک بات یہ ہے کہ جو شخص کلمہ لا اله الّا اللّه پڑھ لے اس کے بارے میں زبان کو روک لو، نہ اس کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر کہو، نہ اس کو کسی فعل کی وجہ سے اسلام سے خارج کرو)۔

The Prophet (pbuh) has said that three things are the roots of Iman, one of them is this

that you should hold your tongue (refrain) from speaking ill of one who says that there is no God but the true God, nor should you call him infidel owing to his committing a sin, nor should you excommunicate him from Islam on account of any of his acts.

۶۷۔ طحطاوی (مطبوعہ مصر، جلد ۴ ص ۱۵۳ کتاب الذبائح) نے اولاً کتاب تبیین المحارم سے کسی لامعلوم شخص کا ایک قول نقل کیا ہے۔ پھر قول مذکور کے نقل کے بعد اسی کتاب تبیین المحارم سے اس قول کی تردید بھی نقل کر دی ہے۔ وہ قول مع تردید حسب ذیل ہے)

قول شخص لامعلوم

فعلیکم معاشر المسلمین باتّباع الفرقة النّاجیة المسمّاة باهل السنّة و الجماعة فانّ نصرة اللّه و حفظه و توفیقه فی موا فقتهم و خذلانه و سخطه و مقته فی مخالفتهم و هذا الطّائفة النّاجیة قد اجتمعت الیوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفیّو ن الما لکیو ن و الشا فعیو ن و الحنبلیون و من کان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذا الزمان فهو من اهل البدعة و النار۔ (پس اے گروہ مسلمین تم پر پیروی اس فرقہ ناجیہ کی واجب ہے جس کا نام اہل سنت و جماعت ہے اس لئے کہ اللہ کی نصرت اور اس کی نگہبانی اور اس کی توفیق اس فرقہ کی موافقت میں ہے اور اللہ کی ترک نصرت اور اس کی ناراضی اور اس کی سخت بیزاری فرقہ مذکورہ کی مخالفت میں ہے اور یہ فرقہ ناجیہ آج کے دن چار مذہبوں میں جمع ہو گیا ہے اور وہ چاروں مذہب والے یہی حنفی و مالکی و شافعی و حنبلی ہیں اور جو شخص ان چاروں مذہبوں سے اس زمانے میں خارج ہے وہ مبتدع اور جہنمی ہے)

قول مذکور کی تردید من جانب مصنف تبیین المحارم

فان قلت ما وقوفک علی انک علی صراط مستقیم و کل وا حد من هذه الفر ق یدعی انّه علیه ۔ قلت لیس ذلک بالادعاء و التثبت باستعمالهم الوهم القا صر و القول الزّاعم بل بالنّقل عن جهابذة هذا الصنعة وعلماء اهل الحد یث الّذین جمعوا صحاح الاحادیث فی امور رسول اللّه ﷺ و احوال الصّحابة و المهاجرین والانصار و الّذین اتّبعوهم باحسان مثلاً لامام البخاری و مسلم و غیرهما من الثّقات المشهورین الّذین اتّفق اهل المشر ق والمغرب علی صحة ما اورده فی کتبهم من امور النّبیّ ﷺ و اصحابه ثم بعد النّقل ینظر الی الذی تمسک بهدیهم و اقتفی اثر هم و اهتدی بسیر هم فی

الاصول و الفروع فیحکم بانّه من الّذین هم همو هذا هو الفارق بین الحقّ و الباطل و الممیز بین من ھوعلی صرا ط مستقیم و بین من هو علی السّبیل الّذی علی یمینه و شما له۔ (اگر تو یہ سوال کرے کہ تو نے کس طرح جان لیا کہ تو ہی راہ راست پر ہے حالانکہ ہر ایک فرقہ ان مختلف فرقوں میں سے دعوی رکھتا ہے کہ میں ہی عین راہ راست پر ہوں، تو میں اس سوال کا جواب یہ دونگا کہ کسی فرقہ کا راہ راست پر ہونا محض ادعا سے اور اپنے وہم قاصر اور خیالی کلام کے استعمال کے ساتھ چنگل مارنے سے نہیں ہوتا ہے بلکہ راہ راست پر ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاً اس فن کے نقاد اور اہل حدیث کے ان علماء سے احادیث نقل کی جائیں جنہوں نے صحیح صحیح حدیثیں رسول اللہ ﷺ کے امور واحوال وافعال وحرکات و سکنات میں و نیز صحابہ اور مہاجرین وانصار کے احوال میں و نیز صحابہ اور مہاجرین وانصار کے احوال میں و نیز ان لوگوں کے احوال میں جمع کی ہیں جنہوں نے ان کی (یعنی رسول اللہ ﷺ و صحابہ کی) قول کے ساتھ پیروی کی جیسے امام بخاری ومسلم اور ان کے سوا اور ثقہ لوگ جو مشہور ہیں جن کی ان احادیث کی صحت پر اہل مشرق ومغرب کا اتفاق ہے جو انہوں نے اپنی کتابوں میں در بارہ امور رسول اللہ ﷺ ودر بارہ امور صحابہ کے درج کی ہیں۔ پھر احادیث مذکورہ کی نقل کے بعد دیکھا جائے کہ کون شخص رسول اللہ ﷺ وصحابہ کے چال چلن کے ساتھ تمسک کرتا اور ان کے پیچھے چلتا اور اصول وفروع دونوں میں ان کی سیرتوں کے موافق راہ یافتہ ہے۔ تب حکم کیا جائے کہ شخص موصوف اس فرقہ میں سے ہے جو راہ راست پر ہے۔ یہی بات جو اوپر مذکور ہوئی وہ کسوٹی ہے جو حق و باطل میں فرق کرنے والی، اور ان لوگوں کے درمیان جو راہ راست پر ہیں اور ان لوگوں کے درمیان جو راہ راست سے ادھر ادھر ہیں تمیز کرنیوالی ہے)

The learned author of the book "Tahtawi", has, in the 1st instance quoted a saying of an annonymous person from the book, entitled the, Tabinul Maharam," and has, in the 2nd, repudiated that saying on the authorities gathered by him from the said book, the "Tabinul Maharam",. The version of the story made by that unknown person and the gist of the said learned author's repudiation thereof are as follows:

The saying of an annonymous person-

"Hence, it is incumbent upon you, the general body of Mussalmans, to follow that Najia (i.e., deserving Heaven) sect which is known as the Ahl-i; Sunnah wal Jamat, because God is pleased with the followers of that sect and He renders all assistance to them and takes care of them, but God is greatly annoyed and displeased with those who

do not follow that sect and He does not render any assistance to them. This Najia sect consists of the four religions into which they are now formed, and the followers of those four religions are called Hanafis, Malikis, Shafia, Hanbalis. He, who is now excluded from these religions, is a innovator and a Jahannami (worthy of Hell).

The author of the said book, The Tabinul Maharam, repudiates the above saying of that annonymous person in the follwing words:-

"If you ask how you know that you alone are on the right path, while every one of the various sects claims to be on the right path, then, I would answer that one's being on the right path does not depend upon mere assertion and insistence arising from his defective imagination and conjecture, but it depends upon the production and narration of the Hadiths (traditions) from those who are the best authorities in the Hadith matter and from those ulema (learned men) of the Ahl-i-Hadith who have collected (compiled) the authentic and genuine Hadiths regarding the matters connected with the Apostle of God (pbuh) and his life-history, practice and movements, and regarding the life-history and doings of the companions of the Prophet and those of the Muhajirs and the Ansar and also regarding the life-history and doings of those who followed them) (i.e., the Prophet, and his companions) with propriety. Such are Imam Bukhari and Muslim and others, the well-known authorities, regarding whom there is a consensus of opinion of the people of the East and the West that what is written in their works regarding the matters connected with the Apostle of God (pbuh) and those of the companions of the Prophet, is genuine and correct. Next to the production and narration of Hadithd on the above point, it will be tested and seen who has truely and justly acted in accordance with the practice and movements of the Prophet, his companions and who have followed them in both the essential points, the Principles and rituals, and then it will be judged who is on the right path and who is on the wrong path. The above is the

criterion of Truth from falsehood, and this is what distinguishes those who are on the right path from those who are on the wrong path.

٦٨ ۔ : و لو خرب ما حوله و استغنی عنه یبقی مسجداً عند الامام و الثّا نی ابداً الی قیام الساعة (در مختار بر حا شیه رد المحتار ، مطبوعه مصر، جلد ٣ ص ٥٧٣ ۔ مطلب فی ا حکام المسجد)۔(اگر مسجد کا گردو پیش ویران ہو گیا اور مسجد کی ضرورت باقی نہیں رہی تو بھی مسجد مذکور ہی باقی رہے گی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہمیشہ قیام قیامت تک، اور اسی پر فتوی ہے)

If the surrounding parts of a mosque become desolate and the mosque is thereby rendered useless, even then, according to Imam Abu Hanifa and Imam Abu Yusuf, the said mosque shall remain a mosque for ever, till the Doom's Day. Such are the Fatawas (decisions) of the learned Expounders of the Muhammadan Law on this point.

٦٩ ۔ ھذا ھو ظاھر الروا یة و ھنا لک روا یا ت ضعیفة مذ کورة فی الھدا یة (رد المحتار جلد ٣ ص ٥٧٣ مطبوعه مصر)۔ (مسجد کے بالا خانہ یا تہ خانہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہوا، وہی ظاہر الروایت ہے اور اس کے متعلق کچھ اور ضعیف روایتیں بھی ہیں جو ہدایہ میں مذکور ہیں)

What is stated above about the erection of a building of two stories, making the lower story a mosque, and the upper story a dwelling, is the "Zahirur rawaet", (i.e., self. evident narration). The book, Hedaya, also contains some other weak (unimportant) rivayats (narrations) on this point.

٧٠ ۔ کتب ظاھر الرّوا یة کتب محمدؒ الستة :المبسوط و الزیادات و الجامع الصغیر و السیر الصغیر و الجامع الکبیر ۔(رد المحتار۔مطبوعه مصر۔ جلداول۔ ص ٥١۔ مطلب رسم المفتی۔(ظاہر الروایت کی کتابیں چھ کتابیں حسب ذیل ہیں جو خاص امام محمد کی تصنیف ہیں: مبسوط، زیادات، جامع صغیر، سیر کبیر، جامع کبیر)

The six books, named Mabsut, Ziayadat, Jami Saghir, Sair Saghir, and Jami Kabir, contain the Zahirur Ravayats, and they are written by Imam Muhammad.

٧١ ۔ وانّما سمّیت بظاھر الرّوا یة لانّھا رویت عن محمد بروا یا ت الثّقا ت فھی ثابتةعنه اما متوا ترة او مشھورة عنه ۔ (رد المحتار۔مطبوعه مصر۔ جلداول۔ ص

۵۱۔ مطلب رسم المفتی)۔(ان مذکورہ بالا کتابوں کو ظاہر الروایت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتابیں امام محمد سے ثقات کی روایتوں سے مروی ہیں۔ پس کتب مذکورہ امام محمد سے بطریق تواتر یا بطریق شہرت ثابت ہیں)

The reason, why the above books are said to contain the Zahirur Ravayat, is because they contain the Rivayats gathered by Siqats from Imam Muhammad.

۷۲۔ ما اتّفق علیه اصحابنا فی الرّوایات الظاھرۃ یفتی به قطعاً۔(در مختار بر حاشیہ رد المحتار۔ مطبوعہ مصر۔ جلد اول۔ ص ۵۱)۔(جس بات پر ہمارے اصحاب (امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف وغیرھما) متفق ہوں ظاہر الروایت ہیں اس پر مفتی قطعاً فتوی دے)۔

The points, on which our leaders (Imam Abu Hanifa and Imam Abu Yusuf and others) are unanimous, are called the Zahirur Rivayats. The Muftis should pronounce their Fatawa (judgment) in accordance therewith. .

۷۳ قال المفسّرون نزلت ھذہ الآیة فی وفد نجران و کانوا ستّین راکباً قدموا علی رسول اللّٰه ﷺ (الی قوله) قد خلوا مسجد رسول اللّٰه ﷺ حین صلّی العصر (الی قوله) و قد جاءت صلوتھم فقاموا للصّلوۃ فی مسجد رسول اللّٰه ﷺ فقال رسول اللّٰه ﷺ دعوھم فصلّوا الی الشرق۔(۔تفسیر خازن، مطبوعہ مصر، جلد اول ص۲۷۶؛ وتفسیرابی السعود، جلد۲ص۵۸۵؛ و تفسیر مظہری، مطبوعہ حصار،جلد اول ص ۳۴۶)۔(مفسرین نے کہا کہ یہ آیتیں وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور وہ لوگ ساٹھ سوار تھے اور وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے یہاں آئے تھے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اسوقت داخل ہوئے جب آپ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے وہیں ان کی نماز کا وقت بھی آ گیا۔ وہ لوگ نماز کیلئے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھڑے ہو گئے ۔رسول اللہ ﷺ نے منع کرنے والوں کوفرمایا ان کو چھوڑ دو۔ پس انہوں نے رو بہ مشرق اپنی نماز پڑھی)۔

The Mofassirin (commentators) maintain that these passages of the Quran were revealed concerning the Wafad Najran (the Christian deputation from Najran), who were 60 horse-men and who had come to the Apostle of God (pbuh). They entered the mosque of the Apostle of God at the time when he had finished saying his Asr prayer". The prayer time of those men came then and there and so, they stood up to say their prayers in the mosque of the Apostle of God. Those Mussalmans who wanted to

prevent those men from saying their prayer in that mosque, were directed by the Apostle not to stop them from saying their prayer in it. Accordingly these men said their prayer in it, turning their faces towards the East.

۷۴ ۔ نقل الامام اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید الاعیان الصّحابۃ۔ قال القرافی انعقد الاجماع علی ان من اسلم فلہ ان یقلّد من شاء من العلماء بغیر حجر و اجمع الصّحا بۃ انّ من استفتی ابا بکر و عمر وقلّدھما فلہ ان یستفتی اباھریرۃ و معاذ بن جبل وغیرھما و یعمل بقولھما من غیر نکیر (تقریر و تحبیر شرح تحریر۔ تکملہ ۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۳ ص ۳۵۴)۔

قرافی نے کہا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو اس کو جائز ہے کہ علماء میں سے جسکی چاہے تقلید کرے کچھ منع نہیں ہے ۔اور صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جس شخص نے ابوبکرؓ یا عمرؓ سے فتوی پوچھا اور انکی تقلید کر لی ،اس کو جائز ہے کہ ابو ہریرہؓ و معاذ بن جبلؓ وغیرھما سے فتوی پوچھے اور ان کے قول پر عمل کرے ،کوئی انکار نہیں ہے)

Qarafi says:- "It is lawful for a Mussalman to follow any of the Ulema (leaned men) whomsoever he likes. There is no religious authority to prevent him from doing so. On the other hand, there has already been an Ijma (general concordance) on this point. The Prophet's companions have unanimously held that if a person questioned Abu Bakr or Umar on any religious dogma and acted according to the Fatawa given by either of them on that point, then, there is no harm if he thereafter consults Abu Huaraira and Maaz also on that point and acts accoring to the Fatawa given by them on the subject.

۷۵ ۔ و ھل یقلّد غیرہ ای غیرہ من قلّد بہ فی غیرہ ای غیر ما قلّد فیہ ،المختار نعم یقلد ان شاء لما علم من استفتائھم مرۃً اماماً وا حداً و مرۃً اخری اماماً غیرہ بلا نکیر من ا حد ھما اجماعاً و توا تر ھذا بحیث لا مجال للمارا ت (مسلّم الثّبو ت و اس کی شر ح فواتح الرحمو ت۔ تتمہ، مطبوعہ لکھنئو۔ صفحہ ۲۲۸ لکھنئو) ۔ (اور آیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص جو ایک مسئلہ میں ایک امام کی تقلید کر چکا ہو، وہ دوسرے مسئلہ میں دوسرے امام کی تقلید کرے؟ ہاں یہ صورت جائز ہے اور یہی مختار یعنی پسندیدہ بات ہے، اسلئے کہ یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ لوگ کبھی ایک امام سے اور کبھی دوسرے امام سے فتوے پوچھتے آئے اور کبھی کسی امام سے اس

پر انکار نہیں پایا گیا اور اس بات پر اجماع ہو کر حد تواتر کو پہونچ گیا ہے جس میں شک و اختلاف کی مجال باقی نہیں رہی)

It is lawful for a Mussalman, who has already followed one particular Imam in any religious dogma, to the follow another Imam in another religious dogma? Yes, it is lawful for him to do so, and this, no doubt, is a good thing, because it has already been fully established that the people, sometimes, questioned one particular Imam on a religious dogma and acted upon the Fatwa given by him on that point, and sometime, they consulted another Imam and acted according to his Fatawa, so much so that no Imam ever objected to their doing so. There is already an Ijma on this point. such a verdict has all along been held by all to be an authority, established beyond a shadow of doubt, and without anything to contradict it.

۷۶ ۔لا واجب الّا ما اوجب اللّٰه تعا لی و الحکم له و لم یوجب علی احد ان یتمذ هب بمذ هب ر جل من ا لآئمة فا یجا به تشریع شر ع جد ید (مسلّم الثّبو ت و شرح فواتح الرحمو ت۔ تتمه ۔ مطبوعه لکھنئو۔ صفحه ۶۲۸)۔(اللہ نے جو کچھ واجب کر دیا بس وہی چیز واجب ہے، اس کے سوا اور کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اور حکم اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اللہ تعالی نے کسی شخص پر یہ واجب نہیں کیا ہے کہ اماموں میں سے کسی ایک شخص کا مذہب اختیار کر لے پس کسی امام کے مذہب کے اختیار کر لینے کو واجب ٹھہرانا ایک نئی شرع بنانا ہے)۔

Nothing is incumbent but that which has been made incumbent by God. and it behoves God only to command. God has not made it incumbent upon any one to make himself bound by the religious tenents of any one of the Imams. Because to say that it is incumbent on any man to follow the doctrines of any one of the Imams, is to create a new Shariat (Religion or Code of Law)..

۷۷ ۔ وهل یقلّد غیره ای غیر من قلّده اولا فی شیء فی غیره ای غیر ذلک الشیء کان یعمل اولًا فی مسئلة بقول ابی حنیفه و ثانیاً فی ا خری بقول مجتهد ا خر ۔ المختار کما ذکر ا لآمدی و ابن ا لحاجب نعم للقطع بالاستقراء التام بانّهم ای المستفتین فی کل عصر من زمن الصّحابة و هلم جراً کانوا

یستفتون مرۃً وا حدا و مرۃ غیرہ غیر ملتز مین مفتیا واحدا و شاع و تکرر و لم ینکر۔ (تحریر اوراس کی شرح تقریر وتخبیر۔مطبوعہ مصر۔جلد۳ صفحہ ۳۵۰۔ افتاء غیر المجتهد)۔اور آیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص جو ایک مسئلہ میں اولاً ایک مجتہد کی تقلید کر چکا ہو، وہ دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کی تقلید کرے۔مثلاً اولاً ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرے اور ثانیاً دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرے۔ہاں یہ صورت جائز ہے۔اور یہی پسندیدہ بات ہے جیسا کہ آمدی اور ابن حاجب نے بیان کیا ہے اس لئے کہ یہ بات قطعی طور پر باستقرار تام معلوم ہو چکی ہے کہ مستفتیان ہر ایک زمانہ میں زمانہ صحابہ سے لے کر اب تک کبھی ایک مفتی سے اور کبھی دوسرے مفتی سے فتوی پوچھتے آئے ،ایک ہی مفتی کا التزام نہیں رکھتے تھے۔اور یہ بات شائع ومتکرر رہی اور کبھی اس پر کسی کا انکار نہیں پایا گیا)۔

Is it lawful for a Mussalman who has already followed one particular mujtahid (Expounder of the Mohammadan Law) in any religious dogma to follow another mujtahid in another dogma; as for instance, if he has already followed Imam Abu Hanifah and acted according to his directions in a religious dogma, then is it lawful for him to follow another mujtahid and act according to his directions in another religious dogma? Yes it is lawful for him to do so, and this, no doubt, is a good thing. Aamdi and Ibn Hajib hold the same view on this point. It has already been fully established that, in all ages, Viz, from the time of the Prophet's companions, till now, the mustaftis (questioners on religious points) sometime consulted one particular mufti on a religious dogma and acted according to his fatwa and sometime they consulted another mufti and acted according to his fatwa, so much so that they did not depend upon the fatwa of one particular Mufti. This practice remained in full force, and no one ever objected to it.

۷۸۔ لا واجب الّا ما اوجبه اللّٰه و رسوله و لم یو جب اللّٰه ولا رسوله علی احد مّن النّاس ان یّتمذ هب بمذهب رجل من الامّة فیقلده فی دینه فی کلّ ما یا تی و یذر دون غیره (تحریر اوراس کی شرح تقریر وتخبیر ،مطبوعہ مصر،جلد۳ صفحہ ۳۵۰)۔(اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ واجب فرما دیا بس وہی چیز واجب ہے اس کے سوا اور کوئی چیز واجب نہیں ہے۔اور نہ اللہ نے اور نہ اللہ کے رسول نے کسی شخص پر واجب کیا ہے کہ امت میں سے کسی ایک شخص کا مذہب اختیار کر لے اور اپنے ہر ایک دینی کام میں، خواہ

وہ کام کرنے کا ہو یا چھوڑنے کا، بس اسی ایک شخص کی تقلید کرتا رہ جائے۔ اس کے سوا اور کسی کی تقلید نہ کرے)

Nothing is incumbent but that which has been made incumbent by God and His Apostle. And God and His Apostle have not made incumbent upon any one that he should bind himself to follow the doctrines of any one of the Mussalmans and that he should continue to follow the doctrines of one particular individual and should not follow the doctrine of any other person in every religious matter, whether it is worth doing or fit to be rejected. (i.e., there is nothing imperative in Shariah to follow one particular sect.)

۷۹۔ لا یصحّ للعامی مذهب و لو تمذهب به لانّ المذهب انّما یکو ن لمن له نوع نظر و استد لال (تحریر اور اس کی شرح تقریر وتحبیر۔ جلد۳ صفحہ ۳۵۱)۔ (عامی کا تو کوئی مذہب صحیح ہو ہی نہیں سکتا اگر چہ وہ خود اپنا کوئی مذہب قرار بھی دیدے، اس لئے کہ مذہب تو اس شخص کے لئے صحیح ہو سکتا ہے جس کو کسی قسم کی نظر و استدلال کی اہلیت ہو)

An Ami (ignorant man) can not have a correct standard of his religion, no matter whether he professes to follow a particular set of doctrines, because he who is, in any way, capable of judging a thing, with ryhme or reasoning, can only have a correct satndard of his religion..

۸۰۔ امّا من لم یتاهل لذ لک البته بل قال انا حنفی او شا فعی او غیر ذلک لم یصر کذ لک بمجرد القول کما لو قال انا فقیه او نحوی او کاتب لم یصر کذلک بمجرد قوله یوضحه ان قائله یزعم انّه متّبع لذ لک ا لامام سا لک طر یقه فی العلم و المعرفة و الاستدلال فاما مع جهله و بعده جداً عن سیرة الامام و علمه بطریقته فکیف یصحّ له الانتسا ب الیه ا لّابا لدّعوی المجردة (تحریر اور اسکی شرح تقریر وتحبیر جلد۳ صفحہ ۳۵۱)۔ (لیکن وہ عامی جو قطعاً نظر و استدلال کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ صرف اپنے آپ کو حنفی یا شافعی وغیرہ کہتا ہے تو عامی مذکور مجرد کہنے سے ویسا ہو نہیں جائے گا جیسا کہ اگر عامی مذکور اپنے آپ کو فقیہ یا نحوی یا منشی کہے، تو مجرد یہ کہنے سے ایسا ہو نہیں جائے گا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے وہ اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ میں اس امام کا علم و معرفت و استدلال میں پیرو اور اس امام کے

راست کا چلنے والا ہوں۔ پس جو شخص کہ عامی اور جاہل ہے اور اس امام کی سیرت اور اسکے طریقہ علم سے دور ہے وہ اگر اپنے آپکو اس امام کی طرف منسوب کرے تو کیونکر اس کا انتساب صحیح ہوسکتا ہے بجز اسکے کہ خیالی دعوی کرے)

But an Ami (ignorant man), who is not at all capable of Judging a thing with rhyme or reasoning and who simply calls himself to be a Hanafi or Shafi etc cannot become a Hanafi or Shafi etc simply by saying so. As for instance, if such an Ami declares himself to be a Theologian or Grammarian or Munshi (writer) he cannot become a Theologian or Grammarian or Munshi simply by his saying so. The above fact is illustrated thus:- He, who styles himself to be the follower of one particular Imam, apparently claims to follow the said Imam, to the extent of the said Imam's learning, accomplishments and Istidlal (arguments), and to tread upon the path of the said Imam. Hence, if an Ami, who is far off from the Seerat (good qualities) and the pursuit of learning of the said Imam and who describes himself to be the followrs of the said Imam, cannot be taken as a true followers of the said Imam. Consequently, the assertion of such an Ami as to his being the follower of the said Imam is a false claim on his part.

۸۱۔ و ان کان عامیاً لیس له مذهب معین فمذهبه فتوی مفتیه کما صرحوا به۔ بحر الرائق۔مطبوعه مصر۔ جلد ۲ صفحه ۹۰ باب قضاء الفوائت)۔ (اگر وہ شخص عامی ہے جس کا کوئی مذہب معین نہیں تو اس کا مذہب وہی ہے جو اس کا مفتی فتوی دے)

If there is an Ami who has no particular set of doctrines of his own, then he must act upon the Mufti's Fatwa (directions) which shall be the standard of his religion.

۸۲۔ : قیل من التزم کمن لم یلتزم فلا یرجع عمّا قلّد فیه و فی غیره یقلّد من شاء و علیه السّبکی من الشافعیة و فی التحریر و هو الغالب علی الظّن لعدم ما یوجبه شرعاً ای لانّه لیس للاتباع لمذهب واحد موجب شرعی(مسلّم الثبوت، و شرح فواتح الرحموت۔ تتمه۔ صفحه ۶۲۹)۔(ایسا شخص جس نے اپنے اوپر مذہب معین (مثلاً مذہب حنفی شافعی وغیرہ) لازم کرلیا اس کے بارے میں (تین قول ہیں اور)، تیسرا قول یہ ہے کہ شخص مذکور اس شخص کے مثل ہے جس نے اپنے اوپر کوئی مذہب معین لازم نہیں کیا ہے۔ پس ایسا شخص اس مذہب کے مجتہد کے جس خاص

حکم میں تقلید کر چکا ہو اس میں اس سے رجوع نہ کرے (یعنی اس عمل کو دوسرے مجتہد کی تقلید سے باطل نہ سمجھے) اور دوسرے حکم کو اس کو جائز ہے کہ دوسرے جس مجتہد کی چاہے تقلید کرے۔ امام سبکی شافعی بھی اسی قول پر ہیں اور تحریر میں مذکور ہے کہ ظن غالب یہی ہے کہ تیسرا قول ٹھیک ہے اس لئے کہ شرعاً کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ ایک ہی مذہب کی پیروی واجب ہے)

(Of the three points, the last one is that) a person, who has bound himself to follow a particular set of doctrines (i.e., who has become a Hanafi or Shafi etc) is on an equal footing with the person who has not bound himself to follow a particular set of doctrines (i.e., who has not become a Hanafi or Shafi etc). Hence, such a person should not deviate from that particular doctrine in which he has followed the mujtahids of that persuasion (i.e., he should not consider that doctrine as void owing to his following another mujtahid) but it is lawful for him to follow another mujtahid, whomsoever he likes, in another doctrine. Imam Subki Shafi holds the same view on the subject. The book called the Tahrir, also supports this view (i.e., the last of the three above points) because there is no authority in the Shariat which can prove that it is imperative to follow one particular sect i.e., there is no religious authority which proves that it is binding on a man that he should follow one particular set of doctrines..

۸۳ ۔ قال السّبکی و ھو الاعدل۔ (تقریر و تحبیر شرح تحریر۔ مطبوعہ مصر۔ ص ۳۵۱)۔ (امام سبکی نے کہا ہے کہ یہی تیسرا قول زیادہ انصاف پر مشتمل ہے)

Imam Subki maintains that this saying (i.e., last of the above three points) is very just and appropriate.

۸۴ ۔۔ مطلب فی حکم التقلید و الرجوع عنہ ۔ لو صلّی یوماً علی مذھب و اراد ان یّصلّی یوماً اخر علی غیرہ فلا یمنع منہ (ردالمختار۔ جلد۱ صفحہ ۵۶)۔ (اگر ایک دن نماز پڑھی ایک مذہب پر اور چاہا کہ دوسرے دن نماز پڑھے دوسرے مذہب پر تو اس سے منع نہ کیا جائے)

If any person, one day, said his prayers according to the religious tenents of a particular sect and if he wants to say his prayers, next day, according to the religious tenents of

another sect, then, such a person should not be prohibited from doing so.

۸۵ ۔ لیس علی الانسان التزا م مذھب معین (رد المحتار ۔مطبو عه مصر ۔ جلد ۱ صفحه ۵۲)۔ (آدمی پر کسی مذہب معین کا اپنے اوپر لازم کر لینا ضرور نہیں ہے)۔

It is not incumbent upon a man that he should make himself bound by one particular set of doctrines (i.e., it is not incumbent upon any man to bind himself by the religious tenets of a particular sect or to follow a particular Imam).

Certified that the above is a true translation of the original .

S.M. Amir Ali, Translator, High Court. Appellate Side , Calcutta . 31.7.1907

☆ حاشیہ نمبر ۵ : دہلی اور مراد آباد میں اشتہار بازی (۱۹۲۹ء۔۱۹۳۰ء)

عدالتی مقدمات میں کہا جاتا تھا کہ آمین بالجہر اور رفع الیدین کرنے والے لوگ احناف کے زیرانتظام مساجد میں حق عبادت کے حامل ہیں ۔ اور کہا جاتا تھا کہ یہ اعمال یا تو سنت ہی نہیں ہیں یا متروک ومنسوخ ہیں ۔ عدالتوں سے باہر بھی ان معاملات کو اچھالا جاتا تھا۔ لیکن جب کوئی اہل علم جواب میں قلم اٹھاتا تو معاندین آئیں بائیں شائیں کر کے رہ جاتے ۔ دہلی اور مراد آباد میں مذکورہ بالا سنین میں ان مسائل سے متعلق ایک اشتہاری مہم چلی جس کے ذریعے احناف سے ان کے دعاوی کے ثبوت طلب کئے گئے تھے ۔ ذیل میں اس سلسلے کی چند کڑیاں نذر قارئین کی جاتی ہیں ۔

اخبار محمدی دہلی میں مئی ۱۹۲۹ء میں بایں ذیل ایک اشتہار شائع ہوا:

برادران احناف کی خدمت میں مبلغ چارسو روپیہ نقد انعام

آج کل عام دیہات میں عموماً اور دیہاتِ میوات میں خصوصاً ملا مولویوں نے جو طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے اس کے نتائج اچھے نہیں ہیں ۔ باہمی کفر تکفیر جنگ وجدال کو رات دن مشغلہ بنا کر بے چارے عوام کو پریشان کر رکھا ہے ۔ کئی حضرات جگہ جگہ باہمی جنگ وجدال کی آگ بھڑکاتے پھر رہے ہیں خصوصاً مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے کئی مرید اس معاملہ میں سب سے آگے ہیں ۔ موحد مسلمانوں کی اقتداء کو حرام بتلانا ان کے وعظ و درس کا خلاصہ ہے ۔ آمین بالجہر کو حرام قرار دینا، رفع الیدین کرنے والوں کو مارنے پیٹنے کی ترغیب دینا، فاتحہ

خلف الامام کے قائلین کولعن طعن کرنا، ان کی تبلیغ کے نہایت اہم مقاصد ہیں۔ گاؤں میں جمعہ ادا کرنے والوں کی تذلیل وتخریب ان کے خیال خام میں جہاد اکبر سے کم نہیں ہے۔

اس ساری ناپاک تحریک پر میں ہزار نفرین کرتا ہوا آج اس جھگڑے کو رفع کرنے کی غرض سے یہ آخری فیصلہ تحریر کرنے پر مجبور ہوا ہوں اور تمام برادران احناف کو مخاطب کر کے یہ چند سوالات پیش کرتا ہوں۔

ا۔ جو کوئی کسی صحیح حدیث میں حضور فخر عالم ﷺ کے صریح یہ الفاظ دکھلا دے کہ آمین بالجہر قطعاً حرام ہے اور قائلین جہر کی اقتداء درست نہیں اس کو مبلغ ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔

۲۔ جو کوئی کسی صحیح حدیث میں حضور پر نور ﷺ کے صریح یہ الفاظ دکھلا دے کہ نماز میں عندالرکوع، رفع یدین کرنے والے اس قابل ہیں کہ ان کو مساجد سے نکال دیا جائے اور ان کے پیچھے نماز درست نہیں اور نہ ان کو مسلمان شمار کیا جائے بلکہ رفع الیدین کو مکھیاں اڑانے سے مشابہت دینا عین ثواب ہے، اس کو سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔

۳۔ جو کوئی کسی صریح حدیث میں حضور ﷺ کے عین یہ الفاظ دکھلا وے کہ خلف الامام سورۃ فاتحہ پڑھنا قطعاً حرام ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انکے منہ میں پتھر و کنکر بھر دیئے جائیں، اسکو ایک سو روپیہ انعام دیا جائیگا۔

۴۔ جو کوئی کسی صحیح حدیث میں حضور پر نور فخر عالم ﷺ کے صریح یہ الفاظ دکھلا وے کہ گاؤں میں ادائے جمعہ قطعاً حرام ہے اور پڑھنے والے فاسق فاجر ہو جاتے ہیں تو اس کو مبلغ ایک سو روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔

نوٹ۔ حوالہ کتاب صحیح ہو، اور حدیث پیشکردہ متناً واسناداً عین اصول محدثین کے مطابق ہو اور صریح یہی الفاظ ہوں جو سوالات میں تحریر کئے گئے ہیں۔ تاویلات کا ہرگز دخل نہ ہو اشارات و کنایات سے ثبوت دینے والے فضول متصور ہونگے (اخبار محمدی دہلی ۱۵ مئی ۱۹۲۹ء ص ۴)

اشتہار بالا کے چند ماہ بعد درج ذیل اشتہار شائع ہوا:

ایک ہزار روپیہ کا انعام

میں اس شخص کو دونگا جو شخص ایک حدیث صحیح ان معنی کی دیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی نماز میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کیا ہو، یا پہلے کیا ہو بعد میں ترک کر دیا ہو۔ محمد رفیع مالک مسلم سٹور پھاٹک حبش خان دہلی۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء ص ۱۵)

❁ پھر اخبار محمدی دہلی میں بھی یہ اشتہار بایں الفاظ جاری ہوا:

ایک ہزار روپیہ کا نقد انعام

میں اس شخص کو ایک ہزار روپیہ دونگا جو شخص ایک صحیح حدیث ان معنوں کی دیں گے کہ:
رسول اللہ ﷺ نے کسی نماز میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کیا ہو، یا پہلے کیا ہو بعد میں ترک کر دیا ہو۔

ہے کوئی دنیا میں خوش قسمت انسان کہ ایک صحیح مرفوع حدیث ترک رفع الیدین کی دے اور ایک ہزار روپیہ نقد انعام لے، اور اگر نہ پیش کر سکے تو صحیح مرفوع حدیثوں سے منہ موڑنا اور ان پر عمل نہ کرنا کسی مسلمان ایمان دار کی شان نہیں ہوسکتی۔ (المشتہر۔محمد رفیع۔ مالک مسلم سٹور۔ پھاٹک حبش خان۔دہلی)۔(اخبار محمدی دہلی یکم اگست ۱۹۲۹ء ص۳)

❁ مشتہر جناب محمد رفیع نے پھر بالفاظ ذیل اشتہار دیا:

میرا ایک اشتہار ۱۹ جولائی ۱۹۲۹ء کے اہل حدیث (امرتسر) میں شائع ہوا جس کی بابت میرے پاس چند خط آئے ہیں۔ان سب حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ میں نے روپیہ ایک ہزار حاجی کرم الٰہی صاحب فارورڈنگ ایجنٹ فرم آراے کمپنی صدر بازار سرائے اسحاق اللہ والہ کے پاس جمع کرا دیا ہے۔لہذا آپ حضرات فوراً وہ صحیح مرفوع غیر مجروح حدیث ترک رفع یدین کی میرے اشتہار کے شرائط کے مطابق پیش کریں اور وہ انعامی رقم حاصل کریں۔
محمد رفیع مالک مسلم سٹور پھاٹک حبش خان دہلی (اہلحدیث امرتسر ۱۶۔اگست ۱۹۲۹ء ص ۱۵)

❁ اس کے بعد جناب محمد رفیع صاحب نے، **رفع تنازع**، کے عنوان سے لکھا:

ایک ماہ ہوا میں نے ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار رفع الیدین عندالرکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت نہ کرنے کے یا ترک کرنے کے ثبوت بذریعہ صحیح مرفوع حدیث کے لئے دیا تھا۔ ۲۶ جولائی ۱۹۲۹ء کو روپیہ بھی جمع کرا کر بذریعہ اشتہار اعلان عام کر دیا تھا۔ دہلی جیسے علمی شہر میں ہزاروں کی تعداد میں یہ اشتہار تقسیم کئے گئے۔

میں چاہتا تھا کہ اگر ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث عدم یا ترک رفع یدین کی مل جائے تو میں

کثرت کے ساتھ مل جاؤنگا اور جماعت اور شیرازہ بندی کیلئے ایک ہزار روپیہ خرچ کرنا کوئی حقیقت نہ تھا۔ افسوس کہ آج تک کوئی صحیح مرفوع حدیث کہیں نہ ملی۔لہذا کیا یہ کہنا بجا ہے کہ رفع یدین نماز میں دونوں مذکورہ بالا موقعوں پر جناب رسول اللہ ﷺ کرتے رہے؟ اور مسلمانوں کو حضور ﷺ ہی کی اتباع کا حکم ہے تو اب مطلع صاف ہے اگر حضور ﷺ کی اتباع سب مل کر کریں تو تنازعات رفع ہو کر سب ایک ہو جائیں۔

محمد رفیع مالک مسلم سٹور پھاٹک حبش خان دہلی (اخبار محمدی دہلی ۱۵۔اگست ۱۹۲۹ء ص ۱۳)

❁ چند روز بعد جناب محمد رفیع نے لکھا:

ناظرین کو یاد ہوگا کہ میرے دو اعلان اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹ جولائی اور ۱۶ اگست ۱۹۲۹ء میں نکل چکے ہیں جن کے جواب میں مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب نے ایک اشتہار دیا ہے۔سو مولانا کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ کے ایک ایک لفظ کا جواب بفضلہٖ میرے پاس ہے لیکن میں سر دست آپ کو موقع نہیں دینا چاہتا کہ آپ خلط مبحث کر کے اصل مسئلہ کو خورد برد کردیں، جو آپ کی اصل مراد ہے۔لہذا میں جناب کو مکرر سہ کرر چیلنج دیتا ہوں کہ رفع الیدین رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت نہ کرنے کی مرفوع غیر مجروح صحیح صریح حدیث بذریعہ اشتہار کے ثابت کر کے رقم امین صاحب سے لے لیں۔مسلمانان دہلی آپ کے منتظر ہیں۔ خادم المسلمین محمد رفیع مالک مسلم سٹور پھاٹک حبش خان دہلی۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۳۔اگست ۱۹۲۹ء۔ ص ۱۵)

❁ چند روز بعد جناب محمد رفیع نے لکھا:

مولوی اشفاق الرحمٰن مدرس فتح پوری دہلی ایک ہزار روپیہ لے لیں

جناب کا ایک اشتہار میرے اشتہار کے جواب میں میری نظر سے گذرا۔گو اس کے ایک ایک لفظ کا جواب بفضلہٖ میرے پاس موجود ہے لیکن سر دست میں آپ کو موقعہ دینا نہیں چاہتا کہ آپ خلط مبحث کر کے اصل مسئلہ کو خورد برد کردیں جو آپ کی اصل مراد ہے۔لہذا میں جناب کو مکرر سہ کرر چیلنج دیتا ہوں کہ رفع یدین رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت نہ کرنے کی مرفوع غیر مجروح صحیح صریح حدیث بذریعہ اشتہار کے ثابت کر کے رقم امین صاحب کے

ہاں سے لے لیں۔ مسلمانان دہلی منتظر ہیں کہ آپ فوراً حدیث شائع کر دیجئے۔لیکن میرا دعوی ہے کہ

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے   وہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

مولانا! آپ کو خدا کی قسم ہے، میرا اشتہار پڑھتے ہی ایسی حدیث اگر آپ کے پاس ہو تو بلا غور علی الفور بذریعہ اشتہار کے شائع کر دیں۔ ورنہ خدا کا خوف کیجئے اور مسلمانوں کو صحیح حدیث پر عمل کرنے دیجئے۔ والسلام۔ المرقوم۔ ۸۔ اگست ۱۹۲۹ء۔

خادم المسلمین محمد رفیع مالک مسلم سٹور پھاٹک حبش خان دہلی

(اخبار محمدی دہلی۔ یکم ستمبر ۱۹۲۹ء۔ ص۱۳)

پھر، **مراد آباد میں رفع الیدین کا چرچہ،** کے عنوان سے حسب ذیل تحریر نکلی:

رفع یدین نہ کرنے کی صحیح صریح مرفوع غیر مجروح حدیث پیش کرنے پر ایک ہزار روپے کے انعامی اشتہار جب مراد آباد میں بٹے، تو اس پر حنفیوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ دوڑے ہوئے اپنے مولویوں کے پاس گئے۔ وہاں سے ایک دستی تحریر کے ذریعہ اہلحدیث سے ایسی ہی رفعیدین کرنے کی حدیث اسی انعام پر طلب کی گئی، لیکن حنفی مولوی نے خدا جانے کیوں اس پر اپنے دستخط نہ کئے۔ تاہم اہل حدیث کے پاس کہیں ان کی تحریر پہنچ گئی جس پر انہیں اس مضمون کا نوٹس دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب مولوی عزیز احمد مدرس مدرسہ امدادیہ مراد آباد۔ السلام علیکم۔

کل ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کو آپ نے بدو کان سعید احمد ساوہ کار بازار فیض گنج تحریر ذیل لکھ کر دی:

رفع الیدین پر حدیث مرفوع متصل مشہور متواتر قول غیر مجروح لائیے۔ایک ہزار روپیہ دونگا

مگر آپ نے اس پر دستخط نہیں کئے۔ دور اندیش لوگوں نے آپ کو دستخط کرنے سے بچا لیا، اگرچہ متعدد شہادات اس پر موجود ہیں۔

اب بذریعہ نوٹس ہذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ انجمن اہل حدیث مراد آباد آپ کو رفع یدین کرنے کی حدیث مرفوع مشہور متواتر حسب تصریح آئمہ محدثین قول غیر مجروح پیش کر کے ایک ہزار روپیہ کا مطالبہ کرے گی۔ اس کی منظوری کے لئے ایک ہفتہ کی آپ کو مہلت ہے۔

فقط۔ بندہ عزیز عفی عنہ منجانب انجمن اہل حدیث مراد آباد محلّہ ساہو۔۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء۔

رجسٹری شدہ نوٹس مذکورہ بالا لینے سے انکار کیا گیا۔ لہٰذا ۱۶ ستمبر کو واپس آیا۔

ناظرین پر مولوی صاحب کے تعلیٰ بھرے الفاظ اور اس پر مضمون نوٹس نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ مولوی صاحب کے زعم باطل میں کوئی حدیث مرفوع متصل مشہور متواتر غیر مجروح نہیں ہے، تب ہی تو سرخرو بن کر ہزار روپیہ انعام اپنے قلم سے ایک ممبر انجمن اہلحدیث کو لکھ کر دے آئے۔ مگر فی الواقع آپ نے حدیث پڑھی ہوتی یا احادیث پر نظر ہی ہوتی تو یہ لکھنے کی ہرگز جرأت نہ کرتے کہ انجام اس کا رسوائی ہوگا۔ مگر انجمن اہلحدیث کی آمادگی نصرت سنت پر آپ کے چھکے چھوٹ گئے ورنہ اگر بخیال فاسد خود سچے ہوتے تو پھر کون امر مانع اور باعث حجاب تھا جو نوٹس کے اقرار اور لینے سے انکار ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کا باعث یہ تھا کہ مدرسی ومحدثیت اور اقتداء نبوی پر فریبانہ وعظ گوئی کا پردہ فاش ہو جائے گا۔ پس یہ مصنوعی محدث بن کر مسند حدیث پر بیٹھنا اور افعال مصطفوی ﷺ کو مکروہ وحرام بتا کر اعراض عن الحدیث سے طلبا کو گمراہ کرنا، اس طریقہ ناجائز سے ملازمت مدرسہ مسلمانوں کی کمائی حاصل کر لینا مسلمانوں کو اشتباہ اور دھوکہ میں ڈالنا ہے یا ان کو صحیح طریقہ سنت پر لانا اور احادیث کا اتباع کرانا ہے حالانکہ سنیت رفع الیدین کی کثرت احادیث کتب صحاح درسی صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرھم میں اس درجہ مشہور ومتواتر ہے کہ صاحب قاموس جن کی جلالت شان محدثین میں بقول مولانا شہید دہلوی مشہور ہے، سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں کہ رفع یدین میں بکثرت روایات متواتر چارسو احادیث واثر صحیح وارد ہیں، اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔ انتہی۔ پھر ان کے تلمیذ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں، امام سیوطی الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ میں، مولانا شہید دہلوی تنویر العینین میں، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی طبقات حنفیہ میں، اور اشرف المطابع تھانہ بھون کے اربعون متواترہ میں احادیث رفع یدین کو مشہور ومتواتر بتایا گیا ہے، جس کے انکار پر کتب فقہ میں کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے علی بن مدینی سے روایت کی ہے کہ لازم ہے مسلمانوں پر رفع یدین کرنا ازروئے حدیث (متفق علیہ) زہری عن سالم کے۔ آیئے علماء دیوبند کی متفقہ براہین قاطعہ ص ۱۲۱ دیکھئے کہ رفع یدین کو امر لازم شدہ شارع کا بتلایا گیا ہے۔ نیز مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی درس تقریر ترمذی میں آپ جیسوں کی چالوں کو رد کر کے کہہ گئے ہیں کہ افسوس ہے رفع یدین میں باوجود کثرت احادیث صریحہ کے امام صاحب کی آڑ پکڑیں اور ہوائے نفس سے کہیں کہ ہمارے امام کا

مذہب نہیں ہے۔ ملخصاً۔ لہذا اگر آپ میں یا آپ کے معاونین اکابر واصاغر میں کچھ ہمت ہے تو حدیث صحیح غیر مجروح مرفوع سے رسول اللہ ﷺ کا رفع یدین نہ کرنا ثابت کر کے ہزار روپیہ جمع کردہ شیخ محمد رفیع دہلی سے وصول کر لیجئے یا ہزار روپیہ موعودہ جس کی آپ تحریر دے چکے ہیں پندرہ روز کے اندر بذریعہ اشتہار یا نوٹس تحریر کیجئے اور رقم جمع فرمایئے منجانب انجمن اہل حدیث آپ کو آپ کے شرائط کے مطابق جواب دیا جائے گا۔ اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے اور ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ انشاء اللہ آپ ہرگز نہ کریں گے تو کم از کم شرم کر کے سنت پر عمل کیجئے اور مسلمانوں کو عمل کرنے کی ترغیب دلایئے۔ فقط۔

افسوس کہ میعاد گذر گئی اور سارے حنفی علماء خاموش ہیں۔ اب بھی کوئی اس سنت پر عمل نہ کرے تو ہم سمجھیں گے کہ وہ رسول ﷺ کا امتی نہیں، ابو حنیفہ کا امتی ہے۔

المشتہر۔ ابو طیب اشفاق احمد صدر انجمن اہلحدیث مراد آباد۔ مسجد اہلحدیث سبزی بازار چوک۔ (اخبار محمدی دہلی۔ ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۶)

تقریباً دو ماہ بعد جناب محمد رفیع نے لکھا:

ہزار روپئے لیجئے

آج عرصہ دراز کے بعد اخبار تاج میری نظر سے گذرا جس میں محترم مولوی عبد اللطیف مدرس مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ نے چند احادیث واقوال رجال عدم رفع یدین کی دلیل میں درج فرمائے ہیں۔ میرے اشتہار پر غور نہیں فرمایا کہ میں کیا مانگتا ہوں۔ میں صحیح مرفوع حدیث کا طالب ہوں اور مولوی صاحب نے جو روایات وآثار پیش کئے ہیں وہ ناظرین ملاحظہ کریں کہ ان روایات کی کیا حقیقت ہے۔ میں طوالت کے خوف سے صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی حدیث یعنی حدیث عبداللہ بن مسعود کی حقیقت:

امام ابو داؤد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں (ابو داؤد مجتبائی ج ۱۔ ص ۱۱۶)۔ امام ابن المبارک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں (ترمذی مجیدی۔ ص ۴۳)۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں (دارقطنی ج ۱ ص ۱۱۰)۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (تلخیص الحبیر۔ ص ۸۳)۔ باقی رہا امام ترمذی کی تحسین کرنی۔ افسوس مولوی صاحب پہلے حسن کی

تعریف انہی کی کتاب العلل ترمذی میں دیکھ لیتے۔

دوسری حدیث یعنی حدیث براء بن عازب کی حقیقت:

جتنے حفاظ ہیں سب کا اتفاق ہے کہ تحقیق اسکا قول (ثم لا یعود به) حدیث میں مدرج ہے یعنی راوی کا مقولہ ہے، حدیث نہیں ہے۔ دوسرے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف فرمایا ہے اور امام احمد، امام یحیٰ اور حمیدی اور ان کے علاوہ بہت لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اور امام بزاز نے فرمایا کہ یہ قول ثم لا یعود اس حدیث میں صحیح نہیں ہے (تلخیص الحبیر۔ ص ۸۳)۔ نیز اسی روایت میں ایک راوی یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے (كذا فی التقریب التہذیب) بھلا یہ حدیث اب کس طرح عدم رفع الیدین کے لئے حجت ہوسکتی ہے۔

ابراہیم نخعی کے قول کی حقیقت:

ابراہیم نخعی کے قول کا جواب یہ ہے کہ

اولاً تو اس روایت کی سند میں حسین بن عبد الرحمٰن ہیں جس کا حافظہ اخیر میں خراب ہو گیا تھا (دیکھو تقریب التہذیب)۔

دوم، یہ ابراہیم کا خیال ہے۔ اس سے حدیث مرفوع صحیح جو متعدد طرق سے ثابت ہے نہیں ردّ کی جاسکتی جیسا کہ امام بخاری نے بھی اپنے رسالہ جزء رفع الیدین میں لکھا ہے۔

سوم، یہ قول یا خیال ابراہیم کا عقلاً بھی غلط ہے اس لئے کہ وائل بن حجر صحابی دو مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نہ معلوم کتنے کتنے روز ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ تین تین روز بھی آکر ٹھہرے ہوں تو تیس نمازیں ہوئیں، اور اگر کم از کم ایک ایک روز بھی ٹھہرے ہوں، تو دس نمازیں ہوئیں۔ پھر ایک مرتبہ کیسا دیکھنا ہوا۔ نیز عبداللہ بن مسعود تو ہمیشہ حاضر خدمت رہے کیا انھوں نے صرف پچاس نمازیں ہی دیکھیں۔ بہرحال قول ابراہیم کا بالکل باطل ہے۔

اور نیز عبداللہ بن مسعود اور براء بن عازب کی روایت تو صحیح نہیں۔ علاوہ اس کے وہ بالکل مجمل اور مختصر ہے اس سے رفع یدین کی نفی کیسے ثابت ہوئی۔ ورنہ اس میں تو تعداد رکعات و رکوع سجود و تشہد وغیرہ کا بھی ذکر نہیں۔ پھر وہ بھی آپ منسوخ یا محذوف بتائیں گے۔

دوم اس میں تو صرف تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کا ذکر ہے کہ وہ ایک مرتبہ کیا۔ یعنی دو تین مرتبہ نہیں۔ سو ہم بھی بوقت تکبیر تحریمہ ایک ہی مرتبہ رفعیدین کرتے ہیں زیادہ نہیں، پھر یہ آپکی

دلیل کیسی ہوئی۔

اور باقی جو آثار ہیں ابن زبیر وغیرہ سے نقل کئے ہیں اولاً تو سب کے سب بے اصل و بے سند ہیں، کسی باسند کتاب میں نہیں۔ صرف حاشیوں میں بلا سند نقل کر دیے ہیں جو کسی طرح بھی مقبول نہیں۔ نیز ابن زبیر و دیگر صحابہ و خلفاء راشدین سے رفع یدین کرنا ثابت ہے، چنانچہ صحاح ستہ وغیرہ سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے اشتہار کے موافق حدیث مرفوع صحیح صریح جس تفصیل سے کہ رفع یدین کی ہے، اسی طرح نفی کی ثابت کیجئے اور ہزار روپیہ لیجئے۔ ایرے غیرے کے اقوال سے سروکار نہیں۔ نماز رسول اللہ ﷺ نے خود ادا فرما کر صحابہ کو سکھائی اور فرمایا اس طریق پر ادا کیا کرو۔ وہ طریق صحیح صریح مرفوع حدیث سے ثابت فرمائیے۔ دگر ہیچ۔ ما اہل حدیثیم و دغا را نشاسیم۔

خاکسار محمد رفیع مالک مسلم سٹور پھاٹک حبش خان دہلی

(ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء۔ ۹ شعبان ۱۳۴۸ھ ص ۱۰)

پھر احناف نے ایک رسالہ لکھا جس کا جواب ۱۳۴۹ھ میں حکیم محمد اسماعیل دہلوی نے لکھا۔ اور حافظ حمید اللہ کے زیر اہتمام جامعہ ملیہ پریس دہلی سے شائع ہوا۔ اس میں حکیم اسماعیل بتاتے ہیں:

ان دنوں ایک رسالہ عدم رفع یدین کے متعلق میری نظر سے گذرا جس کے مصنف مولوی محمد اشفاق الرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی ہیں۔ اس رسالہ کا نام نور العینین فی تحقیق رفع الیدین ہے... اس میں احادیث صحیحہ مرفوعہ کے مقابل حدیث ضعیف و آثار ضعیفہ سے کام لیا گیا ہے۔ مولوی اشفاق الرحمٰن نے لکھا ہے:

مسلّمات فرق اہل سنت کی دعوت کے اختلافیات کی صدائے بے ہنگام سے شور محشر برپا کیا۔

حکیم اسماعیل نے کہا:

رفع الیدین مسلّمات سے ہے جملہ محدثین و محققین احناف رفع یدین کی حدیثوں کو قبول و تسلیم کر چکے ہیں۔ کسی محدث سے اس کا انکار ثابت نہیں لہٰذا اس کی دعوت مسلّمات سے ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔

اشفاق صاحب کہتے ہیں: بعد صحت روایت کثرت طرق اور قلت طرق مساوی ہیں۔

حکیم صاحب کہتے ہیں:

آپ کا یہ قاعدہ غلط ہے۔ محدثین اس کو تسلیم نہیں کرتے علم حدیث میں محدثین کے اصول کی ضرورت ہے کسی محدث کا حوالہ دیتے تو قابل سند ہوتا۔ فن حدیث میں ابن ہمام کو کیا دخل؟ کیا ابن ہمام کوئی محدث ہیں، کیا کسی نے ان کو محدثین کے زمرہ میں شمار کیا۔ امام حازمی کتاب الاعتبار میں فرماتے ہیں: فیما یرجح به احد الجانبین علی الآخر کثرة العدد فی احد الجانبین و هی مؤثرة فی باب الروایة لانها تقرب مما یوجب العلم و هو التواتر ..الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کثرت طرق باب روایت میں ضرور مؤثر ہے کیونکہ کثرت طرق تواتر کو ثابت کرتا ہے۔ جب اصول محدثین یہی ٹھہرا کہ کثرت طرق باعث ترجیح ہے قلت طرق پر تو اس کے خلاف آپ کی کون سنتا ہے..

(جلاء العینین فی اثبات رفع الیدین عن رسول الثقلین۔ص ۱۶۔۱۷)

اس رسالے پر جناب احمد اللہ مدرس دارالحدیث رحمانیہ، جناب محمد یونس مدرس مدرسہ میاں صاحب، جناب عبدالجبار مدرس مسجد کلاں صدر بازار دہلی کی تقریظات ہیں۔ جناب محمد یونس نے لکھا ہے: مولوی اشفاق الرحمٰن نے پہلے تو بعض اعیان اہل حدیث سے اشتہاری چھیڑ چھاڑ بابت رفع الیدین شروع کئے اور مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جماعت اہل حدیث دہلی کی طرف سے ان کی صدائے مناظرہ پر لبیک ہوئی۔ آخر مولوی صاحب موصوف نے مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی۔ بعد ازاں مولوی اشفاق الرحمٰن نے ایک تحریری مناظرہ مولانا احمد اللہ سے شروع کر دیا۔ آخر فاضل اجل مولانا احمد اللہ نے ایک ایسی تحریر مسکت مولوی صاحب کو روانہ کی جس کے جواب سے مولوی صاحب لاجواب ہو گئے۔ اور ایک عرصہ تک خاموش ہو کر پھر مولوی صاحب ایک رسالہ مسمی نور العینین کی صورت میں ظاہر ہوئے..اللہ تعالی مولوی حکیم محمد اسماعیل کو خوش رکھے کہ انہوں نے مولوی اشفاق الرحمٰن کے رسالہ کی پوری قلعی کھول کر رکھ دی.

(جلاء العینین۔ص ۱۹۴)۔

☆ حاشیہ نمبر۶ :

آیات القرآن فی بعض مسائل تقویۃ الایمان

گیا والے مقدمے میں احناف نے جو الزامات اہل حدیث پر لگائے تھے وہ عموماً شاہ محمد اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کی بعض عبارات سے کشید کئے گئے تھے اور یہ الزامات نہ صرف اس مقدمے میں لگائے گئے تھے بلکہ اس سے پہلے اور زمانہ مابعد میں بھی لگائے جاتے رہے ہیں۔ جن کے جوابات وقتاً فوقتاً دیئے جاتے رہے ہیں۔ اس موضوع پر شائد سب سے مفصل کتاب جناب عزیز الدین مراد آبادی کی اکمل البیان ہے جو اخبار اہل حدیث امرتسر میں کئی سال تک قسط وار شائع ہوتی رہی اور بعد میں جناب عطا اللہ حنیف بھوجیانی نے لاہور سے کتابی شکل میں شائع کروئی ۔ یہ تحریر بہت مفصل ہے جسے کتاب ہذا میں سمونا بہت مشکل ہے۔ اس کی بجائے ہم ایک اور تحریر کی تلخیص شامل اشاعت کرتے ہیں جو علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کے استاد، سید اقتدار احمد سہسوانی نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے ماہنامہ محدث میں ۱۹۳۹ء میں قسط وار شائع کروائی تھی۔ (بعدازاں چند اعتراضات کے جوابات حکیم محمد حسین قریشی ایمن آبادی کی اثبات التوحید سے بھی نقل کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ)۔ پہلے چند اعتراضات ملاحظہ فرمایئے :

۱۔ مولانا اسماعیل شہید نے رسول خدا ﷺ کو بشر لکھا چنانچہ تقویۃ الایمان کی فصل پنجم اشراک فی العادت میں لکھتے ہیں :

> اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ کسی زندہ کو کیجئے نہ کسی مردہ کو نہ کسی قبر کو کیجئے نہ کسی تھان کو کیونکہ جو زندہ ہے سو ایکدن مرنے والا ہے اور جو مر گیا سو کبھی زندہ تھا اور بشریت کی قید میں گرفتار ، پھر مر کر کچھ خدا نہیں بن گیا، بندہ ہی بندہ ہے۔

۲۔ مولانا اسماعیل نے رسول خدا ﷺ کو بندہ اور غلام اور عبد کہا چنانچہ تقویۃ الایمان میں بیان توحید و شرک کے اندر لکھتے ہیں :

> کوئی فرشتہ اور آدمی غلامی سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔

> ایضاً عبارت منقول اعتراض نمبر۱

۳۔ مولانا اسماعیل نے رسول اللہ ﷺ کو بڑا بھائی لکھا چنانچہ فصل پنجم اشراک فی العادات

میں لکھتے ہیں:

یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا اور بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہیے۔

۴۔مولانا اسماعیل نے خدا تعالی کے سامنے تمام مخلوق کو چوہڑے چمار لکھ کر حضرت رسول خدا ﷺ کی توہین کی چنانچہ فصل اول اجتناب عن الشرک میں لکھا ہے:

اور یہ یقین جاننا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے

۵:مولانا اسماعیل نے تقویۃ الایمان میں رسول اللہ ﷺ کے عالم الغیب ہونے سے انکار کیا چنانچہ فصل ثانی اشراک فی العلم میں لکھا ہے:

غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

یہ اللہ ہی کی شان ہے کسی ولی نبی کو جن و فرشتہ کو پیر وشہید کو امام و امام زادہ کو بھوت پری کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی کہ وہ جب چاہیں غیب کی بات معلوم کر لیں۔

جوابات

☆ **بشریت انبیاء:**

اللہ تعالی نے جنات کو آگ سے، ملائکہ کو نور سے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔مسلم میں ہے:

قال خلقت الملا ئکۃ من نور و خلق الجان من مار ج و خلق آدم ممّا وصف لکم ۔(کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پیدا کئے فرشتے نور سے اور پیدا کیا جنات کو آگ سے اور پیدا کیا آدم کو اس سے جو تمہیں بتا دیا گیا)۔

سورہ اعراف میں ہے:

خلقتنی من نا رٍ و خلقتہ من طین ۔(مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو مٹی سے) لم اکن لا سجد لبشرٍ خلقتہ من صلصا ل من حمأ مّسنو ن (بشر جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے میں اسے سجدہ نہ کرونگا۔کیا میں اسے سجدہ کروں گا جسے مٹی سے پیدا کیا ہے أأسجد لمن خلقت طیناً ۔(بنی اسرائیل ۔۶۱)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی ۔ممکن ہے کہ کوئی جاہل

کہدے کہ یہ مقولہ شیطان کا ہے۔ جواب یہ ہے:

اول: کہ یہ مقولے اس وقت کے ہیں جب وہ معلم الملکوت مقرب بارگاہ تھا۔

دوم: جب اللہ نے کہیں اس مقولہ کا رد نہیں فرمایا تو قابل تسلیم ہے ورنہ اس قسم کے مواقع پر اللہ تعالی ان کا رد فرما کر اصل بات ظاہر فرما دیتا ہے۔

سوم: یہ کہ سورہ زمر میں ہے:

اذ قال ربّک للملائکۃ انّی خالق بشراً من طین (جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں آدمی کو مٹی سے پیدا کرتا ہوں)،

اور سورہ الرحمٰن میں ہے:

خلق الانسا ن من صلصال کا لفخار و خلق الجانّ من مّارج من نار (انسان کو مٹی سے اور جنات کو آگ سے پیدا کیا)۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ انکے بعد ان کی بی بی حضرت حوا کو انہی کے پہلو سے پیدا کیا۔

ھو الّذی خلقکم من نفسٍ وا حدۃ و جعل منھا زوجھا (اعراف۔ ع ۱۴) وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کے جوڑے کو بنایا۔ پھر انہی دونوں کی اولاد بڑھتی گئی)۔

یا ایّھاالنّاس اتّقوا ربّکم الّذی خلقکم من نفسٍ وّا حدۃٍ و خلق منھا زوجھا و بثّ منھما رجالاً کثیراً وّ نساء اً ۔(نساء ع ۱۲)۔

(اے لوگو! اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پیدا کیں)۔

پھر جب حضرت آدم کی اولاد بکثرت ہوگئی اور دنیا میں پڑ گئی، تعلقات عبد و معبود کو بھولنے لگی تو اللہ نے انہی آدمیوں میں سے نبی اور رسول منتخب فرمائے اللّٰہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن النّاس (حج ۔ع ۱۷) (اللہ تعالی، رسول منتخب فرماتا ہے فرشتوں اور آدمیوں سے)۔ لیکن جو رسول فرشتوں میں سے چنے گئے یہ وہ تھے جو کہ انبیاء و رسل کو جو آدمی تھے منجانب اللہ تعلیم دیتے تھے اور اللہ کے پیام ان کے پاس پہونچاتے تھے جیسا کہ حضرت جبریل کی نسبت ہے:

علّمہ شدید القوی ذو مرّۃٍ (نجم ع ۵) (سکھایا اس کو (جبریل) قوت والے نے)۔

نزل به الرّوح الامین (شعراء۔ع ۱۵) (لایا اس کو (جبریل) روح الامین)۔

انّه لقول رسولٍ کریم۔ ذی قوةٍ عند ذی العرش مکین مطاع ثمّ امین (تکویر)۔ (یہ کہنا ہے (جبریل) پیامبر بزرگ صاحب قوت کا جو صاحب عرش کے نزدیک بارتبہ ہے۔اس جگہ اس کا کہنا مانا ہوا ہے امانت دار ہے)۔

پھر کثرت اولاد آدم کے ساتھ حسب ضرورت ہر جگہ نبی یا رسول بھیجے گئے:

و ان من امّةٍ الّا خلا فیها نذیر (فاطر۔ع ۱۵) (کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی نذیر نہ ہوا ہو)۔

و لکلّ قوم هادٍ ۔(رعد)۔(اور ہر قوم میں ہادی ہے)۔

و لقد بعثنا فی کلّ امّة رسولاً ۔(ہم نے ہر امت میں رسول اٹھائے)

ہم دیکھتے ہیں کہ نباتات میں ہمیشہ گیہوں سے گیہوں، جو سے جو، اسی طرح دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔گندم از گندم بروید جو ز جو۔یہی طریق چرند و پرند وحوش و بہائم میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔یہی طریقہ انسانوں میں ہے۔چنانچہ حضرت آدم کی اولاد سے نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ اور بطناً بعد بطنٍ انسان ہی نبی و رسول ہوتے رہے۔حضرات ابراہیمؑ، نوحؑ، شیثؑ، لوطؑ، عزیرؑ، صالحؑ، یوسفؑ، عیسیٰؑ، موسیٰؑ، ہارون، یعقوب اور دیگر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام صاحب کتب وصحائف بنی آدم ہی تھے۔ ان سب کے بعد خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ تشریف لائے چونکہ آپ ﷺ کے والدین بھی انسان ہی تھے اسلئے حسب قانون قدرت آپ بھی بشر تھے اور آپ کی بشریت میں شک کرنا عقلاً دلیل حمق ہے اور یہی مخالفین کا پہلا اعتراض ہے۔جواب اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بشریت پر مثل دیگر انبیاء کی بشریت کے قرآن پاک شاہد ہے۔سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

ابعث اللّه بشراً رسولاً (کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا ہے)۔

سورہ انعام میں ہے:

و ما قدروا اللّه حقّ قدره اذ قالوا ما انزل اللّه علی بشرٍ من شیء (انہوں نے کچھ اللہ کی قدر نہ کی جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہیں اتارا)۔

اب جو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کفار انبیاء کو شاعر، کاہن، ساحر کہتے تھے اسی طرح انہوں نے بشر کہا۔اس جواب اول یہ ہے کہ جہاں کہیں اللہ نے کفار کے مقولے بیان فرمائے ہیں ان کا ردّ بھی فرما دیا ہے جیسے و ما علّمناه الشعر (یٰسین)۔(ہم نے اسے شاعر نہیں بنایا)۔والشّعراء یتّبعهم

الغاوون (شعراء) (شاعروں کا اتباع کرنے والے گمراہ ہیں)۔ وما صاحبکم بمجنون۔ (تکویر) (تمہارا صاحب مجنون نہیں ہے)۔ پس اگر بشریت بھی کفار کا غلط قول ہوتا تو اس کا بھی ردّ فرما دیا جاتا۔

دوم یہ کہ سورہ ابراہیم میں ہے:

قالت لھم رسلھم ان نحن الّا بشر مّثلکم ۔ (ان سے انکے رسولوں نے کہا ہم تو تم ہی جیسے آدمی ہیں)۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آیت بالا میں لفظ ان اور الّا نے بقاعدہ نحو، حصر کا فائدہ دیا جس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم جن ہیں نہ حور نہ فرشتہ نہ کچھ اور فقط آدمی ہیں اور وہ بھی ایسے ہی جیسے تم ہو۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولاً (کہدے (اے محمد) میرا رب پاک ہے اور میں تو صرف آدمی ہوں اور رسول ہوں)۔

جس طرح آیت بالا میں حصر تھا اسی طرح اس آیت میں لفظ ھل اور الّا نے وہی فائدہ دیا یعنی یہ کہ بجز بشریت و رسالت کے مجھ میں اور کوئی بات نہیں۔

سورہ یوسف میں ہے: وما ارسلنا من قبلک الّا رجالاً نّوحی الیھم ۔ (تجھ سے پہلے بھی ہم نے مرد ہی رسول بھیجے تھے ان پر وحی آتی تھی)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ رجل سے مرد کی تخصیص فرمادی جو انسان کے ذکور کے لئے مخصوص ہے۔

سورہ کہف میں ہے: قل انّما انا بشر مّثلکم یوحی الیّ ۔ (کہدے اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں مجھ پر وحی آتی ہے)۔

ان دونوں مؤخر الذکر آیتوں میں لفظ انّما نے بقاعدہ نحو، حصر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ فرشتہ ہوں، نہ حور ہوں، نہ کچھ اور، فقط آدمی ہوں اور وہ بھی ایسا ہی جیسے تم ہو، البتہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور لفظ مثلکم نے صاف کر دیا کہ تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔

یہ وہ آیتیں ہیں جن میں لفظ بشر آیا ہے ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے بشریت رسول ثابت ہوتی ہے مثلاً:

ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً (انعام) (اگر ہم اسے (رسول کو) فرشتہ بناتے تو بھی مرد ہی بناتے) ۔ اس آیت میں لفظ رجل ہے جس کا ترجمہ انسان مرد ہے۔

لقد جاء کم رسول مّن انفسکم ۔(تمہارے پاس تمہارے ہی نفوس میں سے رسول آیا)۔

پس اگرتم آدمی ہوتو آدمی اور اگرتم کچھ اور ہوتو کچھ اور۔اور بروایت انفسکم تمہارے انفس یعنی اشرف میں سے،یعنی جولوگ تم میں سے شریف ہیں ان میں سے رسول آیا،اورتم آدمی ہولہذا رسول بھی آدمی ہوئے۔

ملاعلی قاری حنفی، شرح شفامیں لکھتے ہیں:

من انفسھم بضمّ الفاء من جنسھم العربی او البشری دون الملکی۔(یعنی من انفسھم ف کے پیش کے ساتھ ہے جس کے معنی یہ ہیں ان عربوں میں سے یا آدمیوں کی جنس سے،نہ ملائکہ میں سے)۔ انفسھم بفتح الفاء ای اشر فھم و اعظمھم فی نفوسھم ،(ف کی زبر کے ساتھ انفسھم کے یہ معنی ہیں،تمہارے اشراف میں سے)۔

اوراسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انّه جعل من جنسکم البشری فانکم لم تطیقوا علی التلقین الملکی و لیکو ن ادعی الی متابعة حیث یفعل ھو ایضاً بمقتضی مقالته و لو کان ملکا لربما قیل ان القوة البشریة لیست کا لقدرة الملکیة۔(تمہاری جنس بشری میں سے اس لئے کہ اگر رسول فرشتہ ہوتا توتم اس کی تلقین میں رسول ملکی کی متابعت نہ کرسکتے اس لئے کہ قوت بشری قدرت ملائکہ جیسی نہیں)۔

تفسیر بیضاوی میں من انفسکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں من جنسکم عر بی مثلکم (یعنی تم جیسا تم عربوں میں سے)۔

امام فخرالدین رازی تفسیرکبیر میں لکھتے ہیں:

فی تفسیرہ و جوہ :الاوّل یر ید انّه بشر مثلکم کقوله تعالی: ا کان للنّاس عجباً ان اوحینا الی رجلٍ منھم۔ وقوله: انا بشر مثلکم ۔ والمقصود انّه لو کان من جنس الملا ئکة لصعب الامر بسببه علی النّاس علی ما مر تقریرہ فی سورة الانعا م۔(اس کی تفسیر میں کئی وجہ ہیں ۔ اول یہ کہ اس آیت سے وہ مقصود ہے جوآیات ا کا ن للنّاس عجباً ان اوحینا الی رجلٍ منھم ، اور انا بشر مثلکم میں بتا دیا گیا ہے،یعنی یہ کہ تمہارا رسول تم جیسا آدمی ہے۔اورغرض یہ ہے کہ اگرتمہارا رسول فرشتوں میں سے ہوتا تو لوگوں پر معا ملہ سخت اور کٹھن ہو جا تا اور لوگوں کو اس کے اتباع

میں مشکل پڑ جاتی جس کا پورا بیان سورہ انعام میں گزرا)۔

پھر امام رازی آیت قل انّما انا بشر مّثلکم کے تحت میں لکھتے ہیں:

بیان کانّه یقول انّی لا اقدرعلی ان احملکم علی الایمان جبراً و قھراً فانّی بشر مّثلکم ولا امتیاز بینی وبینکم ا لّا بمجرّد انّ اللّه او حی الیّ و ما او حی الیکم فا نا ابلغ ھذا الو حی الیکم ۔(یہ بیان ہے گویا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے یہ طاقت وقدرت نہیں کہ میں تم کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کرسکوں کیونکہ میں تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں اور مجھ میں اور تم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ تم پر وحی نہیں آتی مجھ پر اللہ کے پاس سے وحی نازل ہوتی ہے۔ پھر میں اسی وحی کو تم تک پہنچا دیتا ہوں)۔

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

لست ملکاً ولا جنیاً (میں فرشتہ یا جن نہیں ہوں)۔

غرض کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات موجود ہیں جو بشریت پر دال ہیں۔ مثلاً

رسولاً مّنکم (تم ہی میں سے رسول)،

رسولا مّنھم (انہی میں سے رسول)،

لقد منّ اللّه علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً مّن انفسھم (آل عمران)

(اللہ تعالی نے مومنوں پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے پاس انہی میں سے رسول بھیجا)۔

یہاں یہ بات کہہ دینا بہت ضروری ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث اوّل ما خلق اللّه نوری سے رسول اللہ ﷺ کا نور ہونا اور سب سے پیشتر ہونا ثابت ہوتا ہے اور جب کہ رسول اللہ ﷺ نور ہوئے، تو بشر نہ ہوئے۔ جواب اس کا بچند وجوہ ہے:۔

- اول یہ کہ حدیث اوّل ما خلق اللّه نوری معلق ہے اور معلق اقسام مردود سے ہے پس وہ سند اور حجت نہیں ہوسکتی۔ اور یہی حال ہے حدیث مروی براویان مجہول کا جیسا کہ تمام کتب اصول میں لکھا ہوا ہے۔
- دوم یہ کہ یہ حدیث مخالف ہے دیگر احادیث صحیحہ وآیات قرآنی کے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

خلق السّماوات والارض فی ستّة ایّام و کان عرشه علی الماء (ہود) (زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کے بعد زمین وآسمان پیدا کئے گئے۔

بخاری شریف میں ہے:

کان اللّٰہ و لم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء ثمّ خلق السّما وا ت و الارض (اللہ سے پہلے کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ پھر زمین و آسمان کو پیدا کیا)۔

اس میں لفظ ثمّ ہے جو تعقیب کیلئے آتا ہے جسکے معنی بعد کے ہوتے ہیں یعنی بعد کو (پھر) زمین و آسمان بنائے

سنن ابوداؤد میں ہے: اوّل ما خلق اللّٰہ القلم۔

(اگرچہ خلقت عرش، قلم سے پیشتر جیسا کہ البیان فی اقسام القرآن میں حافظ ابویعلی ہمدانی کا قول فیصل نقل کیا ہے۔ بہرحال یہ ان صحیح احادیث کے خلاف ہے)۔

❁ سوم یہ کہ خلقت ملائکہ نور سے ہے جیسا کہ مسلم میں ہے خلقت الملائکۃ من نور فرشتے نور سے پیدا کئے گئے۔ اور حضرت محمد ﷺ نے فرشتہ ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

و لا اقول لکم انی ملک ۔(ہود)۔(میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں)۔

❁ چہارم یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نور الٰہی سے نور تھے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور، نور الٰہی کا کل تھا یا جزء۔ اگر کل تھا تو رسول اللہ ﷺ مجسم خدا ہوئے۔ عام اس سے کہ وہ حلول طریانی ہو سریانی۔ اور اگر وہ نور، نور الٰہی کا جزء تھا تو خدا کے نور کی تجزی ہوگئی۔ اور یہ دونوں شقیں باطل ہیں اور عقل و مذہب کے خلاف ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کا نور نہ ہونا اور بشر ہونا ثابت۔

اب رہا اللہ تعالیٰ کا نور فرمانا، تو تمام مفسرین نے اس نور کو بمعنی منوِر (روشن کرنے والا) لکھا ہے اور آنحضرت ﷺ ظلمت کفر و شرک میں نور اور نور توحید و نور اسلام سے ظلمت کدہ جہان کے منوِر تھے اور یہ اسی طرح فرمایا ہے جس طرح قرآن اور توراۃ وغیرہ کو نور کہا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں صوم وصال میں لست کاحدٍ منکم اور لست کھیئتکم آیا ہے، انکے معنی یہ ہیں: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں تمہاری ہیئت پر نہیں ہوں۔ اور چونکہ حدیث آیت کی مفسر اور آیت سے موخر ہے پس اس حدیث نے آیات بشریت کو منسوخ کر دیا۔ اس کے چند جواب ہیں۔

❁ اول یہ کہ نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے نہ کہ اخبار میں اور یہ تمام آیات بشریت، اخبار ہیں۔ پس نسخ کی کوئی وجہ نہیں۔ طیبی شرح حدیث عثمان بن مظعون میں لکھتے ہیں:

انّ النّسخ علی تقدیر صحّۃ تاخیر النّاسخ انّما یکو ن فی الاحکام لا فی

الاخبار (نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ اخبار میں اور وہ بھی جب کہ ناسخ کا مؤخر ہونا ثابت ہو)۔
پس یہ آیات منسوخ نہیں ہوسکتیں۔

- دوم۔ یہ کہ اخبار احاد، کتاب اللہ کی ناسخ نہیں ہوتیں۔اس مسئلہ میں علمائے حنفیہ بھی متفق ہیں۔
- سوم۔کتب ناسخ و منسوخ اور شروح احادیث و تفاسیر میں کبھی کسی امام یا عالم نے ان کو منسوخ نہیں لکھا۔
- چہارم۔ان احادیث کے یہ معنی نہیں کہ میں بشر نہیں ہوں، بلکہ ان کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں میرے پاس وحی آتی ہے، میرا اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے، میں امین ہوں، میں صادق ہوں، معصوم ہوں، تم میں کوئی میرے برابر عابد و زاہد نہیں، تم میں اتنا خوف خدا نہیں جتنا مجھ میں ہے، میں رؤف و رحیم ہوں بردبار ہوں۔ان باتوں میں کوئی تم میں سے مجھ جیسا نہیں۔ نہ میں ان باتوں میں تم جیسا ہوں۔ یہ مطلب نہیں کہ میں آدمی نہیں ہوں یا تم آدمی نہیں۔ یہ بات تو ایسی ہے کہ ہر شخص دوسرے سے کہا کرتا ہے۔ ایک حکیم یا ڈاکٹر کہتا ہے میں تم سا، یا تم مجھ سے نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں امراض و اسباب امراض سے واقف ہوں۔اس کے علاج جانتا ہوں، دواؤں کی ماہیت و اثرات سے آگاہ ہوں، تم ان سے ناواقف ہو۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں آدمی نہیں ہوں یا تم آدمی نہیں ہو۔اسی طرح ایک بادشاہ رعیت سے، وکیل موکل سے، عالم جاہل سے، پہلوان کمزور سے، شہری دیہاتی سے کہتا ہے۔اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ تم آدمی نہیں ہو یا میں آدمی نہیں ہوں۔
- پنجم۔جس طرح بعض لوگ ان احادیث کو عدم بشریت پر دلیل لاتے ہیں اسی طرح یہ دلیل بشریت ہیں اس لئے کہ ان میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ صرف اتنا فرمایا ہے کہ تم میں کوئی مجھ سا نہیں، میں تم سا نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صرف میں ہی بشر ہی ہوں اور تم کچھ اور ہو۔پس جس طرح آپ کو بشر نہ ہونے کی دلیل قائم کرتے ہیں اسی طرح یہ بشر ہونے کی دلیل ہے۔ فما هو جوابکم فهو جوابنا (جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا جواب)۔
- ششم۔ یہ کہ وہ احادیث کہ جن میں لست کاحدٍ منکم اور لست کھیئتکم آیا ہے اس کی تشریح ملاعلی قاری ہروی حنفی شرح شفا میں یوں فرماتے ہیں:

لست کھیئتکم ای صفتکم من جمیع الوجوه (یعنی میں تمہاری صفات پر من جمیع الوجوہ نہیں)۔ پھر لکھتے ہیں: لست کھیئتکم ای فی ضعف نیّا تکم و فتور حالکم، (میں تمہاری حالت پر نہیں ہوں، تمہاری نیتوں کی کمزوری اور تبدل حالات میں)۔

پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں میں ضعف نیات وغیرہ کا بیان نہ کہ انکار بشریت۔

ہفتم۔ و لا اقول لکم انی ملک (میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں)۔اس آیت کی تفسیر میں ہر مفسر نے بل بشر بل آدمی لکھا ہے اس کے خلاف کسی نے نہیں لکھا۔

ہشتم: اصل بات یہ ہے کہ کفار کو بشریت رسول سے انکار تھا، وہ کہتے تھے کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے نہ کہ آدمی۔اس لئے اللہ پاک نے جگہ جگہ بشریت کو ظاہر فرمایا ہے۔تفسیر جامع البیان میں ہے:

و ما ارسلنا من قبلک الّا رجالاً لا ملائکة رد علی من قال اللّٰه اعظم ان یکون رسوله بشراّ۔ نوحی الیهم فاسئلوا اهل الذّکر۔ اهل الکتاب۔ لیخبر وکم انّهم بشر لا ملا ئکة۔ ان کنتم لا تعلمون۔(ہم نے تجھ سے پہلے بھی انسان مرد ہی رسول بھیجے تھے نہ کہ فرشتے۔ یہ ان لوگوں کا ردّ ہے جو کہتے تھے کہ اللہ کا رسول آدمی نہیں ہوسکتا۔ہم ان پر وحی بھیجتے تھے۔پس تم اس بات کو اہل کتاب سے پوچھ لو تاکہ وہ تمہیں بتادیں کہ وہ فرشتے نہ تھے انسان تھے۔اگر تم نہیں جانتے)۔

پس اب بشریت رسول سے انکار وہی کفار عرب کا عقیدہ ہے جس کا اللہ نے ردّ فرمایا ہے۔

نہم۔کفار کہتے تھے لو ما تا تینا بالملائکة (حجر)۔لو لا انزل علیه ملک (انعام)۔(کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا) تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا:

قل لو کان فی الارض ملائکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکاً (اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم انکے پاس فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے)

اس سے ثابت ہوا کہ چونکہ زمین پر انسان ہی ہیں اس لئے انسان ہی کو رسول بنایا۔

دہم۔ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کی بشریت ثابت ہوتی ہے۔ وہاں کس کو ناسخ اور کس کو منسوخ کہا جائے گا۔بخاری شریف میں ہے:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی منت منه۔(میں بھیجا گیا ہوں بہترین قرون بنی آدم سے یہاں تک کہ ہوں میں اس قرن سے جس سے کہ ہوں)۔

مسلم شریف میں ہے:

انّ اللّٰه اصطفی کنانة من ولد اسماعیل و اصطفی قریشاً من کنانة و اصطفی من قریش بنی هاشم و اصطفانی من بنی هاشم (اللہ نے کنانہ کو اولاد

اسماعیل سے منتخب فرمایا اور قریش کو کنانہ سے اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو)

ترمذی شریف میں ہے:

انا محمّد بن عبد اللّٰہ بن عبد المطلب انّ اللّٰہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثمّ جعلھم فر قتین فجعلنی فی خیر ھم فر قۃ ثم جعلھم قبا ئل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتاً فجعلنی فی خیرھم بیوتا فانا خیرھم نفساً و خیر ھم بیتاً ۔(میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے ان کے بہترین میں پیدا کیا۔ پھر انہیں دو فرقے کیا تو مجھے بہتر فرقہ میں پیدا کیا، پھر ان میں قبیلے بنائے تو مجھے ان کے بہتر قبیلہ میں بنایا، پھر انکے گھر بنائے تو مجھے بہتر گھرانے میں بنایا۔ پس میں لوگوں میں بہتر گھرانے کا ہوں باعتبار ذات کے)

ان احادیث میں گو کہ لفظ بشر وغیرہ نہیں آیا لیکن ان سے بشریت صاف طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ بات تو ایسی ہے کہ ہر شخص جانتا ہے انسان کی اولاد انسان ہی ہوتی ہے۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ بھی انسان ہی تھے۔

اور اگر آپ یہ کہیں کہ کبھی انسان کی اولاد غیر انسان بھی ہوتی ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کی اولاد بھی آپ کے قول کے موافق غیر انسان ہوئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر عبداللہ و آمنہ (والدین آنحضرت ﷺ) تک یہ سب انسان تھے یا غیر انسان؟ اگر غیر انسان تھے تو آنحضرت ﷺ بھی غیر انسان ہوئے۔ اور اگر انسان تھے تو آنحضرت ﷺ بھی انسان ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ صرف آنحضرت ﷺ غیر انسان تھے، تو یہ تسلیم ہو گیا کہ کبھی انسان کی اولاد غیر انسان بھی ہوتی ہے، اور یہ قانون قدرت کے خلاف ہے یا مدعی اس کا ثبوت دے۔ بہر حال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر انسان کی اولاد غیر انسان ہوتی ہے یا انسان؟ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ غیر انسان۔ پس اس صورت میں آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد مع حضرت فاطمہؓ زہرا بھی غیر انسان ہوئیں اور حضرت فاطمہؓ کی تمام اولاد جو سید کہلاتی ہے سب غیر انسان ہوئے حالانکہ ان سب کو انسان مانتے ہیں اور اگر آپ کہیں کہ غیر انسان کی اولاد انسان ہوتی ہے، تو یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کو اگر غیر انسان تسلیم کر لیا جائے تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قطع نظر اس سے کہ انسان و غیر انسان میں مناکحت شرعاً درست بھی ہے یا نہیں، انسان و غیر انسان میں توالد و تناسل ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتا تو ازواج مطہرات سب کی سب انسان تھیں، ان کی اولاد کیوں ہوئی؟ اگر ہوتا

ہے تو اس کی کوئی مثال بتایئے کہ فرشتہ اور انسان سے اولاد ہوئی ہو۔ پھر یہ بتایئے کہ جب آنحضرت ﷺ کو غیر انسان مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو انسان، تو ان دونوں غیر جنس سے جو اولاد ہوئی وہ انسان ہوئی یا غیر انسان یا کوئی اور تیسری چیز؟ اگر انسان کہیے تو دعویٰ بلا دلیل باطل، اور اگر غیر انسان کہیے تو تمام اولاد آنحضرت ﷺ کو غیر انسان تسلیم کر لیا، حالانکہ وہ سب انسان ہی ہیں۔ اور اگر کوئی تیسری چیز ہے تو یقیناً وہ جن، فرشتہ، حور وغلمان وغیرہ سے الگ ہے۔ بس اس کا نام بتایئے۔ حالانکہ آپ اسے انسان ہی کہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو بشر نہ ماننا عقلاً بھی نادرست ہے۔

یازدہم۔ مسلم شریف میں ہے:

انّما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشیء من رأئی فا نّما انا بشر۔ (بلا شک میں آدمی ہوں جب تمہیں دین کی بات بتاؤں تو مان لو اور جب کوئی بات اپنی رائے سے بتاؤں تو میں آدمی ہی تو ہوں)

مسلم شریف میں ہے:

انّما انا بشر فما حد ثتکم عن اللّه تعا لی فهو حقّ و ما قلت فیه من قبل نفسی فانّما انا بشر۔ (میں آدمی ہوں پس جو بات تم کو اللہ کی طرف سے بتاؤں وہ حق ہے اور جو اپنی طرف سے بتاؤں تو میں آدمی ہی تو ہوں)

مسلم شریف میں ہے:

انا محمد بشر اغضب کما یغضب البشر۔ (میں محمد بشر ہوں مجھے بھی دوسرے آدمیوں کی طرح غصہ آتا ہے)۔

ترمذی میں حضرت عائشہؓ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کی بابت فرماتی ہیں:

کان بشراً من البشر (آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے)

بخاری ومسلم میں ہے:

انّما انا بشرو انکم تختصمو ن (تم جھگڑتے ہو اور اسکے سوا کچھ نہیں کہ میں آدمی ہوں)

بخاری ومسلم میں ہے: انّما انا بشر مّثلکم انسی کما تنسو ن۔ (میں آدمی ہوں ایسا ہی بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو)

اگر چہ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں، اب صرف ایک حدیث اور سن لیجئے۔ یہ تو آپ کو خوب معلوم ہوگا کہ حجۃ الوداع آنحضرت ﷺ کا آخری حج تھا۔ یہ حج ماہ ذی الحج سنہ ۱۰ ہجری مطابق ماہ

فروری ۶۳۲ء میں ہوا تھا۔ اس حج کے دو ماہ بعد یعنی دوشنبہ دوسری ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ماہ مئی ۶۳۲ء کو آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ اس حج میں عرب کے تمام قبائل، جن کی نفوس شماری ایک لاکھ سے زائد تھی، موجود تھے جب آپ ﷺ بعد ادائے حج واپس ہوئے تو آپ نے غدیر خم پر تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ مسلم، نسائی، مسند احمد، ترمذی طبرانی، حاکم میں یہ ہیں:

ایّھا الناس انّما انا بشر۔ (اے لوگو! اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک آدمی ہوں)۔

اس حدیث کے تاخر زمانہ سے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام متقدم حدیثوں کی ناسخ ہے۔ ورنہ اس کے بعد کی حدیث مع وقت، ماہ، سنہ، وغیرہ بتایئے۔

الحاصل ان تمام احادیث سے آنحضرت ﷺ کا بشر ہونا ثابت ہے اور وہ بھی اس طرح کہ خود آنحضرت ﷺ اپنی زبان مبارک سے بار بار بشر فرماتے ہیں۔ اور حدیث آیت کی مفسر و ناسخ ہے اور یہاں یہ حدیثیں ان آیات بشریت کی تائید فرماتی ہیں۔

دوازدہم۔ یہ کہ حسب اصول اذا تعارضا تساقطا ایک مرتبہ کی دو حدیثیں باہم متعارض ہوں تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں۔ پس ان احادیث کے وہ معنی جو کہ واقعی ہیں، اور ہم اوپر بتا آئے ہیں، ماننا پڑیں گے تاکہ ان احادیث میں مطابقت ہو سکے۔ پس اگر ہمارے بتائے ہوئے معنی تسلیم ہوں تو بشریت ثابت، اور اگر نہیں تسلیم کرتے تو بوجہ تعارض مخالفین اور ہماری پیش کردہ احادیث ساقط۔ اور جب احادیث ساقط تو دعوی نسخ آیات باطل اور آیات قرآنی بجائے خود قائم، اور ہمارا دعوی بشریت رسول ثابت۔

سیزدہم۔ جو لوگ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں فقہ کو مانتے ہیں اور بوجہ تقلید ان پر امام کا قول ماننا واجب ہے ان کے لئے یہ جواب مخصوص ہے۔ ہر امام ہر فقیہ ہمیشہ سے انبیاء و رسل کو اور آنحضرت ﷺ کو بشر ہی کہتے آئے ہیں۔ چنانچہ تمام کتب فقہ و سیر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ صرف دو تین عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:۔

ملا علی قاری حنفی مرقاہ شرح مشکوہ میں اس حدیث: اکرموا اخاکم (اپنے بھائی کی عزت کرو) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ھو بشر مثلکم و مفرع من صلب ابیکم آدم۔ (وہ تم جیسے آدمی ہیں اور تمہارے باپ آدم کی پشت سے ہیں)

تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لانّی من البشر فاذا نسیت فذکرو نی۔ (چونکہ میں آدمی ہوں پس جب بھول

جاؤں تو یاد دلا دیا کرو)۔

فتح القدیر میں ہے:

ولکن انّما انا بشر انسی کما تنسو ن فاذا نسیت فذ کرونی (میں تو آدمی ہوں ایسے ہی بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو پس جب میں بھولا کروں تو یاد دلا دیا کرو)۔

متکلمین بھی بشریت تسلیم کرتے آئے ہیں۔شرح مواقف میں ہے:

فقوله انّما انا بشر مّثلکم یوحی الیّ ، یدلّ علی مماثلتهم بسائر النّاس فیما یرجع الی البشریة و الامتیاز با لوحی لا غیر۔(یہ فرمان ربانی انّما انا بشر مثلکم یو حی الیّ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (محمد ﷺ) صفات بشریت میں تمام آدمیوں کے مانند تھے۔صرف اتنا فرق تھا کہ ان پر وحی آتی تھی اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا)

شرح عقائد نسفی میں ہے:

الرّسول انسان بعثه اللّه الی الخلق لتبلیغ الاحکا م(رسول آدمی ہے خدا نے اسے تبلیغ احکام کے لئے مخلوق میں بھیجا)۔

شرح مقاصد میں ہے:

النّبیّ انسا ن بعثه اللّه لتبلیغ ما اوحی الیه و کذا الرّسول (نبی اور رسول انسان ہیں جو ان پر وحی آتی تھی اس کی تبلیغ کے لئے اللہ نے بھیجا تھا)۔...

❁ چہاردہم۔ مخالفین یہ دعوی کہ حضرت محمد ﷺ صورت انسانی اور جامہ بشری میں تھے لیکن وہ دراصل انسان نہ تھے بلکہ کچھ اور تھے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر یہ ہے کہ جن یا فرشتے تھے، تو غلط ہے اس لئے کہ قرآن میں صاف طور پر فرشتہ ہونے سے انکار ہے ولا اقول لکم انّی ملک ۔(میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) اور چونکہ جن بحیثیت خلقت ملائکہ ہی کی جنس سے ہیں جیسا کہ فسجد الملائکة کلّهم الّا ابلیس (پس سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مگر ابلیس) اور کان من الجنّ ففسق عن امر ربّه (کہف) (شیطان جنوں میں سے تھا پھر اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی) سے جنس کا ایک ہونا ثابت ہے، اس لئے جن ہونے سے بھی انکار ہو گیا۔ پھر اگر فرشتہ یا جن یا کچھ اور مان لیں تو بقول ملا علی قاری فانکم لن تطیقوا علی التلقین الملکی (تم فرشتہ کی تلقین میں اس کی متابعت نہ کر سکتے) انّ قوة البشریة لیست کا لقدرة الملکیّة (قوت بشری قوت ملائکہ جیسی نہیں) اور بقول بیضاوی لو کا ن من جنس الملا ئکة لصعب الامر بسببه علی النّاس (اگر جنس ملائکہ سے ہوتے تو آدمیوں پر دشواری ہو جاتی

)۔ پس رسول اللہ ﷺ کو غیر انسان ماننے میں اطیعوا الرسول،(اطاعت کرو رسول کی)، اور فاتّبعونی (میرا اتباع کرو) جیسی آیتیں بے کار ہوئی جاتی ہیں، یا ان پر عمل ناممکن ہوا جاتا ہے اسلئے کہ انسان فرشتہ یا جن یا کچھ اور کی برابری نہیں کرسکتا۔ پھر یہ کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور ان کے سوا تمام مخلوق ادون المخلوقات۔ تو اب اگر انسان کو داخل جنات ملائکہ وغیرہ کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اشرف المخلوقات کو ادنی مخلوقات میں داخل کردیا اور یہ بجائے ترقی مراتب، تنزل ہوگیا۔ پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ تمہاری مراد، کچھ اور، سے ایسی چیز ہے جو انسان سے اشرف وافضل ہو اور وہ بجز ذات باری جل جلالہ اور کیا ہوسکتی ہے۔ پس اگر ذات مراد ہے اور یقیناً یہی مراد ہے تو یہ بتایئے کہ ذات باری نے جو جسم رسول میں ظہور کیا اس کی کیا شکل ہے؟ آیا بحثییت اولاد، یا کنبہ، قرابت، یا جزء، یا کل۔ اولاد تو اس لئے غلط کہ آپ اولاد آدم ہیں اور اولاد عبداللہ بن عبدالمطلب تھے۔

پھر یہ کہ یہ وہی عقیدہ ہے جو یہود و نصاری کا تھا۔ یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے:

و قالت الیھود عزیر ن ابن اللّٰہ (توبہ)(یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے)۔

نصاری حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے

و قالت النّصاری المسیح ابن اللّٰہ (توبہ)۔(نصاری نے مسیح کو اللہ کا بیٹا کہا)۔

و قالوا اتّخذ اللّٰہ ولداً ۔(یونس)۔(ان لوگوں نے کہا اللہ کا بیٹا ہے)۔

و قالت الیھود و النّصاری نحن ابناء اللّٰہ ۔(مائدہ)۔(یہود و نصاری نے کہا ہم اللہ کے بیٹے ہیں)

بہرحال اولاد کہو یا رشتہ ناتا، ان سب کو اللہ پاک نے ردّ فرمایا ہے

۔ قل ھو اللّٰہ احد۔ اللّٰہ الصّمد ۔ لم یلد و لم یولد ۔ و لم یکن لہ کفواً احد ۔

اب اگر خدا کا جزء مانئے تو غلط، اس لئے کہ خدا کی تجزی ہوئی جاتی ہے اور تجزی باطل ہے اور کل، من حیث کل، ہمیشہ اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے اور جو چیز کسی دوسرے کی محتاج ہو، وہ خدا نہیں ہوسکتی۔ پھر یہ کہ وہ جزء الٰہی جو رسول میں آیا وہ صلب پدر و شکم مادر میں ہوتا ہوا آنحضرت ﷺ تک پہنچا۔ وہ جزء خداوندی بھی چونکہ خدا تھا اس لئے آپ نے بہت سے خدا تسلیم کر لئے، یا ہر زمانہ کا جدا گانہ خدا تسلیم کرلیا۔ پھر چونکہ وہ لوگ مشرک بت پرست تھے اور جزء خداوندی خدا ہے تو ان لوگوں کی تمام بت پرستی خدا کی بت پرستی ہوئی اور ان کا تمام شرک خدا کا شرک ہوا۔ پس کمال تعجب ہے کہ خدا خود معبود برحق ہو کر غیر معبود کو پوجے اور ہمیں اپنی پرستش کا حکم دے۔ پھر وہی جزء الٰہی آنحضرت ﷺ کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں آیا تو پھر وہی

بہت سے خدا تسلیم ہو گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی اولاد میں جس کسی نے شرک کیا اس کا وہ شرک اور بت پرستی وہی خدا کی بت پرستی ہوگئی اور یہ عقلاً محال ہے پھر اس جزء خداوندی میں کوئی رسول کی خصوصیت نہیں رہی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد میں بھی وہی جزء موجود ہے پس مخالفین کا مطلب فوت ہو گیا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ ذات باری نے صرف جسم رسول ﷺ میں حلول کیا، نہ اس سے پیشتر کسی میں نہ بعد کو، تو یہ وہی عقیدہ ہے جو نصاری کے فرقہ یعقوبیہ کا تھا۔ فخر الدین رازی مفاتیح الغیب میں لکھتے ہیں:

انّهم يقولون انّ مريم ولدت آلهتها و لعلّ معنى هذا المذهب انّهم يقولون اللّه تعالى حل في ذات عيسى و اتحد بذات عيسى۔ (وہ لوگ کہتے ہیں مریم نے خدا جنا، شائد اس مذہب کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے ذات عیسی میں حلول کیا اور ذات عیسی سے متحد ہو گیا)

تفسیر مدارک میں ہے:

انّ بعض النّصارى كانوا يقولون كان المسيح بعينه هو اللّه لان اللّه ربما يتجلى في بعض الازمان في شخص فتجلى في ذلك الوقت في شخص عيسى و لهذا كان يظهر من شخص عيسى افعال لا يقدر عليها الا اللّه۔ (بعض نصاری مسیح کو بعینہ خدا کہتے تھے اور کہتے تھے بعض زمانوں میں خدا بعض آدمیوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس زمانے میں ذات عیسی میں ظہور کیا ہے اسی لئے عیسی سے وہ افعال ظاہر ہوتے ہیں جو خدا کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتے)

تفسیر کبیر میں ہے:

بعض القوم حلولية و جوز حلول الاله في بعض الاجسام العالية الشّريفيه (بعض آدمی حلولیہ ہیں انکے نزدیک خدا کا بعض اجسام عالیہ شریفہ میں حلول درست ہے)۔

اسی بات کو اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

لقد كفر الّذين قالوا انّ اللّه هو المسيح بن مريم (یقیناً کافر ہو گئے وہ جنہوں نے کہا مسیح بن مریم ہی خدا ہے)۔

پس آپ کے اور نصاری کے عقیدہ میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ انہوں نے ذات عیسی

میں حلول مانا اور آپ نے ذات خاتم النبیین میں ۔ جو سراسر خلاف اسلام ہے ۔ اسی طرح نصیری ذات علیؓ میں اور خارجی ذات عمر فاروقؓ میں اور باطنی ہمیشہ ایک آدمی میں حلول مانتے ہیں ۔ انہی باتوں کے روکنے کے لئے انبیاء ورسل آئے ۔ اسی کے ردّ سے تمام قرآن پاک بھرا ہوا ہے ۔ پھر یہ بتائیے کہ جب خدا نے ذات خاتم النبیین میں حلول کیا تو وہ اپنی جگہ پر قائم رہا یا نہیں؟ اگر قائم رہا تو آپ نے دو خدا مان لئے اور تعدد الہٰ باطل ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل لو کان فیھا آلھۃ الّا اللّٰہ لفسد تا (اگر زمین اور آسمان میں خدا کے سوا اور اللہ ہوتے تو فساد پڑ جاتا) ۔ ...

اب یہ بات بتا دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ یہ لوگ جب عاجز آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو اقرار بشریت کیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی کسر نفسی ہے ۔ اسکے ثبوت میں ایک عبارت تفسیر کبیر کی پیش کی جاتی ہے ۔ چونکہ اس عبارت میں تحریف ہے اسلئے ہم اولاً پوری عبارت نقل کرتے ہیں:

قو لہ : ولا اقول لکم انّی ملک ۔ و معناہ انّ القوم کانوا یقولون ما لھذا الرّسول یا کل الطّعام و یمشی فی الاسواق و یتزوج و یخالط النّاس فقال تعالی قل لھم انی لست من الملا ئکۃ (یہ ارشاد کہ میں فرشتہ نہیں ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے تھے یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے بازاروں میں پھرتا ہے لوگوں سے ملتا ہے نکاح کرتا ہے، تو اللہ نے فرمایا کہہ دے کچھ میں فرشتہ نہیں ہوں) ۔

اسکے بعد لکھتے ہیں:

و اعلم انّ النّاس اختلفوا فی انّہ ما الفائدۃ فی ذکر ۔ نفی ھذہ الا حوا ل الثلاثۃ فا لقول الاول انّ المراد منہ ان یّظھر الرّسول من نفسہ التّوا ضع للّٰہ و الخضوع لہ والاعتراف بعبودیۃ حتّی لا یعتقد فیہ مثل اعتقاد النّصاری فی المسیح و القول الثّانی انّ القوم کانوا یقترحو ن منہ اظھار المعجزات القاھرۃ القویّۃ کقولھم : وقالوا لن نّؤمن لک حتی تفجرلنا من الارض ینبوعاً ۔ فقال تعا لی فی آ خر السورۃ : قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولّا ۔ یعنی لا ا دّعی ا لّا الرّسا لۃ و النبوّۃ و امّا ھذہ الامور الّتی تطلبوھا فلا یمکن تحصیلھا الّا بقدرۃ اللّٰہ فکان المقصود من ھذا الکلام اظھار العجز والضّعف وانّہ لایستقل بہ تحصیل ھذہ المعجزات

التی تطلبونها منه۔ و القول الثّالث انّ المراد من قوله لا اقول لکم عندی خزا ئن اللّٰه معناه انّی لا ادعی کونی موصوفاً بالقدرة ا لـلا ئقة باللّٰه تعالی ۔ و قوله: لا اعلم الغیب ۔ ای ولا ادعی کونی موصوفاً بعلم اللّٰه تعالی و بمجموع هذین الکلامین حصل انه لا یدعی الآلهیة ثمّ قال ولا اقول لکم انّی ملک و ذلک لانّه لیس بعد الآلهیة درجة اعلی حالاً من الملائکة فصار حاصل الکلام کانّه یقول لا ادعی الآلهیة و لا ادعی الملکیّة و لکن ادعی الرّسا لة و هذا منصب لا یمتنع حصو له لبشر فکیف اطبقتم علی استنکار قو لی و دفع دعوای ۔ (اللہ نے جو ذات رسول سے ان تین باتوں کا انکار فرمایا ہے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے ۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ اسلئے ہے کہ رسول اپنے نفس کی جانب سے اللہ کی شان میں اپنی عاجزی اور اپنی عبدیت کا اظہار کرے تاکہ رسول کے متعلق لوگوں کو وہ خیال نہ ہو جو عیسیٰ کے بارے میں ہو ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قوم معجزات تو یہ طلب کرتی تھی ۔ مثلاً کہتی تھی کہ ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک زمین سے چشمہ نہ پیدا ہو جائے ۔ اس وجہ سے آخر سورت میں اللہ نے فرمایا، کہدے میں تو رسول اور آدمی ہوں ۔ یعنی یہ باتیں جن کے تم طالب ہو، اللہ کی قدرت میں ہیں ۔ میں تو ان سے قاصر و عاجز صرف مدعی رسالت ہوں ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ میں قدرت خداوندی نہیں رکھتا ۔ میں غیب نہیں جانتا۔ اس کا مطلب یہ کہ مجھے علم الٰہی حاصل نہیں۔ ان دونوں باتوں کے انکار سے یہ نتیجہ نکلا کہ میں مدعی الہیت نہیں، میں فرشتہ نہیں ۔ یہ اس لئے کہ اللہ کے بعد ملائکہ کا درجہ ہے، تو خیال ہوتا کہ رسول فرشتہ ہے ۔ پس انکار کیا کہ میں فرشتہ بھی نہیں اور خدا بھی نہیں ۔ بلکہ میرا دعویٰ تو صرف رسالت ہے اور رسالت بشر کو ملنا کوئی امر ناممکن نہیں ۔ پھر تم میرا کہنا کیوں نہیں مانتے)

اس عبارت ہی سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مدعی کا مطلب اس سے ثابت نہیں ہوتا لیکن ہم بخیال اتمام حجت و رفع شک مختصر جواب دیتے ہیں:۔

- اول یہ کہ یہ قول بعض کا ہے نہ کہ مجمع علیہ ۔ چنانچہ اسی عبارت میں دو قول اور موجود ہیں ۔
- دوم یہ کہ اگر انکار کو کسر نفسی سمجھا جائے تو ملکیت اور علم غیب اور خزائن اللہ تینوں سے انکار کسر نفسی ہے ۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ میں تینوں موجود ہیں جو درست نہیں ہے۔

- سوم یہ کہ وجہ کسرنفسی یہ بتائی گئی ہے کہ کہیں رسول ﷺ کی نسبت وہی خیال نہ پیدا ہو جائے جو مسیح کی بابت نصاریٰ کو ہوا اور انکار بشریت کی شکل میں وہی شکل موجود ہے یعنی الوہیت۔ پس جس بات کا رد کیا گیا ہے وہی آپ نے مان لی۔
- چہارم۔ اگر یہ قول کسرنفسی ہے تو فرشتہ ہونے سے انکار بھی کسرنفی ہوا جس کے معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت ﷺ فرشتہ ہیں اس سے انکار بشریت نہ ثابت ہوا۔
- پنجم۔ کسرنفسی تسلیم کرنے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے عبد ہونے سے بھی انکار ہوتا ہے اس لئے کہ وجہ کسرنفسی عبدیت بتائی ہے۔ پس عبدیت کسرنفسی ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ آنحضرت ﷺ عبد نہیں۔
- ششم۔ اسی عبارت کے آخری دو قول اس قول کا رد کرتے ہیں۔
- ہفتم۔ یہ کہ ان عبارتوں کا مطلب ہی آپ نہ سمجھے۔ کسرنفسی سے ان لوگوں کی مراد ان کی رائے میں انکار کی غرض یا مصلحت یا غایت یا فلسفہ ہے نہ کہ واقعیت۔
- ہشتم۔ اگر یہ بات کسرنفسی من جانب رسول ہے تو جن آیات میں یا اسی میں منجانب اللہ حکم ہے وہ کس کی جانب سے کسرنفسی ہے۔ اگر منجانب رسول، تو غلط، اس لئے کہ آیات قرآنی منجانب اللہ ہیں۔ اور اگر منجانب اللہ، تو بھی غلط، اس لئے کہ اللہ کو کسرنفسی کی ضرورت نہیں۔
- نہم۔ اگر منجانب رسول کسرنفسی ہے تو وہ احادیث مثلاً:

انا سیّد ولد آدم ولا فخر (میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں)۔

انا اوّل شا فع واوّل مشفع (میں پہلا شفاعت کرنیوالا اور پہلا شفاعت قبول کیا گیا ہوں)

انا خیرھم بیتاً و خیرھم نفساً۔ (میں بہترین گھرانے کا اور بہترین ذات کا ہوں)۔

اور اسی قسم کی حدیثوں میں کسرنفسی کیوں نہیں؟ پس معلوم ہوا کہ یہ کسرنفسی نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے۔

- دہم۔ اگر کسرنفسی منجانب رسول ﷺ ہے، تو جس بات کا کسرنفسی سے انکار کیا ہے وہ بات سچ اور واقعی ہے یا نہیں؟ اگر سچ ہے، اور یقیناً سچ ہے، تو ہمارا دعویٰ بشریت ثابت ہے۔
- یازدہم۔ اگر کسرنفسی منجانب اللہ ہے اور بات سچی ہے، تو بشریت رسول ثابت ہے۔

اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ مثل دیگر انبیاء و رسل کے بشر تھے اور جملہ صفات ولوازم بشریت سے متصف، مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا، شادی وغم، ابوت، نبوت، اخوت، آپ میں موجود تھیں۔

☆ بحث عبدیت

آپ ﷺ بھی مثل دیگر انبیاء کے اللہ تعالیٰ کے بندے تھے چنانچہ جا بجا اللہ پاک نے لفظ عبد (بندے) کے ساتھ خطاب فرمایا ہے:

و ان کنتم فی ریبٍ مّمّا نزّلنا علی عبد نا (بقرہ)۔(اگر تم اس سے مشکوک ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے)؛

سبحان الّذی اسری بعبدہ (بنی اسرائیل) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا)۔

و ما انز لنا علی عبد نا (انفال) (اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے)۔

اسی طرح دیگر انبیاء کی نسبت ارشاد فرمایا:

و اذکر عبدنا ایّوب (سورہ ص)۔(ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو)،

و اذ کر عبد نا داؤد (ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو)۔

لن یّستنکف المسیح ان یکون عبداً للّٰہ ولا الملائکۃ المقرّبون ومن یّستنکف عن عبادتہ ویستکبرفسیحشرھم الیہ جمیعاً (نساء) (مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہ کرے اور نہ فرشتے مقرب اور جو کوئی کنیاوے اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا)۔

فاوحی الی عبدہ ما او حی ۔(النجم)۔(پس وحی بھیجی اپنے بندے کی طرف جو کچھ وحی بھیجی)۔

غرض کہ تمام انبیاء و رسل کو، خواہ انسان ہوں یا فرشتہ، لفظ عبد بندے کے ساتھ پکارا ہے۔ اسی طرح دیگر لوگوں کو عباد اللّٰہ (اللہ کے بندے)، عبادی (میرے بندے) کہہ کر پکارا ہے۔ بعض لوگ عبادی سے مراد حضرت محمد ﷺ کے بندے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رسول کے بندے ہیں ۔اسی بنا پر یہ لوگ عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ نام رکھتے ہیں۔ اس کا جواب:

- پہلا یہ ہے کہ اللہ پاک نے جگہ جگہ عباد اللّٰہ ، عباد الرّحمٰن فرمایا ہے۔ پس جہاں کہیں بھی عبادی آیا ہے اس سے اللہ کے بندے مراد ہیں، نہ کہ رسول کے، ورنہ مدعی ثبوت پیش کرے۔
- دوسرا یہ ہے کہ قل کے بعد ہر قول اصلاً اللہ پاک کا مقولہ ہوتا ہے اور بعض قول تبعاً مقولہ

انبیاء۔ پس عبادی سے مراد ہمیشہ اللہ کے بندے ہوں گے۔

تیسرا، اگر عبادی کے معنی رسول کے بندے لئے جائیں تو دوسری آیتوں کے خلاف پڑتے ہیں۔ ان کلّ من فی السّماوات و الارض الّا آتی الرّحمن عبداً (مریم)(جو کوئی بھی زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کے سامنے بندے ہو کر آئیں گے)۔ اس آیت میں سب کو اللہ کا بندہ بتایا اور مخالفین رسول کا بندہ بتاتے ہیں۔ اب مخالفین کا قول سچا مانا جائے یا اللہ کا۔

مشکوۃ شریف میں ہے:

انّی آکل کما یأکل العبد (میں کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے)۔

مسلم شریف میں ہے:

یا عبادی کلّکم جائع الّا من اطعمته فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلّکم عار الّا من کسوته فاستکسو نی اکسکم (اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو لیکن جسے میں پہناؤں، پس مجھی سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا)

یہ حدیث قدسی ہے اس کے اندر اور بھی اسی قسم کے ٹکڑے ہیں۔

مثلاً یا عبادی کلّکم ضال الّا من هدیته فاستهدونی اهد کم۔ یا عبادی کلّکم تخطئو ن باللیل و النهار و انا اغفر الذّنوب جمیعاً فاستغفرونی اغفر لکم۔ یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی و لن تبلغوا نفعی فتنفعونی ۔(اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، مگر میں جسے ہدایت کروں پس مجھ سے ہدایت مانگو میں ہدایت کرونگا۔ اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہ بخشوں گا، مجھ سے مغفرت چاہو میں بخشوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب نہ مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان)۔

اور اسی قسم کے الفاظ اس حدیث قدسی میں ہیں اور حدیث قدسی وہ ہے جس میں فرمان ربانی کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب اللہ کے بندے ہیں، کوئی رسول کا بندہ نہیں۔

چوتھا، اللہ پاک فرماتا ہے و ما ارسلنا من قبلک من رسولٍ الّا نوحی الیه انّه لا اله الّا انا فاعبدون ۔(ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب پر وحی آتی تھی کہ میں ہی اللہ ہوں میری ہی عبادت کرو)۔ مخالفین کے اصول کے موافق یہ معنی ہوئے کہ: میں (محمد) اللہ ہوں میری (محمد) ہی عبادت

کرو۔ حالانکہ آیت کے وہ معنی ہیں جو ہم نے لکھے ہیں اور یہ کل مقولہ اللہ کا رہا۔

پانچواں ۔قرآن شریف میں ہے یا عبادی الّذین آمنوا انّ ارضی واسعة فایّا ی فاعبدون (عنکبوت)۔(اے میرے بندو میری زمین وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو)۔ اگر عبادی، ارضی، ایّای، میں سب کی ی، رسول اللہ کی طرف منسوب ہو، تو آیت کے یہ معنی ہوں گے: مجھ (محمد) کی زمین وسیع ہے۔ پس مجھ (محمد) کی عبادت کرو۔ ابھی تک تو ہمیں خیال تھا کہ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ لوگ رسول کی عبادت کرتے ہیں۔

چھٹا۔ قرآن میں ہے: ان تعذّ بھم فانّھم عبادك ۔(اگر تو ان پر عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں)۔ و ھو الّذی یقبل التّوبة عن عباده (شوری) (وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے)۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ سب اللہ ہی کے بندے ہیں۔

ساتواں۔ ایّاك نعبد و ایّاك نستعین ۔(ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)۔ اس میں عبادت کو ذات باری سے خاص کر دیا گیا اور عبادت کے معنی طاعت مع ذلت ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے: و العبادة الطّاعة مع التّذ لل ۔اور عبد کے معنی ذلیل ہیں جیسا کہ معالم التنزیل میں ہے: و یسمّی العبد عبداً لذلّته و انقیاده (بندہ کو بندہ اس کی ذلت وفرمانبرداری کی وجہ سے کہتے ہیں)۔ اب یہاں لفظ نعبد کو خواہ عبادت سے لیں، خواہ عبودیت سے جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے: قوله نعبد یحتمل ان یکون من العبادة و من العبودیة، دونوں صورتوں میں ماننا پڑے گا کہ جس کی عبادت کی جائے وہ معبود ہے۔ پس اسکا مقابل عبد ہے اور ہر شخص خواہ عابد ہو یا نہ ہو، اللہ کے مقابلہ میں ذلیل ہے۔ پس وہ عبد ہے اور اللہ معبود۔

انکم و ما تعبدون من دون اللّه حصب جھنّم انتم لھا واردون ۔(انبیاء)۔ (تم اور تم جس کی عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا سب دوزخ کا ایندھن ہیں جس میں جھونکے جاؤ گے)۔

اس آیت کے مطابق آپ کا اور آپ کے معبودان باطل کا کیا حشر ہونا چاہیے ۔ انبیاء وصلحاء تو وہی جواب دے کر بچ جائیں گے جو حضرت عیسیٰؑ نے دیا:

ان کنت قلته فقد علمته (مائدہ) (اے خدا ۔اگر میں ان سے اپنی عبادت کیلئے کہا ہو، تو تو خوب جانتا ہے)

مگر پوجنے والوں کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ ہاں اسی کے ساتھ مخالفین کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ عبد و معبود کے سوا ایک تیسری چیز بھی ہے جو عبد بھی ہے اور معبود بھی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے

بندے ہیں اور آپ رسول ﷺ کے۔ پس رسول عبد بھی ہوئے اور معبود بھی۔

آٹھواں۔ سورہ آل عمران میں ہے:

ما کان لبشرٍ ان یؤتیه اللّٰه الکتاب والحکم و النّبوّة ثمّ یقول للنّاس کونوا عباداً لی من دون اللّٰه (کسی آدمی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت دے، پھر وہ اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ کہے)۔

پس ثابت ہوا کہ کوئی ولی، رسول، نبی کسی کو اپنا بندہ نہیں کہہ سکتے، نہ کبھی کسی نے کہا۔

نواں۔ مسلم شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ لا یقولن احد کم عبدی و امتی کلّکم عبید اللّٰه و کلّ نساء کم اماء اللّٰه ۔(فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کوئی شخص اپنے غلاموں کو اور لونڈی کو۔ میرا بندہ، اور میری بندی نہ کہے کیونکہ سب مرد اللہ کے بندے اور سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں)

دسواں۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے:

عن النّبیّ ﷺ قال لمّا و لدت حواء طاف بها ابلیس و کان لا تعیش لها ولد فقال یسمّیه عبد الحارث فانّه یعیش فسمّته فعاش فکان ذلک من و حی الشّیطان و اللّٰه ۔(فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حواء کی اولاد نہ جیتی تھی۔ جب ایک بار بچہ ہوا تو شیطان نے کہا اس کا نام عبد الحارث رکھو یہ بچہ زندہ رہے گا۔ پس اس کا نام عبدالحارث رکھا، وہ بچہ زندہ رہا لیکن بخدا شیطان کی طرف سے یہ خیال پیدا کیا گیا تھا)۔

اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا اور ابویعلی، ابن جریر، ابی حاتم ردیانی، طبرانی ابوالشیخ، حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی جانب نسبت عبدیت کرنا تعلیم شیطانی ہے۔ برخلاف اس کے خدا و رسول خدا ﷺ کے نزدیک محبوب ترین اسماء عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

مسلم شریف، مسند احمد، ابوداؤد میں ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ ان احبّ اسمائکم الی اللّٰه عبد اللّٰه و عبد الرحمن ۔

لیکن جن لوگوں پر شیطان مسلط ہے وہ تو اس کے خلاف کریں۔

ملا علی قاری حنفی منح الازہر میں لکھتے ہیں:

امّا التّسمیة بعبد النّبیّ فظاهره کفراً الّا ان یّراد به معنی المملوك

(عبدالنبی نام رکھنا ظاہراً کفر ہے مگر یہ کہ اس سے (بجائے عبدیت) مِلک مراد لی جائے)۔

ابن حجر، تحفہ میں لکھتے ہیں:

و یحرم ملک المملوک لانّ ذلک لیس لغیر اللّٰہ و کذا عبد النّبی و الکعبۃ او الدّار او علی او الحسین لایھا م التشریک (بندے کو بندے کی مِلک کہنا حرام ہے اس لئے کہ مالک تو اللہ ہی ہے۔ ایسا ہی عبدالنبی، عبدالکعبہ، عبدالدار، عبدعلی، عبدالحسین، اس لئے کہ ان میں ایہام شرک ہے)۔

علامہ زین الدین فتح المعین میں لکھتے ہیں:

و یحر م التّسمیۃ بملک المملوک و قاضی القضا ۃ و کذا عبد النّبی (ایسا نام رکھنا جس میں بندے پر بندے کی مِلک ثابت ہو، یا قاضی القضاۃ اور عبدالنبی، حرام ہے)۔

نصاب الاحتساب میں ہے و یحتسب علی من فعل التّسمیۃ باسم لم یذکرہ اللّٰہ تعا لی فی کتابہ و لا نبیّہ فی سنّتہ و لا سبقہ المسلمون ۔ (جو شخص ایسے نام رکھے جن کو اللہ پاک نے نہیں فرمایا، یا جو حدیث میں نہیں، یا جو پہلے مسلمانوں نے نہیں رکھے، اس پر خدا کے یہاں باز پرس ہوگی)

بعض لوگ یہ بات کہا کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے عبد یا بشر کہا تو ہمیں کیا حق ہے جو ہم کہیں، باپ اگر بیٹے کا نام لے تو لے، بیٹے حرام زادے کو نام لینے کا کیا حق ہے۔ اس کا جواب:

- اول: یہ کہ اللہ کو اللہ، رسول کو رسول بھی اللہ ہی نے کہا ہے۔ پھر تمہیں کیا حق ہے جو اللہ کو اللہ اور رسول کو رسول کہتے ہو۔
- دوم۔ یہ کہ اگر بشر یا عبد، ذلت ہے تو تمام انبیاء عباداللہ آپ کے نزدیک ذلیل ہوں گے۔
- سوم۔ یہ کہ بشر کو بشر کہنا اور عبد کو عبد کہنا اگر ان کی توہین ہے تو اللہ کو اللہ، اور معبود کو معبود کہنا، فرشتوں کو فرشتہ، جن کو جن، حور کو حو، غلمان کو غلمان، انسان کو انسان کہنا ان کی توہین ہے۔
- چہارم۔ قیام دنیا سے اس وقت تک یہی طریقہ ہے کہ بیٹا باپ کو باپ، اور باپ بیٹے کو بیٹا کہتا چلا آیا ہے۔ آپ طریقہ بدلوا دیجئے کہ آئندہ سے بیٹے کو باپ اور باپ کو بیٹا کہا جائے۔
- پنجم۔ ہمیشہ سے ہر شخص اپنے نام کے ساتھ بن فلاں، ولد فلان، فلاں کا بیٹا کہتا اور لکھتا چلا آیا ہے۔
- ششم۔ تمام کتب احادیث اور قرآن میں موجود ہے کہ سارے انبیاء اور آنحضرت ﷺ اپنے

آپ کو بشر رسول عبد کہتے آئے ہیں اس قسم کی حدیثیں کچھ اوپر گزر چکی ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن میں ہے:

یاابت لا تعبد الشّیطا ن۔ مریم۔ (اے باپ شیطان کو نہ پوج)۔

احادیث میں ہے:

انا محمّد بن عبد اللّه بن عبدالمطلب (میں محمد بیٹا عبداللہ بیٹے عبدالمطلب کا ہوں)

انا النّبیّ لا کذ ب انا ابن عبدالمطلب۔ (میں سچا نبی ہوں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں)۔

محمّد بن عبد اللّه عبده و رسوله (محمد، عبداللہ کا بیٹا، اللہ کا بندہ اور رسول ہوں)۔

ان سے معلوم ہوا کہ باپ اور دادا کا نام لینا بھی سنت نبوی ہے۔

ہفتم۔ کتب احادیث و سیر میں بہت سی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور ازواج مطہرات نے آنحضرت ﷺ کا نام لیا ہے، عبداللہ اور رسول بھی کہا ہے۔ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں من زعم انّ محمداً رأى ربّه (جس نے گمان کیا کہ محمد ﷺ نے اللہ کو دیکھا)۔ ومن زعم انّ محمداً کتم شیئاً (اور جس نے گمان کیا کہ محمد ﷺ نے کچھ چھپایا)۔ و لو کا ن محمّد کا تماً شیئاً (اور اگر محمد ﷺ کچھ چھپاتے)۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت مسروق حضرت عائشہؓ سے سوال کرتے ہیں هل ر أى محمّد ربّه (کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے) حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت میں جو سب سے پہلا خطبہ دیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں من کان یعبد محمّداً فا ن محمّداً قد مات (جو کوئی محمد ﷺ کو پوجتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ یقیناً فوت ہو گئے)

ہشتم۔ سب مسلمان ہر نماز میں اشهد ان محمّداً عبده و رسوله پڑھتے ہیں۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔

حاصل کلام یہ کہ ہر مخلوق نبی رسول فرشتہ انسان جن حور و غلمان سب اللہ کے بندے ہیں اور عبادت اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے۔

☆ بحث اخوت

مشکوۃ شریف میں بروایت احمد ہے:

اعبدوا ربّکم و اکر موا ا خاکم (عبادت کرو اللہ اور اکرام بھائی کا)

یہاں بھائی سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ تقویۃ الایمان میں مولوی اسماعیل شہیدؒ نے اسی حدیث

کے ذیل میں فائدہ لکھا ہے:

یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اسکو چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام، امامزادے، پیر، شہید جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو انکی تابعداری کا حکم کیا ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں، سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے، نہ خدا کی سی۔

اس پر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بڑا بھائی کہہ دیا اور ان کی تعظیم بڑے بھائی کے برابر کر دی۔ اس کے چند جواب ہیں:۔

- اول یہ کہ شاہ اسماعیل نے رسول اللہ ﷺ کا نام بھی نہیں لیا، آپ اپنی طرف سے اضافہ کرنیوالے کون؟
- ثانی یہ کہ جب حدیث میں لفظ اخ (بھائی) آیا ہے تو کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے۔
- ثالث یہ کہ رشتے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک نسبی یا حقیقی۔ یہ تو وہ ہیں جو باپ بیٹے بہن بھائی ماں باپ وغیرہ میں ہوتے ہیں جیسے حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی بیٹی، یا حضرت ابراہیمؑ آپ کے بیٹے، حضرت حمزہؓ وعباسؓ آپ کے چچا۔ یہ تمام رشتے تو انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسرا اپنی جانب منسوب کر لے تو غلطی ہے۔ دوم وہ رشتے جو مجازی ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔ دنیاوی اور دینی۔ دنیاوی وہ کہ آپس میں مواخات بھائی چارہ کر لیا جائے جیسے منہ بولے بھائی۔ ایک استاد کے دو شاگرد۔ دینی وہ کہ بسبب اسلام مواخات کی گئی ہو یا ہوگئی ہو۔ یہ رشتے ایسے ہیں جن کو ہر شخص استعمال کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

اور یہ تمام رشتے کا براً عن کا برٍ استعمال ہوتے رہے ہیں سورہ یوسف میں ہے:

كما اتمّها على ابو يک من قبل ابرا هيم و اسحاق (جیسا کہ اتمام کیا پیشتر ازیں تیرے باپوں ابراہیم واسحاق پر)۔

ملّة آبائی ابراهيم واسحاق و يعقوب (ملت میرے باپوں ابراہیم واسحاق و یعقوب کی)،

حالانکہ حضرت یوسفؑ کے باپ کا نام یعقوبؑ تھا اور تمام انسان اولاد آدم ہونے کی حیثیت سے باہم دگر رشتہ دار اور بھائی ہیں۔

شعب الایمان بیہقی اور مسند احمد میں ہے:

کلّکم بنو آدم طف الصّاع بالصّاع لم تحلوہ لیس لا حد علی ا حد فضل ا لاّ بد ین و تقوی (تم سارے کے سارے آدم کے بیٹے ہو، سواء بسواء کسی کو کسی پر زیادتی نہیں مگر دین وتقوی کی)۔

حضرت آدم کو ابوالبشر ابوالانسان کہا گیا ہے۔

اخوت دینی۔ بخاری ومسلم میں ہے:

ا لانبیاء ا خوۃ من علات و امّھاتھم شتی و دینھم وا حد ۔(انبیاء علاتی بھائی ہیں مائیں ان کی چند ہیں اور دین ان کا ایک ہے)۔

مسلم شریف میں ہے:

المؤمنون کرجل وا حد (سب مسلمان مثل ایک آدمی کے ہیں)۔

قرآن مجید میں ہے:

فاخوا نکم فی الدّین (تمہارے دینی بھائی)۔

انّما المؤمنون ا خوۃ (سب مسلمان بھائی ہیں)۔

ر بّنا اغفر لنا و لاخوا ننا الّذین سبقونا بالایمان (حشر)(اے رب ہمیں اور ہمارے ان مومن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے تھے بخش دے)۔

اور جس طرح مسلمانوں کو باہم بھائی کہا ہے اسی طرح کفار ومنافقین کو بلحاظ دین آپس میں بھائی کہا گیا ہے۔سورہ حشر میں ہے:

الم تر الی الّذین نافقوا یقولون لاخوا نھم الّذین کفروا من اھل الکتا ب (کیا تو منافقوں کو نہیں دیکھتا جو اپنے ان بھائیوں سے کہتے ہیں جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں)۔

سورہ آل عمران میں ہے:

فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته ا خوا ناً ۔(تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے)۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

انّما المؤمنون اخوۃ من حیث انّھم منتسبون الی اصل وا حد و ھو الایمان (سب مسلمان بھائی ہیں اس حیثیت سے کہ سب کے سب ایک جڑ کی طرف منسوب

ہیں اور وہ جڑا ایمان ہے)۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اہل لغت کے نزدیک اخوۃ وہ بھائی ہیں جو بسبب نسب کے ہوں اور اخوان وہ بھائی ہیں جو بسبب دوستی کے ہوں۔ پس اللہ نے اخوۃ تاکیداً فرمایا۔ مسلم شریف کی دو حدیثوں میں آیا المسلم اخو المسلم۔ (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے)۔ مسلم میں ہے:

اتی رسول اللّٰہ ﷺ الی المقبرۃ فقال السّلام علیکم دار قوم مومنین و انا انشاء اللّٰہ بکم لاحقون وددت انا قد رأئینا اخواننا قالوا او لسنا اخوانک یا رسول اللّٰہ ﷺ قال انتم اصحابی و اخواننا الّذین لم یاتوا بعد (رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا تم پر سلام ہو اے دیار مومنین والو اور خدا نے چاہا تو ہم تم سے ملیں گے میری آرزو ہے کاش ہم سب اپنے ان بھائیوں کو دیکھتے جو بعد میں آئیں گے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں، آپ نے فرمایا تم میرے مصاحب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد میں آئیں گے)۔ (صحیح مسلم۔ حدیث نمبر ۲۴۹)۔

اسی مضمون کی چند حدیثیں جمع الجوامع میں جلال الدین سیوطی لائے ہیں اور شیخ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ کے پانچویں باب میں لکھا ہے:

فنحن الاخوان و هم الاصحاب (پس ہم بھائی ہیں اور وہ مصاحب)۔

فتح الباری میں ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ لزید بن حارثه انت اخونا و مولانا (اے زید تم ہمارے بھائی اور مولا ہو)۔

مسند ابن ابی شیبہ میں ہے:

قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یا لیتنی لقیت اخوانی قالوا یا رسول اللّٰہ ﷺ او لسنا اخوانک۔ قال بلی و لکن قوم یجیئون من بعد کم یومنون بی ایمانکم و یصدقون بی تصدیقکم و ینصرونی نصرکم فیا لیتنی قد لقیت اخوانی۔ (فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کاش میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں۔ فرمایا ہاں، لیکن تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو مجھ پر تمہارا ہی سا ایمان لائے گی اور تمہاری ہی سی تصدیق کرے گی اور تمہاری ہی مانند میری مدد

کرے گی کاش کہ میں ان بھائیوں سے ملتا)۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عروۃ انّ النّبیّ ﷺ خطب عائشه الی ابی بکر فقال له ابوبکر انّما انا اخوك ۔ فقال انت اخی فی دین اللّٰه وکتابه و ھی لی حلال ۔(نبی ﷺ نے عائشہ کے نکاح کا ابوبکر کو پیغام دیا ابوبکر نے کہا میں تو آپ کا بھائی ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے دینی بھائی ہو اور وہ میرے لئے حلال ہے)۔

فتح الباری اور قسطلانی میں ہے:

و ھی لی حلال نکاحھا لانّ الاخوۃ الما نعة من ذلك اخوۃ النّسب و الرّضاع لا اخوۃ الدّین (عائشہؓ سے نکاح میرے لئے حلال ہے اس لئے کہ اخوت مانعہ نکاح اخوت نسب و رضاعت ہے نہ کہ اخوت دینی)۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ایک تو آنحضرت ﷺ کا مسلمانوں کو بھائی کہنا ،دوسرے مسلمانوں کا آنحضرت ﷺ کو بھائی کہنا اور آنحضرت ﷺ کا اقرار فرمانا۔پس اگر کسی مسلمان نے اسی بنا پر آنحضرت ﷺ کو بھائی کہدیا، یا اب کہدے،تو گردن زدنی کیوں ہے؟ حدیث عروہ جو اوپر گذری مرسل ہے اور چونکہ مرسل حنفیہ کے نزدیک حجت ہے اسلئے ان کے مقابلہ میں اس کا پیش کرنا اصول مناظرہ کے خلاف نہیں۔ نیز ہمارا دعوی آیات و احادیث سے ثابت ہے پس یہ حدیث ان کی او رموید ہوگی۔

اب یہ بات کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے فقرے میں عموم ہے اس کے اندر ہر دنیا دار گنہگار شامل ہوسکتا ہے ،اسی طرح ہر نبی اور رسول۔پس ہم ذلیل وخوار کیونکر بھائی بن سکتے ہیں۔ اس کا جواب:

- اول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بانی شریعت آپ سے زیادہ تعظیم وتکریم واحکام کو جانتے تھے اس زمانے کے قوی وضعیف الایمان مسلمانوں کو بھی جانتے تھے۔پھر جب خود انہوں نے بھائی فرمایا اور دوسروں کے بھائی کہنے پر اعتراض نہ کرتے ہوئے بھائی ہونے کا اقرار فرمایا،تو اب آپ کا اعتراض شارع ﷺ پر اعتراض ہے۔نہیں تو ہر مسلمان کو بھائی کہنے کا حق شرعاً حاصل۔
- ثانی۔ آیات قرآنی فاخوانکم فی الدّین اور انّما المومنون اخوۃ میں بھی عموم ہے ان میں بھی انبیاء ورسل اور ہر مسلمان گنہگار داخل ہے۔
- ثالث۔ہم تو مسلمان ہیں،قرآن مجید میں کافروں کا بھائی انبیاء ورسل کو کہا گیا ہے۔

بخاری ومسلم میں ہے:

و کونوا عباد اللّٰہ اخوانا (ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی)۔

یہاں تو اسلام کی بھی قید نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا (آل عمران) (پس تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اسلئے تم اسکی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے)۔

فان تابوا واقاموا الصّلوۃ وآتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین (توبہ) (اگر وہ توبہ کر لیں، نماز پڑھیں، زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں)۔

سورہ اعراف میں فرمایا:

والی عادٍ اخاھم ھوداً (قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو)۔

والی ثمود اخاھم صالحاً (قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو)۔

والی مدین اخاھم شعیباً (مدین میں ان کے بھائی شعیب کو)۔

اور یہی تینوں آیتیں بحرفہ سورہ ہود میں بھی آئی ہیں۔ دیکھئے ان نبیوں کو اللہ نے کافروں کا بھائی کہا ہے۔

سورہ شعراء میں ہے:

اذ قال لھم اخوھم نوح (جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا)۔

اذ قال لھم اخوھم صالح (جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا)۔

اذ قال لھم اخوھم ھود (جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا)۔

اذ قال لھم اخوھم لوط، (جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا)۔

سورہ مومنون میں ہے:

فارسلنا رسولاً منھم (پس ہم نے ان میں رسول بھیجا انہی میں سے)۔

آنحضرت ﷺ کے لئے ہے:

لقد جاءکم رسول من انفسکم (تمہارے پاس تمہارے ہی نفوس میں سے رسول آیا)

اسی طرح جابجا رسولاً مّنکم (تم میں سے رسول) اور رسولاً مّنھم (ان میں سے رسول آیا ہے)۔ پس جب کہ انبیاء کو کفار کا بھائی کہا گیا ہے تو مسلمانوں کا بھائی کہنا کیوں نا درست ہے۔

رابع۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک حدیث ہے کہ جب بدر کے قیدی آئے اور آپ ﷺ نے ان کی نسبت مشورہ فرمایا تو صحابہ سے فرمایا:

و انّما ھم اخوانکم بالامس (وہ کل والے تمہارے بھائی ہیں)۔

پس حدیث میں بھی مسلمانوں کو کافروں کا بھائی کہا گیا۔

❁ خامس۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے فنحن الاخوان و ھم الاصحاب (ہم بھائی ہیں اور وہ مصاحب ہیں)۔ پس اول شیخ محی الدین ابن عربی پر تبرا کیجئے پھر مولوی اسماعیل کی جانب متوجہ ہوجیے۔ ایں گناہیست کہ درشہر شما نیز کنند۔

❁ سادس۔ جو لوگ داخل اسلام ہوتے تھے ان میں کسی کا بھائی، کسی کا لڑکا، کسی کا باپ، کافر ہوتا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ کے کئی اعمام اور دیگر عزیز کافر رہتے تھے مگر بوجہ کفر وہ قرابت یا رشتہ داری سے خارج نہ ہوتے تھے بلکہ انہی رشتوں سے پکارے جاتے تھے جیسا کہ عبارات احادیث سے ثابت ہے۔ یا اس وقت کوئی شخص مسلمان ہوجائے تو کیا اس کے والدین اور بہن بھائی اس رشتہ سے خارج ہوجائیں گے؟

❁ سابع۔ اگر آپ کا بھائی یا لڑکا نواب بادشاہ یا عابد وزاہد ولی اللہ امام مجتہد اور تمہارے مذہب کے موافق نبی ہوجائے جیسا کہ جواہر غیبی میں لکھا ہے:

نبوت و رسالت منقسم بر دو قسم است، قسمی تعلق بہ تشریع دارد کہ آں اوامر و نواہی ست از جناب حق تعالی بر خلق بواسطی انبیاء و آن انقطاع پذیرفت۔ و قسمی دیگر خبر دادن از حقائق جناب الٰہی و اسرار غیب و اظہار اسرار عالم ملک و ملکوت و کشف اسرار ربوبیت سے و آن منقطع نمی گردد و آنرا انباء گویند (نبوت و رسالت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جس کا تعلق شرع سے ہو یعنی اوامر و نواہی خداوندی جو حق کی جانب سے مخلوق کو ہیں، وہ ختم ہوگئی۔ اور دوسری قسم حقائق الٰہی و اسرار غیب اور دیگر حالات ربوبیت۔ یہ قسم ختم نہیں ہوئی)۔

آئینہ حقائق نما میں بھی نبوت کی دو قسمیں کی ہیں ایک تشریعی، دوسری تعریفی۔ پھر لکھا ہے:

و نبوت تشریعی ختم بحضرت رسالت پناہ ﷺ فاما تعریفی کہ لازمہ ولایت مطلق است باقی است تا دور خاتمہ ولایت محمد مہدی (نبوت تشریعی تو حضرت رسالت پناہ ﷺ پر ختم ہوگئی اور نبوت تعریفی جو کہ ولایت مطلق کا لازمہ ہے ولایت محمدیہ کے خاتمہ تک باقی رہے گی)۔

تو کیا یہ شخص آپ کے بھائی یا لڑکا ہونے سے خارج ہوجائے گا نہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ بطور فخر بار بار اظہار کریں گے اور دن رات یہی ہوتا ہے کہ جس کو ترقی مراتب حاصل ہوتی ہے دنیا دار فخریہ اس کے سالے بنتے ہیں اور غریب کے بہنوئی بھی نہیں بنتے۔ پس اگر کسی مسلمان نے فخریہ یا فرط محبت سے یا مثال کے طور پر بھائی کہہ دیا تو کیا برا کیا۔

ثامن۔ ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے:

ہر مسلمان خواہ وہ گنہگار جواری شرابی زانی چور ہو، تارک الصلوۃ ہو، خواہ عابد وزاہد صوفی و ولی یا نبی ہو، بحیثیت ایمان سب برابر ہیں۔ نہ کسی کو ذرہ برابر کسی پر فوقیت، نہ کسی کو ذرہ برابر کسی سے کمی۔

اسی مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر اور اسی مساوات کا خیال کر کے بھائی لکھا ہے تا کہ آپ لوگوں کی تعریض ہو۔ اور جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ یا رسول نے بھائی کہا تو تمہیں کیا حق ہے؟ جواب وہی ہے کہ اللہ کو اللہ، رسول کو رسول بھی انہوں نے ہی کہا ہے اور لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کو بھائی کہا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھائی ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حادیث سے ثابت ہوا، پھر کسی کو کیا حق ہے کہ اس سے منع کرے۔

یہی لوگ ایک یہ بات بھی کہا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کو بڑے بھائی کے برابر کر دیا۔ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی والدین کے متعلق فرماتا ہے:

فلا تقل لهما افّ ولا تنهرهما و قل لّهما قولاً کریماً و اخفض لهما جناح الذّل من الرّحمة (بنی اسرائیل) (ان دونوں سے اف بھی نہ کرو، نرم لہجہ میں بات کرو اور فرمانبردار رہو)۔

سنن ابن ماجہ میں ہے:

انّ رجلاً قال یا رسول اللّه ما حق الوالدین علی ولدهما؟ قال هما جنتک و نارك۔ (ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ بیٹے پر والدین کے کیا حقوق ہیں؟ فرمایا وہ تیری جنت ہیں اور تیری دوزخ ہیں)۔

مطلب یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری وخوشنودی میں جنت ہے، نافرمانی میں جہنم۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

عن ابی اسید الساعدی قال بین نحن عند رسول اللّه ﷺ اذ جاءه رجل من بنی سلمة فقال یا رسول الله هل بقی من برابویّ شیء ابرهما بعد موتهما قال نعم الصلوة علیهما و الاستغفار لهما و انفاذ عهدهما من بعدهما و صلة الرّحم الّتی لا توصل الا بهما و اکرام صدیقهما۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۵۱۴۲)۔ (ابواسید ساعدی نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ ایک آدمی بنی سلمہ سے آیا اور پوچھا کہ اے رسول اللہ ﷺ کیا والدین کے مرنے کے بعد کوئی بات باقی

رہی ہے جو انکے ساتھ نیکی ہو۔آپ نے فرمایا، ہاں ان کیلئے دعا واستغفار۔انکے بعد انکے عہد کو پورا کرنا انکے رشتہ داروں سے صلہ رحم ان کے دوستوں سے اکرام)

ایک حدیث میں ہے: الجنّة تحت اقدا م امها تکم۔ (تمہاری ماؤں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے)۔ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں لوگوں کوصرف خدمت والدین کی وجہ سے جہاد جیسے فرض سے روک دیا ۔غرض کہ والدین کی وہ تعظیم وتکریم بتائی گئی جو خدا کے بعد کسی نہیں۔

اس کے بعد آپ اس حدیث کو ملاحظہ فرمایئے جو سنن ابوداؤد میں ہے:

حق کبیر لا خوة علی صغیر هم کحق الوا لد علی الولد(بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ باپ کا بیٹے پر)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑے بھائی کی وہی توقیر ہے جو باپ کی ہے۔اب نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت ﷺ کی بھی تعظیم انتہائی تعظیم چاہیے، نہ ایسی کہ خدا کے برابر کر دیا جائے۔ لوگ ناحق مولانا اسماعیل کی جانب بسوءظن کرتے ہیں، انکا مقصد تو جاہلوں کو سمجھانا تھا کہ جس طرح تم باپ یا بڑے بھائی کی توقیر وتعظیم کرتے ہو،اسی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہر وقت ادب تہذیب لحاظ برتو۔محبت والفت رکھو ۔مولانا کا وہ مطلب نہ تھا جو مخالفین نے ظاہر کیا ہےان کا تو وہی مطلب تھا جو ان کی عبارت سے ظاہر ہے : ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنا چاہیے نہ کہ خدا کی سی۔۔ اور یہی دکھتی رگ ہے اس لئے کہ انسان کہہ دیا اورانسانوں کی سی تعظیم کی ہدایت کی۔..خدارا انصاف سے بتایئے کہ جو جاہل خدا اور رسول کو نہیں جانتے، ادب تمیز کو نہیں پہچانتے، تو ان لوگوں کے سمجھانے کے لئے بھائی سے زیادہ بہتر اورمناسب مثال کون سی ہوسکتی ہے؟

جب مخالفین لا جواب ہوتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا بھائی کہنا آپ کی کسر نفسی تھی۔اس کا جواب یہ ہے کہ خود کہنا کسر نفسی تھی تو اور مسلمانوں کے بھائی کہنے میں توہین کیوں نہ ہوئی؟ اس کا کیوں اقرار فرمایا۔..اے بندگان خدا! وہاں تو جو بات تھی وہ سچی اور واقعی تھی نہ کبھی خلاف واقع کسر نفسی تھی نہ تعلیٰ۔ مخالف ایک اور بات کہا کرتے ہیں، وہ یہ کہ حدیث میں تو بھائی آیا ہے، مولانا نے بڑا بھائی کیوں لکھا۔ جواب یہ ہے کہ مولانا نے ترجمہ حدیث میں بھائی ہی لکھا ہے اور فائدہ میں بڑا بھائی لکھا ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہاگر چھوٹا لکھتے تو نقص ہوتا اورصرف بھائی پر تو آپ نے شور مچا دیا اس وجہ سے بھائی بھی نہیں لکھا بلکہ حفظ مراتب کی وجہ سے بڑا لکھا لیکن

ہنربچشم عدواں بزرگتر عیب است   گل است سعدی ودرع چشم دشمناں خاراست

بڑے بھائی کی مثال پر بھی غریب کے منہ آگئے حالانکہ انہوں نے خودلکھ دیا: اللہ نے انکوبڑائی دی

ہے وہ بڑے بھائی ہوئے۔ اور بڑائی تو ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول تھے۔

❁ دوم یہ کہ سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں اجازت دی مجھ کو عمرے کی رسول اللہ ﷺ نے، پھر فرمایا:

اشرکنایا اخیّ فی دعائک ولا تنسنا (ہم کو بھی شریک کرنا اے چھوٹے بھائی اپنی دعا میں اور نہ بھولنا ہم کو)۔

اس حدیث میں لفظ اخیّ تصغیر ہے جس کے معنی چھوٹے بھائی ہوئے۔ پس خود آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو چھوٹا بھائی کہا تو آپ ﷺ بڑے بھائی ہوئے۔ بعض لوگ جب لاجواب ہوتے ہیں تو یہ فقرہ چست کردیتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بھائی ہوئے تو ازواج مطہرات کو بھاوج بھی کہہ دیجئے۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون کوئی ان سے پوچھے کہ تم خود ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین تسلیم کرتے ہو، تو کیا تمہارا دادا، پردادا، بہو یا پوت بہو بھی کہہ سکتا ہے نعوذ باللّٰہ من الجھل و الضّلالۃ۔

☆ انسان بمقابلہ رحمان

ایک یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اس عبارت میں، تمام انبیاء کو بندے عاجز کہا ہے،۔ اور اسی طرح ایک جگہ لکھا ہے: اللہ کی بہت بڑی شان ہے کہ سب انبیاء اولیاء اسکے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ اور ایک جگہ لکھا ہے: اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ اس کا جواب

❁ اول یہ ہے کہ کہیں مولوی اسماعیل دہلوی نے کسی نبی یا رسول کا نام نہیں لیا۔ آپ کیوں اضافہ کر رہے ہیں؟

❁ دوم۔ آپ کو آپ کے مذہب کے مطابق اس قول کی تاویل کرنی چاہیے ورنہ آپ انّ بعض الظّن اثم (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) کے مرتکب اور گنہگار ہوتے ہیں۔

❁ سوم۔ مولوی اسماعیل کے فقرے، بڑی سے بڑی مخلوق، کا کیا مطلب ہے؟ اگر بڑائی بلحاظ جسم و جثہ ہے تو بے جانوں میں پہاڑ، دریا، زمین و آسمان ہیں۔ اور جانداروں میں ہاتھی، اونٹ ہیں۔ اگر انسان مراد لئے جائیں تو وہ جاہل جو کالی، بھوانی، شیخ سدو کو پوجتے والے ہیں، احکام شرع سے بے خبر ہیں، ان کے نزدیک سب سے بڑے راجہ مہاراجہ نواب بادشاہ ہیں اور یہی مراد ہیں یہاں بڑی سے بڑی مخلوق سے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک میاں کا بکرا، بی بی کی صحنک کرنے والے، ان کے نزدیک شیخ سدو، زین خان، کالے پیر، لال گرو، بھوانی، نونا چماری، میر صاحب، بھوت چڑیل سب سے بڑے ہیں۔ ان لوگوں کو سمجھا

نے کے لئے لکھا گیا ہے کہ تم جو اپنے پیر، گرو، کو سب سے بڑا جانتے ہو، یہ لوگ شرعاً اللہ پاک کے مقابلہ میں ہیچ ہیں ۔ پھر وہ لوگ جو پیر و پیغمبر کی شان میں مبالغہ کر کے خدا سے زائد یا برابر کر دیتے ہیں، زمینوں آسمانوں میں ان کو متصرف جانتے ہیں، اس مثال میں داخل ہو سکتے ہیں ۔ اب رہے وہ لوگ جو شرع سے واقف ہیں اللہ ہی کو قادر مطلق، معبود برحق، انبیاء کو بندہ بشر احکام خداوندی میں غیر دخیل ومنصرف جانتے ہیں، وہ لوگ نہ اس کے مخاطب نہ ان کے سمجھانے کو یہ لکھا گیا۔

چہارم ۔ جو مطلب آپ سمجھ رہے ہیں وہ عبارت مولوی اسماعیل سے پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ عبارت میں لفظ روبرو، اور ، شان کے آگے ، ہیں۔ ان دونوں کا صرف یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں ۔ ہاں اگر یہ لفظ ہوتے ، خدا کے نزدیک ، تو آپ کا مطلب درست ہوتا۔

پنجم ۔ یہ کہ عبد و معبود کے اندر جو نسبت ہے اس کے تین درجے ہیں :۔

پہلا مقام عبدیت ۔ اور وہ بمقابلہ معبود برحق اپنی عبدیت کا اعتراف ہے، تو ہمیشہ مقام عبدیت میں کہنا پڑے گا کہ ہم تیرے ذلیل بندے ہیں۔ ہم ہیچ ہیں۔ ہم ذرہ سی برابری کرنے کے لائق نہیں۔ تو اگر چاہے تو ابھی ہمیں اور سارے زمین و آسمان کو نیست و نابود کر دے۔ تیری قدرت میں ہے کہ ایک ذرہ کو آسمان بنا دے۔ تو اگر چاہے تو بڑے سے بڑے عزت دار کو انتہائی ذلیل کر دے ۔ تیری قدرت میں ہے کہ ذلیل سے ذلیل کو سب سے بڑا عزت دار کر دے۔ تو اگر سارے جہان کو جنت دے دے تو تیری رحمت ہے۔ تو اگر ساری دنیا کو دوزخ میں جھونک دے تو تو ظالم نہیں۔ تو نے بالکل سچ فرمایا:

> و لو یوا خذ اللّٰہ النّاس بظلمھم ما تر ك علیھا من دا بة و لکن یؤخرھم الی اجلٍ مسمّی ۔ (اگر اللہ لوگوں سے ان کے ظلموں پر مواخذہ کر لے تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہے لیکن اللہ ڈھیل دیتا ہے وقت مقررہ تک)۔

دوسرا مقام رسالت ہے ۔ جب مقام رسالت کی گفتگو ہو گی تو کہنا پڑے گا کہ اللہ بزرگ و برتر کے بعد سارے ذی روح و غیر ذی روح سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے بہتر، سب سے برتر، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ آپ اول شافع، اول مشفّع ہیں۔ آپ کے پاس لواء حمد ہو گا۔ آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ ہی کی نسبت بالکل بجا و درست کہا گیا ہے: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ۔ آپ ﷺ کا نام سن کر آپ پر درود پڑھنا فرض ہے ۔ اسی نسبت کا نام نسبت برسالت ہے۔ اب اسی رسالت میں ایک دوسری نسبت ہے اور وہ وہی نسبت عبدیت یا معبود ہے جو اوپر گزری ۔ تو جب اس مقام یعنی نسبت عبدیت کی

گفتگو ہوگی تو وہی کہنا پڑے گا جو نسبت عبدیت میں کہا گیا۔

تیسری نسبت معبودیت ہے ۔ یہ وہ ہے جو اللہ پاک کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے اور یہی مقام توحید ہے جب اس مقام توحید کی گفتگو ہوگی تو کہنا پڑے گا کہ تو احد وصمد ہے، تیرا کوئی مثل ونظیر نہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، کوئی تیرے برابر نہیں، تیرا کوئی معاون نہیں، تو کسی کا محتاج نہیں، تو ازلی ابدی سرمدی ہے، تو عالم غیب ہے، خالق ہے، قادر ہے، سارے جہان زمین وآسمان تو نے بنائے جب چاہے فنا کردے، تو جب چاہے بڑی سے بڑی مخلوق کو چمار سے زائد ذلیل کردے، تو نے بالکل درست فرمایا ہے:

و لئن شئنا لنذ هبن بالّذی او حینا الیک ثمّ لا تجد لک به علینا وکیلا (بنی اسرائیل)۔(اگر ہم چاہیں تو جو ہم تجھ پر وحی بھیجتے ہیں اس کو بند کردیں پھر تو کسی کو ہمارے پاس وکیل بھی نہ لا سکے)۔

تو جس وقت چاہے بڑی سے بڑی مخلوق کو نیست ونابود کردے۔ تو نے فرمایا ہے:

ان یشأ یذ هبکم و یأت بخلق جد ید (ابراہیم)۔(اگر چاہے تو سب کو مٹا دے اور نئی مخلوق پیدا کردے)

تو جسے بھی چاہے اس کے مثل اس سے بہتر اور دوسرا پیدا کردے۔ تیرا ہی ارشاد ہے:

او لیس الّذی خلق السّماوا ت و الارض بقادرٍ علی ان یّخلق مثلهم بلی و هوالخلّاق العلیم ۔ (سورۃ یٰسین) (کیا جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسا اور پیدا کردے بے شک وہ قادر ہے اور وہی پیدا کرنے والا جاننے والا ہے)۔

تو قوی ہے، تیرے سب ضعیف بندے ہیں، تیرے سامنے سب لا چار مجبور بے بس ہیں، تجھ کو کچھ پرواہ نہیں، تو نے جسے چاہا رسول بنا دیا، تو جب چاہتا نبی کو نبوت سے معزول کردیتا، تو جب چاہتا ذلیل کردیتا، تو اب اور قیامت میں جس کو چاہے ذلیل کردے، تو جس کو چاہے بخش دے، تو جس کو چاہے دوزخ میں جھونک دے ۔ مسند احمد وابن ماجہ وابوداؤد میں ہے:

لو انّ اللّه عزّ و جلّ عذ ب اهل سماواته و اهل ارضه عذبهم و هو غیر ظالم لهم ۔(اگر اللہ تمام زمین وآسمان والوں کو عذاب دے تو ظالم نہیں)۔

غرض کہ یہ تمام مقام توحید کی گفتگو ہے۔

فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ ،صوفیہ میں جو تین درجے ہیں ان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب

کوئی شخص فنا فی الشیخ میں پہنچتا ہے، تو اس وقت یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ میں مر گیا اور خاک ہو گیا، زمین و آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، انکے اجزاء بھی فنا ہو گئے۔ غرض کہ تمام محسوسات و موجودات فنا ہو کر اب نہ کوئی خالق رہا نہ مخلوق۔ صرف ایک ذات شیخ باقی ہے۔ پھر اس خیال کو ترقی دے کر درجات عین الیقین تک پہنچایا جاتا ہے۔ غرض کہ سبکو فنا کر کے صرف ذات شیخ کو باقی رکھا جاتا ہے۔ تو کیا مخالفین نے کبھی یہ خیال کیا ہے کہ اس سب کے اندر ذات پاک رسول اللہ ﷺ کو بھی فنا کر دیا گیا۔ کبھی آپ نے ان صوفیوں پر بھی اعتراض کئے ہیں۔ اگر کئے ہیں تو کب اور ان کا کیا ثبوت ہے، اگر نہیں اور واقعی نہیں، تو کیوں؟

پھر اسی طرح فنا فی الرسول میں ذات شیخ و ذات باری تعالیٰ کو فنا کیا جاتا ہے۔ کیا کبھی ان لوگوں پر آپ اعتراض کرتے ہیں۔ کیا کبھی آپ نے ذات باری کو فنا ماننے والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ اگر لگایا ہے تو کب اور اس کا کیا ثبوت ہے اور اگر نہیں تو کیوں؟ کیا محض اس وجہ سے کہ وہ آپ کے ہم مذہب ہیں اور مولوی اسماعیل پر محض اس وجہ سے اعتراض ہے کہ وہ احکام قرآن و حدیث کو لوگوں تک پہنچاتے اور کفریات بکنے والوں کے ڈھول کا پول کھولتے ہیں۔ افسوس کہ مولوی صاحب کی جو گفتگو تھی وہ مقام توحید کی تھی مگر آپ اسے نہیں سمجھتے سخن شناس نہء دلبرا خطا ایں جاست

اسی طرح وہ حدیث ہے جس کو شیخ شہاب الدین سہروری عوارف المعارف میں لائے ہیں:

لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عندہ کالاباعر (کسی آدمی کا ایمان پورا نہیں ہوتا جب تک تمام آدمی اس کے نزدیک مینگنیوں کی مثل نہ ہوں)۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے فوائد الفوائد میں لکھا ہے:

اعتماد بر حق باید کرد و نظر بر ہیچ کس نباید داشت (حق پر بھروسہ کرنا چاہیے اور کسی پر نظر نہ کرنا چاہیے)

پھر لکھا ہے:

ایمان کسی تمام نشود تا ہمہ خلق نزدیک او ہمچناں نماید کہ پشک شتر است (کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک تمام مخلوق اس کے نزدیک اونٹ کی مینگنیوں کی طرح نہ ہو جائے)۔

کیا ان سب کے اندر تمام انبیاء اور آنحضرت ﷺ داخل نہیں؟ کیا کبھی ان پر آپ اعتراض کرتے ہیں؟ اسی طرح شیخ سعدی شیرازی لکھتے ہیں:

چو مرد رہرو اندر راہ حق ثابت قدم گردد　　　وجود غیر حق در چشم توحیدش عدم گردد

(راہ حق کا چلنے والا جب ثابت قدم ہوتا ہے تو اس کی نظر میں غیر حق کا وجود عدم ہو جاتا ہے)

کیا اس عدم میں وجود انبیاء کا انکار نہیں ہوا؟ پھر شیخ سعدی نے کہا:

دل اندر می با یدا ے دوست بست   کہ عا جز تر است از صنم ہر چہ ہست

(اے یار دل کو خدا کے ساتھ باندھ۔ اسلئے کہ جو کچھ ہے وہ بت سے بھی زائد عاجز ہے)۔

یعنی شیخ سعدی نے تو سب کو بت بلکہ اس سے بھی بدتر کہدیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بت چاندی سونا، پلاٹینم، جواہرات خواہ کسی کا بھی ہو، انسان سے بدتر ہے۔ بتوں کیلئے صاف حکم ہے

انکم و ما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم انتم لھا واردون: (تم اور جسے تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، دوزخ کا ایندھن ہیں جس میں جھونکے جاؤ گے)

اور ایک صوفی نے کہہ دیا

پنجہ با پنجہ خدا دارم   من چہ حاجت مصطفیٰ دارم

(خدا کے ہاتھ میں ہاتھ رکھتا ہوں مجھے مصطفیٰ کی کیا پرواہ ہے)۔

اب اولاً ان لوگوں پر اعتراض کیجئے مولوی اسماعیل دہلویؒ کا نمبر اس کے بعد ہے۔

سیوطی نقایہ میں تصوف کی تعریف لکھتے ہیں:

تجرید القلب للّٰہ تعالی و احتضار ما سواہ۔ (اللہ کے لئے دل کو خاص کر لینا اور اس کے سوا سے بے پرواہ ہو جانا)۔

کیا اس عموم میں رسول اللہ ﷺ داخل نہیں؟

امام رازی تفسیر کبیر میں انداد کے ذیل میں صوفیوں کا قول نقل کرتے ہیں:

قول الصّوفیّۃ و العارفین و ھو ان کل شیء شغل قلبک بہ سوی اللّٰہ فقد جعلتہ فی قلبک ند للّٰہ۔ (صوفیہ اور عارفین کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا جس چیز سے تیرا دل مشغول ہو وہی اللہ کا ند (شریک) ہے)۔

کیا اس عموم میں آنحضرت ﷺ داخل نہیں؟

ششم یہ کہ بھنگی، چمار، نائی، نورباف یہ تمام نام صرف پیشوں کے ہیں، ان میں کوئی ذات نہیں۔ ہندوؤں میں بے شک یہ لوگ شودر سمجھے جاتے ہیں، اسلام میں کوئی تفریق نہیں۔ اسلام نے کوئی ذات پات نہیں بنائی۔ حدیث میں آیا ہے:

کلّکم بنو آدم طف الصاع بالصّاع تملؤہ لیس لاحد علی احد فضل۔

(اولاد آدم ہو تم سب کے سب کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ آپس میں سب برابر ہو)۔

اس میں کوئی کافر و مسلم کی بھی تفریق نہیں۔ زمانہ آنحضرت ﷺ میں تمام قومیں موجود تھیں۔ جو

لوگ مسلمان تھے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ساتھ کھاتے تھے، کبھی کسی کو ذلیل نہیں سمجھا گیا، بلکہ برابر ایک دوسرے کا جھوٹا کھاتے پیتے تھے۔ ہندوستان کے بڑے شہروں آگرہ دہلی بمبئی وغیرہ میں ہزارہا مسلمان موجود ہیں جو بھنگی کا پیشہ کرتے ہیں۔عرب میں مسلمان ہی ان پیشوں کو کرتے تھے، کیا کسی نے عرب وعراق میں غیر مسلم بھنگی دیکھے ہیں؟ حدیث میں آیا ہے:

احل ما اکل العبد کسب ید الصانع اذا نصح۔

(اکل حلال ہاتھ کی کمائی ہے جب کہ ایمان داری سے ہو)۔

حدیث میں ہے:

ما کسب الرّجل کسباً اطیب من عمل یده

(ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کمان نہیں)۔

حدیث میں ہے:

احل ما اکل الرجل من کسبه و کل بیع مبرور (کسب حلال ہاتھ کی کمائی ہے اور ہر جائز تجارت ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء وصحابہ طلب روزگار کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے تھے۔قرآن میں حضرت داؤدؑ کے متعلق ہے:

و النّا له الحدید انِ اعمل سابغات و قدّر فی السّرد (سبا)

(اس کیلئے لوہے کو نرم کر دیا، پوری زرہیں بناؤ اندازہ کا خیال رکھو)۔

یہ لوہاری کا کام ہوا۔

حضرت نوحؑ کی بابت فرمایا: واصنع الفلک (کشتی بناؤ)۔

یہ بڑھئی کا کام ہوا۔

حضرت موسیٰؑ کے بارہ میں ہے:

و اهشّ بها علی غنمی۔(اس سے اپنی بکریوں کیلئے پتیاں جھاڑتا ہوں)۔

دوسری جگہ ہے:

یا ابت استاجره انّ خیر من استاجرت القوی الامین (قصص)۔

(اے باپ! مزدوری پر رکھ لو، مزدور مضبوط اور امانت دار اچھا ہوتا ہے)۔

فجا ئته احدا هما تمشی علی استحیاء قا لت انّ ابی ید عو ك

لیجزیک اجر ما سقیت لنا (قصص)(ان میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا میرا باپ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے پانی پلانے کی اجرت دے)۔

قال انّی ارید ان انکحک احدی ابنتیّ ھا تین علی ان تا جر نی ثما نی حجج (قصص)۔(کہا میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کرتا ہوں بشرطیکہ تم آٹھ سال میری مزدوری کرو)۔

فان اتممت عشراً فمن عندك (اور اگر تم چاہو، تو دس سال)۔

قال ذلک بینی و بینک ایّما ا لاجلین(کہا میرا تمہارا عہد ہو چکا ان دونوں میں سے جو بھی پوری کروں)۔

چنانچہ اسی مزدوری کے عوض حضرت موسیٰ کا نکاح حضرت صفورا سے ہوا اور حضرت موسیٰؑ صفورا کو لے کر چلے تو نبوت ملی۔ بکریاں تو اکثر انبیاء نے اور آنحضرت ﷺ نے بھی چرائی ہیں۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے حضرت خدیجہ اکبری کے مال سے مزدوری یا شرکت منافع پر تجارت فرمائی ہے۔ یہ دونوں کام کتب سیر میں موجود ہیں۔ حضرت ادریسؑ کپڑے سیتے اور کتابت کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت ذکریاؑ کپڑا بیچا کرتے تھے۔ حضرت ذکریا کی نسبت مسلم شریف میں ایک حدیث ہے فرمایا نبی ﷺ نے :کا ن ذکر یا نجا راً (ذکریا بڑھئی تھے)۔ حضرت داؤدؑ کے متعلق بخاری شریف میں ہے: لا یا کل ا لاّ بعمل ید یه (اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے)۔

صحابہ وآئمہ کے ضمن میں علامہ کمال الدین دمیری محدث صاحب حیوۃ الحیوان نے ایک فہرست بحوالہ بصائر القدماء لکھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف کپڑا بیچا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ لوگوں کا مال بکواتے تھے اور تجارت کرتے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نیزوں کی بھالیں بناتے تھے۔ ولیدؓ بن مغیرہ اور ابوالعاصؓ لوہے کا کام کرتے تھے۔ عقبہ بن ابی امیہ (قبل اسلام) کلال تھے ابوسفیانؓ بن حرب روغن سیاہ کی تجارت کرتے تھے۔ نضر بن حارث عود اور چھڑیاں بیچتے تھے۔ حکم بن ابو العاص، حارث بن عمر، ضحاک بن قیس فہری، ابن سیرین بکروں کو خصی کیا کرتے تھے۔ عاص بن وائل جانوروں کا علاج کرتے تھے۔ عمرو بن عاص، زبیر بن العوام جانور ذبح کر کے گوشت بیچا کرتے تھے۔ عثمان بن طلحہ کپڑے سیا کرتے تھے۔ قیس بن مخرمہ، مالک بن دینار کاغذ بناتے تھے۔ مہلب بن ابی صفرہ باغبانی کرتے تھے۔ قیتبہ بن مسلم (جنہوں نے بلاد عجم کو ماوراء النہر تک فتح کیا)، حمالی کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی نسبت فتاوی برنہہ میں لکھا ہے :حرفت وی ے خزازی بود وے را کارخانہ بود بزرگ در آنخزازی می کرد۔

(ان کا ایک بڑا کارخانہ ریشمیں کپڑا بننے کا تھا اس میں کپڑا بنا کرتے تھے)۔ (جیسا کہ آج کل بنارس اعظم گڈھ، بھاگلپور میں بنا جاتا ہے) شیخ ابن طاہر مجمع البحار میں لکھتے ہیں و کان خزا زا یبیع الخز (ریشمی کپڑا بیچا کرتے تھے)۔ تاریخ منوال میں ہے ابو ایوبؓ انصاری، امام ابوبکر محمد بن بشار (بخاری ومسلم کے استاد) ناصح بن عبداللہ کوفی، صوفی فرقد، سنجی تابعی، حضرت انس کے شاگرد اسماعیل مفتی کپڑا بنا کرتے تھے ۔... سفینۃ الاولیاء میں ہے امام احمد بن محمد بن احمد بن عمر بن میمون سلمی کپڑا بنتے تھے۔ حمید بن الربیع اللخمی، محمد بن حسان کوفی، یزید بن سنان قرشی بصری، عیسٰی بن میمون، زیاد بن غراط تیمی، فضل بن عنبسہ محدث ریشمی کپڑا بنتے تھے۔ ابوبکر نساج، عبدالحکیم سیالکوٹی عبدالقدوس گنگوہی نورباف تھے۔ تفسیر ابن کثیر و ابن جریر میں لکھا ہے حضرت خضرؑ نے جن یتیم بچوں کی دیوار بنائی تھی، وہ نورباف تھے۔ کیا آپ ان تمام انبیاء و صحابہ کو ذلیل جانتے ہیں؟ نہیں تو مولوی اسماعیل پر کیوں اعتراض ہے۔ احکام اسلام میں تو آقا و غلام مساوی ہیں۔ کیا عزیز مصر کے ہاتھ بک کر حضرت یوسفؑ ذلیل ہو گئے؟ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد کا نکاح آپنے آزاد شدہ غلام حضرت زیدؓ سے کر دیا تھا۔ آپ کی نظروں میں حضرت زید یا یہ فعل رسول برا تھا؟ اسد الغابہ میں بروائت زید بن عمر معافری ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ کے پاس معافر کا بنا ہوا کپڑا آیا تو ابوسفیان نے اس کپڑے اور بننے والے کو برا کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا انہیں برا نہ کہو وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

> یا ابا الدرداء طف الصاع بالصاع لیس لابنالبیضاء علی ابن السوداء فضل، اور کلکم بنو آدم و آدم من تراب۔ (کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، سب برابر ہیں اور سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہیں)۔
>
> یہاں تو کفر و اسلام کی بھی تفریق نہیں فرمائی۔ سعدی نے سچ کہا ہے
>
> بنی آدم اعضائے یک دیگراند — کہ در آفرینش ز یک جوہراند

اب رہا صرف جوتا بنانا، تو آج راجپوتانہ مالوہ اور اودھ میں ہزارہا مسلمان جوتا ہی بناتے ہیں اور اب تو نئی تعلیم نئی روشنی نئی تہذیب میں ہر جگہ فیکٹریاں ہیں۔ ان میں لاکھوں مسلمان جوتا بناتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعیان شرافت بڑے بڑے حسین ونسیب شیخ شید مغل پٹھان محض جوتا ہی بنانے کی غرض سے یورپ جاتے ہیں اور جوتا بناتے ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ ٹوٹا ہوا جوتا سینا تو پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جوتا بطور خود کوئی ناپاک نہیں ورنہ آپ کا پوؤں بھی ناپاک رہے گا۔ جوتا پہن کر نماز درست ہے ہاں اگر جوتا میں نجاست لگی ہو تو موافق حکم حدیث جوتا کو زمین سے رگڑ ڈالئے۔ پاک ہو گیا۔ ورنہ امیر کابل، جرنل، کرنل، لاٹ

پادری، کمشنر گورنر وغیرہ کو جوتا پہن کر مساجد میں آپ کیوں آنے دیتے۔

پھر سنئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنا تمام کام خود کرتے تھے مثلاً کپڑوں میں پیوند لگانا، دودھ دوھنا، بازار سے سودا لانا، ڈول ٹانکنا، جانوروں کو باندھنا، چارہ ڈالنا، اونٹوں کو تیل ملنا، بکریوں کو داغنا، مکان کی مرمت، تعمیر خانہ کعبہ و مسجد نبوی میں دوش مبارک پر پتھر اٹھانا، زمین کھودنا۔ دوسروں کے گھر جاکر ان کے جانور دوھنا، اپنے کافر مہمانوں کی مہمان داری خود کرنا، جنگل سے لکڑیاں لانا، اپنے ٹوٹے ہوئے جوتا کو خود سینا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے کتب سیر و احادیث بھری ہوئی ہیں۔

زرقانی میں بحوالہ محبّ طبری ایک حدیث ہے:

انّه علیه الصّلوة و السّلام کان فی سفر و امر اصحابه با صلاح شاة فقال رجل یا رسول اللّه ﷺ علیّ ذبحها و قال آخر علیّ سلخها و قال آخر علیّ طبخها فقال رسول الله ﷺ علیّ جمع الحطب فقالوا یا رسول الله نکفیک العمل فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکره ان اتمیز علیکم فان اللّه یکره من عبده ان یراه متمیزاً بین اصحابه ۔ (آپ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ بکری ذبح کرنے کی صلاح ہوئی۔ ایک صحابی نے کہا میں ذبح کرونگا، ایک نے کہا میں کھال اتارونگا، ایک نے کہا میں پکاؤنگا، آپ ﷺ نے فرمایا میں لکڑیاں جمع کرونگا۔ لوگوں نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے، آپ ﷺ کا کام بھی ہم کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تم کرلو گے لیکن میں فوقیت کو پسند نہیں کرتا۔ جو بندہ اپنے اصحاب میں تفوق برتتا ہے اللہ اسے ناپسند کرتا ہے)۔

زرقانی میں بحوالہ جزء تمثال النعل شریف ایک حدیث ہے:

قال کنت مع النّبیّ ﷺ فی الطّواف فانقطعت شسعته فقلت یا رسول اللّه ﷺ ناولنی اصلحه فقال هذه اثرة ولا احب الاثرة ۔ (میں طواف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ کے جوتہ کا تسمیہ ٹوٹ گیا میں نے کہا مجھے دیجئے درست کردوں۔ آپ نے فرمایا یہ تفوق ہے اور میں تفوق کو پسند نہیں کرتا)۔

ترمذی شریف میں ہے:

کان رسول اللّه ﷺ یخصف نعله و یخیط ثوبه و یعمل فی بیته کما یعمل احدکم فی بیته ۔ (رسول اللہ ﷺ اپنا جوتا گانٹھتے تھے اور کپڑے کو سی لیتے تھے اور اپنے

گھر میں ایسے ہی سب کام کرتے تھے جیسے تم لوگ اپنے گھر میں کرتے ہو)۔

مسند احمد میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک حدیث ہے اس کا ٹکڑا ہے:

و یخصف نعله (اپنے جوتوں میں پیوند لگاتے تھے)۔

آپ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے اور دوسروں کے تمام کام کرتے تھے۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کا جوتا سی دے تو کیا عیب ہے؟ لوگ خود روزانہ استنجا کرتے ہیں اپنا پاخانہ دھوتے ہیں۔ ان کی عورتیں روزانہ اپنے بچوں کے کپڑے صاف کرتی ہیں، جب کوئی عزیز مریض ہوتا تو ان کا پاخانہ پیشاب آپ ہی اٹھاتی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ چمار غیر مسلم ہیں تو اسلام میں بھنگی، چمار، ویش، ٹھاکر، برہمن بلحاظ بشریت برابر ہیں۔ یہ تو ہندوستانیت ہے کہ چمار کو ذلیل جانیں اور برہمن کو شریف۔ زمانہ آنحضرت ﷺ میں کافر ہی مسلمان ہوتے تھے وہ ذلیل نہ سمجھے گئے۔ کیا آج کوئی مسلمان ہو جائے تو وہ ذلیل سمجھا جائیگا؟ کانپور کا چمار جس کے یہاں بہت سے انگریز اور مسلمان نوکر ہیں اس کو لوگ سلام کرتے ہیں، وہ ذلیل نہیں سمجھا جاتا۔ ہندوستان سے باہر کوئی پیشہ ذات نہیں سمجھا جاتا۔ اسی حقیقت الامری کو ملحوظ رکھ کر مولوی اسماعیل نے محض ان ہندوستانیوں کے سمجھانے کو جو پیشہ کو ذات اور پیشہ ور کو ذلیل جانتے ہیں جن میں ابھی شرک و بت پرستی موجود ہے جو اب بھی اپنے کفار آباء واجداد کی طرح ذات پات شودر کمیں وغیرہ خیال دماغ میں رکھتے ہیں، جو اب بھی نو مسلم کو ذلیل سمجھتے ہیں، لکھا ہے کہ جس طرح تم ایک بادشاہ کے آگے چمار کو ذلیل جانتے ہو، اس اللہ جل جلالہ کے مقابل جو ساری دنیا کا بادشاہ ہے جو شاہنشاہ ہے للّٰه العزّة جميعاً (اللہ کے لئے تمام عزتیں ہیں) و له الكبرياء فی السّماوات و الارض (اسی کیلئے ساری زمین و آسمان کی بڑائیاں ہیں)، تمام بڑی سے بڑی مخلوق امیر کبیر راجہ مہاراجہ نواب بادشاہ امیر وزیر شیخ سدو، کالی، بھوانی زین خان لال گرو، پیر فقیر وغیرہ وغیرہ جن کو تم بڑا باعزت قدرت وقوت والا جانتے ہو اس ایک بادشاہ حقیقی کے مقابل، جنہیں تم ذلیل جانتے ہو مثلاً بھنگی چمار وغیرہ سے زائد ذلیل یعنی ہیچ، لاچار، مجبور، کمزور، بے طاقت، بے بس ہیں۔ اس لئے کہ تم جو کسی چمار کو بادشاہ کے مقابل یا خود بادشاہ ذلیل جانتا ہے تو ساتھ ہی اس کے وہ اس چمار کو اپنی ہی مانند ذی روح انسان اولاد آدم ہاتھ پاؤں آنکھ ناک والا اپنی ہی طرح بندہ اور مخلوق اپنے ہی مثل آدمی جانتا ہے (اور درحقیقت ہر بھنگی چمار، آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے پیغمبر زادہ ہے)، لیکن خالق مطلق کسی کو بھی اپنے مثل نظیر مساوی نہیں جانتا، نہ کوئی انسان حور فرشتہ جن اس کے مقابل باعزت ہے۔ پس جس درجہ آپ نے ایک بادشاہ کے مقابلہ میں چمار کو ذلیل جانا تھا اس سے زائد ایک بندہ اپنے معبود کے نزدیک کے سامنے ذلیل عاجز ضعیف مجبور لاچار ہے۔

ہفتم۔ مولوی اسماعیل نے جو ذلیل لکھا ہے اس کے یہ معنی نہیں جو آپ سمجھے ہیں۔ اولاً یہ سمجھ لیجئے کہ ایک لفظ اپنے معنی لغوی اور حقیقی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی لفظ معنی عرفی یا مجازی یا اصطلاحی میں، کبھی وہی لفظ غیر زبان میں دوسرے معنی میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً لفظ مکر۔ اس کے معنی تدبیر کے ہیں و مکروا و مکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین۔ (ان لوگوں نے تدبیریں کیں اور اللہ نے تدبیر کی۔ اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے)۔ لیکن یہی لفظ مکر اردو میں اپنے اصلی معنی کے خلاف دغا اور دھوکے کے معنی میں مستعمل ہے اسی طرح لفظ ذلیل ہے۔ ذلیل کے معنی ضعیف اور قلیل ہیں۔ مفردات امام راغب میں ہے:

الذّلّ ما کان عن قھر و یقال الذّلّ القلّ و الذّلّۃ القلّۃ۔ (ذل وہ ہے جو قہر کے ساتھ ہو اور ذل کے معنی قلّ کمی اور ذلت کے معنی قلت کے ہیں)۔

امام رازی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معنی الذّل الضعف عن المقاومۃ ونقیضہ العزّۃ و ھو القوّۃ۔ (ذل کے معنی مقابلہ سے عاجزی کے ہیں اور اس کی نقیض عزت ہے عزت کے معنی قوت کے ہیں)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد نصرکم اللّٰہ ببدرٍ وّ انتم اذلّۃ۔ (اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم کمزور تھے)۔

تفسیر ابوسعود میں ہے:

اذلّۃ جمع ذلیل وان جمع القلۃ للایذان باتصافھم حینئذ بوصفی القلّۃ والذّلۃ اذا کانوا ثلاث مأۃ و بضعۃ عشر وکان ضعف حالھم فی الغایۃ

(اذلہ ذلیل کی جمع ہے اور جمع جمع قلت ہے وہ اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ قلت کی دونوں صفتوں یعنی کمی اور کمزاری سے موصوف تھے اس لئے کہ وہ لوگ تین سو دس اور کچھ تھے اور ان کی حالت نہایت خراب تھی)۔

تفسیر بیضاوی میں ہے

و انّما قال اذلّۃ و لم یقل ذلائل لیدلّ علی قلّتھم و ذلّتھم لضعف الحال و قلّۃ المراکب و السلاح (یعنی اذلہ کہا ذلائل نہیں کہا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کی تعداد کم تھی اور وہ باعتبار ہتھیاروں اور سواریوں کے کمزور تھے)۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں:

القھر ھو الغلبۃ والتذلیل معا و یستعمل فی کل واحد منھما (قہر کے معنی غلبہ

یا تذلیل ہیں اور دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے)۔

پس ذلیل کے معنی کمزور ضعیف قلیل عاجز کے ہیں نہ کہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں اور چونکہ درحقیقت انسان ضعیف ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے و خلق الانسان ضعیفاً (انسان کمزور پیدا کیا گیا) پس لفظ ذلیل انسان کیلئے نہایت ہی موزوں اور مناسب لفظ ہے۔اسی کے مقابل اللہ غالب قہار جبار قوی عزیز ہے انّ العزّۃ للّٰہ جمیعاً ۔تمام عزتیں اللہ ہی کیلئے ہیں ھو القاھر فوق عبادہ (وہی بندوں پر غالب ہے)۔تفسیر جلالین میں ہے:

انّ العزّۃ للّٰہ جمیعاً ، انّ القوّۃ للّٰہ جمیعاً (سب قوتیں اللہ ہی کے لئے ہیں)۔

دیکھو عزۃ کی تفسیر لفظ قوۃ سے کی۔اسی طرح آیت:

ان کلّ من فی السّماوات و الارض الّا آتی الرّحمن عبدا

کی تفسیر میں عبد کے معنی ذلیل و عاجز لکھے ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے:

و العبادۃ الطّاعۃ مع التذلل (عبادت کے معنی طاعت مع ذلت ہیں)۔

اور لکھا ہے:

و یسمّی العبد عبداً لذ لّتہ و انقیادہ (بندہ کو بندہ اس کی ذلت وفرمانبرداری کی وجہ سے سے کہا گیا)۔

تفسیر مدارک میں ہے:

العبادۃ اقصی غایۃ الخضوع و التّذلل (عبادت انتہائی خضوع وذلت ہے)۔

تفسیر نقشبند میں ہے:

و العبادۃ الطّاعۃ مع التّذلل والخضوع (طاعت مع ذلت وعجز کا نام عبادت ہے)

تفسیر فتح العزیز میں ہے:

حقیقت عبادت نہایت تذلل است برائے نہایت تعظیم غیر چوں باختیار صادر شود۔(اپنے اختیار سے اپنے غیر کی انتہائی تعظیم اپنی انتہائی ذلت کے ساتھ کرنا عبادت ہے)۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ عزت کے معنی قوت غلبہ اور ذلت کے معنی قلت، عجز۔پس جس جگہ تقابل ہو گا وہاں اللہ کیلئے عزیز وقوی اور بندے کیلئے ذلیل و عاجز ضعیف مستعمل ہو گا۔ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ لفظ عبد و ذلیل باہم مرادف ہیں۔اب قدرتاً ثابت ہو گیا کہ جو کوئی عبد ہے وہ ذلیل

ہے اور چونکہ ہر انسان عبد ہے ہر انسان ذلیل ہے اس پر بتایئے کہ مولوی اسماعیل نے کیا برائی کی۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ اس (پرانے) زمانے کی اردو زمانہ حال کے بالکل خلاف تھی وہ اردو کا ابتدائی زمانہ تھا اس زمانہ میں تمام غیر زبانوں کے لفظ اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہوتے تھے اب اگر آپ اس لفظ کو کسی اور معنی میں استعمال کرنے لگیں تو ان پر کیا اعتراض۔ اب اس فقرے کے یہ معنی ہوئے:

ایک بادشاہ کے مقابل میں ایک چمار کی عزت جس قدر آپ نے مانی تھی، اسی نسبت سے کہیں زائد ایک اس آدمی کی عزت قوت جس کو آپ بڑا جانتے ہیں خدائی عزت، قوت کے مقابلہ میں بہت ہی کم، مثل نہ ہونے کے ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ اور چمار کے اندر ایک اور دس کی نسبت ہے اسی طرح خدا اور چمار کے درمیان کروڑ اور صفر کی۔ پس نتیجہ نکل آیا کہ چمار کو ایک اور دس کی نسبت اور بادشاہ کو صفر کی۔ پس بادشاہ چمار سے زائد ذلیل ہوا۔

(پادرہ ضلع بڑودہ ریاست گجرات میں ۲۱۔۲۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کو بریلوی علماء سے جناب ثناء اللہ امرتسری کا مناظرہ ہوا۔ اس میں تقویۃ الایمان کی عبارت، ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے، پیش کر کے اعتراض کیا گیا کہ کیا انبیاء کو چمار سے زیادہ ذلیل بتانا گالی نہیں؟

جواب میں ثناء اللہ نے کہا: مولانا شہید لکھتے ہیں کہ بادشاہ اور چمار میں بہت فرق ہے۔ مگر آخر یہ تو سچ ہے کہ بادشاہ اور چمار ایک نسل کے انسان ہیں۔ مگر خدا کے ساتھ مخلوق کو اتنا بھی اتحاد نہیں کیونکہ لم یکن لہ کفواً احد اس کی ذات برادری کا کوئی نہیں۔ افسوس آپ نے مولانا اسماعیل شہید پر تو اعتراض کیا مگر اپنے استاد کل مولانا جامی مرحوم کو نہ دیکھا، جو فرماتے ہیں:

او چوں ست و جہاں چوں کالبد   کالبد از وے پذیرد آلبد

یعنی تمام جہان خدا کے سامنے ایک بت بے جان ہے اور خدا سب کو جان دیتا ہے۔

دیکھئے مولانا جامی تمام مخلوق کو خدا کی شان کے آگے ایک بت بے جان فرماتے ہیں۔

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء ص ۱۱)

ہشتم۔ جس طرح احکام الٰہی میں عموم ہوتا ہے تو کسی فرد کی تخصیص نہیں ہوتی، اس میں سب داخل ہیں مثلاً ان کلّ من فی السّماوات والارض الّا آتی الرّحمن عبداً (جو کوئی بھی زمین و آسمان میں ہے اللہ کے سامنے ذلیل ہو کر آئے گا)۔ اس میں انبیاء اولیا صلحاء اصفیا شہدا صدیقین اقطاب ابدال غوث فاسق فاجر سب داخل ہیں۔ تفسیر جلالین میں اسی آیت کے تحت میں ہے: و منھم عزیر و عیسی (انہیں میں سے عزیر و عیسی ہیں)۔ دیکھئے تفسیر جلالین والے نے ذلیلوں میں عزیرؑ و عیسیؑ کا نام

لکھا۔ تفسیر مدارک میں عبد کے معنی ذلیل لکھے ہیں۔ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ ان قلوب بنی آدم کلّھا بین اصبعین من ا صابع الرّ حمن (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں)

اس کے ذیل میں ملا علی قاری حنفی ہروی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

و به اکّد بقوله کلّھا یشتمل الانبیاء و الاولیاء و الفجرۃو الکفرۃ من الاشقیاء (لفظ کلّھا تاکید کیلئے فرمایا تاکہ تمام انبیاء واولیاء فاجر کافر اشقیاء سب کو شامل ہو جائے)

یہاں ملا علی قاری نے نبی، ولی، فاجر، کافر، شقی، سب برابر کر دیئے۔

ایک اور حدیث مسند احمد بن حنبل، ابو داؤد، ابن ماجہ میں ہے:

لو انّ اللّٰہ عزّ و جل عذب اھل سماوا ته و اھل ارضه عذبھم و ھو غیر ظالم لھم (اگر اللہ عزوجل تمام آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں)۔

کیا اس عموم میں نبی، رسول داخل نہیں؟

تفسیر نیشا پوری میں ہے:

یغفر لمن یّشاء تعمیم لفضله وان کان من ا لابالسته و الفرا عنۃ و یعذّب من یّشاء بحکم الالھیۃ و الودرۃ وان کان من الملائکۃ المقرّ بین و المصدقین ۔(جسے چاہے بخش دے۔ یہ عموم فضل ہے خواہ ابالسہ وفراعنہ سے ہوں، اور عذاب دے جسے چاہے اپنی قدرت والہیت سے اگرچہ وہ ملائکہ مقربین ومصدقین سے ہوں)

یہاں تو فرعون اور فرشتے سب ایک گھاٹ اتار دیئے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: تعزّ من تشا ء و تذل من تشاء (جسے چاہے عزت دے دے جسے چاہے ذلیل کر دے)۔... تفسیر جلالین و بیضاوی میں زیر آیت: ما المسیح بن مر یم ا لّا رسول۔ قد خلت من قبله الرّسل و امّه صدّیقه کے تحت میں لکھا ہے:

کسائر النّساء اللاتی یلازمن الصدّق او یصدقن الانبیاء کانا یاکلان الطّعام و یفتقرا ن الیه افتقار الحیوا نات (مثل تمام عورتوں کے جو سچی ہیں یا تصدیق انبیاء کرتی ہیں۔ اور دونوں کھانا کھاتے اور کھانے کے ضرورت مند تھے مثل تمام حیوانات کے)

کیا اس عموم حیوانات میں ہاتھی، گھوڑے، گدھا، بیل وغیرہ شامل نہیں۔ لیجئے ان حضرات نے بھی ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا۔

ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد میں ایک حدیث بروایت ابوذر مرفوعاً ہے :

انّ اللّه تبارک و تعالی یقول یا عبادی کلّکم مذ نب ا لّا من عا فیت فاسئلونی المغفرة فا غفر لکم ۔(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو! تم سب کے سب گنہگار ہو مگر جسے میں بخشدوں ۔ پس مجھ سے مغفرت چاہو میں تم کو بخش دونگا)۔

اسی حدیث میں ہے :

وکلّکم ضال الّا من هدیت (تم سب گمراہ ہو مگر جسے میں ہدایت کروں)۔ وکلّکم فقیر الّا من اغنیت (اور تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کردوں)۔ و لو ان حیّکم و میّتکم و اوّلکم و آ خرکم و رطبکم و یابسکم اجتمعوا علی قلب اتقی عبد من عبادی لم یزد فی ملکی جناح بعوضة و لو اجتمعوا فکانوا علی قلب اشقی عبد من عبادی لم ینقص من ملکی جناح بعوضة (اگر تمہارے سب زندہ اور مردے اور پہلے اور پچھلے اور ہرے اور سوکھے، سب جمع ہو کر میرے ایک متقی بندے کا سا دل کرلیں تو میرے ملک میں ایک مچھر کے پر کے برابر زیادتی نہیں کرسکتے اور اگر سب میرے ایک شقی بندے کا دل کرلیں تو میرے ملک سے ایک مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کرسکتے)

اور مسلم شریف میں یہ لفظ ہیں:

یا عبادی لو ان اوّ لکم و آ خرکم و انسکم و جنکم کانوا علی اتقی قلب رجلٍ منکم ما زا د ذلک فی ملکی شیئاً ۔ یا عبادی لو انّ اوّ لکم و آخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجلٍ وا حدٍ ما نقص ذلک من ملکی شیئاً (اے بندو اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، اور آدمی اور جن، تم میں سے ایک متقی بندے کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن، تم میں سے سب سے بڑے فاجر کے مانند ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ کمی نہیں کرسکتے)

اور ایک یہ ٹکڑا ہے: یا عبادی کلّکم تخطئون با للیل و النّهار ۔(اے میرے بندو تم سب کے سب دن رات گناہ کرتے ہو)۔

آپ نے دیکھا کہ اس عموم میں سب شامل ہیں ۔

امام شعرانی خلاصہ فتوحات میں لکھتے ہیں: و نعتقد انّه ﷺ فی نفسه مع ربّه عبد

ذلیل ۔ پھر لکھتے ہیں: ھذا ما علیه اقطاب اھل الورع و اللّٰه غنیّ عن العالمین ۔
پس معلوم ہوا کہ ان باتوں سے توہین وتذلیل نہیں ہوتی ۔ یہ باتیں قابل اعتراض نہیں ۔ ایسے ہی جاہلوں کے رد میں سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں :

اعلم انّ بیان احکام الشّریعة مما یجبّ علی العلماء ولیس فی ذلک تنقیص الولی کما یظنّه بعض من لا خلاق له بل ھذا ممّا یرضی به الولی لوکان حیاً وسئل عن ذلک اجاب با لحقّ و اغضبه نسبة التاثیر له و قائل قوله فی حقّ عیسی ان ھو الّا عبد انعمنا علیه ۔ (علماء پر احکام شرع کا بیان کرنا واجب ہے۔ اس میں ولی کی کسر شان نہیں جیسا کہ بعض بدسلیقہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو وہ بات ہے کہ اگر ولی زندہ ہوتا اور اس سے پوچھا جاتا تو وہ بھی ٹھیک بات بتاتا اور اپنی نسبت اثر پر ناراض ہوتا اور کہتا جو عیسیٰ کے بارے میں کہا گیا: ان ھو الّا عبد انعمنا علیه وہ مثل دیگر بندوں کے ایک بندہ ہے ہم نے اس پر انعام کیا)۔

نہم ۔ اگر مولوی اسماعیل صاحب کا قول واقعی خلاف شریعت ہے تو اس کے ذمہ دار وہ ہیں، نہ کہ ہر شخص ۔ جس طرح اوپر لکھے ہوئے اقوال کے ذمہ دار ان کے قائل ہیں ۔ .. ہمارا مذہب صرف اتباع قرآن وحدیث ہے ہم کسی کے مقلد نہیں ۔

دہم ۔ اگر مولوی اسماعیل کا لکھنا خلاف شرع یا بدتہذیبی ہے، تو وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ کے یہاں ہر شخص نبوت کسب کرسکتا ہے ۔ کیا اس میں نبی کی توہین نہیں ؟ یا جیسا کہ اشباہ ونظائر میں ہے کسی آیت کا خون یا پیشاب سے لکھنا درست ہے ۔ کیا اس میں قرآن اور اللہ کی توہین نہیں ؟

ردالمختار مطبوعہ دہلی جلد اول ص ۱۴۰ پر بحوالہ ہدایہ لکھا ہے :

قرآن مجید کا پیشانی وناک پر شفا کے لئے خون یا پیشاب سے لکھنا جائز ہے ۔

فتاوی قاضی خان نولکشور جلد ۴ ص ۳۶۴ وسراجیہ برحاشیہ جلد ۳ ص ۳۱ وعالمگیری چھاپہ دہلی جلد ۵ ص ۱۳۴

والّذی رعف فلا یر قاء دمه فاراد ان یکتب بدمٍ علی جبهته شیئاً من القرآن قال ابو بکر الاسکاف یجوز قیل لو کتب با لبول قال لو کان فیه شفاء لا باس به قیل لو کتب علی جلد میتة قال ان کان فیه شفاء جاز۔

یا جس طرح ہدایہ میں ہر فاسق، فاجر، شرابی، چور، زانی، اور نبی، ولی، رسول کو ایمان میں

برابرلکھا ہے، کیا اس میں انبیاء کی توہین نہیں؟ کیا اس میں چمار اور نبی کو برابر نہیں کر دیا؟

فقہ اکبر کے صفحہ ۱۰۵ میں ہے:

و ایمان اھل السّماء و الارض لا یزید ولا ینقص۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

و ایمان اھل السّماء ای من الملائکۃ و اھل الجنّۃ و الارض ای من الانبیاء و الاولیاء و سائر المومنین من الابرار و الفجّار لا یزید و لا ینقص۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

قال الامام الاعظم فی کتابہ الوصیۃ ثمّ الایمان لا یزید ولا ینقص۔

یہی عبارت شرح عقائد نسفی میں صفحہ ۵ پر تحریر ہے۔ یا جیسا درمختار میں مسلمان فاسق کو فرشتوں سے افضل بتایا گیا۔ اپنے گریبان میں میں منہ ڈالو پھر دوسروں کے منہ آؤ....تاہم مولوی اسماعیل اگر اس قسم کے الفاظ سے احتراز کرتے تو بہت اچھا تھا تاکہ عوام کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔

(ماہنامہ محدث، دارالحدیث رحمانیہ دہلی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۳۹ء۔ ملخصاً)

اثبات التوحید

قاضی فضل احمد لدھیانوی نے شاہ اسماعیل شہید وغیرہ پر اعتراضات پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی جس کا جواب جناب حکیم محمد حسین قریشی ایمن آبادی نے اثبات التوحید کے نام دیا۔ حکیم صاحب کی اثبات التوحید کے صفحات ۴۱ تا ۱۰۸ (ملخصاً) سے ہم مخالفین کے چند اعتراضات کے جوابات نقل کرتے ہیں۔

☆ **مسئلہ خلف وعید**

معترض کہتے ہیں: شاہ اسماعیل نے خدا کو جھوٹا اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے۔

جناب ایمن آبادی فرماتے ہیں کہ مولانا اسماعیل نے خلف وعید کو ممکن لکھا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وعید وہ ہوتی ہے جو گناہ کی سزا مقرر ہو اور وعدہ وہ ہوتا ہے جو نیکی کی جزا کا وعدہ ہو

مگر معترض نے وعید اور وعدہ کو ایک ہی بنا دیا۔

ردالمختار والے نے خلف وعید کے معنی جوداً وکرماً کیئے ہیں اور لکھا ہے کہ

ان الا شاعرۃ قا ئلو ن بجوازہ لانہ لا یعد نقصاً بل جو داً و کر ماً یعنی اشاعرہ (محققین) خلف وعید کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ نقص نہیں ہے بلکہ جود وکرم ہے۔

گوتفتا زانی اور نسفی اس کے خلاف ہیں، مگر جو قائل ہیں وہ بھی محققین ہیں۔ اور ایسا ہی بعض مسائل پر قدماء محققین میں بھی اختلاف چلا آیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

انّ اللّٰہ لا یغفر ان یّشر ك بہ و یغفر ما دون ذلک ...(یعنی جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ نہ بخشا جاوے گا اور اس کے سوا دوسرے گنہ گاروں کو بخشا جاوے گا)

تو یہی خلف وعید ہے کہ گنہ گاروں کو بغیر مقررہ سزا دینے کے بخش دے۔ اور یہ گنہ گاروں ہی کے بخشنے کا حکم ہے نہ بے گنا ہوں کو۔ اگر وہ چاہے تو مشرکوں کو بھی بخشنے پر قادر ہے مگر چونکہ انہوں نے بفحوائے انّ الشّر ك لظلم عظیم، بڑا ظلم کیا اس واسطے انہیں نہ بخشے گا۔

دوسری جگہ فرمایا:

فیغفر لمن یّشا ء و یعذّ ب من یّشاء و اللّٰہ علی کلّ شئی قدیر۔

(یعنی جس گنہ گار کو چاہے گا بخش دے گا اور جس گنہ گار کو چاہے گا، عذاب دے گا (یہ نہیں فرمایا کہ سب گنہ گاروں کو عذاب کیا جاوے گا جس سے خلف وعید ناممکن ہوتا) کیونکہ بے شک اللہ تعالی ہر چیز (اور ہر امر) پر قادر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ، رسول خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ایک زانیہ عورت (صرف اس بات پر) بخش دی گئی کہ اس کا گزر (ایک مرتبہ) کسی کتے پر ہوا جو ایک کنویں کے کنارے بیٹھا ہوا (گیلی) مٹی چاٹ رہا تھا اور قریب تھا کہ اسے پیاس مار ڈالے۔ مگر اس عورت نے اپنا موزہ اتارا اس کو اپنے دوپٹے سے باندھا۔ اور اس کیلئے (کنویں سے) پانی نکالا۔ چنانچہ اس بات پر وہ عورت بخش دی گئی (تجرید البخاری باب بدء الخلق)

یہی خلف وعید ہے کہ وہ عورت جو گناہ کبیرہ کی مرتکب تھی، اس فعل سے اس پر خلف وعید ہوئی اور بخش دی گئی۔

اسی پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالی اپنے نوشتہ لوح محفوظ کے خلاف کرنے پر قادر ہے اور

جب جی چاہتا ہے کر بھی دیتا ہے۔ امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے:

گناہ واجب نیست کہ بدوزخ برد۔ بلکہ عفو ممکن است۔ یعنی گناہ کرنے سے لازمی نہیں ہو جاتا کہ وہ گناہ دوزخ ہی کو لے جائے بلکہ گناہ سے معافی ممکن ہے۔

اور حرف ، بلکہ ، سے تاکیدی اشارہ ہے اور یہی خلف وعید ہے کیونکہ اللہ تعالی ہر امر پر قادر ہے جیسا کہ امام غزالیؒ نے اسی کیمیائے سعادت میں لکھ دیا ہے:

ہر کہ صفات حق تعالی بشناخت وجلال و بزرگی وتوانائی و بے باکی او بدانست۔ اگر ہمہ مخلوق عالم را بدوزخ دارد یک ذرہ مملکت وے کم نشود۔ یعنی جس نے اللہ تعالی کی صفات کو جانا ، اور اس کی بزرگی وجلال اور طاقت اور بے خوفی کو پہچانا (تو وہ اس امر کو مان لیتا ہے) کہ اگر اللہ تمام جہان کی مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیوے تو اس کی بادشاہت میں سر مو فرق نہیں آ سکتا (یہ بھی غور فرمائیں کہ غزالی کے الفاظ ہمہ مخلوق میں کون کون شامل ہو سکتے ہیں)

شیخ شرف الدین یحی منیری نے اللہ کی قدرت کا اندازہ اور اس کی بخشش (یا خلف وعید) کی حد بتلائی ہے اور کیسا صریح لکھا ہے:

اگر ہمہ منکران عالم وشیاطین جہاں ... باذریت واتباع او فی المثل بعلیین رسانند وتاج قدسی بر سر نہند ہنوز حق کرم او گذارنشود۔ خواہد کرد کہ در روئے زمین کافرے ومشرکیست در دریائے رحمت غرق کند (یہی خلف وعید ہے)

اور اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لا تقنطوا من رحمة اللّه۔

اسی سے خلف وعید کی امید ہے

مکتوبات مجدد الف ثانی نمبر نود وہشت۔ شمس الدین کی طرف:

برادر شمس الدین بداند کہ مر اہلسنت را اجماع است کہ وعید مطلق کافراں راست (یعنی مشرک ومنکران رسالت کیلئے) و وعدہ مطلق مومناں راست۔ باز مومن عاصی باشد کافر نبود۔ تا در تحت وعید مطلق در آید (جو گنہ گار لوگ ہیں وہ ان کافروں میں شمار نہیں ہو سکتے جن کے لئے وعید مطلق ہے یعنی جو مشرک ہیں۔ دیکھئے جو شخص پانچ ارکان اسلام میں سے چار یعنی نماز روزہ حج زکوۃ کو پورے طور پر ادا نہیں کرتا یا ترک ہی کر رکھتا ہے مگر وہ شرک سے بچا ہوا اور سچے دل سے کہتا ہو لا الہ الا اللّه محمد رسول اللّه تو اس کی بخشش ضروری ہے۔ شارع ﷺ کا ارشاد ہے من قال

لا اله ا لا اللّه فد خل الجنة تو جب کہ ان چار ارکان کے ترک پر بھی بخشش ہو سکتی ہے تو خلف وعید اور کیا ہے) و نیز محسن مطلق نیست تا در وعدہ مطلق وے را در یا بد ۔ اند ر وے ا ختلا ف است ۔ قو ل معتز لہ آ نست کہ وے از وعید مطلق است اگر با گناہ از یں جہاں بیرو ن رود جاوداں دوزخ بماند (فر مائیں جو لوگ خلف وعید کے منکر ہیں اس عقیدہ سے تو بہ کریں گے کیونکہ مجدد کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ کے حق میں وعید مطلق کا اعتقا د رکھنے والا معتز لہ سے ہے) باز مذ ہب اہل سنت آ نست کہ مرا درا موقو ف دا رند نہ وعدہ مطلق د ہند نہ وعید مطلق ۔حکم وے بمشیت مطلق دا رند ۔ اگر خواہد وے را آ مرز د وآن از وے فضل بود ۔ اگر خواہد اورا عذاب کند وآن از وے عدل بود و ہیچ حال مومن را در دوزخ خلود نگو یند ہر چند عاصی بود

د یکھئے مجدد صا حب نے خلف وعید کو فضل سے اطلاق کیا ہے اور فر مایا اگر خواہد ویرا آ مر ز د و آ ن از و ے فضل بود ۔ اور اہل سنت کا یہ مذ ہب بتا یا ہے کہ کسی کے حق میں نہ وعدہ مطلق قرار دیں اور نہ وعید مطلق جا نیں ۔ بلکہ یہ معا ملہ اللہ پر چھوڑ یں، چا ہے بخشے، چا ہے عذا ب کر ے ۔ اس کے خلاف معتز لہ کا مذ ہب ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قو ل سے خلق وعید ثا بت ہے ۔ فر مایا انہوں نے کہ:

ہر مومن کہ با گناہ رود خدا وند تعالی از سہ کا ر یکے با وے کند ۔ یا برحمت خویش بیا مرز د ۔ یا بشفا عت پیغمبر بہ بخشد ۔ یا بمقدار گناہ عذاب کند وآ خر آ زاد کند ۔

جملہ، یا برحمت خویش بیا مرز د ، کا نام ہی خلف وید ہے ۔

شرح موا فق میں ہے:

جمع المعتز لة و الخوار ج عقا ب صا حب الکبیرة ا ذا ما ت بلا تو بة و لا یجو ز ان یعفو الله عنه ۔ یعنی معتز لہ اور خوارج کا اس پر اجماع ہے کہ جو صاحب کبیرہ بلا تو بہ مر جائے تو خدا اسے کبھی نہیں بخشتا ۔

شرح مقا صد میں ہے:

الثّواب فضل مّن اللّه تعالی و العقاب عدل من غیر وجوب علیه والاستحقاق من عبد خلافاً للمعتز له (اسکا مطلب بھی شرح مواقف کے متصل ہے)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی خلف وعید کے قائل ہیں ۔ لکھتے ہیں:

نیز بائد دانست کہ اہل قبلہ را دریں مسئلہ اختلا ف عظیم رو دادہ ۔ بعضے از یشاں مرتکب کبیرہ را

وعید قطعی دائمی ثابت میکند ۔ ومیگوئند کہ اگر صاحب کبیرہ بے توبہ بمیر د حکم او حکم کافراں ست و ہمیں است مذہب معتزلہ وخوارج و دیگر جاہلاں بیوقوف (یعنی یہ ثابت کرنے والا کہ گنہگار جو کبیرہ گناہ کرے اور پھر بغیر توبہ مرے تو اس کو ضرور عذاب ہوگا اور اسے بخشش نہیں اور اس پر وعید ضرور ہوگی ، یہ خوارج اور معتزلہ سے ہے ۔ یعنی خلف وعید کے برخلاف) مذہب صحیح کہ صحابہ وتابعین آنرا مشروحاً بیان فرمودہ اند واہل سنت و جماعت آنرا اختیار نمودہ اند ، آنست کہ مرتکب کبیرہ قابل عفو است (یہ خلف وعید ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب بغیر وعید کے بخشا جا سکتا ہے) اگر بے توبہ بمیر داو مانند سائر مسلمین است ، در نماز جنازہ واستغفار واعانت بصدقات ومیراث درحق او شفاعت پیغمبر ورحمت الٰہی را امیدوار باید بود (یعنی کبیرہ گناہ کرنے والے کے لئے رحمت الٰہی اور شفاعت پیغمبر سے امیدوار رہنا چاہیے ۔ رحمت الٰہی اس پر ضرور ہوگی اور بغیر وعید کے بخشا جا سکتا ہے یا یہ کہ اس پر خلف وعید کی جاوے گی) بلکہ یقین بائد کرد کہ حق تعالیٰ برحمت بے غایت خود یا بشفاعت پیغمبر از بعضے مرتکبان کبیرہ عفو خواہد فرمود (کیسے زور سے خلف وعید ثابت ہوتی ہے) وبعضے را از ایشاں عذاب ہم کند و نیز یقین باید کرد کہ از ینہا معذب خواہد شد عذاب او منقطع خواہد گشت ۔ عذاب ابدی خاصہ کفر (شرک) است ، ہیچ گناہ مستحق آں نتواں شد

یہ عبارت خلف وعید پر خوب دال ہے ۔

معترض نے چند آیات اس موضوع پر لی ہیں کہ اللہ اپنے وعدہ اور وعید میں سچا ہے ۔

ہاں ! جملہ اہل اسلام کا ایمان ہے کہ من اصدق من اللّٰہ قیلاً ۔ کہ اللہ سے زیادہ اپنی بات میں کوئی صادق نہیں ہے ۔ اس واسطے جو وعدہ مومنوں کو ان کے اعمال نیک پر دیا گیا ہے اللہ اسے ہرگز نہیں بدلیں گے کیونکہ یہ نقص اور ظلم ہے اور ذات باری نقائص سے پاک ہے ۔ اور وعید جو گنہ گاروں کو ان کے اعمال بد پر دی گئی ہے وہ جس سے چاہے گا دور کر دے گا ۔ چونکہ سزائے بدی کے معاف کرنے میں اللہ سے زیادہ کوئی رحیم نہیں ہے اس واسطے سزا کا معاف کرنا کوئی نقص نہیں ہے بلکہ یہ رحیمی وکریمی و بخشش ہے تو اس ذات سے بڑھ کر کون رحیم ہو سکتا ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس دن اللہ کریم نے روحوں کو پیدا کیا اور ان سے اپنی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار لیا تو اسی وقت اپنی قدرت سے لکھ دیا : انّ رحمتی غلبت غضبی ۔

ہاں اگر اللہ وعید کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے کہ فلاں گناہ کی سزا یہ ہے مگر میں بخش دونگا تو مرتکب گناہ کو خوف ہی کیا تھا ؟ اللہ نے جگہ جگہ خوف دلائے ہیں اور وعیدیں بتائی ہیں طرح طرح

کے عذاب سے ڈرایا ہے پھر بھی لوگ گناہ کئے جاتے ہیں۔ اگر گنہگاروں کی بخشش میں قطعی طور پر ایک آیت بھی آجاتی تو پھر خوف ہی کیا تھا؟ پس اسی وجہ سے لازمی امر ہے کہ یہ خلف وعید کے اثبات کا مسئلہ جہلاء وغیرہ میں نہ کرنا چاہیے تاکہ وہ تکمیل احکام کو ترک نہ کر دیں۔

☆ مسئلہ شفاعت

شفاعت کے متعلق شاہ اسماعیل کا عقیدہ اس طرح پر ہے کہ خود بخود کوئی کسی کی شفاعت نہ ہوگی بلکہ جس کے حق میں اللہ تعالیٰ اذن دیں گے اسی کی شفاعت ہوگی۔ اور شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے: اور جس کو چاہے گا اپنے حکم سے اس کا شفیع بنائے گا۔

اس پر اعتراض ہے کہ شاہ صاحب نے آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے انکار کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ سب اہلسنت کا یہی مذہب ہے جو شاہ اسماعیل نے لکھا ہے۔ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں:

> معنی ایں آیت آنست کہ شفاعت بے حکم الٰہی دراں روز مقبول نخواہد شد۔ بدلیل آنکہ در آیات بسیار نفی شفاعت را مقید بایں قید فرمودہ اند، مانند یومئذٍ لا ینفع الشّفاعة الّا من اذن له الرّحمن و رضی له قولاً ۔ و من ذا لّذی یشفع عنده الّا باذنه ۔ و من حمیم ولا شفیع یطاع ولا تنفع الشفاعة عنده الّا لمن اذن له ۔ و احادیث متواترہ بیان کردند کہ غیر از کافر در حق ہمہ اہل معاصی حکم بشفاعت خواہد شد۔ پس معلوم شد کہ محروم مطلق از شفاعت کافر است وبس۔ ومناسب مقام ہم نفی ہمیں شفاعت است

مسئلہ علم غیب

> قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً ا لا ما شاء اللّه ۔ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسّنی السّوء ۔ ان انا الّا نذیر وّ بشیر لّقوم یّومنون ۔ فرمادے اے رسول کہ میں تو اپنے نفس کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتا مگر جیسا اللہ چاہے (کرتا ہے) اور اگر میں عالم الغیب ہوتا تو البتہ بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

یہ آیت بتمامہ اس مسئلہ پر حاوی ہے جو آپ کا عالم الغیب نہ ہونا ثابت کر رہی ہے اور

اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے بھی اعلان کر دیا کہ میں عالم الغیب نہیں۔

دوسری وعندہ مفا تیح الغیب ... ہے، (یعنی غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہی ہیں)۔

تیسری قل لّا یعلم من فی السّما وا ت و ا لارض الغیب الّا اللّہ ۔(یعنی کہہ دیں کہ میں تو زمین وآسمان کے غیب سے کچھ نہیں جانتا مگر اللہ)۔

ان آیات کو معترض نے مکی کہہ کر گویا ثابت کیا ہے کہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد آپ عالم الغیب ہو گئے مگر ان آیات کی منسوخی پر کوئی اور آیت پیش نہ کی۔

چوتھی یہ آیت بھی علم غیب صرف ذات باری کو ثابت کرتی ہے انّ اللّٰہ عندہ علم السّاعۃ و ینزّل الغیث ویعلم ما فی الارحا م و ما تدری نفس ما ذا تکسب غداً و ما تدری نفس با یّ ار ض تموت انّ اللّٰہ علیم خبیر ۔ (بے شک قیامت کا علم اللہ کو ہے اور وہی بارش اتارتا ہے اور جو کچھ رحموں میں ہو جانتا ہے، کسی نفس کو یہ معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا اور یہ بھی کسی نفس کو معلوم نہیں کہ کون سی زمین میں وہ مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے)۔

معترض آنحضرت ﷺ کے عالم الغیب ہونے پر آیات ذیل پیش کرتا ہے:

۱ ۔عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ ا حداً الا من ارتضی من رّسول ۔ (جن)

۲ ۔ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ۔ (ھو د)

۳ ۔ علّمہ البیان ۔(الرحمن)

۴ ۔ فا وحی الی عبدہ ما اوحی ۔ (النجم)

۵ ۔ وما ھو علی الغیب بضنین ۔ (التکویر)

۶ ۔ وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رّسلہ من یشاء ۔(آل عمرا ن)

۷ ۔ و علّمک ما لم تکن تعلم ۔(النساء)

۸ ۔ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک ۔ (آل عمرا ن)

❁ آیت نمبر ایک کا مطلب سمجھنے کے لئے پیچھے کی تین آیات کو دیکھنا چاہیے جن سے معلوم ہوگا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

ترجمہ۔ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اسکے پیغام اور جس نے اللہ اور اس کے رسول

سے منہ پھیرا اس کے واسطے نار جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ جو وعدہ دیئے جاتے تھے دیکھ لیں گے تب جان لیں گے کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں کم۔ (یہ آیات سن کر کافر کہنے لگے کہ اگر تو پیغمبر ہے تو لے آ وعذاب ہمیں خوف نہیں) تو پھر اللہ نے فرمایا قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امداً۔ یعنی اے محمد ﷺ کہہ دیں کہ جو کچھ تم وعدہ دیئے جاتے ہو اسے میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا اللہ کچھ میعاد کر دے۔ وہی ذات پاک عالم الغیب ہے۔ پس اس کے غیب پر کوئی مطلع نہیں ہوتا مگر جو کسی رسول کو پسند کیا (اسے بتا دیا)۔

ایسی باتیں پیغمبروں کو بتا کر پھر اس کے آگے فرمایا:

فانّہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربّھم ..یعنی پھر وہ ان رسولوں کے آگے پیچھے چوکیدار چلاتا ہے تا کہ جانے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچائے ہیں (یا نہیں)۔

یعنی رسولوں کو جو کچھ بتایا جاتا ہے وہ لوگوں کو پہنچانے کے واسطے بتایا جاتا تھا، پس یہ تو خدا کے غیبی پیغام ہیں اور پیغمبروں کو دیئے تا کہ لوگوں کو پہنچائیں۔ یہ کیسے علم غیب کی دلیل ہے اگر یہ علم غیب پر دال ہے تو قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امداً کیوں نفی کر رہی ہے۔ پس آیت محولہ آنخضرت ﷺ کے عالم الغیب ہونے پر شاہد نہیں۔

آیت نمبر ۲ کا مطلب:

یہ غیبی باتیں آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں، تا کہ لوگوں کو ان سے آگاہ کرے۔

پس یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ وحی کرنے والا عالم ہوسکتا ہے یا پیغامبر۔ اگر پیغام بر بھی عالم ہوسکتا ہے تو آنخضرت ﷺ سے پہلے فرشتہ وحی غیبی باتوں پر مطلع ہوتا تھا اور پھر وہ آنخضرت ﷺ کے پاس جا کر خبر دیتا تھا اور تیسرے درجہ پر آنخضرت ﷺ غیبی باتوں پر مطلع ہوتے تھے، تو اب بھی یہ غیب ہی رہا؟ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو وحی کے آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جن امور کے لئے وحی آتی وہ آپ کو خود بخود معلوم رہنے چاہیے تھے۔

آیت نمبر ۳ کا مطلب ہے: سکھایا اس کو بولنا یا بات کرنا یا علم بیان

یہاں علم غیب سے مراد نہیں۔ تاہم اگر ہو بھی تو علّمہ البیان کا ضمیر کس کی طرف ہے؟ اس جملہ سے پہلے خلق الانسان ہے اور آگے علّمہ البیان ہے تو اس کا ضمیر انسان کی

طرف ہے۔ترجمہ یہ ہوا کہ آدمی کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

اگر اسکے معنی ہوں کہ علم غیب سکھایا، تو سبھی انسان عالم الغیب بن گئے۔

آیت نمبر۴ کے معنی ہیں:

وحی کیا ہم نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کیا

اس کا مطلب بھی اوپر والی آیات سے حل کرلو۔

☆ آیت نمبر۵ کا معنی ہے:

نہیں آنحضرت ﷺ غیبی باتوں کے بتانے میں بخیل

یعنی وہ غیبی باتیں جو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتائی گئیں ان میں آپ بخل نہیں کرتے، بعینہ بتادیتے ہیں کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا یا ایّھا الرّسول بلّغ ما انزل ...

یاد رہے کہ اس آیت میں جو لفظ علی الغیب آیا ہے اس غیب سے مراد وحی شدہ احکام ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں و ما یعنی محمد ﷺ علی الغیب علی الوحی بظنین همتهم ببخیل ان قر أت با لضّا د۔(تفسیر ابن عباس برحاشیہ قرآن مع الترجمتین مطبوعہ مجتبائی)۔ پس وحی کا مطلب وہی ہے جو آیت نمبر۲ پر لکھا گیا۔

آیت نمبر۶ کا معنی ہے:

رسولوں کے سوا اور کسی پر ضروری نہیں کہ اللہ تعالی غیبی باتوں کی اطلاع دے لیکن پیغمبروں میں سے پسند کرتا ہے جسے چاہے۔

یہاں بھی غیب سے مراد وحی کے ذریعہ ہے اور وحی کا مطلب بیان ہو چکا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں وما کان اللّه لیطلعکم یا اهل مکه علی الغیب علی ذلک حتی تعلموا من یومن و من لا یومن و لکن اللّه یجتبی یصطفی من رّسله من یّشاء یعنی محمداً فیطلعه علی بعض ذا لک با لو حی۔

آیت نمبر۷ کا معنی ہے:

اور سکھایا تجھے جو تو نہ جانتا تھا

یہ آیت اگر آنحضرت ﷺ کے علم غیب پر دال ہے،تو دوسری جگہ فرمایا علّمکم ما لم تکونوا تعلمون۔(پ ۲ ع ۱۵)۔ یعنی سکھایا تم کو(اے مسلمانو!) جو تم نہ جانتے تھے۔ اور ایک جگہ فرمایا علّم الانسان ما لم یعلم سکھایا انسان کو جو نہ جانتا تھا۔

ان تینوں آیات میں لفظ ، ما ، عام ہے۔اگر پہلی آیت آنخضرت ﷺ کے علم غیب پر ہے تو دوسری تمام مومنوں کے عالم الغیب ہونے پر اور تیسری تو سب انسانوں کے عالم الغیب ہونے پر ہے۔

آیت نمبر ۸ کا معنی ہے:

یہ غیب کی باتیں ہیں جو آپ کو وحی کی گئیں۔

یہ بھی وحی ہے اور وحی کا مطلب اوپر لکھا گیا۔(لفظ وحی کے لغوی معنی بھی خدا کا پیغام ہیں)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ آنخضرت ﷺ کو غیب کی باتیں بذریعہ (فرشتہ) وحی یا الہام یا کشف معلوم ہوتی تھیں وہ بھی بعض بمقدار ضرورت۔ اس سے یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کے عالم الغیب ماننے سے پہلے فرشتوں کو عالم الغیب ماننا ہوگا کیونکہ وہی وحی لیکر آتے، آنخضرت ﷺ بعد میں آگاہ ہوتے۔

معترض نے قالوا اتجعل فیھا من یّفسد فیھا و یسفک الدّ ماء .. (بقرہ) سے فرشتوں کو بھی عالم الغیب گردانا ہے۔ لیکن اس آیت سے آگے نہیں دیکھا یعنی وعلم آدم الا سماء کلّھا ثمّ عرضھم علی الملا ئکۃ (اورسکھائے آدم کو نام سارے پھر سامنے کیا ان کو اوپر فرشتوں کے)۔

محولہ معترض آیت سے ظاہر ہے کہ فرشتوں نے غیبی بات کہہ دی، تو اللہ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔(ایک تو فرشتوں کے کلام کو اس طرح کاٹا پھر) اور ان کی صداقت کی دلیل مانگی کہ فقال انبؤنی باسماء ھئولا ء ان کنتم صادقین اگر تم اپنی بات میں (یعنی جنس آدم کے افعال کے متعلق غیب پر زبان کھولنے میں) سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔تو فرشتوں نے عرض کی سبحا نک لا علم لنا الّا ما علّمتنا ..اے اللہ! تو پاک ہے ہم کو تو کسی بات کا کوئی علم نہیں مگر جتنا تو بتا دے۔

دیکھنا چاہیے کہ اللہ نے دوطرح ان کے غیبی قول کی تردید کی اور خود فرشتوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اقرار کرلیا۔ نیز فرشتوں کی لاعلمی پر یہ حدیث بھی دال ہے۔

ترجمہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب فرشتے بادل میں آتے ہیں تو شیاطین چھپ کر ان سے خبریں اخذ کرتے ہیں جو وہ آسمان میں باتیں کرتے ہیں (کہ فلاں کام ایسا ہے یا ایسا ہوگا) تو وہ شیاطین زمین پر آکر کاہنوں کو بتا دیتے ہیں۔اور ساتھ کچھ جھوٹ بھی ملا لیتے ہیں

۔تو اگر فرشتوں کو علم حاصل ہے تو شیاطین کے چھپنے اور باتیں سننے کا انہیں کیوں پتہ نہیں چلتا۔

اس مسئلہ پر بے شمار احادیث ہیں منجملہ ان کے ایک حدیث افک ہی سے اس مسئلہ سے کما حقہ واقفیت ہو جاتی ہے۔ معترض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو بہتان سے کما حقہ واقفیت تھی مگر اس واسطے خاموش رہے کہ خود اللہ تعالی ہی بریت بھیج دیں گے تو بہتان کا اظہار ہو جاوے گا۔ جب کہ حدیث افک میں بتایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس بہتان کے بارہ میں سخت تشویش ہوئی اور سخت غم گین رہے حتی کہ نازل ہوا: انّ الّذین جاؤا بالافک ....

اگر آپ ﷺ کو معلوم تھا تو آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اجتناب کیوں کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ خود فرماتی ہیں:

و یریبنی فی وجعی انّی لا اری من النّبیّ ﷺ اللّطف الّذی کنت اری منه حین اعرض یعنی مجھے اپنی بیماری میں بارہا خیال آتا تھا (کیا باعث ہے کہ) میں (اپنے اوپر) نبی ﷺ کی اب وہ مہربانیاں نہیں دیکھتی جو میں (اس سے پہلے) اپنی بیماری کے وقت آپ سے دیکھا کرتی تھی۔... انّما یدخل فیسلّم فیقول کیف حالتیکم۔ صرف تشریف لاتے، سلام کے بعد یہی فرما کر چلے جاتے ہیں کہ تم کیسی ہو؟

پھر جب حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے والدین کے ہاں چلی گئیں اور جا کر والدہ سے آنحضرت ﷺ کی شکر رنجی کا اظہار کیا تو ان کی والدہؓ نے فرمایا:

فقالت یا بنیّة هوّنی علی نفسک الشّأن فو اللّه لعلما کانت امرأة قطّ وضیئة عند رجل یحبّها ولها ضرائر۔ (پس کہا، بیٹی تم اپنی جان پر سختی نہ کرو۔ خدا کی قسم! کم ہی کوئی حسین عورت کسی شخص کے پاس ہوتی ہے کہ مرد اس کو دوست رکھتا ہو، اور اس عورت کی سوکنیں بھی ہوں۔

اگر آنحضرت ﷺ عالم الغیب ہوتے تو صحابیہ (عائشہ صدیقہؓ کی والدہؓ) کا یہ کلام نہ ہوتا، بلکہ وہ فرماتیں کہ بیٹی فکر نہ کرو، آپ ﷺ کو تو علم غیب حاصل ہے، اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو رسول خدا ﷺ کی رنجش کا باعث کوئی اور ہوگا۔ اور اگر نعوذ باللہ تم قصوروار ہو تو مجھے کیا بتاتی ہو؟ آنحضرت ﷺ کو تو علم غیب کے ذریعہ معلوم ہے۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

فدعا رسول اللّه ﷺ علیّ بن ابی طالب واسامه بن زید حین

استلبث الوحی یستشیر ھما فی فراق اھله فاما اسامة فاشار علیه با لّذی یعلم فی نفسه من الودّ فقال اسامة ا ھلک یا رسول اللّه ولا نعلم الّا خیراً و امّا علی فقال یا رسول اللّه لم یضیق اللّه علیک و النّساء سوا ھا کثیر و سئل الجاریة تصدقک ۔ رسول خدا ﷺ نے علیؓ اور اسامہؓ کو بلایا جب کہ وحی آنے کو دیر ہوگئی۔ اور آپ سے فراق کی بابت مشورہ کرنے لگے اسامہؓ نے تو اس کے موافق مشورہ دیا جو آپ ﷺ کے دل کی کیفیت کے مطابق تھا اور کہا وہ آپ کی بیوی ہیں اور خدا کی قسم ہم ان میں سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتے۔ لیکن علیؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ۔ اللہ آپ پر ہرگز تنگی نہیں کرتا اور عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ اور آپ ﷺ لونڈی (بریرہ) سے پوچھئے۔ وہ آپ سے سچ سچ بیان کر دے گی۔

غور کرنا چاہیے کہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو کسی سے مشورہ نہ کرتے۔ اور یہ دونوں صحابی ایسا مشورہ نہ دیتے۔ اور نہ ہی حضرت علیؓ یہ فرماتے کہ لونڈی سے پوچھئے۔ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یہ دونوں صحابی بغیر مشورہ دینے کے کہہ دیتے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو عالم الغیب ہیں ہم سے کیوں مشورہ کرتے ہیں۔ پھر جب آپ ﷺ نے لونڈی سے پوچھا تو اس نے بھی آپ کو اسامہ کی طرح مشورہ دیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی معصومیت بیان کی اور عالم الغیب آپ کو نہ کہا۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جا کر فرمایا:

یا عائشه لقد بلغنی عنک کذا و کذا فان کنتِ بریئة فسیبرّئک اللّه ۔ وان کنتِ الممت بذ نب فاستغفری اللّه و توبی الیه فانّ العبد اذا اعترف بذ نبه ثمّ تاب تاب اللّه علیه ۔ اے عائشہ مجھے تمہاری نسبت ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ پس اگر تم اس سے بری ہو تو عنقریب اللہ تمہیں بری کر دے گا، اور اگر تم کسی گناہ میں آلودہ ہوگئی ہو تو اللہ سے استغفار کرو، اور اس کی طرف رجوع کرو، کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور بعد اس کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس امر کے بارہ میں آپ ﷺ کو کوئی واقفیت نہ تھی۔

جواب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا:

واللّه لقد علمت انکم سمعتم ما یتحدث به النّاس و وقر فی

انفسکم و صدّقتم به ۔ واللہ مجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے اس بات کو سنا ہے جس کا لوگ چرچا کر رہے ہیں اور وہ آپ کے دلوں پر جم گئی ہے اور آپ ﷺ نے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کو ضرور ہی شک پڑا ہوا تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے کہا:

و لئن قلت انّی بریئة ،اللّه یعلم انّی لبریئة ۔اگر میں کہوں کہ میں بری ہوں اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں۔

یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اور رسول جانتا ہے کہ میں بری ہوں۔

پھر فرمایا لا تصدقونی بذلک ۔ آپ اس کو سچ نہ مانیں۔ ولئن اعترفت لکم بامرٍ و اللّه یعلم انّی لبریئة لتصدقنی۔ اور اگر میں اس بات (الزام) کو مان لوں، (حالانکہ) اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں، تو اسے آپ سچ مانیں گے۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ

نبی ﷺ جب کوئی ابر کا ٹکڑا آسمان پر دیکھتے تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ مگر جب پانی برسنے لگتا تو آپ کی وہ حالت دور ہو جاتی۔ ایک دفعہ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ شائد ایسا ہی ہو جیسے ایک قوم نے کہا تھا فلما رأوه عارضاً مستقبل او دیتهم ..الآیہ۔ (تجرید البخاری باب بدء الخلق)

معلوم ہوا کہ آپ عالم الغیب نہ تھے۔ ہوتے تو چہرہ کا رنگ متغیر نہ ہوتا، پہلے معلوم ہوتا کہ طوفان آنے والا ہے یا پانی برسنے والا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ

(ایک مرتبہ) آپ ﷺ پر جادو کیا گیا... پھر ایک دن آپ نے ﷺ بہت دعا کی اس کے بعد مجھے فرمایا تم کو معلوم ہے؟ اللہ نے مجھے وہ بات بتا دی جس میں میری شفا ہے۔ دو آدمی میرے پاس آئے.. ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا بیماری ہے دوسرے نے کہا انہیں جادو کیا گیا ہے۔ اس نے کہا کس نے جادو کیا ہے۔ دوسرے نے کہا لبید بن اعصم نے۔ اس نے کہا کس چیز میں ؟ دوسرے نے کہا کنگھی میں اور روئے کے گالوں میں اور نر چھوہارے کی کلی کے اوپر والے چھلکے میں۔ اس نے کہا وہ کہاں ہے۔ دوسرے نے کہا ذروان (کنویں) میں۔ پس نبی ﷺ

وہاں تشریف لے گئے۔ لوٹے، تو عائشہؓ سے فرمایا۔ اس کنویں کے درخت گویا کہ شیطان کے سر ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے کہا آپ ﷺ نے اس کو نکلوایا۔ فرمایا۔ اللہ نے مجھے شفا دے دی۔ اور (اس کے نکلوانے میں) مجھے یہ خیال ہوا کہ لوگوں میں فساد پھیلے گا۔ اور بعد اس کے وہ کنواں بند کر دیا۔ (تجرید بخاری۔ باب بدءالخلق)

قرآن و حدیث کے بعد اب فقہ کی بات سنیں۔ جناب ملا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

و اعلم انّ الانبیاء لم یعلموا المغیباہ من الاشیاء الّا ما اعلمھم اللّٰه تعالی احیاناً و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد انّ النبی ﷺ یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالی قل لا یعلم من فی السّما وات والارض الغیب الّا اللّٰه۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵)۔ جان لو کہ انبیاء غیب نہیں جانتے تھے لیکن اتنا ہی جو کبھی کبھی خدا ان کو بتلاتا۔ اور علمائے حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی پیغمبر ﷺ کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے اس نے کفر کیا کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ اللہ کے سوا زمینوں اور آسمانوں میں کوئی غیب نہیں جانتا۔

فتاوی قاضی ج ۴ باب ما یکون کفرا من المسلم و ما لا یکون میں ہے:

رجل تزوج بغیر شھود فقال الرجل و المرأة خدا و رسول گواہ کردیم۔ قالوا یکون کفراً لانّه اعتقد انّ رسول اللّٰه ﷺ یعلم الغیب و ھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔ جو شخص اپنے نکاح میں خدا و رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے کیونکہ اس کے گواہ کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں۔ جب حضور ﷺ زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد انتقال کیونکر جانتے ہیں؟

قاضی ثناءاللہ پانی پتی مالابدّ میں لکھتے ہیں:

اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود۔ اسی مقام پر حاشیہ میں اس کفر کی دلیل لکھی ہے: چراکہ آنکس اعتقاد کرد کہ رسول خدا ﷺ غیب می داند۔ و پیغمبر خدا در حالت حیات غائب نمی دانست پس چگونہ بعد موت غیب داند (کذا فی قاضی خان)۔

معترض اپنا مطلب نکالنے کے لئے و یکون الرسول علیکم شھیداً پیش کرتے ہیں۔لیکن شروع آیت نہیں دیکھتے فرمایا و کذلک جعلنا کم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی النّاس۔اسی طرح تمہیں ایک معتدل جماعت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔ یہ آیت تمام امت محمدیہ کے عالم الغیب ہوجانے کی دلیل بن جاتی ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ امت محمدیہ کو بذریعہ کلام پاک پہلی امتوں کے حالات سے بہت واقفیت ہوگئی ہے اس واسطے ہم ان کے حالات پر گواہی دیں گے۔

اسی طرح و یکون الرّسول علیکم شھیداً۔رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔

شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی زیر آیت و یکون الرسول علیکم شھیدا۔بقرہ۔ لکھتے ہیں:

> وازیں است کہ درروایات آمدہ کہ ہر نبی رابر اعمال امتیان خود مطلع میسازند کہ فلانے امروز چنیں میکند وفلانے چناں۔تا روز قیامت اداء شہادت تواند کرد

شاہ صاحب کی عبارت سے آپ ﷺ کے علم غیب مابعد حیات کی نفی ثابت ہے۔

☆ امکان نظیر

شاہ اسماعیل دہلویؒ نے کہیں نہیں لکھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوگا اور نہ لکھا کہ ہوا ہے۔ بلکہ جس طرح شیخ شرف الدین یحی منیریؒ اور امام غزالیؒ کی عبارتوں سے خدائی قدرت کا اندازہ دکھایا گیا ہے اور ان عبارات میں: اگر خواہد، وغیرہ الفاظ شامل ہیں، ایسے ہی شاہ اسماعیلؒ نے اس آیت کی ترجمانی کی ہے۔جیسا فرمایا اللہ وعزوجل نے و لو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرا۔ اگر شاہ اسماعیلؒ نے بے ادبی کی ہے تو اس آیت میں اللہ کے فرمان کا کیا مطلب ہے۔

شاہ اسماعیل دہلویؒ پر ایک مولوی صاحب نے ان کی زندگی میں اسی مضمون پر اعتراض کیا تو آپ نے اس پر ایک فتوی لکھا تو وہ معترض لاجواب ہوگیا۔اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے:

جناب فضل حق خیرآبادی، جناب محمد اسماعیل کی تقویۃ الایمان کے اس مسئلہ پر کہ اللہ، حضرت محمد ﷺ جیسا دوسرا پیدا کرنے پر قادر ہے،عتراض کیا اور لکھا کہ اللہ تعالی، حضرت محمد ﷺ

جیسا دوسرا پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ آپ نے اس کا مدلل جواب لکھا:

کہ قدرت ایک علیحدہ صفت ہے اور تکوین یعنی بنانا ایک علیحدہ صفت ہے۔ سو وجود مثل آنحضرت ﷺ قدرت الٰہی کے تحت داخل ہے نہ تحت تکوین تاکہ اس کا وقوع لازم آئے۔ اور تقویۃ الایمان کے اس مقام پر بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ، مثل آنحضرت ﷺ پیدا کرنے پر قادر ہے، اور یہ مقصود نہیں کہ مثل آنحضرت ﷺ پیدا کرے گا، کیونکہ آپ خاتم النبیین ہو چکے۔

پھر آپ نے ثبوت قدرت کے واسطے یہ آیت لکھی:

اولیس الّذی خلق السّماوات و الارض بقادرٍ علی ان یّخلق مثلھم بلی وھو الخلاق العلیم۔ یعنی کیا وہ ذات پاک جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان کے مثل (یعنی بنی آدم کے) اور پیدا کرے۔ ہاں! وہ ضرور بڑا پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

پھر شاہ اسماعیلؒ نے لکھا کہ اس آیت میں ضمیر جمع مذکور کی کل بنی آدم کی طرف، جن میں حضرت ﷺ بھی شامل ہیں، راجع ہے۔ اور اس آیت میں بیان معاد کا ہے مگر پیدا کرنے مثل پر اس کا قادر ہونا بخوبی ثابت ہے۔

معترض جو کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالی، آنحضرت ﷺ جیسا پیدا نہیں کر سکتا تو اس سے وہ اللہ تعالی کی اس قدرت کو جس سے آنحضرت ﷺ کو پیدا کیا، سلب جانتے ہیں۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ کمال درجہ کی گستاخی ہے۔

☆ وزیرآبادی اشتہار بسلسلہ مسئلہ علم غیب و بشریت انبیاء

علم غیب اور بشریت انبیاء کے مسئلہ پر اشتہار بازی بھی خوب ہوتی رہی۔ اسی سلسلے کا ایک اشتہار نقل کیا جاتا ہے:

عدم بشریت اور علم غیب آنحضرت ﷺ ثابت کرنیوالے کو
دوسو روپئہ نقد انعام

عیسائیوں کے احبار (مولویوں) اور رہبان (پیروں) کے جب دنیاوی اقتدار کی انتہاء

ہوگئی تو اب انہیں عالم الغیب ومختار کون ومکان بننے کی سوجھی تاکہ دنیا حاضر اور غائب ہر وقت اور ہر لحظہ ہم سے ترساں اور لرزاں رہے۔ لیکن یہ کام اس وقت تک نہ ہوسکتا تھا جب تک وہ اپنے سے برتر انسان حضرت مسیح کو خدا بنا کر پہلے اس قسم کے جملہ اختیارات ان کو سونپ نہ لیں کیونکہ پیر اور علماء اپنے مذہبی مورث کی وراثت کے مالک اس وقت کہلا سکتے تھے جب کہ پہلے وہ اپنے مورث کو ان اختیارات کا مالک بنالیں۔ چنانچہ پہلے انہوں نے یہ مسئلہ گھڑ لیا کہ مسیح عالم الغیب تھا اور اب بھی ہے۔ جب یہ دال گل گئی تو کہا کہ مسیح ارض وسماء کا مالک ہے اور جو ایسا نہ سمجھے وہ بے ادب اور گستاخ ہے۔ اب بھلا اپنے نبی کا بے ادب اور گستاخ کون بنے۔ اور اگر کوئی خدا کا پیارا کہہ بھی دیتا کہ ارض وسماء کا مالک صرف اللہ ہے تو وہ مولویوں اور پیروں کی بارگاہ سے گردن زدنی قرار دیا جاتا اور بڑے بڑے پیر ضمیر فروشوں کے دستخط ثبت کروا کر قتل یا جلا وطن کروا دیتے۔ اس طرح جب یہ عقیدہ راسخ ہوگیا تو پھر پادریوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ پھر اس سے بھی گذر کر یہ کہہ دیا کہ مسیح خدا تھا اور گو خدا اور اس کا بیٹا اور روح القدس بظاہر تین ہیں مگر ان تینوں میں ایک اور ایک میں تینوں ہیں۔ اس طرح تنثلیث فی التوحید اصل ایمان قرار پایا جو کہ آج کل عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

جب مسیحی علماء نے دیکھا کہ ہمارا جادو چل گیا اور لوگ مسیح کو خدا ماننے لگ گئے تو پھر انہوں نے آہستہ آہستہ ان اختیارات کا خود وارث بننا شروع کیا اور آخری نتیجہ وہی ہوا جس کو مولوی اور پیر لے کر اٹھے تھے۔ اس نتیجہ کو اللہ تعالی نے قرآن میں بصراحت ظاہر فرمایا ہے:

اتخذوا احبار هم و رهبا نهم اربا باً من دون اللّه۔ (توبہ) (یعنی عیسائیوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو ہی اللہ تعالی کے سوا خدا بنالیا)۔

اور یہی مولوی چاہتے تھے جو کہ انہوں نے کر دکھایا۔

چوتھی صدی عیسوی میں جب مولویوں اور پیروں کا زور مشیت ایزدی سے کچھ کم ہوا تو .....اسکندریہ کے رہنے والے ایک شخص نے اپنے قدیمی مذہب کو خیر باد کہہ کر یہ اعلان کر دیا کہ مسیح چونکہ خود کو ابن آدم اور ابن داؤد کہا کرتا تھا تو جب حضرات آدم اور داؤد خدا نہ تھے تو مسیح کس طرح خدا ہوسکتا ہے جب اس کے متبعین پھلنے پھولنے لگے تو عیسائی علماء طوفان کی طرح اس فرقہ پر چڑھ آئے، مگر صداقت کا بیج بویا جاچکا تھا۔ ادھر اس وقت کی حکومت مولویوں سے بدظن تھی اس لئے اس فرقہ نے قلیل عرصہ ہی میں کافی ترقی کر لی۔

ان کی طرف سے یہ اعتراض تھا کہ اناجیل میں حضرت مسیح کے پیشاب پاخانہ کا ذکر آتا ہے اور یہ بشریت ہے الوہیت نہیں ۔ پیشاب پاخانہ کرنے والا بشر ہی ہوسکتا ہے اللہ عزوجل کو کبھی کسی نے ایسا کرتے نہیں دیکھا (نعوذ با للہ من ذلک) ۔ یہ اعتراض بڑا معقول تھا، مولویوں کے پیٹوں میں سانپ لوٹ لوٹ جاتے تھے مگر اناجیل کا انکار کس طرح کرتے ۔ آخر دور کی سوجھی اور یہ جواب گھڑ لیا کہ مسیح کا پیشاب پاخانہ پاکیزہ بلکہ متبرک تھا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں جب حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے مسلمانوں کا ایک لشکر جرار لے کر بیت المقدس پر حملہ کیا تو اس وقت بیت المقدس میں دور دور سے بڑے بڑے پادری آئے ہوئے تھے اور یہی مسئلہ زیر بحث تھا کہ مسیح کا پاخانہ پیشاب پلید ہے یا پاک؟ ادھر سے مسلمان ان کا مقدس قبلہ چھیننے کے لئے چڑھے آرہے تھے مگر عیسائی مولویوں کو اطلاع ہونے کے باوجود بھی اس بحث سے فرصت نہ ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کے صدہا سالہ مقبوضہ اور مقدس قبلہ پر ان کی فضول بحث میں مسلمانوں نے بلا جنگ قبضہ کرلیا مگر انہیں پھر بھی شرم نہ آئی ۔ میں نے یہ واقعہ اسلئے ذکر کیا کہ اب مسلمانوں کو بھی مولوی اسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں اس لئے انہیں غور کرنا چاہیے اور اپنی حالت بد سے بدتر نہیں بنانی چاہیے ۔

آنحضرت ﷺ نے ترمذی شریف میں ایک پیش گوئی فرمائی ہے لیأتین زمان علی امّتی کما اتی علی بنی اسرائیل یعنی میری امت کے بھی بالکل ویسے ہی عقاید ہو جاویں گے جس طرح کہ بنی اسرائیل کے تھے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی بالکل پوری ہو رہی ہے اور جس طرح انہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو بشر سے خدا بنا لیا تھا ہمارے ملا نے بھی آنحضرت ﷺ کو بشر سے خدا بنانا چاہتے ہیں ۔

کس قدر تعجب ہے کہ دبی زبان سے چار و ناچار یہ تسلیم بھی کرلیا ہے کہ بلا شک قرآن شریف میں ہے قل انّما انا بشر مّثلکم ...کہ اے رسول کہدے کہ میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں ۔ مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تو رسول کو حکم ہوا ہے مسلمانوں کو نہیں ہوا ۔ یہ ایسی ہی مثال ہے جیسا کوئی شخص یہ کہہ دے کہ سورہ قل اعوذ بربّ الفلق اور قل اعوذ بربّ النّاس وغیرہ میں بھی چونکہ قل ہے اس لئے یہ بھی صرف رسول اللہ ﷺ کو پڑھنے کا حکم ہوا، یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ مسلمان بھی یہ سورتیں پڑھیں ۔

حضرت عائشہؓ، حضرت رسول خدا ﷺ کو بشر کہتی ہیں ۔ یہ خوب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر

فرمائے۔ اللہ کا رسول بشر فرمائے مگر مسلمان نہ کہیں۔ بھلا کوئی پوچھے کہ اگر اللہ اور رسول کے سوا کسی کو کہنے کا حکم نہیں تو پھر حضرت عائشہؓ نے کیوں فرمایا کان بشر من البشر (رواہ الترمذی، مشکوۃ)۔ یعنی جس طرح اور بشر ہیں اسی طرح کے آنحضرت ﷺ بھی ایک بشر تھے، جس قدر ادب اور عزت آپ ﷺ کی صحابہ خصوصاً ازواج مطہرات نے زبان سے اور عمل سے کر دکھائی اور جانیں تک فدا کر دیں۔ ہم اور آپ اس عزت کا لاکھواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے، منہ سے تو نبوت سے الوہیت تک پہنچا دیا لیکن جب یہ پوچھا کہ کس کے مذہب پر ہو تو کہہ دیا کہ امام اعظمؒ کے مذہب پر ہوں، بس زبانی حبّ اور عشق کا سارا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ چونکہ حنفی بھائیوں کو جب تک فقہ کی کتاب سے حوالہ نہ دیا جائے تسلی نہیں ہوتی، اسلئے علم عقائد کے امام کی زبانی سنیئے۔ مسامرۃ الکمال بن ابی شریف مطبوعہ کبری امیریہ مصر ص ۱۹۸ میں ہے:

انّ النبی انسا ن بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی۔ یعنی نبی ایک انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالی مبعوث فرماتا ہے کہ وہ تبلیغ کرے جو کچھ اس کی طرف وحی ہو۔

اور مسا ہرہ شرح مسامرہ للعلامہ الکمال بن الہمام مطبوعہ مطبع کبری امیریہ مصر صفحہ ۱۹۷ میں ہے:

فا لنبی علی ھذا انسا ن او حی الیہ

(یعنی نبی ایک انسان ہوتا ہے جس کی طرف وحی ہوتی ہے)۔

اب ملا علی قاری کی سنئے جن کو بریلوی حنفی بھی اپنا ایک پیشوا تسلیم کرتے ہیں آپ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

قا ل علیہ السلام لا تطرونی کما طری عیسی وقولوا عبد اللّٰہ و رسو لہ۔ یعنی جس طرح عیسائیوں نے مسیح کی بشریت سے انکار کر کے الوہیت تک پہنچایا میری زیادہ تعریف نہ کرنا بلکہ مجھے کہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے۔

اب ہم حنفی بھائیوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جو تمہارے مولوی کہتے ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کو بشر کہے وہ کافر ہے، تو ملاحظہ کیجئے کہ اس فتوی کی زد میں کون کون آتا ہے۔

اب علم غیب کی طرف آیئے۔ نہایت حیرانگی ہے کہ اس چودھویں صدی میں جب کہ یہ لوگ بڑے بڑے علم وعقل کے مدعی ہیں تو ان لوگوں نے کس قدر لایعنی اور فضول مسئلے گھڑ لئے ہیں اور مباحثہ کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کی بشریت اور علم غیب پر جس کو نہ قرآن شریف نے کہیں ذکر کیا، نہ احادیث نے۔ اپنی وراثت قائم کرنے کے لئے خواہ مخواہ آنحضرت ﷺ پر یہ

بہتان شرکیہ لگائے جاتے ہیں اور اس کا نام رکھا جاتا ہے عشق رسول اور حبّ محمدی:

محبت ہے یہی گر تو عداوت کس کو کہتے ہیں

اللہ تعالی فرماتا ہے:

و عندہ مفا تیح الغیب لا یعلمھا ا لّا ھو ۔(انعام)۔یعنی اللہ ہی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی کوئی نہیں جانتا مگر وہی (یعنی اللہ تعالی)۔

پھر فرماتا ہے:

قل لا املک لنفسی نفعاً و لا ضراً ا لا ما شا ء اللّٰہ و لو کنت اعلم الغیب لا ستکثر ت من الخیر و ما مسّنی السّو ء ۔(اعراف)۔یعنی اے رسول تو کہد ے کہ میں تو اپنی جان کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔مگر اللہ تعالی ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو پھر تو میں بہت بھلائی جمع کر لیتا۔اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

بھلا مندرجہ بالا آیات کے ہوتے ہوئے بھی کسی کو کچھ شبہ رہ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب تھا۔اللہ تعالی با دلائل اس بات کی تردید کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہرگز علم غیب نہیں تھا ہاں جو بات آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئی وہ لوگوں پر ظاہر فرما دی۔صحیح بخاری میں ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

و اللّہ لا ادری و اللّٰہ لا ادری و انا رسو ل اللّٰہ ما یفعل بی و لا بکم (مشکوۃ باب البکاء والخوف)۔قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا، قسم اللہ کی میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

یہ تو ہوا قرآن و حدیث۔اب ذرا آپ کے مسلّمہ پیشوا حضرت ملا علی قاری کی سنئے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح میں فرماتے ہیں:

واعلم ان ا لا نبیاء لم یعلموا المغیبا ت من الاشیاء الا ما اعلمھم اللّٰہ تعا لی ا حیا ناً و ذکر الحنفیۃ تصریحاًبالتکفیر باعتقا د انّ النّبی ﷺ یعلم الغیب بمعا رضۃ قولہ تعالی قل لا یعلم من فی السّماوات و الارض الغیب الا اللّٰہ۔

(یعنی جان لو کہ انبیاء غیب نہیں جانتے لیکن اتنا ہی جتنا کہ کبھی کبھی خدا انہیں بتلاتا تھا)۔

اور علماء حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی پیغمبر ﷺ کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے

کیونکہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ فتاوی قاضی خان جو کہ فقہ کی مشہور کتاب ہے اس میں ہے:

رجل تزوج بغیر شهود فقال الرجل و المرأة خداورسول گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانه اعتقد ان رسول الله یعلم الغیب و هو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔ قاضی خان ج ۴ باب ما یکون کفرامن المسلم و ما لا یکون۔ یعنی جو شخص اپنے نکاح میں خدا و رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے کیونکہ اس گواہ کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات اعتقاد کیا کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے۔ جب حضور ﷺ اپنی زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد انتقال کیونکر جانتے ہوں گے۔

ایسا ہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بدمنہ میں فرماتے ہیں:

اگر کسے بدون شہادت نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم کافر شود۔

(یعنی اگر کسی نے نکاح میں خدا و رسول کو گواہ کیا تو وہ کافر ہے)

پھر حاشیہ پر وہی دلیل لکھتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ در حالت حیات غیب رانمی داند پس چگونہ بعد موت غیب را داند۔ اب ہم حیران ہیں کہ غیب کے مسئلہ میں آج کل کے بریلوی حنفی سچے ہیں یا ان کے مزکورہ بالا امام۔ افسوس ان پیروں اور ملانوں نے زمین و آسمان میں اپنی مالکی جتانے اور غیب دانی کی بڑھا نکنے کے لئے حضور ﷺ پر خواہ مخواہ مشرکانہ بہتان لگا دیا اور اس کا نام عشق رسول رکھ دیا۔ آہ!

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں — کار طفلاں تمام خواہد شد

اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے جو موجودہ پیر اور مولوی خود کو ارباباً من دون اللّٰہ بنانا چاہتے ہیں وہ اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر غیب دانی اور عدم بشریت کا مشرکانہ اتہام عشق محمدی کے پردہ میں لگایا جاوے تا کہ ہم بھی بطور وارث ہونے کے مختار کون و مکان اور غیب دان ہونے کی ڈینگ مار سکیں۔ بریلوی خیالات کے پنجاب میں سب سے بڑے پیر... ہیں۔ ذیل میں اخبار سیاست ۲۷۔ اگست ۱۹۲۲ء اور رسالہ انوار صوفیہ جلد ۷ نمبر ۹ سے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جن کو پیر صاحب اپنے حق میں جھوم جھوم کر سنتے ہیں اور نقرئی تمغہ انعام میں دیتے ہیں سنئے مرید اپنے پیر کی کلی غیب دانی کا ذکر کرتا ہے:

دل کے بھیدوں سے تو واقف عالم اسرار غیب　حرف مطلب کچھ مرا محتاج گویائی نہیں

مرید اپنے پیر کے اختیارات کلی کا ذکر کرتا ہے:

تو وہ مسیحا ہے کہ گر قم کہدے　رہے نہ قبر میں مردہ کو عذر بے جانی

اب آپ بغور ملاحظہ فرماویں کہ جس شخص کو مندرجہ بالا رتبہ اور اختیارات اور علم غیب مل جائے اس میں اور خدا میں کچھ فرق رہ جاتا ہے لیکن اگر پیر صاحب یہ کہیں کہ یہ اختیارات صرف اللہ تعالی کو ہی ہیں آنحضرت ﷺ کو بھی نہیں ہو سکتے تو اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر تم کو کس طرح حاصل ہو گئے۔ اس لئے یہ پیر اور ملا نے محض اس لئے آنحضرت ﷺ پر یہ مشرکانہ بہتان لگاتے ہیں تاکہ اپنا الو سیدھا ہو جاوے۔

مبلغ دوصد روپیہ انعام

اگر کوئی آنحضرت ﷺ کے اس مرتبہ کا بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر انکار کرے، تو وہ تو سب مسلمانوں کے نزدیک صریح کافر ہے جس پر ہمارا بھی ایمان ہے البتہ بشریت اور عدم علم غیب آنحضرت ﷺ پر جع دلائل کی تردید کر کے قرآن و حدیث سے ہمیں عدم بشریت اور علم غیب کلی آنحضرت ﷺ ثابت کر دے گا تو ہم اس کو مبلغ دوصد روپیہ چہرہ شاہی نقد انعام دیں گے کاروائی منظوری سے ہونے پر انعام پہلے کسی امین کے پاس رکھ دیا جائے گا

آج دیکھیں کاٹ تیری ابروئے خمدار کی　ہم بھی ہیں سینہ سپر قاتل لگا جو ہو سو ہو

نوٹ: تردیدی جواب کے متعلق انجمن اہلحدیث وزیر آباد سے گفتگو کی جائے۔

المشتھر ابوایوب حافظ شیخ رحمت اللہ جنرل مرچنٹ وزیر آباد

(اخبار محمدی دہلی ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء ص ۶، ۱۱-۱۲)

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقہ محمّد و آلہ و اصحابہ اجمعین

کتابیات

متعدد تفاسیر قرآن اور کتب حدیث مثل صحاح ستہ، مسند احمد وغیرہ کے علاوہ درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔

اثبات التوحید۔ حکیم محمد حسین قرشی ایمن آبادی۔ مفید عام پریس لاہور

اصحاب علم وفضل۔ محمد تنزیل صدیقی حسینی۔ اصلاح المسلمین پبلشرز کراچی۔ ۲۰۰۵ء

الحیاۃ بعد المماۃ۔ فضل حسین بہاری۔ الکتاب انٹرنیشنل دہلی۔ ۲۰۰۴ء

اہل حدیث اور سیاست۔ نذیر احمد رحمانی۔ جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۶ء

امداد الفتاح فی توضیح الایضاح۔ عبداللطیف سونی پتی۔ محررہ ۱۳۵۶ء۔ کتب خانہ اشرفیہ دہلی

الایقاف علی سبب الاختلاف۔ محمد حیات سندھی ترجمہ۔ محمد حسین بٹالوی، مکتبہ السّلفیہ۔ لاہور ۱۹۵۹ء

انقلاب ۱۸۵۷ء۔ مرتبہ پی سی جوشی۔ محمد علی فارق۔ مکتبہ اخوت لاہور ۱۹۹۵ء

ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح، شاہ اسماعیل، مترجم عبدالکریم، مطبع صدیقی لاہور ۱۳۰۱ھ

برصغیر میں اہلحدیث کی آمد۔ محمد اسحاق بھٹی، مکتبہ قدوسیہ لاہور

بزم ارجمنداں۔ محمد اسحاق بھٹی، لاہور

تاریخ اہل حدیث۔ محمد ابراہیم میر۔ اسلامی پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۵۳ء

تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر۔ صوفی احمد مسلم۔ دہلی۔ ۱۹۸۴ء

تحفۃ الموحدین فارسی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ترجمہ اردو، رحیم بخش دہلوی۔ لاہور۔ ۱۹۶۲ء

تحفہ واعظ (منظوم سوانح عمری محی الدین لکھوی)۔ خدا بخش واعظ، مصنفہ ذی الحج ۱۳۱۳ھ۔ مطبع وزیر ہند

تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں۔ قاضی محمد اسلم سیف، دسمبر ۱۹۹۴ء ماموں کانجن

تحریک آزادی میں علماء کا کردار (۱۸۵۷ء سے پہلے)۔ فیصل احمد بھٹکلی۔ لکھنو۔ ۲۰۰۳ء

تذکرہ علمائے خان پور۔ قاضی محمد عبداللہ خان پوری۔ مکتبہ سلفیہ لاہور۔ ۱۹۸۵ء

تذکرہ مشاہیر غازی پور۔ عزیز الحسن صدیقی۔ ناشر بیت الحسن غازی پور۔ سن ندارد

تذکرہ علمائے خان پور۔ قاضی محمد عبداللہ خان پوری۔ مکتبہ سلفیہ لاہور۔ ۱۹۸۵ء

تذکرہ واجدی۔ مرتب محمد ثناءاللہ عمری۔ باراول ۱۹۹۲ء۔ وشنو آفسٹ پریس دہلی ۔۱۹۹۲ء
تذکرہ کاملان رام پور۔ احمد علی خان شوق۔ ہمدرد پریس دہلی ۔۱۹۲۹ء
تذکرہ صادقہ ۔عبدالرحیم صادق پوری۔ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی ۔۱۹۹۶ء
تراجم علماء حدیث ہند۔ابو یحیی امام خان، مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی ۔۱۴۱۳ھ
تقویۃ الایمان ۔ شاہ اسماعیل شہید۔ نعمانی کتب خانہ لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء
جلاء العینین فی اثبات رفع الیدین ۔حکیم محمد اسماعیل دہلوی جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ تحریر شد۔ جامعہ ملیہ پریس دہلی
جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات ۔محمد مستقیم سلفی ۔ بنارس ۔۱۹۹۲ء
جماعت مجاہدین۔ غلام رسول مہر۔ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔
حجۃ اللہ البالغہ ۔ دارالکتب العلمیہ بیروت ۔حواشی، محمد سالم ہاشم ۔ ۲۰۰۱ء
حیات جاوید۔الطاف حسین حالی ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی ، ۱۹۹۹ء
حیات عبدالحی ۔ابوالحسن علی ندوی۔ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۵ء
دہلی اور اس کے اطراف ۔سید عبدالحی ۔ مرتبہ صادقہ ذکی ۔اردو اکادمی دہلی ، ۲۰۰۱ء
راہ سنت ،سید احمد خان، در مقالات سرسید مؤلفہ محمد اسماعیل پانی پتی ۔مجلس ترقی ادب ۔ لاہور
سرگذشت مجاہدین۔ غلام رسول مہر۔ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور
سوانح عمری عبداللہ غزنوی، غلام رسول وعبدالجبار۔ مرتبہ احمد دین، منڈی بہاء الدین
سوانح سید داؤد غزنوی ۔مرتبہ ابوبکر غزنوی ۔ دسمبر ۱۹۷۴ء
سیرت سید احمد شہید ۔جلد دوم ۔ ابوالحسن علی ندوی ۔مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو ۔ باردوم
سوانح محمد ابراہیم میر۔قاضی اسلم سیف ۔ ماموں کانجن ۔۱۹۹۴ء
عبدالعزیز رحیم آبادی: حیات وخدمات، محمد فضل الرحمٰن، چندوارہ، مظفر پور بہار، ۱۹۸۹ء
علمائے احناف کے متفقہ فتوے، مشتاق احمد محمدی متھرا، طبع مصطفائی ڈیوڑھی بیگم آگرہ ۱۹۷۳ء
علماء اہل حدیث میوات ۔مصنفہ بدرالزمان نیپالی۔ ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ
علماء ہند کا شاندار ماضی جلد دوم ۔محمد میاں ۔ مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۹۷۷ء
فتاوی عبدالحی لکھنوی۔ جلد دوم طبع یوسفی لکھنو ، ستمبر ۱۹۲۶ء، ترتیب عبدالرحیم، محمد ایوب انصاری
فیوض محمدیہ۔محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری۔ مکتبہ عزیزیہ حجرہ شاہ مقیم ۔ ۱۴۰۶ھ
قافلہ حدیث ۔محمد اسحاق بھٹی

قانون مساجد مؤلفہ مولوی حافظ محمد عبداللہ۔ باہتمام محمد غنی حیدر آروی۔ مطبع ستارہ ہند کلکتہ

قصوری خاندان ازمولانا محمد اسحاق بھٹی ۔ ماموں کانجن ۔ ۱۹۹۴ء

کاروان سلف ۔ محمد اسحاق بھٹی ۔ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۔ ۱۹۹۹ء

کلمۃ الحق ۔ سید احمد خان ۔ در: مقالات سرسید مؤلفہ محمد اسماعیل پانی پتی ۔ مجلس ترقی ادب ۔ لاہور

لکھنو کے شعروادب کا معاشرتی وثقافتی پس منظر ۔ ڈاکٹر عبدالباری ۔ ٹانڈہ فیض آباد ۱۹۸۷ء

مجموعۃ الفتاوی ۔ عبدالحی فرنگی محلی ۔ مطبع یوسفی لکھنو ۱۳۲۱ھ

مدارس اہل حدیث ۔ باہتمام اصغر علی امام مہدی سلفی ۔ مرکزی جمیعت اہلحدیث ہند

معیار الحق ۔ سید نذیر حسین محدث، مکتبہ نذیریہ قصور ۔ ۱۹۶۵ء

مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر وعلوم القرآن ۔ محمد عثمان مقبول، مطبع احمدی، علی گڑھ ۱۹۱۵ء

مکاتیب شیخ الحدیث بنام عبدالسلام رحمانی ۔ مرتبہ رفیق احمد سلفی ۔ فردوس پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۰۲ء

مکتوبات نذیریہ ۔ مرتبہ عبدالعزیز وعبدالرؤف ۔ محبوب المطابع دہلی (اغلباً ۱۹۴۰ء)

مقالات سر سید احمد ۔ مرتبہ محمد اسمایل پانی پتی

موج کوثر ۔ شیخ محمد اکرام ۔ لاہور ۔ ۱۹۹۲ء

نذرانہ اشک ۔ ثناء اللہ عمری ۔ ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ ۱۹۹۷ء طبع اول ۔

نزھۃ الخواطر، عربی ، جلد ۷ سید عبدالحی لکھنوی

نزھۃ الخواطر جلد ۸ ۔ عبدالحی وعلی میاں ۔ مترجم انوارالحق قاسمی ۔ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۴ء

نقوش عظمت رفتہ ۔ محمد اسحاق بھٹی ۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۹۹۶ء

نصیحۃ المسلمین ۔ خرم علی ۔ مصنفہ ۱۲۳۸ھ ۔ مکتبہ سلفیہ لاہور ۔ اغلباً ۱۹۶۳ء ۔ ۱۳۸۳ھ

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۔ مسعود عالم ندوی

ہندوستان میں وہابی تحریک ۔ قیام الدین ۔ ترجمہ محمد مسلم ۔ کراچی ۔ طبع سوم ۱۹۸۰ء

اخبارات ورسائل

ماہنامہ اشاعۃ السنہ، اڈیٹر محمد حسین بٹالوی۔ضمیمہ جلد اول؛ جلد ٦؛ جلد ۷؛ ۸؛۱۴؛۲۰؛۲۱

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔اڈیٹر، ثناء اللہ امرتسری

ہفت روزہ توحید، امرتسر۔اڈیٹر سید محمد داؤد غزنوی

مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی۔اڈیٹر عبدالحنان بہاری

ماہنامہ محدث (دارالحدیث رحمانیہ دہلی)۔مدیر۔نذیر احمد املوی

ماہنامہ نور الایمان۔دہلی۔اڈیٹر محمد داؤد راز۔

ہفت روزہ الاعتصام لاہور

ماہنامہ التوعیہ۔دہلی

اخبار محمدی دہلی۔اڈیٹر محمد دہلوی

جریدہ ترجمان دہلی

پندرہ روز نور توحید لکھنؤ۔اڈیٹر ایم اے عقیل مئوی

ماہنامہ آثار جدید۔مئو ناتھ بھنجن

پیش لفظ

(فضیلۃ شیخ مولانا اصغرعلی امامہدی سلفی ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

الحمد لله و الصلوة و السلا م علی خا تم الا نبیاء ...اما بعد

تاریخ اہل حدیث جلد سوم پر یہ پیش لفظ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔اس کی جلد اول و دوم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے شائع ہوکر اہل علم اور باذوق قارئین کرام کے مطالعہ میں آچکی ہیں اور اکثر سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔اب اس سلسلہ کی تیسری جلد منظر عام پر آنے کیلئے تیار ہے۔مؤلف مورخ جماعت اہلحدیث محترم جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ نے انتہائی کدو کاوش، انتھک محنت، بے شمار رکاوٹوں اور تھکا دینے والے مراحل سے گزر کر اس کام کو یہاں تک پہنچایا ہے اور اپنی منزل کی طرف تیز گامی وسبک رفتاری کے ساتھ رواں دواں ہیں۔جو یندہ یابندہ کے تحت مراجع ومصادر کا اہم ترین اور اکثر حصہ ان کو حاصل ہو چکا ہے اور مزید کی تلاش جاری ہے۔

دراصل جماعت اہل حدیث کی ماضی قریب کی تاریخ ماضی بعید کی طرح بے حد نمایاں اور عظیم ترین ہے۔دعوت وتبلیغ، اصلاح، تزکیہ، تعلیم، تربیت، اور صبر واستقامت، قربانی وجانثاری، جود وسخا، ایثار، فدائیت، اور مہر و وفا، امن وآشتی، صلح جوئی ومعرکہ آرائی، عزیمت واستقلال، جانبازی وجان فروشی، محبت ومروت، رعایت ورواداری، غرضیکہ ہر میدان میں رجال کارو ہی رہے ہیں اور ہر مرحلہ میں ہراول دستے کا کام انہوں نے ہی انجام دیا ہے۔صحیح عقیدہ اسلامیہ کا تمسک، اعتصام بالکتاب والسنہ، علم حدیث کی نشر واشاعت اور تدریس وتلقین، ان کے رجال واسانید کی تدوین وتحقیق و

تفتیش وتبیین اور اس کی توثیق وتضعیف اور ایسی چھان بین کہ وہ روئے زمین کا حجم و عمل اور وقت معیار کا منفرد کارنامہ اور معجزاتی عمل بن جائے، ان ہی کا کارنامہ ہے۔ فقہ و اصول فقہ کے بانی ومبانی وہ خود ٹھہرے۔ فرق باطلہ کے چہرے کی نقاب کشائی اور جاہلوں کی تاویل اور اہل باطل کی تلبیس کی پردہ دری اور غلو پسندوں اور دہشت گردو ں اور خوارج کی بیخ کنی اور دین وملت اور انسانیت کے خلاف جو بھی فتنہ جس شکل میں اٹھا، اس کو ختم کرنے اور سرنگوں کرنے کے لئے اور اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے سب سے پہلے اسی طائفہ منصورہ کے رجال اور علماء السابقون الاولون کی حیثیت سے میدان میں آئے اور اپنے عظیم الشان اعمال جلیلہ اور خدمات عظیمہ کا وہ سرمایہ افتخار ورثے میں چھوڑ گئے کہ جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالی کی حمد وثنا بجا لانا فرض قرار پاتا ہے

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

قافلہ اہل حدیث کے یہ انمٹ نقوش صفحہ عالم پر آج بھی ثبت ہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے جہاں دولت بے بہاء ہیں وہیں نشان راہ بھی ہیں۔ اس دولت وثروت کو ہمیں بہت زیادہ اہتمام سے سنبھالکر رکھنا چاہیے لیکن اس کی قدر و اہمیت مسلّم ہونے کے باوجود اس سلسلے میں جو کوتاہیاں اجتماعی وانفرادی طور پر ہوئی ہیں وہ بھی ہماری تاریخ کا بہت افسوس ناک باب ہے اس کی تلافی کی مزید فکر ہونی چاہیے تاکہ دیر آید درست آید کے مصداق ہو سکے،

ہمیں بے حد مشکور وممنون ہونا پڑے گا ان اصحاب قلم وقرطاس کا جنھوں نے قلم کا رخ اس جانب موڑا ہے اور ان کی فکرمندی اور کاوش کی جولانی تاریخ کے اس حصے کی طرف مبذول ہوئی ہے۔ انہی غیور و باحوصلہ اصحاب علم وفضل اور مورخین میں ایک نمایاں نام جیسا کہ ذکر ہوا ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کا ہے جنھوں نے ایک عظیم کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اور اپنی کاوشوں کا محور تاریخ اہل حدیث ہند کو قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ وسیع، فکر واضح، اور علم گہرا ہے۔ تحقیق وجستجو اور تلاش بسیار کے ملکہ اتم کے مالک ہیں۔ اور اللہ تعالی نے ہمت وحوصلہ اور ذوق ولگن کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے اور اسی جو

ہر نے مدت مدید کے بعد اس کام کو انجام دینے کے باوجود ایک عظیم الشان ذخیرہ معلومات اور بیش قیمت مواد جمع کر دینے کی قوت وتوفیق فراہم کر دی ہے اور اسکے نتیجہ میں تاریخ اہل حدیث کے لئے ایک بہت بڑا خزانہ جمع ہو گیا ہے جو دسیوں جلدوں پر محیط ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کارنامہ پر ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں، وہیں ہم دعا گو بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیقات سے نوازے اور اس کے لئے ضروری وسائل و ذرائع اور کامل صحت و عافیت اور بابرکت اوقات میسر فرماوے کہ یہ کارعظیم اتمام کو پہنچ جائے۔

ساتھ ہی ہم آپ کے ان معاونین کا بھی شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتے ہیں جو کسی طرح سے بھی آپ کے اس علمی وتاریخی سفر میں ممدو معاون بنے ہوئے ہیں۔ خصوصاً گرامی قدر جناب مولانا شیخ شیر خان جمیل احمد عمری حفظه الله و وفقه ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث بریطانیہ کے شکر گزار ہیں جو ہمہ وقت اس طویل علمی سفر میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں اور ضروری تعاون ومشورے و اقدامات کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ عام معلومات کی فراہمی کے لئے گہری فکر مندی وتدبیر سے لے کر عملی اقدام تک حتی کہ پروف ریڈنگ وطباعت کے مراحل میں بھی جٹے رہتے ہیں بلکہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے اس کی طباعت و اشاعت میں اور اس کارعظیم میں کسی بھی طرح کی معاونت کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس رجل صالح اور فکر جماعت میں منہمک ومستغرق فاضل جوان کو جماعت وجمعیت اور ملک وملت کے لئے مزید فعال ومفید بنائے اور دنیا وآخرت کی کامرانیوں سے شادکام فرمائے۔ ساتھ ہی ہم تمام حضرات کے لئے دعا گو ہیں جو اس کار خیر میں کسی نہ کسی طرح ممدو معاون ہیں اسی طرح تمام اراکین جمعیت محسنین کرام جملہ سٹاف اور کارکنان کیلئے بھی دل سے دعا نکلتی ہے جنہوں نے اپنے بھرپور تعاون سے ہم کو اس لائق رکھا کہ ہم اسطرح کے کاموں میں پیش قدمی کرتے رہیں۔ بالاخص امیر محترم جناب حافظ محمد یحیٰ دہلوی حفظه الله و تو لاه و متعنا بطول حياته کے بے حد ممنون ہیں کہ جن کی توجہ اور دانائی و دور اندیشی سے ہم ان کاموں کو بے شمار رکاوٹوں کے باوجود انجام دے پاتے ہیں۔

اخیر میں کتاب پر تقریظ لکھنے والے اصحاب قلم خصوصاً استاذ گرامی ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، ادیب اریب عصر ابن احمد نقوی متعنا الله بطول حیا ته اور فضیلۃ الشیخ عبدالمعید مدنی اور مولانا محمد مقیم فیضی صاحبان حفظه الله و شفا ها ه شفاء عا جلاً کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔قارئین کرام سے استدعا ہے کہ مولف کے ساتھ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔اللہ تعالی سب کا حامی و ناصر ہو۔
و صلی الله علی نبینا محمد و سلم کثیراً کثیراً۔

خادم جماعت (مولانا) اصغر علی امام مہدی سلفی
ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔دہلی
۳۰ مئی ۲۰۰۹ء۔۵ جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ

تاثرات

(فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صدر جامعہ سلفیہ بنارس)

الحمد لله رب العالمین و الصلاة و السلام علی رسوله الکریم و علی آله و صحبه اجمعین و بعد

محترم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کی تصنیف تاریخ اہل حدیث کا تیسرا حصہ میرے سامنے ہے۔ ٹائپ شدہ یہ مسودہ ۷۸۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اور برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ کا ایک اہم حصہ اس میں مندرج و محفوظ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس علمی کاوش پر میں پہلے بھی کچھ عرض کر چکا ہوں اور زیر نظر حصہ کے تعلق سے بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ موصوف محترم نے جس انداز سے یہ کام شروع کیا ہے اس سے جماعت کے لئے ان کے اخلاص، موضوع سے شغف اور جملہ مسائل پر ان کی عمیق نظر، نیز استنباط و استنتاج میں اعتدال و توازن کا پتہ چلتا ہے جو آج کل کی مذہبی تحریروں میں بہت کم نظر آتا ہے۔

کسی کتاب کا پیش لفظ یا مقدمہ اس کے مصنف کے منہج و مقصد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ تاریخ اہل حدیث حصہ سوم کا پیش لفظ جو سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس وصف سے بخوبی متصف نظر آتا ہے اور اس کے ذریعہ اس منہج و مقصد کی عکاسی ہوتی ہے جسے مصنف نے اپنے سامنے رکھا ہے۔

موصوف نے اس حصہ کی تکمیل پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرنے میں قلم کے قصور کا ذکر فرمایا ہے۔ خاکسار یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ جماعتی تاریخ میں موصوف کی یہ شاہکار تصنیف ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر تشکر و امتنان کی ذمہ داری ادا کرنے سے جماعت اور پورا علمی حلقہ بھی قاصر ہے۔ البتہ اہل ذوق و نظر اس تحقیق انیق کو آنکھوں سے لگائیں گے، دل میں اتاریں گے، اور مصنف کے لئے ہمیشہ دعائے خیر سے اپنی زبان کو تازہ

رکھیں گے۔

برصغیر کی مسلکی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات کو بخوبی علم ہے کہ مسلمانوں کا اختلافی لٹریچر طعن وتشنیع سے بھرا ہوا ہے، شائد جماعت اہل حدیث مطاعن کا زیادہ شکار رہی، اور اللہ کا شکر ہے کہ اس کے علماء نے ہر طعنہ وتہمت کا مسکت جواب دیا، اور موضوع کے ہر گوشہ پر روشنی ڈالی۔تحریک شہیدین، مرزا غلام احمد قادیانی، اور سرسید احمد وغیرہ کے تعلق سے جماعت اہل حدیث کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جاتی ہیں جن کا عقل ودانش سے کوئی واسطہ نہیں اس سلسلہ میں الزام تراشی کرنے والا تلبیس سے کام لیتا ہے اور یوم الحساب کو فراموش کر دیتا ہے۔

مصنف محترم نے شاہ اسماعیل دہلوی رحمۃ اللہ کی کتاب ایضاح الحق الصریح کے مشتملات سے قارئین کو آگاہ کرنے کے لئے سید احمد خان کی کتاب، راہ سنت در رد بدعت، کو اپنی تاریخ میں شامل کیا ہے۔اس مقام پر موصوف کو اپنی فطانت سے احساس ہو گیا کہ تلبیس کا خوگر انسان اس پر فتنہ انگیزی کی کوشش کر سکتا ہے اسی لئے انہوں نے لکھا کہ:

بات یوں ہے کہ سرسید احمد کی علمی زندگی کے دو دور ہیں۔ پہلا دور انکے عامل بالحدیث ہونے کا ہے اور دوسرا دور پیر نیچر ہونے کا۔اور چونکہ پیر نیچر ہونے کا دور ان کی موت تک ممتد ہے اس لئے ان کی نیچریت کے بوجھ تلے وہ لٹریچر دب گیا جو ان کے دور اول سے تعلق رکھتا ہے، اور چونکہ نیچریت کے خلاف سب سے زیادہ عملی کام اہل حدیث ہی نے (محمد حسین بٹالوی کی سربراہی میں) کیا ہے، اس لئے پیر نیچر سید احمد کے اس کام کو بھی اہل حدیث حضرات نے فراموش کر دیا جو، اہل حدیث سید احمد، کا تھا۔

مصنف نے سرسید احمد کے تذکرہ سے متصل محسن الملک سید مہدی علی خان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

محسن الملک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے، اپنی تحقیق سے اہل سنت اور عامل بالحدیث ہوئے اور تادم آخر اس مسلک پر کاربند رہے۔

محسن الملک کی خدمات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

محسن الملک نے پیر نیچر سرسید احمد خان کا قریبی دوست ہونے کے باوجود سرسید کی

نیچریت اور اس کے مخصوص تفسیری نظریات کی مخالفت کی۔اور مخالفت درون خانہ اور نجی محفلوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ انہوں نے علی الاعلان علی رؤس الاشھاد آوازہ حق بلند کیا، یوں ایک اہل حدیث عالم ہی نے ایک سابق اہل حدیث ثم پیر نیچر کے نظریات کا رد کیا۔،

لاہور کی چینیا نوالی مسجد نے مولانا بٹالوی کی کوششوں سے اہل حدیث کے مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔اسی مسجد میں بیٹھ کر ۱۹۱۰ء کے بعد غزنوی علماء نے توحید وسنت کی اشاعت کے عظیم کام میں حصہ لیا۔اس مرکز کے بانی جناب بٹالوی ہیں اور یہ اس دور کی باتیں ہیں جب کسی عامل بالحدیث کے کسی مسجد میں چلے جانے پر وہ مسجد دھوئی جاتی تھی اور جانے والے کی تواضع مار پیٹ سے ہوتی تھی۔

محترم مصنف نے مولانا بٹالوی کی خدمات کی جانب اشارہ کرنے کے بعد واقعات کی جزئیات سے اپنی واقفیت اور مورخانہ دقت رسی کا ثبوت دیا ہے۔لکھتے ہیں:

مدرسہ غزنویہ کے مدرسین میں شمار ہونا بھی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے لیکن جناب بٹالوی مدرسہ غزنویہ کے مدرسین میں شامل نہیں تھے۔وہ سید عبداللہ غزنوی کے مرید اور ان سے فیض یافتہ تھے اور ان سے ملنے امرتسر جایا کرتے تھے۔سید عبداللہ غزنوی کے بعد ان کے صاحبزادوں نے امرتسر میں مدرسہ بنایا جس میں بٹالوی مرحوم نے کبھی تدریس نہیں کی۔

تاریخ اہل حدیث کے مصنف باتمکین کے منہج وطرز تصنیف سے متعلق یہ گزارش مناسب ہے کہ موصوف نے اس منہج کو علی وجہ البصیرۃ اختیار کیا ہے۔متعلقہ ماخذ پیش کر کے جب کوئی بات کہی جائے گی تو اس کی حیثیت، دعوی مع دلیل، کی ہوگی۔اور ایسی صورت میں، تلك آ ثار نا تد ل علینا ، کی معنویت اجاگر ہوگئی۔یہ بات باعث مسرت ہے کہ اہل علم نے اس منہج کو شرف قبول بخشا، کیوں کہ اس طرح انہیں اپنی تاریخ سے واقفیت کے ساتھ ساتھ ان علمی جواہر پاروں سے بہرہ اندوز ہونے کا بھی موقع حاصل ہوا جنہیں نے ان کے اسلاف نے دینی وعلمی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے تیار کیا تھا۔اسلاف کے تیار کئے ہوئے جماعتی لٹریچر پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کام میں اخلاص اور نظر میں گہرائی تھی، دعوت عمل بالکتاب والسنہ کی تشریح اور شرک و

بدعت نیز اوہام خرافات کی تردید کی راہ میں جس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت تھی انہوں نے بلا تامل اٹھایا اور دفاع عن الحق کے لئے ایمانی جرأت کا ثبوت دیا

فجزا هم الله تعالى احسن الجزاء

اخلاص و وفا کی اسی داستان کے تعارف کے لئے مصنف علام نے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کے حوالہ سے شیخ محمد حیات سندھی کا رسالہ الایقاف علی سبب الاختلاف پیش کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ: شیخ محمد حیات تقلید کے قائل نہ تھے بلکہ براہ راست کتاب وسنت کو بنیادِ عمل قرار دیتے تھے۔

تاریخ اہلحدیث میں مذکورہ رسالہ کی شمولیت کی توجیہہ کے سلسلہ میں مصنف لکھتے ہیں:

چونکہ برصغیر کی تحریک عمل بالحدیث میں اس تحریر کا مقام بہت بلند ہے لہذا ذیل میں اسے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

یہ رسالہ مع ترجمہ ۱۹ صفحات پر ہے۔ اور اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ صحابہ ہمیشہ کتاب وسنت ہی کو مدارِ عمل ٹھہراتے تھے اور اگر انہیں اپنے قول وفعل کے خلاف کوئی حدیث پہنچ جاتی تو اسی وقت رجوع فرمالیتے تھے۔

محترم مصنف نے افکار ولی اللہ کے زیر عنوان حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت مع ترجمہ بحوالہ اشاعۃ السنہ نقل کی ہے اور مولانا بٹالوی کے اخذ کردہ فوائد ونتائج کا تذکرہ کیا ہے اور ان فوائدونتائج میں موجودہ نسل کے لئے جو مذہبی مسائل میں ذہنی الجھن کا شکار رہتی ہے مقام عبرت ونصیحت ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

اس وقت کے اکثر اشخاص فریقین (اہل حدیث واہل تقلید) اپنے اپنے اسلاف کی روش واصول سے ناواقف ہیں اور چوتھی صدی کے ضدی لوگوں کی روش پر ہو گئے ہیں، ایک دوسرے کو ان باتوں سے سبب برا جانتے ہیں جن باتوں سے برا جاننا ان کے اصول مذہب کا اقتضاء نہیں ہے۔ بناء علیہ میں فریقین کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اپنے اپنے اسلاف کی روش اختیار کریں۔

مصنف نے شاہ ولی اللہ کا رسالہ تحفۃ الموحدین مع ترجمہ نقل کیا ہے اس کی پہلی فصل قابل توجہ ہے۔ شاہ صاحب نے بصراحت ذکر کیا ہے کہ لوگ دعوی اسلام کے باوجود کلام اللہ وکلام الرسول سے بحیلہ اعراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کو

وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت سے علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو
رسالہ کی ساتویں فصل بت پرستی کے بیان میں ہے اس میں شاہ صاحب نے بت پرستی کے اقسام کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

اور انہیں قسموں میں سے قبروں کی پرستش بھی داخل ہے آنحضرت ﷺ نے قبروں پر مکان بنانے، اور انہیں اینٹ سے پختہ کرنے، اور چونے سے سفید کرنے اور گچ سے مضبوط کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قبور کی زینت شرک کا باعث اور اسراف مال کی وجہ ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ کے تذکرے کے بعد سید احمد شہید بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل پر وقیع نوٹ ہے، پھر ایضاح الحق الصریح کا متن پیش کیا ہے۔اس کتاب کے سلسلے میں یہ وضاحت قابل توجہ ہے کہ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ حقیقت بدعت میں ایسی کوئی کتاب کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔

ایضاح الحق سے ماخوذ سید احمد کی کتاب راہ سنت در رد بدعت کا متن بھی مصنف نے مع تعارف پیش کیا ہے۔

دس صفحات پر پھیلا ہوا سید محمد علی رامپوری کا تذکرہ اور اس کے بعد سات صفحات پر پھیلا ہوا مولانا ولایت علی صادق پوری کا تذکرہ عاملین بالحدیث کے اخلاص وللّٰہیت صبر وتحمل اور مخالفین کے ظلم وعناد کا مرقع پیش کرتا ہے۔مصنف سید محمد علی کے تذکرہ میں بحوالہ اہل حدیث امرتسر لکھتے ہیں:

مدراس میں توحید کا غلغلہ ۱۲۵۰ھ میں سید محمد علی مرید سید احمد بریلوی نے بلند کیا۔ان کی وجہ سے بہت لوگ موحد ہوئے۔اس زمانے میں نواب عظیم جاہ مدراس میں حکمران تھے۔آپ کے خسر نواب خان عالم خان، جو اس وقت موسیقی کے ماہر تھے، اپنے اس فعل سے باز آکر سید محمد علی کے شاگرد ہوئے جس کی وجہ سے اشاعت توحید میں ترقی ہوئی۔آپ کی تصانیف فیض عام و باران رحمت سے آپ کے مذہبی جوش واستقامت کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا خرم علی بلہوری کا عمل بالکتاب والسنہ کے باب میں نہایت اعلیٰ مقام ہے جناب غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

آپ نے لکھنؤ میں سید احمد بریلوی سے بیعت کی تھی اس کے بعد خدمت دین میں مشغول ہو گئے ..رد بدعت اور احیاء سنت میں بہت سرگرم تھے۔
آپ کی کتاب نصیحۃ المسلمین کے متعلق مصنف لکھتے ہیں: نصیحۃ المسلمین مختصر اور عام فہم کتاب ہے اور موحدین ہند میں بہت مقبول رہی ہے۔تقویۃ الایمان کی طرح اس کتاب نے شرک و بدعت کے استیصال میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے
نصیحۃ المسلمین کے خاتمہ میں کچھ فوائد ذکر ہیں۔ پہلے فائدے کے ضمن میں دو قاعدے بیان کئے ہیں۔ پہلے قاعدے میں کہتے ہیں کہ جب تک حدیث کی سند نہ پہنچے اور یہ نہ معلوم ہو کہ یہ حدیث محدثوں کی کس کتاب میں ہے تب تک اس کو ماننا نہ چاہیے۔ بہت حدیثیں موضوع مشائخ متاخرین کی کتابوں میں لکھی ہیں، اور علماء محدثین کے نزدیک ان کا کچھ اعتبار نہیں۔
نصیحۃ المسلمین کے جملہ مشتملات اصلاح عقیدہ وعمل کے باب میں اہمیت رکھتے ہیں اسی وجہ سے مصنف محترم نے کتاب کو اس حصہ میں شامل کیا ہے۔کتاب کی آخری سطریں مولانا خرم علی کے تجربہ کو بیان کرتی ہیں، دعوت کے میدان میں داعی کا اعتماد وتوکل اپنی اہمیت رکھتا ہے۔مولانا لکھتے ہیں:
اور اس بات کا خوف نہ کیا چاہیے کہ لوگوں کی عادت مدت سے بگڑ گئی ہے وہ کہاں مانیں گے! کیوں کہ اس عاجز نے بارہا آزمایا ہے کہ سمجھانے کے بعد اگر سب نہیں سمجھتے تو دس پانچ تو سمجھتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ دس کو خوب سمجھایئے اور ان میں سے دو چار بھی نہ سمجھیں۔
تاریخ اہل حدیث کا حصہ سوم انیسویں صدی کے ایک ایسے شاعر کے تذکرہ سے بھی مزین ہے جسے شعر وسخن کی دنیا میں استادی کا مقام حاصل ہے اور ساتھ ہی تجدید و احیائے دین کی تحریک میں شمولیت پر ان کو فخر ہے۔عام طور پر شعراء کا رجحان ایسا نہیں ہوتا لیکن مومن خان مومن کو خانوادہ ولی اللہی سے وابستگی کے سبب تحریک شہیدین سے گہرا تعلق تھا۔ان کے کلام میں جابجا اس کی صراحت اور اس نسبت پر فخر ہے۔کلیات مومن کے تتبع سے بہت سے ایسے اشعار مل جائیں گے جن میں مومن نے سید احمد اور ان کی تحریک سے عقیدت کا اظہار کیا ہے،توحید وسنت سے محبت اور اہل بدعت سے

نفرت سے متعلق کہتے ہیں:

فروغ جلوہ توحید کو وہ برق جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستی اہل ضلالت کا
مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا
مجھے وہ تیغِ جوہر کر کہ میرے نام سے خون ہو
دل صد پارہ اصحابِ نفاقِ اہل بدعت کا

سید عبداللہ غزنوی کا تذکرہ مصنف محترم نے تقریباً ۲۵ صفحات میں کیا ہے اس تذکرہ کی ہر ہر سطر قارئین کے لئے دعوت تفکر ہے، جب اللہ کے بندے اخلاص وعمل کے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو کان اللہ لہ کا وعدہ صادق آتا ہے اور دعوت کے ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

جب سردار محمد عمر کے سپہ سالار نے آپ کو توپ سے اڑانے کی بات کی اور محمد عمر نے کہا کہ آپ مولویوں کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟ تو آپ نے فرمایا (ترجمہ) میں قصد محکم اور عزم مصمم رکھتا ہوں کہ جب تک میرے بدن میں جان باقی ہے اور میرے جسم پر سر سَلامت ہے کتاب وسنت کی نہایت گرم جوشی سے خدمت کروں۔

راہ حق میں مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا یہ جذبہ اگر آج کے علماء ودعاۃ میں پیدا ہو جائے تو دعوت کی راہ میں جو دشواریاں نظر آتی ہیں خود بخود آسان ہو جائیں۔

سر سید احمد کے نظریات پر ان کی زندگی میں اور گاہے گاہے آج تک نقد واحتساب کا عمل جاری ہے جماعت اہلحدیث کی تاریخ میں اس نوعیت کا تذکرہ ضرور آتا ہے مصنف لکھتے ہیں:

سید احمد کے نیچری نظریات اور تفسیر القرآن میں ان کے بیان کردہ مخصوص نظریات پر جن بزرگوں نے تردید واحتساب کا فریضہ انجام دیا ان میں جناب محمد حسین بٹالوی کا کام سب سے نمایاں ہے اور دیگر بزرگوں میں جناب محسن الملک کی خدمات بہت گراں قدر ہیں۔ انہوں نے نیچری نظریات اور تفسیری اختصاصات پر سید احمد سے

۱۸۹۲ء۔۱۸۹۵ء میں طویل خط وکتابت فرمائی جسے بعد میں مکاتبات الخلان کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں ۲۳۶ صفحات پر علی گڈھ سے شائع کیا گیا تھا۔

افکار ونظریات کی دنیا میں اس مراسلت کی اہمیت ہے۔اس سے ایک طرف اس وقت کے مذہبی ماحول کی عکاسی ہوتی ہے، اور دوسری طرف ان دشواریوں کا اندازہ ہوتا ہے جن سے اصلاح عقیدہ وعمل کے میدان میں اترنے والے علماء ومبلغین کو سابقہ تھا۔ معترض ومجیب دونوں کے مکاتیب میں اہم نقاط موجود ہیں۔ میں صرف ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔محسن الملک سرسید احمد کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

مگر میں یہ نہیں مانتا کہ آپ ہر جگہ اس مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بلکہ برخلاف اس کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ بعض جگہ تسامح کے درجہ سے گذر کر مغالطہ میں پڑ گئے اور جس حد پر پہنچ کر آپ کو ٹھہر جانا چاہیے تھا اس سے گذر گئے۔آپ نے ان باتوں کو جو اس زمانہ کے علم وسائنس نے پیدا کی ہے بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح اور یقینی مان لیا اور جو باتیں قرآن میں بظاہر اس کے مخالف معلوم ہوئیں ان میں ایسی تاویلیں شروع کیں کہ قرآن مجید کا مقصود ہی فوت ہوگیا۔،

تاریخ اہل حدیث سے متعلق واقعات وحقائق کو مصنف علام نے آئندہ صفحات میں بعنوان دعوت واستقامت، بحث ونظر، اور مقدمات، سمیٹا ہے اور عاملین بالحدیث کے سفر کی تفصیل پیش کی ہے یہ سطور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے دعوت ایثار وعمل ہیں۔ بظاہر مطلع ابر آلود ہے لیکن جن کے ہاتھوں میں کتاب وسنت کی مشعل ہے وہ راہ حق پر پیہم بڑھتے رہیں گے اور دوسروں کے لئے روشنی اور حوصلہ کا سامان فراہم کریں گے۔ ان شاء اللہ

ان سطور کے اختتام پر مصنف باتمکین محترم ڈاکٹر بہاء الدین حفظه الله تعالى وعافاه کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا تھا لیکن الفاظ وتعبیرات ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔ برصغیر کے اہل قلم پر جو ذمہ داری تھی، اسے موصوف محترم نے دیار مغرب میں بیٹھ کر بے سروسامانی کی حالت میں جس طرح ادا کیا ہے اس کا اجر صرف اللہ رب العالمین دے سکتا ہے۔ ہمارا فرض مصنف کے لئے دعائے خیر، مواد کی فراہمی میں ان کے ساتھ تعاون، اور انکے بے مثال کارنامہ کی قدردانی ہے۔ اللہ تعالی مصنف کو اجر

جزیل سے نوازے اور دعوت عمل بالکتاب والسنہ سے سب کے دلوں کو منور فرماوے آمین۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنے ذمہ داروں کے ساتھ جس طرح محترم مصنف کے ساتھ تعاون کے لئے باحوصلہ اور پرجوش ہے وہ قابل تقلید ہے۔ اللہ رب العزت سے یہ بھی دعا ہے کہ مرکزی جمعیت کے عزائم ووسائل میں برکت عطا فرمائے تاکہ اس عظیم منصوبہ کی تکمیل ہو سکے۔ آمین

و صلی اللہ علی رسولہ الکریم و الحمد للہ رب العالمین۔

ڈاکٹر مقتدی حسن محمد یاسین ازہری۔ صدر جامعہ سلفیہ بنارس۔

شاہین باغ دہلی، ۴، ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

تاثرات

(فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالمعید مدنی۔ دہلی)

تاریخ اہل حدیث جلد سوم تیار ہے اور بہت جلد قارئین کے ہاتھوں میں پہونچنے والی ہے۔ تاریخ اہل حدیث سلسلے کی یہ تیسری کڑی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر ہند میں مسلک اہل حدیث کی نشأۃ ثانیہ میں کن علماء کی علمی کاوشیں تھیں اور ان کے اثرات کہاں تک پہونچے۔ اور ان اقدامات کے نتیجے میں کیا کیا مشکلات سامنے آئیں؟ جب علمی حیثیت سے کسی عقیدے مسلک یا رجحان کی بنیاد پڑ جاتی ہے یا رکھ دی جاتی ہے اور دلوں میں بھی یہ دینی تعلیمات راسخ ہو جاتی ہیں تو پھر انکا پھیلنا طے ہو جاتا ہے اور ان کو پھیلانے والے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور پوری توانائی کے ساتھ انہیں لوگوں کے دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے ہر ممکن جتن کرتے ہیں اور اس راہ میں آنے والی ساری پریشانیوں اور اذیتوں کو برداشت کرتے ہیں۔

تاریخ دراصل مارگ درش ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قافلہ حیات کہاں کہاں سے گذرا ،کن راہوں کو طے کیا اور کن کن قوموں بستیوں اور شہروں تک پہونچا۔ کاروان علم و ہدایت جب بن جاتا ہے اور جادہ ء پیما ہوتا ہے تو اس کی شان نرالی ہوتی ہے اس کی عظمت ،اس کی توانائی، اس کی بصیرت، اس کی مہم جوئی قابل رشک ہوتی ہے اور سرمہ بصیرت بھی۔ یہ کاروان ایسا پرعزم ہوتا ہے کہ پہاڑیاں، وادیاں، صحرا، جنگل، شہر، بستی سب کو طے کر ڈالتا ہے اور جہاں سے گزرتا ہے نور پھیلتا ہے اور عظمت کے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔

برصغیر کے کل اسلامی پیریڈ میں جس طرح جماعت اہل حدیث نے ہمہ گیر کامل اور صحیح دعوت دی اور اقامت دین کی ہمہ گیر جد و جہد کی اور اس کے لئے جس طرح سارے اسباب اکٹھا کئے اور جس طرح علمی دینی عملی درکار صلاحیتیں فراہم ہوئیں اور اس راہ میں جس قدر مشقتیں اٹھائی گئیں ان سب کی مثال کہیں اور کبھی اس خطے میں نہیں ملی۔

اس جماعت کا امتیاز یہ بھی تھا کہ اسے اپنے منہج ومسلک کے مطابق ذہن بنانا پڑا، افراد سازی کرنی پڑی، عقیدہ وعمل درست کرنا پڑا اور یہ کٹھن کام کل کا کا اپنے حوصلوں اور بوتوں پر کرنا پڑا۔ اور اس اونچے معیار پر کرنا پڑا کہ دوسرے اس کی اخلاقی، علمی، عملی، فکری، ایمانی برتری کو تسلیم کریں۔ یہاں ازاول تا آخر ماحول، افراد، اداروں کو اپنے طریق پر ڈھالنا پڑا اور اس کے لئے ہر محاذ پر مورچہ لگانا پڑا، اور سارے مخالف ماحول کو اپنے موافق بنانے کی کوشش کرنی پڑی۔

یہاں برصغیر ہند میں دوسرے افکار ونظریات اور رجحانات کو پروان چڑھنے میں آسانی تھی اور ہے۔ قبروں، اماموں، اولیاء، اور پیروں مرشدوں اور رسم رواج کے نام پر انہیں پھلنے پھولنے میں آسانی تھی اور ہے اور ہمیشہ انہیں تخت وتاج کا سایہ ملا۔ انہیں درباروں، درباریوں اور ایوان سیاست کا سہارا حاصل رہا، ان کے ماننے والوں اور ان کے قائدین کو عوام اور ایوانوں میں نذرانے اور تحفے ملے، انہیں ناز ونعم کے اسباب میسر ہوئے، اور سر آنکھوں پر بٹھایا گیا۔

اس کے برعکس منہج سلف اور مسلک اہل حدیث کا راستہ دلوں اور دماغوں سے گزرتا ہے، اس کی فطرت ہی یہی ہے کہ اسکی اپنی راہ ہو، اور اسکا پورا دینی سلسلہ ہو۔ اسکا راستہ درباروں، ایوانوں اور تاجداروں کے محلات سے نہیں گذرتا بلکہ انہیں بھی اپنی راہ پر لانا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کی راہ مشکلات کی راہ ہوتی ہے۔ اس کے راستے میں کانٹے آتے ہیں۔ سنگلاخ وادیاں آتی ہیں۔ اس کی راہ میں خون بہانا پڑتا ہے اور پسینہ بھی۔ اور جانوں کا نذرانہ بھی دینا پڑتا ہے۔

جماعت اہل حدیث برصغیر ہند، حکمرانوں کے سائے میں نہیں پروان چڑھی، نہ اس کے علماء ناز ونعم میں پلے بڑھے۔ وہ حالات وماحول کی کڑی دھوپ میں پروان چڑھی ہے، اس کے لئے بڑی قربانیاں دی گئی ہیں۔ یہ بڑی سخت جان بھی ہے اور مہربان بھی ہے۔ اسے جب سب کچھ دے دو تب پھر بدلے میں بہت کچھ ملتا ہے۔ یہاں دین کی دکان لگانے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں سب کچھ اللہ کے لئے ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہوتا ہے۔

برصغیر ہند میں مسلک اہل حدیث اور دیگر دینی رجحانات کے مزاج اور طبیعت،

خصائص، امتیازات، اسباب نشو ونما اور طریقہ نشو ونما، اور بقاء وزوال سے اہل حدیث علماء اور تعلیم یافتہ حضرات کو باخبر رہنا چاہیے تاکہ انہیں اپنے اسلاف کی عظیم قربانیوں کی خبر رہے اور مسلک حق اور علماء حق اہل حدیث کی مظلومیت اور مشکلات کا اندازہ رہے، اور مسلک اور جماعت کی اہمیت سے باخبر رہیں۔ اس جماعت نے برصغیر میں اپنی جو امتیازی شان بنائی تھی اور جس طرح لاکھ مخالفتوں کے باوجود علمی، اخلاقی، عملی اور روحانی اعتبار سے سب پر فوقیت حاصل کرلی تھی اور اس کی ایک نمایاں تاریخ بن گئی تھی، اس شان، فوقیت اور اہمیت کو برقرار رہنا تھا اور نمایاں تاریخ مرتب ہونا تھی، لیکن اپنی غفلت نے ظالم اقلام کو بے مہری اور عیاری کا موقع دیا۔ انہوں نے ہماری شاندار تاریخ کو اپنا لیا اور دنیاوی سرخروئی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ہمارے اوپر یہ قرض ہے کہ ان خونوں پسینوں اور جانوں کا حق ادا کریں جو مسلک حق کی خاطر قربان ہوئیں اور نہنگوں کے جبڑوں سے ان حقائق کو چھیل لیں اور انہیں عیاری سے باز رکھیں جو مدرسوں، اداروں، دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں میں ایک جعلی دینی منہج بنا کر اپنا قد اونچا کرنے میں لگی رہتی ہیں۔ جماعتیں اور تنظیمیں اپنی بقا ونمود کے لئے بہت سے امور کی محتاج ہوتی ہیں اور ان کے موت وحیات کے اسباب ہوا کرتے ہیں۔ اس مشہود لہا بالخیر جماعت کے مزاج اور فطرت کے مطابق جس صلاحیت اور جن افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور اسکے لئے جو اسباب حیات ہوتے ہیں ہمارے اسلاف نے ان سب تقاضوں کو پورا کیا اور دوسروں پر برتری حاصل کرلی۔ آج کی نسل کے اندر وہ خوبیاں اب کہاں کہ ان سے اس جماعت کا کامیاب اور زریں تسلسل برقرار رہے۔

جماعت کی رگوں میں تازہ لہو اسکی تاریخ اور اسکے رجال کی تاریخ سے بھی دوڑ سکتا ہے۔ جماعت کی رگوں میں اسکی تاریخ لکھ کر ڈاکٹر بہاء الدین صاحب تازہ لہو دوڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی انہیں کامیابی عطا کرے۔ ان کی کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے سرفراز کرے۔ اور اس اہم کام میں تمام معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

(مولانا) عبدالمعید مدنی۔ اہل حدیث منزل، اردو بازار۔ دہلی۔ ۱۷۔ جون ۲۰۰۹ء

درّ بے بہاء

تاریخ ایک نامیاتی عمل ہے۔ اقوام عالم کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ بنا تا ہے۔ اہم اور غیر اہم واقعات رونما ہوتے ہیں۔ وقت کا مورخ انہیں اپنے صحیفہ دل پر مرتسم کرتا رہتا ہے پھر دانش وران واقعات کی ترتیب و تالیف کرتے ہیں۔ وقائع نگاری تاریخ کا ایک جزو ہے۔ آنے والی نسلیں ان وقائع نگاروں کی تحریروں سے تاریخ کی تدوین کرتی ہیں۔ تاریخ نگاری ہر دور میں ایک متنازعہ فن رہی ہے بہت کم مورخ ایسے ہیں جن پر کسی نہ کسی شکل میں جانبداری یا عصبیت کا الزام عائد نہ ہوا ہو۔ شاہی درباروں کے وقائع نگار اکثر غیر محتاط ہوتے تھے۔ ان کا مطمح نظر اپنے مربی کو خوش کرنا، قصیدہ نگاری کر کے اس سے انعام و اکرام حاصل کرنا ہوتا تھا۔ انگریزوں نے تاریخ کو اپنی استعماری مصلحتوں کا اسیر بنایا اور مختلف فرقوں کے درمیان منافرت پیدا کرنے کے لئے تاریخ کو مسخ کیا۔ آج ایک پوری قوم اس سامراجی وراثت کو سینہ سے لگائے ہوئے ہے۔

اقوام کی طرح تنظیموں کی بھی اپنی تاریخ ہوتی ہے۔ تنظیمیں جو تاریخ بناتی ہیں اقوام کی بیداری، ہدایت اور تحریک کا باعث بنتی ہیں۔ ان کا کردار کشور کشاؤں اور شہنشاہوں سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ وہ فتح وشکست، ہزیمت و پسپائی کے جذبہ سے بے نیاز اپنے مشن کے لئے کام کرتی ہیں۔ ان کے افراد ذاتی مفاد اور مصلحت سے بالاتر ہو کر کفن بدوش میدان عمل میں آتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس راہ پر انہوں نے قدم بڑھایا ہے وہ دار و رسن کی راہ ہے اور شہادت ہی اس راہ کا سب سے بڑا انعام ہے: کسے کہ کشتہ نقد او قبیلہ ما نیست

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن　　　　نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

برصغیر میں سب سے عظیم اصلاحی تحریک رجعت الی الکتاب والسنہ تھی۔ یہ کب شروع ہوئی تھی، اس کی تاریخ کا صحیح تعین کرنا مشکل ہے۔ ہر دور میں اس کے داعی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ مجدد الف ثانی ہوں یا صدر الصدور ملا عبدالنبی ہوں، محمد فاخر زائر الہ آبادی

ہوں، شاہ ولی اللہ ہوں، ان کے صاحبزادگان گرامی مرتبت ہوں، شاہ محمد اسماعیل شہید ہوں، خاتم المحدثین حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین ہوں، نواب صدیق حسن خاں ہوں، مجاہدین صادقپور مولانا ولایت علی مولانا عنایت علی، مولانا یحیٰ علی ہوں، مولانا ابو الکلام آزاد ہوں، شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری ہوں، علامہ محمد ابراہیم آروی ہوں، غرض یہ سلسلۃ الذہب ایک ایسا لازوال اور لامتناھی سلسلہ ہے جو خیر القرون سے آج تک سرگرم عمل ہے اور انشاء اللہ روز قیامت تک سرگرم عمل رہے گا۔ لا تزال طائفة من امتی ...کی بشارت اہل ایمان کے لئے مژدہ جانفزا ہے اور اس شمع ہدایت پر ہر دور میں پروانے قربان ہوتے رہتے ہیں۔ سرفروشان میدان عزیمت اور نقیبان کتاب وسنت کی قربانیوں کی داستانیں ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں سنی اور سنائی جاتی رہی ہیں لکھی بھی گئی ہیں مختصر بھی اور مفصل بھی۔ تاہم ایک تشنگی کا احساس ہمیشہ رہا کہ شہیدان وفا کی یہ داستان پوری شرح وبسط سے لکھی جائے تاکہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے شمع ہدایت بنے۔

تقسیم وطن کے بعد برصغیر کی سب سے فعال تنظیم اور جماعت اہل حدیث انتشار کا شکار ہوگئی۔ اہل حدیثوں کی اکثریت کے بیشتر علاقے نئی مملکت کا حصہ بن گئے اور بھارت میں جماعت پر ایک مرگ آسا جمود طاری ہوگیا۔ حالات ہی ایسے تھے کہ سانس لینا بھی دشوار تھا۔ بہرکیف آہستہ آہستہ جماعت اور جمعیت کو فعال بنانے کی تحریک شروع ہوئی اور اپنی خاک اور خاکستر سے پھر سلفیان ہند حیات وعمل کے میدان میں ابھرے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نئے نام سے اپنا سفر شروع کیا۔ نصف صدی کے اس سفر میں جمعیت نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کر لی ہیں اور آج وہ ملک کی بہت فعال دینی تنظیموں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس دوران جمعیت کے ذمہ داروں کے سامنے یہ مسئلہ بار بار پیش ہوا کہ جماعت اہل حدیث کی مستند ومعتبر تاریخ کی ترتیب کا کام شروع کیا جائے کیونکہ یہ ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی فریضہ ہے جو اہل حدیث کو انجام دینا ہے لیکن کوئی ایسا نظر نہیں آرہا تھا جو اس ہفت خوان کو طے کر سکے۔

پھر جس طرح کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا تھا، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے

ناظم عمومی جناب مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے سات سمندر پار برطانیہ میں درّ بے بہاء کا پتا لگایا جو اپنی تمام تر معذوریوں کے باوجود ہمالیائی عزم و ہمت کا پیکر ہے یعنی ڈاکٹر محمد بہاء الدین نفعنا اللہ بطول حیاتہ ۔مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے خود برطانیہ جاکر ڈاکٹر صاحب سے یہ ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کی ۔اور اس طرح تاریخ اہل حدیث کی مفصل تدوین کا مرحلہ رو بہ عمل آیا۔ دو ضخیم جلدیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند شائع کر چکی ہے اور اب یہ تیسری جلد نذر قارئین ہو رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ تاریخ نویسی ایک مشکل اور متنازعہ فیہ موضوع ہے ،اکثر تاریخ نگار افراط و تفرط کا شکار ہو جاتے ہیں یا پھر غیر جانبداری کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ۔ڈاکٹر صاحب نے یہ مرحلہ کامیابی سے طے کیا ہے اور اعتدال کے دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالا ہے۔ یہ چیز ان کی گہری تاریخی بصیرت، علمی دیانت داری اور غیر جذباتی انداز فکر کو ظاہر کرتی ہے اور ایک کامیاب مورخ کے لئے یہی صفات اولین شرط ہوتی ہیں ۔

تاریخ اہل حدیث کی تیسری جلد بھی پہلی دو جلدوں کی طرح ضخیم اور تفصیل و جزئیات سے بھری ہوئی ہے ۔حیرت ہوتی کہ ایک ایسا شخص جو مدت سے صاحب فراش ہے، اس میں ایسی عرق ریزی اور جزئیات نگاری کا ملکہ کیسے پیدا ہوا ؟ اور کیسے اس حالت میں بھی اس حوصلہ مندانہ انداز سے تن تنہاء کام کر رہا جسے کرنے کے لئے اکیڈمیاں قائم کی جاتی ہیں ۔ یہ اللہ تعالی کا فضل و کرم اور توفیق ہی تو ہے جو ایک معذور شخص کو کوہ پیائی کا حوصلہ عطا کرتی ہے :

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کتاب کا سب سے اہم حصہ سرسید احمد خان اور نواب مہدی علی خان محسن الملک کی بازیافت ہے ۔سرسید کے بارے میں بہت سے لوگ واقف نہیں کہ وہ کٹر وہابی (غیر مقلد) تھے ۔شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے شاہ مخصوص اللہ کے شاگرد اور شاہ اسماعیل شہید کے معتقدین میں سے تھے۔ اتنے کٹر وہابی تھے کہ خود کو نیم چڑھا وہابی کہتے تھے۔ وہ انگریزوں کے وفادار تھے لیکن کبھی اپنے وہابی ہونے سے انکار نہیں کیا ، نہ کبھی

وہابی مجاہدین کے خلاف کچھ لکھا، نہ ان کی تحریک کو غلط بتایا۔ ہاں یہ تحریف ضرور کی کہ مجاہدین کی تحریک کا رخ انگریزوں کی بجائے سکھوں کی طرف موڑ دیا حالانکہ یہ سراسر ایک بہتان تھا۔ وہابی تحریک ملک کی آزادی کی اولین مسلح جدوجہد تھی اس کا مقصد انگریزی استعمار سے ملک آزاد کرانا تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے جو فتویٰ جاری کیا تھا اس میں نصاریٰ افرنگ کا نام لیا تھا۔ شاہ اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی کی طرف سے راجہ ہندوراؤ مدارالمہام ریاست گوالیار اور مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب کے نام جو خطوط لکھے گئے ان میں اس کی پوری صراحت ہے کہ تحریک جہاد کا مقصد ملک کو فرنگی تسلط سے آزاد کرانا ہے۔ راجہ ہندوراؤ کے خط میں تاجران متاع فروش اور بیگانگان بعید الوطن کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہ فرنگیوں کی طرف اشارہ ہے۔۔

سرسید کا نام اہلحدیثوں میں شجر ممنوعہ بن گیا ہے کیونکہ سرسید کا شذوذ سب کے سامنے ہے ان کی نیچریت نے انہیں برباد کیا۔ دراصل ان کا لندن جانا ان کے لئے عذاب بن گیا۔ وہ ایک محکوم قوم کے فرد تھے، علوم جدیدہ سے ناواقف، انگریزی سے بھی رسمی سی شدبد تھی۔ اس وقت لندن میں سائنس اور مذہب کے درمیان معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ سائنس کے داعی مذہبی افکار وعقاید کو مسترد کر کے نیچر (فطرت) کو بنیاد بنا کر کائنات کے آغاز اور انسانی ارتقاء کی تھیوری پیش کر رہے تھے۔ صلیبی کیونکہ غیر منطقی عقاید پر زیادہ انحصار کرتے ہیں اس لئے وہ اس وقت دفاعی پوزیشن میں آ گئے تھے بلکہ پسپائی کی حد تک ہزیمت خوردہ دکھائی دے رہے تھے۔ سرسید نیچر پرستوں کی اس تحریک سے مسحور اور مغلوب ہو گئے کیونکہ نئی تھیوری (نظریہ) نئے انداز اور لفظیات و مصطلحات کے ساتھ پوری شدت سے پیش کی جا رہی تھی اس لئے سرسید کی مرعوبیت اس پر ایمان لے آئی اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اگر مذہب کا جواز ثابت کرنا ہے تو اسے نیچر کا تابع بنا کر پیش کرنا لازمی ہے۔ حالانکہ الفریڈ ٹینی سن جو برطانیہ کا ملک الشعرا اور سرسید کا ہم عصر تھا اور سرسید کے مقابلہ میں نیچریت کی تبلیغ کی حقیقت کو زیادہ بہتر کون سمجھتا تھا، اس نے نیچریت کے مقابلے میں مذہب کا دفاع کیا۔۔۔

سرسید نے غضب یہ کیا کہ نیچر کے طلسم میں اسیر ہو کر قرآن کریم کی تفسیر لکھنے بیٹھ گئے۔ یہ ان کی زندگی کا تاریک ترین لمحہ تھا، لیکن وہ اپنی اس مہم میں کامیاب نہیں ہوئے۔ خود

ان کے معاصر علماء نے ان کے افکار ونظریات کو سختی سے مسترد کر دیا بلکہ خود ان کے ساتھیوں اور رفقاء، جن میں سید مہدی علی محسن الملک سرفہرست ہیں، نے ان کی تردید کی اور انکے نظریات کا ابطال کیا۔ ڈاکٹر بہاء الدین نے تاریخ اہل حدیث میں سرسید احمد کی بازیافت کی کوشش کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں ان کے ایام ضلالت کو اللہ کے سپرد کر کے ان کے ان ایام اور خدمات پر نظر ڈالنی چاہیے جن میں انہوں نے وہابیوں کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ ایسی بات ہے جو علمائے اہل حدیث کے لئے لمحہ فکریہ فراہم کرتی ہے۔نواب محسن الملک (سید مہدی علی) پہلے شیعہ تھے پھر سنی (حنفی) ہوئے۔ پھر اپنے علم ومطالعہ کی روشنی میں پیرو کتاب وسنت بنے۔ غیر مقلد ہو کر دین خالص کی تبلیغ واشاعت میں قلم اٹھایا۔سرسید سے معرکہ آرائی۔آج اہل حدیثوں میں کتنے ہیں جو اس عظیم فرزند سلفیت سے واقف ہیں۔

غرض ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ نے ایک ایسا گراں قدر علمی، تاریخی، قاموسی سرمایہ اہل حدیثوں کو عطا کیا ہے جو اپنی افادیت واہمیت میں بے نظیر ہے اور جماعت کی موجودہ اور آئندہ نسلیں اس پر فخر کریں گی۔ ڈاکٹر صاحب کی عبقریت یعنی ان کے علم کی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کو دیکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ :

لیس للہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(اللہ کیلئے کوئی مشکل نہیں کہ کسی شخص میں ایک دنیا جلوہ گر فرمادے)

ہم سب نیاز مندوں کی دعا ہے کہ اللہ تعالی انہیں صحت عامہ عطا فرمائے اور انہیں اس میدان قرطاس وقلم میں سرگرم عمل رکھے۔ آمین

ابن احمد نقوی نئی دہلی۔ ۲۹۔اپریل ۲۰۰۹ء۔مطابق ۳ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ

تاثرات

(فضیلۃ الشیخ مولانا محمد مقیم فیضی نائب ناظم عمومی مرکزی جمیعت اہلحدیث ہند)

الحمد لله رب العا لمين و العا قبة للمتقين و الصلوة و السلا م على نبينا محمد وعلى آ له و صحبه اجمعين

ادھر بعض رؤساء کا منہ بنتے دیکھا تھا مگر چہرے کا اتار چڑھاؤ یا ماتھے کی شکن جہارا کچھ نہ کہہ پاتی مگر اب کہ ایک جگہ ایک رئیس جماعت نے جو بڑے سیر چشم اور کشادہ دست واقع ہوئے ہیں، کھلے طور پر کہا کہ صاحبو جو گذر گیا اس کے پیچھے کیوں پڑے ہو کچھ فکر آئندہ کی ہونی چاہیے، جو نہیں ہو سکا وہ کیجئے۔ تب سمجھ میں صاف آ گیا کہ بڑے بڑے حاتمان جماعت اور لکھ لٹ رؤساء کی موجودگی میں ہمارے میر صاحب کا درد لادوا کیوں رہا، اور ان کی حسرتوں کو کوئی چارہ ساز کیوں نہ میسر آیا؟ ایک ایک تاجر تن تنہاء مسجدیں بنواتا تھا، مدرسے قائم کرتا تھا، اور اپنی جیب خاص سے اسے چلاتا تھا، چھاپہ خانہ لگواتا تھا، بڑی بڑی جائدادیں وقف کرتا تھا، اور قومی تحریکوں کے لئے لاکھوں خرچ کرتا تھا۔ شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ کانگریس میں دو اشخاص تھے جو سیاست سے کچھ لیتے نہیں تھے بلکہ اس پر اپنا خرچ کرتے تھے، ان میں سے ایک مولانا عبد القادر قصوری تھے۔ ملیح آبادی نے ذکر آزاد میں لکھا ہے کہ ان کے صاحزادے محمد علی ایم اے نے جو ممبئی کے تاجر تھے، ایک مرتبہ مولانا آزاد کو ایک لاکھ روپئہ دیا تھا۔ الغرض سب کچھ ہوتا رہا مگر ایک بے چاری تاریخ اہلحدیث نہ ہو پائی۔ اوراق پریشان ہی اس کا مقدر رہے۔ کچھ باتیں تو سینوں ہی میں گھٹ کر رہ گئیں انہیں سفینے بھی کبھی میسر نہ آئے۔ شیر پنجاب اور شیخ الاسلام ندائیں ہی دیتا رہ گیا مگر اس کی آواز بھی صداء بصحرا ہی ثابت ہوئی۔ (حافظ عبداللہ) غازی پوری اور (عبدالعزیز) رحیم آبادی اپنی حسرتیں آپ ہی اٹھائے اٹھائے ابدی نیند سو گئے۔ تاجروں ہی کا کیا رونا ہمارے کچھ فضلائے

روز گار بھی یہ کہتے سنے گئے کہ یہ کیا کار بے کاری ہے، قوم کا وقت اور پیسہ برباد جاتا ہے ،فکر کی یہ آوارگی کچھ نئی نہیں ہے ۔صدیاں بیت گئیں اور یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل کھڑی ہے کہ ناس کناس و ایام کا یام ۔ابن الاثیر کے تیور ملاحظہ کیجئے:

لقد رأيت جماعة ممن يدعي المعرفة و الدراية ۔ و يظن بنفسه التبحر في العلم و الرواية يحتقر التواريخ و يزدريها ، و يعرض عنها و يلغيها ظنا منه ان غاية فائدتها انما هو القصص و الاخبار ، و نهاية معرفتها الاحاديث و الاسمار ۔ و هذا حال من اقتصر على القشر دون اللب نظره و من رزقه الله طبعاً سليماً و هداه صراطاً مستقيماً علم ان فوائدها كثيرة و منافعهاالدنيوية و الاخروية جمة غزيرة

(ترجمہ) کچھ مدعیان معرفت و درایت کو دیکھا جو اپنے تئیں علم و روایت میں تبحر سمجھتے ہیں ،تاریخ کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں اور اسے بے وقعت قرار دیتے ہیں ،اس سے اعراض کرتے ہیں اور اسے لغو مانتے ہیں ۔ان کا یہ خیال اس (مفروضہ) پر مبنی ہے کہ اس کا حاصل محض قصے کہانیاں ہیں اور اس کی انتہاء محض گفتار و گوش گپیاں ہیں ۔ یہ اس شخص کا حال ہوسکتا ہے جس کی نظر مغز کی بجائے چھلکے تک محدود رہے اور جنہیں اللہ نے طبع سلیم سے نوازا ہے اور صراط مستقیم پر لگایا ہے وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ اس کے فوائد بہت اور اس کے دینی و دنیوی منافع بے انتہا ہیں ۔

ادھر جماعت کے ایک ملی مولانا ہیں جو کاروبار دنیا میں چابک دست و صبا رفتار واقع ہیں ،منصوبہ سازیوں میں ان کا دماغ اپنی نظیر آپ ہے اور دین کے حوالے سے بھی ان کے دائرہ کار کی وسعت بہت سے احباب کے لئے قابل رشک ۔ایک دن فرمانے لگے اہل حدیثوں نے آج تک عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا ۔ میں نے کئی نام گنا دیئے کہ صاحب فلاں فلاں کی مثال سامنے ہے ۔ چاہتا تھا کہ کچھ صفحات حقائق کے اور الٹوں کہ میرے منہ سے نکلا مولانا ابوالکلام آزاد بھی ۔ یہ سن کر انہوں نے ایسا منہ بنایا کہ دیدہ باید ۔ کہنے لگے کیا ابوالکلام آزاد واقعی اہل حدیث تھے؟ میں دنگ رہ گیا ۔ پھر میں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں روک دیا اور ہم دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے ۔

ایک تیسرے مولانا کی بھی سنتے چلئے ۔ یہ حضرت جماعتی حلقوں میں کافی پڑھے لکھے

مانے جاتے ہیں اور لوگ انہیں صاحب فہم و ذکا گردانتے ہیں۔ ایک بڑے جامعہ کے مالک ہیں۔ پچھلے دنوں سنتے آئے تھے کہ ان کے اندر جماعتی حمیت خوب ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے قرآن کے حوالے سے اپنے جامعہ میں سیمنار کا انعقاد فرمایا، ہمیں بھی اس میں شرکت کا موقع ملا، جب ہم جماعتی دورے پر نکلتے ہیں تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ علاقے میں جو بھی جماعتی مدارس ہوں وہاں حاضری دی جائے، اسی طرح کا موقع تھا چنانچہ ہم بھی حاضر ہو گئے۔ اور یہ خوش گوار اتفاق تھا کہ انہوں نے ہمیں بھی اپنے مہمانوں میں شامل فرمایا جس کے لئے ہم آج تک ان کے شکرگذار چلے آتے ہیں۔ مگر اس وقت حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب انہوں نے غالبًا اپنی اختتامی تقریر میں فرمایا کہ ہندوستان میں قرآن فہمی کی ابتداء مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اسیر مالٹا سے ہوئی، جب وہ مالٹا سے ہندوستان تشریف لائے تب انہوں اپنی اس مہم کا آغاز فرمایا۔ اپنی تقریر میں انہوں نے متعدد شخصیات کی خدمات کو سراہا مگر کسی اہل حدیث بزرگ کا نام تک ان کی تقریر میں نہیں آیا۔ اللہ جانے یہ لاعلمی کی بات تھی، جس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے، یا پھر منصوبہ بند تقریر تھی؟ کیوں کہ اس پروگرام میں دیگر مکاتب فکر کے بہت سے فضلاء مدعو اور شریک تھے۔ بعد میں لوگوں نے بتایا کہ ان دنوں اپنے آپ کو سیکولر اہل حدیث ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرنا ان کی مجبوری تھی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی کی خدمات کو نظر انداز کر دیا جائے یا کسی کارنامے کو تعصب کی عینک لگا کر دیکھا جائے یا گروہی دھڑے بندیوں کے خود ساختہ تقاضوں کے مطابق انصاف کیخلاف اعلان جنگ کر دیا جائے، مگر یہ بھی نہ ہو کہ کسی وقتی مفاد کے پیش نظر اور احساس کمتری و مرعوبیت کے باعث سرے سے حقائق ہی کو مشق ستم ٹھہرا لیا جائے اور اکثریت کو خوش

کرنے کے لئے اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھی باعث عار و شنار مان لیا جائے، یا اسے تاریخ کا ایک ایسا گم شدہ باب بنا دیا جائے جس کا تذکرہ بھی جرم ٹھہرے۔

مذکورہ وقائع کسی تعلیق وتبصرہ کے محتاج نہیں۔ یہ حضرات معاشرے کے نمائندہ افراد میں سے ہیں، اس لئے ان کا انداز فکر ونظر باعث تشویش ہی نہیں کچھ سنجیدہ اقدامات کا متقاضی ہے کیونکہ یہ واقعات جماعتی زندگی کے لئے کوئی صحت مند علامت نہیں ہیں،

تاہم جماعت میں حقیقت پسندوں، متوازن ذہنیتوں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والے افراد بھی خاصی تعداد میں ہیں، خواہ یہ حضرات کچھ خاص کر گزرنے کی پوزیشن میں نہ ہوں مگر پھر بھی ان کا دم غنیمت ہے اور ان کے ذریعہ بہت سے کام ہو رہے ہیں۔

یہ حقیقت ذہنوں میں روشن رہے کہ جب لوگ کسی قوم کے وجود یا اس کے تشخص کو مٹانا چاہتے ہیں تو اس کی تاریخ کو خاص نشانہ بناتے ہیں، یا تو اس کو مسخ کر دیتے ہیں، یا اس سے بالکل کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حقیقتیں افسانہ ہو جاتی ہیں اور افسانے حقیقت بن جاتے ہیں۔ اور اس کام کو منصوبہ بند طریقے پر انجام دینے کے لئے بہت سے افراد اور بھاری سرمایہ مختص کیا جاتا ہے۔

ادھر کچھ فرقے، گروہ اور جماعتیں تو ایسی ہیں جو گڑھی ہوتاریخوں سے اپنے افراد قوم و جماعت کو زندہ کرنے کی کوشش میں دن رات لگی ہوئی ہیں، شجاعتوں اور عظمتوں کی داستانیں وضع کی جاتی ہیں، آئے دن نئے نئے شگوفے چھوڑے جاتے ہیں، دوسروں کے کارناموں اور کارگزاریوں کو اس طرح اپنے کھاتے میں ڈال لیا جاتا ہے کہ عقل و منطق سر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔ مگر یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ سال پر سال گذرتے جاتے ہیں اور وہ جماعت جو زندگی کے تمام میدانوں میں اپنی تابناک اور گراں قدر تاریخ رکھتی ہے اور ملت وانسانیت کے لئے جس کی خدمات بے مثال ہیں وہ ابھی تک اپنی سرگرمیوں کا بکھرا ہوا ریکارڈ بھی جمع نہیں کر سکی۔ اور زندگی اور حرکت ونشاط کا پیغام دینے والے کارنامے آفاق کی پنہائیوں میں گم ہوتے جارہے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ آج نئی نسل اپنی لاعلمی، غفلت شعاریوں اور غیروں کے منفی پروپیگنڈوں کے باعث اپنے اسلاف کے تئیں بدگمان، دوسروں کے خودساختہ کارناموں سے مرعوب اور گزشتہ صف شکن جیالوں کا مذاق اڑاتی نظر آتی ہے

خندہ اہل جہاں کی مجھے پرواہ کب تھی
تم بھی ہنستے ہو میرے حال پہ رونا یہ ہے

اغیار کی تہمتیں اور طعنے کچے ذہنوں کو ہلا دینے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ابھی چند ہی روز گزرے ہیں ایک صاحب ایک کتابچہ ہاتھ میں لئے پہنچے اور کہنے لگے صاحب

غضب ہو گیا اس میں تو اہل حدیثوں کو انگریز نواز بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اہل حدیث تو کل کی پیداوار ہیں، یہ نام ان کیلئے محمد حسین بٹالوی نے انگریزوں سے الاٹ کرایا تھا۔ میں نے عرض کیا یہ راگنی تو اباً عن جدٍ الاپی جا رہی ہے۔ آپ اتنے پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر ان کی بیمار ذہنیت، مریض نفسیات، احساس کمتری اور دکھتی رگیں ان کو کسی پہلو قرار نہیں لینے دیتیں، یہ سلسلہ یوں بھی تھمنے والا نہیں کہ کچھ لوگوں کا پیشہ ہی یہی ہے۔ ان کی روزی روٹی، شہرت و ناموری یا کرسی بزعم خویش اسی سے جڑی ہوئی ہے۔ اس لئے بیچارے مجبور ہیں۔ البتہ آپ اپنی تسلی کے لئے فلاں فلاں کتابیں پڑھ لیجئے۔

ایسے حالات اور ماحول میں وہ لوگ ہمارے اجتماعی شکریہ کے کس قدر مستحق ہیں جو زمانوں کی گرد جھاڑ کر حقائق کا رخ زیبا ہمیں دکھاتے ہیں اور ہمارے لئے زندگی کی حرارت کا سامان کرتے ہیں اور ہمیں ماضی سے جوڑ کر ہمارے مستقبل میں امیدوں کے دیئے روشن کرتے ہیں ان کا شکریہ ادا کرنا ہماری قومی اور جماعتی ذمہ داری ہے۔ انہیں تابندہ ناموں میں جو جماعت وملت کے محسن ہیں، ایک خوبصورت نام مولانا بہاء الدین صاحب حفظه الله کا ہے جو فرنگ کے ویرانے میں اپنے جنون کی آبیاری کر رہے ہیں اور اپنے جذبات کے شعلوں سے گزشتہ عظمتوں کو بھڑکائے جاتے ہیں اور دل و دماغ کی خوش گوار تحریک کا باعث ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

جس بار کو سب نے گرانی سمجھا
اس بوجھ کو یہ ناتواں اٹھا لایا

کے مصدق جو کام بڑے بڑے ناموں اور اداروں سے نہیں ہو سکا، وہ کام دور دراز بیٹھے ایک عزلت گزین شخص نے اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ قلم وقرطاس کے رمز شناس اور بحر حکمت کے شناور عش عش کرا اٹھے۔ آج یہ نام جماعتی حلقوں میں بڑے احترام سے لیا جاتا ہے اور معروف خاص و عام ہے۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کا کام دستاویزی نوعیت کا ہے جس میں سب سے زیادہ اہمیت جماعتی کارناموں کے سابقہ ریکارڈ کی حفاظت اور اس کے تعارف کو دی گئی ہے جو وقت کا بہت بڑا کام اور تقاضوں کے عین مطابق ہے، مگر انہوں نے جماعتی تاریخ

کے تجزیاتی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں ہے بلکہ قدم قدم پر اپنی ناقدانہ بصیرت کا ثبوت فراہم کیا ہے، واقعات کو صحیح تناظر میں پیش کر کے سچائیوں کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور بہت سے گم شدہ حقائق کو طشت از بام کیا ہے۔ طرز بیان دلنشین اور تحریر میں لطافت و چاشنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک خوبی جس کا مجھے اندازہ ہوا، وہ ان کی حقیقت پسندی اور حقیقت بیانی ہے جو آج کل کے دور میں اپنی نایابی نہیں تو کم یابی کی وجہ سے بہت اہمیت کی حامل ہے اور بڑی جرأت کا کام ہے۔ اقتباسات کے ذریعہ اپنی بات کو مبرھن کرنے کی کوشش کی جائے تو سلسلہ لمبا ہو جائے گا جس کی ناظم عمومی صاحب کی تنبیہہ کے مطابق گنجائش نہیں تاہم ایک اقتباس پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے میری بات مدلل ہو جائے گی:

اس موقع پر میں ایک ضروری بات قارئین کے گوش گذار کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہماری یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے مستقبل کے عزائم کا بیان نہیں ہے بلکہ اقرأ كتابك کے مصداق ماضی کی سرگذشت ہے۔ عزائم ہمیشہ بلند اور سہانے ہوتے ہیں جب کہ ماضی کی حکایت، بلندی اور پستی کی روئداد ہوتی ہے۔ روداد سفر میں ایسی جگہوں سے گذر بھی ہوتا ہے جو قابل ذکر نہیں ہوتیں اور نخلستانوں، گلستانوں، مرغزارو ں کی معطر فضاؤں سے گذر بھی ہوتا ہے۔ جماعت اہل حدیث کی تاریخ بھی اونچ نیچ سے عبارت ہے۔ اس کے افراد سے ایسی خدمات بھی انجام پذیر ہوئیں جن پر اپنوں کے علاوہ بے گانے بھی فخر کر سکتے ہیں اور ایسے کام بھی سرزد ہوئے جن کا تذکرہ خوش آئند نہیں۔ ان لوگوں نے جو فیصلے کیے وہ کبھی درست نکلے اور کبھی نادرست (تاریخ اہل حدیث۔ ج ۱ ص ۳۱)

یہ تحریر صاف بتاتی ہے کہ حقائق سے چھیڑ چھاڑ کر کے خطاؤں کے گرد تقدس کے ہالے نہیں بنائے جائیں گے اور کمزور پہلوؤں کو ایسا رخ نہیں دیا جائے گا کہ عقل سوخت اور خرد حیران رہ جائے، اسی طرح روشن کارناموں کو ان کے صحیح سیاق وسباق میں پیش کیا جائے گا جس سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ اور ہر طرح کی جانبداری اور مرعوبیت سے گریز کیا جائے گا۔ یہ محض گفتگو برائے گفتگو نہیں ہے، اسے پوری علمی امانت داری اور عملی دیانت داری کے ساتھ برتا گیا ہے جس کی تصدیق کتاب کے ہر

انصاف پسند قاری کی جانب سے ہوگی۔

ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوجھجک نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جماعت اہل حدیث کے ہمہ جہت کارناموں کو منظر عام پر لانے کا سلسلہ جس انداز میں شروع کیا ہے وہ منفرد طرز کا حامل ہے، تحریک ختم نبوت کی چھ جلدوں کے بعد تاریخ اہل حدیث کی جلد اول اور جلد دوم منظر عام پر آچکی ہیں اور علمی وعوامی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں اور آئندہ جلدوں کے لئے آتش شوق کو ہوا دے رہی ہیں، اور یہ تیسری جلد بھی ان شاء اللہ جلد ہی باصرہ نواز ہوگی اور ماضی کے بہت سے گوشوں کو بے نقاب کرے گی اور سابقہ دونوں جلدوں کی طرح لوگوں کی معلومات میں بیش بہاء اضافے کا باعث ہوگی، ان تمام مجلدات میں ڈاکٹر صاحب کی لگن، جد و جہد، عرق ریزی و جانفشانی کے ساتھ ساتھ ان کی دردمندی اور اخلاص صاف صاف جھلکتے ہیں جن کے متعلق برصغیر کے متعدد ناموراہل قلم نے روشنی ڈالی ہے اور ان کی تحریروں کی شگفتگی اور افادیت کے ساتھ ان کی ان تھک کاوشوں اور اخلاص کا بھی اعتراف کیا ہے۔

ہم پوری جماعت کی جانب سے ان کے شکر گذار اور انکی کامیابی، ثبات قدمی اور قبول عمل کیلئے اللہ تعالی کے حضور دعا گو ہیں، اللہ تعالی ان کے اس عظیم کام کو ان کے میزان حسنات کے ثقل کا ذریعہ بنائے اور ان تمام لوگوں کو بھی جزائے خیر سے نوازے جنہوں نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون فرمایا ہے نیز ان کو بھرپور اجر وثواب عطا فرمائے جنہوں نے ماضی میں یا موجودہ زمانے میں اس طرح کی کوئی خدمت انجام دی ہو، مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند بھی ہمارے شکریہ ومبارکباد کی مستحق ہے جس نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کی ذمہ داری لی ہے اور دو جلدوں کی بہترین نشرو اشاعت کے بعد تیسری جلد کی اشاعت کیلئے تیارہے اللهم اغفرلهم وارحمهم و ارفع درجتهم۔ آمین۔

(مولانا) محمد مقیم فیضی نائب ناظم عمومی۔ مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند۔ دہلی